شہر دہلی کی نئی پرانی کل عمارتوں کا مفصل بیان مع نقشہ جات کے

واقعاتِ دارالحکومت دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

(حصہ سوم)

۱۳۳۷ھ

مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی

۱۹۱۹ء

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین و محمد شمس الدین صاحبان کے اہتمام سے چھپی

بیاں و نقش عمارات شہریاراں میں ، کتاب سپہر جاپیشہ چوں بہ بستہ شکستہ

واقعات دار الحکومت دہلی

حصہ سوم

مصنفہ

بشیر الدین احمد

Alavi Book Depot
P. O. BOX: 3061
MOHAMMED ALI ROAD

طبع اول ایک ہزار جلد

فہرست مضامین حصّۂ سوم واقعات دارالحکومت دہلی

تا صفحہ	از صفحہ	مضمون	باب
۴	۳	۲	۱
		نا معلوم گنبد حوض خاص کے گرد و نواح کے متعدد مقبرے (۱۲۷) کھڑکی کے کی حدود کے مقبرے (۱۲۷) بیوی باندی کے مقبرے ۱۲۷/۱۲۸ بارہ کھمبا ستونوں کے دو مقطع (۱۲۸) گمزی اور دو نا معلوم گنبد (۱۲۹) گنبد باغ عالم یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابو سعید کا مقبرہ ۱۲۹/۱۳۰ قناتی مسجد ایک اور قناتی مسجد ستونوں والا گنبد (۱۳۰) حوض علائی یا حوض خاص اور مدرسہ ۱۳۰/۱۳۱ - فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ ۱۳۱/۱۳۴ - حوض خاص کی اور عمارتیں (۱۳۵) دو گنبد (۱۳۵) مدرسے کے مکانات ۱۳۵/۱۳۶ - فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج دو دالان (۱۳۶) تالاب کے کنارے کی مسجد ۱۳۶/۱۳۷ - نگینہ گمٹی یحییٰ خاں کا گنبد (۱۳۷) چھوٹا گنبد حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد ایک گمزی - موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد قناتی مسجد (۱۳۸) - موضع منیرکہ کے کئی گنبد - بستی کا اندر والا گنبد (۱۳۹) مرادآباد پہاڑی کے چار گنبد ۱۳۹/۱۴۰ - وزیرکے کے مقبروں کا گروپ - دو قناتی مسجدیں (۱۴۰) موضع محمد پور کے تین مقبرے (۱۴۰) محمد خاں کا مقبرہ ۱۴۰/۱۴۱ - گاؤں کے اندر ایک اور گنبد اور مسجد - ایک اور گنبد (۱۴۲) ہمایوں پور کا مقبرہ - موضع کھرہڑہ (۱۴۳) مسجد ۱۴۳/۱۴۴ - دروازہ فصیل نیلی مسجد (۱۴۴) عیدگاہ (۱۴۵) عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں ۱۴۵/۱۴۶ - ایک برج اور قناتی مسجد (۱۴۶) شاہ پور - ۱۴۶/۱۴۷ - چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری ۱۴۷/۱۴۸ - بیگم پور کی عمارتیں - ہردم خیالی کی درگاہ (۱۴۹) بیگم پور کی مسجد ۱۴۹/۱۵۱ - مقبرہ شیخ فرید بخاری ۱۵۱/۱۵۲ - بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری (۱۵۲) بارہ کھمبا اور تینی کوٹھی ۱۵۲/۱۵۳ - بیجے منڈل یا بیڑی منزل یا بدیع منزل ۱۵۳/۱۵۴ - بیجے منڈل کے دامن میں ایک ۱۵۴/۱۵۵ - کالو سرائے کی مسجد (۱۵۵) شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد ۱۵۵/۱۵۶ - اشتہ جی یا سمی جی ۱۵۶/۱۵۷ - بی بی فاطمہ سام کا حال ۱۵۷/۱۵۸ - حضرت نجیب الدین متوکل	

فہرست نقشہ جات عمارات وغیرہ بہ قید صفحہ

غلط نامہ

کاتب بالعموم جیسے کم سواد ہوتے ہیں محتاج بیان نہیں اُن میں بھی جو جتنے زیادہ خوش قلم
اسیقدر ہی زیادہ بد رقم۔ کاتب کتابت کی دھن میں عبارت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ بہ

کی غلطیاں سنگ ساز کے ہمراہ رہ جاتی ہیں۔ بجز سطرِ اول جو کچھ باقی ہے ہر حال ...
غلطیاں بہت رہ جاتی ہیں۔ لوگ ان مشکلات پر تو نظر کرتے نہیں کتاب کو جب ...
اگر غلط نامہ سطر سے بنایا جائے تو ناظرین اکتا جائیں۔ چھوٹی چھوٹی غلطیاں نون غنہ
نقطہ کو سینے ایک آدھ نقطہ یا کہیں کہیں شوشہ یا مرکز چیٹ کرجانے کی نظر انداز کی گئی
سیاقِ عبارت اور طرزِ کتابت دونوں رہنمائی کرتے ہیں باقی رہیں بڑی بڑی غلطیاں
جن سے نفسِ کتاب کے مضمون پر اثر پڑتا ہے اُن کو کسی طرح دیدہ و دانستہ چھوڑا نہیں
ہاں میری ہی نظر اُن پر نہ پڑے تو دوسری بات ہے۔ متوقع ہوں کہ ناظرینِ تمکین اگر اس کتاب
کو اُس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جس طرح کہ ایک تاریخ کی کتاب کو نظرِ غائر سے دیکھنا چاہیے
تب تو ضرور ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرمالیں اور اگر محض قصہ
سمجھ کر سرسری نظر مدِنظر ہے تو یہ غلطیاں تو در کنار اتنی ہی اور ہوں تو بھی۔ ایں ہم بر سرِ علم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۱۵	ڈُقت	دَقت	۱۶	۲	جائیں لے	جائیں۔
"	۱۹	جو رکھے	جی رکھے	۲۳	۹	مطرہ	سطرے ۱۳
۴	آخر	بیچ	پیچ	"	۱۶	مسجد	مسجد
۷	۷	رغیت	رغبت	"	۲۱	دوائر الظل	دوائر الظل
"	۸	کتسش	کشش	۲۴	۱	سمرت سنتہ	[illegible]
۱۱	۱۲	قطع	قطعے	۲۶	۷	گے	گئے
"	"	اسی	اتنی	۳۰	۲۱	لشانات	نشانات
"	۱۵	صیغہ	صیغہ)	۳۳	۷	ٹھوا	ٹھوا
"	۱۹	تھیٹر	تھیئٹر	۳۹	۴	او	اور
۱۳	۴	جوتیر	چیونیر	۴۰	۳	صَرِح	صَرح
"	۸	چیقلش	چپقلش	"	۱۱	گیئے	کیئے
۱۳	۱۷	فزیالوجی	فزیالوجی	۴۲	۹	بھریں	بھریں
۱۳	"	حالبات	حالبات	"	۱۳	اتوکی	ذاتوکی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱	۲	۳	۴
[illegible]	۱۴	لفقش	نقش	۹۰	۸	ہوایا	ہوایا—۱۴
۴۴	۱۱	زبینے	زینے	۹۲	۵	علمہ	علمہ
۴۶	۵	[illegible]	[illegible]	"	۱۱	چرھا	چڑھا
۴۷	۱۱	[illegible] محراب	تیج کی محراب	۹۴	۶	قبرِس	قبریں
۴۸	۲	خیرپور	خیرپور	"	"	عملاقہ	علاقہ
"	۸	جیندیا	چندیا	۹۷	۳	نصیرالدین	نصیرالدین
۴۹	۲۲	دیپالچ	دیپال پور	"	۱۸	کھنڈری	کھنڈری
۵۲	۱۱	بڑھ	بڑھ کر	"	آخر	گئیں	گئیں
۵۸	۱۰	گنند	گنبد	۹۸	۸	دسئے	دیئے
"	۸	گنبدیاں	گمزیاں	"	۱۶	سے	سا
۵۹	۱۱	پوہنچتے	پہونچتے	"	۲۱	مسجد	آبادی
۶۳	۱۴	ربالین	زبالین	۹۹	۱۶	۹۳ سنہ	۹۳ سنہ
"	۱۵	انا	اتنا	"	۲۰	طرف	حرف
۶۴	۱۷	دیواریں	دیوارمیں	۱۰۰	۲۳	۱۰ لے	تالے
۶۹	۱۲	کی بنا	کی بھی بنا	۱۰۲	۱۲	مجرابیں	محرابیں
۷۳	۱۰	دوائی	دوائی	"	۱۸	ہوتا	ہوتا تھا
۷۴	۱۶	مرزانجف	مرزانجف خاں	۱۰۳	۱۰	لے	سنے
"	۲۲	کا خاتمہ	کا بھی خاتمہ	"	۱۳	فیروزشاہی	فیروزشاہی تھے
۸۰	۱۳	ان	آں	"	۱۳	۶۸۹ھ / ۱۳۰۰ء	۶۸۹ھ / ۱۲۸۰ء
۸۱	۶	سنہ ۱۲۲۱-۳۳ع	سنہ ۱۳۲۱-۳۳ع	۱۰۷	۸	سنہ ۱۳۱۰	۸۱۳ھ / ۱۴۱۰ء
"	۱۴	کروڈالا	کرواڈالا	۱۰۸	۱۴	کوکوں	کونوں
۸۵	۲۴	کئے	کرکے	"	۲۲	دوبرجی	دوبرجی
۸۶	۱۰	وکلفا	وکلفا	۱۱۰	۱۷	شیخ صا	شیخ صلا
۸۹	۱۹	منقوش ہیں	منقوش ہو	۱۱۱	۷	تفسیر مصرعے	تفسیر مصرعے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۲	۶	وا	ویاقائما بلا	۱۵۵	۱۴	لاپروائی	لاپروائی
محاذی ۱۱	نقشہ	کنگرخاں	منگرخاں	۱۵۷	۱۳	با	بابا
۱۱۵	۱۶	بووہ	بودا	۱۵۸	۲	اویال	اوبال
۱۲۰	۴	چیھ	چڑھ	”	۱۱و۱۲	سپید	سپید
۱۲۱	۲	کھنڈموں	کھنڈروں	”	۱۱	وو	وو رود
”	۱۴و۲۱	پیچ	بیچ	”	۱۳	فرود	فرو
۱۲۲	۲	بائ	باقی	”	۱۵	وار	دار
۱۲۳	۱۵	گزد	گرد	۱۶۲	۳	الضرار	الضرار
۱۲۴	۱۸	سپاٹ ہی گر	سپاٹ ہی	”	۲۴	ماند	مانند
”	۲۱	پر	پڑ	۱۶۳	۳	(دوکان)	(دکان)
۱۲۵	۹	بنایا	بتایا	”	۴	سنگیت	سنگیست
۱۲۰	۵	فیق	رفیق	”	”	دور	درو
۱۳۴	۷	ظاہر	ظاہر ہی	”	۱۷	اشرا	اثر
۱۳۷	۲۰	۸	۱۸	”	۱۹	زیازت	زیارت
”	”	کو	سکا	۱۶۴	۱	غازی	غاری
۱۴۲	۶	کیوں	کیوں	”	۲	یاسہ	یاسہ
۱۴۳	۸	وقت	وقت بائیں طرف	”	۵	نبعض	بعض
۱۴۷	۲	دودو	دو	۱۶۶	۲۰	لستہ	بستہ
۱۴۸	۷	یَسفُوتَ	یَصِفُوْنَ	۱۶۷	۱۴	اُرسی	اُسی
”	۲	اوبچی	اونچی	۱۷۰	۲	زرہ	ذرہ
”	آخر	اور	او	”	۱۲	حالت	حالت میں
۱۵۱	۲۲	عدلت	عدالت	”	۱۶	بارہ	بارہ
۱۵۲	۱۰	کچھ قبریں	ایک قبر	”	۱۹	سنگین	سنگین
۱۵۳	۱۵	جنگ	چھنگ	۱۷۴	۱۸	ملکیوں	پلکیوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
[illegible]	۵	بہ	×	۱۸۴	۱۸	سلعانه	سلطانه
۱۸۵	[illegible]	وسئے	ویسئے	۱۸۵	۲	حسرحان	خسروان
"	۲۰	برعائی	بڑھائی	"	۳	الغدل	العدل
"	۲۱	سجد	مسجد	۱۸۶	۱۳	سیرھی	سیری
۱۸۶	۱۳	وروزے	دروازے	"	۱۶	ویں	وہیں
"	۲۳	چوکوں	چوکون	۱۹۰	۱۴	الغالم	العالم
۱۸۰	۲	بہ	یہ	۱۹۱	آخر	المعبد	المعید
۱۸۲	۱۴	اعلی	علی	۱۹۲	۱۲	فی	تا
"	۲۰	محمدی	محمدی قوی	۱۹۳	۱۳	العمارة	العمارة الملک
"	۲۱	مسجد	مساجد	۱۹۵	۱۳	۱۳۸۳۰	۱۳۸۲
"	۲۳	رافع	رفع فی	۱۹۷	۳	پرجی	برجی
۱۸۳	۴	محمد شا	محمد شاه السلطان	۱۹۸	۵	چگردار	چکردار
"	۸	الخلافة	الخلافة	"	۹	اور	×
"	۱۰	بتوفیق	بتوفیق ایزد	۱۹۹	۱۲	بادشا	بادشاه
"	۱۳	اللهد	الله	۲۰۰	۱۶	اکر	اگر
"	۱۵	معابر	منابر	۲۰۱	۱	بانی	بانی سے
"	۱۹	فلاع	قلاع	۲۰۳	۹	لیا	کیا
"	"	[illegible]	[illegible]	۲۰۵	۳-۴-۵	چوکوں	چوکون
"	۲۰	بجلال	بجلال	"	۲۳	یہ	ان
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۰۶	۸	تھتیں	چھتیں
[illegible]	۵	[illegible]	[illegible]	۲۰۸	آخر	تتھے	آتے
"	۶	بصدق	بصدق	۲۰۹	۵	بنا	بتا
[illegible]	[illegible]	[illegible]	×	"	[illegible]	[illegible]	×
[illegible]	[illegible]	[illegible]	×	"	۱۶	[illegible]	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۲۱۰	۷	فیرزو	فیروز	۲۴۵	۹	ستقریت	مشتریوں
۲۱۴	۲۳	ملکہ	بلکہ	"	۱۰	محمد قلی خاں	[illegible]
۲۱۶	۱۰	تو	تو	۲۴۶	۹	بیدر	[illegible]
۲۱۷	۴	نقتش	نقش	۲۴۷	۸	پدران	پیران
۲۲۰	۹	لیرا	کیا	۲۴۸	۱۲	لگا	لگا ۲۰
۲۲۱	۲۴	لئے	لئے	۲۵۴	۳	بیاظفر	بکظفر
۲۲۵	۱۸	سالگرہ	سالگرہ ۶	۲۵۵	۹	گروے	گیروے
"	۲۲	کال	کال ۶۶	۲۵۷	آخر	سنہ ۱۲ھ	سنہ ۱۳ھ میں
"	۲ آخر	سالیویں	سالیواہن	۲۵۸	۱	دودا	دورہ
۲۲۷	آخر	+	یہ دیکھو بر صفحہ آئندہ ۔ ۱۲	"	۴	بالاتزام	بالالتزام
۲۲۸	"	کولی	کوئی	"	۱۰	دیلی	دہلی
۲۲۹	۲	جو مالک	جو	"	"	شاہل	شامل
۲۳۱	۱۹	سمت ۱۸۳۹	سمت ۱۸۹۳	۲۵۹	۱۲	کے	سے
"	۲۰	کاٹھ	کاٹھ جو حساب سے (۴۸) برس کی بند وقت ہوتا ہے	۲۶۰	۲۱	کے	کا
۲۳۱	۱۲	بشمض	بشخص	"	۲۴	یہ عبارت رہ گئی ہے:-	
۲۳۲	۲۰	ساتھر تھے	ساتھ رہتے تھے	ایک دفعہ شیر شاہ بادشاہ (بتاریخ ۲۴ محرم سنہ ۹۵۰ھ)			
۲۳۳	۱۲	دور	دوز	میر شکار کو اس طرف آیا اور زیارت مزار مبارک سے			
"	۱۴	۳ ½	۳	مشرف ہوا دیکھا کہ آپ کے مزار مبارک میں کچھ			
۲۳۵	۲۳	الرسل	الرسل تا آخر کوئی	تکلیف نہیں ہے چاہا کہ خواہش زیارت سے گرد ایک			
"	۲۴	لکمل	لکمہ	چار دیواری بنوا دے اور ایک حد مقرر کی جا سبحان			
۲۳۶	۹	قلیلاً	قلیلا	سے لوگ بجوتیاں اتار کر حاضر ہوا کریں اس [illegible]			
۲۴۱	۲	۹۶۲ھ	سنہ ۹۶۹ھ	چار طرف تیر پھینکے اور جہاں جہاں تیر گرے وہاں			
۲۴۴	۲۲	دواسق	واسق	ایک ایک دروازہ بنا کر چار دیواری مکمل کر دی [illegible]			
۲۴۵	۹	عمر تاں	عمر خاں [illegible]	[illegible]			

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
[illegible]	[illegible]	دوسرے کا توسط	[illegible]	۲۸۵	۱۶	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۲۸۶	۱۸	غالم	عالم
[illegible]	۱۱	رودشن	روشن	۔	۔	تخت	[illegible]
[illegible]	۲۳	بہاذری	بہادری تاری	۲۸۸	۳	سنہ ۹۲۲ھ	سنہ ۹۲۲ھ
[illegible]	۱۰	دوعلی	ورہیں	۔	۲۰	اب	لوگ اب
[illegible]	۱۲	چھوٹرا	چبوترا	۲۹۰	۶	طرح	طرح کے
۔	۱۷	بعقل	عقل	۲۹۱	۹	دیکھا	دیکھ
[illegible]	۲۳	دلت	رخت	۲۹۳	۵	سنہ ھ	[illegible]
۲۷۰	۳	کے	کی	۲۹۴	حاشیہ	حضرتہ	حضرت تک
۔	۹	ازسعی کمترین	ازسعی کمترین غلامان	۲۹۵	۲۱	۹	[illegible]
۲۷۲	آخر	گوارا کیا	گوارا نہ کیا	۲۹۶	۹	جنت	جنت کی
۲۷۳	۷	ہمراہ	ہمرا	۲۹۵	۱۰	نہر	بہر
۔	۱۰	اور	او	۲۹۹	۱۹	پلچھ بچھ	پکھ بچھ
۔	۱۶	معتزی	سعتری	۳۰۱	۶	اوکھ	ردکھ
۲۷۴	۱۸	باولی اوراور	باولی اور	۳۰۲	۲	آپ	اب
۲۷۷	۳	بہادر شاہ	شاہ عالم بہادر شاہ	۳۰۳	۲۴	کہرا	آگرا
[illegible]	۱۰	خجر	جنر	۔	۔	گمرواز	گمرد رز
۲۸۰	۱۳	ذکریا	زکریا	۳۰۴	۱۹	دملی	دہلی
۲۸۲	۱	کشتق	گشتی	۔	۱۳	بنادرکے	بنا درکے لیے
۔	۲۶	حد تشفی	حد تشفی	۔	۲۳	دلی میں	آپ کی اولاد دلی میں
۲۸۳	۱۳	شور بستادر	شوربست دہار	۳۰۵	۱۰	مرسکے	مرتے
۔	۱۴	کہن	مکن	۳۰۶	۱۱	غوبیہ	غریبہ
۲۸۵	۵	سی لینا	سہولینا	۔	۱۶	کفت	کفت
[illegible]	۱۶	[illegible]	[illegible]	۳۰۰	۲۳	آپ	آپ

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۷	۲	۳	۴	۱	۸	۳	[illegible]
۳۰۷	۲۰	دو دو پیسے دو شنبہ	دو دو پیسے لا شو	۳۲۳	۱۴	شمس	[illegible]
۳۰۸	۱۱	آواز	آواز	۳۲۳	۲	مس	[illegible]
۳۰۹	۵	جھرنے	جھرنے	″	۵	کہاں	کہاں
″	۱۳	سی	بھی	۳۲۵	۱۴	اجائے	[illegible]
″	۱۸	باع	باغ	″	۲۰	طعے	طعے
۳۱۰	۳	سیڑھباں	سیڑھیاں	″	۲۱	گے	سکے
″	۱۵	مہتی	مہتی	″	۲۲	الرچہ	اگرچہ
۳۱۱	۲	خطیرہ	حظیرہ	۳۲۶	۳	میں قتل	میں ہیں قتل
″	۲۱	اِیداں	ابدال	″	۱۲	بنایا	بنایا
۳۱۳	۱۷	وغیرہ آں	وغیر آں	۳۲۸	۷	ہیں	ہیں
۳۱۵	۳	لرایک	کرایک	″	۸	خاص	خاص میں
۳۱۶	۱۴	ہی دور	ہی اور	۳۳۹	۱۵	خود	خود
۳۱۷	۸	حالت میں	ہے	″	۲۳	ہی	تھی
″	۲۲	پلٹتا	پلٹا	۳۳۲	۱۷	شکم	شکم کو
۳۱۸	۱۷	ساتھ	ساتھ ہی	″	۲۳	تا	ہے
″	۲۲	دودو	دو	۳۳۴	۱۷	حصہ	حصہ
۳۲۰	۲	جاسے	دسے	۳۳۹	۱۲	اندچت	اندچت
″	۱۴	سے	سے آیا	″	۲۳	سکتا	سکتے
۳۲۱	۱	یرانی	پرانی	″	″	ضرور	ضرور شہر
″	۱۳	سناسے	بناسے	″	۲۴	ہوگا	ہوں سکے
″	۲۴	سکے	کے	۳۴۰	۱۸	آبا	آباد
۳۲۲	۱۹	تبلا سکتے ہیں	بتلاسکتے ہیں	۳۴۱	۱	[illegible]	میں
″	۲۰	درست	درخت	۳۴۲	۴	ذیل	ذیل
۳۲۴	۱	بھی	[illegible]	″	[illegible]	[illegible]	[illegible]

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۴۴	۱۰	فارسی	فارسی	۳۹۴	۰	اللیام	اللیالی
۳۵۰	۳	مشبوبہ	مشبوکہ	〃	۲	ناسلوا	فاسلوا
[illegible]	[illegible]	فارعن	فارسی	〃	۱۴	بوملی	موجل
۳۵۸	۱۴	عزت	حضرت زینب المرتضیٰ	۰	۱۸	نافذ	نافذا
〃	۱۵	لوک	لوگ	〃	۱۹	علی الطریق	علی طریق
۳۵۹	۱	ہرگز	ہرگز	۳۹۷	۸	عوالیم ترتیب	عوالیم قیمت
۳۶۰	۹	ہم	ہے	〃	۱۱	مخلص	مخلص
۳۶۲	۱۴	یہ	یا	۳۹۸	۲	مزبلو را	مزبلو را
۳۶۳	۱۴	پائدار	پائدار رہو	〃	آخر	دریصورت	دریں صورت
۳۶۴	آخر	شیر سنڈلی	شیر سنڈل	۴۰۱	۱۳	سمہ	سینہ
۳۶۵	۱۱	سما	سماں	〃	۲۲	بتعرف	بیتصرف
۳۶۷	۱۳	قلعہ	قلعہ	۴۰۳	۱۳	بابستہ	بالجستہ
۳۶۸	۶	طلائی	طلائی	〃	۱۹	مغر	مغز
۳۷۰	۲۰	ہرہر	ہرہر	〃	۱۲	۱۴ار	۳ر
۳۷۶	۷	عظما	عظیما	۴۰۵	۱۳	سلطنت کے	سلطنت کاہم
۳۸۴	۱۴	۱	و	۴۰۶	۳	خط	خطا
〃	۱۴	خوردان	خوودراں	۴۰۷	۱۱	کی تصویر	کے تصور
〃	۲۲	بندۂ سالسموم	بندۂ السموم	〃	۱۳	افروز	افروز
۳۸۵	۱۱	بدایوان	بدیوان	۴۰۸	۸	ومیم	دمیم
۳۸۷	۱۳	نوازو	نورزو	〃	۹	دخم	ومیم
۳۸۹	آخر	ازاد	آزاد	〃	〃	غر	غرر
۳۹۰	۴	غالیشان	عالیشان	۴۰۹	۴	مماج	مماخ
۳۹۲	۱	دواہم	دراہم	〃	۲	نالق	خالق
[illegible]	۱۳	[illegible]	[illegible]	۴۱۳	۲۰	اودیو	اردو

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۴۱۷	۱۰	کرہلی	کرلی	[illegible]	۱۵	[illegible]	[illegible]
″	۲۲	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۱۵	[illegible]	[illegible]
۴۱۹	۴	ایتقالی	انتقال	۴۴۳	۱۰	بعلی عہد	[illegible]
″	۱۹	نہ جاسے	جاسے	۴۴۵	۲۰	مانسٹر بیل	مانسٹر بیل
۴۲۰	۱۷	کوہنک	کو برگ	″	۱۴	لومبر	نومبر
۴۲۱	۱۴	ایرڈسٹ	ائیرش	۴۴۶	۱۸	بچانچہ	چنانچہ
″	۲۲	متول	مستول	۴۴۹	۱۴	خفیف	خفیف سی
۴۲۲	۸	واقع	واقعے	۴۵۰	″	یروشلیم	یروشلم
″	۲۰	سنہ ۱۹۱۶ء کا	سنہ ۱۹۱۶ء میں	″	۲۲	سلطنت	سلطنت علیہ
۴۲۳	۱	داماد	اولاد	۴۵۲	۱۱	نربیت	تربیت
″	۸	ہیاگرس	ہیاٹرس	۴۵۳	۱۸	اس	×
″	۱۰	ہوسے	ہوسے ہیں	۴۶۱	۲۲	والدپا	والایا
۴۲۵	۱۲	کرس	کریں	۴۶۳	۵	ے	ہے
۴۲۶	۱۸	تو تو	تو	″	۷	اپ	آپ
۴۲۷	۱۷	بدولت	×	۴۶۴	۱	شعف	شغف
″	۱۸	پروگرام	پروگرام کا	۴۶۵	۱۶	آرچ لبشپ	آرچ بشپ
۴۳۱	۷	آسمان	اکثر آسمان	۴۶۶	۱۰	عثم	ثم
″	۱۸	تھا	تھا کہ	۴۶۹	۱۴	کوبستی	کوامبسکے مستق
۴۳۲	۱۵	بادشاہوں کو	بادشاہوں سے	۴۷۰	۴	پچنانچہ	چنانچہ
۴۳۳	۵	شعب	شغب	۴۷۱	۳	عائد	عائد
″	۲۱	جو مذاہب	جو دیگر مذاہب	″	۸	ہخواب	خواب
۴۳۴	۲۳	ہوگیا	ہوگئے	″	۹	ایپی	ایچی
۴۳۶	۲۳	دوسرے	دوسرے دن	″	۲۲	[illegible]	[illegible]
۴۳۸	۱۰	گیا	گیا تھا	۴۷۴	۸	[illegible]	ولادت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۷۲	۱۵	آرچ بسپ	آرچ بشپ				
۴۷۲	۲۳	سہزادوں	شہزادوں	۴۹۹	۱۲	ہی	ہیں
۴۷۵	۱۱	،، سٹریلیا	آسٹریلیا	،،	۲۱	سرزمین	تو سرزمین
۴۷۶	۱۴	احرام مصر	اہرام مصر	۵۰۲	۶	وسے	ویسے
،،	۲۰	گو	کو	۵۰۴	،،	مطالعہ لے	مطالعہ سے
۴۷۷	۳	کا	گا	۵۰۶	۱۱	انباعھم	اتباعھم
،،	۱۳	شکریہ	شکریہ ادا	۵۰۷	۱۰	انیند	ایمنند
۴۷۸	،،	و	ہ	۵۱۰	۱۸	مائیٹرا	مائیرا
۴۸۱	۲۲	رستے	رستے لوگوں سے	۵۱۹	۲۳	سوری	سوارڈی
۴۸۵	۴	لمبورن	ملبورن	۵۲۰	۸	و رنی	وتری
،،	۲۳	گہ	گا	،،	۹	وَغلَ	وَخلَق
۴۸۶	۱۱	بنا	بنا	،،	۱۳	زالبشری	والبشری
،،	آخر	گلڈ ہال	گلڈ ہال	۵۲۸	۱	سقوھم	سبقوھم
۴۸۹	۳	رکھدی	رکھ دی	،،	۶	الامصاء	الاحصاء
۴۹۰	۳	بڑی	کی بڑی	،،	۸	فی ا	فی
۴۹۱	۱	دوسرے	دوسرے دن	،،	۹	الجابیھا	لعجائبھا
،،	۵	محنت	محبت	،،	۱۶	الجبر	الجبر
۴۹۳	۱۳	کو	ہ	،،	۲۰	بعصنھا	بعضھا
۴۹۵	۱۰	ہم	ہم	،،	۲۲	تمکنوا	تمکنوا
،،	۱۱	ہوگئے	ہ	۵۲۲	۲	اَجَلٌ	اَجَلٌ
۴۹۶	۷	کابیوں	کتابوں	،،	۷	بشیرالدین صاحب	بشیرالدین احمد
،،	۱۳	پنا	اپنا	۵۲۴ ۵۲۹	۳ ۷	دہر ۱۳۲۹	دہر ۱۳۲۸
۴۹۸	آخر	لعل	لعل	،،	۱۸	انتستار	انتشار
۴۹۹	۷	ضرور	اہم	۵۲۷	۱۲	خبس	جس

غلط نامہ تمام ہوا۔

التماس

کس چہ شناسد کہ چہ خون خوردہ ام | کین گہر از تحفہ برآوردہ ام
ساختہ ام ایں ہمہ لعل و گہر | از خوی پیشانی و خون جگر
تا نہ درت شکرت پنہانیش | گر نہ بسکر گاہ بہ پیشانیش

جس وقت دلی کی تاریخ سنے کا ارادہ کیا یہ کام بہت آسان معلوم ہوا کہ سر سید مرحوم کی کتاب لاجواب آثار الصنادید اُنکے سامنے کی لکڑی تھی اور خیال تھا کہ کچھ تھوڑی بہت کتر بیونت اور اضافہ سے بیڑا پار ہو جاسے گا مگر تصورات اور واقعات میں آسمان زمین کا فرق ہی۔ انسان سوچتا کچھ ہی اور ہوتا کچھ ہے۔ میں تاریخ کی کتاب لکھنے کی مشکلات سے واقف تھا کہ اس فن میں میری یہ تیسری تالیف ہی امتداد زمانے کی وجہ سے کچھ تو اُن تکالیف کا جو میں جھیل چکا تھا احساس کم ہوگیا تھا اور کچھ شوق تالیف نے بڑھاوے سے چڑھا دے دے کر ہمت بندھائی اور سمجھا کہ جب ملازمت کی بیڑی پڑی تھی تب تو باوجود ہجوم مشاغل تو نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور اب کہ پنشن لے کر خانہ نشین ہی اور تجربہ ہاتھ سے خالی بیٹھا ہی تیرا ہچر مچر کرنا محض خدع نفس اور کم ہمتی ہی۔ غرضکہ۔ ع۔ ہر چہ بادا باد ماکشتی در آب انداختیم۔ دو برس سے اس جھنجھٹ میں پھنسا ہوں۔ کسی دن کی چھٹی نہ لی۔ کوئی تیوہار نہ منایا۔ اپنے سارے مشاغل تہ کرکے رکھ دیئے۔ باہر کا آنا جانا۔ سیر تماشہ ہوا خوری۔ لوگوں سے ملنا جلنا سب ترک۔ دن کا سونا چھوڑ دیا۔ رات کا بھی ایک حصہ اس کے لیئے وقف کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف سے منہ موڑ لیا اور اسی ایک مشغلے میں سارا وقت کھپایا۔ جان لڑا دی مگر اب تک بھی اس بحر ذخار

اندازہ یہ تھا کہ ناپیدا کنار ساحل مراد نظر آیا۔ پہلے خیال تھا کہ دو حصوں میں کتاب
تمام ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ دلی میں ان عمارات سے آثار قدیمہ کا وجود ہے
کہ اگر اس کو جتنا بھی لکھوں تو بجا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں مقامات کا ذکر ہے
ایک طومار ہو گیا جانب کے ختم کی کچھ نذر ہو نہ لگی جائے ڈالی جائے نہ کتاب کو
چھوڑتے بن پڑتا ہے نہ ختم ہونے ہی کی صورت نظر آتی ہے۔ چونکہ حصۂ دوم کی
ضخامت خلاف توقع بہت بڑھ گئی اس لیے اس کے دو ٹکڑے کرنے پڑے
اور اس طرح دو حصوں کے ادغام سے یہ تیسرا حصہ پیدا ہوا۔ ناظرین خود ملاحظہ
فرمائیں گے کہ آیا اس میں نری آخور کی بھرتی ہے یا یہ کہ کام کی باتیں ہیں ؎

لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انہیں
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

آثار الصنادید اور دیگر کتب کے مطالعہ سے جو تو میرے ذہن میں عمارت کا نقشہ
کما حقہ جمتا ہے نہ میری تشفی خاطر ہوتی ہے۔ ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یہ بڑی
ہٹ دھرمی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ دو سربستہ لائق مصنفین کی بے بہا تصانیف
سے مجھے مدد نہیں ملی۔ میں تو ہانکے پکارے کہتا ہوں کہ میں تو ان کا نام لیوا
انہیں کے نقش قدم پر چلنے والا اور نقال محض ہوں۔ اصل وہی ہیں اور نقل میں۔
اپنے شوق کو پورا کرنے اور کتاب کو تا امکان مکمل کرنے کی غرض سے ایک دفعہ
نہیں کئی کئی دفعہ مجھے ان ساری عمارتوں کو نظر غور اور تعمق سے دیکھنا پڑا اور جب دیکھا
کچھ نہ کچھ موتی جھولی میں بھر لایا۔ بہت سی عمارتیں تو ایسی ملیں جن کا ذکر کسی کتاب
میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا مگر زمین پر وہ کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں
ان کا ذکر نہ کرنا ایک صریح ظلم کے علاوہ کتاب کے نقص کا بھی باعث ہوگا۔ حجم
بڑھے تو بڑھے۔ وقت زیادہ صرف ہو تو ہو۔ روا روش کی زحمت تو ہو چشم ما روشن
دل ما شاد مگر محنت کی داد ملے کتاب پروان چڑھے۔ کتاب جس قدر چھپ گئی ہے
بعض صاحبوں کی رائے ہے کہ اس میں سارے کے سارے ہاف ٹون فوٹو ہوتے
میں جانتا ہوں کہ جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے میں ہاف ٹون فوٹو تو درکنار ان تمام
عمارتوں کے نقشے سونے کے پتر پر چھپوانے کو طیار ہوں مگر مشکل تو آن پڑی

کریں تو اُن دوسے گا اور بدل کر لیتے ہی ہو۔ لہٰذا یہ طریقہ اختیار کیا کہ دلّی کے بہترین
مصوروں سے نقشے تیار کرائے جو ہاف ٹون کو نہیں پہنچتے مگر اُن کے رنگ ڈھنگ
منفرد ہیں اور مصور و اصلی یعنی عمارت کا نقشہ پیش نظر ہوتا ہے وہ اس سے
کچھ یہ احسن اور بہتر حاصل ہوتا ہے۔ پھر بھی اس میں چند ہاف ٹون بلاک بھی ہیں۔
سائز لکھائی چھپائی - غرض یہ کہ ہر چیز کی گرانی نے میری ہمت پست کر دی ہے
خریدار تو اپنی جگہ رہے ؎

ہر سخن معجم قبول سے کہ خدا ایش داد و دست   تا ابد باقی باد و اوُ مباد وش پایان

دہلی۔ دسمبر ۱۹۱۹ء   خاکسار بشیر الدین احمد عفی عنہ

قطعۂ تاریخ از جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس قصبہ تہلی ضلع سارن صوبہ بہار

کیوں چھپائیں ہم جو سچی بات ہے   حق کے کہنے میں نہ کچھ ڈر ہے نہ بھے
واقعی گایا ہوا یہ گیت ہے   لیکن اس کی اور وُھن ہے اور لے
ہیں بہت اس کی قلم فرسائیاں   ہے یہ کچھ ہو اور شے وہ اور شے
تصفیہ کر لیں گے خود اہل تمیز   کیا مزہ صافی ہے کیا ہے لاے مے
ایک ہی گھر کے ہیں گو یہ واقعات   لکھتے آئے لوگ جس کو پے بہ پے
تاہم اتنا تو کہیں گے ہم ضرور   وہ بھی زیر لب نہیں باذوق دنی
کامیاب اس میں اگر پورے ہوئے   تو بشیر دہلوی فرخندہ پے
ایک بھاری مرحلہ چھپنے کا تھا   کر دیا بارے خدا نے وہ بھی طے
کیا ہے لکھنا ان کا کیا حسن بیاں   آفریں صد آفریں بر ذات وے
ہے بہت کچھ اور لکھنے کو ابھی   حی[۱] رکھے اُن کو ابھی تا دیر حی
ہد بھی کچھ ہے فکر سال طبع کی   رہیں گے یوں سر سبز اقوا بہ کی
آئیے ہم آپ سے کہہ دیں لطیف   "یہ جہان آباد کی تاریخ ہے"
۱۳۳۸ھ

[۱] پہلا حی خدا کا نام ہے اور دوسرے کے معنی زندہ۔ لفظ حی بفتح اول و تشدید یائے ثانی لفظ عربی ہے مگر فارسی میں بغیر تشدید جائز و مستعمل ہے - ی اور پے کا قافیہ جو بظاہر نادرست معلوم ہوتا ہے مگر ذیل کے دو شعر جن میں کا پہلا بدر الدین عفی کا اور دوسرا شیخ سعدی در مدح احمد علیہما کا ہے جواز کی معتبر سند ہے -
(۱) مردہ عشق سالہا اکنون می کشد   این بجز حق دیگرے گوئی اند
(۲) چو کرم گرد و ای صدت زخشہ وبی   قمر بر رزق ہمت ... [illegible]

حرانابدلی سے قطب تک

ہم پہاڑ گنج کے کنارے سے قطب روڈ کے شارع عام پر چلے جا رہے ہیں۔

کوئلے کی منڈی پہلے داہنے ہاتھ کو ایک بڑا وسیع احاطہ ملتا ہے جس کا شرقی رویہ ایک بڑا پھاٹک چوبی پٹوں کا سڑک سے ملا ہوا ہے۔ کوئلوں کی منڈی کہلاتی ہے۔ اس میں پہلے کوئلے بکا کرتے تھے اب قریب لوگ کھپریل اور چھپر پڑیاں ڈال کر رہتے ہیں اور ایک کٹڑے کی شکل اختیار کرلی ہے دلی شہر کی نفاست کے پہلو بہ پہلو یہاں کی غلاظت بھی ملاحظہ طلب ہے۔

رنگریزوں کی مسجد کوئلوں کی منڈی کے مقابل یہ ایک پختہ تین گنبدوں اور تین دروں کی قدیم مسجد ہے جو رنگریزوں کی مسجد کہلاتی ہے۔ بیچ کا برج بڑا ہے ادھر ادھر کے چھوٹے کلس سب کے ٹوٹ گئے کیوں کہ مسجد شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ طول و عرض ۴۲ فٹ × ۱۳ فٹ ہے۔ سامنے کا چبوترا ۴۲ فٹ × ۵ فٹ اور ۳ فٹ ½ بلند ہے جس پر چونے کے بچھے ہوئے ہیں بیچ کا در ۹ فٹ اونچا اور ۴ فٹ چوڑا ہے۔ چبوترے کے کنارے ایک نیم کا پرانا درخت ہے اور صحن کے سامنے ایک کنواں بھی ہے اور یہیں چند قبریں ہیں جن میں سے ایک پر کتبہ ہے:-

(۱) بسم اللہ - کلمہ -

فکر تاریخ فوت دختر بود ناگہاں گفت ہاتف اے مغموم

دہ وو کم کن و بگو تاریخ مرقد نعمت النساء مرحوم

نعمت النساء خانم بتاریخ ۱۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۸ ہجری مطابق ۱۹ اگست ۱۹۱۰ء یوم شنبہ از جہان فانی رحلت نمود

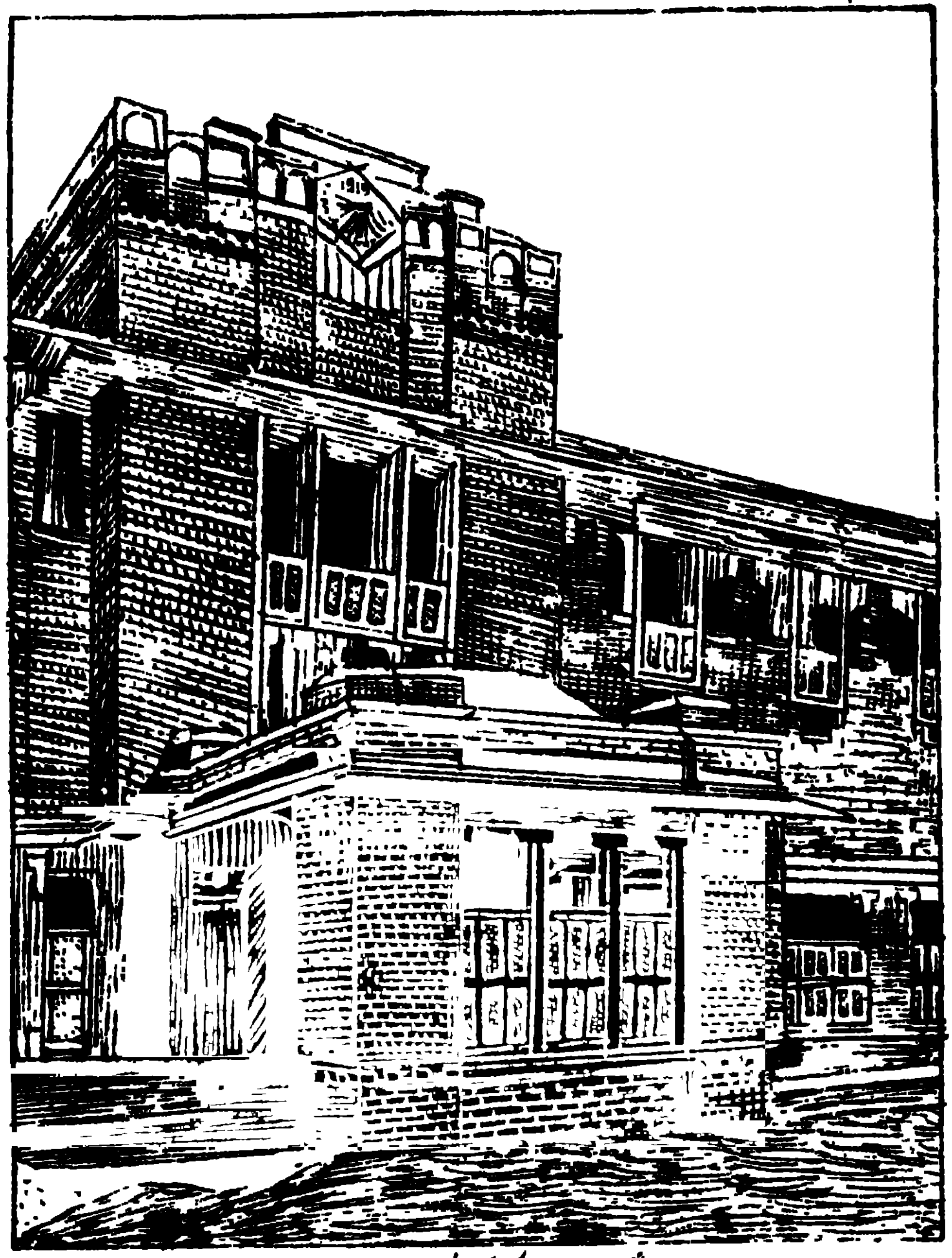
(۲) داہنی طرف مسجد کے چبوترے سے ملی ہوئی۔ ھو الباقی کلمہ

گیا دنیا سے جب حاجی خدا بخش سمک تا سما تھا شور و شیون

لکھا سن یاس نے زور و زار بنا خلد بریں میں اس کا مسکن

(۳) اسی مسجد کے تکیہ میں قبرستان بھی ہے۔ کلمہ اور کل من علیہا فان۔

رفیق النساء بعمر ۶۷ سال ۵ ماہ بست یوم ۱۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۸ روز شنبہ وفات یافت۔



لیڈی ہارڈنگ زنانہ میڈیکل کالج کا صدر دروازہ

دفن مسجد کے پچھواڑے سڑک کے کنارے۔ کلمہ۔

ہوا جب شور ماتم مرگِ مرزا ہر اک فرد بشر تھا یاس غمناک
لکھا یوں سال میں نے آہ سر آہ گیا دنیا سے عوض بیگ پیراک

چونے والوں کا گنبد سڑک سے ہٹا ہوا داہنی طرف ایک بہت پرانا گنبد ہے جس پہلی پلٹے نمبر پڑا ہوا ہے۔ یہ گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے کلس ٹوٹ گیا۔ چاروں طرف دروازے تھے۔ جنوبی رخ کا دروازہ مع اس طرف کے حصے کے بیٹھ گیا باقی تین طرف کے دروازے بھی دھنس گئے ہیں کہتے ہیں کہ اندر دو قبریں سیدوں کی ہیں جو بھرتی ڈال دینے سے دب گئی ہیں۔ اب اس میں فرش بھی نہیں رہا۔ مٹی پتھر اور گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں پاس چونے کی بھٹیاں ہیں چونے والوں کا قبضہ اس پر ایسا ہی قبضہ ہے جیسے کہ خانۂ خالی را دیو می گیرد۔

نئی بنی ہوئی مسجد سڑک کی داہنی طرف۔ یہ مسجد بہت چھوٹی سی ہے۔ چوں کہ حاجی عبدالغنی صاحب نے از سر نو تعمیر کرائی ہے لہذا پہلے کیا حیثیت تھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ طول و عرض ۲۰×۹½ فٹ ہے۔ چبوترا ۲۲×۸ فٹ۔ صحن۔ سپاٹ چھت۔ داہنی طرف ایک حجرہ۔ کنواں غسل خانہ اور بیچ کی محراب کے ادھر ادھر دو مینار نما برجیاں۔

شیرا مل کی باغیچی بڑا عالی شان دروازہ اور کمپونڈ سڑک سے ملا ہوا بائیں طرف۔

رائے بابو رام کا باغ عالی شان دروازہ اور وسیع کمپونڈ سڑک کی داہنی طرف۔

لیڈی ہارڈنگ کا طبیہ کالج سنہ ۱۹۱۴ء لیڈی[1] ہارڈنگ کے میڈیکل کالج کا بہت مختصر ذکر ہم پہاڑ گنج کے ضمن میں کر آئے ہیں اب ڈاکٹر کیٹ اے۔ پلیٹ ایم ڈی (لندن)، ڈبلیو۔ ایم ایس پرنسپل نے اپنی بڑی مہربانی سے کالج کی سالانہ رپورٹ بابتہ سنہ ۱۹۱۸ء (۲۸)

[1] پورا نام اس کا "لیڈی ہارڈنگ کا میڈیکل (دہلی) کالج و ہسپتال مستورات اور اطفال کے لیے" ہے۔
"Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children"

سنہ کی باتصویر بھیجی ہو جو بہت دلچسپ ہو اور اس میں اس کالج کی بنا کی غرض وغایت وحالات بالتفصیل لکھی ہو اور کالج کا ایک رخ قطب روڈ کی طرف بھی ہو لہذا یہ بیان بطور ضمیمہ لکھا جاتا ہو۔

گورننگ باڈی کی رپورٹ

سب سے اول اس کالج کے گورننگ باڈی یعنی منتظمین ایچ۔ ڈی کریک صاحب بہادر آئی۔سی۔ایس اور لفٹنٹ کرنل ایچ اسمتھ

مورخہ ۲۱ مئی سنہ ۱۹۱۹ء

سی۔آئی۔ای۔آئی۔ایم۔ اس جائنٹ سکرٹریوں کی تمہید کا ملخص پیش کرتا ہوں۔ پرنسپل کی رپورٹ پڑھنے سے سال بہ سال طلبار کی تعداد میں مستقل ترقی پائی جاتی ہو۔ جس میں مختلف ذاتوں اور مذاہب کا شمول ہو اور امتحانوں کی کامیابی آیندہ کی ترقی کی ترغیب وتحریص دیتی ہو۔ کالج کی زندگی کے سال دوم میں کلینیکل کام (تیمارداری) نے ہماری توقعات سے زیادہ ترقی کی ہو اور پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے جو ایک خاص کمیٹی کالج کے معائنہ کے لیئے مقرر کی گئی تھی اُس کی سب سے آخری رپورٹ میں لوازمات سازوسامان وآلات۔ عمارات اور تعلیمی سہولتوں کی بڑی تعریف کی ہو۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر اینگنس اسکاٹ نے یہاں کے بیوتات کے انتظام کو بغور دیکھ کر یہ نوٹ دیا ہو کہ یہاں کے طلبار تندرست اور خوش ہیں اور ان کی پرداخت خوب کی جاتی ہو۔ ہندوستان کے زنانہ طبی کالج کا مسئلہ بڑی خوش گوار اُمیدوں کے ساتھ لیڈی ہارڈنگ نے (پہلے پہل) سنہ ۱۹۱۲ء میں چھیڑا لیکن خصوصاً سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ کے چھوٹ پڑنے سے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نظم ونسق کی کمیٹی نے ہندوستان کے لیئے زنانہ ڈاکٹروں کی سخت ضرورت کا احساس کرکے باوجود سخت مشکلات پیش آنے کے بھی (قدم) آگے بڑھانے کا مصمم ارادہ کرلیا اور ہم جب پنج سالہ گزشتہ سنہ (حالات) پر نظر کرتے ہیں تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ جن مشکلات کو ہم نے پہلے سے تاڑ لیا تھا وہ بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گئیں۔ گورنمنٹ پیپر (پرامیسری نوٹوں) کی قیمت کے انحطاط نے ساری حالت کو بہت گھٹا دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ سامان عمارتی کی گرانی اُن تخمینہ جات

تکمیل کو جن پر وطنہ اول میں کالج اور ہسپتال کا بنانا قرار پایا تھا خارج از امکان کر دیا۔ کام کرنے والی مستورات کی مانگ اور کارہائے جنگ کے لیئے خصوصاً ڈاکٹری جاننے والی عورتوں کی ضرورت نے اعلیٰ درجے کے سٹاف کی بھرتی کرنے میں سال بہ سال زیادہ دقتیں ڈالیں۔ سامان خواہ سائنس کا ہو یا کار ہائے ہسپتال کے متعلق روز بروز زیادہ کمیاب ہوتا گیا۔ آخری مگر سب سے زیادہ مصیبت جس پر ہماری کامیابی کا دارومدار تھا وہ لوگوں کی نظروں میں ایسی بڑی ہسپتال کی طرف جو فی الحال ایک غیر آباد مقام میں واقع ہو رغبت دلانا اور اُس کی طرف لوگوں کے دلوں کی کشش قائم کرنا تھا۔ ان مشکلات کے علاوہ سارے ہندوستان کے لیئے ایک ہی میڈیکل کالج بنانے اور اُس کے چلانے میں یہ دقتیں تھیں کہ ہر صوبے کی یونیورسٹیاں جداجدا ہیں ہر جگہ کی ابتدائی تعلیم کے مدارج بھی جداگانہ ہیں۔ طالبات کے رہنے سہنے انتظامات خانہ داری کی ضروریات ہی نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں مختلف ہیں جہاں سے کہ وہ آتی تھیں بلکہ اُن کے قومی اور ذات ذات کے حالات بھی اسی طرح جدا جدا ہیں۔ لیکن جماعت منتظمین مطمئن ہے کہ بڑی بھاری بھاری مشکلات پر ہم غالب آ گئے ہیں اور کالج اب ایک کار آمد اور ترقی کے وسیع زمانے میں قدم دھر رہا ہے۔ کانن کمیٹی کا یہ خیال بھی ہے کہ جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ زیادہ تر کالج کی پہلی پرنسپل ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کی مستعدی۔ سرگرمی اور دل بستگی کا نتیجہ ہے۔ کافی تعداد استادوں کی عدم موجودگی میں کام کی سنبھال۔ عمارتوں کی نامکمل حالت، سامان آلات و اوزار کی فراہمی کی دقتیں اور سامانوں کی طرف سے ہر وقت کی پریشانی یہ سب باتیں پرنسپل کے سر پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا یہ اور زیادہ گراں اس وجہ سے ہو گیا کہ ڈاکٹر پلیٹ نے کبھی کالج کی خدمت گزاری میں ڈھیل نہ دی۔ ہم اس رپورٹ کو مرحوم سر پارڈی لیوکیس کی کالج کے متعلق گراں بہا خدمات کا ذکر کیئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ بڑی حد تک یہ آپ ہی کے مشورے اور تجربہ کی وجہ تھی کہ لیڈی ہارڈنگ کا ابتدائی خیال صورت عالیہ میں پختہ ہوا۔ ہندوستان کے لوگوں پر لیڈی ہارڈنگ۔ سر پا۔ ڈی لیوکیس اور ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کے احسان کا یادگار ہے جو ان صاحبوں نے ہندوستانی مستورات

کی بہبودی (اور فلاح) کے لیئے کیا ہے۔

کالج کے حالات۔ یہ کالج ہسپتال نرسوں اور کمپونڈروں کا ٹرینگ سکول حضور ملکۂ معظمہ قیصرۂ ہند کے ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی تشریف آوری کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں لیڈی ہارڈنگ نے عورتوں کے طبی پیشہ میں اس قدر کم داخل ہونے کی وجہ یہ دریافت کی کہ ہندوستان میں ان کا کوئی خاص کالج موجود نہ تھا اس لیئے جناب ممدوحہ نے ایک کالج اور ہسپتال کلیۂ مستورات طالبات کے لیئے بنانے کی سکیم (تجویز) کی جس کے سٹاف میں بھی تمام عورتیں ہی ہوں کالج میں سو طالبات ہسپتال میں ڈیڑھ سو مریضوں کے بستر اور ٹرینگ سکول میں پچاس نرسوں کی گنجائش رکھنا مرکوز خاطر تھا۔ اس کالج کو اس طرز پر بنانا مقصود تھا کہ طالبات مرضا پردے اور ذات کے دستور کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کے بعد لیڈی ہارڈنگ نے والیان ملک سے جن کو آپ (کی ذات مستجمع الصفات) سے ارتباط تھا اپیل (درخواست) کی جنھوں نے فیاضی سے اس دکار خیر میں شرکت کی اور بہت سے وعدے کیئے گئے جن کی تعداد پندرہ لاکھ کے قریب (حسب ذیل) ہو گئی۔

مہاراجہ جے پور - مہاراجہ گوالیار - مہاراجہ پٹیالہ - حضور نظام حیدرآباد - مہاراجہ بڑودہ
تین لاکھ دو لاکھ سوا لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ

مہاراجہ اودے پور - مہاراجہ جودھپور - مہاراجہ کوٹہ - مہارانی صاحبہ تھوا - مہاراجہ بہادر بھنگہ -
ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ ایک لاکھ [illegible]

مہاراجہ اندور - بیگم صاحبہ بھوپال - بیوہ مہارانی صاحبہ گوالیار - ان - ایم - والیان ورثا
پچاس ہزار تیس ہزار تیس ہزار پچیس ہزار

بیوہ بیگم آغا خان - دیگر معطیان - مذکورہ بالا چندوں کے سوا مہاراجہ جموں و کشمیر نے ہمیشہ کے لیئے تین ہزار ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے خرچ کے لیئے سالانہ ایک لاکھ کا عطیہ (مرحمت) ہوا۔ کونسل آف ڈفرن فنڈ نے پانچ طبی پروفیسروں کی ماہوار کا خرچ اپنے ذمے لیا۔ فنڈ مذکور کی طرف سے اٹھارہ وظائف پچیس روپیہ ماہانہ کے جن میں سے تین چھ

[illegible] تھے۔ وسیلے۔ جن کی مقدار اب تیس روپیہ کردی گئی ہے عطیہ الا [illegible] بیس ہزار روپیہ سالانہ کے معادل ہے۔ رای بہادر نارائن سنگہ نے سکھ ہوسٹل کی طرف سے ستر ہزار روپیہ اور ایک پیانو طالبات کا من روم دکمرۂ عام کے لیئے دیا۔ مہارانی صاحبہ اور رانی صاحبہ جبرتاپور نے ساڑھے سات ہزار روپیہ کالج کے داخلی ہال میں سنگ مرمر کے فرش کے لیئے بیادگار اُن مخلصانہ تعلقات کے جو ان دونوں رانیوں کو لیڈی ہارڈنگ کی ذات سے تھے۔ دیئے کالج کی نہاکے بعد سے حسب ذیل اور چندے وصول ہوئے ہیں:-

سرسروپ چند وتخم چند اندور۔ حضور پرنور اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد۔ گیکوار آف بڑودہ
چار لاکھ ایک لاکھ باسٹھ ہزار

مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ بیگم صاحبہ بھوپال۔ مہاراجہ صاحب بیکانیر۔ مہاراجہ صاحب [illegible]
پچاس ہزار پچیس ہزار بیس ہزار بارہ ہزار دس ہزار

ہز ہائنس خان قلات۔ مہاراؤ آف کوٹہ۔ راجہ کیلیشوری پرشاد۔ لارڈ ہارڈنگ کا پہلا عطیہ
دس ہزار دس ہزار دس ہزار پانسو

لارڈ ہارڈنگ کا دوسرا عطیہ۔ میور بھنج سٹیٹ۔ مہارانی ڈوگر پور۔ بالامنڈی سٹیٹ۔
دس ہزار پانچ ہزار پانچ ہزار تین ہزار

مہارانی صاحبہ پٹنا۔ مہارانی صاحبہ ڈمراؤں۔ راجہ کلا سنگھ اور راجہ کرتیا نند سنگھ بنیلی بھاگلپور
دو ہزار دو ہزار دو ہزار

مسز آنی شور۔ سرجان اور لیڈی ریمزی۔ رانی صاحبہ کنیکا۔ مہارانی صاحبہ سون پور۔
پندرہ سو ایک ہزار ایک ہزار ایک ہزار

مہارانی صاحبہ ٹینہ ذاڈلیسا لالہ گوپی ناتھ دہلی ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ۔ بابو رگھناتھ پرشاد زمیندار چھپرا
دس ہزار [illegible] [illegible] پانسو

خان بہادر قاضی فرزند احمد گیا۔ سر۔ وی۔ چرال۔ بی بی مدیحۃ الکبریٰ کداری۔ گیا۔
[illegible] [illegible] سوا سو

مسز نارمن براون دہلی۔ مسز شادی رام گوکل چند۔ انسپکٹر جناب محمد امیر خاں ہزارہ پولیس۔
سو روپیہ سو روپیہ پچاس روپیہ

صوبۂ بمبئی۔ عام چندہ۔ گورنمنٹ [illegible] آف بمبئی۔ مسٹر ہرمزجی وکیل اور ٹرسٹ فنڈ۔
باسٹھ ہزار [illegible] ڈیڑھ لاکھ

پنجاب لیڈی ہارڈنگ موریل فنڈ	بہار و اڑیسہ ہارڈنگ موریل فنڈ	صوبہ متوسط
ایک لاکھ	تیس ہزار	بارہ ہزار

بلوچستان - گورنمنٹ آف انڈیا کا سالانہ عطیہ جو حسب ذیل سالانہ بڑھتا رہا :-

سنین مابعد	سنہ ۱۹۱۹-۲۰	سنہ ۱۹۱۸-۱۹	سنہ ۱۹۱۷-۱۸	ساڑھے چار ہزار
دو لاکھ	پونے دو لاکھ	ڈیڑھ لاکھ	سوا لاکھ	

سالانہ چندے -	فرید کوٹ دربار -	نواب صاحب مالیر کوٹلہ -
	پندرہ سو	بارہ سو

کالج اور ہسپتال کی عمارت کے لیے جو مقام خاص طور پر منتخب کیا گیا[1] وہ پرانی اور نئی دلی کے شہروں کے بیچ میں آیندہ بننے والے ریلوے سٹیشن کے پاس ہو جس سے شفاخانے میں آنے جانے کی بڑی آسانی ہو جائے گی -

کالج کا نقشہ اور تعمیر کا کام مسٹر بیگ ماہر فن تعمیر کی زیر نگرانی بڑی مستعدی سے ہوتا رہا۔ اُن کی اور مسٹر گلن اگزیکٹو انجنیر اور سردار نارائن سنگھ کی ہمدردانہ محنتوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ کالج اس قابل ہو گیا کہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے کالج اور ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے سنہ ۱۹۱۷ء میں ہسپتال کا افتتاح فرمایا۔

کالج اور ہسپتال کی عمارتیں مع طبی طالبات کے ہوسٹل اور مکانات سکونتی تعلیمی اور طبی سٹاف کے سب ایک بڑے احاطے میں ہیں جو تقریباً ساٹھ ایکڑ کا ہے کالج کی عمارت میں ایک بڑے بلاک میں ایک بڑا لکچر تھیٹر یا کانووکیشن ہال. کتبخانہ عجائب خانہ۔ دفاتر کے مکان. طالبات اور پروفیسروں کے کامن رومز (کمرے) ہیں۔ اس بلاک کے ہر دو جانب بائی آلوجی (علم موجودات زندہ) کمسٹری (کیمیا) فزکس (علم طبعی) فزی آلوجی (حیوانات و نباتات کی زیست کی حقیقت کا علم) اینا ٹمی (تشریح) پے تھالوجی (تشخیص امراض) کے ساز و سامان سے بخوبی آراستہ لیبارٹیریز (علم کیمیا کے امتحان کے کمرے) ہیں. کالج کی عمارت کے پیچھے سو طالبات

[1] پہاڑ گنج کے متصل اراضی گورنمنٹ نے باغراض سرکاری معاوضہ دے کر لے لی یعنی راجہ کا بازار جسے جو سنگہ پورہ بھی کہتے ہیں اور بانس کولی کی آبادی یہ سب مقامات رائے سینا دہلی دلی میں آگئے ہیں اور یہ کالج بھی اسی سرزمین پر قطب روڈ پر بنا ہے ۱۲

[illegible] ہوسٹل (دارالاقامہ) کی عمارتیں ہیں جن میں ہر طالب کے لیئے ایک جداگانہ کمرہ ہے۔ ہندو، سکھ، اور مسلمانوں کے لیئے علیحدہ علیحدہ ہوسٹل ہیں جن میں ڈیننگ رومز (کھانے کے کمرے) بھی بنائے گئے ہیں۔ سکیں تفریح کا وسیع کمرہ جو ہوسٹل کے چوک کے بیچ میں ہے وہ سب طالبات کے کام آتا ہے لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک فوارہ جسکے بنوا دینے کا وعدہ مسٹر جارج ایلین نے کیا تھا تعمیر کیا گیا ہے۔

اس کا نقشہ مسٹر بیکر کا مجوزہ ہے اور یہ فوارہ یورپین ہوسٹل اور کامن روم کے بیچ میں ہے اس سے ہوسٹل کے چوک کی رونق بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہسپتال کی عمارات علیحدہ علیحدہ قطعات میں منقسم ہیں جو اپنی اپنی جگہ ہر طرح مکمل ہیں جن میں دو تو بڑے جنرل وارڈ مع وسیع اور کشادہ برآمدوں کے ہیں۔ دو چھوٹے وارڈ ان کے علاوہ ہیں اور بیچ میں ایک عمارت انتظامی کام اور تعلیم کے لیئے بنائی گئی ہے جس میں ایک لکچر روم۔ ایک مشورہ کمیٹی کا کمرہ اور ایک کلینیکل پے تھالوجی روم (تیمارداری و تشخیص امراض کا کمرہ) ہے۔ ایسے ایسے دو قطع تو بن چکے ہیں جو دو منزلہ عمارتیں ہیں جس میں اسی بیماروں کی رہائش کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دو بڑے لیبر وارڈز (زچگی خانے) اور بارہ کاٹج وارڈز (چھوٹے قطعات) ہیں جو تین تین ملا کر ایک قطعہ ہے جن کے ساتھ ایک ایک باورچی خانہ اور حمام خانہ بھی ہے آؤٹ پیشنٹس ڈپارٹمنٹ (باہر سے آنیوالے مریضوں کا صیغہ) ہسپتال کے صدر دروازے کے پاس ہے یہاں ایک ویٹنگ روم اور کئی مشورے اور معائنے کے کمرے ہیں اور اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مریضوں کی بے پردگی نہ ہوا اور باہر سے بالکل مد نظر نہ ہو۔ اس مقام اور اصل شفا خانے کے درمیان باہر سے آنے والے مریضوں کے عمل جراحی کا تھیٹر اور برقی صیغہ ہے۔

سنہ ۱۹۱۹-۲۲ء میں عمارات ذیل اور بننے والی ہیں :-

ایک آئی سولیشن بلاک (جس میں امراض متعدی کے لوگ سب سے الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں)

ایک اکس ریز روم (اکس شعاعوں کا کمرہ جس سے جسم کے اندر کا حال معلوم ہوتا ہے)

ایک ایڈمنسٹریشن بلاک (انتظامی قطعہ) جس میں دو عمل جراحی کے تھیٹر، دفتر کے کمرے

سلہ مریض دو قسم کے ہوتے ہیں جو دواخانے میں رہ کر علاج کراتے ہیں وہ ان پیشنٹ کہلاتے ہیں اور جو دوا لے کر اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے ہیں وہ آؤٹ پیشنٹ کہلاتے ہیں ۱۲-

پھر اور سٹور روم (گودام) ہوگا اور مد قطعے اور اسی طرح کے ہوں گے جیسے کہ اب بن ... ہیں۔ ان چار بڑے وارڈوں کے علاوہ اور بارہ مزید کلاس وارڈ ہوں گے ۔

اس کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے ہوا ہے ۔

(۱) سائنس کی میڈیکل فیکلٹی میں انٹرمیڈیٹ کورس۔ بیالوجی۔ کیمسٹری اور فزکس کا اور مزید لسٹ کیمسٹری

(۲) میڈیکل فیکلٹی میں فرسٹ پروفیشنل امتحان کا کورس ڈگری بیچلر آف میڈیسن (ادویہ) اور بیچلر آف سرجری (جرّاحی) کے لیئے ۔

کالج نے واقعی طور پر اپنا کام انٹرمیڈیٹ سائنس کا ستمبر ۱۹۱۶ء سے شروع کیا۔ ہسپتال میں باہر کے مریض اپریل ۱۹۱۶ء سے آنے لگے اور رہائشی مریض مارچ ۱۹۱۷ء سے۔

اب جب کہ کالج اور ہسپتال خوب چلنے لگے تو اب ہم اُن لوگوں کی طرف جن کی بدولت یہ مہم سر ہوئی بنظر احسان مندی دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمارے کالج کی بانیہ لیڈی ہارڈنگ مرحومہ ہیں جنھوں نے اس کی بنا ڈالی اُن کی دل سوزی اور سرگرمی اور ہزارہا مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں سے اُن کی ہمدردی ہی سے اس سکیم نے نشو ونما پایا۔ اس کے بعد سر پارڈی لیوکس کالج کے ایک دوسرے بہی خواہ تھے جن کی انتظامی قابلیت۔ تجربہ اور دانش مندانہ مشورت ہی کی بدولت اس انسٹی ٹیوشن کا آغاز کامیابی سے ہوا۔ سر پارڈی اپنا بہت سا وقت (عزیز) اور محنت اسپر صرف کرتے تھے۔ خواہ وہ کتنے بھی مصروف ہوں مگر وہ ہمیشہ (کالج کے متعلق) صلاح مشورہ دینے کو تیار رہتے۔ اور اس کی بہتری کی ہر جزئیات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

وہ صاحب بھی جنھوں نے عمارتوں کے نقشے بنائے اور عمارتیں بناکر کھڑی کردیں اور وہ بہت سے دوست جنھوں نے ضروری فنڈ مہیا کر دیئے اور وہ اصحاب جنھوں نے کالج کے کھلنے کے وقت سے ہم کو مدد دی ہے۔ (سب) کا شکریہ ہمپر واجب ہے۔ ہم خصوصًا مسز اسلنی لیڈی ہمیفورڈ کے بدرجۂ غایت ممنون احسان ہیں جنھوں نے اپنے زمانۂ قیام ہندوستان میں طالبات کی گزران اور بہی خواہی میں بڑی دلچسپی لی ہے اور کئی طریقوں سے ہماری مدد کی۔

سال زیر رپورٹ (۱۹۱۸ء) میں کالج نے خاطر خواہ ترقی کی ہے۔ تعداد طالبات کی ۴۸ سے نئے سشن ستمبر ۱۹۱۸ء میں ساٹھ تک پہونچی۔ جنگ کی گراں قیمتوں کے سبب تعمیر کے کام میں بڑی مشکلیں پڑیں لیکن پھر بھی ہم نے کئی عمارتیں بنائیں جن کا بنانا سٹاف

کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیئے ناگزیر تھا کیونکہ ضرورت کے لحاظ سے طالبات کے کوارٹر ہی کام میں لائے جا رہے تھے۔ اس سال یہ عمارتیں مکمل ہوئیں :-

ایک دوسرا دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے۔ جونیر اسٹاف بنگلے میں تین کمروں کا اضافہ۔ اور طالبات کے ہوسٹل میں ایک گرم آبہ۔ اُمید ہے کہ سال آئندہ ہم ایک اور دو منزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے بنا سکیں گے اور ایک نیا باورچی خانہ یورپین ہوسٹل کے لیئے کالج کے بڑے کمپونڈ کے باہر بابو کلارکوں کے لیئے ایک آفس اور جن مکانوں میں چھت پر چڑھنے کی سیڑھیاں نہیں ہیں وہ بھی بنائی جائیں گی۔ کیونکہ موسم گرما میں اس ملک کی گرم وخشک ہوا۔ ایک عجیب چپقلش کی حالت ہے ضرور ہے کہ اس اشتداد میں کچھ کمی کی کوشش کی جائے۔

طالبات میں تیرہ ہندو۔ بارہ اینگلو انڈین۔ گیارہ دیسی عیسائی۔ چھ سکھ۔ چھ یورپین۔ پانچ مسلمان تین سیرین عیسائی۔ دو پرتگیز۔ ایک آرین عیسائی اور ایک یہودی ہیں۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ موجودہ طالبات ساٹھ کی تعداد میں سے بیالیس خالص مشرقی النسل ہیں اس سے متبادر ہے کہ کالج جس غرض سے بنایا گیا تھا اب وہ مقصد اصلی حاصل ہو رہا ہے۔ یعنی ہندوستانی مستورات کی طبی تعلیم۔ مسلمان طالبات کی تعداد بالنسبتہ کم ہے وہ سوائے ابتدائی تعلیم کے زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ (فی زماننا) ہندوستان میں بالعموم مستورات ترقی کی طرف قدم بڑھا رہی ہیں اور اس سے توقع کیجاتی ہے کہ آیندہ چند سالوں میں تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد بہت سرعت سے ترقی کرے گی ہندوستانی مستورات فطرتاً بیمار اور درماندوں کی ضروریات میں مدد دینے کا مادہ رکھتی ہیں اور ان کا احساس ذمہ داری مشتعل ہو رہا ہے جس سے ان میں اس بات کی تحریک پیدا ہو گئی ہے کہ مصیبت زدہ بہنوں اور بچوں کی بلا وجہ تکلیفوں کو تا بہ امکان گھٹایا جائے اس کالج میں متعدد وظائف طالبات کو دیئے جاتے ہیں جن کی تفصیل بخوف طوالت ترک کردی گئی ہے۔ علاوہ وظائف کے ذیل کے طلائی تمغے بھی دیئے جاتے ہیں۔

کوئین امپرس میڈل۔ لیڈی ہارڈنگ میڈل۔ لیڈی چیمسفورڈ میڈل

امتحانات اپریل سنہ ۱۹۲۳ء میں لاہور یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) امتحان میں

(۲۳) طالبات بھیجی گئیں جن میں سے نو پاس ہوئیں۔ (۵) ایک مضمون میں رہ گئی تھیں جن میں سے انہوں نے دسمبر سال مذکور میں کامیابی حاصل کی تین آرگینک کمسٹری میں فیل تھیں انہوں نے بھی پاس کر لیا اور چھ ناکامیاب رہیں۔ مس مارشل انٹرمیڈیٹ سائنس کے امتحان میں (۲۸۹) مرد اور عورتوں میں دوسرے نمبر پر آئیں اور اس لیئے اُن کو لیڈی ہارڈنگ کا طلائی تمغہ دیا گیا اور دوسری بہت سی طالبات نے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) کے امتحان میں اچھی جگہ پائی ۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس طامس کو اور نقرئی تمغہ لی بی بلونت کور کو ملا۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس اینی کارب کو ملا۔ کالج کے امتحانات سال میں دو مرتبہ سشن کے خاتمے پر ہوتے ہیں۔ ہر مضمون میں ترقی کے انعامات ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے بانیہ کالج کی (برسی) کے دن ۱۷ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء کو تقسیم فرمائے

سٹاف

اگرچہ سٹاف میں بہت کچھ ردوبدل ہوا ہے مگر موجودہ سٹاف حسب ذیل ہے:۔ پرنسپل اور پروفیسر پاتھالوجی کا لکچرار۔ مس کے۔ اے۔ پلیٹ۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر عینی کالوجی اینڈ مڈوفری مس سی۔ ال ہولٹن۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف اناٹمی مس۔ ایم۔ مرفی۔ ایم۔ بی (کلکتہ) ال۔ آر۔ سی۔ پی (لندن) ایم۔ آر۔ سی۔ اس (انگلینڈ) ویمنز میڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف فزیالوجی مس ایم۔ آر۔ این ہومر۔ ایم۔ اے (ڈبلن) نیچرل سائنس ٹرائی پوس (کنٹیب) ڈپلما۔ (آکسن) اسسٹنٹ پروفیسر آف فزیالوجی مس جے پٹیل۔ ایم۔ بی۔ بی۔ اس۔ بمبئی۔ پروفیسر آف کیمسٹری مس لے۔ بین۔ ایم۔ اے۔ بی۔ اس سی (ایبرڈین) اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری مس۔ آر۔ کرسٹی۔ بی۔ اس۔ سی (بمبئی) پروفیسر آف بیالوجی مسز مسٹکم بی۔ اس۔ سی (ڈبلن) پروفیسر ریاضیات و انگریزی مس ای۔ ایم فن۔ ایم۔ اے ڈبلن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) لکچرار فزکس مس۔ بی۔ بارتھ وک۔ بی۔ اس۔ سی۔ (لندن) ایم۔ اس سی (برسٹل) لکچرار انگریزی مس ایم سینکچو اری۔ بی۔ اے (لندن) سکرٹری اور وارڈن مس۔ ایم۔ ڈبلیو جیسن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) مس سیٹوارٹ مس اے۔ میکنزی۔ مس ایم۔ آر۔ این۔ ہومر۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر فزیالوجی پنجاب یونیورسٹی کی رئیس جنفیلد مقرر کی گئی ہیں۔ کالج کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ یہ پہلا موقع ہے کہ

کہ عورت کسی یونیورسٹی کی گریجویٹ میں شامل ہوئی ہو۔

طالبات

طالبات کو اپنے کام اور کھیل دونوں کا شوق ہے۔ ان کے کام کی بابت ایک میم صاحب نے جو ابھی ولایت سے اس سٹاف میں آئی ہیں اور جو لڑکیوں کے ایک بڑے کالج میں تعلیم دیتی تھیں کہا کہ اُن کو یہاں کی طالبات کا شوق اور موزونیت دیکھکر ایک تعجب آمیز خوشی ہوئی اور یہ کہ وہ میری سابق کے طالبات کے بخوبی ہم پلہ ہیں۔ ہم عملی حصہ کار پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ہر طرح کی کوشش راستی اور تکمیل کے صفاتی جذبات کے اُبھارنے کی کر رہے ہیں جو بہت ضروری ہیں۔

بانیہ کالج کے دن ۱۷۔ مارچ کو لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے نہایت مہربانی سے قدم رنجہ فرما کر کامیاب طالبات کو انعام تقسیم فرمایا۔ انعامی کتابوں کی جلدیں ہم نے نہایت خوشنما بنوائی تھیں جن پر ہمارے کالج کا طلائی ٹھپہ منقوش تھا۔ گیمز کلب کھیل اور تفریح خوب ترقی کر رہا ہے اور اس کے کل انتظام طالبات خود کرتی ہیں۔ بد قسمتی سے ان کو میچ کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ کوئی اور باقاعدہ ٹیم ہمارے مقابلے کی نہیں ہے لیکن آیندہ سال کے لیئے یہ بات قرار پا گئی ہے کہ مختلف مدارج تعلیمی کے طالبات آپس ہی میں مختلف کھیلوں کے میچ کھیلا کریں گے بلیکٹ بال۔ ہاکی۔ ٹنس بیڈمنٹن یہ سب کھیل ہمارے ہاں کھیلے جاتے ہیں۔ اول الذکر (کھیل) بہت پسند کیا گیا ہے اور آخر الذکر کی دلدادہ بہت سی ہندوستانی طالبات ہیں۔ اب ہمارے کالج کی زندگی کا تیسرا سال چل رہا ہے اور طالبات میں یکجہتی (و اتحاد) اور پبلک سپرٹ ترقی کرتی جاتی ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا کہ ہمارے کالج کی تعلیم یافتہ عورتیں اپنے کام کے وسیع حلقے میں چلی جائیں گی تو ہم اُن پر فخر کرینگے اور وہ اِس کالج پر ناز کریں گی جہاں کہ اُنہوں نے تعلیم پائی ہے۔

ہاسپیٹل کی رپورٹ ۱۹۱۸ء

عمارات۔ ۱۹۱۸ء میں ذیل کی عمارتوں کی تکمیل ہوئی: نرسز ہوسٹل کا ایک دوسرا ضلع جس میں سوپرنٹنڈنٹ اور یورپین اسٹاف کے کوارٹرز ہیں۔ میعہ مریض ہائے بیرونی کے مکان کی اینٹوں کی جالی دیواروں کے پردے کے لئے۔ چار گھوڑوں کے لیئے اصطبل معہ سائیسوں کی کوٹھریوں کے اور ایک موٹر ہوس۔ ۱۹۱۹ء میں اُمید ہے کہ ایک ای سولیشن بلاک دامراض متعدی

کرے مریضوں کو علیحدہ رکھنے کا مکان) اور ایک کمرہ اکس ریز [illegible]
شفاخانے کے لیئے بڑی جائداد ہوگئی بن جائیں گے حالات جنگ کی وجہ سے شفاخانے کے [illegible]
بہت تھوڑا اضافہ ہوسکا ہے اور اس وجہ سے ابھی ساز وسامان کی حالت پوری نہیں۔
سال زیر رپورٹ میں ان پیشنٹ ۱۲۳۸۔ اوٹ پیشنٹ ۱۵۹۱۰ کی تعداد تھی۔ باہر کے
مریضوں میں ۶۲۰۶۔ نئے کیس تھے ۳۸۷ عمل جراحی کیئے گئے جن میں سے ۲۰ میجر (بڑے)
آپریشن تھے۔ اور اسی میں ۱۵ پیٹ کے عمل جراحی شامل ہیں۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں دلی میں وبائی بخار **انفلوائنزا** پھیلا۔ یہ مرض بڑی
شدید قسم کا تھا۔ اکثر کیسوں میں **نمونیا** اور **برنکو نیومونیا** (سوزش وورم شش) کا
انضمام تھا۔ ہمارے نرسنگ سٹاف پر بھی اس بیماری کی بڑی مصیبت پڑی اور ہمکو افسوس
ہے کہ ہمارے ہاں کی ایک سب سے بہتر اور ہونہار پروبیشنر نے انفلوانزا اور نیومونیا سے
انتقال کیا اس مصیبت کے وقت میں جب کہ ہمارا نرسنگ اسٹاف الیسا گھٹ گیا تھا گویا کہ تھا ہی
نہیں ہمکو نہایت قابلیت سے دہلی کی دو لیڈی ڈاکٹروں (مسز ایڈی اور مس ا لٹن
نے مدد دی۔ ایک بہت نازک وقت میں یہ لیڈیاں ہمکو مخلصی دینے کو آئیں اور ہم کو ایک
بڑی آزمائش کی حالت سے بچا یا۔

زچگی کے کیس۔ ان ڈور (۵۵)۔ باہر کے (۱۲) ان میں سے ۳۶ معمولی اور ۱۹ غیر معمولی
تھے اوپر کی تعداد بہت تشفی بخش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانے کا کام اب
شہرت پکڑتا جاتا ہے اور اُس کی قدر کیجاتی ہے۔ کالج وارڈ کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں
اچھے اچھے ہندو مسلمان اور متوسط وادنی حالت کے لوگ جو تھوڑی سی فیس ایک روپیہ اور
دو روپیہ روزانہ کے دینے کی استطاعت رکھتے ہیں سب اس میں رہتے ہیں ہم کو اس
بات سے بہت اطمینان ہے کہ بہت سی اونچی اونچی ذات والی مستورات ہسپتال میں
زچگی کے واسطے آئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانوں کی لنسبت جو بے پردگی کا خیال
تھا وہ اب ٹوٹتا جاتا ہے۔

میڈیکل سٹاف (۱) طبیب۔ مس ملیٹ۔ ایم ڈی سی بی۔ اس سی وغیرہ (۲)
مس سی ال ہولٹن۔ ایم ڈی۔ بی اس سی۔ وغیرہ جینیو
کالوجسٹ اور آبسٹٹریکل سرجن۔ (۳) مس ایم سی مرفی۔ ایم۔ بی وغیرہ۔ برقی محکمہ

...ایم بی ای ... گرس۔ نرسوں کی سوپرنٹنڈنٹ (مس جی ای منٹن ایم بی ۔
مس سی ۔ ہوس فزیشن (۲۶) مس ایم اے کلسال ایم بی اس۔ (صیغہ دواسازی)
ڈاکٹر ہولٹن نے علاوہ اپنے جنیبو کالوجسٹ (امراض نسوانی) اور آبسٹٹریشیل۔
زچہ خانہ سرجن کے وہ سارے برس شفا خانے کے کل جراحی بھی کرتی رہیں۔
ڈاکٹر شیبن جین نے جاڑے کے مہینوں میں شفا خانے کی کلینیکل پتھالوجی کا کام اور
کالج کے پتھالوجیکل ڈپارٹمنٹ کا کام مفت کیا۔ اس مضمون پر طالبات کی تعلیم سال آئندہ
شروع کی جائے گی۔ انفلوانزا کے وبائی ایام میں جب کہ کام کا سخت ہجوم تھا اور اسٹاف
کی قلت تھی ڈاکٹر وسٹرن نے بھی دست امداد بڑھایا۔

نرسنگ اسٹاف۔ اس اسٹاف میں تین انگلش سسٹرز ہونی چاہئیں لیکن بلحاظ حالات جنگ کسی وقت بھی دو سے زیادہ نہ مل سکیں۔ اب اسٹاف میں چھ نرسیں اور گیارہ پروبیشنرز (جو امیدوارانہ کام کرتی ہیں) ہیں ان کام سیکھنے والیوں میں چھ اینگلو انڈین ہیں اور پانچ ہندوستانی۔ اعلیٰ درجے تک تعلیم پائی ہوئی ہندوستانی کام سیکھنے والی نرسوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ نرسوں کے پیشے کی معیار کو ہندوستان میں بڑھا دیا جائے اور جب تک کہ نرس کا پیشہ سب سے اعلیٰ اور نہایت باعزت مشغلہ نہ سمجھا جائے گا جیسا کہ انگلینڈ میں سمجھا جاتا ہے تب تک اچھے خاندان اور اچھی تعلیم یافتہ نرسوں کا اس قدر کافی تعداد میں میسر آنا جو نرسوں کے پیشے کی ضرورت کو پورا کر سکے ناممکن ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مسجد

یہ بھی سڑک کی داہنی طرف ہے۔ تین در کی اینٹ چونے سے بنی ہوئی مسجد ہے۔ اس کو بھی حاجی عبدالغنی صاحب آنریری مجسٹریٹ نے درست کرایا ہے۔ عرض و طول ۲۲ × ۹ ½ ۔ اس مسجد کے پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی عبدالسلام صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ مسجد اور درگاہ دونوں لیڈی ہارڈنگ کالج کے کمپونڈ سے ملی ہوئی ہیں۔

... شاہ صاحب کا مزار

۱۱۵۳ھ

سڑک کے بائیں طرف ... مربع اور دو فیٹ اونچے گول چبوترے پر آپ کا مزار ہے آپ کے سرہانے ایک بہت پرانا نیم کا درخت سایہ کیے ہوئے ...

چپ خواجہ عبد اللہ الاحد صاحب نقشبندی کے قطعہ ... قبر پختہ ہے۔ تعویذ ...
ہے یہ کتبہ حال میں لگا دیا گیا ہے :-
"شاہ سعد اللہ گلشن مجددی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع بود میان کمالات ظاہری و باطنی
۔ زہد و تقویٰ و تجرید و تفرید ریاضت شاقہ کشید طعام بعد از سہ روز زیادہ از سہ
لقمہ تناول نکردے و تا سی سال خود در یک گلیم گزرانید۔ آخر در ۱۱۵۳ھ وفات یافت"

درگاہ حضرت عبد السلامؒ اور مسجد ۱۳۱۴ھ

جہاں یہ درگاہ اور مسجد ایک وسیع اور [illegible] ۱۳۱ x ۶۲ فٹ مستطیل احاطے کے اندر واقع ہے۔ جو ۔۔۔ ۹ انچ اونچا ہے۔ وہ مقام بالنس کوٹلی کہلاتا ہے۔ پنڈت کے کوچے میں جو پیر جی عبد الصمد صاحب ایک بزرگ رہتے ہیں اُن کے ماجد کا یہ مدفن ہے۔ پیر جی صاحب نے ایک نفیس مسجد اور درگاہ بنوادی ہے جو عبدا[illegible] صاحب کی مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ اور اسی سبب سے یہ مسجد اس درگاہ اور سڑک کے بیچ میں حائل ہے اور راہ رووں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چھوٹی سی مسجد کے پیچھے کیسی خوش منظر عمارت بنی ہوئی ہے۔ لیڈی ہارڈنگ کے مڈیکل کالج کے کمپونڈ سے یہ درگاہ ملی ہوئی ہے جو ایک بڑی شکل کا سامنا ہے۔ وہ ٹھیری شاہی عمارت اور یہ درگاہ۔ لیکن آفریں ہے پیر جی صاحب پر کہ اُنہوں نے ایسی خوش قطع اور پختہ عمارت بنوائی ہے کہ پہلے تو میں اس کو بھی کالج ہی کا ایک حصہ سمجھا۔ اب ہم درگاہ کا بیان کرتے ہیں۔

سماع خانہ

مسجد کے مشرق میں سماع خانے کا ایک تین بنگڑی دار دروں کا دالان ہے جس کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ ہے۔ سارے کمپونڈ کے اندر متعدد نیم کے درخت گھنے سائے کے ہیں جس سے یہ مقام گرمیوں میں بہت ٹھنڈا رہتا ہوگا۔

چوکھنڈی

سماع خانے کے سامنے ۲۰ فٹ مربع ۲ فٹ ۱۰ انچ اونچے پختہ چبوترے پر ایک سنگ مرمر کی چوکھنڈی ۱۱ فٹ مربع دس انچ اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر کھڑی ہے۔ سہ دری سر تا پا سنگ مرمر کی ہے جس کے ستون نہایت نازک اور خوب صورت ہیں۔ کہتے ہیں کہ پیر جی صاحب کو یہ بنائی مل گئی۔ اس زمانے میں ایسی سہ دری کا مل جانا پیر جی صاحب کا حسن نیت اور خوش عقیدتی کی دلیل ہے۔ اس کے

احاطہ میں دیوار وں در طاق نما محراب ہیں اور متعدد چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔
اس چبوترے پر دو قبریں بیچ میں سے خام زمین دوز ہیں۔ کیونکہ شرع شریف میں قبر کو پختہ
کرنا منع ہے۔ دونوں قبروں کے سرہانے ایک رنگین دائرے میں سبز زمین پر سفید حروف
میں نہایت عمدہ طغریٰ نما خط نسخ میں یہ عبارت نقش کی ہوئی ہے۔
(۱) شاہ عبد السلام حق پرست ۱۴ م ۱۳ ء (۲) ام شاہ فرید الدین فخری ۱۵ م ۱۳ ء۔
چوکھنڈی کا ارتفاع دس فیٹ ہے اور سوائے جنوب کے تینوں طرف افضل الذکر
لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کندہ ہے۔

سنگ مرمر کی دوسری چوکھنڈی

چورسی ۔ ۷ ۔ ۸ × ۵ ۔ ۸ ۔ چبوترے کی اونچان ایک فٹ ۔ چار در سنگ مرمر کے
چاروں کونوں پر ہیں بیچ میں سنگ مرمر کا قبر کا تعویذ ہے۔ چبوترے سمیت اس چوکھنڈی
کی بلندی ۱۳ ۔ ۱۲ ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں یہاں جو ایک صاحب بڈھے سے رہتے ہیں
لکھے پڑھے حافظ ہیں تیس سپارے ان کو حفظ ہیں مگر یہ بھول گئے کہ یہ کس بیوی کی
قبر ہے بس اتنا ہی ان کو معلوم ہے کہ حیدرآباد دکن کی کوئی بیگم تھیں ان کی مٹی
اس کو یہاں لائی تھی وہ یہاں آسودہ ہیں ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور ۔۔۔ یکے آب و دانہ دوم خاک گور

احاطے کے شمال کی طرف چھ حجروں کا دالان ہے جو ۷ ۔ ۲ لمبا ہے۔ اور اسی کے محاذی
جنوب کی طرف احاطے کی دیوار میں ایک معمولی سا دروازہ چھوڑ کر چوبی کواڑ لگا دیں

شمس العلماء منشی ذکاء اللہ خاں کی قبر ۱۳۲۸ھ

مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا ہندوستان کے زمانہ حال کے مشہور مہندس اور
مورخ کا مزار ہے۔ اس پر میاں بیوی دونوں
آرام کرتے ہیں۔ انعمہ اللہ کیسے قول کے پکے
اور نیات کے سچے لوگ تھے۔ جب تک جیئے موتی گلے کا ہار رہیں مرے بعد بھی دونوں ساتھ
رہنا ۔ کیسا بے نظیر جوڑا تھا۔ سنگ باسی کے چبوترے پر جو ۹ ۔ ۲ × ۸ ۔ ۲ لمبا چوڑا ہے اور دو
فیٹ اونچا کھڑا ہوا ہے۔ دو قبریں ہیں۔ مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی منشی صاحب مرحوم و مغفور
کی قبر ہے کہ جس کے سرہانے سنگ مرمر کی لوح پر ذیل کا نہایت خوش خط کتبہ ہے اور اسی کے

پاس اُن کی زوجہ محترمہ آسودہ ہیں۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔

صاحب ایں قبر خان بہادر شمس العلماء منشی محمد ذکاء اللہ از مشاہیر فضلائے ایں دیار است مردے مستقیم الحال و مجموعۂ فضل و کمال بود۔ در علوم قدیمہ و شہیرہ فنون جدیدہ ید طولیٰ داشت۔ تا زیست ہمت بر خدمت طلاب علم گماشت و در تالیف و تصنیف قصب السبق از اقران و امثال برد۔ چندیں کتب از مؤلفاتش بین الطلاب است چوں ہشتاد و یک منزل از منازل عمر پیمود۔ چہارم ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۸ھ سنہ ہجری روحش بفرمان ارجعی الی ربک نقل آخرت فرمود۔ و پیکر خاکیش زیر خاک بیاسود۔

اللھم اغفر لہ

دوسرے دو کتبے (۱) مسجد کی چھت کی دیوار میں پیش طاق کے پیچھے بالکل نیچے یہ کتبہ ہے "تعمیر کردہ منجانب حاجی احمد حسین مرحوم" ۱۳۱۴ھ

(۲) مسجد کے بائیں طرف دو منزلہ حجرے کے اوپر:-

"تعمیر منجانب محمدی بیگم مرحومہ"

مسجد مسجد ۳۲ فٹ ۔ ۹ انچ × ۱۳ فٹ ۔ ۹ انچ ایک دالان کی ہے ایک حجرہ ادھر ایک اُدھر ہے صحن میں سنگ سرخ کے چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ صحن ۴۴ فٹ × ۴۲ فٹ ہے۔ مسجد کی چھت ڈاٹ کی ہے جس میں چار آہنی گرڈر پڑے ہوئے ہیں۔ بیچ میں تین در ہیں اور ان کے ادھر اُدھر ایک ایک ... اس طرح پانچ در ہوئے۔ مسجد کا دروازہ لداوی ڈیوڑھی دار جنوب کی طرف ہے جس کے دونوں جانب حجرے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے حجروں میں غسل خانہ اور طہارت خانہ ہے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کے حجرے کی دو کھڑکیاں صحن مسجد میں نکلی ہوئی ہیں اور ایک دروازہ ڈیوڑھی میں نکلتا ہے۔ دروازہ مسجد اور درگاہ کا بلحاظ اندرونی عمارتوں کے کچھ زیادہ عالی شان نہیں کیوں کہ موقع ہی ایسا کڈھب واقع ہوا ہے۔

ہنومان جی کا مندر رائے سینا کے حدود میں یہ ایک بہت پرانا اور قدیم مندر راجہ کے بازار میں ہے جو جے سنگھ پورہ بھی کہلاتا ہے۔ اب یہ تمام جائے رائے سینا کی نئی دلی میں گھیر لی گئی ہے۔ یہ مندر چوں کہ مذہبی اور قدیم عمارت تھی بجا و حالہ چھوڑ دیا گیا۔ اس پر پبلک ورکس کا پلی ۱۲ نمبر پڑا ہوا ہے۔ سڑک کے کنارے بائیں طرف ہے۔ پہلے اس مندر کا تعلق مہاراجہ صاحب جے پور سے تھا کیوں کہ جے سنگھ پورے میں قبلہ

مندر کے دروازے پر کے کواڑوں کی جوڑی پر پیتل کے پتر منڈھے ہوئے ہیں اُس پر یہ عبارت بخط ناگری دونوں طرف کھُدی ہوئی ہے۔

"یہ جوڑی لالہ جگل کشور و گنپت رائے حلوائی کھرکھودے والا نے بنوائی۔ ستی۔ مہاسا دی پنچمی سمبت ۱۹۰۲"

اندر مندر کے چو طرفہ سنگین اور لداوی چھت کے دالان ہیں جن میں سنگ سرخ کے چوکے لگے ہوئے ہیں۔ اور صحن کا فرش بھی چوکوں ہی کا ہے۔ جنوب اور شمال کی طرف تین تین درے۔ مغرب میں تیرہ سیڑھیوں کا زینہ اُس کے بعد سہ دری ہے۔ مغرب میں اصل مندر کی عمارت ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے چوپڑ کا یعنی ایک چوکہ سنگ مرمر کا ایک سیاہ کا۔ ہنومان کی مورت کے گرد سنگ مرمر کا خوش نما کٹہرا ہے۔ مندر کے اندر طلائی اور شیشے کا بہت عمدہ اور کثرت سے کام کیا ہوا ہے۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری پرانا نیم کا درخت ہے اور شمال رُخ کے بیچ کے درے میں ایک سادھ بھی بنا ہوا ہے۔ مسجد کا گو بیرم (مخروطی قبہ) بہت بلند ہے جس کے اوپر کلس چڑھا کر ہلال لگا دیا ہے۔

گنیش کی گمٹی کا برج اُس مندر کے پچھواڑے ایک چھوٹی سی ۱۲ فٹ مربع بُرجی بلا کلس کے کھڑی ہے جو گنیش کی گمٹی کہلاتی ہے۔ اس کے اندر اب کوئی مورت بھی نہیں ہے۔

راجہ کے بازار کی مسجد مندر کے محاذی سڑک کی داہنی جانب ایک چھوٹی سی پرانی مسجد بہت خراب و خستہ حالت میں سڑک سے ملی ہوئی کھڑی ہے جس کی ایک منارے نما برجی ہے دوسری گر گئی۔ مسجد کا دالان ۲۴ × ۹ فٹ ہے۔ تین درہ ۔ ۶ فٹ لمبے اونچے ۳ فٹ چوڑے ہیں چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن ۲۰ × ۱۵ ہے جس میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے۔ گرد ۵ فٹ اونچی کیونڈ دال ہے۔ چونکہ حدود چھاؤنی راے سینا میں گھر گئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی مرمت کرنے کا بھی حکم نہیں۔ خدا جانے سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ کیوں کہ انگریزوں کو خود معابد کا احترام ملحوظ ہے اور بہت جا مسجدوں کو محفوظ کر دیا ہے۔

کھنڈیل وال جینیوں کا بڑا مندر نمبر ۲۰ بی ۔ مسلمان کو اندر گھسنے نہیں دیتے ایک بڑے بھاری حصار کے اندر بہت سے مکانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس احاطے کی ساری عمارتیں پچاس ہزار میں سراوگیوں نے

خرید لی ہیں۔ دوسرے مکانات سے ہم کو بحث نہیں ہم صرف اصل مندر کا ذکر لکھتے ہیں۔ اندر چو طرفہ پختہ سنگ بست دالان ہیں۔ صحن کے بیچ میں ایک بڑا سایہ دار نیم کا درخت ہے۔ بڑی وسیع عمارت ہے اور باہر کا احاطہ بھی بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں متعدد مکانات ہیں۔ مندر کا صدر دروازہ شمال رویہ ہے اور اسی کے سامنے احاطے کا بڑا عالی شان پھاٹک ہے جس کے دونوں جانب خوش نما نشیمن بنے ہوئے ہیں۔ غرض یہ عمارت بھی پرانے زمانے کی ہے۔

شوالا اس مندر کے مغرب میں ملحق ایک چھوٹا شوالا ہے جس کا ایک برج کھڑا ہوا ہے۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں جو لکھی جاوے۔

تال کٹورا قطب روڈ پر اس نام کا ایک باغ تھا۔ درخت کٹ گئے نام رہ گیا ؎

وہ دل نہ رہا امید کیسی جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

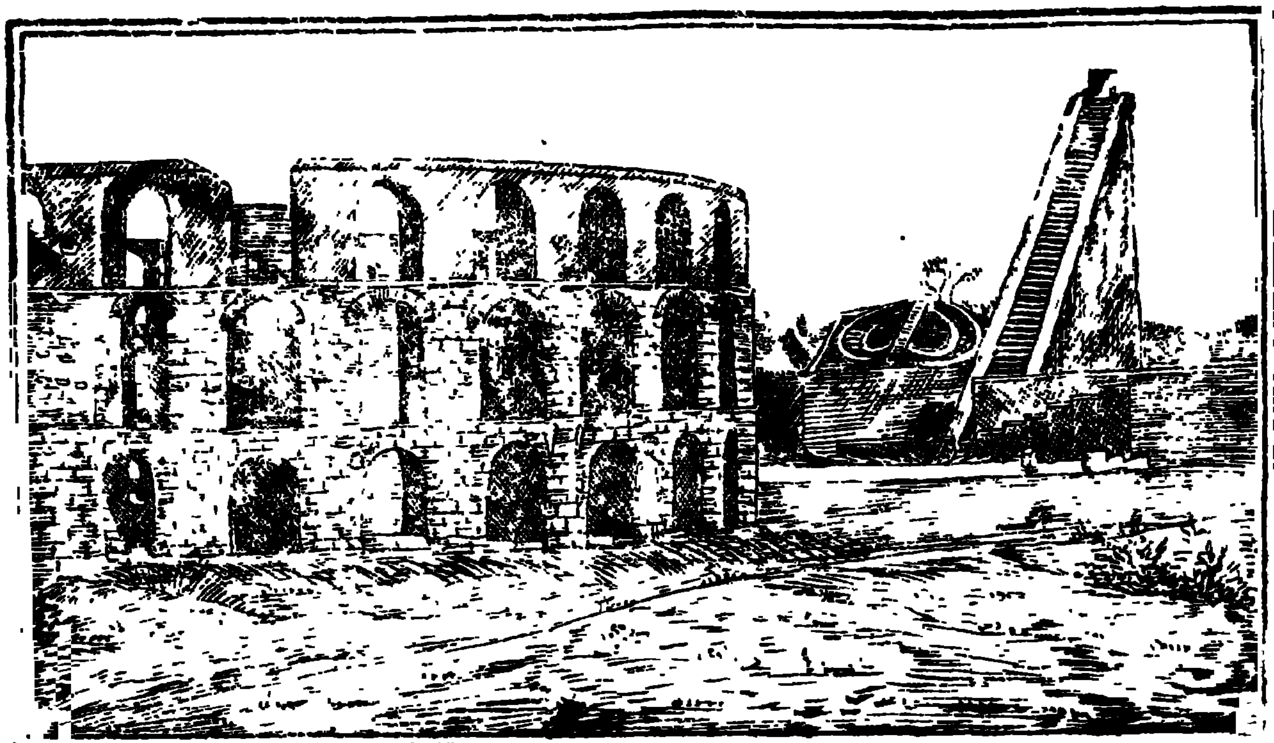
اگروال جینیوں کا چھوٹا مندر جینیوں کے بڑے مندر کے احاطے سے نکلنے کے بعد مغرب کی طرف ایک اور مندر اگروال جینیوں کا ہے جو چھوٹے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بھی جے سنگھ پورے اور راجہ کے بازار میں ہے۔ یہ بھی بہت پرانا اور قدیم مندر ہے۔ جس پر ایک کوٹھی دار گنبد ہے اور اوپر پتھر کا کلس ہے۔ کیا مجال کہ مسلمان اندر پر مار سکے اور مسلمانوں کی یہ حالت کہ سوامی شردھانند مہاتما کو جامع مسجد کے منبر[۱] پر چڑھا دیا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہم کو اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں نے اچھا کیا یا بُرا۔ وہ جانیں اُن کا کام مجھ کو ہندو صاحبان کا طرزِ عمل ظاہر کرنا مقصود تھا اور بس۔ اس جھگڑے میں کون پڑ کر اپنی اوقات عزیز ضائع کرے۔ ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (تم کو تمہارا دین اور مجھ کو میرا دین)۔ باہر سے ہم نے اس کا رقبہ ناپ لیا ۴۸x۷۲ کی عمارت ہے اور مندر سے لگا ہوا پجاری کے رہنے کا مکان ہے وہ بھی قریب قریب مندر ہی کے برابر دکھلائی دیتا ہے۔ یہ مندر لالہ ہکن چند کا بنوایا ہوا ہے جن کا بنوایا ہوا ایک بڑا مندر مالیواڑے میں بھی ہے۔

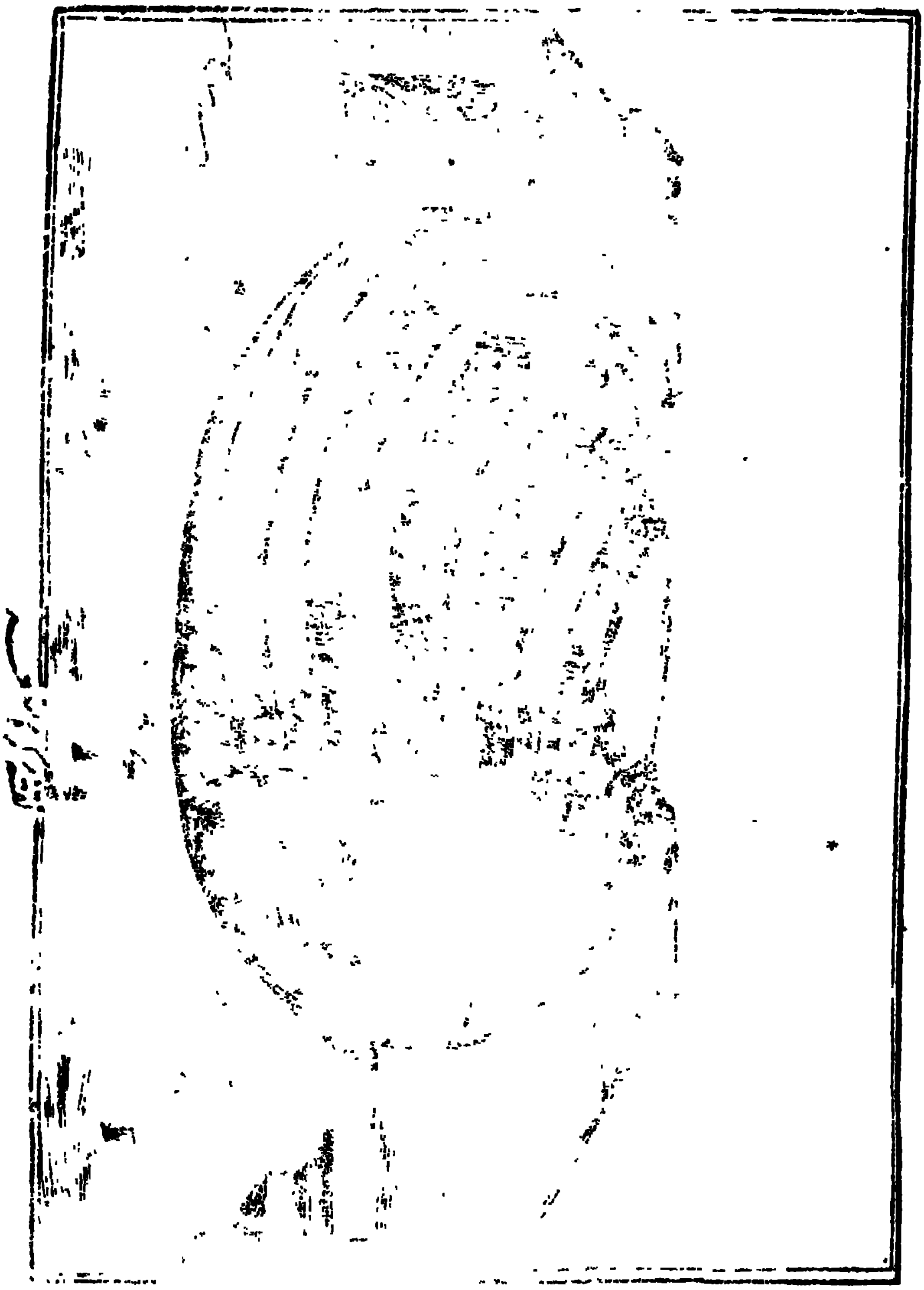
---

[۱] مسلمانوں کو تو ایک بات ہاتھ لگ جانا شرط ہے۔ جو ہونا تھا سو ہو چکا زخم کو کریدنے سے کیا فائدہ۔ رسالہ معارف (اعظم گڑھ) ماہ مئی و جون ۱۹۲۸ء میں اسی بحث سے (۵۸) صفحے گھیر لیے اور پھر اس قضیہ نامرضیہ کو جناب شیخ عمر بخش صاحب وکیل ہائی کورٹ پنجاب بار ایٹ لا کے گنجان لکھے ہوئے (۲۸) صفحے کے رسالہ کی شکل میں "مساجد اور غیر مسلم" کے نام سے شائع فرمایا ہے جس میں مفصل مولانا ابوالکلام صاحب کا ہے اور اس فعل کا جواز ثابت کیا ہے جن صاحبوں کے مزاج میں کریدہو وہ اس رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

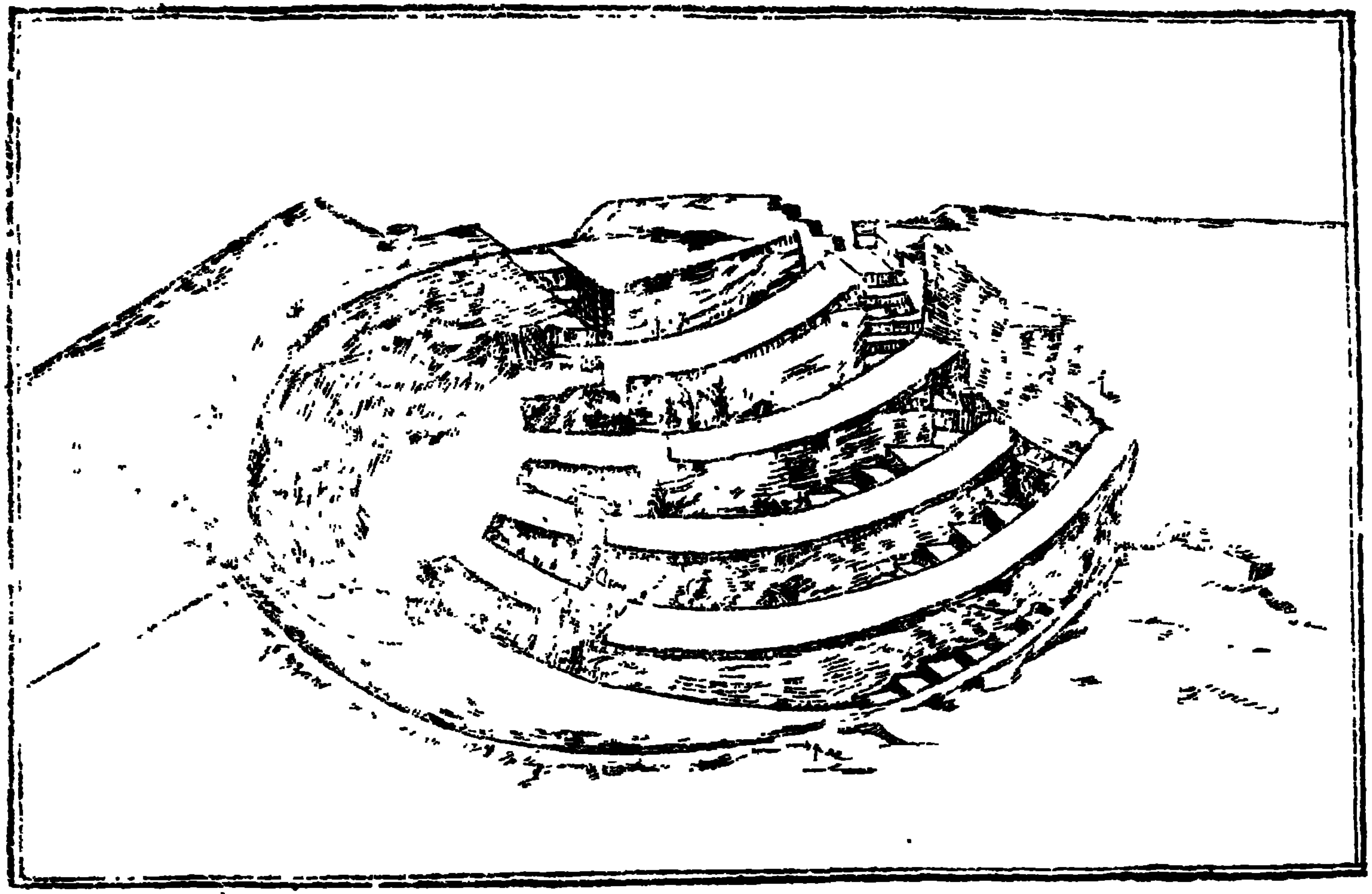


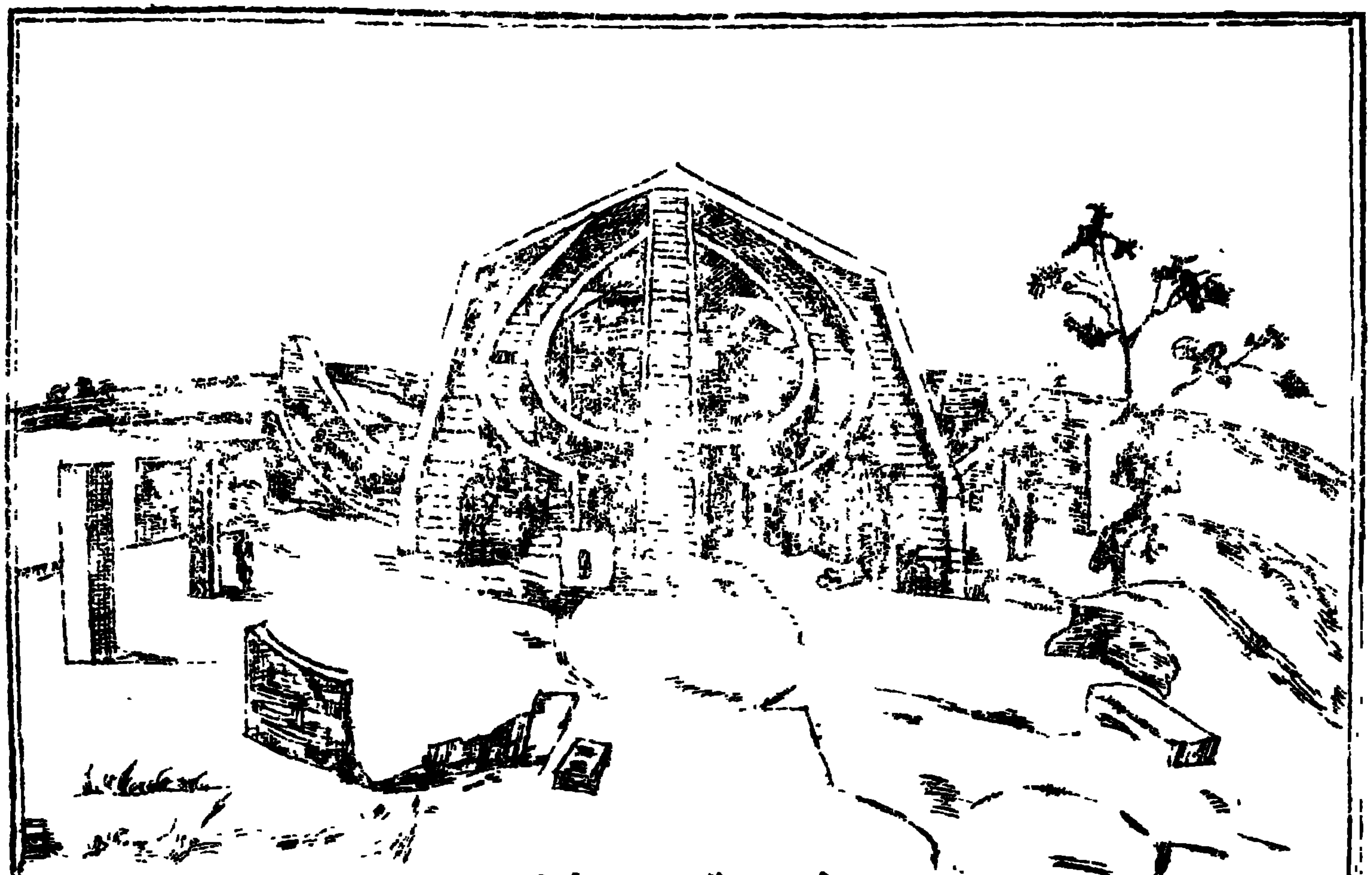
جنتر منتر (یعنی جے سنگھ کی رصدگاہ)

مطبوعہ انڈین پریس دہلی

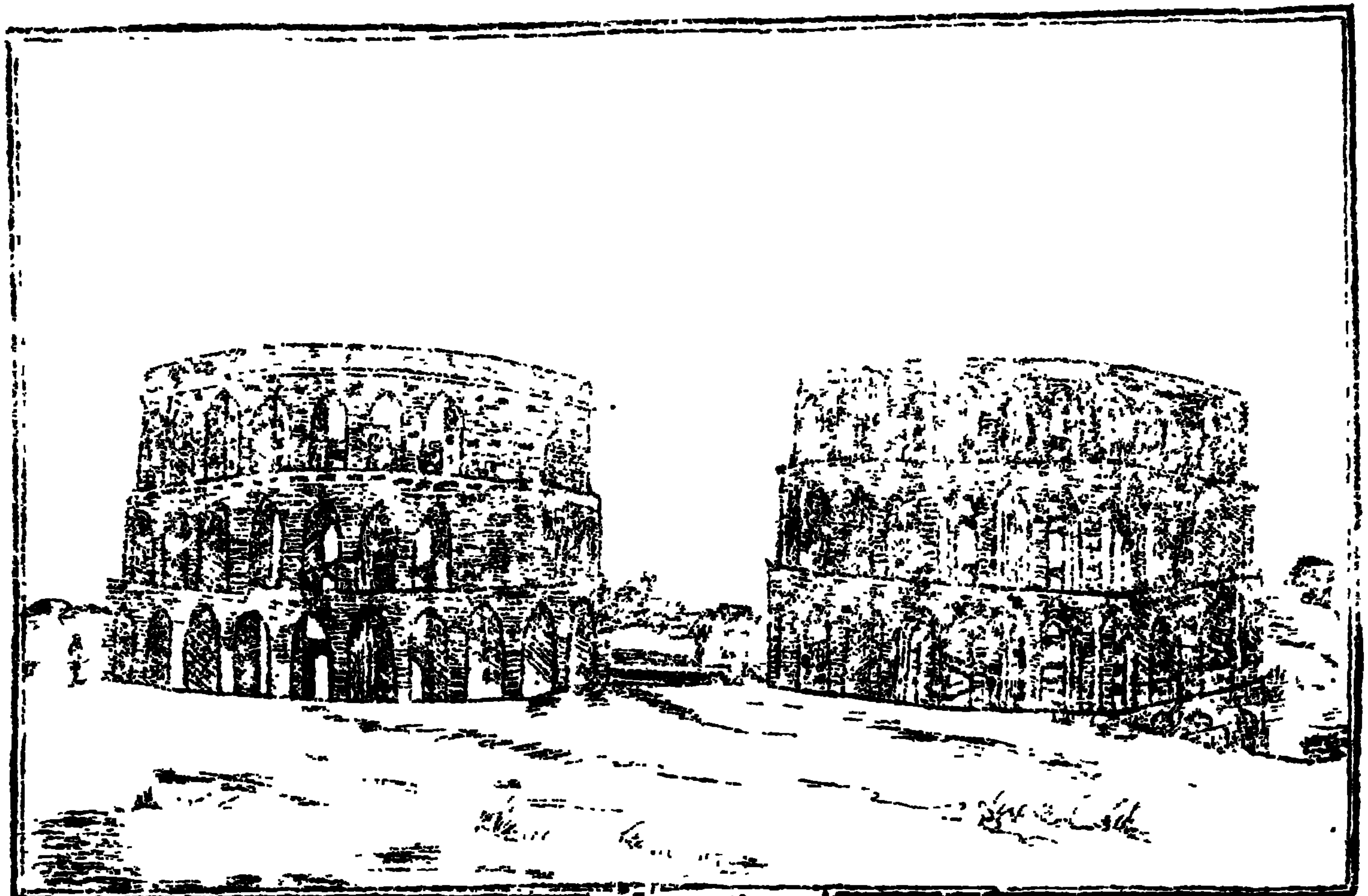


سفینهٔ نوح





نقشہ جنتر قسمی دوایر العظام



نقشہ جنتر دو دایرہ مسل

بہادر کا شوالا اسی کے پاس محزوطی قبے کا ایک چھوٹا سا شوالا ۱۱۹۰ھ کا بنا ہوا ہے۔

نسیاں کا مٹھ پھر اس سے اور آگے بڑھ کے ایک قدیم اور پختہ مٹھ ہے جہاں پارسناتھ کی مورتی بٹھائی جاتی ہے اور نسیاں کہلاتا ہے۔

مہر و مہ و آسمان و انجم — حیوان و پری و دیو مردم
دریا و زمیں و کوہ و صحرا — باغ و گل و سبزہ مطرہ
سب کا ہے وہی بنانے والا — ما اعظم شانہ تعالیٰ

جنتر منتر ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء پرانے قلعے سے مغرب و شمال کے کونے میں کوئی تین میل اور اجمیری دروازے سے بجانب جنوب ایک میل پر یہ مشہور علم ہیئات کے عملی تجربوں کی رصدگاہ ہے۔ اس رصدگاہ کے متعلق تھارن صاحب نے لکھا ہے کہ "کیمپ کو واپس آتے وقت ہم جنتر منتر کی مشہور رصدخانے کو دیکھنے کو ٹھیر گئے جس کو ۱۱۴۲ھ جلوس محمد شاہی میں مشہور ہیئات دان جے سنگھ راجۂ امبیر نے جو خاندان راجگان جے پور کا بانی تھا بنایا تھا جس کا محل اور اصطبل موقع مادھو گنج میں تھا جو اس رصدگاہ کے قریب مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے۔ اور اب تک مہاراجہ صاحب جے پور کی جاگیر ہے۔ ملک ہند کی عالی ہمتی اور سائنس کی یہ یادگار نفیس شہر کے باہر جامع مسجد سے کوئی دو میل پر واقع ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کام بسبب اُس کے بانی کی بے ہنگام وفات اور سلطنت کے عزل و نصب کے پورا نہ ہو سکا تاہم رصدگاہ کا کام جس حد تک ہو چکا تھا اس سے اُس کے بانی کی علم ہیئات کی دستگاہ اور صحت عمل کا (کافی) ثبوت ملتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اُجڈ جاٹوں نے بنانے سے پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کا بالکل ستیاناس کر دیا۔ اگر وہ مال و اسباب کی لوٹ کھسوٹ پر ہی اکتفا کرتے تو بھی غنیمت تھا مگر غضب تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے عمارت کے ساتھ دوائر کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچایا۔ بڑے دوائر لطف سے اب تک قایم ہیں لیکن خطوط اور دائرے کا محیط جس میں درجے بنے ہوئے تھے بہت سی جگہ سے شکستہ ہو گئے ہیں۔ مثلث کے ایک ضلع کا طول (۸ فٹ ۱۱) ۔ ۶ ہے اور قاعدے کا ضلع ۱۰۴ فٹ ۔ ۱ ہے۔ اس پر چڑھنے کا سیڑھی دار زینہ ہے جس کے کناروں اور محرابوں پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان آلے کی کلانیت اور صحت عمل کی وجہ سے جے سنگھ نے اس کا نام

سمرت ینتر یعنی شاہزادہ دوائر رکھا تھا کیوں کہ اسی قسم کے اور دو چھوٹے آلے بھی ملے۔ ان تینوں آلوں کو ایک دیوار کے ذریعے سے ملا دیا گیا ہے جس پر ایک نصف دائرہ اُن اشیا کا ارتفاع معلوم کرنے کے لیئے بنایا گیا ہے جو اس مقام سے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ ان دوائر کے جنوب میں اسی قسم کی دو عمارتیں اور ہیں جن سے ستاروں کی بلندی۔ قوس افقی (Azimuth) اور اجرام فلکی کے مقامات اور فصل وغیرہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی کئی کئی عمارتیں ایک ہی جگہ بنانے سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ایک آلے سے جو عمل کیئے جائیں ساتھ کے ساتھ اُس کی صحت عملی کی جانچ پڑتال دوسرے آلے سے بھی کر لی جائے۔ یہ آخر الذکر عمارتیں مدور شکل کی ہیں جو اوپر سے کھلی ہوئی ہیں جن کے نیچے ایک ایک بلند ستون عمودی شکل کا سطح زمین سے تین فیٹ بلند کھڑا ہے جس میں سے تیس خطوط قطر سے محیط دائرے کو جاتے ہیں۔ ان کا درمیانی فصل قطروں کے برابر ہے تاکہ قطروں کے باہمی فصل سے ایک کامل چھ درجے کا حصۂ دائرہ بن جائے۔ دیواروں کے اندر طاق بنے ہوئے ہیں جن میں مدارج شمس کے خطوط مماس بنے ہوئے ہیں جن پر ستون عمودی کا سایہ پڑتا ہے اور یہ خطوط ایک سے لے کر بیتالیس درجے تک بنے ہوتے ہیں۔ لیکن جب آفتاب کا ارتفاع اس بلندی سے زیادہ ہو جاتا ہے تو انہیں درجوں اور ستون عمودی سے آفتاب کا صحیح ارتفاع معلوم کیا جاتا ہے۔ اِن درجوں کو دقیقوں میں تقسیم کیا ہے لیکن جو درجے مقابل کی دیوار پر بنے ہوئے ہیں اور جن میں ہر ہر درجے کے چھ چھ حصے کیئے گئے ہیں اس قسم کے دقایق کی تقسیم نہیں ہے۔ اِن دوائر اور خطوط پر جو سایہ پڑتا ہے اُس سے فوراً آفتاب کا قوس اُفقی اور عمل نصف النہار معلوم ہو سکتا ہے اور اس طرح چاند اور ستاروں کا مریڈین (Meridian) بھی معلوم ہو سکتا ہے۔

ان دونوں عمارتوں اور بڑے دائرۃ الظل کے بیچ میں ایک کرہ مقعر بنا ہوا ہے جو فلکی نصف دائرے کو بتلاتا ہے جس کا قطر ۲۷ فٹ ہے۔ اس میں پندرہ درجے ہیں جس سے نصف النہار معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ مقام ایک خاص فن سے متعلق ہے اس لیئے ماوشما کو اس کی قدر نہیں ہو سکتی نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں جو لوگ علم الافلاک کے ماہر ہیں وہ جان سکتے ہیں کہ کن کن مسائل کو کس کس اسلوب سے سلجھایا ہے۔ ہمارے جیسے لوگوں کو جو اس کوچے سے نابلد ہیں بظاہر ایک بہت بڑی خطا ستوا کی ڈائل نظر آتی ہے اور دو مدور عمارتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں ایک کے

اور یہاں ایک سیڑھی نما عمارت بنے ہوئے ہیں جن سے بظاہر ستاروں کے صعود و نزول کی پیمائش کی جاتی ہے۔ آگے ہماری عقل خود چکر میں ہے۔ میں نے انگریزی میں ایک بڑی مبسوط کتاب دیکھی ہے جو خاص اسی جنتر منتر پر لندن میں حال میں چھپی ہے جس میں متعدد نقشے بھی دیئے گئے ہیں اور اس میں ساری بحث راجہ جے سنگھ کے علم ہیأت پر ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائنس والوں کے لیئے یہ ضرور کوئی بڑی قابل قدر چیز ہے جو اس زمانے میں بھی اس کی چھان بین کی جا رہی ہے۔

رکاب گنج حال مادھو گنج

نمبر ۱۲۲/۲۔ اجمیری دروازے سے قطب روڈ پر داہنی طرف سڑک سے کوئی سو سوا سو قدم پرے جنتر منتر کے غرب میں ایک بڑا بھاری پختہ احاطہ نظر آتا ہے۔ اس کا قدیم نام رکاب گنج تھا لیکن اب اس پر مادھو گنج کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ چوں کہ اس گنج کے دروازے کے پاس ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ اور وسط میں چبوترے پر ایک قبر بھی ہے تو اس کا بانی کوئی ہندو نہیں ہو سکتا۔ جنتر منتر کے بیان میں جو مادھو گنج کا ذکر آیا ہے وہ یہی مقام ہے جسے مہاراجہ صاحب جے پور کے علاقے کا کہا گیا ہے اب یہ ساری زمین معاوضہ دے دلا کر رائے سینا میں شامل کر لی گئی ہے۔ صدر دروازہ شمال رویہ بڑا عالی شان ہے۔ گہرائی دروازے کی ۱۸ فٹ ہے اور چوڑائی ۱۱ فٹ۔ دروازے کے اندر بغلی میں دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور اوپر بھی سہ دری ہے۔ احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے جس کے چاروں کونوں پر گھوگھس بنے ہوئے ہیں مشرق کی طرف چوتھائی دیوار گر پڑی ہے اندر سوائے جنگلی گھانس کے کچھ نہیں۔

ٹیلے پر کی مسجد

اس سڑک پر داہنی طرف بالکل سڑک سے لگی ہوئی اونچے ٹیلے پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے تین در کی مسجد ۲۴×۱۰ فٹ ہے۔ جو (۷) اونچے ۲-۸ چبوترے ہیں۔ بائیں طرف ایک حجرہ ۹×۵ فٹ ہے۔ اندر گچ کا فرش اور چھوٹا سا منبر ہے چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن میں سنگ سرخ کا بہت پرانے چوکوں کا فرش ہے جو ۱۲×۲۴ فٹ ہے۔ احاطے کی دیوار ۹-۶ فٹ اونچی ہے۔ داہنی طرف ایک کنواں ہے صحن کے کونے میں بائیں طرف ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سڑک نکالتے وقت اس مسجد کے صحن کا کچھ حصہ سڑک میں آ گیا ہے اور دروازہ جو اب جنوب کی طرف ہے وہ ضرور سڑک کی طرف رہا ہوگا چنانچہ سڑک کی طرف ۲/۱ ۶۲ لمبی ۱۲ فٹ اونچی پتھر چونے کی بندش کی ایک دیوار مسجد کا صحن محدود کرنے کو بنا دی ہے۔ اور یہی اونچان اس ٹیلے کی بھی ہے جس پر کہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ غرض ہے مسجد قدیم اور سرکار کو اس کا موجودہ حالت پر

باقی رہا مسقوری ہی جو اس طرح بند کرادی ورنہ اس دوسری کی کیا ضرورت تھی

نئی چھاؤنی کی مسجد نمبر پی ۱/۱۱۱ گورنمنٹ ہوس رائے سینا کے سامنے مغرب کی طرف سڑک کی بائیں طرف معمولی حیثیت کی ایک قدیم مسجد تین گنبد اور تین دروں کی ۲۲ × ۱۳ ہی بائیں ہاتھ کی طرف ایک حجرہ ہے۔ چھت اوپر سے سپاٹ ہی۔ چاروں کونوں پر چار مینار نما چوکور برجیاں ہیں بیچ کا در [illegible] اونچا۔ [illegible] چوڑا ہی۔ بائیں طرف کی محراب پر سنگ سرخ میں **یا فتاح** کا طغرا کُٹا ہوا کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہی۔ دو سیڑھیوں کا چھوٹا سا ممبر ہی۔ سامنے گے اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۲ × ۱۳ کا ہی۔ کمپونڈ ۲۲ × ۳۲ فیٹ کے اونچا ہی۔ صحن میں ایک کنواں بھی ہی۔ شمال کی طرف اینٹوں سے چنا ہوا ایک پختہ گچ کا چوکی دار دروازہ ہی جسے چوبی پٹ ہیں۔ دروازے کی محراب میں کارنس پر رنگ کا کام ہی کسی نے روشنائی سے پیشانی پر یہ شعر لکھ دیا ہی۔

نماز زاہداں سجدہ سجودے نماز عاشقاں ترکِ وجودے

قدیم نام اس مسجد کا کیا تھا معلوم نہیں۔ اب نئی چھاؤنی کی مسجد کہلاتی ہی۔ اس کے کمپونڈ کی شرقی دیوار میں پانی کا نل بھی لگا ہوا ہی۔ یہ نل کچھ مسجد کے واسطے نہیں لایا گیا بلکہ جس طرح پبلک روڈ پر لگا دیا جاتا ہی یہاں بھی لگا دیا گیا۔ یہ بھی غنیمت ہی۔

ایک نامعلوم گنبد نمبر پی ۶/۱۹ بجلی گھر اور محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے جنوب میں ایک گنبد سر راہ کھڑا ہی۔ جو اندر سے ۱۰ × ۷ فٹ ہی۔ چار طرف چار چار دروازے ۱۰ × ۷ فٹ۔ اندر کوئی قبر نہیں نہ فرش۔ دیواروں میں آٹھ طاق ہیں بہت خراب و خستہ حالت میں ہی۔ کس کا ہی معلوم نہیں۔ لوٹا پھوٹا چبوترا ۵ فٹ اونچا ہی۔

گمٹی قطب روڈ کے بائیں طرف سڑک سے کوئی سوا سو قدم ہٹی ہوئی صفدر جنگ کے مقبرے کے شمال میں چھ فیٹ مربع ہشت پہل گمٹی ہی۔ تین طرف دروازے مغرب میں بند۔ دروازے ۷ × ۲½ فٹ۔ اس کے جنوب میں ایک پختہ کنواں ہی۔ یہ بھی نامعلوم ہی۔ جہاں بڑے بڑے گنبدوں کا پتہ نہ چلے یہ کس شمار قطار میں ہی۔ اس سے آگے صفدر جنگ کا مقبرہ قطب روڈ کے داہنی طرف ہی۔

دلی دروازے سے قطب روڈ پر کی عمارتیں

گھوگس

دہلی نظام الدین کی سڑک۔ مہابت خاں کی حویلی کے سامنے داہنی طرف ایک سڑک پھٹ جاتی ہے جو رائے سینا سے ہوتی ہوئی قطب چلی گئی ہے۔ سبز کے تکیئے کے پیچھے جو دہلی نظام الدین کی سڑک پر ہے اس کے عقب میں دلی دروازہ قطب روڈ کی داہنی جانب ایک ٹوٹا ہوا سا برج گھوگس کی شکل کا ایک چبوترے پر کھڑا ہے جس کا دور ۹۲ فٹ اور بلندی ۱۸ فٹ ہے۔ یہ کسی محل کے احاطہ کے کونے پر کا ایک برج معلوم دیتا ہے۔ چنانچہ اس برج کے پاس دیوار کا کچھ گرا ہوا حصہ بھی باقی ہے۔

چھوٹی مسجد

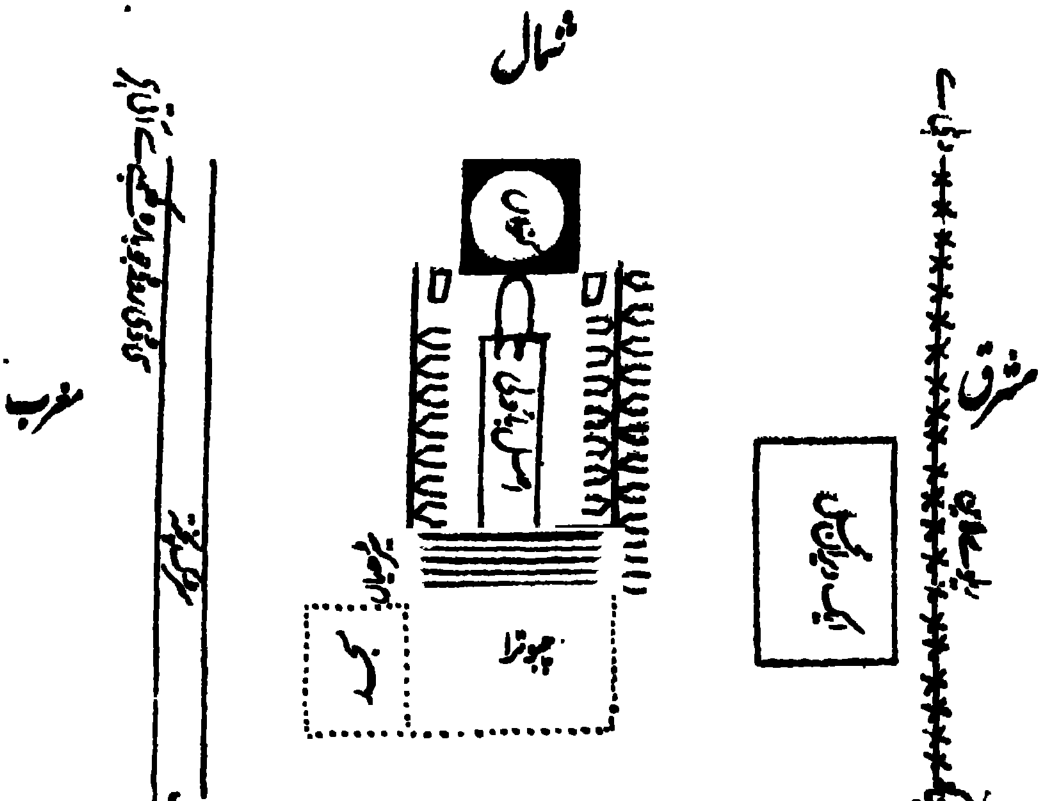
ریلوے لین دلی سے نظام الدین کے بائیں ٹیلیگراف پول نمبر ۹۵۳/۲۰ کے پاس ایک بالکل گری پڑی مسجد ہے جس کے تین در اور تین گنبد ہیں۔ داہنی طرف کا پہلا گنبد اور درمیانی گنبد آدھا باقی ہے۔ تیسرا گنبد بائیں طرف کا وہ بھی نصف رہ گیا ہے اور اسی طرف ایک اونچا پا کھا کھڑا ہے نیچے سے آر بچ کی چوڑائی (۱۵ فٹ) ہے۔ صحن کے عقب میں کنواں تھا جو اب پاٹ دیا گیا۔ اب یہ مسجد موجودہ حالت کے لحاظ سے چھوٹی مسجد کہلاتی ہے۔

اگر سین کی باؤلی اور مسجد

جنتر منتر کی رصدگاہ سے کوئی پانسو گز فاصلے سے اس نام کی ایک بہت بڑی شان دار باؤلی اور اسی کے ساتھ ایک مختصر سی مسجد ہے۔ جو سڑک کی داہنی طرف ہے۔ اگر سین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کوئی ہندو تھا مگر معمولی شخص نہ تھا بلکہ صاحب ثروت و متمول تھا جب ہی تو اس نے ایسی عمدہ باؤلی بنوا دی۔ باؤلی کے پاس مسجد ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا بانی شاید کوئی مسلمان رہا ہو اور اصغر حسین کو اگر سین کر لیا ہو مگر یہ بات نہیں دراصل یہ دونوں عمارتیں ہندو صاحب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں کیوں کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ امام باڑے درگاہیں چلے ہندوؤں نے بنوائے ہیں اور بعض ہنود اپنی خوش اعتقادی سے ایسا کرتے ہیں۔ کار خیرات و حسنات میں وہ مذہب کی تفریق کو مدنظر نہیں رکھتے۔

باؤلی کے اوپر کا چبوترا جسے مسجد کا دوسرا صحن بھی کہہ سکتے ہیں ۴۰×۳۷ فٹ ہے چبوترا خام ہے مگر

گرد بندش پختہ ہی اصل باؤلی مستطیل ۱۰۰ فٹ x ۴۲ فٹ ہی۔ اور دُھر اُدھر ملیان لو تو ۲۴۰ فٹ ہی۔ پہاڑ کا پہاڑ کھڑا ہی۔ اندر تھمے تھے ہوئے ٹدر معلوم دیتا ہی پانی بھی لبریز ہی اور شیریں تھا لیکن اب چونکہ گھٹتا نہیں ذرا ملا ہو گیا ہی۔ باؤلی کے جنوب میں سیڑھیاں دُھر تک چلی گئی ہیں اس وقت پانی تک اوپر چھیالیس سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے گرد کی دو طرفہ دیوار ۳۳ فٹ اونچی ہی۔ مشرق کی طرف باؤلی کے اندر سے (۲۴) سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہی۔ شمال کی طرف لاؤ لگانے کی سوراخ دار کڑیاں پڑی ہیں۔ باؤلی کی دیوار میں اندر کے رُخ پر نیچے کے حصے میں آٹھ آٹھ دیوار دوز طاق ہیں اور اوپر کے حصے میں نو نو۔ دیوار کے بیرونی رُخ پر تیرہ دیوار دوز طاقوں کا سلسلہ ہی جو بجائے خود ۷ فٹ x ۶ فٹ کی کوٹھریاں (دس) گہران میں ہیں۔ باؤلی کے شمال میں ایک بڑا بھاری گول کنواں ۱۸ فٹ مربع ہی جس کی چاروں طرف درے اور اوپر لداوی گنبد ہی۔ اسی کا پانی باؤلی میں بھرتا ہی۔ قرینہ کہتا ہی کنواں اور باؤلی دونوں بہت گہرے ہیں اور ان میں جتنی سوتیں ہیں جن کا پانی خشک نہیں ہوتا بلکہ عجب نہیں کہ باؤلی کے شکم میں بھی کنواں ہو کیوں کہ بڑی بڑی باؤلیوں کے پیٹے میں کنوئیں کھودے جاتے ہیں جیسے کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کی باؤلی میں ہیں۔ باؤلی کی ہیئت کذائی بدون نقشہ نظری کے ذہن نشین نہ ہوگی لہٰذا آپ سے ملاحظہ فرمائیے۔



مسجد نمبر [illegible] ـ اگر سین کی باؤلی پر ایک چھوٹی سی تین در اور لداوی سطح چھت کی مسجد ۲۰ فٹ × ۱۰ ½ ہے تینوں در یکساں ۷ فٹ اونچے اور ۲ فٹ چوڑے ہیں در سے چھت قلم دان نما ہے۔ بائیں طرف کے پاکھے کی دیوار گر گئی اور اسی کے ساتھ ادہر کا حجرہ بھی گر گیا۔ داہنی طرف کا موجود ہے ۱۰ فیٹ مربع ہے موجود ہے۔ در سنگ سرخ کے ہیں جن کی لمبائی کی ایک ہی پتھر کی کڑی ۱۰ مربع ہے۔ ادھر ادھر اسی قسم کے سنگ سرخ کے دو دو در ہیں بیچ کی محراب میں چار چار در لگائے ہیں۔ تینوں دیوار دو زطاقوں کے دو طرفہ کلمہ طیبہ کا طغری ہے۔ منبر اور فرش ٹوٹ گیا۔ باہر کی دو محرابیں باقی ہیں تیسری گر گئی ان پر بھی دو طرفہ کلمہ کا طغری تھا اور سرخ رنگ بھی مسجد کے رو کار پر تھا مسجد کی بلندی ۱۱ فٹ ہے سامنے پختہ چبوترہ ۵ فٹ × ۲۲ ہے جس پر ایک شکستہ قبر بھی ہے۔

محل جو کھد رہا ہے

اس باؤلی اور مسجد کے مشرق میں جی آئی پی ریلوے لین کے پاس ایک بہت بڑا وسیع احاطہ تھا جس کے اندر کوئی محل تھا۔ محل کا تو اب وجود رہا نہیں مگر احاطے کی دیواریں کچھ باقی ہیں اندر پتھر اور مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور مزدور برابر کھود کھود کر پتھر اور مٹی ڈھو رہے ہیں۔ انہیں پتھروں سے سڑک بن رہی ہے اور یہی رفتار ہے تو چند دن میں میدان صاف ہو جائے گا۔ اس وقت جو ایک خیالی تصویر اس محل کی تصور میں آسکتی ہے وہ موقع بھی جاتا رہے گا۔ احاطے کی وسعت۔ دیواروں کی بلندی۔ پتھروں کے انبار۔ مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے بنیادوں کے نشانات سب کافی دلیل اس بات کی ہیں کہ یہ محل کوئی غیر معمولی وسعت اور شان و شوکت کا تھا۔ اب اگر گورنمنٹ ایسی مردہ اور ازکار رفتہ عمارتوں کو صاف نہ کروائے تو پھر نئی دلی کے واسطے زمین کہاں سے آئے اور خدائی نتوی ـــ٥

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت   رفت منزل بدیگرے پرداخت

کیوں کر صادق آئے۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارا طرز زندگی بدل گیا۔ ہماری ضروریات بدل گئیں۔ غرض یہ کہ آسمان بدل گیا اور زمین بدل گئی۔ یہ عمارتیں اگر باقی رکھی جائیں تو اس زمانے میں کس کام کی ہیں۔ لہٰذا ان کا مٹا دینا ہی اقتضائے ضرورت وقتی ہے۔ اب صرف انہیں عمارتوں کی نگہداشت کی جاتی ہے جن سے کوئی اہم تاریخی واقعہ متعلق ہے یا کسی اولوالعزم بادشاہ کی یادگار ہیں۔ رہیں ایسی ویسی پچکلیاں ان کی خدمت گزاری کدال پھاوڑے نے کرنے کے

سوا تے تو رہی ہیں ان بوسیدہ اور ناکارہ عماروں کی بجائے اب نئے نئے خوش نما ہوادار مکانات کوٹھیاں۔ پارک بنیں گے جن میں بجلی کی روشنی جگمگائے گی برقی پنکھے فرفر چلیں گے۔ سوڈالیمنیڈ کی گاگیں و نادن اڑیں گی۔ اب وہ زمانہ ندگیا کہ جب ان دقیانوسی ڈیزائین کی عمارتوں کی عزت اور قدر تھی جب وہ قدردان ہی نہ رہے تو اب ان مکانات کو لیکر کیا کرنا ہے۔

مسجد سی پائنٹ

نمبر پ ۲۵ - اگر سین کی باؤلی سے سیدھے چلے جائیے تھوڑی دور آگے چل کر دوراہا ملے گا۔ اجمیری گیٹ بارہ کھمبے سے سی ڈی روڈ ہوتے ہوئے رائے سینا آسی پائنٹ ... آ جاتا ہے سی پائنٹ مہرولی وغیرہ دآئی د۔ ناشرہ

یہیں مسجد جس کے سامنے بڑا قبرستان ہے۔ مسجد کے گرد سوائے مسجد اور قبور کے جسے محافظ کر دیا ہے دوسری عمارتیں گرا کر میدان صاف کر دیا گیا ہے یہ مسجد تین دروں کی لداؤ ہے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے دو طرفہ ایک ایک چھوٹی سی برجی ہے چھت کے اوپر کنگورے دار منڈیر ہے اصل مسجد ۳۰ x ۱۱ فٹ کی محراب ۸ x ۶ ہے۔ سامنے گچ کا پختہ چبوترا ۳۱ x ۱۵ کا ہے صحن مسجد کے سامنے متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہاں کی چند قبروں پر گچ میں بہ نہایت بدخط نام گھسیٹ دیئے ہیں۔ وہ یہ ہیں:-

(۱) ہاتفے گفت بحکم اللہ رفت بفردوس حلیم النسار

فیاض بیگم فخر جہاں مرزا محمد سراج الدین مراد آبادی۔

سی پائنٹ اور اکس پائنٹ

رائے سینا میں پختہ سڑکوں کا ایک جال پھیل گیا ہے بہت سی سڑکیں بن گئیں بہت سی زیر تعمیر ہیں یہاں کے نام حروف تہجی کے نام سے مشہور ہیں یہ ایک ۲۶ مربع اور تیرہ فیٹ اونچا چبوترا تقسیم ارضی کا نشان حال کا بنا ہوا ہے جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں۔ اس چبوترے کے اوپر تین فیٹ اونچے پول پر ایک آہنی اسکیل لگا ہوا ہے۔ یہ مقام پرانے قلعہ اور گورمنٹ ہاؤس کے بیچ میں ہے۔ اسی طرح سڑک کے غربی آخری سرے پر اکس پائنٹ ہے۔ یہ مقامات سروے (پیمائش) کے نشانات ہیں۔

ایک درگاہ نما ٹیلہ

نمبر پ ۵/۱۳ - اکس پائنٹ پر۔ دِلّی گیٹ کے سڑک کے اخیر بائیں طرف ایک بلند ٹیلے پر چار دربا۔ درباقی ہیں۔ یہ عمارت سنگ خارا کی ہے۔ خواہ کوئی مقبرہ رہا ہو یا درگاہ۔ نیم کا ایک درخت بھی اوپر

ایک کونے میں ہے۔ ٹیلا چو طرف سے کاٹ ڈالا گیا ہے۔ معلوم نہیں اصلی حیثیت کیا تھی بہرحال ہر کوئی مذہبی مقام جو محفوظ کیا گیا ہے چبوترے کو جو چو طرف سے تراشا ہے تو سڑک کی جانب چبوترے کے حصے کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کاسہ سر نصف نصف تراش میں آگئے ہیں اور نصف مٹی میں جمے ہوئے باقی ہیں۔ اس کے آگے قطب روڈ مل جاتی ہے۔

قطب روڈ اور ریلوے لین کے بیچ کے میدان کی عمارتیں

اوپر والے چوراہے کی بائیں طرف بجانب شرق نظر دوڑائیے تو کچھ بعید دیگرے عمارتوں کا سلسلہ ریلوے لین تک چلا گیا ہے جو منشی ملوطا رام خزانچی اور منانی کی حویلیوں پر ختم ہوتا ہے وہیں سے بابر پور کو سڑک چلی گئی ہے۔ جو بابر پور سے تم شارع عام قطب روڈ پر آن ملے ہیں۔ اس نواح کی عمارتوں کا ذکر ہم کرتے ہیں جیسی کہ وہ واقع ہیں مگر سلامت ان میں سے کوئی بھی نہیں سب بہت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ ان عمارتوں کو اگر گورمنٹ مسلمانوں کی یادگار اور مقبرہ سمجھ کر درست نہیں کرائے تو ان کا اپنی حالت پر چھوڑ دینے کا بھی یہی نتیجہ ہے جو آج کل دیکھ رہے ہیں۔ یعنی چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ ان کا عدم وجود خود بخود ظاہر ہو جائے گا۔ مردے کی نعش کو آخر کب تک سنبھال کر رکھیں گے کیوں کہ وہ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى[1] کا مصداق ہے۔ خاک ضرور ایک دن خاک میں مل جانے والی ہے۔

منہدم مسجد

اوپر والی سڑک کے کنارے بائیں ہاتھ کی طرف بجانب مشرق یہ مسجد لداؤ کی ہے۔ ۴۵ فٹ x ۱۱ فٹ تین در کی ہے۔ بیچ کا در ۹ فٹ اونچا ۶ فٹ چوڑا ہے۔ اب زیادہ تر حصہ مسجد کا گر کر صرف ۲۳ فٹ باقی رہ گیا ہے۔ بیچ میں بڑا گنبد تھا جس کی چھت قلمدان نما لمبوتری لداؤ کی تھی۔ ادھر ادھر آر بیچ تھیں۔ فرش منبر چبوترا سب معدوم ہے۔ موجودہ حالت یہ ہے:۔



[1] (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرنے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔

دوسری منہدم مسجد نمبر ولی ۱۲۱ یہ مسجد ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے جس پر پختہ چبوترا تھا جو اب ایسا دھ گیا ہے کہ اوپر پہنچنا بھی مشکل ہے۔ یہ مسجد تار کے کھم نمبر ۵۳ اور ۹ کے محاذی قلعۂ کہنہ کے غربی دروازے کے سامنے ریلوے لین کے اس طرف ہے۔ مسجد پتھر چونے سے بنی ہوئی ہے پلاستر بالکل جھڑ گیا۔ اندر کا فرش بھی اکھڑ گیا۔ اندر سے تین گنبد تین در ہیں اوپر سے چھت سپاٹ ہے۔ برجیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ مسجد کا بہت سا حصہ گر کر چبوترے ہی پر بڑے بڑے ڈھیم پڑے ہوئے ہیں موجودہ حالت یہ ہے۔

مغرب

شمال ادہر کی دیوار گرگئی ... ادہر کی آدھی دیوار گرگئی جنوب

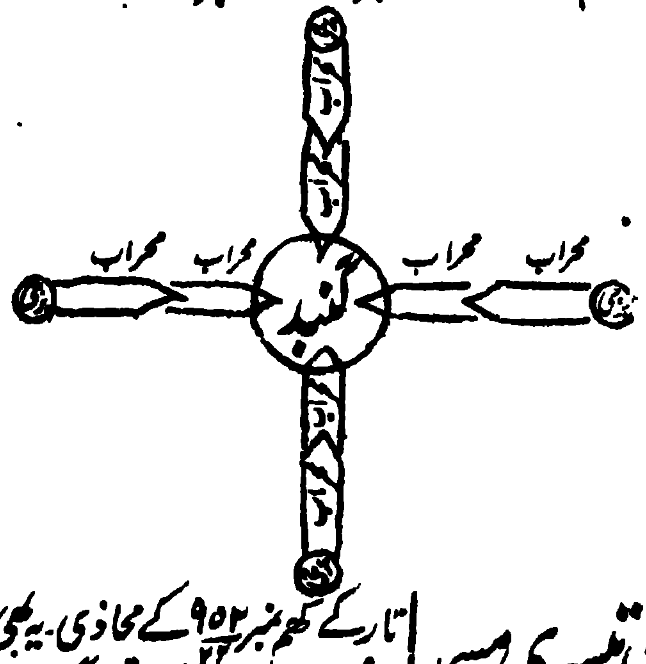


مشرق

گنبد اندر سے پھٹ کر بڑی بڑی دراڑیں پڑگئی ہیں بہت جلد بیٹھ جانے والے ہیں۔ محرابوں پر اندر باہر کلمۂ طیبہ کے طغرے تھے چنانچہ بیچ کے در اور اندر دالان کے پیش طاق پر دو طرفہ اب بھی طغرے باقی ہیں۔ چھت اور محرابوں پر نہایت نفیس گلکاری چونے میں کی ہوئی ہے۔ اندر کی چھوٹی طاق نما دیوار دوز محرابوں پر دو طرفہ طغرے تھے جن کا صرف نشان رہ گیا ہے حروف جھڑ کر کچھ کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کے اندر رنگین کام تھا جس کا کچھ کچھ باقی ماندہ حصہ چھوٹی محرابوں پر رہ گیا ہے۔ مسجد ۳۹ × ۱۳ - ۹ ہے۔ درمیانی محراب ۱۰ × ۸ - ۲ ہے۔ بلندی مسجد کی (۲۷ فٹ) ہے۔ سامنے چبوترا تھا جو منہدم ہو گیا۔ روکار پر باہر کی محرابوں کے دو طرفہ بھی طغرے تھے۔ آرچوں کے عمق میں قینچی کا کام ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ تھی جب نیچے کی منزل کی یہ گت بنی ہے تو اوپر کا کیا کہنا وہ حصہ تو سارے کا سارا گر کر چھت پر مسجد کی تہمیت کی دیوار کی طرف صرف ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ زینہ بائیں طرف تھا جو بالکل گر گیا ایک سیڑھی بھی باقی نہیں رہی۔

ہیجڑوں کا گنبد اوپر والی مسجد سے کوئی سو سوا سو قدم ریل کی سڑک کے بائیں طرف یہ گنبد ہے لوگوں کی زبان پر تو یہی چڑھا ہوا ہے۔ در اصل کیا بات ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے جو نام سنا وہ لکھ دیا ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہئے

یہ گنبد تار کے کھم نمبر $\frac{952}{22-44}$ کے مابین ہے۔ ساری عمارت سنگ خارا اور اینٹوں کی ہے۔ یہ گنبد بڑا عالیشان اور بہت اونچا ہے لیکن بہت شکستہ حالت میں ہے۔ اندر تمام گچ کا پلاستر تھا جس میں کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ گنبد کی استرکاری کی چھلیں گر گئیں۔ اور نری لکھوری اینٹیں نکل آئیں۔ گنبد کی چندیا میں اتنا بڑا سوراخ پڑ گیا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے۔ یہ بندش کی خوبی ہے جو اس حالت میں بھی کھڑا ہے اور خدا جانے کب تک کھڑا رہے گا۔ چاروں طرف ایک ایک بلند محراب دار دروازہ ہے۔ جو کھمبیں چاروں طرف کی لوگ اکھاڑ لے گئے۔ فرش ذرا بھی نہیں ہے نشانوں پر سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی قبریں تھیں اب تو صرف ٹوٹتے ٹوٹتے ایک قبر کا تھوڑا سا رہ گیا ہے وہ بھی گنبد کے وسط میں نہیں ہے بلکہ ایک طرف ہٹا ہوا ہے۔ اب یہ گنبد کبوتروں کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ انہوں نے بھی خوب مامن تلاش کیا ع ہیچ آفت نرسد گوشہ تنہائی را۔ گنبد اندر سے ۲۵ فٹ مربع ہے۔ اندر کی آرچ ۱۵ فٹ - ۹ انچ x ۴ فٹ - ۹ انچ ہے اونچان ناپی نہیں جا سکتی کہ زینہ جو شمالی محراب میں تھا گر گیا۔ چاروں طرف کی محرابوں پر برجیاں ہیں گرد پختہ چبوترا تھا جس کا صرف نشان ہی رہ گیا ہے سطحی نقشہ یہ ہے۔



اسی لین میں تیسری مسجد تار کے کھم نمبر $\frac{952}{22}$ کے محاذی۔ یہ بھی بالکل شکستہ ہے ۵۷ فٹ x ۲۶ فٹ طول و عرض ہے تین گنبد تین در بیچ کی محراب ۱۴ فٹ x ۸ فٹ ½ ہے۔ بیچ کے گنبد میں دو سوراخ پڑ گئے ہیں جواب چلنے کی علامت ہے سامنے چبوترا تھا جو اب نہیں رہا۔ مسجد کے گرد ایک وسیع اور پختہ احاطہ بھی تھا جس میں بجانب شرق دروازہ تھا جس کی صرف ایک اونچی محراب کھڑی ہے۔ دوسری گر گئی جس کے گرتے ہوئے دو جسم

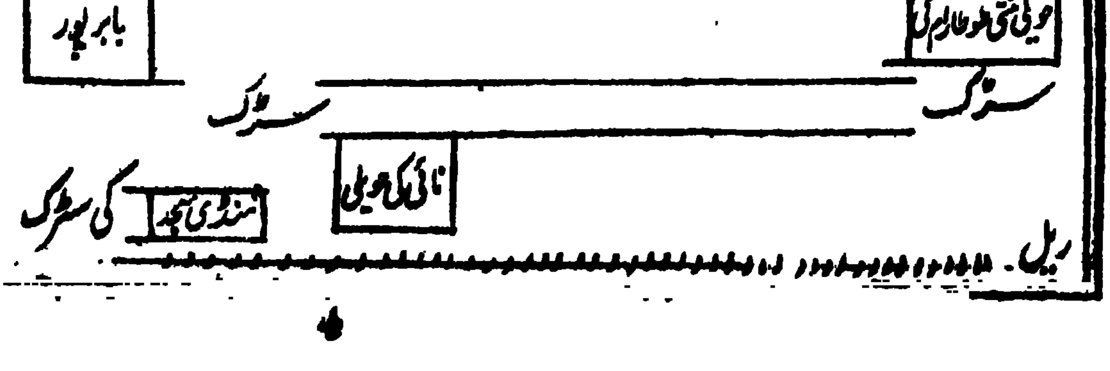
یہیں پڑے ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف زینہ تھا جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک آدھ سیڑھی اوپر کی باقی رہ گئی ہے۔

منشی طوطارام خزانچی کی حویلی

جی آئی پی ریلوے کی سڑک پر دلی سے آتے ہوئے داہنی طرف نمبر ۹۵/۱۹ تار کے کھمبے کے سامنے

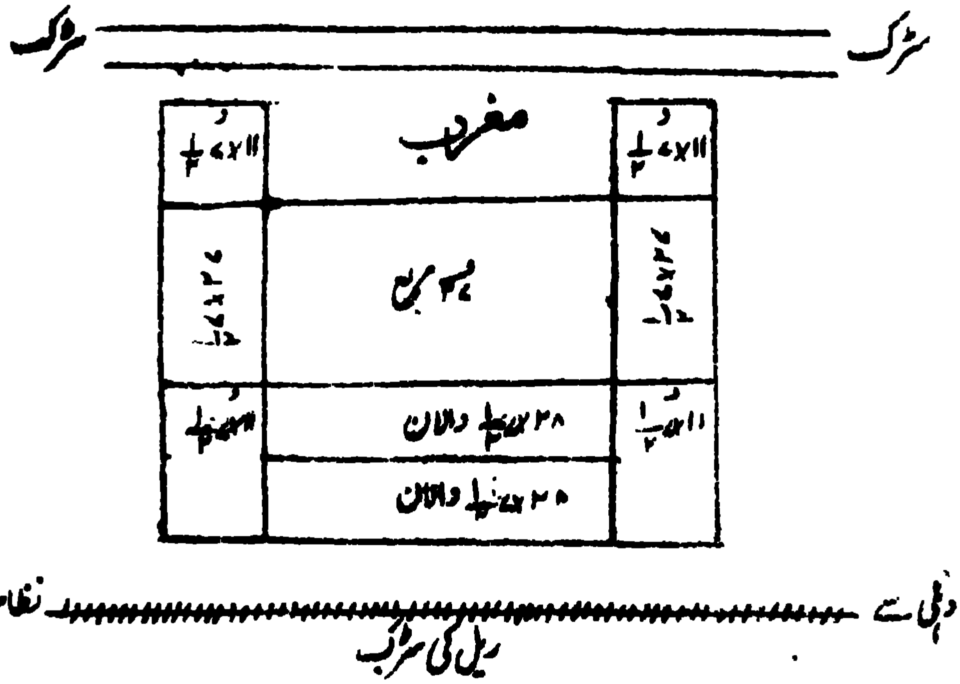
ایک بہت عالیشان اور وسیع پختہ چار دیواری کھڑی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی منشی طوطارام فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں (سنہ ۱۷۱۳–۱۹ء) خزانچی تھے اُن کی یہ حویلی ہے مگر یہ زبانی تکے ہیں جن پر مشکل سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ حویلی تھی کسی بڑے امیر کی۔ اندر جا کر دیکھو تو نرا کھنڈر ہے سوائے چار دیواری کی اونچی اونچی دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں دو طرف کی دیواریں بھی گر گئیں صرف شمال جنوب کی باقی ہیں صحن سارا جنگل ہو گیا ہے جس میں گھاس اور کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ صحن کا طول و عرض ۱۴۴×۱۴۴ فٹ ہے۔ دیواریں سربفلک ہیں جن پر نیچے سے لیکر اوپر تک طاق ہی طاق بنے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے کی طرف ایک شہ نشین کے کچھ آثار ہیں۔ اندر چینی کا کام تھا چنانچہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا چینی کا جس پر نیلا کام تھا ہم کو شہ نشین کے ملبے کے ڈھیر میں ملا۔ اطراف شمال کی طرف ۹½ فٹ چوڑی گیلری ہے۔ صدر دروازہ جنوب کی طرف تھا جو گر گیا صرف ایک پاکھا شمال کی طرف کا کھڑا ہے جس میں اوپر وار چول پھنسانے کی ایک سوراخ دار کڑی موجود ہے۔ دوسرا پاکھا گر گیا ہے مگر اس کی بیٹھک کا تھوا موجود ہے جس سے دروازے کی چوکھٹ ۷ فٹ معلوم ہوتی ہے۔ اوپر کی محراب گر گئی پاکھے پر سے بلندی کا اندازہ ہو سکتا ہے مگر چھت ہی باقی نہیں تو اوپر چڑھنے کی کیا سبیل رہی۔ یہ مکان اس طرز کا بنایا گیا ہے کہ پہلے تہ خانے کی طرح کی لداوی کوٹھریاں کوٹھریاں بنا کر اُن پر عمارت کھڑی کی ہے چنانچہ مغرب کی طرف تین در کھڑے ہیں اندر جا کر دیکھا تو دور تک کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور نیچے کی منزل کو کوئی گز نہیں پہونچا ہے۔

اس کے بعد قریب ہی نائی کی حویلی ہے۔ موقعی نقشہ یہ ہے



نائی یا حجام کی حویلی

منڈی مسجد کے پیچھے نائی یا حجام کی حویلی کی چار دیواری ہے یہ عمارت تار کے کھمبہ نمبر ۹۵ کے سامنے ہے۔ وضع قطع اس کی بھی منشی طوطارام کی حویلی کی سی ہے۔ مگر اس سے چھوٹی ہے اور اس کی چار دیواری سلامت ہے جس میں نیچے سے اوپر تک طاقوں کی بھرمار ہے۔ نیچے سے اوپر تک طاقوں کی چار قطاریں ہیں نیچے کی تین بڑے بڑے طاقوں کی ہے۔ باقی تین قطاروں میں چھوٹے چھوٹے طاق ہیں خدا جانے ان دونوں حویلیوں کی چھتوں میں کیا نقص تھا جو چھتوں ہی پر وبال آیا۔ دونوں عمارتیں ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اور دونوں ایک ہی لپیٹ میں آئی ہیں حویلی کے پیچھے تہ خانہ ہے۔ غربی رخ جدھر دروازہ تھا وہ بالکل گر گیا۔ پیش میں دالان در دالان چاروں طرف ایک ایک حجرہ اور سہ دریاں ہیں۔ نقشہ نظری یہ ہے:



پیش دالان اور بغلی دالانوں اور حجروں کے پختہ چبوترے موجود ہیں۔ دونوں حویلیوں کی چھت بالکل نہیں ہے صحن میں گھانس بھر گئی ہے اور جنگلی خود رو جھاڑ جھنکاڑ اُگ آئے ہیں۔ سامنے سڑک پر ڈھیر کے ڈھیر روڑی کے کٹے ہوئے لگے ہیں جو سڑکوں کے کام آتے ہیں۔
سچ کہا ہے ؎ لہٗ مَلِکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ - لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ

ﻟﮧ خدا کی طرف سے ایک فرشتہ (ہیف) دنیا میں منادی کرتا رہتا ہے کہ جنو مرنے کے لیے یعنی جو پیدا ہوتا ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا مالیوں سمجھو کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ قبر کا گڑھا بھی لامحالہ دیکھے گا اور اسی طرح عمارتیں بھی کیسی پختہ بنا ؤ وہ بھی ایک نہ ایک دن اُجاڑ ہوں گی پھوٹیں گی وہی معنی کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے بھی ہیں ۱۲

دنیا عجیب مقام ہے فنا کا بازار گرم ہے یہاں بڑے بڑے بادشاہوں کا کھوج نہیں ملتا۔ بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کے بنانے والوں کا ڈھونڈے پتہ نہیں ملتا۔ اسی نواح میں ہزارہا روپیہ کی تیاری کے نفیس گنبد موجود ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کن کے ہیں تو بیچارہ نائی کس شمار قطار میں تھا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اُس کا نام چلا جاتا ہے۔ زمانے نے ان کی بھی حجامت کر دی۔ رہے نام اللہ کا۔ ؎

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے — ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے — جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے
بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائے گی یہ کھینچ کے آخر زمین میں
ایسا مکاں بناؤ کہ بن کر گرا نہ ہو — پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو — حادث نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو
فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

بابر پور کا ڈزرٹڈ ولیج[۱]

حجام کی حویلی سے کوئی دو فرلانگ پر بابر پور نام کا ایک گاؤں ہے۔ رائے سینا میں بے حد و بے شمار سڑکیں نکالی گئی ہیں غرض ایک سڑک اس موضع تک بھی ہے۔ گاؤں کے قریب پہنچ کر بڑی عالی شان اور پختہ حویلیاں نظر آتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی چھوٹا سا شہر ہوگا جب تو اس میں ایسے پختہ اور خوش نما مکان ہیں مگر اندر جاؤ تو ویران سنسان آدمی کا نام نہیں۔ اسی واسطے ہم نے اسے ڈزرٹڈ ولیج یعنی اُجڑا ہوا گاؤں لکھا ہے بابر پور کا نام بابر بادشاہ کی طرف خیال دوڑاتا ہے۔ اس خطہ کو کچھ نہ کچھ تعلق اُس زمانے سے رہا ہوگا۔ جب تو یہ نام پڑا۔ غرض یہ قدیم اور پرانی بستی۔ گو اب بہت ہی مختصر ہے۔ بستی میں گھستے ہی پہلے تو ایک عالی شان پختہ عمارت ملتی ہے جو چوپال کے نام سے مشہور ہے ہربنس سنگھ یہاں کے

[۱] ایک انگریز مشہور شاعر گولڈ اسمتھ [illegible] نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو بہت مشہور ہے [illegible] لفظی معنے [illegible] گاؤں ہے کہ جس کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو ۱۲

زمیندار تھے جو عالی ہمت ہونے کے علاوہ خوش سلیقہ اور خوش مذاق بھی معلوم دیتے ہیں۔ یہ چوپال جو بطور ایک مہمان سرائے یا دھرم سالے کے ہے انھیں کی بنائی ہوئی ہے نیچے دوہرے دالان کا سہ درہ ہے جس کے بغل میں ایک ایک حجرہ ہے۔ دالانوں کی لمبان ۲۸ فٹ اور دونوں دالانوں کی چوڑان ۱۸ فٹ ہے۔ چھت قلمدان نمالداؤ کی ہے۔ بالائی منزل پر بارہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں اوپر بھی اسی قسم کا مکان ہے جیسے کہ نیچے ہے اور دو منزلہ کی چھت پر چڑھنے کی بارہ سیڑھیاں اور ہیں۔ پہلی منزل کی بلندی (۱۱ فٹ) ہے۔ اور دو منزلہ ملائیں تو ۲۲ فٹ ہے۔ عمارت خوش نما اور چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے۔

ہربنس سنگھ کی کچہری اور حویلی

اس چوپال سے لگا ہوا کچہری کا عالی شان مکان ہے۔ جس کا صدر دروازہ شمال رویہ ۹ فٹ ۹ اونچا۔ ۷ فٹ چوڑا اور گیارہ فیٹ گہرا ہے۔ جس میں دو طرفہ ایک ایک درہ بنا ہوا ہے۔ چھت قلمدان نمالداوی ہے۔ چوک میں پختہ اور وسیع کمرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطہ پختہ ۱۰۵ فٹ × ۷۰ فٹ ہے۔ اب اس میں مالی لوگ رہتے ہیں اور یہی زراعت کرتے ہیں وہ بھی صرف دو بھائی ہیں اور اُن کے بال بچے اور ایک مسلمان کا گھر ہے۔ الحمد اللہ خیر صلاّ۔ اسی کے سامنے ہربنس سنگھ کی بڑی عالی شان اور وسیع سر بفلک حویلی کھڑی ہے۔ جس میں آدمی کا نام نہیں۔

جگتا کی حویلی

اسی کے پاس ہربنس سنگھ کے بھتیجے جگتا کی حویلی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں اور اسی طرح سارے مکان خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے ہیں اور گاؤں کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہو کا عالم ہے۔ مالی کھیتی باڑی کو چلے جاتے ہیں تو اور بھی بھیانک ہو جاتا ہے۔

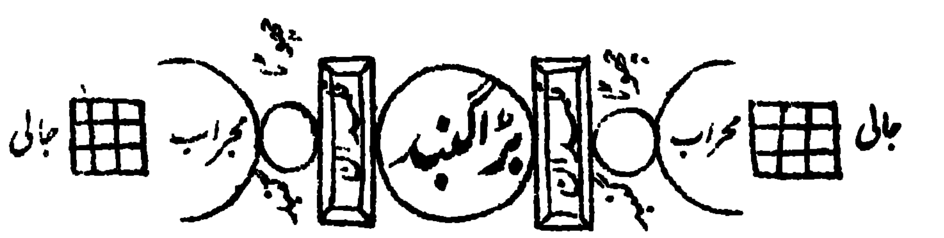
دو گنبد

گاؤں سے لگے ہوئے کوئی پچاس قدم کے فاصلے سے شمال کی طرف کھیتوں میں ایک ہشت پہل گنبد ہے جو اندر سے ۱۲ فٹ مربع ہے۔ چار طرف دروازے ۹ فٹ اونچے ۴ فٹ چوڑے ہیں کلس۔ قبر۔ فرش سب ندارد۔ چوطرف گھانس اور کانٹی نے ایسا اپنا عمل دخل کیا ہے کہ وہاں تک پونہچنا ہی مشکل ہے۔ اس گنبد کے پاس ہی بجانب غرب ایک اور بڑا بھاری گنبد تھا جو گر پڑا مگر اُس کے بڑے بڑے بھاری ڈھیم جو وہیں پڑے ہوئے ہیں اُس کی عظمت اور شان کو بتلا رہے ہیں۔ اس کا چبوترا ۱۸ فٹ ۲ مربع اپنی

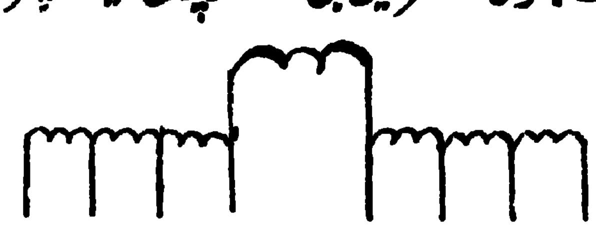
چھاتی پیران ڈھیموں کا بوجھ دھرے اب بھی موجود ہے۔ دونوں گنبدوں کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کے تھے۔

جھالرا باغ گاؤں کے پچھواڑے مشرق کی طرف کوئی پانسو قدم پر کھیتوں میں اس نام کا ایک باغ تھا جس کے پختہ چبوترے۔ نالیاں۔ کنوئیں اور کچھ درخت اب بھی موجود ہیں۔

مسجد نمبر ۳۴۴۔ اسی میں ایک عالی شان اور نہایت ہی خوش نما سراپا سنگ سرخ کی بہت مستحکم اور خوش قطع بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ادھر اُدھر کے دو چھوٹے۔ کلس باقی نہیں ہیں۔ مسجد دُہرے دالانوں کی ہے۔ طول ۵۵ فٹ اور دونوں دالان ملا کر ۲۸ فٹ عرض۔ یہ مسجد ہفت دری ہے۔ اندر کے دالان کے بیچ کی محراب ۱۰ فٹ اونچی اور ۸ فٹ ۔ ۸ ۱/۲ چوڑی ہے اور باہر کے دالان کی بیچ کی محراب کی اونچان ۲۱ ۱/۲ فٹ۔ دو طرفہ تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ مسجد کا ارتفاع ۴ فٹ ہے سامنے چبوترا جس پر لکھوری اینٹ کا فرش ہے ۵۲ × ۲۹ فٹ ہے اور اندر دالانوں میں بھی اینٹ ہی کا فرش ہے۔ اجارے تک سنگ سرخ اور سنگ باسی لگا ہوا ہے اس کے اوپر اینٹ پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اندر کے دالان کی چھت لداؤ کی ہے بیچ میں گول گنبد اور چیر قلمدان نما لبوتری چھت پھر چھوٹی گنبد نما چھت پھر محراب پھر جاتی ہے۔ نقشہ یہ ہے:۔



اس کے سامنے بنگڑی دار محرابیں جن کے درچوکن اینٹ پتھر کے تھم ہیں۔



محرابوں کے سامنے پھر دوسرا دالان جس کی چھت میں سنگ سرخ کی سلیں پٹی ہوئی ہیں۔ ادھر اُدھر مینار نما برجیاں ہیں۔ ایسی تو نفیس مسجد اندر کے دالان میں کھانا پکا پکا کر دالان اور

چھت کو بالکل سیاہ کر کے تباہ کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بابر پور سے قطب روڈ تک کی عمارتیں

[illegible]

نامعلوم مسجد اور پل

یہ مسجد گو کہ اب جنگل اور ایسی جھاڑی میں کھڑی ہے کہ وہاں تک پہنچنا بھی متعذر ہے لیکن ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ کٹنا گھاس اس طرح لپٹتی اور گوکھر وایسے نہ لیتے ہیں کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی مسجد نہیں بلکہ بڑی عالیشان خوش نما پختہ بنی ہوئی ہے۔ بابر پور سے سیدھی سڑک ہم نے پکڑی جو قطب روڈ کو جا ملتی ہے اس پر بائیں ہاتھ کی طرف یہ مسجد ہے۔ پہلے ایک پل ملتا ہے جو اس مسجد کے مشرق میں ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاٹ کا پل کیسا ہے اوپر روڈ ڈیم بنا ہوا ہے۔ یہ سارا پل سنگ خارا کا ہے اس کا ایک دروازہ بھی تھا جس کا صرف ایک اونچا سا پاکھا رہ گیا ہے کبھی یہاں کوئی سڑک ہوگی اور نشیب تو یہاں ہے ہی برسات میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔ اس کا یہ پل ہے مسجد پتھر اینٹ چونے کی ہے سنگ خارا اور سنگ سرخ دونوں اپنے موقع سے لگائے گئے ہیں یہ مسجد دو منزلہ تھی زینہ گر گیا۔ اوپر کی منزل بالکل باقی نہیں رہی یہ مسجد طول وعرض میں ۴۷ × ۱۲ فٹ اور بغلی برجوں میں ہر طرفہ ایک ایک حجرہ ۱۲ × ۱۰ فٹ ہے۔ تین در ہیں بیچ والا بڑا ادہر ادہر کے بالنسبۃ چھوٹے ۱۲½ فٹ اونچان اور ۷½ فٹ چوڑان ہے۔ اندر رنگ کا کام تھا جو سب جھڑ جھڑا گیا۔ اس مسجد میں زیادہ تر کام گچ میں ہی کیا گیا ہے۔ ندرت جو اس مسجد میں ہے وہ یہ ہے کہ گنبدوں کے جوف میں بے نظیر کنول کے پھول بنائے ہیں اور اتنا بڑا پھول بنایا ہے کہ اندرونی حصے گنبد کو سارا گھیر لیا ہے۔ اتنا بڑا پھول اور ایسا خوش نما بنانا کہ بھدا نہ ہو بڑی کاریگری ہے اسی طرح محراب کے مجوف حصے میں بھی بے نظیر گلکاری کی ہے۔ افسوس ہے کہ بڑا حصہ پلاستر کا جھڑ گیا چور ہو گیا ہے اس کے دیکھنے سے بھی دل پھڑک جاتا ہے۔ سامنے پختہ چبوترا طول وعرض ۴۸ × ۴۱ فٹ اور چھ فیٹ اونچا ہے جس کی بندش سنگ سرخ کی تھی مگر گر گئی۔ گرد کارنس اور چوڑا چھجہ تھا وہ بھی گر گیا۔ مسجد کے شمال جنوب میں ایک ایک وسیع دالان تھا۔ ان کی بھی چھت نہ رہی۔ شمال کے دالان کے تین در تھے اور جنوب کے دو۔ ان دالانوں کا طول وعرض ۳۱ × ۱۲ فٹ ہے۔ یہ مسجد گو

اتنی بڑی ہے مگر نفاست اور نزاکت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ جتنا اس کے بنانے میں تکلف کیا گیا تھا اب اتنی ہی اس کی مٹی پلید ہوئی ہے۔ اس کی دیواروں کی گلکاری دیکھیے کہ ایک باغ کھلا ہے اس کا پلاستر ایسا کہ نظر پھسلتی ہے اس کا فرش ایسا سطح یخنۃ کہ میں پر دیدہ فرشِ راہ ہوا و صَرحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِیْر[۵۱] کا گمان ہو آج اس پر گوبر کے اُپلے پاتھ کر تھوپے جاتے ہیں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا[۵۲]

دمہ ا محراب اس مسجد کے شمال مشرق کے کونے پر سڑک سے ذرا ہٹا ہوا ایک کھنڈر ہے جس کی اونچی اونچی دو محرابیں کھڑی ہیں اور ایک محراب کا صرف نصف حصہ اور ایک پاکھا کھڑا ہے۔ باقی ندارد۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا مکان یا محل تھا جو کھود کھدا گیا تھوڑا سا حصہ اپنی حالت پر خدا جانے کیوں چھوڑ دیا ہے یہ بھی کوئی دن کی ہوا کھاتا ہے۔

صفدر جنگ کا مقبرہ

سنہ ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۳ء

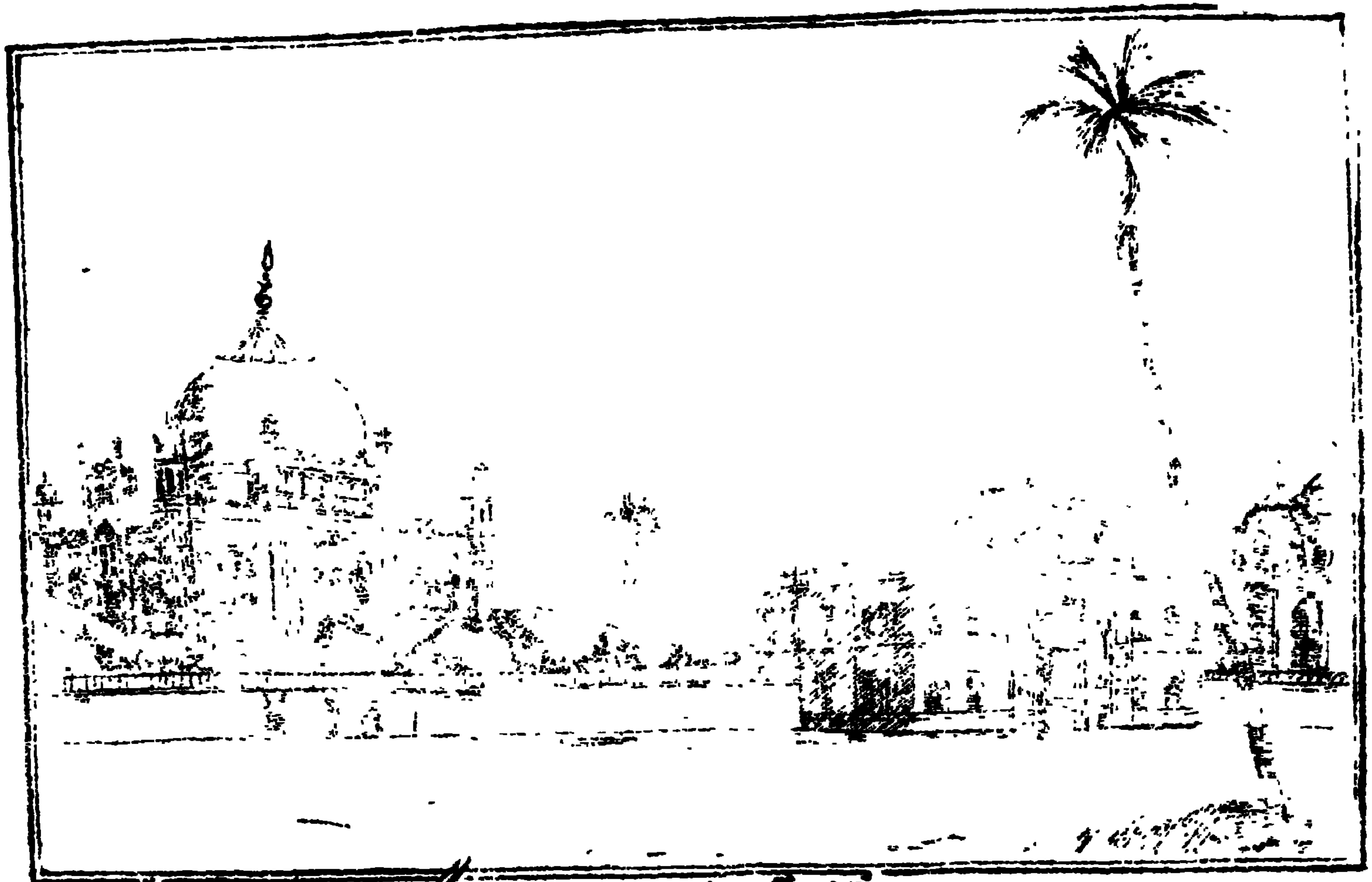
دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں اک آن میں طوطی کے تلے جاتے ہیں
ہے راہ بہشت کتنی ہموار انیس بند آنکھ کئے لوگ چلے جاتے ہیں

ابو المنصور صفدر جنگ سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کا برادر زادہ اور اُن کا قائم مقام تھا۔ یہ ایرانی نژاد تھا اور اپنے چچا کی طلبی پر ہندوستان میں آیا اور چچا ہی کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔ نادر شاہ کی غارت گری کے بعد جب ہندوستان میں پھر امن چین ہوا تو دربار دہلی میں صفدر جنگ کا طوطی بولنے لگا۔ نظام الملک نے جب احمد شاہ بادشاہ کی وزارت سے معافی چاہی تو منصور خاں کو قلمدان وزارت اور خطاب صفدر جنگ سے سرفرازی ہوئی۔ صفدر جنگ ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا لیکن مشیران شاہی کی چرب زبانی نے اُس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ غازی الدین پسر نظام الملک البتہ ایک ذی ہوش صاحب ہمت وجرات اُس کی ٹکر کا آدمی تھا اور صفدر جنگ اُس کے مقابلے میں ہر طرح ہیٹا تھا۔ صفدر جنگ کو لوگوں نے کچھ ایسا جھمیلے میں ڈالا کہ اُس کو وزارت کے عہدۂ عظمیٰ سے دست کش ہی ہونا پڑا اور وہ جب تک زندہ رہا سازشوں کا

---

۵۱ یہ تو شیش محل ہے جس کے فرش میں بھی شیشے ہی جڑے ہوئے ہیں۔ ۱۲

۵۲ ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ۱۲



نقشہ مقبرۂ منصور عرف صفدر جنگ

۴ صفحہ

ستا رہا اور آخرکار ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء میں انتقال کیا اور اُس مقبرے میں جو قطب صاحب کی سڑک پر دہلی سے چھ میل ہی مدفون ہوا۔ یہ مقبرہ بالکل ہمایوں کے مقبرے کی طرز کا ہی اور خیال کیا جاتا ہی کہ اُس کے بانی کا عندیہ بھی ہمایوں کے مقبرے کا جواب بنانے ہی کا تھا۔ یہ مقبرہ ایک بہت وسیع باغ کے بیچ میں ایک بلند چبوترے پر جس کے نیچے محراب دار کوٹھریاں ہیں بنا ہوا ہی۔ گنبد سنگ مرمر کا ہی جس کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ لیکن یہ مقبرہ شان و شوکت اور دل آویزی میں ہمایوں کے مقبرے سے ہر حال میں گھٹا ہوا ہی۔ اور اس میں اُس میں وہی فرق ہی جو ایک بادشاہ اور وزیر میں ہونا چاہیئے۔ بقول مسٹر کین کے "یہ مغلوں کی فن عمارت کی آخری بڑی کوشش ہی" باغ متعلق یہ مقبرہ تین سو مربع گز ہی۔ صدر دروازہ باغ کے مشرق میں ہی جس میں خدام مقبرے کے رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطے کی تین طرف کی دیواروں کے بیچ میں وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جن میں اکثر لوگ ٹھیرا کرتے ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں جن کا ایک رُخ چھوڑ کر تینوں جانب سنگ سرخ کی مشبک جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے پیچھے شمال کی طرف تین گنبدوں کی عالی شان مسجد از سرتاپا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہی۔ مقبرے کا بڑا چبوترہ ۱۷۹ فٹ مربع اور سطح باغ سے ۱۳½ اونچا ہی۔ سیڑھیاں (۱۲) اطراف سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا ۳ فٹ۔ ۹ اونچا اصل مقبرے کے چھوٹے چبوترے کی کرسی ۳ فٹ کی ہی۔ اس مقبرے کے چبوترے کے نیچے تہ خانہ کے اندر بیچ میں صفدر جنگ کی اصلی قبر ہی۔ مقبرہ کی عمارت ساٹھ فیٹ مربع اور نوے فیٹ اونچی ہی جس کے بیچ کے بیس فیٹ مربع کمرے میں ایک نہایت خوب صورت سنگ مرمر کے تعویذ کی قبر ہی۔ تعویذ کا پتھر بہت شفاف مجلی اور نقش و نگار سے آراستہ ہی۔ اس بیچ کے کمرے کے گرد اور آٹھ کمرے ہیں جن میں سے چار مربع ہیں اور چار ہشت پہل۔ گنبد کے اندر کا فرش اور دیواریں اجارے تک سنگ مرمر کی ہیں۔ بیچ کے کمرے پر جو گنبد ہی وہ اندر سے چالیس فیٹ بلند ہی جس طرح اول منزل میں کمرے ہیں اسی کے جواب میں اوپر کی منزل میں بھی کمرے ہیں۔ گنبد کوٹھی دار سنگ مرمر کا ہی جس کے کونوں پر سنگ مرمر کی مینار یں ہیں۔ گنبد کے چاروں رخ ایک ہی وضع اور ایک ہی قسم کی آرائش کے ہیں جن میں سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ سنگ بست نہر اب بھی موجود ہی جس کے فوارے

ہر دری ہے یعنی کمخواب میں گاڑھے کا پیوند لگایا ہے جو چغلی کھاتا ہے مگر اب تو یہ پیوند بھی بسا غنیمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو گنبد بیٹھ ہی جاتا۔ یہ گنبد کوٹھی دار اور پھیلا ہوا ہے مگر بھدا ہے۔ وہ سڈول پنا اور نزاکت جو ہمایوں کے مقبرے کے گنبد میں ہے اس میں نہیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت دری برجی سنگ سرخ کی ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ ان برجیوں پر سنگ مرمر کا کلس ہے۔ سرخی میں سفیدی عجب لطف دیتی ہے۔ برجیوں کا قطر ۹ فٹ ۲/۱ ہے جن کا ہر در ۷ فٹ ۵ انچ اونچا اور ۲ فٹ ۱ انچ چوڑا ہے۔ باہر ۲ فٹ ۳ انچ کا حاشیہ اس کے آگے ۱ فٹ ۵ انچ اونچا سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا۔ دروازوں پر بڑی خوب صورت ہشت دری چار سیڑھی اونچی دو طرف ہے جس کے (۹) طاق نما در آگے اور (۹) پیچھے۔ بیچ میں ۳ فٹ ۸ انچ کا فصل۔ ان دروں کی اونچائی ۱۳ فٹ ۱۰ انچ اور چوڑان ۲ فٹ ۱۱ انچ اور محرابیں بنگڑی دار۔ جس منڈیر پر یہ در بنے ہوتے ہیں وہ ۲ فٹ ۴/۱ اونچی ہے۔ ان دروں پر کنول کے پھول کے اوپر نو چھوٹی چھوٹی برجیاں مع کلس سنگ مرمر کی ہیں جیسے لالٹینوں کے ہنڈے اسی قسم کی برجیاں قلعہ اور جامع مسجد کے دروازوں پر بھی ہیں۔ سامنے چبوترا ۱۳ فٹ ۰ انچ ۱ × ۷ فٹ ۱۰ انچ ہے جو ۷ فٹ ۸ انچ اونچا ہے۔ اوپر کی منزل مع جالی دار کٹہرے کے ۲۷ فٹ بلند اور نیچے کی منزل بھی اسی کے برابر۔ اب نیچے آئیے تو تہ خانہ ہے جو اسی بلند چبوترے کے نیچے بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف سترہ سترہ در ہیں۔ بائیں طرف سے گیارہویں در میں چبوترے پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ چودھویں اور پندرھویں در کے بیچ میں کنواں ہے۔ سامنے گرد ہر طرف بجری کا چبوترا ۹ فٹ ۷ ا × ۶ فٹ ۱ انچ ۲/۱ کا ہے۔ ساتویں در میں تہ خانہ کا رستہ ہے جس کے حجرے میں یکے بعد دیگرے چھ دروازے طے کر کے پہنچتے ہیں۔ یہ حجرہ جس میں اصلی قبریں ہیں ۲۲ فٹ ۲/۱ مربع ہے۔ اس میں دو کچی قبریں ہیں مگر اوپر ایک ہی ہے۔ مقبرے کے چاروں طرف صحن باغ میں ۲۶۲ فٹ ۶ انچ لمبے۔ ۱۳ فٹ ۳ انچ چوڑے ۵ فٹ ۳ انچ گہرے حوض ہیں جن کی تہ کچی ہے اور بیچ میں کئی فوارے لگے ہوئے ہیں۔

تین طرف تین سہ دریاں ہیں جو بجائے خود عمدہ اور قابل دید عمارتیں ہیں۔ جنوب کی سہ دری موتی محل شمال کی بادشاہ پسند مغرب کی جنگلی محل اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ اس طرف کالا پہاڑ ہے۔ اور مشرق میں صدر دروازہ ہے۔ کمپونڈ کے چاروں کونوں پر چار مثمن برج ہیں وہ ساون بھادوں کہلاتے ہیں ان میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں ایسی باریک اور نازک لگائی ہیں کہ ان کی تراش بجائے خود حیرت انگیز ہے۔ دور

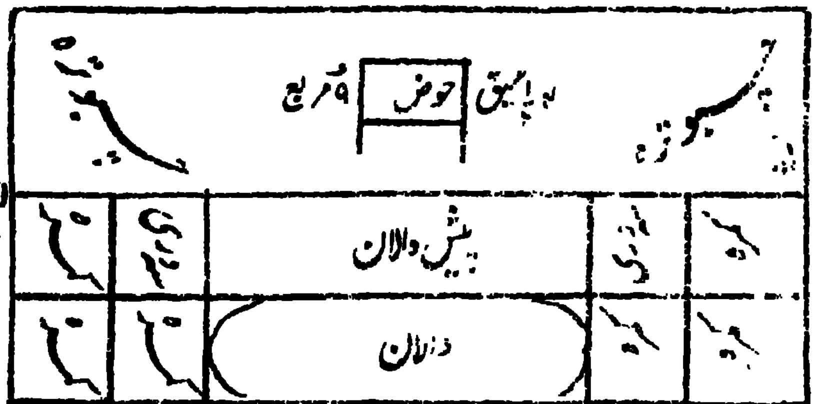
ٹوٹ گئے ہیں اور پانی ندارد ہے۔ یہ مقبرہ شجاع الدولہ نائب السلطنت اودھ نے اپنے باپ صفدر جنگ کے لیئے زیر اہتمام سدی بلال محمد خاں تین لاکھ روپے کے صرف سے بنوایا تھا مشرقی جانب کے گنبد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

یا اللہ

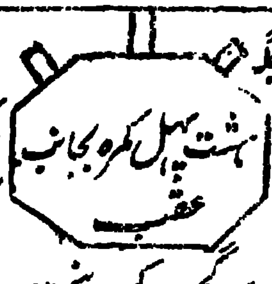
چو آں صفدر عرصۂ مردمی — ز دار فنا گشت رحلت گزیں
چنیں سال تاریخ او شد رقم — کہ "بادا مقیم بہشت بریں"

اس مقبرے کے چاروں طرف چار دروازے ۹ف ۷ا اونچے اور چھ فیٹ چوڑے ہیں۔ اندر کے دروازوں میں کواڑوں کی جوڑیاں جڑی ہوئی تھیں چنانچہ چولوں کے سوراخ اب تک باقی ہیں مگر کواڑ ندارد۔ لمبے کمرے ۲۷ف - ۵ا × ۵ف - ۲ا۔ چھوٹے کمرے ۵ف - ۲ا مربع۔ باہر کی محراب کے سامنے کا چبوترا ۳۰ف - ۸ا ½ ہے۔ جس حجرے میں قبر ہے وہ ۲۷ف ½ مربع ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ قبر کا چبوترا ۸ف - ۷ا مربع ہے۔ قبر کا تعویذ نہایت شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ قبر ۶ف - ۴ا × ۲ف - ۹ا اور ۲ف - ۵ا اونچی ہے۔ صرف مشرق کی طرف دہلیز میں ایک سل سنگ مرمر کی ۸ف - ۷ا × ۱ف - ۵ا ایسی ہے جس میں رنگین پھول پتیوں کا عمدہ کام پچیکاری کا کیا ہوا ہے اور کسی طرف فرش میں نقش و نگار نہیں ہیں۔ مقبرے کے گرد کے چھوٹے بڑے کمروں کی چھتیں لداؤ کی ہیں مگر چھتوں کے اندر بہت نفیس گلکاری کا ابھرا ہوا کام کیا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ قبر والے حجرے میں جو سب سے بڑا اور درمیانی ہے چاروں طرف چار خوش نما نشیمن ہیں۔ اب اوپر کی سیر کیجیے پہلی منزل تک پہنچنے کے لیئے (۲۵) سیڑھیاں ہیں اور دوسری منزل کی (۲۰)۔ درمیانی منزل کے چو طرف زینے ہیں اور دوسری میں صرف ایک جانب۔ گنبد کو دوہرا سمجھیے اور چھت پر بھی ایک نہایت خوش نما برج بنا ہوا ہے اور اسی کا وہ قبہ ہے جو دور سے سفید سفید نظر آتا ہے۔ اس برج کے چار دروازے ۷ف - ۸ا اونچے۔ ۴ف - ۱۰ا چوڑے ہیں۔ اس طرح چار دروازے اور دیوار در محرابیں جملہ (۸) ہوئیں۔ برج میں تین سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ ۹ف ۲ا قطر ہے۔ ہر مثمن ضلع ۳ف - ۱ا ہے۔ گنبد کی بیرونی بندش سنگ مرمر کی سلوں کی ہے جن کی کلاسی اس خوب صورتی اور نفاست سے ملائی ہے کہ دور سے ایک سفید انڈا معلوم دیتا ہے مگر اب کئی سلیں نکل گئیں ان کی بجائے سنگ خارا کی سلیں لگا کر تھوپا تھاپی

سے دیکھو تو اُن جالیوں میں سے آسمان پہاڑ کی جھلملاہٹ نظر آتی ہے اور اسی واسطے ساون بھادو کہلاتے ہیں۔ ان برجوں کا قطر ۵ فٹ ۱ انچ ہر ضلع ۲ فٹ لمبا۔ گرد ۲ فٹ ۱ انچ جگہ چھوڑ کر ۲ فٹ ۴ انچ اونچا جالی دار کٹہرا اور سہ دریں جالیاں۔ احاطہ کی دیوار پختہ ۱۱ فٹ اونچی ہے جس میں ۱۰ فٹ ۱/۲ × ۸ فٹ ۵ انچ طول وعرض کے طاق ہیں۔ یہ دیوار فصیل نما کنگورہ ۲ فٹ ۹ انچ اونچا ہے۔ اوپر چڑھنے کا زینہ بیچ کا (۹) سیڑھیوں کا ہے چار سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترا ۱۳۷ فٹ × ۱۹ فٹ ۲ انچ اونچا ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ نقشہ نظری یہ ہے:۔



ایک سائز پر (۱۵) طاق سہ ہیں، طاق کی جگہ قلمدان نما چھت کی کوٹھری پھر



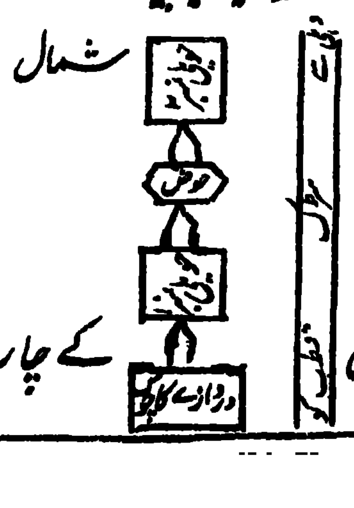
(۱۵) طاق اس کے آگے سہ دری اور پھر ہر کونے پر چھوٹی سہ دریاں۔ آب شمالی بڑی سہ دری کا حال سنیئے جو بادشاہ پسند کہلاتی ہے اور اسی طرح کی دوسری سہ دریاں بھی

سہ دری کے باہر کے در دُہرے بیچ کے بنے ہوئے فیل پایہ ہیں ۱۳ فٹ × ۲ فٹ اور محرابیں کنگری دار ہیں۔ دونوں دالان ۶ فٹ ۳ انچ ۔ ۹ فٹ لمبے اور ۱۳ فٹ ۱/۲ چوڑے ہیں۔ دالان کی بغلی سہ دریوں کے در ۳ فٹ چوڑے ہیں۔ پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ہشت پہل کمرے میں پہنچتے ہیں جو سہ دری کی پچھت کی طرف بطور ایک بالانشین کے بنا ہوا ہے۔ اس کا قطر ۱۴ فٹ ۳ انچ ہے اور سنگ سرخ کی نہایت نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں جن سے چاروں طرف کی سیر دکھلائی دیتی ہے یعنی اس کمرے میں برج کا لطف ملتا ہے بغلی سہ دریاں ۳ فٹ ۱۰ انچ × ۱۰ فٹ ہیں اور کمرے ۱۳ فٹ ۱/۲ مربع۔ چھت لداؤ ہے۔ عمارت کی کل بلندی ۱۷ فٹ ۲ گز چوڑا چھجہ۔ اوپر جانے کے زینے کے پاس جو کمرہ ہے وہ ۱۳ فٹ ۱۰ انچ × ۹ فٹ ۳/۴ ہے اور اسی میں (۱۹) سیڑھیوں کا زینہ ہے کونے میں کی سہ دریاں بہ نسبت وسط میں کی سہ دریوں کے چھوٹی ہیں۔ بیچ میں ایک ہشت پہل کمرہ ۱۴ فٹ مربع ہے جس کا طول وعرض ۲۳ فٹ ۱/۲ × ۱۱ فٹ ۴ انچ ہے۔ در ۹ فٹ × ۶ فٹ ہیں۔ سرے پر

ایک طرف زینہ دوسری طرف پائخانہ۔
شرق رویہ دروازہ سہ منزلہ ہے۔ پہلی منزل کی (۲۳)۔ دوسری کی (۱۷)۔ تیسری کی (۱۹) سیڑھیاں ہیں۔ پہلی منزل کی چھت ۲۱ فٹ ½ × ۱۷ طول و عرض میں ہے اور ارتفاع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ گرد سنگ سرخ کا کٹہرا ۱ فٹ ۹ انچ اونچا جالی دار ہے۔ دوسری منزل کا صحن قریب قریب ۸۲ فٹ کے مربع ہے۔ اس پر ایک چھوٹی مگر خوش نما سہ دری ۱۷ فٹ × ۹ ہے جس کی محرابیں بنگڑی دار ہیں جس کے بغل میں دو کوٹھریاں ۸ فٹ ۱۰ انچ × ۶ فٹ ۳ انچ ہیں۔ سہ دری کے سامنے برآمدہ ۱۶ فٹ ۹ انچ × ۵ فٹ ہے جس کے آگے ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ بیچ میں سنگ مرمر کا کٹہرا ہے اور ادھر اُدھر سنگ سرخ کا۔ یہ سہ دری گویا صدر دروازے کا نشیمن ہے۔ دروازے کی بلندی ۵۶ فٹ کی ہے۔ تیسری یعنی سب سے نیچے کی منزل کی بلندی ۲۰ فٹ ہے اور اسی میں دروازے پر دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور چاروں طرف چار چار حجرے ہیں مگر یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں (۱) ۱۱ فٹ مربع۔ (۲) ۱۱ فٹ ½ × ۸ فٹ ½۔ (۳ و ۴) بھی دوسری کے مماثل۔ یہ دونوں سہ دریاں ۲۵ فٹ ½ × ۱۲ ہیں اور جن میں کوٹھریاں ہیں وہ ۱۱ فٹ ۳ انچ × ۸ اور انھیں میں سے ایک میں زینہ ہے۔ مشرق رخ کی سہ دری کی چھت کی پیمائش ایک اینٹ کی بھی ہے۔ صدر دروازے کے ہر چہار طرف بلند محرابیں ہیں جہاں کی طرف دو بڑی حویلیاں ہیں جو خواص پورے کے نام سے مشہور ہیں ان کے بیچ میں ایک مثمن پٹا ہوا حوض ہے جس پر اندر دار بڑا بھاری گنبد ہے اوپر سپاٹ اور مسجد کا صحن ہے۔ ان حویلیوں میں سات سات در کے دالان مشرق و مغرب میں ہیں۔ شمال کا دالان دوگہا ہے جس کے تین در ہیں۔ بیچ میں وسیع مستطیل صحن ۱۰۶ فٹ × ۱۰۱ کا ہے۔ آگے سنگ سرخ کا حوض بیچ میں فوارہ۔ حوض کے چاروں طرف تین تین دروں کے گنبد دار چھت کے دالان ہیں۔ حوض کا ہر ضلع ۱۱ فٹ لمبا ہے۔ عمق ۴ فٹ گنبد کی چھت میں بھی ایک سوراخ رکھا گیا ہے جو صحن مسجد میں نکلتا ہے اور اسی سوراخ میں سے مسجد کے لیے اوپر پانی چڑھایا جاتا تھا اب اس پر ایک جالی دار سل ڈھکی ہوئی ہے۔ حوض کے چو طرف ۷ فٹ ۹ انچ کی گیلری ہے۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہے۔ مسقف حوض کا شمالی دروازہ دوسری حویلی نمبر (۲) میں جانے کا رستہ ہے اور جنوبی حویلی نمبر (۱) میں یہ دروازے ۱۲ فٹ × ۱۰ ہیں اور اسی حویلی کا جنوبی دروازہ صدر دروازے میں کھلتا ہے۔ حویلی نمبر ۱ صدر دروازے سے ملی ہوئی ہے۔ ان حویلیوں کے دالانوں کی اونچائی ۱۵ فٹ ہے۔ حویلی نمبر (۱) میں مقبرے کا

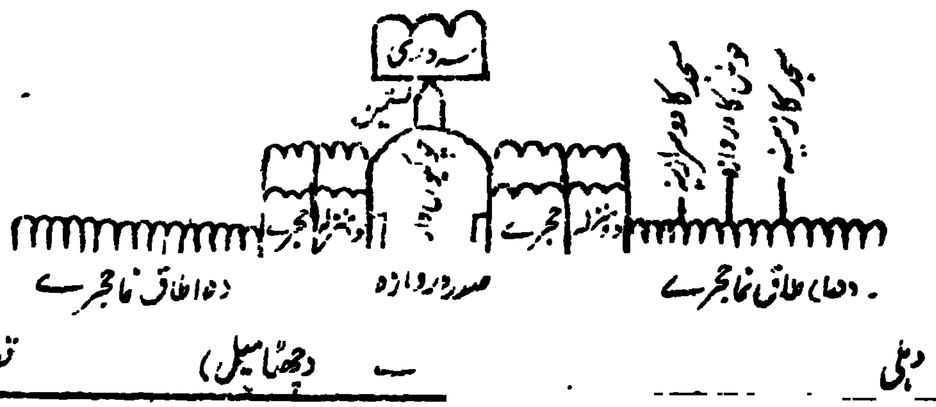
دربان رہتا ہے اور حویلی نمبر (۲) میں وہ بیل باندھے جاتے ہیں جو مقبرے کے باغ کے متعلق
ہیں اور یہیں بھُس بھی بھرا ہوا ہے۔ حوض کے متذکرہ بالا دروازوں کے سوا ایک دروازہ
مشرق رویہ سڑک کی طرف ہے۔ جس کو چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ مشرق ہی کی طرف زنان
خانے میں سے مسجد میں آنے کے سولھا سولھا سیڑھیوں کے دو زینے ہیں اور یہی
زینے اوپر جا کر پھٹ جاتے ہیں۔ ایک طرف زنان خانے میں نافذ ہیں اور دوسری طرف
مردانے میں یعنی سڑک کی طرف نکل جاتا ہے۔ غرض یہ لاؤ کا حوض بالکل سنگ بست اور
بڑا مضبوط ہے جو در اصل مسجد کا حوض ہے اور اس خوبی سے بنایا ہے کہ اوپر صحن مسجد اور نیچے
حوض جو مسجد اور حویلی والوں دونوں کے کام آتا تھا۔ اب اوپر چل کر مسجد دیکھیے۔ جو
بہت عالی شان اور وسیع نہایت پختہ سنگ سرخ کی آج کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ صحن مسجد
۶۶ × ۷۰ فٹ ہے۔ چوکوں کا فرش ہے۔ تین بنگڑی دار دروں اور تین گنبدوں کی مسجد ہے کلس
سنگ مرمر کے ہیں۔ دو برجیاں ادھر ادھر مینار نما ہیں۔ جو شش دری ہیں اور بیچ محراب کے
کی دو برجیاں چار دری ہیں۔ مسجد کا دالان ۵۴½ × ۱۳ فٹ – ۸ انچ ہے بغلی میں ایک ایک حجرہ
۱۲½ × ۵ فٹ – ۹ انچ۔ محرابوں کے روکار پر سنگ مرمر کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔
بیچ کی محراب ۱۱ فٹ – ۳ انچ چوڑی ہے اور مسجد کی بلندی چھت تک ۲۵ فٹ ہے۔ تین سیڑھیوں کا سنگ
باسی کا منبر ہے۔ شمال کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا زینہ اوپر جانے کا ہے۔ شمال جنوب میں
مسجد کے احاطے کی پختہ دیوار ۶ فٹ – ۸ انچ اونچی ہے اور مشرق کی طرف ۲ فٹ اونچی منڈیر ہے۔
نیچے حوض اور اوپر مسجد ہونے سے کرسی بہت اونچی دی گئی ہے اس وجہ سے اور زیادہ
دل کشا ہو گئی ہے۔ اتنی بڑی اور ایسی خوبصورت مسجد اور کتبہ کوئی بھی نہیں غالباً کتبہ لگانے
کی نوبت نہیں آئی۔

صدر دروازے کا ذرا سطحی نقشہ دیکھ لیجیے:۔



یہ چوک ۲۸-۹ مربع ہے جس کے چاروں طرف تین تین محرابیں

ایسی ہی ہیں جیسی کہ ہم نے شمال کی طرف بتلائی ہیں۔ مشرق کی طرف یعنی سڑک کے پاس دہلی سے آتے ہوئے داہنے ہاتھ کو مقبرے کا صدر دروازہ ہے جو مغرب کی جانب مقبرے کے صحن کے کمپونڈ میں کھلتا ہے۔ ہر سہ جانب ان تینوں محرابوں کا عمق ۲۲ فٹ ہے۔ دروازے کی گہرائی میں دو طرفہ صحنچیاں ہیں جن میں دو دو کوٹھریاں بھی رکھی ہیں۔ اس چوک پر بڑا بھاری گنبد ہے۔ اور اس کے چاروں طرف بھی سہ دریاں ہیں۔ دروازے کے پٹ بھی اسی زمانے کے کیلیوں سے جڑے ہوئے بڑے مضبوط ہیں۔ دروازے کے باہر سڑک کے متوازی دو طرفہ ایک قطار حجروں کی ہے جس کے بیچ میں دروازہ ہے۔ اس طرح:-



اس مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔

موضع خیر پور کے حدود میں لودھیوں کے مقبرے

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا ــ کس کس کا نہ یاں زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چتر زریں ــ تربت پہ نہ اُن کے شامیانہ دیکھا

مقبرۂ سلطان محمد شاہ سنہ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء

صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے اُس سڑک کے کنارے جو اس مقبرے سے نظام الدین کو گئی ہے۔ اس سڑک کی بائیں جانب جو کئی اونچے اونچے گنبد نظر آتے ہیں یہی لودھیوں کے مقبرے کہلاتے ہیں اور یہ

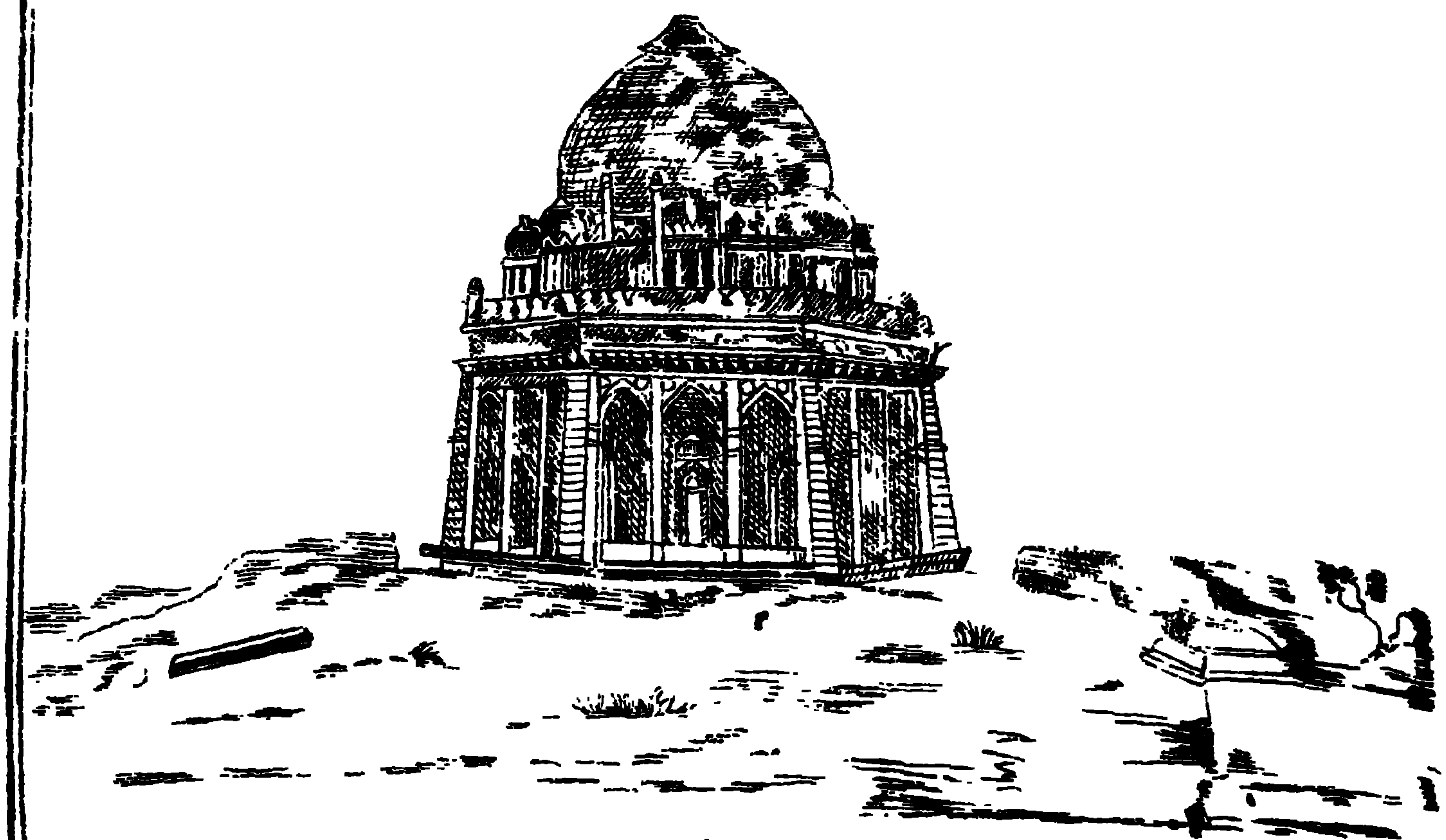
اور زمین بھی موضع خیر پور کی ہے۔

موضع خیر پور میں کل چار مقبرے ہیں جن کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔ پہلا گنبد جو ہمایوں صفدر جنگ روڈ میل (۱) فرلانگ (۳) پر داہنی طرف سڑک سے ملا ہوا ہے وہ بالکل صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ہے۔ یہاں سے صفدر جنگ کا مقبرہ صرف پانچ فرلانگ رہ جاتا ہے۔ خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے جس کا کلس ٹوٹ گیا ہے اس کا قطر اندر سے ۵۳ ہے۔ گنبد کی چھت میں اوپر وار سولہ طاق ہیں جن میں سے چار تو کھلے ہوئے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان سب طاقوں کے دو طرفہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے گنبد کی چھت پر۔ سب سے اوپر کے چھوٹے دائرے میں جسے چیند یا سمجھنا چاہیئے گیروی زمین پر سفید حرفوں میں آیۃ الکرسی مع بسم اللہ فمن یکفر بالطاغوت تک ہے۔
بڑے دائرے میں بسم اللہ۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب تا آخر سورۂ حشر۔ (پارہ ۲۸) پھر اسد تعالیٰ کے نو ننانوے نام ختم پر الوارث الرشید الصبور۔ لیس کمثلہ شیئ وھو السمیع البصیر غفرانک ربنا والیک المصیر نعم المولیٰ ونعم النصیر محمد رسول اللہ ورسول العالمین الصادق المصدق الامین۔
اس گنبد کے آٹھوں دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں ان میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رہی۔ سرکار کی طرف سے اب تار کی جالیاں لگا دی گئی ہیں کہ کبوتر وغیرہ نہ گھسیں اس گنبد کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی اصلی حیثیت نہیں معلوم ہوسکتی کیوں کہ ازسرنو سب پر گچ کرا دی گئی ہے۔ کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔

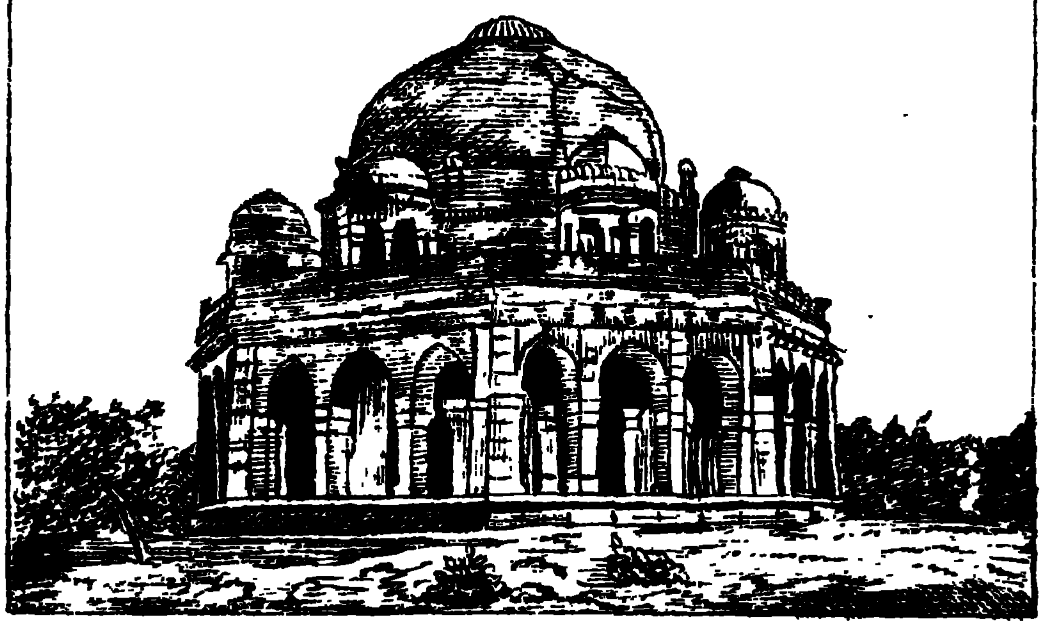
اس مقبرے کی نسبت سر سید لکھتے ہیں کہ "منصور کے مقبرے کے سامنے ایک برج ہے بہت خوش نما۔ اس برج کی عمارت اور مبارک پور کوٹلے کے برج کی عمارت اور عیسیٰ خاں کے گنبد کی عمارت ایک ہی سی ہے اگرچہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ برج کس کے وقت کے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ پٹھانوں کے وقت کی ہیں۔ کوئی امیر ہوں گے جن کے نام سے یہ گاؤں آباد ہوا ان کا یا ان کے لواحقوں کا یہ گنبد ہو گا۔ غرض کہ اس کی عمارت بھی بہت خوب اور نہایت عمدہ ہے"۔

ہشت پہل گنبدوں کا طرز کچھ ایسا مقبول عام ہوا ہے کہ اس طرز کے اکثر گنبد میں

۱؎ فرگسن صاحب نے جو قطر قریب پچاس فیٹ کے لکھا ہے وہ غالباً غلام گردش ملا کر ہے۔ ۱۲



نقشهٔ مقبرهٔ خیرلوه



مقبرہ محمد شاہ لودھی

سید شاہ لودھی ہوں گے۔ ان کی بنا کردہ عمارات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ گو آیات کلامِ مجید کثرت سے منقوش ہیں مگر اپنے نام کا کتبہ کسی نے بھی نہیں لگایا اور اسی سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کون سا برج کس کا ہے مگر ہیں سب لودھی خاندان ہی کے۔

ہمارے خیال میں سر سید مرحوم کو مغالطہ ہوا ہے کہ اس گنبد کو نامعلوم لکھا ہے۔ دراصل یہ گنبد خاندانِ سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ کیوں کہ موضع خیر پور میں سب ملا کر چار ہی گنبد ہیں پہلا یہ ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کے ساتھ وہ بے نظیر مسجد بنی ہوئی ہے جس کا بہت شاہ گنبد دار دروازہ ہے اور تیسرا موضع خیر پور کے شمالی کنارے پر وہ ہے جس پر کارکاشی کی نیلی سلیں لگی ہوئی ہیں البتہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے اور اس سے آگے چار سو گز کے فصل سے بہت بڑے احاطے کے اندر چوتھا مقبرہ سکندر بہلول لودھی کا ہے۔ سر سید کا بنایا ہوا نقشہ جس کو وہ نامعلوم گنبد قرار دیتے ہیں آثار الصنادید سے نقل کروایا گیا ہے اور دوسرا نقشہ محمد شاہ بادشاہ کے گنبد کا گارڈن سنڈی ہرن صاحب کی کتاب "سون سٹیز آف دہلی" کا ہے۔ دونوں کو ناظرین بالمقابلہ ملاحظہ فرمالیں ہیں دونوں ایک جس سے یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ جس گنبد کا پتہ سر سید کو نہیں لگا وہ دراصل محمد شاہ کا ہے علاوہ اس کے ایک دلیل اور ہماری اس رائے کی تصویب کی یہ بھی ہے کہ سر سید نے محمد شاہ کے مقبرے کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا اور نہ اس ٹیلوں والے مقبرے کا ذکر کیا جو بہت عالی شان اور بڑی مسجد کے قریب ہے۔

بہلول لودھی کا مقبرہ درگاہ روشن چراغ دہلی میں ہے اس کا بیان اپنے موقع مناسب پر کیا گیا ہے۔

محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں ۹۔ رجب ۸۳۷ھ/۱۴۳۴ء سے ۸۴۹ھ/۱۴۴۵ء تک حکمراں رہا سادات کا تیسرا بادشاہ تھا جس کا مقبرہ موضع خیر پور میں منصور کے مقبرے کے سامنے اپنے چچا اور سوتیلے شاہ سلطان معز الدین ابو الفتح بن خضر خاں کے مقبرے سے تھوڑی دور ہے کچھ عرصے تک بادشاہ نے بہلول خاں لودھی گورنر دیپال پور[1] کے حملوں کی خوب مقاومت کی۔ لیکن

[1] دیپال پور منٹگمری کے ضلع میں بیاس کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے (۲۸) میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑا کے ... سے ۱۶ میل جنوب میں ہے۔ جنرل کنگھم ... [illegible] ... اس کو راجہ دیو پال نے آباد کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ راجہ کون سے زمانے میں تھا۔ کنگھم صاحب کہتے ہیں کہ بطلیموس نے جو ڈیڈالہ شہر لکھا ہے وہی دیپال پور تھا۔ فیروز شاہ تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا اور اس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔

(بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۵۰)

شمال کی طرف سے لوگ کچھ ایسے پر دل تھے کہ دہلی سے بیس کوس کے حلقے میں جو جو حم
سب نے کھلی بغاوت کی اور آخر کار ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء میں محمد شاہ نے وفات پائی اور اسی موضع
میں دفن ہوا اور یہ مقبرہ اُس کے بیٹے علاء الدین عالم شاہ نے بنوایا جو نرا پتھر اور چونے کا ہے
در قطع اس کی بہت نفیس ہے۔ اندر کا مکان اور باہر کی غلام گردش اور برجیاں بہت خوب
صورتی سے بنائی گئی ہیں۔ یہ مقبرہ بالکل مبارک شاہ کے مقبرے کی طرح کا ہے اس لیئے
اس کی مزید توضیح غیر ضروری ہے۔ فرگسن صاحب نے اپنی کتاب ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم
کے صفحہ (۵۶۳) پر اس مقبرے کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک ہشت پہلو مقبرہ ہے جس کا قطر
قریب پچاس فیٹ کے ہے اور گرد غلام گردش ہے جس کے ہر طرف تین تین لمبوتری محرابیں ہیں جو
وضع پٹھانوں کے عہد سے مخصوص تھی"

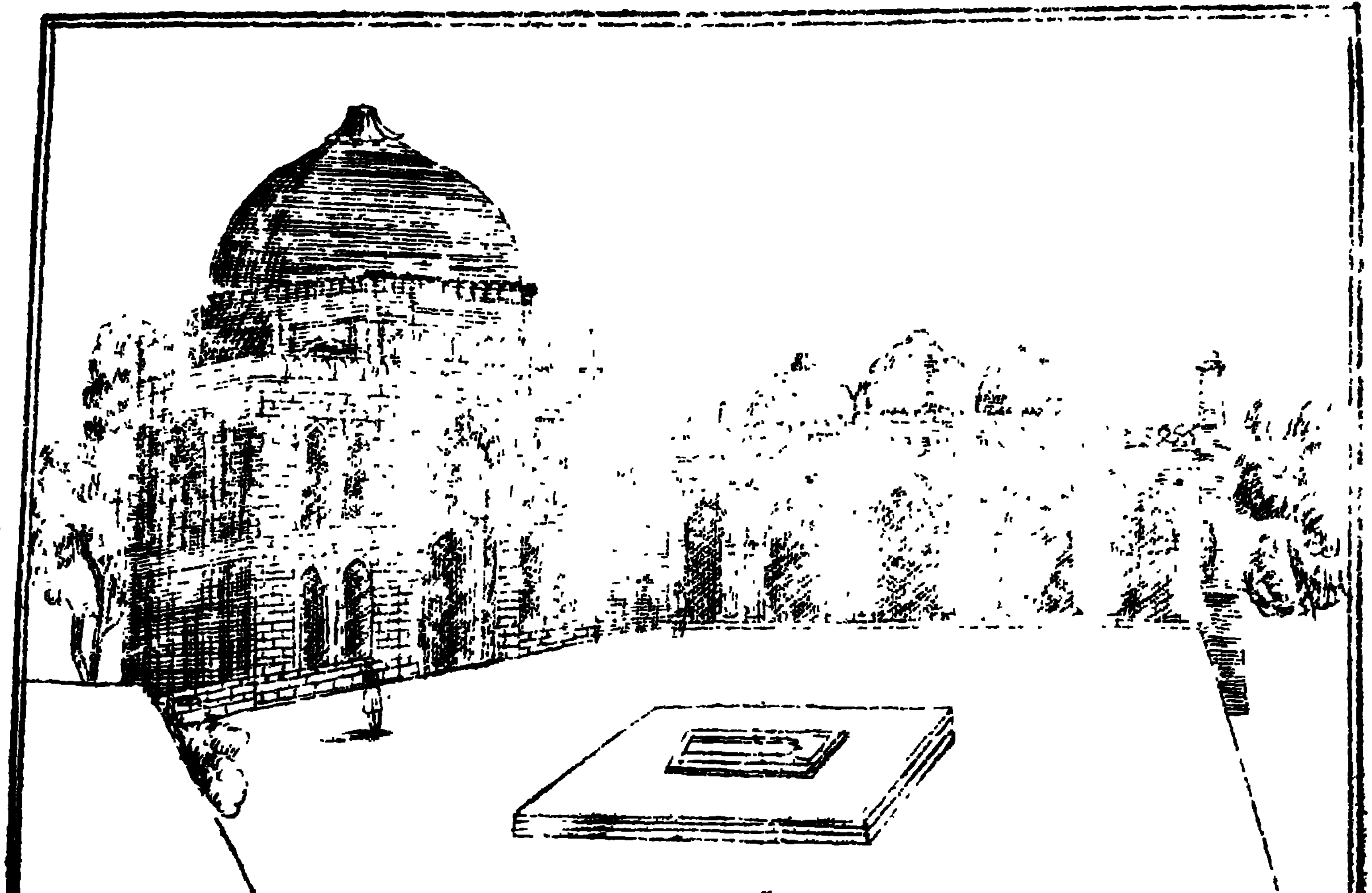
مسجد

اس مقبرے کے شمال میں بہت دور نہیں قریب ہی ایک چھوٹی سی سہ
دری مسجد ہے جس کے احاطے کے اندر ایک کنوئیاں بھی ہے۔ احاطے کی
صرف ایک غربی دیوار رہ گئی ہے باقی ٹوٹ ٹاٹ گئی۔ اس مسجد کا چبوترہ جو ۸½ اونچا ہے
مال کا بنا ہوا ہے۔ مگر یہ مسجد کچھ اوپر والے مقبرے کے متعلق نہیں ہے بلکہ اُس سے جدا ہے۔

خیر پور کا نامعلوم گنبد اور مسجد تخمیناً ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء

اس میں تو شک نہیں کہ یہ مقبرہ اور مسجد لودیوں کے
وقت کی ہے اور تخمیناً ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء یعنی قریب زمانہ
شیر شاہ کے بنی ہوئی ہے اگرچہ اس کے بنانے والے
کا نام تحقیق نہیں ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں رہا
کہ لودیوں کے وقت کے کسی امیر کا جس کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ مقبرہ ہے اور اسی کی یہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹) سلاطین مغلیہ سے پہلے غلاموں اور خلجیوں کے وقت میں یہ پنجاب کا دار الخلافہ
رہا ہے کیوں کہ اُن دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے در پے حملوں کے روکنے کے لیئے لاہور اور ملتان
کے بیچ میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرفوں کا انتظام آسانی سے ہو سکے۔ پرانے
شہر کے کھنڈر اب بھی جنوب مغرب کی طرف واقع ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ
خاص شہر تین میل کے رقبے میں بستا تھا۔ موجودہ شہر کی آبادی چار ہزار ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے
حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہم سری کرتا تھا اور اس میں چوراسی مسجدیں تھیں۔ بابر کے وقت میں بھی یہ شہر
آباد تھا اور لاہور سے کم درجے کا نہیں تھا۔ ۱۲



نقشهٔ مسجد و مقبرهٔ خیرپور

یہ مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ہے مگر اس کے خوش قطع ہونے میں کلام نہیں۔ اور لودیوں کے زمانے کی فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایسی خوش قطع مسجد پٹھانوں کے وقت کی بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اس مسجد میں چونہ کاری کی بہت عمدہ منبت کاری ہے اور پیشانی پر چونہ کاری کی آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کے پانچ در ہیں درمیانی محراب بہ نسبت ادھر اُدھر کی محرابوں کے اونچی ہے اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ چھت پر تین گنبد لمبوتری گردن کے ہیں۔ جن کے کلس ٹوٹ گئے ہیں۔ چھت کے اطراف کنگورا ہے۔ گنبد اندر سے چپٹے ہیں جو تمام اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ بگلر صاحب کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ "اس مسجد کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا جس کو گاؤں والوں نے بالکل برباد کر دیا اور اب برسوں ہوئے کہ اُس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس مسجد کے صحن کے جنوب میں جو ایک عمارت بنی ہوئی ہے وہ بظاہر اس مسجد کا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی وضع علائی دروازے کی سی ہے۔

اُس مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ایک عالی شان گنبد ہے۔ جو اندر سے ۲۸ فٹ مربع ہے اور باہر سے ۵۴ فٹ۔ اس کا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے جس میں جانے کا دو طرفہ زینہ گیارہ گیارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کے چار دروازے ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا مسجد کے صحن میں جانے کا ہے اور دو بند ہیں۔ گنبد کی چھت میں آٹھ کھڑکیاں بطور روشن دان کے ہیں۔ اس سے اوپر (۱۶) طاق ہیں جن میں سے چار کھلے ہوئے اور بارہ بند ہیں گنبد کے اندر پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ گنبد کی چھت پر جانے کے زینے میں (۳۷) سیڑھیاں ہیں اور بلندی گنبد کی ۵۵ فٹ ہے۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے اور یہ گنبد مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے مگر اُس کی وضع قطع تو بجائے خود ایک مستقل گنبد کی ہے اور مجھے اس کو مسجد کا دروازہ قرار دینے میں تامل ہے بلکہ میں اس کو ایک مستقل عمارت خیال کرتا ہوں اور مسجد کو اسی کے متعلق سمجھتا ہوں جیسا کہ عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ عموماً مقبروں کے ساتھ مسجد بھی ہوا کرتی ہے مسجد کا طول و عرض ۸۷ فٹ × ۲۱ فٹ ہے۔ مسجد کی پچھیت میں داہنے بائیں دو ستون بطور پشتیبان کے ہیں جو چھت سے ذرا اوپر نکلے ہوئے ہیں۔ اور پچھیت کی دیوار کے اندر چار حجرے بنے ہیں۔ مسجد کی بیچ کی محراب ۲۵ فٹ اونچی اور ۱۹ فٹ چوڑی ہے اور دو فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے۔ اُس کے بغلی

نی محرابوں کی چوڑان ۱۹ فٹ ہے اور کنارے کی دو محرابیں ۹ فٹ چوڑی ہیں۔ مسجد کے گرد چوڑا توڑے دار بھاری چھجا بھی ہے۔ مسجد کے سامنے ایک نہایت وسیع کشادہ کرسی دار ۱۱۰ × ۸۷ فٹ کا چبوترا ہے جس پر سلوں کا فرش ہے اور کچھ ٹوٹی پھوٹی قبریں بھی اس چبوترے پر ہیں۔ صحن مسجد کے آخر میں بجانب شرق ایک نہایت پختہ لداؤ کا تین در اور دو کھڑکیوں دالان ہے جو ۵۵ × ۲۳ فٹ ہے دالان اور حجروں میں پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ درمیانی محراب ۹ فٹ ½ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی ہے۔ دالان کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ گیارہ گیارہ فٹ مربع ہے چھت پر جانے کے لیئے بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے اور اس عمارت کا ارتفاع ۱۹ فٹ ہے اوپر چھت سپاٹ ہے اور گرد چوڑا اور نہایت بھاری توڑے دار چھجا ہے۔ غالباً یہ دالان بطور ایک مدرسے کے تھا۔

انگریزی کتاب "دو آل ابوٹ ڈلہی" میں اس مسجد اور گنبد کے متعلق لکھا ہے کہ "موضع مہرولی کی بستی سے شمال کی جانب کوئی دو سو گز آگے بڑھ ایک عجیب و غریب مسجد ہے جس میں ایک بہت نفیس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو دور سے دیکھنے میں (دروازہ نہیں) بلکہ ایک مقبرہ معلوم دیتا ہے۔ دروازے میں بلند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں (یعنی کرسی بہت اونچی ہے) یہ گنبد عجیب سڈول اور مرتفع ہے اور غالباً علائی دروازے کے طرز پر بنایا گیا ہے دروازے کے باہر ایک نہایت خوش قطع صحن ہے جس کے ایک طرف تو مسجد ہے اور دوسری جانب اسمبلی ہال یعنی مجلس خانہ ہے جس کا سال تعمیر ۹۶۱ھ ہے (یہ سال مجھ کو کہیں نظر نہیں پڑا)۔ اس مسجد کا پلاستر تمام تر نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ تھا جس میں کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ پلاستر میں جابجا چینی کی رنگین ٹیلز (اینٹیں) لگی ہوئی تھیں اور سارے ہندوستان میں یہ سب سے بہتر نمونہ اس قسم کی آرائش کا ہے جواب باقی ہے۔"

گنبد کے چاروں دروازوں کے کتبے

(۱) مغرب رویہ:۔ بسم اللہ۔ وَمَنْ یَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ تا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ
پارہ۔ ۲۵۔ سورۂ زخرف۔ رکوع (۱۰)

(۲) مشرق رویہ:۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تا آخر سورہ۔ پارہ (۲۰)
سورۂ قصص۔ رکوع (۱۲)

(۳) جنوب رویہ - وَاذْكُرْ عِبَادَنَا ... تا آخر سورۃ - پارہ ۲۳ - سورۃ ص - رکوع (۹)

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ تا آخر سورۃ - پارہ ۲۳ - سورۃ ص - (۱۲)

(۴) شمال رویہ - وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ ... وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ پارہ (۷) سورۃ انعام رکوع

گنبد کے احاطے کے اندر مغرب رویہ دروازے کے سامنے ایک قبر سنگ سرخ کے تعویذ کی ہے جس کے سرہانے اللہ ایک طرف بِسْمِ اللہ اور قُلْ هُوَ اللہ اور دوسری جانب شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ کندہ ہے۔ پارہ نصف ۳ - سورۂ آل عمران یہ قبر بہت پرانی معلوم دیتی ہے کتبہ کی روش بھی اسی زمانے کی ہے۔

مسجد کے اندر کے کتبے

پہلے در کے اندر (۱) داہنی طرف پہلے در کی چھت پر - بِسْمِ اللہ۔ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ تا وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا - پارہ (۱۵) سورۂ بنی اسرائیل - رکوع (۹ و ۱۰)

(۲) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ تا مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا پارہ ۲۶ - سورہ فتح - رکوع (۱۲)

(۳) بِسْمِ اللہ - وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ - پارہ ۴ سورۂ آل عمران - رکوع (۶)

(۴) بِسْمِ اللہ - لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ تا ختم سورۂ حشر - پارہ ۲۸ - رکوع (۶)

(۵) محراب کے گرد :- إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا تا آخر سورۂ کہف - پارہ (۱۶) رکوع (۳)

دوسرے در کے اندر (۱) بِسْمِ اللہ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ تا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا - پارہ ۲۲ - سورۂ احزاب - رکوع (۱)

(۲) بِسْمِ اللہ - وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ تا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ - پارہ ۱۸ - سورۂ مومنون - رکوع (۱)

تیسرے در کے اندر جو منبر کے پاس ہے - بِسْمِ اللہ - پوری سورۂ الرحمن - پارہ (۲۷)

چوتھے در کے اندر

(۱) بِسْمِ اللّٰه اور سورۂ واقعہ - پوری - پارہ (۲۷)
(۲) بِسْمِ اللّٰه اور سورۂ تحریم - پارہ (۲۸)

پانچویں در کے اندر

(۱) بسم اللّٰه - سورۂ نبا پوری - پارہ (۳۰)
(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ پارہ (۱۸) - سورۂ نور - رکوع (۹ و ۱۰)
(۳) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ تا ختم سورۂ ذٰریٰت پارہ (۲۷) رکوع (۳)
(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ تا وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ پارہ (۲۶) سورہ حجرات رکوع (۲)

پہلی محراب کے بیرونی رخ پر

بائیں طرف - اوپر اور دونوں طرف قُلْ هُوَ اللّٰهُ کے طغرے -

(۱) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا تا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ - پارہ ۱۱ - سورۂ توبہ - رکوع (۲)
(۲) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ تا آخر سورۂ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ پارہ (۲۵) سورۂ جاثیہ رکوع (۱۶)
(۳) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ تا وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا - پارہ (۲۶) سورۂ فتح - رکوع (۱۱)

مسجد کے روکار کے پانچوں دروں کے کتبے

(۱) سیدھے ہاتھ کی طرف سے - پہلی محراب - پہلی سطر دونوں طرف کلمے کے طغرے - بِسْمِ اللّٰه وَجَآءُوْ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ تا عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ -

دوسری سطر - وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ تا قَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ - پارہ (۱۲) سورۂ یوسف رکوع (۱۲)

دوسری محراب - اشهد ان لا اله الا اللّٰه کا طغرا دونوں طرف اور پوری سورۂ جمعہ مع بسم اللّٰه -

تیسری محراب - پہلی سطر - بسم اللّٰه - سورۂ الملک شروع سے وَاِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا تک -

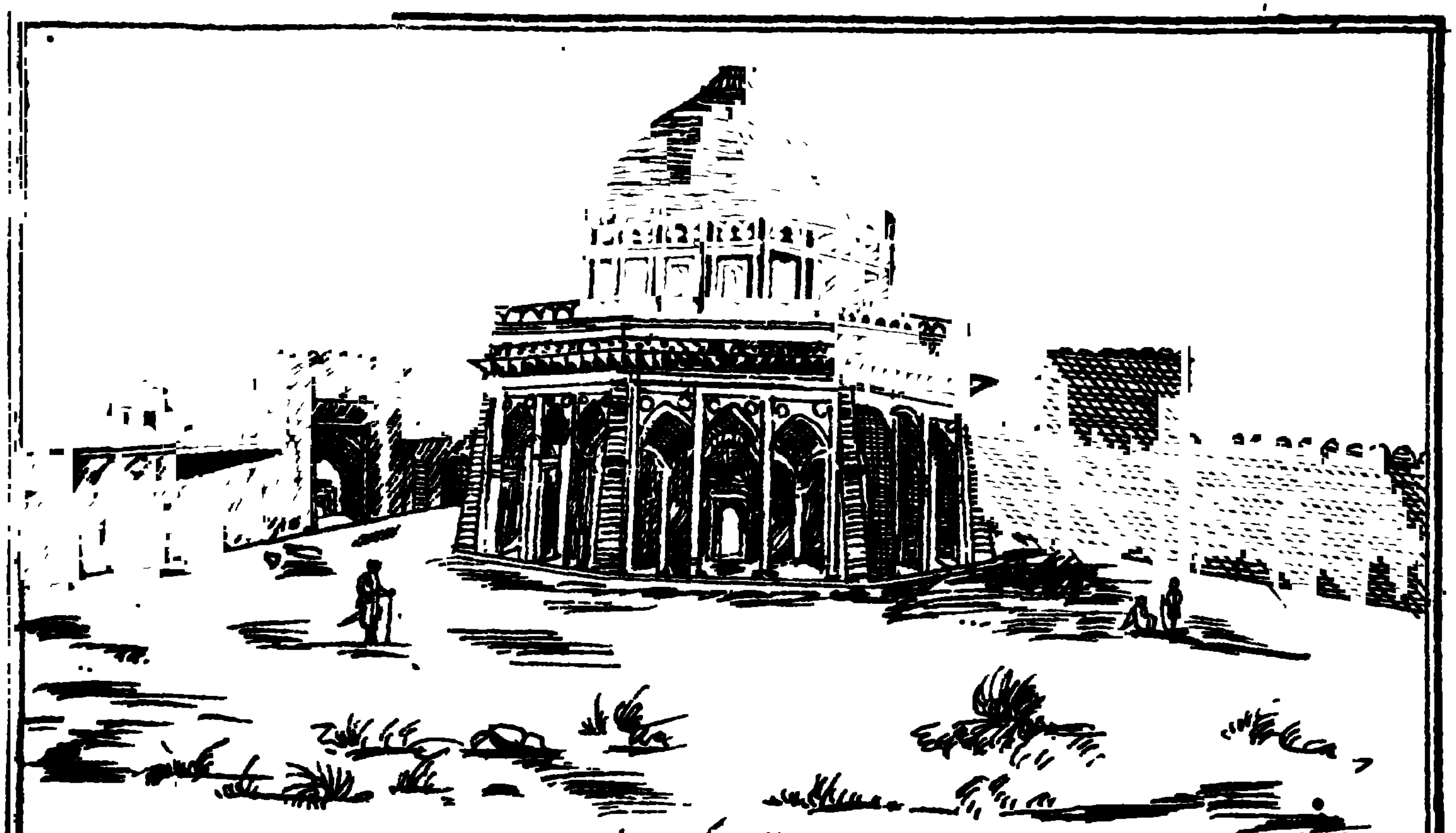
دوسری سطر - کُلَّمَآ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سے وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ تک -

تیسری سطر - اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ قُلْ هُوَ الَّذِیْ تک -

چوتھی سطر - اَنْشَاَکُمْ سے ختم سورہ تک

چوتھی محراب - پہلی سطر - بِسْمِ اللّٰه - سورۂ مزمل شروع سے وَکِیْلًا تک

دوسری سطر - وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا تک



نقشهٔ مقبرهٔ سلطان سکندر بهلول لودی

چوتھی محراب۔ پہلی سطر۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ (؟) — پارہ (۱۶) سورۂ مریم
دوسری سطر۔ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا ... فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا — پارہ ۱۶ سورۂ مریم رکوع ۲

ہر کس بہ بہانہ ازیں دیر فنا شد عازم آں سرائے جاوید بقا
باقی نبود کسے بعالم ابدا غیر از احدے کہ نیست او را ہمتا

کاشانی ٹیلوں والا نامعلوم عالی شان گنبد

اللہ اللہ کیا زمانہ آیا ہے کہ ایک عالی شان اور بے نظیر گنبد ہزارہا روپیہ کی لاگت کا ٹوٹا پھوٹا نہیں گرا پڑا نہیں بالکل درست ہمارے سامنے کھڑا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کا ہے نہ ہم کو کوئی بتلاتا ہے کہ کس نے بنوایا تھا۔ خیر کسی کا بھی ہو حق تعالیٰ اُس کی مغفرت کرے۔ طرز عمارت اور لودھیوں کے گنبد اور بے نظیر مسجد کا قرب دلالت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو لودھیوں کے کسی بادشاہ یا بادشاہ نہ ہوگا تو بادشاہ کے ہم پلہ کسی امیر کبیر کا ہے۔ یہ گنبد بھی ہشت پہل ہے اندر سے ۳۶ فٹ مربع ہے۔ تین طرف عالی شان سربفلک دروازے ہیں مغرب کی طرف بند۔ تین سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اندر آٹھ قبریں پختہ گچ کی ہیں جن کو سرکار نے حال میں درست کرا دیا ہے۔ سات بڑی ہیں ایک چھوٹی۔ جس مقبرے کے باہر کی آرائش کا اس قدر اہتمام ہے تو اندر تو کیا کچھ کام نہ کیا ہوگا۔ مگر اندر کا کام اب بالکل باقی نہیں رہا باہر دار البتہ چینی کا رنگ برنگ کا کام کچھ کچھ باقی ہے جنوب کی طرف صدر دروازہ ہے جس کے روکار پر بڑی بڑی اور چوڑی چوڑی چینی کی لاجوردی رنگ کی اینٹیں بطور تختیوں کے لگی ہوئی ہیں جو تعداد میں ۹۸ تھیں جن میں سے تھوڑی سی گر بھی پڑی ہیں مگر ان کی خالی جگہ پر سے شمار ہو سکتا ہے صدر دروازے کی محراب مع کنگورہ ۴۲ فٹ اونچی ہے اور یہی گنبد کی بلندی کنگورے تک سمجھیے چوڑا اس میں شامل نہیں ہے۔ اوپر جانے کا زینہ (۳۳) سیڑھیوں کا ہے۔

سکندر لودھی کا مقبرہ اور مسجد ۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء

موضع خیرپور کے پاس صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی پاؤ میل کے فاصلے پر ایک قدیم پختہ پل کے پاس لودھیوں کے خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ سکندر شاہ ثانی بن بہلول شاہ (۱۴۸۸-۱۵۱۷ء) کا مقبرہ ہے جسے غالباً اس کے بیٹے ابراہیم شاہ ثانی لودھی نے ۹۲۳ھ میں بنوایا تھا۔ سکندر شاہ لودھی نے ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ × نومبر ۱۵۱۷ء

میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔ مصنف تاریخ خان جہاں لودھی نے لکھا ہے کہ بادشاہ اور اس کے باپ دونوں کی نعشیں آگرے سے منتقل کر کے دہلی میں اسلام شاہ سور کے احاطے میں جو اسی غرض سے بنوایا گیا تھا مدفون کی گئیں۔ لیکن اس بیان میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے کیوں کہ سکندر لودی اپنے باپ کے پاس مدفون نہیں ہے اور دونوں کی قبریں ایک ہی باغ میں نہیں ہیں بلکہ جدا جدا ہیں یہ مقبرہ وضع قطع میں خاندان سادات کے بادشاہ مبارک شاہ کے مشابہ ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس کے چاروں کونوں پر برجیاں نہیں ہیں اور قبے کا ڈھلاؤ بھی کم ہے جو زمانہ مابعد کی تراش خراش ہے۔ یہ گنبد ۷۶ فٹ ۲ مربع فصیل نما احاطے میں ہے جس کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں جن میں سے اب صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ احاطے کی دیوار کا آثار آٹھ فٹ کا ہے اور کنگورا چھوڑ کر بلندی ۹ فٹ ہے۔ احاطے کی دیواریں بھی نیچے در بنے ہوئے ہیں۔ باہر والے یہ در ملالیں تو احاطے کی بلندی ۱۴ فٹ ہو جاتی ہے احاطے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کی حالیہ مرمت ہوئی ہے جو ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے اس دروازے کے سامنے ۲۶ فٹ کی دیوار احاطے کی کھنچی ہوئی ہے۔ اس دروازے کے ہر دو جانب احاطے کی دیوار میں نو نو کوٹھری نما طاق ہیں یعنی احاطے کی دیوار کے اندر وار بھی طاق بنے ہوئے ہیں اور باہر وار بھی۔ دروازے کے باہر ایک بہت اونچا چبوترا ہے جس کی بلندی ۲۰ فٹ اور سیڑھیاں نو ہیں۔ جن پر چڑھ کر احاطے کے باہر والے چبوترے پر پہنچتے ہیں جو ۵۵ فٹ مربع ہے جس کے دونوں جانب دو چوکون برجیاں چار چار ستونوں پر کھڑی ہیں۔ جنوب کی طرف یہ دیوار اور آگے بڑھ گئی ہے جس کی دونوں طرف دو برجیاں ہیں جن میں چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور جو سنگ سرخ کے ستونوں پر ایستادہ ہیں۔ احاطے کی مغربی دیوار سے لگی ہوئی ایک مسجد ہے جس کی درمیانی محراب ۶۵ فٹ بلند اور ۳۹ فٹ چوڑی ہے اور ادھر ادھر کی ایک ایک محراب اسی مناسبت سے کم ہے۔ باقی عمارت کی تفصیل کے لئے مبارک شاہ کے مقبرے کے بیان کی طرف رجوع کرنا کافی ہے کہ جو وہ سو یہ سوائے اس کے کہ جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس کے کونوں پر برجیاں ہیں اور اس پر نہیں۔ اگرچہ یہ مقبرہ قریب چونے پتھر کا ہے مگر اندر کا درجہ اور باہر کی غلام گردش اور احاطے کی برجیاں بہت نفیس اور خوش نما بنی ہوئی ہیں۔ یہ گنبد ہشت پہلو ہے۔ ہر ضلع میں تین تین در ہیں یہ مقبرہ بھی بالکل عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح کا ہے اور لودھیوں کے سارے مقبرے ایک ہی ڈزائن کے ہیں۔

جس کے اندر صرف ایک قبر لگی ہے۔ فرش میں روڑی حال میں کوٹی گئی ہے۔ گنبد کا قطر ۲۱ فٹ ہے۔ گنبد کا پلاستر اندر سے گر گیا ہے۔ غلام گردش کے سات در ہیں۔ اندر تمام چینی کا کام تھا چنانچہ اب بھی طاقوں کے دونوں طغرے ہیں۔ بارہ طاق بطور روشن دانوں کے ہیں۔ جن میں سے چار کھلے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان میں بھی کچھ کچھ کام چینی کا باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں سب سے اوپر سرخ زمین پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ غلام گردش ۹ فٹ چوڑی ہے۔ گنبد کا دروازہ باہر سے ۸½ فٹ اور اندر سے ۵ فٹ چوڑا ہے۔ غلام گردش کا ہر ضلع ۱۸ فٹ ہے اور گنبد کا ہر ضلع باہر سے ۲۰½ فٹ لمبا ہے۔ احاطہ عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح بہت وسیع فصیل نما کنگورے دار ہے جس میں چوطرف (۸۷) کوٹھری نما طاق بنے ہوئے ہیں۔ مغرب کی طرف مسجد کی حیثیت کی دیوار اور ایک دیوار دو زر محراب رہ گئی ہے باقی سب گر گئی ہے۔ گنبد کے اوپر جانے کا زینہ اٹھارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کی بلندی ۴۰ فٹ ہے اور گنبد کے چاروں طرف اٹھیاسی اٹھیاسی فیٹ کے بقدر احاطے کا میدان چھوٹا ہوا ہے۔

آل اینوٹ ڈیہی میں لکھا ہے کہ "اس بادشاہ نے ۱۵۱۷ء میں یعنی مغلوں کے ہندوستان فتح کرنے سے صرف نو برس پہلے انتقال کیا۔ یہ گنبد بہ ایک نہایت عالی شان اسی طرح کے احاطے کے اندر واقع ہے جیساکہ روشن چراغ دہلی کا ہے یہ ایک گہرے ڈھلوان کنارے پر واقع ہے جس پر سات دروں کا پل باندھ دیا ہے جس پر سے وہ قدیم سڑک گزرتی تھی جو فیروز آباد اور شمالی حصے کو سیری اور پرانی دلی سے ملاتی تھی۔ گنبد فی نفسہا ایک عمدہ عمارت ہے لیکن زیادہ تر پسندیدہ اس کا خوش نما موقع و محل ہے۔ قبر کے سرہانے جو چراغ دان کا ستون ہے وہ جینیوں کے مندر کا ایک تھم تھا اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ مغلوں کی فتح سے تھوڑے ہی دنوں پیشتر پھر ہندوؤں کی عمارت کی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی"

لودھیوں کے گنبدوں میں ایک بات اور دیکھی گئی کہ وہ کوئی کتبہ بھی اپنے نام کا نہیں لگاتے تھے اور اسی وجہ سے کسی گنبد کو کسی بادشاہ سے منسوب کرنے میں سوائے زبانی روایات کے یقینی طور پر کوئی رائے قائم کرنی مشکل ہے۔

باولی - باغیچی - سہ دری اور دو نامعلوم گنبد

سلطان سکندر بہلول لودھی کے [illegible] ایک قدیم اور محاط بہت وسیع [illegible] یہیں قریب میں ایک وسیع اور پختہ [illegible] کھنچا ہوا ہے جو باغیچی کے نام سے آج تک [illegible]

گو اب اس چار دیواری کے اندر زراعت ہوتی ہے مگر پہلے زمانے میں ضرور باغ رہا ہوگا کیونکہ جنوب رُخ کو اس کا صدر دروازہ نہایت مشتین اب بھی موجود ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ یہیں ایک چھوٹا سا چپٹا گنبد بھی ہے جس کی چھت تو گر گئی مگر چار دیواری بحالہ کھڑی ہے۔ اس منہدمہ گنبد کے دونوں طرف دو چھوٹی چھوٹی گنبدیاں بھی ہیں۔ علاوہ ان عمارتوں کے اسی نواح میں موضع خیر پور کی حدود میں معمولی اور متوسط دو اور گنبد بھی ہیں۔ یہاں بڑے بڑے گنبد جن پر لاکھوں روپیہ صرف ہوئے ہیں آج حالت گمنامی میں ہیں تو یہ معمولی گنبد کس شمار قطار میں ہیں۔

کربلا

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے بائیں طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ اس رستے پر داہنی طرف سر راہ ایک بڑا دروازہ اور ایک وسیع ٹوٹا پھوٹا احاطہ ملتا ہے یہی کربلا ہے اور یہیں بادشاہی زمانے کے ایک نامی گرامی رئیس کپتان اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری کھچوا دی ہے جو کربلا کہلاتی ہے۔ تمام شہر کے تعزیئے یہیں ٹھنڈے کیئے جاتے ہیں اور یہاں بڑا ہجوم اور میلا ہوتا ہے۔ اس کمپونڈ میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ خاں کی قبر بھی یہیں ہے لیکن مجھ کو ملی نہیں۔ کمپونڈ کی دیوار ۷ فٹ ½ بلند ہے۔ اس کا صدر دروازہ سر راہ شمال کی طرف ہے جو ۲ فٹ ۱۳ فٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے دونوں پاکھوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے جس میں کا ایک پاکھا داہنی طرف کا حال میں گر گیا ہے اور اس کے ڈھیم وہیں پڑے ہیں بائیں طرف کا پاکھا جوں کا توں کھڑا ہے۔ کواڑ کی چول پھنسانے کی کڑی بھی موجود ہے جس میں گول سوراخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پٹ بھی تھے۔ دروازہ کے دو طرفہ کچھ عمارت مثل سہ دری کے تھی جو گر گئی اور اوپر بھی کچھ مکانیت ہوگی یہ سب مفقود ہے اب صرف ایک پاکھا کھڑا ہے اور بس۔ دوسرا دروازہ کمپونڈ کے مشرق میں ہے۔ جو صرف کمپونڈ کی دیوار توڑ کر رستہ کر دیا گیا ہے اس کے دو پاکھے کچے ہیں جن کے

پچ ... منٹی جتی ایک ہاتھ کی گرگئی ایک کی باقی ہے۔ اس دروازے کی چیکلان

۹۳ خانم کی قبر ۱۱۳۹ھ

آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما
بس نازک ست شیشۂ دل در کنار ما

کربلا کے احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک سیح در مرتفع پکا چبوترا گچ کا نظر آتا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ یہ چبوترا فٹ ۸۳×۱۱۲ طول و عرض میں اور فٹ ۳ ½ اونچا ہے۔ اس چبوترے کے وسط میں ۵ فٹ مربع ۱ ½ اونچا ایک اور چبوترا ہے۔ اس چبوترے سے ملی ہوئی لداؤ کی قلم دان نما ایک برجی ہے جس کا داخلی دروازہ سنگ باسی کا بہت چھوٹا سا ۲×۳ فٹ کا ہے۔ اس دروازے میں ایک لداوی کمرہ بطور ڈیوڑھی کے ۱۸×۱۱ ½ فٹ کا ہے جس کی چھت قلم دان نما ہے۔ اب چودہ سیڑھیاں اتر کر ہم تہ خانے میں پہنچتے ہیں جس کا ایک ہی دروازہ جنوب رویہ ۶×۳ فٹ ہے۔ تہ خانہ کا حجرہ ۱۳ ½ فٹ مربع ہے جس کے چاروں طرف روشن دان رکھے ہیں اور تین طرف دیوار دوز طاق ہیں۔ یہ حجرہ اوپر والے پندرہ فیٹ مربع چبوترے کے نیچے ہے۔ فرش میں اس کے سنگ مرمر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں کی بعض بعض سلیں ضائع بھی ہوگئی ہیں۔ چھت مربع لداؤ کی ہے جس میں رنگ کا کام کیا ہوا تھا جو کچھ کچھ باقی بھی ہے۔ اس حجرے کے بیچ میں صرف ایک ہی قبر ہے جس کا تعویذ نہایت عمدہ قسم کے شفاف اور چمکدار سنگ مرمر کا ۶ ½ فٹ × ۲ فٹ ۱۰ انچ اونچا ۹ انچ کا ہے۔ اس تعویذ کے گرد آیۃ الکرسی کچھ عجیب نزاکت سے منبت منقوش ہے کہ خط اس کا سرمۂ نظر و باعث تجلی بصر ہے۔ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے اور دل اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ تعویذ کے اوپر سرا ہنے بسم اللہ کا طغریٰ مع بائینی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت اور تعویذ کے عرض میں نیچے دار بہ خط نستعلیق یہ قطعہ کندہ ہے:۔

آفتاب برج عصمت ماہ خانم از قضا ... درنقاب ابر رحمت کرد روئے ل بحق
کلک قدرت سال ایں تاریخ بر لوح مزار ... زد رقم شد مریم دوراں واصل بحق

کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کا چاند تھا جو ایک تیرہ و تار حجرے میں پڑا چمک رہا ہے اور اپنے حسن و جمال کی شعاعیں آج سینکڑوں برس کے بعد بھی چمکا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اُمراء کے دودمان عالیہ کا کوئی ماہ منور تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مکین کوئی بڑی نامی گرامی ہے جن کا مرقد اس اہتمام اور صرف زر کثیر سے بنا ہے۔ مگر یہ منزل وہ ہے جہاں امیر و غریب سب برابر ہیں اور کیا سچ کہا ہے کہ ؎

چو آہنگ مردن کند جان پاک — چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

جن کے مقبرے ہزار ہا روپیہ کی لاگت سے بنے ہیں آج اُن کا پتہ نہیں چلتا کہ کون تھے پھر بادشاہ کا کیا ٹھکانا آج مرے کل دوسرا دن۔ و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

غالباً اشرف بیگ کی قبر

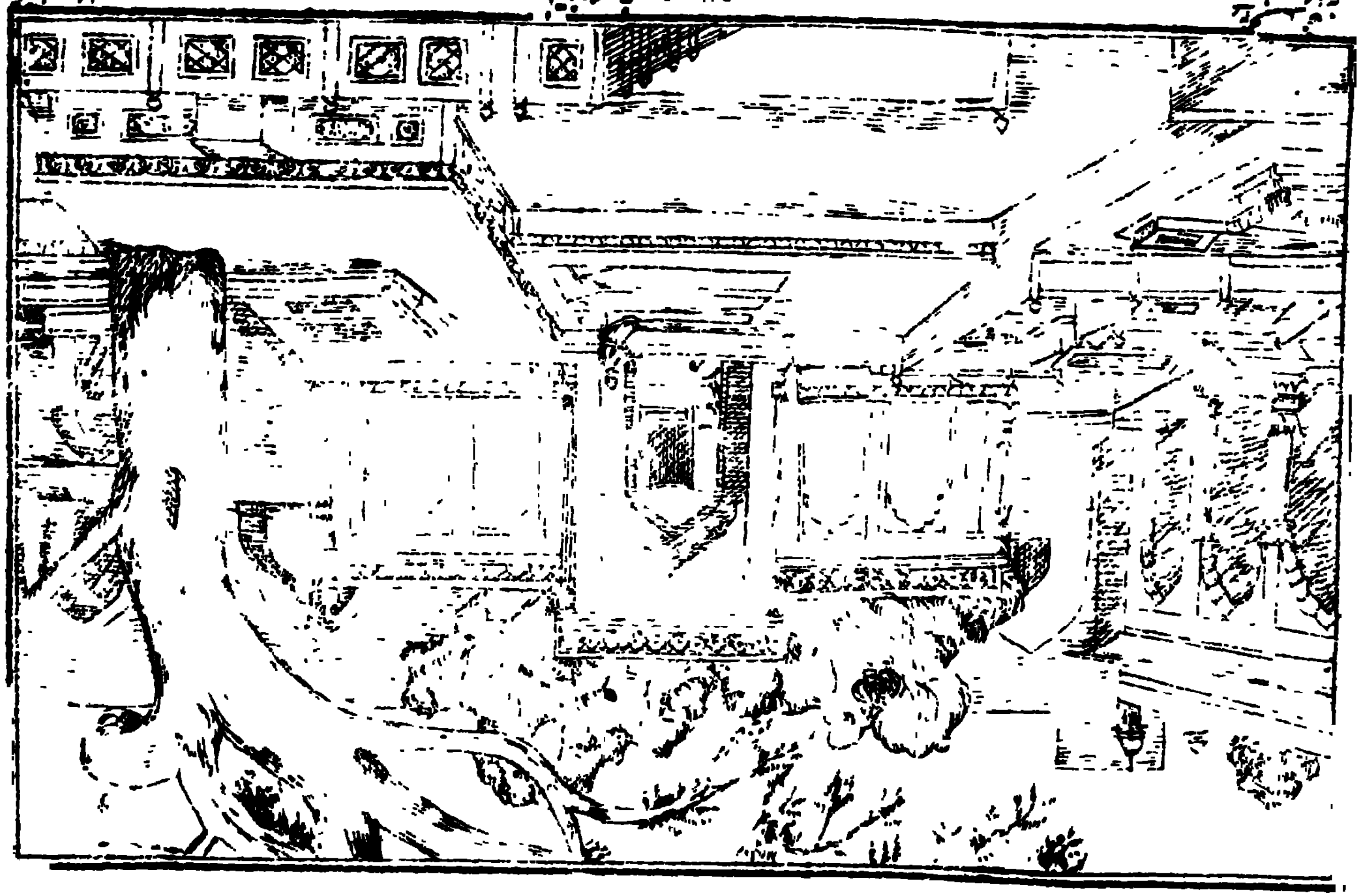
اوپر والے مقبرے کے شرقی دروازے کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۲ گز مربع اور آدھ گز اونچا ہے۔ یہ چبوترا اُس زمانے کے رواج کے موافق مسجد نما ہے یعنی مغرب کی دیوار مع تین دیوار دوز طاقوں کے اور شمال جنوب کے پاکھے کھڑے ہیں۔ جسے حصہ مسجد کہنا چاہیے۔ اس کے محاذ میں چبوترے پر دو چونے گچی کی بہت پرانی قبریں ہیں دونوں قبریں شکستہ حالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے گرد تخچ میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور یہی ذرا ٹھیک بھی ہے۔ ہو نہ ہو اشرف بیگ صاحب کی قبر یہی ہوگی۔ کیوں کہ اور کوئی ممیز قبر اس احاطے کے اندر نہیں ہے۔

شاہ مرداں یا علی جی یا علی گنج

سنہ ۱۱۳۷ھ — ۲۲ — ۱۷

کیا فیض علی کے قدم پاک سے ہے — روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بتا ہے وہاں دُرِ نجف قطرۂ آب — پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

کربلا کے احاطے سے آگے ایک بہت بڑا فصیل نما احاطہ دکھلائی دیتا ہے۔ اس کے اندر مختصر سی آبادی ہے جو شاہ مرداں یا علی گنج کے نام سے مشہور ہے۔ ادہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جن کو احمد شاہ کے عہد سلطنت میں اول نواب بائی اور پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا۔ شیعہ مذہب تھیں۔ سنہ ۱۱۳۷ھ ۲۲



پیچ گن کے پاس ایک ایسا پتھر آیا جس پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قدم مبارک کا نقش تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے اس نقش قدم کو ایک سنگ مرمر کے چوکھٹے میں نصب کرایا اور اسی سبب سے اس مقام کو علی جی۔ شاہ مرداں اور علی گنج کہتے ہیں۔

علی گنج کا شمالی صدر دروازہ ١١٦٢ھ ١٧٤٩ء

احمد شاہ کے زمانے میں نواب قدسیہ بیگم نے ١١٦٢ھ ١٧٤٨ء میں جاوید خاں خواجہ سرا کے اہتمام سے چاردیواری مجلس خانہ مسجد اور حوض بنوایا۔ پھر ١٢٢٣ھ ١٨٠٨ء میں حضرت علی خاں نے مجلس خانہ بنوایا۔ یہ دروازہ کنگورا ملا کر ۳۰ گز اونچا اور ۱۲ گز چوڑا چوکیوں دار ہے۔ یہ دروازہ دوہرا ہے آگے دروازہ پیچھے دروازہ بیچ میں گنبد دار چھت۔ دیوڑھی میں دونوں طرف دو منزلہ سہ دریاں ہیں۔ ابھی تک اس کے قدیم چوبی کواڑ بھی سلامت ہیں۔ اس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ نہایت خوش خط بخط نستعلیق لگا ہوا ہے۔

کتبہ

"قال محمد حبیب اللہ و انا مدینۃ العلم
و علی بابہا × در عہد مبارک احمد شاہ ١١٦٢
بہادر بادشاہ غازی بموجب
ارشاد نواب قدسیہ × حضرت صاحب
زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب
بسربراہی خاکسار لطف علیخاں تعمیر قلعہ و مجلسخانہ
و مسجد و حوض در یکسال مرتب شد"

اس دروازے کے اندر بستی ہے جس میں کئی بڑے بڑے عالی شان دروازوں کے مگر قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں جو اب ویران ہیں یا یہ کہ کوئی معمولی شخص رہتے ہیں۔

مسجد

دروازے کے پاس ہی تین کمرکی نہایت خوب صورت سفید گنبدوں کی مسجد ہے جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ ادھر ادھر ایک ایک مربع چاردری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۶ گز اونچا ۳ گز چوڑا ہے۔

مسجد ۱۵ × ۱۰ ہے۔ سامنے گما اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۷ × ۲۲ ہے۔ صحن میں نیم کا ایک
بہت پرانا درخت کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں۔ مسجد کے گرد احاطہ ہے۔

کنواں اور سیڑھی دار باؤلی

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک کنواں اور اسی کے پاس سیڑھی دار گول سی
باؤلی ہے۔ کنواں اور باؤلی منہدمہ ہیں۔ صورت یہ ہے:۔



نقار خانے کا دروازہ ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء

درگاہ میں داخل ہونے سے پہلے نقار خانے
کا دروازہ ملتا ہے جو ۲۰ × ۱۸ ہے۔ یہ دروازہ گنبد دار ہے
جس پر ایک سہ دری بھی ہے۔ دروازے کے
روکار پر بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:۔

ہو العلی

چوں کہ صادق علی بنائے رفیع — ساخت بر آستانۂ حیدر
سال تاریخ آں بنا صادق — گفت نقار خانۂ حیدر ۱۲۳۰

دو سو انسٹھ برس کی ایک پرانی قبر

اسی دروازے کے باہر ایک بہت پرانی
قبر سنگ سرخ کی ہے جس کی لوح پر یہ
کتبہ ہے:۔

اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

دریغا کہ بے ما بسے روزگار — بروید گل و بشگفد نو بہار
کسانی کہ از ما بغیب اندر اند — بیایند و بر خاک ما بگزرند

بست و یکم شہر ذی حجہ مغفوری مرحومی میاں عشرت صاحب برحمت حق پیوست

کوکا کی مسجد

ہے تو یہ مسجد چھوٹی سی یعنی ۲۸ × ۱۲ مگر کچھ عجب دل فریب اور
سڈول سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور پتھر بھی
چن چن کر ایسا لگایا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلہن لال جوڑا پہنے کھڑی ہے۔ اس کے

سنہ ۱۲... ... بہ شاہ بادشاہ کے گنبد کے اندر بھی یہ اشعار کندہ ہیں۔ ۱۲

چھوٹے گنبد ایسے خوش نما اور مکمل ہیں کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ گنبدوں کی بعض بعض سلیں گر گئی ہیں اندر سے اینٹیں نکل آئی ہیں۔ دراڑیں نکل جانے سے ان اینٹوں پر گھاس اگ آئی ہے پتھر کی شرخ سلوں کے ساتھ یہ سبزی بھی عجب لطف دیتی ہے ؎

نہ کچھ شوخی چلی باد صبا کی ۔۔۔ بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

بیچ کا گنبد جو زیادہ بڑا ہے وہی زیادہ مخدوش حالت میں ہے۔ باقی ایک چھوٹا گنبد بھی مرمت طلب ہے اور ایک درست حالت میں ہے۔ بیچ کے گنبد اور شمال کے گنبد کے پتھر کے نازک کلس باقی ہیں جنوب کے چھوٹے گنبد کا کلس گر گیا۔ ذرا سی توجہ سے ان کی درستی ہو سکتی ہے ورنہ پانی جذب ہو ہو کر بہت جلد یہ گنبد بیٹھ جائیں گے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۷ فٹ ۸ انچ بلند اور ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ اندر اور باہر چبوترے پر جو ۳۱ فٹ ۵ انچ x ۱۳ فٹ ۸ انچ طول و عرض میں اور ۲ ½ فٹ اونچا ہے چوکوں کا فرش ہے۔ ایک کنواں بھی مسجد کی داہنی طرف ہے۔ مسجد کا پختہ اور وسیع احاطہ ہے۔ احاطے کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کا تعویذ سنگ باسی کا ہے جس کے اوپر ا اللہ لکھا ہے اور لمبان میں دونوں طرف بہ خط نستعلیق یہ عبارت ہے:

ایک طرف ۔۔۔ ناد علیا مظہر العجائب (علی) تجدہ عونا لک فی النوائب (حضرت) بیاد لبے ماہ و پروین دہور

دوسری طرف ۔۔۔ اگر سر بندای ربالیں گور (حسین) کل ہم و غم سینجلی (فاطمہ) بولایتک علی یا علی یا علی

یہ مسجد کوکا کی مسجد کہلاتی ہے خدا جانے وہ کوکا کون تھے۔ جس انا کا دودھ پیتے ہیں اُس کا دودھ شریک بھائی کوکا کہلاتا ہے۔

درگاہ حضرت سید عارف علی شاہ صاحب عرف جٹے بٹے کی درگاہ ۱۰۷۲ھ

ان بزرگوار کا حال کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا سید اعجاز حسین صاحب متولی درگاہ کہ حضرت کے خاندان میں ہیں اور مرد صالح ہیں سن آپ کے وصال کا سال ۱۰۷۲ھ بتلاتے ہیں اور چوں کہ ان کی گزر اسی درگاہ کی نذر و نیاز پر ابا عن جد چلا آتا ہے ان کا کہنا ایک حد تک قابل قبول ہے وہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال غوث پور ضلع بجنور میں ہوا۔ آپ کی نعش وہاں سے دلی لائی گئی چنانچہ اب تک بھی آپ کا عرس دلی اور غوث پور دونوں جگہ ہوتا ہے۔ درگاہ کی عمارت ۲۲ فٹ مربع ایک گنبد ہے جو پھیلے ہوئے پٹے کا ہے جس پر برنجی کلس ہے۔ آپ کے گنبد کے چار دروازے ہیں۔ آپ کی قبر پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور بہت سے چٹے بٹے اور ...

ہیں اسی وجہ سے عوام میں چھٹے بٹے کی درگاہ مشہور ہے۔ آپ کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔ درگاہ کا احاطہ ۳۲ فٹ مربع ہے جس میں ایک بہت بڑا نیم کا درخت کھڑا ہے سامنے کے کونے میں ایک مختصر سی تین در کی مسجد ۱۲ فٹ x ۹ کی ہے۔ غرض یہ جگہ نہایت پر فضا اور پُر انوار ہے۔

قطعہ تاریخ وصال حضرت سید عارف علی شاہ صاحب رح

بعہد شاہ عالم گیر غازی
سیادت مرتبت عارف علی شاہ

فقیہ و متقی و عارف عصر
ملک خصلت نکو صورت حق آگاہ

بزہد و کشف و اعجاز و کرامت
بعلم معرفت مشہور چوں ماہ

ازیں دار فنا با صد تجمل
متاع القا بہ بود ہمراہ

چنیں بنوشت مضطر سال رحلت
نہاں شد آفتاب دین حق آہ

درگاہ قدم مبارک
سنہ ۷۸۱ھ ۱۳۷۴ء

اب درگاہ شریف میں چلیئے جس کا مشرق رویہ دروازہ ۹ فٹ اونچا اور ۶ فٹ ۳ انچ چوڑا چوکی دار ہے جس کے پٹ چوبی ہیں لیکن جیسی عالی شان عمارت ہے ویسا دروازہ نہیں۔ یہ درگاہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے۔ خود درگاہ کا احاطہ ۳۶ فٹ x ۲۶ فٹ ۸ انچ ۸ انچ اونچا سنگ مرمر کی نفیس سلوں کا ہے۔ جنوبی دیوار میں (۱۰) دس پوری سلیں سنگ مرمر کی نصب ہیں اور نصف نصف سلیں کونوں میں اور ایسے ہی شمالی دیوار میں۔ مشرق کی طرف داخلی دروازہ ۷ فٹ ۹ انچ اونچا ۵ فٹ عریض ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اور پٹ چوبی دروازے کے ادھر ادھر دو سلیں سنگ مرمر کی ہیں جو ایک نیچ چار دیواری کی ہے۔ اسی طرح مغرب کی دیوار میں دو سلیں سنگ مرمر کی اور بیچ میں ایک معمولی سا دروازہ ہے۔ اس دروازے کے دونوں بازوؤں پر سنگ مرمر کے کچھ کتبے دوسری جگہ سے لا کر نصب کر دیئے ہیں کہ روضہ میں آتے تھے۔

داہنے بازو کے پر (۱) اللہ محمد علی

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین علی

محمد جعفر موسیٰ علی محمد علی

حسن محمد علیہم السلام

تاریخ وفات شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم مرحومہ بنت میرزا سید محمد گلستانہ عرف میرزا جانی مرحوم دوازدہم شہر ربیع الثانی روز یکشنبہ سنہ ۱۲۱۶

بائیں پائے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنہ ۱۱۴۹

صحن درگاہ میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا بھی کھڑا ہے۔

قدم شریف کی اصل جگہ اسی احاطے کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ۸ فٹ لمبا ۵ فٹ اونچا ہے جس پر زمین کا صندوق نما بنا ہوا ہے اور زمین کو سبز رنگ کا رنگ دیا ہے۔ اس صندوق کے دونوں طرف لمبان میں کھلنے بند ہونے والی کھڑکیاں رکھ دی ہیں۔ اس کے اندر سنگ مرمر کا ایک نہایت خوب صورت حوض ۲ فٹ لمبا اور ۲ فٹ ۱۰ انچ چوڑا ۱ فٹ ۳ انچ عمیق ہے اسی کے اندر قدم مبارک ہے جس میں خوشبودار پانی اور پھول پڑے رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے عرض میں ایک طرف یہ شعر کندہ ہے۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

برج کاسہ حضرت فاطمہؓ درگاہ قدم شریف کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا ہشت پہل برج ہے کہتے ہیں کہ اس برج میں نقش کاسہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے۔ اس احاطے کے اندر سوائے عورتوں کے مرد نہیں جاتے میں نے بھی ادباً اس میں جانے کی جرات نہ کی ایک چھوٹے سے لڑکے کو اندر بھیج کر دکھوالیا اس برج کے اندر ایک بڑے پیالے کی شکل بنا دی ہے اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں سے چوں کہ یہ مقام حضرت فاطمہ کے نام سے منسوب ہے لہذا پاس ادب ضرور ہے۔

جہاز اسی سے ملا ہوا ایک بہت وسیع کشادہ اور بلند دالان ۴۲×۲۷ فٹ کا ہے۔ اس دالان کا دروازہ ۸ فٹ ۹ انچ چوڑا اور بہت اونچا ہے۔ اس دالان میں

سنہ ۵۱ زینے جا تیے مگر وہاں تو ایسا ہی لکھا ہوا ہے ۱۲

...نک کا کام تھا جواب برائے نام باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دالان کسی سوداگر نے جب اس کی منت پوری ہوئی تو باظہار تشکر بنوایا اور اس کا نام جہاز رکھا۔ وجہ التسمیہ کوئی کچھ کہتا نہیں۔ میرے خیال میں چوں کہ یہ دالان بہت بڑا ہال ہے اور جہاز کی شکل کا لمبا چلا گیا ہے عجب نہیں کہ بلحاظ ہیئت کذائی جہاز کے نام سے موسوم کیا گیا ہو۔ اس کا ایک ... باہر دار رستے پر بھی ہے اور ایک سہ دری بھی اسی کے متعلق تھی جس کے تین در باقی ہیں اس مکان میں جو ندرت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور باوجود امتداد زمانے کے جو بنیہ علی حالہ قائم ہے جو شہتیر دروازے پر بطور سرول کے دیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے اس کی غیر معمولی جسامت اور سعبری کا اندازہ ہو سکتا ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے اٹھارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ جو جگہ ملی وہاں مردے دفن کر دیئے گئے حالاں کہ یہ مکانات اس مصرف کے لیے نہیں بنائے گئے تھے اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ پھر ایسی جگہ قبریں بنا دینا اور قبروں کو روندن میں لانا غور طلب ہے۔ ان دونوں قبروں کے سرہانے کے کتبے یہ ہیں:-

(۱) ھو المستعان میر خورشید علی رضوی تعزیہ دار بعمر ۲۵ سال در شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ رحلت نمود۔

(۲) سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ هٰذَا الْقَبْرُ الْمُتَوَفِّيَةِ الْمَنْذُورَةِ فِي رَحْمَةِ كَرْبَلَائِي بیگم اَلْفَاتِحَةُ لَهَا أَجْرُكُمُ اللّٰهُ فی ۴ شعبان المظفر ۱۳۳۲ھ

نواب ابراہیم بیگ خاں کی قبر ۱۲۴۴ھ

یوں تو درگاہ کے احاطے میں ایک چپہ بھر زمین بھی قبروں سے خالی نہیں مگر ہم انہیں قبروں کو لکھتے ہیں جن پر کتبے ہیں۔ پختہ فرش کو چھوڑ کر خام صحن میں جو برج کا سہ حضرت فاطمہ اور نہا نرکی عمارت کے سامنے ہے صرف ایک قبر کی لوح پر جو سنگ باسی کی ہے یہ کتبہ بخط نستعلیق ہے۔

نواب ابراہیم بیگخاں بہادر خلف × احتشام الدولہ نواب اسمعیل بیگخاں بہادر × فیروز جنگ بتاریخ پنجم جمادی الثانی × سنہ ۱۲۴۴ وفات یافت)۔

درگاہ کے احاطے کے اندر مسجد

درگاہ کے احاطے کے اندر جہاز کے پیچھے بجانب شمال ایک مسجد ہے جس کے تین ...

پختہ ہیں۔ مسجد طول و عرض میں ۴۰ فٹ ۳ انچ × ۱۳ فٹ ہی۔ چار سیڑھیوں کا منبر ہی۔ سامنے چبوترا ۴۶ فٹ × ۵۰ فٹ ۲ انچ ہی جس پر گما اینٹ کا فرش ہی۔ بیچ کا در ۸ فٹ ۲ انچ اونچا اور ۵ فٹ ۶ انچ چوڑا ہی۔ کلس گنبدوں کے ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کے آگے سنگ سرخ کا ایک حوض ۲۸ فٹ ۲ انچ × ۲۸ فٹ کا تین فیٹ عمیق ہی جس کے بیچ میں ایک فوارہ بھی سنگ سرخ کا ہی اب یہ حوض مٹی سے اٹ گیا ہی اور اس قدر گھاس اس میں ہو گئی ہی کہ اس کے حدود کا معلوم کرنا بھی مشکل ہی۔ مسجد کے گرد سات فیٹ اونچی احاطے کی دیوار ہی۔

سنگ مرمر کا پہلا چبوترا

پھر درگاہ کے باہر آئیے تو اُس کے سامنے تمام سنگ مرمر کا فرش ہی اور ایک بہت بڑا پرانا نیم کا سایہ دار درخت کھڑا ہی۔ اس درخت کے گرد بھی سنگ مرمر کا ۱۵ فٹ ۲ انچ × ۱۰ فٹ ۲ انچ ۲ فٹ ۴ انچ اونچا دو سیڑھیوں کا چبوترا باندھ کر درخت کو ایک کونے میں لے لیا ہی۔ اس چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ہیں مگر کوئی کتبہ نہیں ہی۔

چار قبروں کے کتبے

اُس چبوترے کے ذیل کی قبریں سطح زمین کے برابر ہیں صرف سلوں سے معلوم ہوتا ہی کہ قبریں ہیں۔ سلوں کے گرد سیاہ حاشیہ کھینچ دیا گیا ہی۔ ان چار قبروں میں صرف قبر نمبر (۱) کی سل سنگ سرخ کی ہی باقی کی سنگ مرمر کی سلیں ہیں۔

(۱) مخلدار بیگم کہ گفتی بدنیا | سجود در اہل بیت است در بینم
غمش کرد خون دل دوستان خشک | شد از ماتمش دیدۂ مومنین نم
بسید خود آں سیدہ سال رحلت | بگفتا مخلدار خلد بریں بینم ۱۲۱۹

(۲) مرقد منور حسام الدین حیدر موسوی (۳) آخریں منزل جہاں آرا ۱۲۵۹

(۴) بادا بنجال صدر نشیں صدر نشاں ہے

امراؤ مرزا صاحب[1] کے بزرگوں کی ہڑواڑ

نیم کے درخت والے چبوترے کے سامنے یہ دوسرا چبوترا سنگ سرخ کا ۱۳ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہی جس کے گرد ۲ فٹ ۲ انچ اونچا کٹہرا شمال میں اور نصف نصف شرق مغرب میں ہی۔ اس چبوترے پر ۲ قبریں زمین کے برابر ہیں جن پر سنگ مرمر کی سلیں اور چوطرف حاشیہ سنگ سیاہ کا ہی

[1] نواب امراؤ مرزا صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی کے عمائدین میں سے ہیں آپ دریا گنج میں رہتے ہیں بہت دلی ... محمد مرحوم ... ہی ۱۲

قبر نمبر(۱) کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم دو طرف کلمۂ شہادت بیچ میں اللہ لا الہ آیۃ الکرسی ہے۔ اس کے سرہانے نہایت خوشخط بہ خط نستعلیق سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔ حوالباقی

احمد حسین خاں کہ بعہد شباب مرد ۔۔۔ زاں خوبی و نکوئی و حسن و جمال آہ

سال وفات او بد و نوع ای دقیقہ رس ۔۔۔ خاں پیر زاد و صد و ہفت و دو سال آہ

۱۲۶۲

(۲) دوسری قبر کے سرہانے یہ لوح ہے۔

الله

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا غفار الذنوب			یا ستار العیوب
یا رحمٰن	چراغ شبستان ہشتم امام	بپای علی شاہ مردان بخفت	یا غفران
	وہاتف چو پرسیدم از سال او	مرا سکن سوسو بجاں بگفت ۱۱۸۴	
یا رؤف			یا عطوف

ایک سہ درہ دالان

اس چبوترے کے سامنے ایک سہ درہ دالان سنگ سرخ کا ہے جس کی چھت بھی سرخ سلوں کی ہے۔ یہ دالان ۱۹ فٹ × ۹ فٹ ہے اس میں چار قبریں زمین کے برابر ہیں جو سلوں اور جدولوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیوار میں کتبہ تھا اس میں کچھ غلطی ہونے سے نکال لیا گیا۔ یہاں کے لوگ اکبر مرزا صاحب کے خاندان کی ہڈ داڑ بتلاتے ہیں جو فراش خانے میں چوہیا کے چھتے میں رہتے ہیں۔

مہر النساء بیگم کی چوکھنڈی

اوپر والے سہ درہ کی پشت کی چھت کی دیوار میں ایک دروازہ ہے جو اس چوکھنڈی میں جانے کا ہے۔ یہ چوکھنڈی ۱۸ فٹ × ۱۱ فٹ ہے جس کے احاطے میں سنگ مرمر کی سلیں ۲ فٹ ۱/۲ اونچی لگی ہوئی ہیں۔ فرش بھی سنگ مرمر کا ہے۔ دروازہ مغرب میں ہے جس میں سنگ مرمر کی دو جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر تین قبریں برابر برابر مشرق سے مغرب کی طرف ہیں۔ دو کے تعویذ ہیں ایک کی سل جس پر سیاہ حاشیہ ہے

جبر(۱) کی لوح نہایت خوب صورت خوش خط اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

چو مہر النسا بیگم خوش صفات	کہ بود مہری داشت روشن لقا
برفت از جہان و سیہ شد جہاں	بیگند پر تو بملک بقا
ز منون بجستیم سال وفات	بصد محنت و درد و رنج و عنا
بگاکرد بے انتہا او بگفت	کہ ہیہات ہیہات مہر النسا

سنہ ۱۲۳۸ھ

نمبر(۲) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ تا هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

سرہانے کلمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نہایت خوش خط)

اگرچہ یہ چوکھنڈی خود مختصر ہے لیکن بایں ہمہ جنوب رخ پر ایک چھوٹی سی لدادی سہ دری سنگ سرخ کی بنا دی ہے۔

شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی

سید عارف علی شاہ صاحب رح کی درگاہ کے احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے

جوانیٹ کی ہے۔ یہ چوکھنڈی ہے ۱۳۰ مربع ہے۔ احاطے کی بلندی ۵ فٹ ہے۔ درگاہ کی طرف کی دیوار کے سوا تینوں طرف دیواروں میں سنگ مرمر کی چار چار سلیں اور ایک ایک جالی لگی ہے۔ مغرب کی طرف صرف دو جالیاں ہیں کہ اسی میں دروازہ ہے۔ اس چوکھنڈی میں صرف دو قبریں ہیں۔ جو قبر بجانب درگاہ ہے اس کی مرمریں سل پر یہ عبارت بخط نستعلیق منقوش ہے جس کی سیاہی جا بجا سے اڑ گئی ہے۔

اللہم اغفر لحبیب الحضرات وفات

[illegible] المکرم المغفور [illegible]

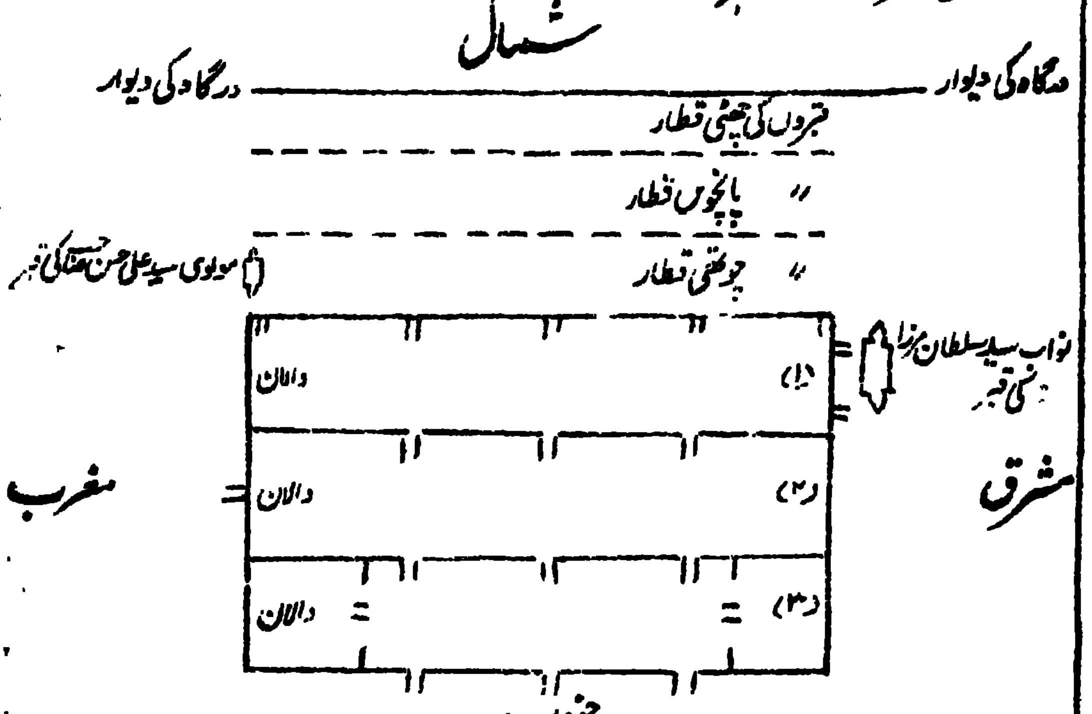
بجوار الرحم [illegible] البیت

شاہ نعمت الٰہی فی التاریخ ۱۴ شعبان سنہ ۱۰۹۶

اسی کے برابر دوسری قبر ہے مگر اس پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔ سنگ مرمر کی سل کے گرد حاشیہ ہے۔

مجلس خانہ ۱۲۲۳ھ

یہ مجلس خانہ عشرت علی خاں نے ۱۲۲۳ھ میں بنوایا جو تہرے دالان کا ہے جس کے گرد چوڑا چھجہ اور چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ یہ عمارت طول و عرض میں ۵۳×۳۴ ہے۔ شمال میں پانچ در، مشرق میں دو، جنوب میں تین، مغرب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ۔ یہ در دہرے اور بنگڑی دار محراب کے ہیں۔ چھت لداؤ کی قلم دان نما، اوپر سے سپاٹ ہے۔ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ نقشہ سطحی نظری اس کا یہ ہے۔



اس مکان کے پیش دالان میں شمال رویہ پاکھے پر یہ کتبہ ہے:—

(۱) بدرگاہ شاہنشہ دوسرا ے　　علی شاہ مرداں ولی خدا ے
بحکم شہ اکبر نامور　　چو عشرت علیخاں بیار است جا ے
زسیدشدم سائل سال آں　　همیں زد رقم داد ناظر بنا ے ۱۲۲۳

اس مکان میں مجلسیں مرثیہ خوانی کی ہوتی ہیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے مجلس خانہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا شکستہ ہو رہی۔ نواب وزیر علی خاں نے اپنی عالی ہمتی سے اس کی درستی کرا دی چنانچہ صاحب موصوف نے دہلی کشمیری دروازے کھڑکی ابراہیم علی خاں میں جو

پنجہ شریف امام باڑہ اور مسجد سید آغا حیدر صاحب کے بزرگوں کی ہے ان مقامات کی مرمت بھی کرائی۔ درگاہ پنجہ شریف میں ۸ محرم کو علم اور ۹ کو تابوت اٹھایا جاتا ہے اور ہر پنجشنبہ کو مجلس عزا سید الشہدا برپا ہوتی ہے۔ اوپر کے کتبے کے متوازی یہ دوسرا کتبہ ہے:۔

(۵)

اللہ

وہ عالی مرتبہ سید وزیر علی نواب	امام باڑہ مرمت کرایا اور جہاز
لگایا جس گھڑی یوں بحر فکر میں غوطہ	تو کاٹ کر سر بدخواہ یاس خستہ جگر
برائے مادہ سن ہجری نبوی	مکان شیر خدا ہے یہ بے بدل بولا

۱۲۸۱ ہجری

خاکسار کی سمجھ اس سعمے کے حل سے قاصر ہے کہ ہر تو یہ مکان مجلس خانہ اور بانی کی غرض اس عالی شان اور خوش نما عمارت کے بنانے سے انعقاد مجالس تھا مگر اب تو اس سے قبرستان کا کام لیا جا رہا ہے یعنی اس کے مسقف حصہ کی بھی کوئی جگہ خالی نہیں کہ جس میں قبر نہ ہو اور جتنی قبریں مجلس خانے میں ہیں رات دن روندن میں آتی ہیں بے تکلف لوگ جوتیاں پہن کر پھرتے اور اسی میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہیں اس ہر سے ظاہر ہے کہ اس متبرک مقام کے بنانے سے غرض کیا تھی اور اب ہو کیا رہا ہے۔

مجلس خانے کے اندر کی قبروں کے کتبے پہلے دالان کے باہر مشرق کی طرف۔ (۱) یہ ایک سنگ مرمر کی سل ہے ۷½ × ۲½ جس کا چبوترا ۱ فٹ ۸ انچ اونچا اور کٹہرا بھی اسی قدر اونچا سنگ مرمر کا ہے اس کے سرہانے یہ کتبہ ہے:۔

ھو الغفور

۱۳۲۸

آرامگاہ دائمی جناب نواب سید سلطان مرزا صاحب مغفور × پاک دامان و خوش اعمال خجستہ گوہر صاحب تقوی × حامی دین نبی سید مومن پدر از نسل رضا × مرد با وضع اولو العزم رئیس دہلی در شہر ئے × وائے از دار فنا رفتہ محمد صفدر
۳۲۴ ۹۲ ۹۸۵ ۳۳۶ ۸ ۱۶

سلطان مرزا دسمبر ۱۹۱۰ء

پہلے دالان کے اندر کی قبریں۔ (۲) ۶ × ۸ ۔ قبر مسمی بعباس میرزا قبلہ گاہ سجاد مرزا۔ (۳) ۵ × ۲ خالی۔

(۵) هو الله سیوم ماه عزا بود و پس از ماه عزا — ناگہاں شد بجناں رحلت کبری بیگم
هاتف غیب بمن گفت ز روی الہام — سال تاریخ بگو تربت کبری بیگم ۱۳۲۰
(۶) هو الله حسین مرزا چوں مرد درشش ہمہ بغماں — ازاں کہ بود ز نسل امیر خیبر گیر
پی شمارۂ سال وفات رضواں گفت — بیا بکاخ جناں ای امیر ابن امیر ۱۳۲۲
(۷ و ۸) خالی۔

دوسرے دالان کے اندر کی قبریں۔ (۱) کلمۂ طیبہ۔

فائز بقدم بوس علی شد ہر گاہ — عشرت ز غلامان علی شاہنشاہ
سید سر اندیشہ چو زد سال نوشت — پابوس علی باد بعشرت ا سعد ۱۲۲۶

(۲۔۳) خالی۔ (۴) یا ودود یا غفور ۱۳۲۳ — هو الغفار ۱۳۲۳ — یا واهب یا غافر ۱۳۲۳

از دہر رفت سیدہ خاتون مگر ندید — بہر سفر ز نیمۂ ماہ صیام بہ
یکتا ز روے آہ معنی و لفظ گفت — یکشنبہ و ہزار و سہ صد بود و بست و سہ

یا وہاب یا غفار ۱۳۲۳ — سنہ ہجری ۱۳۲۳ — هو الغافر ۱۳۲۳

(۵) هو الغفور۔ رفت بر بست چوں محمد سیر — سوے خلد بریں ز دار غرور
گفت ہاتف و نیل بخشش اوست — کا مدہ سال رحلتش مغفور

دالان کے باہر (۶) اللہ۔ محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین
مزار پر انوار جوانمرگ آغا محمد یوسف صاحب خلیل فرزند دلبند آغا محمد ابراہیم صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسین صاحب آزاد اعلی اللہ تعالی مقامہم۔

قطعۂ تاریخ

عمر بھر یاد رہے گی یہ کہانی افسوس — داغ دل پر ہے محبت کی نشانی افسوس
ہاے مہندی بھی دلہن کی نہ چھٹی تھی شاعر — خاک میں دفن ہے یوسف کی جوانی افسوس ۱۳۲۳

تیسرا دالان۔ چھ قبریں مگر خالی۔
مجلس خانے کے محاذ میں چبوترے پر۔ پہلی قطار۔
اس لین میں کل بارہ قبریں ہیں جن میں سے صرف دو پر کتبے ہیں۔ (۱) بہ محراب

(۴) چوتھی پر سید علی حسن صاحب مرحوم۔[1]
(۵) پانچویں۔ اے دریغا سجاد۔
پانچویں قطار میں۔ پانچ سادی قبریں۔
چھٹی قطار میں۔ چھ قبریں ہیں جن میں سے چار سادی اور دو پر یہ کتبے ہیں:۔
(۱) جو داہنی طرف سے چوتھی قبر ہے:۔

۱۲۶۸
سنہ
بتاریخ پانزدہم رمضان
رحلت
ولایتی خانم صاحب نمود

(۲) جو داہنی طرف سے پانچویں قبر ہے:۔

بحکم حق سوے جنت برفت بیاجان ۱۲۵۹ | بہ لبست رفت ز دار فنای کہنہ رباط
ندا رسید ز ہاتف بسال تاریخش | ملال ودوای کہ تیرہ نمود بزم نشاط[2]
۱۲۶۸

عیسیٰ خاں کی باغیچی

علی گنج کے حصار کے اندر ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کے اندر کچھ درخت ہیں وہ عیسیٰ خاں کی باغیچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک معمولی سا دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اندر ایک تین در کا

---

[1] اس سے سال وفات نہیں نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ نام کے نیچے سال یوں ہی لکھ دیا ہے۔ آپ اٹاوے کے رہنے والے اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے چچازاد بھائی تھے۔ حیدرآباد دکن میں ایک زمانے میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے قابل۔ دیندار اور ذی خلق صاحب فیض عام تھے۔ ہر کہ ومہ آپ کا ثناخواں تھا۔ جس طرح نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک وانتصار الملک جب حیدرآباد سے علیحدہ ہوئے آپ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ وہاں سے آکر کچھ دنوں آپ اندور میں ایک معزز وممتاز عہدے پر رہے۔ اور کچھ جاورے کے مدارالمہام ہو گئے۔ آپ نے سرطان سے دہلی میں انتقال کیا۔ قبر آپ کی بہت معمولی سنگ باسی کی ہے نہ کوئی عمدہ کتبہ ہے حالانکہ اب بھی آپ کے بہت سے عزیز قریب بڑے بڑے عہدوں پر ہیں مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی نواب عماد الملک آپ کے سمدھی۔ آپ کے داماد محمد عقیل بلگرامی نواب عقیل جنگ بہادر کمشنر حیدرآباد دکن۔ مرزا نذیر بیگ صاحب نواب نذیر جنگ بہادر معتمد افواج مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقہ دار برادر کہین نواب محسن الملک بہادر سب ہی خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ ان صاحبوں کی ادنیٰ توجہ سے مرحوم کی قبر عمدہ بنائی جا سکتی ہے مگر توجہ درکار ہے۔ ~ یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو ~ جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے۔ ۱۲

[2] نام اور مصرع بزم نشاط پکار رہا ہے کہ یہ کسی طوائف کی قبر ہے۔ مگر یاد رکھیے کہ ~ حق گراست گنہگاران اند۔ ۱۲

پختہ دالان ہے جس کی بغلی میں دو طرفہ ایک ایک حجرہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک ہے۔ احاطے کی دیوار میں وہیں سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اب اس میں کمہار لوگ جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ عیسیٰ خاں کون تھے وہی تو نہیں جن کا مقبرہ اور مسجد ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔

علی گنج کی فصیل

علی گنج کی بستی کے گرد ایک بڑی عالی شان فصیل ہے جو وسیع حلقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ فصیل اسی وضع کی ہے جیسی کہ شہر دہلی یا روشن چراغ دہلی کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے دیوار دوز طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ فصیل سنگ خارا کی ہے ۱۷ گز اونچی اور تین فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے۔ کنگورا ملا کر (۲۰ فٹ) کی اونچان ہے۔ فصیل کے اوپر چڑھنے کے دو درخے زینے اٹھارہ اٹھارہ سیڑھیوں کے ہیں۔ اس شہر پناہ میں تین دروازے ہیں مشرقی جانب کا دروازہ مسمار ہو گیا۔ شمال کی طرف کا دروازہ وہ ہے جس پر کتبہ ہے اور اس کا حال ہم لکھ آئے ہیں۔ جنوبی دروازہ بھی بہت عالی شان اور اسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ شمالی دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بھی بڑا شاندار دو چوکیوں والا اور دو منزلہ ہے۔ آگے ایک دروازہ ہے پیچھے دوسرا۔ بیچ میں گنبد اور دو طرفہ بغلی میں دو منزلہ سہ دری دالان۔ اس کی بلندی ۲۷ فٹ اور کنگورہ ۳ فٹ جملہ ۳۰ فٹ ہے۔ چوڑان ۱۸ فٹ ۱۰ انچ۔ اوپر جانے کا (۹ نو) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔

نواب مرزا نجف کا مقبرہ
۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۱ء

یاران عزیزان بسر خاک من آیند — از خاک بپرسند نشان من اثرے
از خاک جہاں جملہ بغربال بہ بیزند — حقا کہ نیابند نشان من و اثرے

نادر شاہ کے حملے (۱۷۳۹ء) کے بعد مغلیہ سلطنت کی بنیاد ایسی ہل گئی کہ کوئی انسانی طاقت اس کو درست نہ کر سکتی تھی۔ لے دے کے نجف خاں ہی ایک ایسا شخص رہ گیا تھا کہ اس سے کچھ امید بندھتی تھی کہ وہ موجودہ حالت کو کچھ دنوں لشتم پشتم چلائے تو چلائے لیکن اس کے مرجانے سے اس امید موہوم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت مغلیہ کے آخری زمانے میں جو نام کہ نجف خاں نے پیدا کیا وہ عروج کسی کو میسر نہیں ہوا۔ کہنے کو نجف خاں کی وفات کے وقت شہنشاہ شاہ عالم تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے بعد بھی اس کے جانشین دو اور بادشاہ ہوئے لیکن نجف خاں کی اولاد نے باغیوں سے

[illegible] نیت کرکے سلطنت کی بنیاد اور بھی کھوکھلی کردی۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ
[illegible] کے تحت [illegible] اور عہدہ داروں کی نامردی اور [illegible] ہوگئے [illegible] ہوئے
جس سے سلطنت مغلیہ کے رہے سہے ٹکڑے بھی بکھر بکھرا خود مختار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔
نجف خاں ایک بڑا قابل شخص تھا۔ وہ ایرانی الاصل صحیح النسب صفوی خاندان کا سید تھا۔
مسٹر کین نے اپنی کتاب مغل امپائر میں لکھا ہے کہ "سلطنت کے تمام امور مہام اس
کے دست قدرت میں تھے جس کو اس کی بیدار مغزی اور صفات حسنہ نے سنبھال لیا۔
چوں کہ وزیر سلطنت اودھ میں رہتا تھا اس لیے نجف خاں نیابتہً مہام سلطنت انجام
دیتا تھا اس کے علاوہ وہ فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ تمام امور مالیہ کے انتظام کا تعلق
براہ راست اسی سے تھا اور حسب رواج ملک اسے صوبہ آگرہ اور جاٹوں کے
علاقہ جات کا در مالگزاری خارج از جمع بھی تفویض تھا۔ اس کے علاوہ ضلع الور[۵۱] اور
کچھ حصہ بالائی دوآب کا بھی اس کے سپرد تھا۔" مسٹر کین نے بحوالہ وارن ہیسٹنگز
اور جنرل نجف خاں کی وفات کی تاریخ ۲۶۔ اپریل ۱۷۸۲ء لکھی ہے مگر قبر کے کتبے
سے ۱۱۹۶ھ ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵۱ الور۔ اس ریاست کا رقبہ (۳۱۴۱) مربع میل۔ آبادی (۷۹۱۲۹۸) محاصل (۳۲۶۰۰۰۰)
فرماں روا مہاراجہ سوائی سر جے سنگھ بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سلامی (۱۷) توپ۔ الور راجپوتانہ کی
ایک بڑی بھاری ریاست ہے۔ یہاں تین حصہ ہندو رہتے ہیں، دو پاؤ مسلمان۔ الور کے پہاڑوں میں شکار
خوب ملتا ہے۔ سلی سرا اور دیولی کی جھیلوں میں مچھلیاں اور مرغابیاں اڑا کرتے ہیں۔ جنگل میں
نیل گائے۔ ہرن۔ بارہ سنگھا۔ جنگلی سور سب ہی ہیں۔ ریاست میں دو ہزار سوار۔ ساڑھے پانچ ہزار
پیدل اور تین سو کی نفری توپ خانے کی ہے۔ یہاں کا راجہ نہایت تہذیب یافتہ اور برٹش گورنمنٹ سے
ان کے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔ الور کا شہر بھی دیکھنے کے قابل ہے پچاس ہزار کی آبادی ہے۔
شہر کے گرد فصیل اور خندق ہے ایک طرف قدرتی پہاڑ آگیا ہے جس پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ ڈاک بنگلہ ریلوے
اسٹیشن کے پاس ہے۔ اسٹیشن کے پاس فتح جنگ (۱۶۴۷ء) کی بڑی عمدہ عمارت ہے۔ یہ اس قدر قدیم
ہے کہ اب الور میں فتح جنگ کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون تھے۔ شہر اسٹیشن سے میل بھر ہے۔ بازار میں
[illegible] ہے وہ جگناتھ جی کا ہے اور ایک عجیب و غریب قدیم مقبرہ [illegible] شاہ کے بھائی ترنگ سلطان
کا [illegible] کا بنا ہوا ہے۔ سب سے بلا اس کا محل [illegible] (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے قطب روڈ سے بائیں ہاتھ کی
کچے رستے پر پہلے کربلا کا احاطہ ملتا ہے اُس کے آگے شاہ مرداں کا بہت وسیع فصیل
احاطہ ہے جس کے اندر گاؤں آباد ہے۔ اسے ہی علی گنج بھی کہتے ہیں۔ علی گنج کے جنوبی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک بہت خوش نما اور نفیس عمارت ہے۔ جس میں خوبصورت باغ۔ نفیس مینار ہائے جن کا پویلین سنگ مرمر کا ہے۔ دربار ہال کی چھت پر سے ایک عمدہ نظارہ قلعہ۔ مندروں مسجدوں کے مقبرے اور سارے شہر کا ہوتا ہے۔ پویلین کی دیواروں اور چھت پر بے نظیر رنگین پچیکاری کا کام ہے۔ اسی کے پاس مہاراج کا زنانہ حال کا عالی شان محل ہے۔ کتب خانے میں عجیب عجیب نایاب و نادر بیش قیمت قلمی کتابیں۔ بعض مطلا و مذہب فرامین قابل دید ہیں۔ قدیم کلام مجید۔ گلستاں کا ایک ایسا نادر نسخہ ہے جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ ہے جس کی تصاویر فن مصوری اور نقاشی کا عجیب و غریب نمونہ ہیں صحن میں دو مقبرے سنگ مرمر کے ہیں جن کی جالیاں بڑی نفیس ہیں اس کے آگے کچھ اور مندر **وشنو** کے ہیں پھر **بختاور سنگھ** کا بے نظیر مقبرہ ہے جو بہت خوب صورت اور عالی شان عمارت ہے۔ اس مندر کی چھت پر کا نظارہ ایسا قابل دید ہے کہ سارے ہندوستان میں اُس کا نظیر نہیں۔ سر ایڈون **آرنلڈ** لکھتے ہیں "تم اس خوشنما منظر کو دیکھو جس میں چہل پہل اور لوگوں اور سواریوں کی دھکا پیل ہے۔ مقبرے کی سنگ مرمر کی نازک اور نفیس جالیاں اُس کے خوشنما نشیمن۔ اطلس کی طرح شفاف مجلا پتھر۔ ٹھنڈی صاف سپاٹ چھتیں۔ جالیوں کے باریک باریک سوراخوں میں سے دھوپ کی شعاع کا چھننا۔ فواروں کا اُچھلنا اور اُن کے فرش پر پڑنے کی بھینی بھینی آواز۔ تاڑ کے درختوں کے چوڑے چوڑے پتوں میں سے ہوا کا سرسرانا کیلے کے درختوں کے بڑے بڑے پتے غرض کسی مردہ حکمراں کی روح ایسی نہ ہوگی جو ایسے مدفن پر فخر نہ کرے۔ جنگلی موروں کی جھنکار۔ اُن کا خراماں خراماں پھرنا اور ناچنا اُن کی لمبی لمبی رنگ برنگ کی چمکیلی شاندار دموں کا سنگ مرمر کی دیواروں سے لگے لگے اٹھلاتے ہوئے پھرنا۔ نہروں اور نالیوں میں پانی کا دوڑنا اور لہرانا اور پیچ و خم یہ ایک ایسا عجیب و غریب نظر فریب نظارہ ہے کہ جس کا بیان قلم سے ادا نہیں ہو سکتا اور مناظر نیچر کا کوئی نقشہ نگار ایسا نہ ہوگا جو اس نظارے کی نفاست اور اُس کے ہر طرح مکمل ہونے کا معترف نہ ہو۔" سلاح خانے میں ایک بے نظیر ذخیرہ تلواروں اور انواع و اقسام کے سنہری اور جڑاؤ قبضوں کا ہے۔ الور ہمیشہ صناعی اور دستکاری کے لئے مشہور ہے۔ یہاں فولادی کام تلوار۔ خنجر۔ نیمچے۔ چاقو بہت عمدہ بنتے ہیں مہاراجہ حال کے جد امجد صاحب شمشیر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے بھاری بھرکم اور گراں ڈیل شخص تھے کیونکہ اُن کا [illegible] بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ

مقبرے کے باہر ایک گرے پڑے مگر بہت وسیع پختہ اور فصیل نما احاطے میں چماروں کی جھونپڑیوں کے پاس کھیتوں میں پایوں سمجھئے کہ کربلا اور شاہ مرداں کے درمیان علی گنج کے مغرب میں موضع مجاہد پور کی حدود میں امیر الامرا بخشی ملک نواب مرزا نجف خاں بہادر کے مقبرے کا عالی شان اور وسیع چبوترا ہے۔ مقبرے کا نام سن کر لوگ گنبد کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں حالاں کہ سرے سے کوئی گنبد ہی نہیں خالی چبوترا ہی چبوترا پختہ اور سنگ بست ۹۷ مربع اور نو فیٹ بلندی ہے۔ جس پر چڑھنے کا

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) زرہ بھی زرہ علاوہ دوسرے ہتھیاروں کے وزن میں ساڑھے سولہ پونڈ ہے۔ بیار زندہ جواہرات سے جگمگا رہا ہے۔ راجہ صاحب کے خزانے میں صندوق کے صندوق جواہرات اور اشرفیوں کے بھرے پڑے ہیں۔ ایک ہی زمرد میں تراشا ہوا ایک پیالہ ہے اور ایک ایسا ہی پیالہ لعل کا ہے۔ بیش قیمت موتیوں کے ہار۔ ایک ہیرا جس کی قیمت لاکھ روپئے ہے۔ دیوار وں پر ہاتھی گھوڑوں کی شان دار جھولیں۔ گہنے۔ اور انواع اقسام کے سامان بیش قیمت اور گراں بہا پوشاکیں۔ شالی دوشالے۔ عطریات اور خوشبوئیں سب ہی کچھ بھرا ہوا ہے۔ شیشے خانے میں ایک عجیب وغریب چاندی کی میز ہے جس کی نالیوں میں رنگین بلوری مچھلیاں تیرتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب کو گھوڑوں کا بڑا شوق ہے ان کے اصطبل میں بہت نفیس نفیس ہندوستانی نسل اور یورپ کے گھوڑے ہیں۔ الور کا رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں ہے۔ اصطبل کے آگے ایک مکان میں شکاری چیتے۔ سیہ گوش۔ ہرن۔ جنگلی بارہ سنگھے اور باز۔ شکرے۔ بحری۔ ہر قسم کے شکاری جانور ہیں۔ قلعہ میں کوئی خاص بات دیکھنے کی نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہاڑی پہاڑ فصیلوں کا سلسلہ دو میل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کچھ پرانے زمانے کی بڑی بھاری بھاری توپیں ہیں۔ قلعہ کی چڑھائی بہت مشکل ہے۔ اکثر لوگ جھمپان میں سوار ہو کر جاتے ہیں صبح کا وقت قلعہ دیکھنے کیلئے بہت اچھا ہے کہ اُس کی بلندی پر سے سارا شہر اور گرد و نواح کا باقاعدہ نظارہ ہوتا ہے۔ شہر کے بازاروں میں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ یہاں کے لوگ قدآور اور شان دار ہیں۔ ایک جگہ چوک میں ایک چھوٹی سی چڑیا گھر ہے شیر وغیرہ درندے اور انواع واقسام کے چھوٹے بڑے جانور ہیں۔ اس سے تھوڑی دور آگے چل کر مہاراجہ کی سواری کی وہ مشہور گاڑی ہے جس میں مہاراجہ صاحب دسہرے میں برآمد ہوتے ہیں اور جسے چار ہاتھی کھینچتے ہیں۔ یہ گاڑی دُہری اور بڑی بھاری ہے جس میں پچاس آدمی بیٹھتے ہیں۔ الور سے آٹھ میل پر سلیسرہ کی خوب صورت جھیل ہے جہاں مہاراجہ صاحب کا ایک خوشنما محل ہے اور جھیل میں ایک دخانی کشتی بھی پڑی رہتی ہے۔ یہ جھیل قدرتی نہیں ہے مصنوعی ہے جو ایک میل لمبی ہے جس کے گھیرے بھر سے پہاڑ بڑا لطف دیتے ہیں۔ شہر میں اسی جھیل سے پانی آتا ہے اور اس سے زراعت بھی ہوتی ہے۔

معمولہ دس دس سیڑھیوں کا سنگین زینہ ہے۔ قطب روڈ کے چھٹے میل پر چھتے نمونگ کے محاذی بائیں ہاتھ کی طرف سڑک سے کوئی ایک گولی کے فصل سے یہ مقبرہ ہے۔ جس کے چبوترے کا رو کار سنگ سرخ کا ہے۔ چاروں طرف پتھر کی سلیں کھڑی کر دی ہیں۔ چبوترے کی بالائی سطح پر دو گچ کے چبوترے بنے ہوئے ہیں جن میں کا ایک ۴۴ فٹ مربع اور ۳ فٹ اونچا ہے اور (۱۰ انچ) اونچی منڈیر ملا لیں تو ۳ فٹ ۱۰ انچ کا ارتفاع ہو جائے گا دوسرا چبوترا پہلے سے ملا ہوا ۲۰ فٹ مربع اور ۲ فٹ اونچا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت پہل برجی ہے جس کے جوف میں ۸ فٹ قطر کی کوٹھری ہے۔

یہ بھی ایک عمدہ طریقہ مقبرہ بنانے کا تھا۔ زمین کے اوپر گنبد رہنے سے اس کے صدمات ارضی و سماوی سے گر جانے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لیے اوپر ایک کھلا چبوترا بنا کر وہ ساری عمارت جو اوپر بناتے ہیں اندر تہ خانے میں بنا لیتے ہیں۔ اسی قسم کا یہ مقبرہ بھی ہے۔ اس میں یہ بھی عمدگی ہے کہ جب چاہیں اوپر گنبد کھڑا کر لیں اور یوں بڑے بڑے گنبدوں میں بھی گو تعویذ قبر کا اوپر رہتا ہے مگر اصلی قبر تہ خانے ہی میں رہتی ہے۔ اس مقبرے کا ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کا بہت بڑا حصہ اب منہدم ہو گیا اب صرف ایک دروازہ اور اسی کے پاس کی دیوار احاطے کی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دروازہ مقبرے سے مشرق میں ہے۔ دروازہ کنگورے دار ہے جس کی بلندی ۲۴ فٹ ہے اور کنگورہ ملا کر ۲۶ فٹ ۲ انچ۔ دروازے کی محراب کی اونچان ۱۴ فٹ اور چوڑان (۱۰ فٹ ۳ انچ) ہے۔ دروازے پر چڑھنے کی (۱۵) سیڑھیاں ہیں احاطے کی دیوار کا ارتفاع ۱۳ فٹ ہے۔ اب بھی اس احاطے کا نشان دور دور تک نظر آتا ہے اور شمال کی طرف کچھ وسیع پتھر اور چونے کے پڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر بھی کوئی دروازہ اور اس کے ساتھ کوئی عمارت مثل نقار خانہ یا سہ دری کے تھی وہ سب معدوم ہو گئی۔

اب اس چبوترے کے نیچے تہ خانے میں چلیے جس کا دروازہ ۷ فٹ اونچا ۳ فٹ چوڑا مشرق کی طرف ہے جس کے حال میں پٹ چڑھا دیے ہیں۔ یہ دروازہ تہرا ہے ایک کے اندر ایک محراب ہے اور اس تمام عرض میں ایک لداوی لمبوتری ڈیوڑھی بن گئی ہے۔ اندر سے مقبرہ ہشت پہلو ہے جس کا قطر ۱۲ فٹ اور چھت کی بلندی (۱۰ فٹ) ہے۔ تہ خانے کے اندر جنوب مغرب میں روشنی کے لئے جالیاں لگی ہوئی ہیں اور کافی روشنی ہے مشرق میں دروازہ شمال کی طرف

بیچ وسط ہی میں نواب نجف خاں اور اُن کی صاحب زادی فاطمہ بیگم کی قبریں ایک ہی چبوترے پر برابر ہیں۔ گویا باپ بیٹی دونوں ایک جگہ تا قیامت سو رہے ہیں۔ یہ چبوترہ نہایت شفاف اور چمکتے ہوئے سنگ مرمر کا ۸ × ۷ ہے۔ بلندی ۱ فٹ ۴ انچ۔ یہ دونوں قبریں ۵ فٹ ۲ انچ × ۲ فٹ ۴ انچ سنگ مرمر کی ہیں۔ اونچا تعویذ نہیں ہے بلکہ صرف سِل ہے۔ جس پر نہایت خوش خط کتبے بخط نستعلیق ہیں۔ جن میں سنگ موسیٰ کے حروف سے لکھا ہے جو بالکل سیاہی بھری ہوئی معلوم دیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج لکھا گیا ہے۔ خط ایسا نفیس ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں روشن ہو جائیں تو واقعی یہ خط ایسا ہی ہے کہ تہ خانے کے اندر بھی چمک رہا ہے۔

نجف خاں کی قبر کا کتبہ

ہو الحی الذی لایموت

این چرخ کج نہاد کماں پشت بر سہام ۔ کز ہم حادثات لسا زد خطا ہدف
زد بر نشانہ اشرف سادات راکہ بود ۔ نسل سیادت صفوی راز و شرف
شائستہ میوۂ شجر باغ ہشت و چار ۔ پاکیزہ جوہر دو گہر درِ نہ صدف
بخشی الملوک امیر نجف خانِ شیردل ۔ کشور کشائے ہند بتائید لاتخف
آن آنکہ دست چو بردی بذوالفقار ۔ سلطانِ لافتاش ستودے زہے خلف
بادا جلیس بدو رسل ختم مرسلیں ۔ با جدِ خویش کاشفِ اسرارِ لو کشف
زد کلک وحی تو امِ عالی بخاک او ۔ تاریخ سال را رقم "این تربتِ نجف"[1]
سنہ ۱۱۹۶ھ

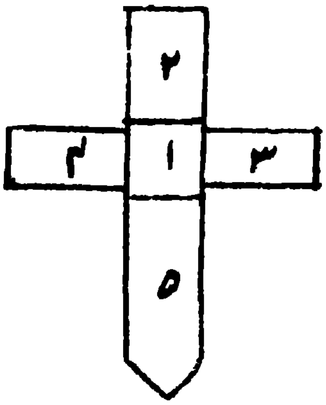
[1] ایک مادۂ تاریخ اور بھی ہے۔ ع۔ "این قدم گاہِ شہ مرداں نجف آباد کرد"
سنہ ۱۱۹۶ھ

نجف خاں کی بیٹی کی قبر کا کتبہ

ہو الحی لایموت

فغاں کہ رفت ازیں خاکدان غم بنیاد ۔ فرشتہ خوی نکو بانوی خجستہ نہاد
تنے محبۂ ہمنام بنت پیغمبر ۔ بروح فاطمہ زہرا حقش بیامرزاد
بدل فدائے ولائے علی عالی قدر ۔ نثار دو الہ نام ائمہ امجاد
کہ بود بنتِ نجف خانِ میر بخشی ہند ۔ بجان منزل پاکاں خداش جائید باد
شنیدم آہ و میاں گشت مصرع تاریخ ۔ علی و فاطمہ روزِ جزا شفیعش باد
سنہ ۱۲۳۶ھ

بیچ میں باپ بیٹی کی قبر ہے۔ اس طرح کے کمرے لداؤ کے تین طرف ... ... اور لوگوں کی قبریں ہیں جو نواب نجف خاں کے لواحقین ہوں ...



(۱) باپ بیٹی کی قبریں۔ (۲-۳-۴)۔ دوسری قبریں۔ (۵) داخلی دروازہ۔

میں نے شاہ مرداں اور کربلا میں دیکھا کہ امامیہ لوگ مثل سنیوں کے قبر کا تعویذ اونچا نہیں رکھتے بلکہ زیادہ تر قبر کو سطح زمین کے برابر رکھتے ہیں اور بجائے ابھرے ہوئے تعویذ کے صرف ایک سل پاٹ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع کے ہاں قبر کا اونچا رکھنا شرعاً ممنوع ہو۔ نجف خاں کے انتقال کے پچیس برس کے اندر ہی اندر مغلیہ سلطنت انگریزی راج ہو گیا اور سلاطین مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہو گیا۔ وزرا سے سیندھیا کی لوٹ اور فرانسیسیوں کی مداخلت کی مقاومت جنرل لیک کو کرنی پڑی اور انگریزوں نے شاہ عالم ثانی تاجدار مغلیہ کو سرکار انگریزی کا پنشن خوار بنا دیا۔

جنرل لیک کی فتح کے تیرہ دن بعد یعنی ۲۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو جنرل اختر لونی کا مالی اور فوجی عمل دخل دہلی میں ہو گیا۔ جب سے صرف تین قابل ذکر واقعے پیش آئے۔ شاہ عالم بادشاہ نے ۱۸۰۶ء میں انتقال اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ ۱۸۲۱ء میں اُن کے پوتے مرزا جہانگیر دنیا سے رخصت ہوئے اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں رکھے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں شاہ عالم کے بیٹے معین الدین اکبر شاہ ثانی نے رحلت کی اور قطب صاحب میں اپنے باپ کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ۱۸۳۷ء میں برائے نام تخت پر بٹھا دیئے گئے اور یہی سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار تھے۔ ان کی برائے نام سلطنت کا خاتمہ بھی غدر ۱۸۵۷ء میں ہو گیا اور آپ کو رنگون جلاوطن کیا گیا جہاں آپ نے گڑھ گڑھ کر ۱۸۶۲ء میں دنیوی آلام سے چھوٹ کر ابدی نجات

پائی۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ کے لیئے جو سرداہ اُن کے جد امجد اور والد کے بیچ میں رکھا گیا تھا لیکن مشیت ایزدی اور ہی کچھ تھی اور اُن کی مٹی رنگوں کی تھی اب تک خالی پڑا ہوا اور پڑا رہے گا۔ ؎

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

شہر مبارک آباد ۸۲۴ھ ۱۴۲۱ء

سلطان مبارک شاہ ثانی نے (۳۳-۱۴۲۱ء) جمنا کے کنارے ۷ ربیع الاول ۸۲۴ھ (۱۴ اکتوبر ۱۴۲۱ء) میں ایک شہر کی بنا ڈالی اور اُس کا نام مبارک آباد رکھا اور اس کی طرح اندازی اور تعمیر میں اپنا بہت وقت صرف کیا۔ تبر ہند میں کچھ عرصہ رہ کر بادشاہ مع الخیر والعافیت مبارک آباد کو واپس آیا۔ ہندوستان کی طرف روانگی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر تھا رستے میں چند دن چبوترہ سرگاہ میں قیام کر کے شہر کی تعمیر کو ملاحظہ کرنے کے لیئے بادشاہ مبارک آباد میں داخل ہوا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ بادشاہ کے ہندو وزیر سرورالملک نے سازش کر کے اپنے علاقے کے ایک ہندو شخص سے بادشاہ کو ۹۔ رمضان ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء میں قتل کر ڈالا۔ یہ نیا شہر جمنا کے کنارے اور غالباً خضرآباد ہی کے پاس تھا لیکن بادشاہ کی لاش مبارک پور کوٹلے میں لا کر دفن کی گئی۔ اس لیئے ہم اب مبارک پور کے مقبروں کا حال لکھتے ہیں جن کا نام عوام کی زبان پر مبارک پور کوٹلہ چڑھا ہوا ہے۔

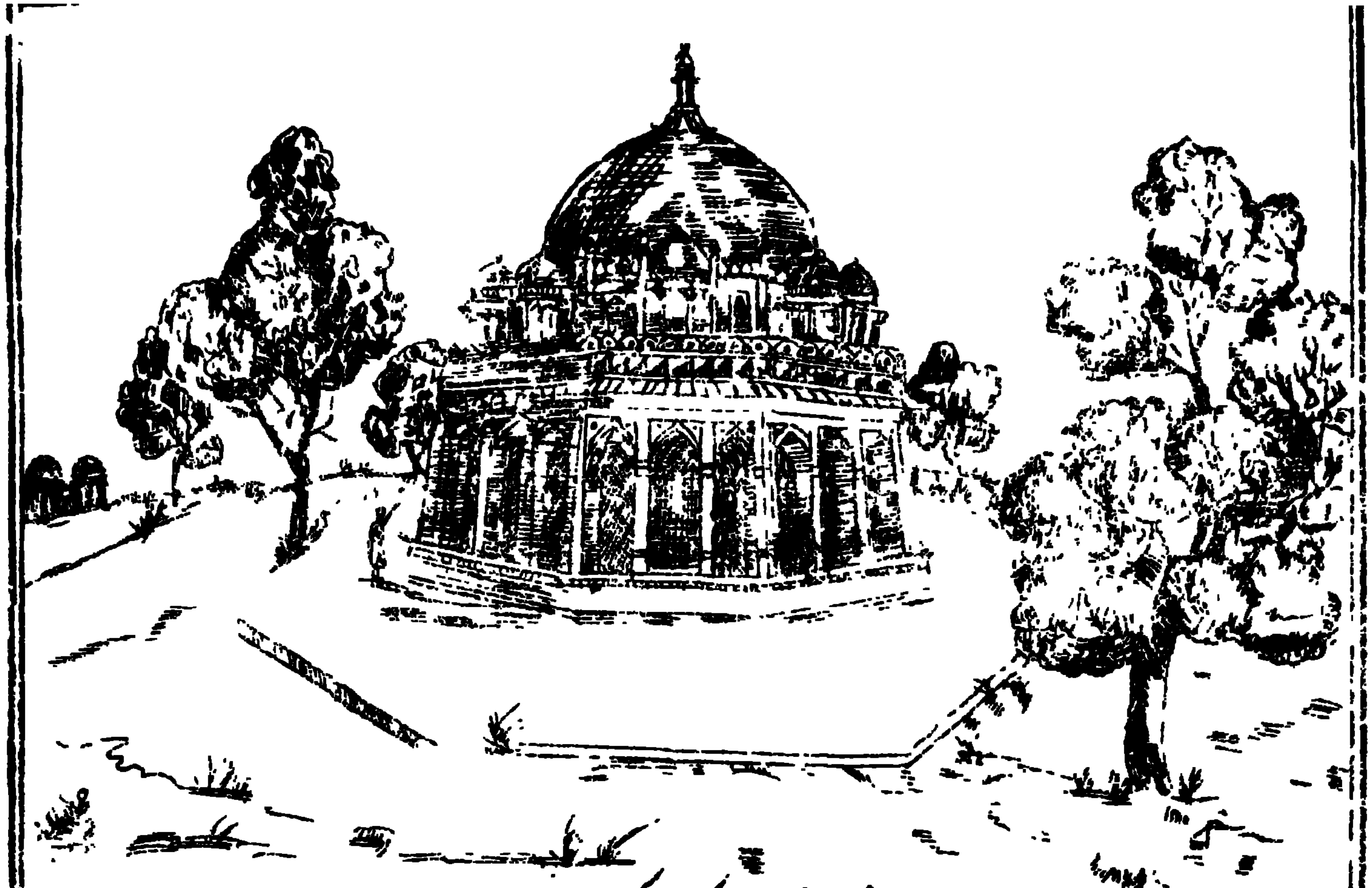
قطب روڈ کے چھٹے میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے بیچ میں بائیں طرف ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔

"الیشور پاٹری ورکس رائے سینا۔ پنڈت امرناتھ بھاسکر۔ بی۔ اس سی۔ سی۔ ای۔ گلاسگو"۔ اُس کے آگے کانچ سازی کا کارخانہ ہے۔ یہ زمین موضع بی بی پور غیر آباد کی ہے یہاں صرف چند جھونپڑیاں رہ گئی ہیں وہ بھی خالی اور ایک بہت بڑا بھٹہ اینٹوں کا ہے۔ یہیں سے تمام اینٹیں نئی دہلی کی عمارتوں کے لیئے سپلائی کی جاتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر مبارک پور کوٹلے کی بستی ہے۔ چونکہ یہ آبادی محصور ہے اس واسطے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔ اب تو اس بستی کی حیثیت ایک معمولی گاؤں کی رہ گئی ہے مگر اس کی شان دار فصیل عالی شان دروازے بڑی بھاری مسجد اور متعدد نہایت عظیم الشان گنبدوں

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بڑا مقام رہا ہوگا۔ اب ہم یہاں کی عمارات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ
۸۳۷ھ ۱۴۳۳-۳۴ء

بادشاہ کے قتل کیے جانے کے بعد اس کی نعش مبارک پور کوٹلے میں لائی گئی جو صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ہے اور یہیں اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو مبارک شاہ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ایک وسیع صحن کے درمیان واقع ہے جس کے اطراف فصیل کی شکل کا احاطہ ہے۔ ساخت اس مقبرے کی ایسی معلوم دیتی ہے جیسے شیر شاہ اور سلام شاہ کے وقت کی عمارات ہوتی تھیں۔ اور بعینہ اسی وضع قطع کا ایک اور مقبرہ عیسیٰ خاں کا ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ سر سید کے خیال میں یہ عمارت اتنی مدت کی بنی ہوئی نہیں معلوم دیتی بہرحال عام شہرت ہے کہ یہ مقبرہ مبارک شاہ کا ہے اور اسی کے نام سے یہ گاؤں مبارک پور کوٹلا مشہور ہے۔ یہ عمارت نہایت خوش قطع سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے لیکن سنگ خارا اس خوب صورتی سے لگا یا ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتا ہے قطع اس کی نہایت خوب ہے اور گرد اس کے بہت خوش قطع مثمن غلام گردش بنی ہوئی ہے ستون اور پٹاؤ بھورے پتھر کا ہے ستون بجز سرے کے لمبوترے ہیں۔ فصیل کے دروازے کے قریب ایک پتلا ٹیکہ گرم کرکے بٹھلائی ہوئی رنگین اینٹوں کا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کی تختی پر دو خوب کھلے ہوئے کنول کے پھول ہیں۔ اس دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر گنبد کی عمارت ہے۔ جو مثمن شکل کی بڑی بھاری عمارت سنگ خارا کی ہے جو ایک بلند چبوترے پر کھڑی ہے جس کی سات سیڑھیاں رپٹ نما جنوب کی طرف بنی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے اطراف غلام گردش میں چوبیس ستون چبوترے کی زہ پر استادہ ہیں۔ یہ ستون خاص وضع کے قابل دید ہیں جو لمبوترے ہیں اور اس طرح تراشے گئے ہیں کہ دو ستون جدا جدا ہیں مگر ایک باریک ٹیکے سے جڑے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اس ہشت پہل عمارت کے ہر بیرونی ستون کو ایک سنگین پشتیبان دے کر اور مضبوط کر دیا گیا ہے جس سے ایک نئی شان اور پائیداری ظاہر ہوتی ہے۔ گنبد ایک پست استوانے پر استادہ ہے جس کے بالائی حصے میں سولہ طاق کھینچ



نقشۂ مقبرۂ مبارک پور کوٹلہ

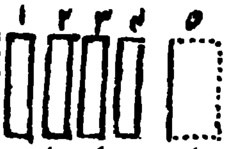
گلدستے ہیں۔ گنبد کی چھت میں ایک ہشت پہل شکل کا روشن دان ہے۔ گنبد کے کونوں پر آٹھ برجیاں پست نیل پایوں پر ایستادہ ہیں۔ اس مقبرے کا ایک ہی دروازہ جنوب رخ پر ہے جو اسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ احاطہ کا دروازہ ہے۔ دروازے کی چوکھٹ اور محراب کی گولائی کے درمیان پتھر کی ایک جالی لگی ہوئی ہے۔ دوسرے چھ در دون تین سوائے اس در کے جو بجانب مغرب جنوبی دروازے کے جواب میں ہے۔ سب میں پتھر کی جالیاں نصب ہیں جن کی لمبائی میں دو دو پتلی پتلی پتھر کی کڑیاں ڈال دی ہیں۔ مغرب کی طرف جالی کی تراش نہایت نازک اور خوب صورت ہے۔ جس کے پیچھے بھی نقش و نگار ہیں ان دروازوں کے اوپر چار محراب دار کھڑکیاں ہیں جن کے اوپر سے گنبد کا ارتفاع شروع ہوتا ہے۔ گنبد کا قطر بہت کافی ہے جس میں رنگین کھڑی پٹیاں ہیں جو نیچے سے اوپر جاکر ایک رنگین دائرے میں جا ملتی ہیں۔ گنبد کے وسط میں قبریں پتھر کی ہیں لیکن چوں کہ سابق میں ایک عرصے تک یہ گنبد بطور رہائشی مکان کے استعمال میں رہا ہے اس وجہ سے باوجودیکہ ساری قبریں سنگ مرمر کی تھیں مگر سب کی آب و تاب جاکر ایسا میلا ہوگیا ہے کہ اب انہیں سنگ مرمر شناخت کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ مقبرہ مبارک شاہ سے منسوب ہے اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ گنبد کی تراش خراش۔ چینی کی اینٹیں۔ دروازوں کے نقش و نگار۔ یہ سب پندرہویں صدی کے طرز کے ہیں۔ گنبد کی وسیع عمارت۔ اس کی خیطر لاگت اس کا وسیع اور شاندار احاطہ یعنی فصیل اور پھر مسجد خصوصاً اُس زمانہ میں جب کہ دہلی کی حالت بالکل خراب اور پست تھی ایسی عمارت کا بنا کر کھڑا کر دینا سوائے بادشاہ وقت کے کسی ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کی بات نہ تھی۔ اس لیئے کوئی وجہ شک کی نہیں ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ مقبرہ ہو نہ ہو خاندان سادات کے دوسرے بادشاہ یعنی مبارک شاہ ثانی ہی کا ہے۔ پہلے شاید ایسا نہ ہو اب تو اس مقبرے کو بالکل مکانات نے چاروں طرف سے دبا لیا ہے اور وسط آبادی میں آگیا ہے بستی کے لوگ اسے لودھی خاں پٹھان کا مقبرہ کہتے ہیں یہ مقبرہ مثمن ہے جس کا ہر بڑا ضلع ۱۳ فٹ - ۸ انچ ہے۔ ہر طرف تین تین در جملہ (۲۴) در ہیں۔ گرد ۱۳ فٹ عریض بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ ایک پر ایک تین چبوترے ہیں پہلا ایک انچ دوسرا ۲ فٹ - ۲ انچ تیسرا ۱ فٹ ۲ انچ اونچا ہے۔ گیلری کی چوڑان ۲ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۲ فٹ۔ گیلری اور مقبرے

ے کے اندر بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سارے مقبرے میں عمدہ گھڑا ہوا صاف اور نفیس پتھر لگایا گیا ہے۔ تو فرش میں اس کا خیال کیوں نہ رکھا گیا۔ مقبرہ کا دروازہ ایک ہی ہے جو جنوب کی طرف ہے جس کی بلندی ۸ فٹ اور چوڑائی ۴ فٹ ۱/۲ ہے۔ اندر سے قطر ۲۹ فٹ ہے۔ اندر چھ جالیاں سنگ خارا کی ہیں مغرب کی طرف کا در بند ہے۔ چھت میں چار روشن دان ہیں اوپر (۱۲) طاق دیوار دوز ہیں۔ قبروں کا موجودہ نقشہ یہ ہے:۔



(۱) بائیں طرف سے پہلی لین۔ یہ تینوں قبریں بڑی اور اونچی سنگ مرمر کی ہیں۔ نمبر (۱) کی مردانی قبر کے سرہانے اینٹوں کا بھدا سا چراغ دان بعد میں بنا دیا ہے۔ اوپر کلمہ دو طرف اللہ اللہ۔ (۲) زنانی۔ کلمہ اور دو طرفہ اللہ اللہ اس کے گرد شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم (۳) زنانی۔ کلمہ اور اللہ اللہ۔

(۲) دوسری لین بائیں طرف سے۔ (۱) خام۔ (۲) مرمر زنانی کلمہ اللہ اللہ۔



(۳) مرمر مردانی کلمہ اور اللہ اللہ (۴) مرمر مردانی کتبہ ندارد۔ (۵) خام صرف ایک طرف کا پتھر رہ گیا ہے۔

گنبد کی ہر محراب پر دو طرفہ طغرے کلمے وغیرہ اور یا فتاح جا بجا لکھا ہے۔ گنبد کی چھت کے ایک بنیڈ میں اسمائے حسنیٰ ہیں۔ باوجود روشن دانوں کے بھی گنبد کے اندر اندھیرا ہے اور گنبد کی چھت پر کا کتبہ صاف نظر نہیں آتا۔ اور بوجہ بلندی کے پڑھا نہیں جاتا اور یہی حال محراب کے دو طرفہ طغروں کا ہے۔

پیش طاق۔ جو مغرب میں ہے اس کی پہلی لین میں اللہ اللہ (۲) شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم۔ ان الدین عند اللہ الاسلام الخ (۳) آیۃ الکرسی۔ (۴) بسم اللہ اما اشہد ان لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان محمد عبدہ ورسولہ (۵) الملک للہ (۶) کلمہ۔ گنبد کے اوپر ہشت دری آٹھ برجیاں سنگ خارا کی ہیں جن کا قطر ۶ فٹ ۱/۲ ہے۔ گنبد کے گرد چوڑا اور بھاری چھجہ ہے گنبد کے اوپر چودری برجی بھی ہے جس پر کلس ہے۔ کلس ٹوٹ کر نیچے کا تھوارہ گیا ہے۔ مغرب کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔ کل بلندی مقبرے کی چھت تک ۴۰ فٹ ہے۔ بستی چاروں جانب سے کنگورے دار فصیل سے محصور ہے اور چار طرف چار عالی شان دروازے ... گنبد ... ہیں۔

تین برجیاں اور باغیچی

جنوبی دروازے کے بالکل پاس ایک ہشت دری برجی اور چوڑے رستے کے اُس پار دو گمٹیاں اور ہیں اور یہیں ایک باغیچی کا پختہ احاطہ ہے۔ آگے والی گنجنی اور پچھلی چونکہ سکشتہ ہے منڈی کہلاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ یہ کن کی ہیں۔

مسجد

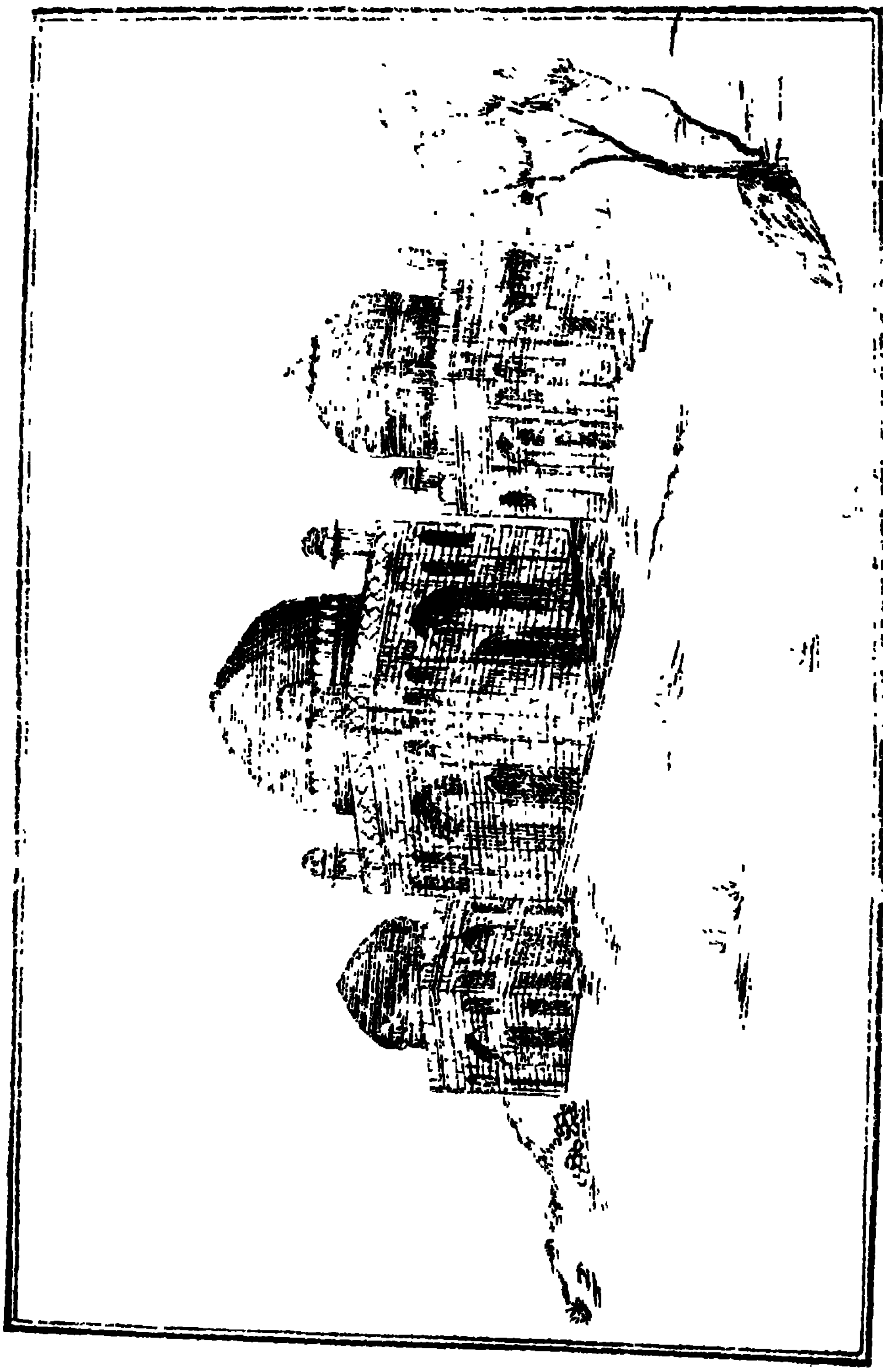
مبارک شاہ کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور فصیل کے اندر جنوب مغرب کی طرف تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دُہرے دالانوں کی اُسی زمانے کی تمام تر سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے جس کے بھورے پتھر کے چوکس ستون ہیں اور بیچ میں بھی ستونوں کی ایک قطار ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ہے ادھر اُدھر کے چھوٹے۔ اندر دونوں دالانوں کی نیست میں پانچ پانچ گنبد جملہ دس گنبد ہیں۔ لوگوں نے لپکا لپکا کر بالکل کالا کر دیا ہے۔ مسجد کے دونوں دالان ۲۶×۲۵ ہیں۔ منبر باقی نہیں رہا۔ فرش اکھڑ گیا خالی زمین رہ گئی۔ پانچوں در ساڑھے گیارہ گیارہ فیٹ چوڑے ہیں۔ در دُہرے سنگ خارا کی کڑیوں کے ہیں در کا پتھر ۱۲½ اونچا اور بیٹھک ۷½ اونچی ہے۔ در سوا فٹ مربع ہیں۔ صحن ۲۶×۴۵ ہے جس میں سلیں بچھی ہوئی ہیں۔ زینہ (۱۲) سیڑھیوں کا جنوب میں ہے۔ بلندی مسجد کی چھت تک ۲۴ ہے۔ دروں کے رو کار پر دو طرفہ کلمۂ طیبہ کا طغریٰ ہے۔ سامنے چوڑا اور بھاری چھجہ ہے۔ مبارک شاہ کے مقبرہ کی طرح یہ عمارت بھی بہت مضبوط بنی ہے پتھر کے سوا اینٹ کا نام نہیں۔ جس طرح مقبرہ مکانوں سے گھر گیا ہے یہ مسجد بھی مکانوں کے شکنجے میں کس گئی حتیٰ کہ صحن کا ایک حصہ بھی داب لیا ہے۔ اس وقت بھی اس مسجد میں مویشی باندھے جاتے ہیں۔ اس مسجد کو نانک چند بقال نے اپنی ملک سمجھ لیا ہے کیوں کہ اُس کا مکان یہیں ہے اور اُس نے ایک دروازہ لگا کر مسجد کو بند کر رکھا ہے بنیئے کے مکان کی ڈیوڑھی میں سے جسے دیہاتی بروٹھا کہتے ہیں گزر کر مسجد میں جانا ہوتا ہے۔ بستی میں مسلمان بالکل کم اور ہندو زیادہ ہیں مسلمان جو ہیں وہ مفلس اُن کو پیٹ کے آگے مسجد کی کیا پڑی۔ غرض مسجد کی حالت افسوس ناک ہے اور زیادہ افسوس اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مسجد بالکل درست حالت میں ہے کہیں سے ذرا بھی نہیں کھسلی گو کہ اسے بنے ہو سکے (۱۲۴۶ برس ہو گئے۔

تبرجہ سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

مبارک پور کوٹلے کی بستی سے نکلتے ہی بجانب مغرب کئی گنبد پہاڑ کے پہاڑ کھڑے ہیں جنھیں سر سید نے تبرجہ لکھا ہے لیکن در اصل دو برجہ ہے تیسرا گنبد تو ان دو برجوں سے بہت دور ہے۔ البتہ یہ دونوں گنبد جو چھوٹے خاں اور بڑے خاں کے کہلاتے ہیں پاس پاس ہیں اور دونوں میں دس ۱۰ گز کا فصل ہے۔ رہا تیسرا جو کالے خاں کا گنبد کہلاتا ہے وہ ان سے الگ ہے اور اس تین میں نہیں ہے۔ گاؤں والے اب تو چھوٹا گنبد۔ بڑا گنبد اور کالا گنبد کہتے ہیں نام سے کسی کے منسوب نہیں کرتے سر سید نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگ ان گنبدوں کو متذکرہ بالا اشخاص کے بیان کرتے ہیں جس کے سوائے زبانی روایات کے اور کوئی سند نہیں اور سند ہو بھی کیا سکتی ہے اُس زمانے میں بانی گنبد کے نام کا کتبہ لگانے کا رواج ہی نہ تھا۔ حالاں کہ سارے گنبد قرآنی آیات سے لپے پڑے ہیں اور اس کثرت سے چھوٹے گنبد میں کلام اللہ منقوش ہے کہ میں نے تو سوائے خیر پور کی مسجد کے اور کہیں دیکھا نہیں مگر نام کا کتبہ نہ کہیں گنبد پر ہے نہ کسی قبر پر۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ گنبد بلحاظ ساخت لودھیوں کے عہد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں اور اس سبب سے قیاس کیا جاتا ہے کہ سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء میں سکندر لودھی کے عہد میں بنے ہوں گے۔ درمیانی برج اِدھر اُدھر کے برجوں سے دوچند اونچا ہے۔ یہ تینوں گنبد مربع ہیں جن کے سکڑے ہوئے گردنے لودھیوں کا طرز خاص ہے۔ دروازوں سے دو فیٹ اوپر دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی رکھی گئی ہے۔ کالا گنبد تو خیر معمولی ہے مگر چھوٹا اور بڑا یہ دونوں گنبد معمولی لوگوں کے نہیں۔ یقیناً یہ لوگ لودھیوں کے زمانے کے کوئی بڑے امیر کبیر رہے ہوں گے جب تو بادشاہوں کے جوڑ کے گنبد بنوائے ورنہ ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کا یہ کام نہیں۔

کالا گنبد

کالا نام اس وجہ سے پڑا ہے کہ باہر سے امتداد زمانے کی وجہ سے بالکل کالا ہو گیا یا یہ کہ کالے خاں کا ہو۔ لیکن آج نہ کوئی کالے خاں کو جانتا ہے نہ بڑے خاں کو نہ چھوٹے خاں کو۔ اس گنبد کے چار بڑے دروازے ۱۰×۶ فٹ ہیں اور ہر بڑے دروازے کی بغل میں ایک ایک چھوٹا دروازہ بھی ۷½×۳¼ فٹ کا ہے گنبد اندر سے ۲۶ فٹ مربع ہے اور باہر سے (۴۲ فٹ) بیچ میں دو قبریں پختہ ہیں مگر بے صورت۔ مغرب جانب کی دیوار دو زمحراب پر کلمہ اور بسم اللہ اور ہر دروازے کی



محراب پر کلمے کے طغرے ہیں۔ کرسی ۲-۳ فٹ بلند۔

گھانس والی گمزی چوں کہ اس میں گھانس بھری رہتی ہے لہذا یہی نام پڑگیا۔ مذکورہ بالا گنبد سے (۲۸) قدم کے فصل سے ہے۔ قدم آباد مربع اندر سے باہر سے ۴-۴ تین دروازے ۸ × ۴ مغرب کی طرف بند۔ گنبد کی چند طاقوں پر آیۃ الکرسی اور دروازوں پر طغرے الملک للہ کے۔ کرسی چھ فیٹ۔

چھوٹا گنبد یا چھوٹے خاں کا گنبد۔ اب نہ بڑے رہے نہ چھوٹے موت کے زبردست ہاتھوں نے سب کو خاک میں ملادیا۔

باہر سے (۲۳-۲۳) مربع بالکل سنگ خارا کا۔ اس پر کثرت سے چونہ کا کام تھا جس کی لمبی لمبی عمودی پٹیاں اب بھی باقی ہیں۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ دروازوں کی دونوں جانب برجیاں ہیں۔ کرسی ۳-۳ محرابوں کے روکار پر نیلی انیمل کی ٹائلز ہیں۔ اندر سے قطر (۲۹-۲۹) فرش ندارد۔ اندر ایک قبر کا کچا ڈھیر۔ گنبد کے اوپر (۱۶) طاق۔ چبوترا مقبرے کا پہلے تھا اور اس پر قبریں بھی تھیں وہ دھنس گئیں گڑھے باقی رہ گئے۔ گنبد کے اندر قینچی اور رنگ کا کام ہے۔ گنبد کی چند پایوں پر آیت الکرسی منقوش ہے۔ (۲۴) سیڑھیوں کا زینہ مشرق کی طرف۔ تین طرف ہشت پہل برجیاں چھ فیٹ قطر کی صرف جنوب کے طرف کی برجی گرگئی ہے۔ چاروں طرف کے روکار پر اوپر سے نیچے تک چھوٹے چھوٹے طاق محض خوب صورتی کے لیے بنادئے ہیں۔ بلندی گنبد کی چھت تک (۲۹) ۔ محرابوں میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جو سب ندارد ہیں صرف شمال کی طرف ایک جالی کا کچھ حصہ باقی بچ رہا ہے وہ بھی چند روزہ مہمان ہے۔

مقبرے کے باہر وار کتبے بجانب شمال۔ (۱) بسم اللہ فلما راوہ زلفۃ تا ختم سورہ الملک۔

(۲) اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (پارہ ۳ نصف) قُلۡ ھَلۡ نُنَبِّئُکُمۡ بِالۡاَخۡسَرِیۡنَ اَعۡمَالًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع)

(۳) ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّھَادَۃِ تا آخر سورہ پارہ (۲۸) سورہ حشر

(۴) لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُھُمۡ فَھُمۡ غٰفِلُوۡنَ (پارہ ۲۲ سورہ یس ۸ ع) وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ (پارہ ۲۹ ۔ س ملک ع) ۔ آیۃ الکرسی۔

جانب مغرب۔ (۱) بسم اللہ ۔ سورۂ قدر۔ (۲) لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ (۳) آیۃ الکرسی

گنبد کے اندر کے کتبے

جانب مشرق۔ (۱) بسم اللہ ... یؤمن ویسلم علیہ ... (۲ و ۳) سورۂ جمعہ کامل۔
جانب جنوب (۱) بسم اللہ۔ قال ... لیقف کل آفات النبی ... قال النبی
علیہ الصلوٰۃ ... فاتقوا ... باللہ یا غفور۔ (۲ و ۳ و ۴) آیۃ الکرسی۔
جانب مغرب (۱) وتلک حجتنا آتینٰہا ابراہیم
علیٰ قومہ تا ان ہو الا ذکریٰ للعٰلمین۔ پارہ (۷)
س انعام ع ۱۰۔ (۲) لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق تا ختم سورہ پارہ (۲۶) س فتح ع ۱۲۔
گوشہ جنوب مغرب۔ بسم اللہ۔ آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ تا ختم سورۃ البقرہ پارہ (۳)
جانب جنوب (۱) ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت کانت لہم جنٰت الفردوس نزلا تا آخر سورۂ کہف۔ پارہ (۱۶)
گوشہ جنوب مشرق۔ (۱) ولقد خلقنا الانسان ما توسوس بہ نفسہ پارہ (۲۶) س ق ع
(۲) ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین تا وانا علیٰ ذہاب بہ لقٰدرون۔ پارہ (۱۸) س مومنون
ع۔ (۳) وما محمد الا رسول تا وسیجزی اللہ الشٰکرین۔ پارہ (۴) س آل عمران ع۔ (۴) ان اللہ یحب التوابین و
یحب المتطہرین۔ پارہ ۲۔ س البقرۃ ع ۱۲ کلمہ۔ سورۂ کوثر اور الاخلاص۔
جانب شمال (۱) ہو اللہ الذی لا الٰہ الا ہو عٰلم الغیب والشہادۃ تا آخر سورۂ حشر پارہ (۲۸) ع (۲) الفجر (۳) والضحیٰ
گوشہ شمال مغرب۔ (۱) ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ تا عذاب النار۔ پارہ (۲) س البقرہ ع۔ (۲) سورۃ الرحمٰن۔
پر اندرونی محراب کے دو طرفہ طغرے ہیں۔

بڑا گنبد جسے بڑے خاں کا گنبد کہتے ہیں اور یوں بھی یہ گنبد بہت بڑا اور نہایت عالی شان ہے اور کسی لودھی بادشاہوں کے گنبد سے کم نہیں ہے۔ تین طرف دروازے سنگ سرخ کے ہیں مغرب کی طرف بند۔ کرسی ۳ فٹ۔ گرد چبوترا ۱۵ فٹ مربع۔ دروازوں کی چوکھٹ ۸ فٹ۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کا قطر اندر سے ۴۷ فٹ ۲/۱ ۔ فرش ندارد پہلے تھا اب تو جابجا گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ اندر پانچ قبریں ہیں۔ جن میں دو بڑی باقی بالکل شکستہ ہیں۔ ایک سب سے بڑی قبر ۱ ۲/۱ فٹ × ۶ فٹ ۔ لمبی چوڑی اور ۳ فٹ اونچی ہے غالباً یہی بڑے خاں کی قبر ہوگی۔ باقی قبروں کے نرے پتھر ہی پتھر رہ گئے ہیں چونا جھڑ گیا جس طرح کہ لودھیوں کے مقبرے کی قبروں کی مرمت سرکار نے کرا دی ہے ان قبروں میں سونے والے زبان حال سے اسی سلوک کے طالب ہیں۔ چاروں محرابوں پر چار روشن دان ہیں۔ قبہ کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا

اب صرف چند یا میں گیروی سطح پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہو اس سوا اور کوئی کتبہ نہ گنبد میں ہو نہ قبروں پر البتہ محرابوں کے دونوں طرف کلمہ وغیرہ کے طغرے ہیں۔ گنبد کے اندر ہر چہار طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں کی صرف ایک شمال کی طرف باقی رہ گئی ہو اور دوسری طرف کی جالیاں لوگ اکھاڑ لے گئے اُن دروں کو معمولی پتھر لگا کر بند کر دیا ہو۔ گنبد کے اندر مغربی رُخ کا دروازہ جو بند ہو اُس میں ایک محراب سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہو جس پر نقاشی کا کام بہت خوبی سے کیا ہوا ہو اور اس پر کلمۂ طیبہ کھدا ہوا ہو۔ مقبرے کے اندر مشرق کی طرف دو طرفہ (۵۶) سیڑھیوں کا زینہ ہو۔ چھت تک بلندی گنبد کی (۴۶ فٹ) ہو۔

گنبد اوپر سے شکستہ ہو کر قبہ میں جا بجا گھانس اُگ آئی ہو جو اس کو قبل از وقت بٹھا دے گی کہ پانی اُس میں جذب ہوتا ہو۔ گنبد کی چاروں طرف ہشت پہل برجیاں ۸-۹ فٹ قطر کی ہیں جن میں سے جنوب کی طرف کی گر گئی ہو۔

دریا خاں کی درگاہ

چھوٹے اور بڑے گنبدوں سے قطب روڈ کی طرف چلو تو رستے میں کھیتوں کے بیچ میں دریا خاں کی درگاہ ایک وسیع اور پختہ (۹۰ فٹ) مربع چبوترے پر بنی ہوئی ہو جو ۴ فٹ اونچا ہو۔ اور بارہ سیڑھیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خام چبوترا اور ہو جس کے گرد سرکار نے تار کی باڑھ لگا دی ہو۔ دریا خاں کون تھے کچھ معلوم نہیں نام سے معلوم ہوتا ہو کہ کوئی اسی زمانے کے لودھی پٹھان ہوں گے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر (۱۲) در کے چار بُرج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں جن کا چبوترا ۳۳ فٹ مربع ہو ستونوں کی ایک کڑی ۱۰ فٹ ۵ انچ چورس چھ فیٹ لمبی ٹھیک آپ اونچی اور کل در کی بلندی و عرض ۱۰ فٹ ۸ انچ x ۵ فٹ ہو۔ مشرق کی طرف کا بُرج نصف گر گیا ہو باقی تین طرف کے سلامت ہیں۔ ان کے اندر آیۃ الکرسی منقوش ہیں۔ چبوترے کے بیچ میں ایک ہشت پہل چبوترا ہو جس کا قطر ۵۷ فٹ اور اونچائی ۳ فٹ ہو جس کے بیچ میں دو قبریں زیر سایہ گچ کی ہیں جن میں کی ایک بالکل شکستہ ہو اور ان میں سے ایک قبر دریا خاں کی ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک اور چبوترہ ۹۰ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہو اس پر ایک ہی قبر گچ کی ہو۔ کتبہ کسی قبر پر نہیں۔

مجاہد پور کا نامعلوم گنبد

قطب روڈ میل (۷) فرلانگ (۲) پر ذرا سڑک سے ہٹ کر بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک اس گنبد کو گئی ہو جس کا نمبر ۲۲۵ ہو۔ چار طرف چار دروازے ہیں۔ ۶ فٹ x ۱۴ فٹ باہر سے ۴۴ فٹ اور اندر سے ۲۷ فٹ مربع عمارت ہو فرش اور قبر دونوں ندارد۔ اندر باہر پلاستر جا بجا سے گر گیا ہو پتھر چونے کا بنا ہوا ہو۔ گنبد کا قبہ چاروں طرف سے کھنڈر کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

گرد خام چبوترا تھا جو گر گیا۔ گنبد کی چند یا پر آیۃ الکرسی کے سوا اور کوئی کتبہ نہیں ہے۔ موضع مجاہد پور کی حدود میں یہ گنبد ہے لیکن کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کا ہے۔ مگر ہے بہت قدیم۔

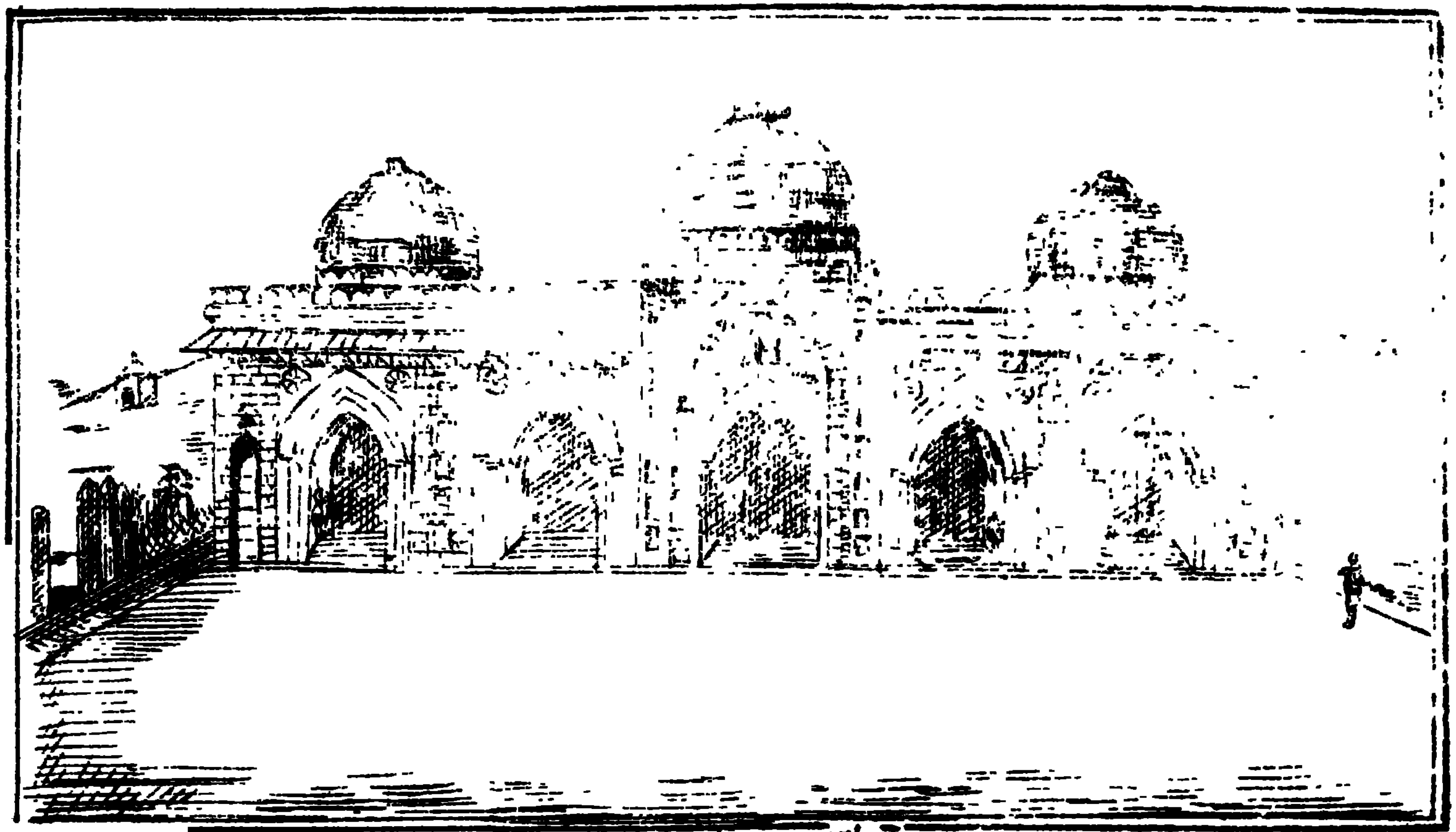
یوسف سرائے (۸) میل (۲) فرلانگ سڑک کے داہنی طرف اس نام کا ایک ویران موضع ہے جس میں اب چند مکانات رہ گئے ہیں۔ گرد اس موضع کے پختہ فصیل ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔ پہلے سرائے ہو گی اب تو نرا گاؤں ہی گاؤں رہ گیا وہ بھی بالکل چھوٹا۔

موٹھ کی مسجد ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء یہ مسجد مبارک شاہ کے مقبرے کے پاس ہے جو خاندان سادات کا دوسرا بادشاہ تھا۔ یہ مسجد ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بعہد سکندر شاہ ثانی بن بہلول لودی تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کے پاس ایک بہت بڑی باؤلی بھی بنائی گئی تھی جس کے اندر سنگ سرخ کی لوح پر ذیل کا کتبہ ہے جو لونی لگ کر جا بجا سے جھڑ گیا ہے۔ اب جو کچھ بہ مشکل پڑھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے اور اس کے علاوہ اور عبارت بھی ہے جو پڑھی نہیں جاتی:۔

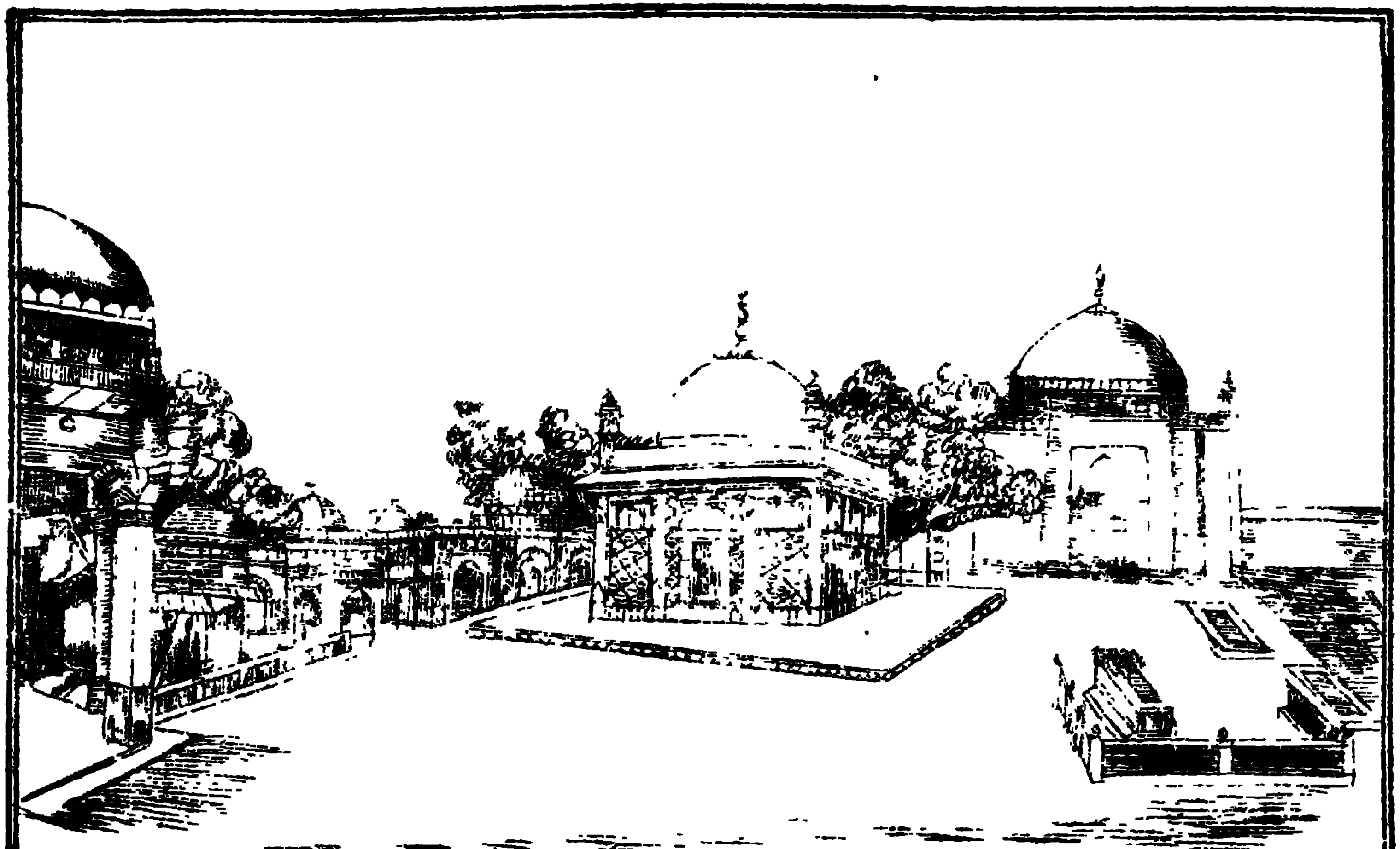
.... (ایں) مسجد در عہد
دولت بندگی حضرت سلیمان ...... سلطان (ہند) سکندر شاہ بن بہلول شاہ
لودی خلد اللہ سلطانہ .... یں معصہ
اللہ حسین شہاب الساکن قصبہ سہارن پور۔ مفعہ جمہری علی ہٰ۔

اس مسجد کا صدر دروازہ کسی زمانے میں بڑا عالی شان رہا ہو گا اب بالکل حالت انہدام میں ہے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ کسی شخص نے[1] راہ چلتے میں ایک موٹھ کا دانہ پڑا ہوا دیکھ کر اٹھا لیا اور اُسے بو دیا وہ اُگا اُس سے جو دانے نکلے وہ پھر بوائے و علیٰ ہٰذا۔ چند سال میں پیداوار بڑھتے بڑھتے بہت روپے جمع ہو گئے اور اُسی روپیہ سے یہ مسجد بنی ہے۔ اور اسی وجہ سے موٹھ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد لودیوں کے زمانے کی طرز عمارت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا چبوترہ چھ فٹ اونچا ہے اور عرض و طول میں ۱۳۰ فٹ x ۴۰ ہے چبوترے پر سے گنبد کی چوٹی تک (۶۰ فٹ) کی بلندی ہے۔ اس میں پانچ در ہیں اور ادھر ادھر دو دو چھوٹے چھوٹے در ہیں جن میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ درمیانی بلند دیوار دوز محراب میں در و ... نصب ... محرابوں کے دیوار دوز ستون چھوٹے چھوٹے طاقوں سے ...

[1] اور کوئی کہتا ہے کہ بادشاہ نے دانہ پایا اور وزیر کو دیا اُس نے تعظیماً اس دانے کو بوایا



نقشہ مسجد موٹھ



درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

ایک آراستہ ہیں اور پانچ پانچ طاق پہلو کی محرابوں میں ہیں۔ درمیانی محراب کی روکار کے بہت سے پتھر لوگ اکھاڑ لے گئے ہیں جس سے دیوار ٹنڈی اور بدنما ہو گئی چھت پر تین گنبد ہیں ایک بیچ کے حجرے پر اور دو دونوں پہلوؤں کے حجروں پر۔ گنبد چونے اور پتھر کے ہیں مگر نہ بڑے ہیں اور نہ مثمن۔ ان کی گردنیں لمبوتری ہیں جو لودیوں کا خاص طرز تھا۔ پہلو کے دونوں گنبدوں کی حالت خستہ ہے۔ بیچ کی محراب اونچی ہے اور ادھر اُدھر کی اسی مناسبت سے کم۔ ان کے سامنے بھاری چھجہ تھا جس کا بہت ہی تھوڑا حصہ اب رہ گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس مسجد کے ایک عمدہ عمارت ہونے میں کچھ شک نہیں مگر بے درد لوگوں کے ہاتھوں سے جو تباہی اس کی ہوئی ہے وہ مسٹر بگلر کے ذیل کے ریمارک سے ظاہر ہو گی:۔

اس مسجد کے روکار پر بہت کچھ نقش و نگار اور رنگ آمیزی تھی۔ یہ ساری عمارت بن گھڑے پتھروں اور چونے کی ہے لیکن بعض بعض مقامات پر تراشے ہوئے پتھر بھی نصب ہیں خصوصاً ستون جو کھڑے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے پر سنگ مرمر کی تختیوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں جو سادی اور رنگین ہیں مسجد کے اندر کی تمام گل کاری اور رنگ آمیزی کا کام دھوئیں کی تہ چڑھ جانے سے برباد ہو گیا لیکن دروازے پر اب بھی سبز اور سرخ رنگوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پتھر بھی ہر قسم کا سرخ۔ سفید۔ زرد۔ سیاہ جابجا لگا ہوا تھا۔ احاطے کی دیواریں اندر باہر چاروں طرف طاق بنے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواریں دو زینے چھت پر چڑھنے کے ہیں۔ یہ مسجد اب تک مبارک پور کے گنواروں کی بود و باش میں پھنسی ہوئی ہے جنھوں نے جابجا اپلے پاتھ کر مسجد کی ساری صناعی کو کالا سیاہ کر دیا اور طرفہ یہ کہ جابجا کچی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنا کر رہی سہی رونق بھی برباد کر دی"۔

درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی
۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء

ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

شیخ نصیر الدین محمود خاندان چشت کے دلی کے سب سے اخیر بزرگ تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیا کے اکبر خلفا میں سے تھے۔ آپ بڑے ذی علم مقدس اور خدا پرست تھے۔ بڑے واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ مذہب اسلام کی آپ نے بہت کچھ اشاعت کی سلطان

محمد تغلق سے آپ سے بھی ان بن تھی آپ نے بہت صبر و تحمل اور استقلال کو کام فرمایا
جب مخدوم جہانیان سید جلال صاحب مکۂ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ سے
عبداللہ یافعی نے طواف کعبہ میں دریافت کیا کہ اب تو دہلی کے بیشتر بزرگان
دین مرگئے اب وہاں کون رہا ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "نہیں اب بھی دلّی میں
نصیر الدین محمود ہیں جو دلّی کے روشن چراغ ہیں"، جب سے آپ کا لقب روشن چراغ دہلی
مشہور ہوگیا۔ آپ کے صفات اور کمالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں غایت شہرت
سے حاجت بیان کی نہیں۔ سلطان فیروز شاہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بڑی
عقیدت تھی اور آپ کی خدمت بہت کیا کرتا تھا۔ آپ کی درگاہ کا گنبد آپ کی حینِ حیات
سلطان فیروز شاہ نے ۷۴۹ھ (۱۳۴۸ء) میں بنوا دیا تھا۔ شب جمعہ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء)[1]
میں آپ کا وصال ہوا اور اُسی گنبد میں آسودہ ہوئے۔ آپ کو ایک سن چلے جانے والے
فقیر نے جو آپ کے پاس کچھ خیرات مانگنے آیا تھا خنجر سے شہید کیا۔ وقت شہادت
آپ کا سن شریف (۸۲) سال کا تھا۔ آپ یہیں قریب موضع کھڑکی میں اسی حجرے میں
رہتے تھے جہاں کہ آپ دفن ہیں۔ آپ کی قبر میں آپ کے ساتھ جبّہ۔ عصا۔ کلاہ اور مصلیٰ
جو آپ کو آپ کے مرشد حضرت نظام الدین سے ملا تھا۔ دفن کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ ایک
مستطیل احاطے کے اندر ہے جو ۱۸۰ فٹ × ۱۴۰ اور ۱۲ فٹ بلند ہے۔ اس احاطے کا بڑا حصہ اور قصبے
کے گرد جو فصیل ہے محمد شاہ بادشاہ نے ۱۱۴۲ھ (۱۷۲۹ء) میں بنوایا۔ یہ فصیل بہت بڑی اراضی
کو گھیرے ہوئے ہے جو نالے سے بہت بلندی پر بنائی گئی ہے۔ بستی کے سامنے اُس زمانے
میں ایک پل بھی نالے پر بنا ہوا تھا اور آگے چل کر نالے کے بہاؤ کی طرف نیچے وار ایک
اور پُل بھی تھا۔ اب دونوں پُلوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔ درگاہ کا صدر
دروازہ آپ کی وفات کے ۱۲ سال بعد ۷۷۵ھ (۱۳۷۳ء) میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا جس پر

---

[1] بعض کتابوں میں جمعہ کے دن آپ کا وصال ہونا لکھا ہے کتاب مخبر الواصلین میں ۷۵۲ھ ہی سال رحلت صحیح ہے۔ آنکہ دانش چراغ راہ یقین ست۔ نام نامی او نصیر الدین ست۔ ذات او را چراغ دہلی داں۔ بلکہ خورشید ہر دو عالم خواں۔ عمر از شصت و پنج سالہ شمار۔ بے کم و بیش اے ستودہ شعار۔ بشب جمعہ داد حق را جاں۔ ہژدہم بود از مہ رمضاں۔ شد ز دنیا چو آں نصیر زماں۔ سال نقلش "مہ بہشت" بداں۔ "شمع جمع صوفیاں" (۷۵۷) بھی آپ کی وفات کی تاریخ ہے۔ ۱۲



نقشہ دروازہ روشن مع سا کتبہ

ایک بڑا گنبد ہے۔ یہ دروازہ درگاہ کے شمال شرق کے کونے میں ہے جس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ تیمناً بذکرہ

عمارة این گنبد در عہد ہمایون الواثق باللہ ابوالمظفر فیروز شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
سال ہفصد ہفتاد و پنج از تاریخ ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بود۔

اس دروازے کا کمرہ ۱۹ فٹ مربع ہے جس کے سامنے ایک پختہ چبوترہ ۲ فٹ بلند ہر دو جانب ہے۔ آپ کے گنبد کا ارتفاع دیواروں تک ۲۷ فٹ ہے اور یہاں سے گنبد شروع ہوا ہے جس کی بلندی ۱۵ فٹ ہے اس طرح سب ملا کر ۴۲ فٹ کی اونچان ہے۔ دروازے کی منڈیر کے دونوں طرف دو برجیاں ہیں۔ دروازے سے کوئی ۴۵ فٹ شمال کی طرف ایک حجرے میں آپ کا مزار ہے جو تیس فیٹ مربع اور ۵۰ فیٹ اونچا ہے جس پر ایک گنبد ہے اور گنبد پر سنہرا کلس چڑھا ہوا ہے۔ گنبد کے چاروں کونوں پر آٹھ فیٹ بلند پتلی پتلی مینار ہیں میں چھت کے گرد کنگورہ ہے جس کے نیچے چوڑا چھجہ ہے۔ اس گنبد کے بارہ در ہیں جن میں سنگ خارا کے ستون لگے ہوئے ہیں سب دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں جنوب کی طرف ایک در میں گنبد کے اندر جانے کا رستہ ہے۔ گنبد چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ **اکبر شاہ ثانی** کے عہد میں شاہزادے **مرزا غلام حیدر** پسر اکبر شاہ ثانی نے اس گنبد کے گرد سنگ سرخ کی بارہ دری بنوادی تھی اور حضرت نظام الدین کی درگاہ کے ستون یہاں لا کر لگائے تھے مگر یہ بارہ دری ایسی بودی بنی تھی کہ دس برس کے بعد ہی گر پڑی۔ گنبد درگاہ شریف کے پاس ہی ایک مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد فرخ سیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں جس سے بننے کا صحیح حال معلوم ہو سکے۔ اگر فرخ سیر کا زمانہ لیں جو ۱۷۱۳-۱۹ء ہے۔ تو آج اس مسجد کو بنے ہوئے پورے دو سو برس ہوئے۔ اس گنبد کے پاس دو برج اور ہیں۔ ایک برج میں جو جانب غرب ہے حضرت شیخ **فرید شکر گنج** کی پوتے سوتے ہیں دوسرے میں جو شرق کی طرف ہے اس میں **مخدوم زین الدین علی** صاحب حضرت کے بھانجے کی قبر ہے۔ اس کے متصل سنگ باسی کے جالی دار حجرے میں شیخ **کمال الدین علامہ**۔ جانشین حضرت آرام فرماتے ہیں آپ کے گرد سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اس حجر

ہیں دس جالیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ آپ خلیفہ اور ہمشیرہ زادے مخدوم چراغ دہلی کے ہیں۔ نسب شریف آپ کا حضرت امیر المومنین امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما تک پونہچتا ہی۔ علم تفسیر اور حدیث اور فقہ میں علامہ مشہور تھے۔ کچھ مدت احمد آباد میں سکونت کی اور گجرات اور دکن کے لوگوں کو ارشاد و تلقین فرماتے رہے بعد ازاں دہلی تشریف لاکر تلقین خلایق کی اولاد اور خلیفہ آپکے اب تک دکن میں موجود ہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۶ میں آپنے رحلت فرمائی۔ رحمت حق تاریخ وفات ہی اور باقی بہت سی قبریں ہیں من جملہ اُن قبروں کے فیض طالب خان بنگش اور مفتی صدر الدین خاں صاحب کی قبریں ہیں۔ خواجہ کمال الدین علاقہ کے مجرے کے جنوب میں مرزا شبّو ولی عہد بہادر کی قبر ایک دوسرے اور کشادہ سنگ مرمر کے چبوترے پر بنی ہوئی ہی۔ پہلا چبوترا ۹ فٹ مربع اور اُس کے اوپر کا ۶ فٹ ۲ انچ مربع ہی۔

حضرت روشن چراغ دہلی کے مزار مبارک کے مشرق میں خواجہ طاہر کا مزار ایک جالی دار کٹہرے کے اندر ہی۔ تعویذ قبر سنگ مرمر کا ہی جس کے گرد آیۃ الکرسی ہی اوپر کلمہ طیبہ اور ایک طغریٰ یا دائماً بلا فناءٍ . . . ولازوال لملکہ عزبقاءہ ۱۲ جو سلسل پڑھا نہیں جاتا اور پائینتی یہ قطعہ کندہ ہی:۔

خواجہ طاہر خواجہ صاحب رضا	آنکہ دایم بود با جود و کرم
چون شنید از ہاتف غیب (این ندا)	کرد رحلت از جہان سوے ارم
سال فوتش مادر ایام گفت ۱۱۴۹	آہ از خواجہ محمد طاہرم

اس درگاہ کے احاطے کے اندر دو عالی شان گنبد پٹھانوں کے وقت کے ہیں معلوم نہیں کہ اُن میں کن کن کی قبریں ہیں درگاہ کے خدام کہتے ہیں کہ محرم علی صاحب چشتی نے ان گنبدوں میں کی قبروں کی جو بہت شکستہ ہوگئی تھیں مرمت کرادی ہی اور یہ بات موجودہ حالت کے نظر کرنے سے صحیح معلوم دیتی ہی درگاہ کا گنبد اور مسجد نہایت بے مرمت ہوگئی تھی خصوصاً غلام گردش کے گرنے سے جس کو مرزا غلام حیدر نے بنایا تھا گنبد درگاہ کا بہت بودا ہوگیا تھا اور خادم وہاں کے ہر شخص سے مرمت کی درخواست کرتے تھے۔ خواجہ محمد خاں نے تمام درگاہ اور مسجد اور دروازے اور

۵۱ یہ لفظ جھڑ گئے ہیں سیاق عبارت پر سے میں نے لکھ دیئے ۱۲

صحن کی مرمت اور استرکاری کروادی اور درگاہ کے گنبد کے گرد چھجہ سنگیں بنوادیا اس مرمت کی بدولت حقیقت میں سارا مکان نیا ہوگیا۔ درگاہ کی چار دیواری اور تین در کا ایک دالان شمال کی طرف اور چھوٹا سا سنگین کٹہرا مولوی فخرالدین صاحب نے بنوایا ہے اور غلام گردش جو گر پڑی تھی۔ اس کے ستون صحیح و سالم اب تک درگاہ کے سامنے پڑے ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۱۷ رمضان شریف کو ہوتا ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور رات کو رہتے ہیں اور اٹھارویں تاریخ قل کے بعد چلے جاتے ہیں۔ دروازہ کے باہر خدام نے مل کر ایک دالان بنا لیا ہے جس سے لوگوں کو بڑا آرام ہوگیا ہے درگاہ میں ایک تخت سال کی لکڑی کا ۷ء۲ تین فیٹ اونچا ایک ہی لکڑی میں ترشا ہوا رکھا ہے جس پر بہت ہی عمدہ گلکاری اور نقاشی کی ہے۔ یہ تخت دکھنی بیگ نے بنگالے سے بھیجا تھا اور اس پر یہ شعر اور عبارت کھدی ہوئی ہے: ؎

تخت چوبی نیاز دکھنی بیگ بجناب نصیر دیں محمود قدس سرہ العزیز

سنہ ۱۱۴۳ھ مطابق سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہ غازی

اس درگاہ کے پاس ایک بستی آباد ہے جس میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ گرد اس بستی کے محمد شاہ بادشاہ نے فصیل بنوادی جس میں چار دروازے اور ایک کھڑکی ہے کہتے ہیں کہ اس فصیل پر پورے چار لاکھ روپیہ خرچ ہوئے۔ گو یہ فصیل بہت پختہ مستحکم اور بلند ہے مگر پھر بھی اُس ارزانی کے زمانے میں اتنا زرِ خطیر صرف ہونا قرین قیاس نہیں ہے۔

جو کچھ بیان درگاہ شریف کا اوپر لکھا گیا اُس پر میری طرف سے یہ اضافہ ہے کہ آپ کے گنبد کا فرش سنگ مرمر کا ہے اور مزار منور کے گرد ایک نہایت مصفی اور مجلی کٹہرا سنگ مرمر کا لگایا گیا ہے جس کی نو جالیاں ہیں دسویں جالی پر ذیل کا کتبہ بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے۔

"گزرانیدہ غلامان غلام فدوی محی الدین خاں
شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ بستم رمضان المبارک
سنہ ۱۳۰۳ ہجری"

اس کٹہرے کا طول و عرض ۸ فٹ ۱۰ انچ × ۷ فٹ ۱۰ انچ اور بلندی ۵ فٹ ۸ انچ ہی یہ فرش اور کٹہرا حیدرآباد دکن کے امیر کبیر مرحوم مغفور نے بنوایا تھا جس سے رونق مزار مبارک کی اضعافاً مضاعفہ بڑھگئی درگاہ میں کچھ ایسی شفافی اور جلاے ظاہری ہی جو نظر میں کھبی جاتی ہی اور شفاء الصدر اور جلاے باطنی کی طرف منجر ہوتی ہی۔ حضرت کے مزار مہبط الانوار کے سراہنے ایک قلمی قرآن شریف ۲ فٹ ۱/۲ ۷ انچ × ۱۰ انچ رکھا ہی جس کے آخر پر یہ لکھا ہو۔ "نوشتہ سید سلطان علی ولد سید فیض علی بن سید محمد علی ساکن قصبۂ فریدآباد بتاریخ ۲۷ ذیقعد سنہ ۱۲۱۰ ہجری" ایک صاحب رحیم بیگ نامی نے ۱۳۰۴ھ میں ایک نہایت خوش خط رباعی آئینہ دار چوکھٹے میں لگا کر نذر گزرانی ہی جو سراہنے آویزاں ہی:۔

اللہ اکبر　　تعالیٰ شانہٗ　　عزّ اسمہٗ

غلام بخت بلندش ایاز مقصود است　　کسیکہ ہمتِ او چوں نصیر محمود است
شب حصولِ وصولِ خدا بمعراجش　　کمینہ منزل وادنیٰ مقام محمود است

اب ساری عمارات اندرون درگاہ عمدہ حالت میں ہیں اور نئی مرمت ہوئی ہی۔ حضرت کے گنبد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہوں گی مگر اب تو اُن پر اس قدر سفیدی کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں کہ وہ گچ ہی کی معلوم دیتی ہیں۔ صحن درگاہ شریف میں ایک کھرنی کا بڑا بھاری بہت پھیلا ہوا بہت پُرانا درخت دور دور اپنا سایہ پھیلائے ہوئے ہی۔ جس کی سبزی اور تروتازگی نظروں میں کھبی جاتی ہی اور نظر میں نور دل میں سرور پیدا کرتی ہی۔ کہتے ہیں کہ یہ اُسی زمانے کا ہی کہ جب درگاہ مقدس بنی تھی۔ اور غالباً ایسا ہو گا بھی۔ احاطۂ درگاہ کے دروازے کا گنبد بہت مشتین اور اداؤ کا ہی جس کے دونوں جانب لمبی لمبی کشادہ شہ نشین ہیں۔ حضرت علاوہ درویشی کے بڑے ذی علم تھے۔ شریعت کے بدرجۂ غایت پابند۔ سماع مزامیر وغیرہ ممنوعات شرعیہ سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ کبھی کبھی اشعار بھی فرمایا کرتے تھے مگر وہ بھی عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک غزل آپ کی جو بہت مشہور اور لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہی تبرکاً لکھتا ہوں:۔

بے کارم و باکارم چوں مد بحساب اندر　　خاموشم و گویانم چوں خط بکتاب اندر
اے زاہد ظاہر بیں از قرب میرس از من　　او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر

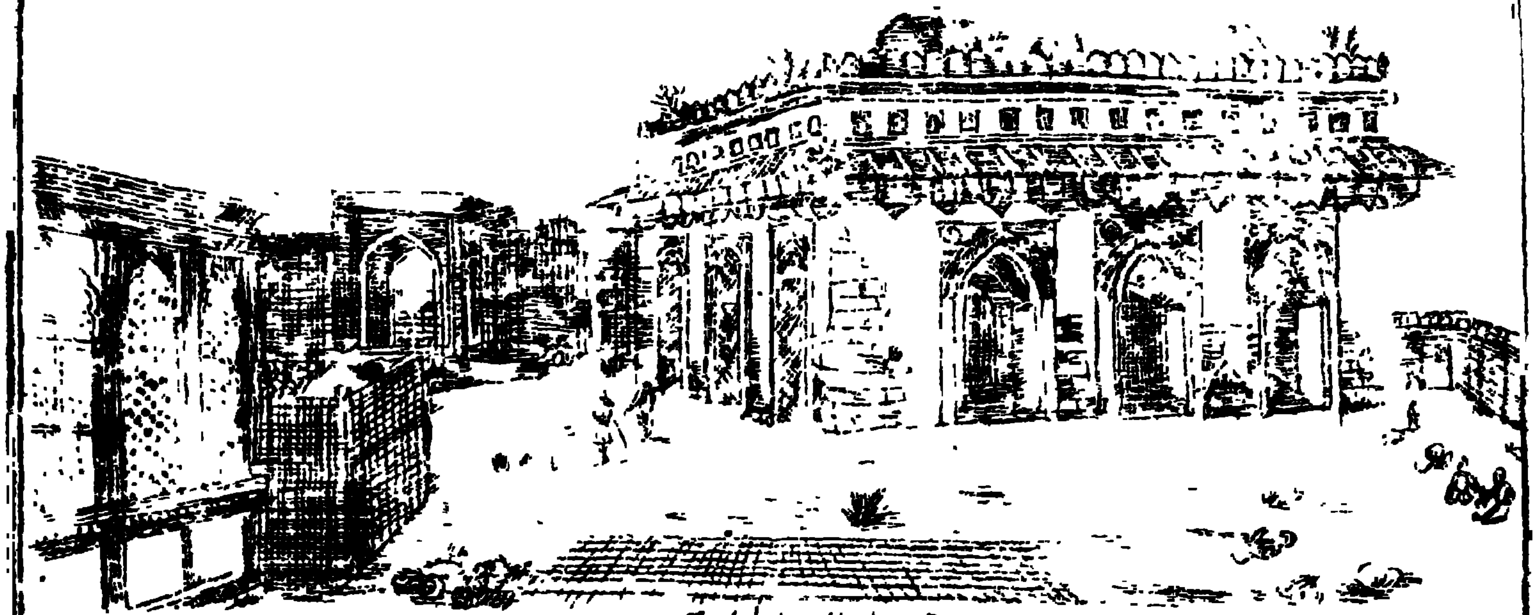
بیا سوئے تو چشم لب تر نشود ہرگز زیں تشنہ چرا آرم تشنہ ست بآب اندر
در عجم گلشاداں از غایت خود غافل گہ خندم و گہ گریاں چوں طفل بخواب اندر

در سینۂ نصیر الدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت کی جہاں درگاہ ہے وہ آبادی بھی آپ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی سے مشہور ہے۔ قطب روڈ کے آٹھویں میل پر سے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے ڈیڑھ میل وہ خام رستہ طے کرنے کے بعد آپ کے در دولت پر حضوری نصیب ہوتی ہے۔ راستہ ناہموار، خراب اور پتھریلا۔ اتنی بڑی زیارت گاہ مرجع خلایق اور متبرک وارد اسی سبب سے لوگ کم فیض یاب ہوتے ہیں۔ بستی کے قریب وہی نالہ رواں ہے جس پر کہ ست پلہ ہے بستی کے گرد ایک بڑی وسیع عظیم الشان اور نہایت مستحکم فصیل ہے جو اب تک زمانے کے حوادث کا مقابلہ کر رہی ہے اس کے چار عالی شان سر بفلک دروازے ہیں پھر ایسی فصیل پر اگر چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تو کیا کچھ بے جا اندازہ ہے۔ اب اس فصیل کا کچھ کچھ حصہ جابجا سے گرنا شروع ہو گیا ہے پھر بھی ابھی اس کے گرنے کو صدہا برس چاہییں۔ بستی کے اندر جانے کا دروازہ اسی فصیل میں ہے لیکن جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا دروازے کے سامنے بڑے بڑے پتھروں کی ایک پٹ بنی ہوئی تھی اس کے پتھر جابجا سے اکھڑ جانے سے پیدل تو خیر مگر کوئی سواری نہیں جا سکتی۔ قطب صاحب کی سڑک کے دو طرفہ دور دور تک جہاں تک نظر جاتی ہے گنبد ہی گنبد اور کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں، اور سڑک چھوڑ کر دو میل جو ہم پیادہ پا گئے تو ادھر ادھر مبارک پور۔ کھیڑ پڑہ۔ کالو سرائے۔ کھڑکی۔ بیگم پور۔ شاہ پور جٹ۔ زمرد پور (سرائے شاہجی یہ موضع اب اجاڑ ہے) کی بستیاں تھیں۔ ان میں بھی عمارات قدیم کثرت سے ہیں پھر رستے میں سرائے شیخ کی بستی ملی جس کو شیخ علاء الدین اور شیخ صلاح الدین حضرت بابا فرید شکر گنج کے پوتوں نے جو سکندر بہلول لودھی کے زمانے میں (سنہ ۱۵۱۰ء) آئے تھے آباد کیا تھا۔ اس سے کوئی دو تین فرلانگ پر روشن چراغ دہلی کی بستی اور درگاہ ہے۔ غرض یہ کہ سارے کا سارا وسیع میدان جو کوسوں تک چلا گیا ہے عمارات سے پٹا پڑا ہے جن میں سے بہت سی گر گئیں

کچھ اب گرنے کو ہو رہی ہیں اور کچھ اپنی حالت پر کھڑی ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں
ہل پھر گیا اور کھیت ہی کھیت ہو گئے مگر کوئی کھیت ایسا نظر نہ آیا جس میں عمارتوں کا
نشان نہ پایا جائے کچھ نہیں تو اینٹوں کے ٹکڑے۔ روڑے۔ چونے کے ڈلے
اب تک کثرت سے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ حصہ مجھے بہت تباہ اور ویران معلوم ہوا اور
زیادہ ترکس مپرسی کی حالت میں ہے کئی گنبد ایسے نظر آئے کہ اچھے خاصے ہیں مگر ہم اندر
نہیں جا سکتے۔ پاس جا کر دیکھا تو دروازے چن دیے گئے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ
کسی جاٹ صاحب کے قبضے میں ہیں کسی نے اوپلے بھر رکھے ہیں تو کسی نے بھوسہ۔ کیا خدا
کی شان ہے۔ گنبد کس کا اور قابض و متصرف کون ع آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت
یہاں کے لوگ کسی ہندو ڈپٹی صاحب کا نام لیتے ہیں کہ انھوں نے بوقت بندوبست
قبضہ قابضین کا بحال رکھا یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسی جائداد و ہر کسی کا قبضہ جائز طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی قابض
ہو سکتا ہے تو گورنمنٹ نہ کہ ما و شما۔ اگر لارڈ کرزن کا زمانہ کچھ دن اور رہتا تو اُن
قابضین کی قلعی کھلتی۔ راقم کے نانا مولوی عبد القادر صاحب نے پنجابی کٹھرے کی
مسجد کا جس کے وہ امام تھے معاوضہ طلب کیا تھا کہ وہ حدود ریلوے سٹیشن دہلی
میں آ گئی تھی تو سرکار نے اُن کو ٹکا سے کورا جواب دے دیا کہ مسجد شاہی تھی کچھ تمہاری
ملک نہ تھی تم خواہاں معاوضہ کون اور یہ جواب ایک حد تک معقول و مسکت تھا بجنسہ
یہی حالت ان گنبدوں کی ہے۔ ورنہ جاٹ کیا اور یہ گنبد کیا۔ درگاہ شریف کے اندر مکانات
کا حال ہم لکھ چکے اب بستی کے حصار کے اندر جو چند عمارتیں قابل الذکر ہیں اُن کا
مختصراً بیان کرتے ہیں:۔

دو نامعلوم گنبد درگاہ کے شمال میں بیرون احاطہ درگاہ مگر حصار مسجد کے
اندر فصیل کے بالکل قریب ایک ہی وضع قطع کے دو گنبد
ہیں جو پٹھانوں کے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں بیس بیس فیٹ مربع ہیں
کلس ٹوٹ گئے۔ امتداد زمانے سے باہر سے کالے پڑ گئے۔ ہر چہار طرف
کھلتے ہیں۔ قبریں دونوں میں نہیں۔ جو لوگ ان میں رہتے ہیں قبریں اُن کی بود و
باش کی گنجائش میں خلل انداز ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ قبروں کو توڑ تاڑ کر بیاباں
میں سے بھرتی کر کے قبروں کو دبا دیا۔ اوپر سطح ہموار نکل آئی۔ تدبیر تو اچھی کی۔ ایک



مقبره سلطان بہلول لودهی

جند کے اندر تو ہم جا ہی نہ سکے کہ کسی کا زنانہ تھا۔ باہر سے ہی دیکھ لیا۔

جلال الدین خلجی کی نا تمام مسجد ۶۹۵ھ ۱۲۹۰ء

درگاہ کے غرب میں بڑی بھاری عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ علاء الدین خلجی نے بنوائی تھی اور ناتمام رہ گئی۔ اب وہ ساری ہی گر چکی ہے تو ہم اس کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نا تمام تھی یا ادھوری رہ گئی تھی۔ مسجد کے سامنے صحن ہے جو اب خام ہے اور اس پر بہت سی قبریں ہیں۔ اوپر دار چھت سپاٹ ہے نہ گنبد نہ مینار۔ اندر سے البتہ گنبد دار لداؤ چھت ہے۔ مسجد تین در کی ہے ۸۳ x ۲۳ ہے اور بلندی ۲۷ ہے اور یہی بلندی محرابوں کی ہے چھت پر جانے کا (۲۰) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چھت پر کی کنگورے کی منڈیر گر گئی ہے صحن مسجد جس طرح آگے ہے پیچھے بھی تھا۔ مسجد کے گرد فصیل نما کنگورے دار احاطہ تھا وہ بھی جا بجا سے گر گیا ہے۔ داہنی طرف کے در کی چھت بیٹھ گئی ہے۔ زینہ ادھر بھی تھا۔ اندر باہر کا سارا پلاسترجھڑ کر خالی پتھر نکل آئے ہیں۔ مسجد کے اندر باہر کہیں پختہ فرش نہیں رہا۔ مسجد بہت بری حالت میں ہے علاوہ مویشیوں کے باندھے جانے کے لوگ بھی غلاظت پھیلانے میں کمی نہیں کرتے۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس مسجد کی یہ حالت ہے!

مقبرہ سلطان بہلول لودھی ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

جسم یوں روح سے لگا کہنے تن سے جب ہم گئے بے قرار چلی
چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج حیف اے جان غمگسار چلی

سکندر لودھی پسر بہلول لودھی نے یہ مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا اور موضع بدھولی سے اپنے باپ کی نعش لاکر یہاں دفن کی۔ یہ مقبرہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک باغ کے اندر ہے جو دھ باغ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مقبرہ ٹھیک مربع ہے جس کے تین طرف در ہیں جن کے بارہ ستون آٹھ فیٹ اونچے اور دو فیٹ مربع سنگ سرخ کے ہیں محرابوں کی پیشانی پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں جن کے اوپر ایک سنگین چھجا ہے چھت پر ایک سنگین اور مستحکم منڈیر ہے۔ چھت زمین سے ۲۸ آ بلند ہے گنبد کے اندر سنگ سرخ کے چوکوں کا فرش ہے۔ قبر کا تعویذ نقش و نگار سے آراستہ ہے جس کا رنگ امتداد زمانہ سے بھورا ہو کر سیاہی مائل ہو گیا ہے۔ بابر نے اپنے وقائع میں لکھا ہے کہ دہلی کے فتح

کرنے کے بعد وہ سلطان بہلول اور سکندر لودھی کے مقبروں اور باغوں میں گیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب جہاں چٹیل میدان ہے وہاں باغ بھی تھے۔ اس مقبرے کے اوپر نہایت خوب صورت پانچ برجیاں چونے گچ کی ہیں۔ جن میں بیچ کی برجی اوروں سے اونچی ہے دہاری دار کمر کی وضع کا ہے۔ اب اس گنبد میں حضرت روشن چراغ دہلی کے خدام رہتے ہیں۔ اس مقبرے سے چند گز کے فاصلے پر ایک ہشت مربع مجر سنگ سرخ کی جالیوں کا ہے اور عام خیال ہے کہ اس میں جو قبریں ہیں وہ وزراے بادشاہان خاندان لودھی کی ہیں اٹاوے سے دلی آتے ہوئے بہلول لودھی نے رستے میں انتقال کیا۔ تاریخ خان جہان لودھی میں لکھا ہے کہ بادشاہ نے موضع ملاوی میں انتقال کیا۔ مگر تاریخ داؤدی میں قصبہ جلالی (ضلع علی گڈھ) میں وفات پانا درج ہے۔ بادشاہ کی نعش اُس کا بیٹا نظام خان الملقب بہ سکندر لودھی دلی لایا اور درگاہ روشن چراغ دہلی کے پاس اس مقام پر دفن کیا جہاں کہ اب ہے۔ یہاں سے درگاہ روشن چراغ دہلی کی فصیل جو محمد شاہ بادشاہ نے ۱۱۴۲ھ میں بنوائی تھی وہ اور اس کا ایک دروازہ نہایت خوشنمائی سے دکھلائی دیتا ہے۔

گیارہ دری

اب یہی مقام گیارہ دری کے نام سے شہرت پا گیا ہے اس کا ایک دروازہ درگاہ کے صحن میں بھی نکلتا ہے۔ جو وہ باغ جس کا اوپر ذکر آیا ہے اُس کا تو اب نشان بھی نہیں رہا۔ ایک زمانے سے اس مقبرے میں درگاہ کے لوگ مع اپنے اہل و عیال کے مستقلاً سکونت پذیر ہیں اور چوں کہ مسلمان اور پردہ دار ہیں کسی کا اندر جانا بھی مشکلات سے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عمارت نہایت شان دار اور بہت بنی ہوئی ہے اور ساری لداوی ہے۔ گنبد اور مقبرے کا طرز جا کر بارہ دری سے کے مشابہ ہے۔ تین طرف تین تین در ہیں۔ پشت پر یعنی بجانب غربی صرف دو در ہیں اسی سبب سے گیارہ دری مشہور ہے۔ اور اس سے ملی ہوئی وہ مسجد ہے جس کا ذکر اوپر آیا۔

مزار سرنالہ

یہ گنبد اور مزار درگاہ روشن چراغ دہلی کے نیچے نالے کے اوپر واقع ہے۔ ہر چند تحقیقات کی گئی کہ یہ کس کی قبر اور کب بنی ہے اور کس نے بنائی ہے کچھ معلوم نہ ہوا مگر یہ بھی ایک فضا کا مقام ہے نالے کے

لہ آثار الصنادید میں موضع بہد ولی نواح سنبھل میں مرنا لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب ۱۲



ہوا ہے۔ جب کبھی نالے میں پانی بہتا ہوگا تو یہ جگہ بھی نہایت سیرگاہ ہوگی۔ یہ برج مع ستون اور فرش وغیرہ کے سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اس پر بہت خاصی منبت کاری بھی کی ہے۔ ہیئت مجموعی اس مکان کی خالی از لطافت نہیں۔ اس برج کی وضع اور ساخت اور خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اوپر جس مسجد کا ہم ذکر کر آئے ہیں اُس کے غرب میں بستی کی فصیل کے باہر مگر بالکل ملی ہوئی یہ عمارت ہے جسے سرسید مرحوم نے مزار میر نالہ لکھا ہے مگر اس کا طرز عمارت بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی خانقاہ تھی۔ جس نالے کے اوپر ایک بلند ٹیلے پر ایک وسیع اور پختہ چبوترا بنا کر خانقاہ بنائی گئی تھی وہ نالہ کھڑکی بند کہلاتا ہے اور اسی ست پلہ ہو کے نالہ فیروز شاہ کی شکارگاہ سے آتا ہے اور اب بھی بستی کی فصیل کے برابر رواں ہے۔ چبوترے کی بندش ڈھ گئی ہے مگر شکل باقی ہے۔ یہاں جو عمارت ہے اس کے بھی بارہ در ہیں اور چھت لداؤ کی ہے۔ گو بارہ دری مختصر ہے مگر بڑی خوش نما اور سڈول ہے۔ ولے برحال ما کہ کسی جاٹ نے سارے در بن گھڑے پتھروں سے چن کر اُپلے بھر دیئے ہیں جس کے سبب ہم اندر نہ جا سکے۔ یہ بارہ دری مربع ہے۔ باہر سے ہی دل کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے اندر کی حالت خدا ہی جانے۔ چبوترے پر متعدد پرانی پرانی قبریں ہیں۔ شمال میں ایک لداؤ دالان تھا جس کی چھت کی دیوار اور کچھ حصہ پاکھے کی دیوار کا کھڑا ہے۔ چھت کا بھی تھوڑا حصہ باقی ہے۔ طرز عمارت پٹھانوں کے عہد سے مختلف اور زیادہ نزاکت لیئے ہوئے ہے۔ پلاستر بھی سیاہ نہیں ہوا بلکہ سفید ہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹھانوں کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

بھوتلا گنبد حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے شمال میں نالے کے اُس پار ایک گنبد بارہ در کا سنگ سرخ کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے یہ برج ۲۲ فٹ مربع ہے کرسی اس کی تین فیٹ ہے۔ گرد فصیل نیم پختہ احاطہ ۱۰۰ فٹ × ۹۰ فٹ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور احاطہ بیرونی بھی تھا جو گر گیا۔ اندرونی احاطے میں بجانب غرب ساٹھ فیٹ لمبی اور ۱۰ فٹ۔ [illegible] اونچی کنگورے دار دیوار کھڑی ہے جو ایک ضلع اندرونی احاطے کے عرض کا ہے جو قناتی مسجد کی دیوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے پشتی بان بھی لگے ہوئے ہیں اور طاق طاق بطور محرابچوں کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر دو قبروں کی ادھ کی سلیں اکھڑی پڑی ہیں ایک سیدھی ہے دوسری اوندھی۔ ایک کے

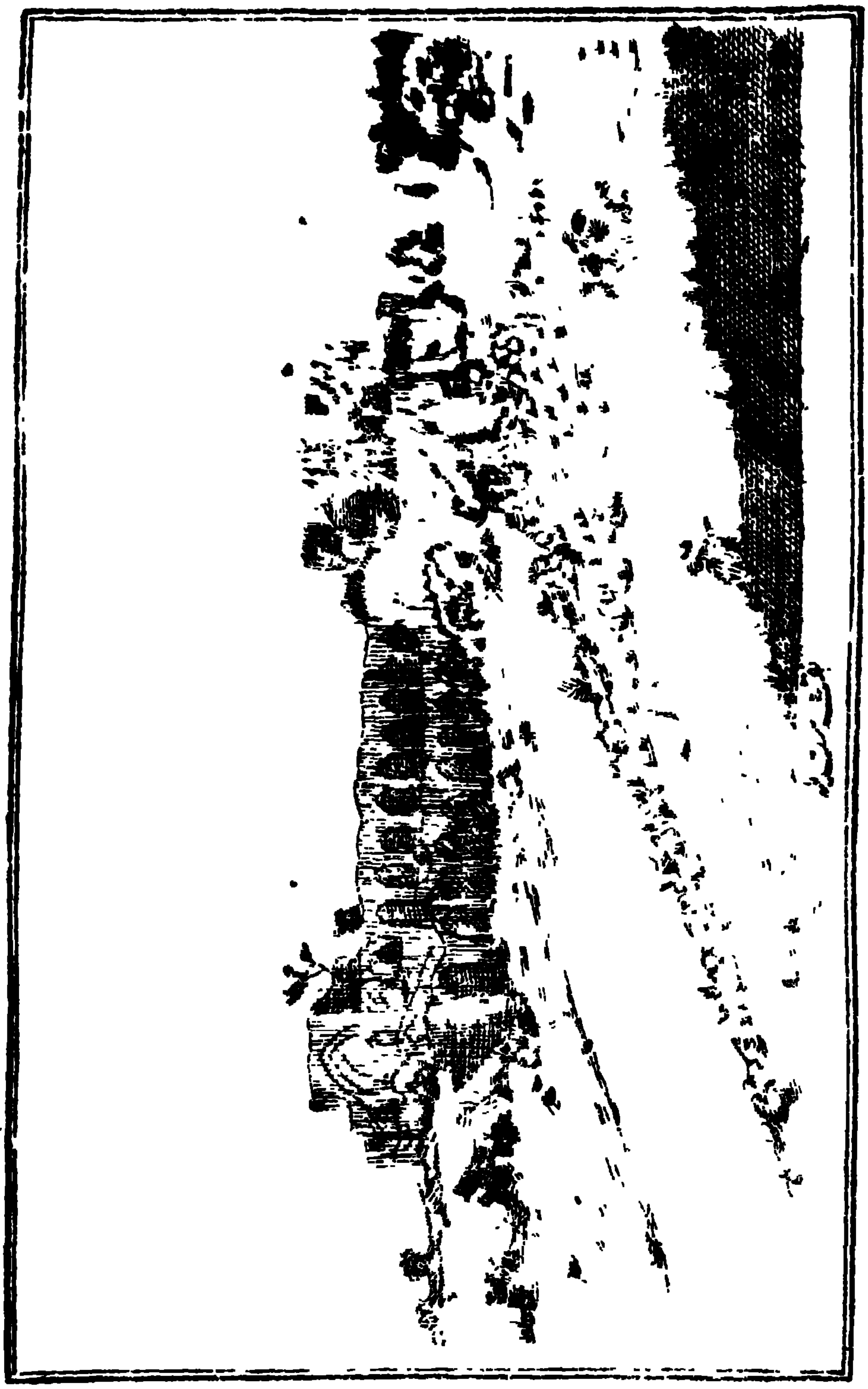
اوپر کی طرف الله الله اور اوپر ہی حدول کے طور پر آیتہ الکرسی منقوش ہو۔ دوسری صندوقی پڑی ہو اور بہت بھاری سل ہو اُٹھائے نہ اُٹھ سکی مگر یہ وہ اسی کے جوڑ کی اور اس پر بھی اسی قسم کا کتبہ معلوم دیتا ہو۔ قبر کی جگہ اب گڑھا ہو۔ خوب دل کھول کر گہرا کھودا ہو۔ قبر کے ساتھ فرش بھی کھود ڈالا ہو کمپونڈ کا صحن پختہ تھا وہ بھی اُکھڑ پکھڑ گیا کمپونڈ کا صدر دروازہ شرق رویہ ہو اس کمپونڈ میں متعدد قبور ہیں۔ اس گنبد کے دور دور تک کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہو کہ گنبد کے گرد اور عمارتیں تھیں جو گر پڑ گئیں۔ یہ گنبد بھوتلا گنبد اس وجہ سے مشہور ہو کہ اس ویرانے میں بس یہی ایک عمارت رہ گئی ہو۔ یہاں کا بھیانک سماں ایسا ہو کہ بھوتلا گنبد کہنا کچھ بیجا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ جلال الدین خلجی کا ہو لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ خود جلال الدین خلجی کا مزار بے نشور ٹھکانے ہو کہ آج تک اُس کا مقام محقق نہیں ہوا۔ ایسے بڑے نامی گرامی اولوالعزم بادشاہ کا مزار یوں معرض گمنامی میں ہو تو وائے برحال ما و شما۔ اسی گنبد کے پاس بجانب مغرب قلعہ سیری کا گھوگس ہو جس کی شکستہ فصیلوں اور برجوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہو اور یہ سارے کا سارا خطہ تباہی اور ویرانی کا ایک وحشت خیز منظر ہو۔ جہاں یہ گنبد ہو وہاں سے شرق کی طرف کوئی ایک میل کے فصل سے ومرد پور کی بستی ہو۔ اس گنبد کے شمال میں اور ایک شکستہ چار دیواری میں بھی پرانی پرانی قبریں ہیں

نمرداں کہ مانندیس از وے بجاے ہل و مسجد و چاہ و مہماں سرائے

ست پلہ ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء

ست پلہ موضع کھڑکی کی سرحد میں ہو۔ درگاہ روشن چراغ دہلی کے قریب یہ پل محمد عادل تغلق شاہ نے ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء میں بنایا۔ یہ درحقیقت ایک قسم کا

سلہ آثار الصنادید مطبوعہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں تو ست پلے کو محمد تغلق شاہ ہی کا بنایا ہوا لکھا ہو مگر ایڈیشن ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں اس کا بانی فیروزشاہ کو بتلایا ہو حالاں کہ انگریزی کتابوں میں بھی روایت اول ہی لی گئی ہو۔ اگر ست پلے کو فیروزشاہ کی تعمیر خیال کیا جائے تو اُس کا قصہ یوں ہو کہ فیروزشاہ کا بیٹا فتح خاں جو بہت عقلمند اور نہایت لائق تھا ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء میں مر گیا۔ بادشاہ کو اُس کے مرنے سے اتنا غم ہوا کہ اپنے جینے کو مرنے سے بدتر جانتا اور بادشاہی کو گدائی سے کمتر سمجھتا کسی کام میں اُس کا دل نہ لگتا اور سلطنت کے انتظام میں خلل پڑتا۔ امیروں نے بہت سمجھایا اور اس غم کے بھلانے کو یہ بند بنلایا۔ بہت اچھا و سیع محل کہ شاہ محل دیکھ کر کئی کوس کے فاصلے پر ... میں ... کے درخت ... کر شکار گاہ بنائی۔ آن ہی کی (تقید ...)



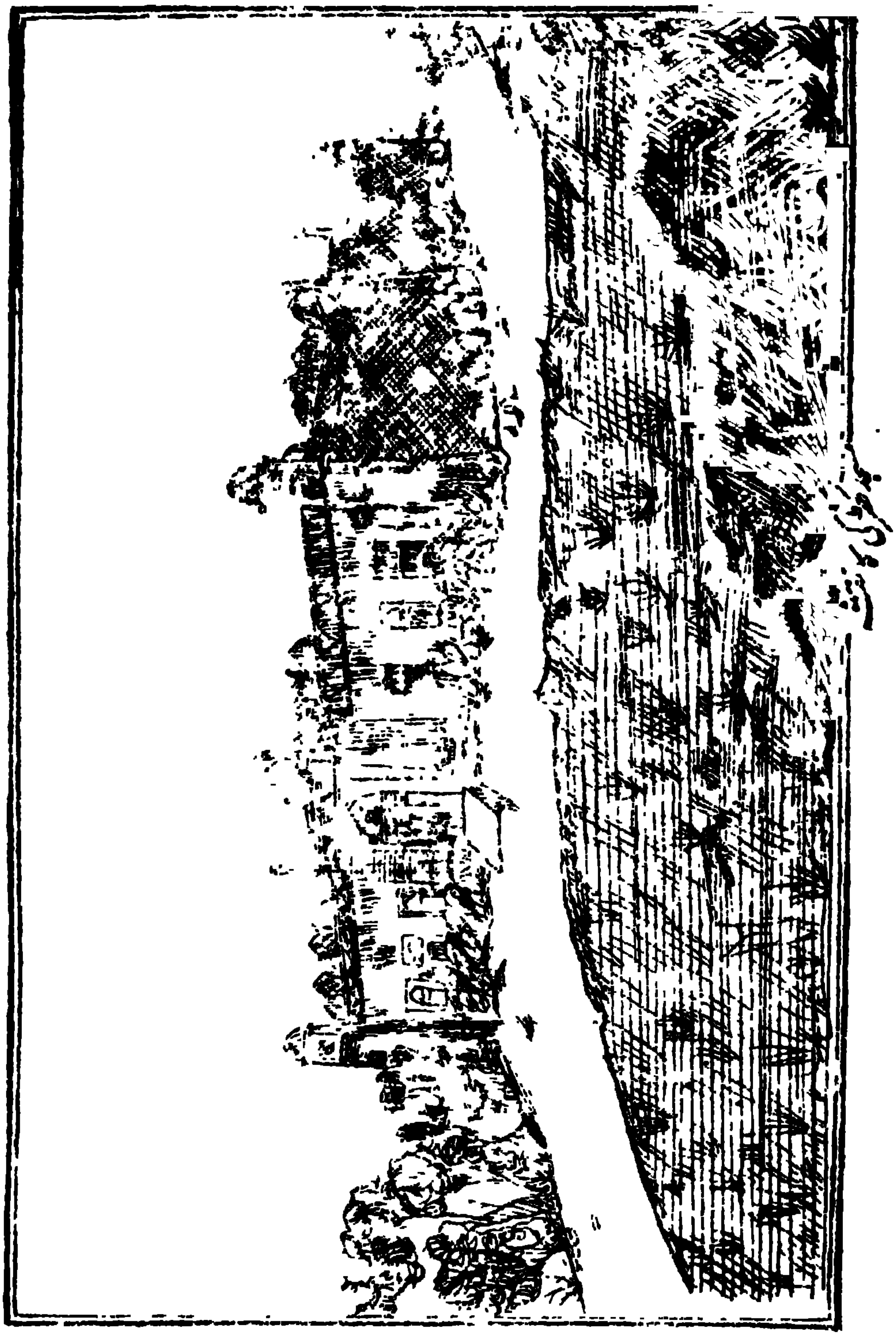
بند ہے جس سے دور دور کے پانی کو روک کر نالے کے بیچ میں یہ پُل سات در کا نہایت پختہ اور مضبوط ۱۸ فٹ اونچا باندھ دیا ہے اور اسی وجہ سے ست پلہ مشہور ہے۔ درمیانی تین در گیارہ گیارہ فیٹ اور باقی ۸ ۸ فیٹ عریض ہیں۔ پُل کی لمبائی ۱۱۷ ہے اور دونوں سرے کے دروازے ملا لیں جو ۱۸ فٹ چوڑے ہیں تو پل کی پوری لمبائی ۲۰۲ ہوگی۔ پل کے اوپر بھی مکان بنے ہوئے ہیں اور دروازے بہت خوش نما بنائے ہیں۔ ان برج دار دروازوں کی وضع دروازے علائی عہد کی سی ہے جو ۱۲ فٹ لمبے اور بیس فیٹ سے کچھ ذرا ہی زیادہ اونچے ہیں۔ ان برجوں میں ایک ایک ہشت پہلو کمرہ ہے اور ان کمروں کے بیچ میں ایک ایک طاق بھی بنا ہوا ہے۔ مشرقی محراب جس کے بیچ میں ایک دروازہ ہے سات فیٹ چوڑی اور چور دروازہ سوا فیٹ چوڑا ہے۔ اور اس میں بھی طاق بنے ہوئے ہیں۔ پُل کے دونوں دروازوں کے سامنے ایک ایک چبوترا ۵۵ مربع پل کی سطح کے برابر ہے مگر سطح زمیں سے ۱۴ فٹ اونچا ہے دو دو دروں میں ایک ایک محراب بھی ہے جو چودہ فیٹ اونچی اور گیارہ فیٹ چوڑی ہے۔ پُل کے دونوں طرف سطح زمیں کے برابر دونوں طرف کھلی محرابیں ہیں۔ جن میں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے۔ بعض بعض جگہ سے دیوار گر پڑی تھی تو سرکار کی طرف سے کچا بند باندھ دیا گیا تھا اور دروں کو بند کر کے پانی روک دیا۔ تمام کھیتیاں اسی پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور زمینداروں کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر حضرت روشن چراغ دہلی کے خادموں نے اپنی کمائی کا عجیب ڈھنگ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ اس بند کے در ہیں اس مقام پر ایک دفعہ حضرت روشن چراغ دہلی تشریف لائے تھے اور عصر کی نماز کا وقت تنگ ہوتا اور پانی نہیں ملتا تھا۔ آپ نے اس مقام پر زمیں کو کریدا فوراً پانی نکل آیا جس سے آپ نے وضو کیا اور یہ دعا دی کہ جو کوئی اس پانی سے نہائے گا وہ تمام بیماریوں سے شفا پائے گا اور اس بات کو کرامات ٹھیرا کر ان دروں کے آگے ایک چھوٹی سی کوئیاں کہ جس کا پانی شرعاً بھی پاک نہیں کھود رکھی ہے اور بے نذر بھینٹ لیے اس کا پانی کسی کو نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک دیوار ہے۔ اس دیوار کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا نالہ ہے کہ قطب صاحب کی امریوں اور تمام نالوں کا پانی مل کر اس نالے میں بہتا ہے۔ اس واسطے اس دیوار کے بیچ میں نالے کے بہنے کو پُل کے طور پر در بنا دئے ہیں۔ ۱۲

دیتے۔ یہ بات اوّل تو کسی روایت سے ثابت نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی ہو تو شلغم نالے میں ذرا سا کھود لینے سے بالعموم پانی نکل آتا ہے غرض مسلمانوں نے بھی اس جگہ کو ایک تیرتھ مقرر کیا ہے اور بیماروں کو اُس پانی سے نہلاتے ہیں۔ کاتک دا کتوبر کے مہینے اور دیوالی کے قریب اتوار منگل کے دن اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں۔ عورتیں بچوں کو لے کر آتیں اور اس پانی سے نہلاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی ٹھلیوں میں پانی بھر اور سرس کے پتے رکھ تبرک لے جاتی ہیں۔ اور لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہاں کے پانی سے آسیب جن۔ جادو اور بھوت پریت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خادموں کی بن آتی ہے چھ ٹکے سے کم پانی کی ٹھلیا نہیں دیتے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرک و کفر سے بچائے اور اعتقاد فاسد سے نجات دے جس کسی نے اللہ کے سوا دوسرے کو پوجا اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنے دین کو کھویا۔

کھڑکی کی مسجد
۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء

ست پلے کے پاس قدیم زمانے میں ایک گاؤں ہے جو کھڑکی کہلاتا ہے اس مقام پر خان جہاں فیروز شاہی۔ جب کہ یہ پل بنوایا تھا ۷۸۹ھ میں ایک مسجد بنوائی تھی جو ایک عظیم الشان قابل دید عمارت ہے اور ایک مقام مرتفع پر سیاہ رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ہے جس پر گچ کا پلاستر ہے جو اب استداد زمانے سے بالکل کالا پڑ گیا ہے اس تبدیل ہیئت نے اس مسجد کی ظاہری حالت میں اور عظمت اور وقار پیدا کر دیا ہے یہ عمارت چوکھونٹی اور چاروں طرف مربع کے ضلعوں کے بیچ میں ایک ایک مربع بطور تاج کے نکلا ہے سہ منزلہ گاؤدم اور ایک ایک برج چاروں تاج کے مربعوں پر ہے جو پچاس پچاس فیٹ بلند ہے اور مسجد میں نو جگہ ملے ہوئے نو نو برج بنائے ہیں اور ہر ہر برج کے تلے چار چار ستون ہیں اور اس کے سوا اور بھی بہت سے ستون جا بجا لگے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل سب سے نیچی ہے اور دوسری منزل کی چھت مسجد کے فرش کے متوازی ہے اور تیسری منزل اس چھت کے اوپر دار ہے مسجد کے تین بڑے بڑے عالی شان دروازے شمال جنوب و مشرق میں پٹھانوں کی عمارات کے طرز کے بنے ہوئے ہیں جو مسجد کی دیوار سے ۲۴ کے فاصلے پر ۱۰ فٹ اونچے ہیں شمالی دروازے میں چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں ہر دروازہ



پر ایک لداؤ کا گنبد ہے جس کی چھت پر بھاری منڈیر ہے اور بیرونی کونوں پر آٹھ فٹ اونچی منارے ہیں۔ مسجد کی مشرقی مغربی اور جنوبی دیواروں میں کھڑکیاں ہیں جن میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے کے دونوں طرف اس قسم کی چھ چھ کھڑکیاں ہیں اور اسی قسم کی کھڑکیاں دروازے کے داہنی اور بائیں طرف کی دیواروں میں بھی ہیں۔ مغربی دیوار کے وسط میں مسجد کی بڑی محراب ہے یہ جگہ شمال سے جنوب کو (۲۰) فٹ اور مشرق سے مغرب کو (۱۹) فٹ ہے اور اس دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ حصہ اول (۱۵) فٹ بلند ہے جس میں پست اور گہرے حجرے ہیں اور دوسری منزل (۲۲) فٹ بلند ہے جس میں (۹) چھوٹے چھوٹے گنبد سادی وضع کے نہایت مستحکم بنے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل کی دیوار کا اثار (۷ فٹ) ہے اور بالائی منزل کی دیوار کا آثار ۵ فٹ اور اس طرح جوں جوں بلندی ہوتی جاتی ہے آثار کم ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر پہنچ کر دو ہی فٹ کا آثار رہ گیا ہے۔ یہ تمام عمارت سوائے شمال و مشرقی رُخ کے اب تک اچھی حالت میں ہے اس کونے کی چھت گر گئی ہے۔ یہ نقصان مسجد کی عمارت کے نقص کی وجہ سے نہیں پہنچا بلکہ (۱۳۲) برس ہوئے آئے کہ مسجد کے اس حصے میں گاؤں والوں نے چارہ بھر رکھا تھا جسے کسی نے آگ لگا دی جس کی وجہ سے یہ حصہ منہدم ہو گیا جب سے ویسا ہی پڑا ہے۔ یہ عمارت مال مسالے کے اعتبار سے بالکل کالی مسجد کی وضع قطع کی ہے اور اس کا طرز بھی مصری ہی ہے۔ کلاں مسجد برج ملا کر (۱۳۶ فٹ) لمبی ہے اور یہ مسجد برجوں سمیت طول میں (۲۰۱ فٹ) ہے۔ کلاں مسجد کی شکل قائم الزوایا متوازی الاضلاع ہے اور یہ مربع۔ کالی مسجد میں وسط عمارت میں ایک دالان ہے اور اس میں چار دالان ہیں۔ اس مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا وسیع ہال نظر آتا ہے جس کی بہت بڑی بھاری چھت علاوہ دیوار دوز ستونوں کے دوسرے ستونوں کی چودہ قطاروں پر ٹکی ہوئی ہے تمام مسجد میں سینکڑوں ستون ہیں کہ گنتی میں نہیں آسکتے مسجد کے صحن میں چار چار چوک تیس تیس فٹ مربع ہیں۔ مسجد کی پہلی منزل میں (۱۰۴) محراب دار حجرے ہیں جو نو نو فٹ مربع ہیں علاوہ اس کے نیچے بھی حجرے ہیں جو کل ملا کر تعداد میں (۱۱۲) ہیں جن میں سے اکثر کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوئے ہیں اور بعض میں مٹی اٹ گئی ہے۔ قریب (۱۴۲) برس کے گذرے ہوں گے کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں جو انقلاب عظیم ہوا اس

وقت موضع کھڑکی کے گوجروں نے اسی مسجد میں پناہ لی تھی اور پھر مدتوں اسی میں رہے سہے اور اپنی بود و باش کے لیئے جا بجا در بند کر کے اپنے گھر بنا لیئے تھے۔ آخر کار حکام مقامی نے اسے خالی کروالیا۔ بہتر برس پہلے مسٹر سائے۔ نابرٹسن نے اس مسجد کو دیکھا تھا تو لکھا تھا کہ "اس مسجد میں اٹھارہ گھرانے بستے ہیں جن میں بیالیس مرد اور بیالیس عورتیں تیس لڑکے اور بیس لڑکیاں جملہ (۱۳۴) نفوس کے علاوہ (۱۴۷) مویشی بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں سے صرف (۳۸) مسلمان تھے باقی سب ہندو تھے"۔ افسوس کہ ہونے کو تو یہ اتنی بڑی مسجد مگر کتبہ کوئی بھی نہیں جس سے اس کی بنا کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔

درگاہ شیخ یوسف قتال ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء

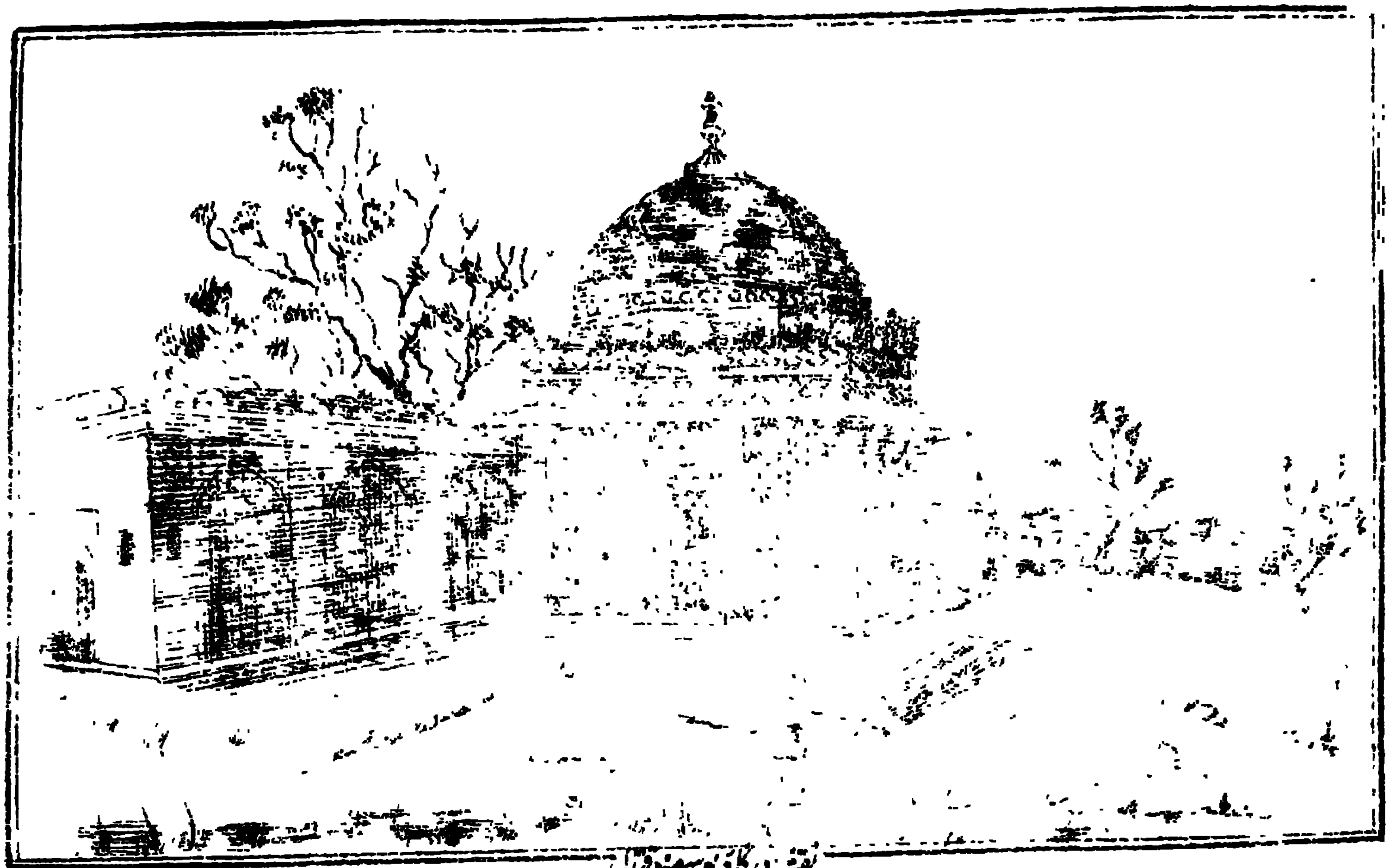
یہ درگاہ حضرت شیخ یوسف قتال کی کھڑکی کی مسجد کے پاس ہی جو مرید ہیں قاضی جلال الدین لاہوری کے ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء میں سلطان سکندر شاہ ابن سلطان بہلول لودھی کے عہد میں بنی ہے اور حضرت شیخ علاء الدین شیخ فرید شکر گنج کے نواسے نے بنوائی ہے۔ برج اور گرد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہیں اور گنبد چونے کا ہے اور حاشیہ گنبد پر چینی کا کام بنا ہوا ہے اور ایک طرف کو چونے پتھر کی مسجد ہے جس زمانے میں کہ یہ گنبد اور مسجد بنی ہوگی پاکیزگی اور لطافت سے خالی نہ ہوگی لیکن اب پرانی ہوگئی ہے اور کوئی مرمت کرنے والا نہیں رہا۔ گنبد تو بہر حال اچھا ہے مگر مسجد بہت خراب خستہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کھڑکی کے رہنے والے زمیندار اس درگاہ کو بہت مانتے ہیں اور "یوسف اولیا صاحب" کی درگاہ کہتے ہیں۔ درگاہ پر یہ کتبہ کندہ ہے:-

بنای این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بکرد گنبد علاء الدین نور تاج بندہ شیخ قطب العالم شیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنۃ ثلث تسعمائۃ ۹۰۳

حضرت یوسف قتال کا وصال ۹۳۳ھ ۱۵۲۶ء میں ہوا ہے اور درگاہ بنی ہے ۹۰۳ھ میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے حین حیات درگاہ بن گئی تھی۔

لال گنبد یعنی مقبرہ کبیر الدین اولیا

یہ عمارت سرتاپا سنگ سرخ کی ہے جس میں جا بجا سنگ مرمر بھی بطور آرائش



نقشہ درگاہ یوسف قتال

سے لگایا گیا ہے۔ اس کی دیواریں بھی تغلق شاہ کے مقبرے کی طرح گاؤدم ہیں۔ یہ گنبد حضرت شیخ یوسف قتال کی درگاہ کے پاس شمال مغرب کی طرف ہے۔ آپ شیخ معز کے صاحبزادے اور اپنے والد ماجد کی طرح بڑے صاحب کرامت تھے۔ یہ مقبرہ عموماً **لال گنبد** کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس چند متفرق بکھرے ہوئے پتھر کے ستونوں کو یکجا کر کے کھڑا کر دیا ہے جن کے اوپر ایک پتھر ڈھنک دیا ہے۔ یہاں ایک تحت الارض چھوٹی سی کوٹھری تین فٹ چوڑی ہے جو اب کوڑے کرکٹ سے اٹ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ دن کو آپ اسی مختصر حجرے میں اور رات کو اوپر رہتے تھے یہیں ایک پرانا کنواں بھی ہے جس پر ۱۲۱۰؁ھ کندہ ہے۔ اس گنبد کے شمال اور مشرق میں **سیری** کی فصیلوں کے کھنڈر اور درخت ہیں جو آڑ ہو جانے سے صاف نظر نہیں آتے۔ موضع **شاہ پور جٹ** یہیں ہے۔ **روشن چراغ دہلی** کے احاطے کے باہر **جہاں پناہ کی** فصیل کا سلسلہ جا بجا سے گرا پڑا اب تک موجود ہے۔ عوام میں یہ گنبد **بنجارے کے گنبد** کے نام سے مشہور ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی بنجارے نے اپنی خوش اعتقادی سے بنوا دیا تھا۔ اس گنبد کا پختہ چبوترا ۵۰ مربع اور ۴ فٹ بلند ہے۔ اصل مقبرہ ۵۲ مربع ہے جس کا قطر اندر سے ۲۹ فٹ ہے۔ اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش ہے۔ دروازہ داخلی شرقی رویہ ہے دو طرف جالیاں ہیں۔ مغرب میں بند۔ اندر چار چار کی دو قطاروں میں آٹھ قبریں چونے گچی کی بہت بڑی بڑی بنی ہوئی ہیں۔ سوائے ایک قبر کے کہ اس پر قل ہو اللہ کندہ ہے۔ اور کسی پر کوئی کتبہ نہیں نہ گنبد پر کسی قسم کا کتبہ ہے۔

اس گنبد کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ کلس اور کٹورا چرانے کو چور آئے تھے چنانچہ انہوں نے اوپر چڑھنے کو جو رکابیں گاڑی تھیں اُن میں کی ایک دو اب بھی باقی ہیں جب چور اوپر چڑھ گئے تو اندھے ہو کر گرے چنانچہ اُن کے خون کے دھبے مشرق کی جانب جدھر رکاب گڑی ہوئی ہے اب بھی تو ڑوں اور دیوار میں غور کرنے سے معلوم دیتے ہیں۔ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا تھا۔

معروف کا مقبرہ

لال گنبد کے پاس ہی بجانب مشرق یہ بہت پرانا گنبد ۲۹ فٹ مربع ہے۔ اندر اپلے بھر کے چاروں طرف کے در چُن دیئے ہیں لہٰذا ہم کسی مزید کیفیت کے لکھنے سے مجبور ہیں بعض لوگ اسے عبد الصمد کا مقبرہ

جاتے ہیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ صحیح حال کچھ کھلتا نہیں۔ بہرحال کسی صاحب کا بھی ہو جو صاحب اس میں آسودہ ہیں تھے وہ حضرت کبیرالدین اولیاء ہی کے ساتھیوں میں سے۔

دو محاط ہڑواڑیں

اسی جگہ دو احاطے گھرے ہوئے ہیں۔ یہ احاطے بہت مضبوط اور مستحکم فصیل نما بنے ہوئے ہیں۔ وضع قطع مسجد کی ہے اندر جا کر دیکھو تو مسجد کی طرح کی ایک دیوار کھینچ کر ایک بلند چبوترا بنا کر اس پر صرف قبریں بنا دی ہیں۔

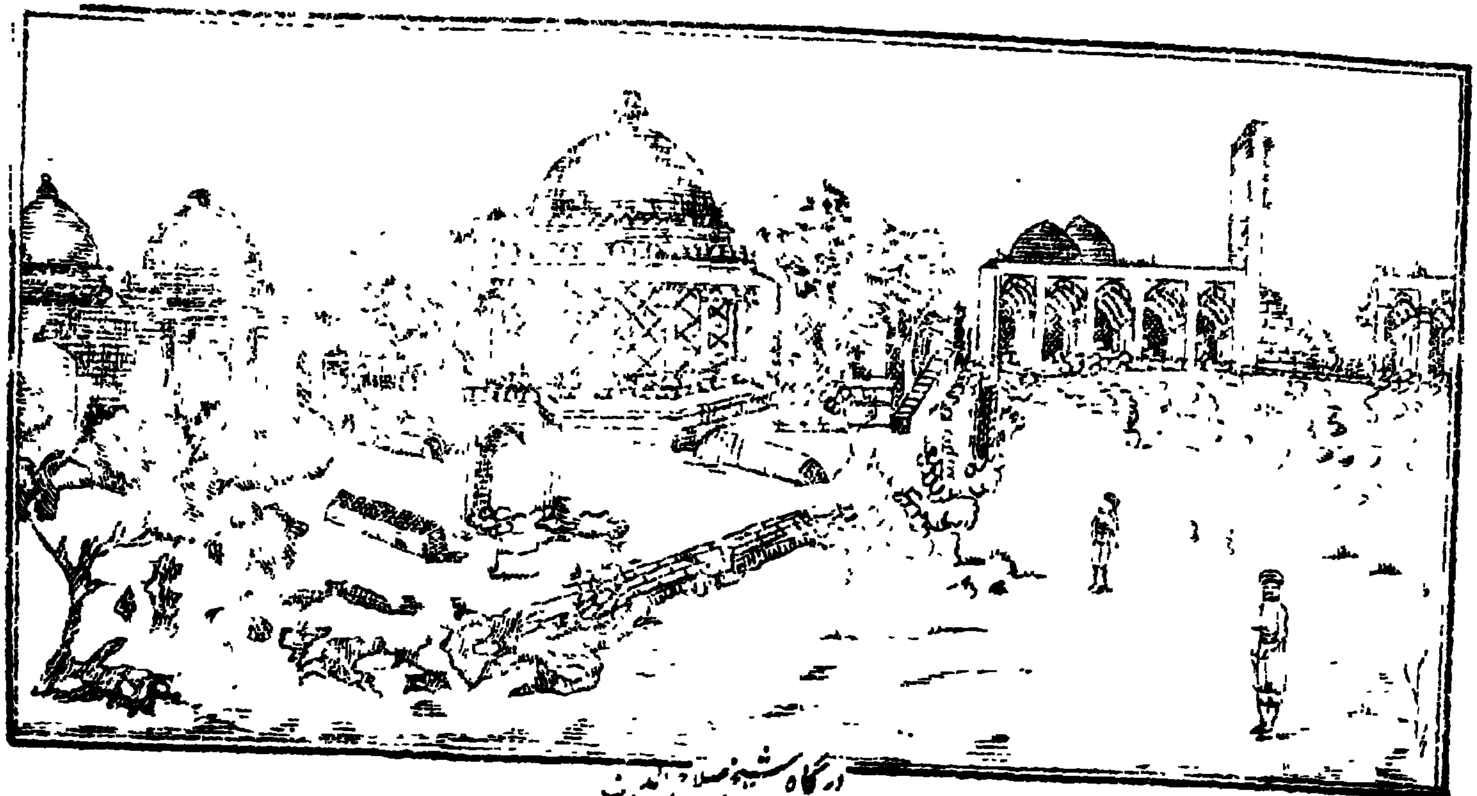
(۱) اس احاطے کا ایک چھوٹا سا معمولی دروازہ غرب رویہ ہے۔ یہ احاطہ ۳۰ فٹ مربع اور اچھی حالت پر قائم ہے۔ مغرب کی طرف مسجد نما ایک دیوار کھینچ کر اس میں تین دیوار دو محرابیں بنا دی ہیں جس کے سامنے ۲۹ فٹ مربع اور چار فیٹ بلند چبوترے پر تین پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پہلے ہی سے نہ تھی۔ ایسا ہی ایک اور چبوترا ۳۴ فٹ مربع ۵ فٹ اونچا ہے جس پر نو پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں باقی ٹوٹی پھوٹی ہیں۔۔ اس احاطے کی دیوار پر کنگورا نہیں ہے سادی ہے۔

(۲) یہ احاطہ پہلے احاطے سے بہت بڑا ہے اور احاطہ کی دیوار بھی کنگورے دار ہے جس کے چاروں کونوں پر برج تھے۔ تین طرف کی دیواریں اور برج گر گئے صرف مغرب کی طرف کی دیوار اور ایک برج باقی ہے۔ گو اب اس میں زراعت ہوتی ہے تب بھی قدیم احاطے کا نشان باقی ہے ۲۲۴ فٹ مربع تھا۔ اس احاطے میں اسی طرح کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ایک پختہ چبوترا ۱۵ فٹ مربع اور سات فیٹ اونچا ہے جس پر دو شکستہ اور ایک سالم قبر ہے۔

یہ دونوں مجھے اس زمانے کے امرا کی ہڑواڑیں معلوم دیتی ہیں۔ اب بھی بڑے بڑے لوگ اپنی ہڑواڑوں کی جگہ محصور کر لیتے ہیں جیسے کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت سید حسن رسول نما میں موجود ہیں۔

دو برجی مسجد

موضع شیخ سرائے کی حدود میں یہ ایک بہت پرانی مسجد ہے جو کالو سرائے اور بیگم پور کی مسجد کی وضع قطع کی ہے جو اسی نواح میں فیروز شاہ کے عہد میں ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء کی بنی ہوئی ہے۔ قوی قرینہ اس کا ہے کہ یہ مسجد بھی اسی زمانے کی تعمیر ہوگی۔ یہ مسجد تہرے دالانوں کی تھی۔ ہر دالان پر پانچ پانچ گنبد تھے



درگاه شیخ صلاح الدین

یہی وجہ ہے وہ بیجی کہلاتی ہے۔ پہلا دالان مع برجوں کے گر گیا صرف اگلا دالان اور
پانچ برج کھڑے ہیں۔ مسجد کی بغل میں ایک ایک حجرہ بھی داہنے بائیں تھا وہ بھی گر گئے
مگر نشان باقی ہیں۔ مسجد کا طول و عرض ۷۲ × ۳۰ فٹ ہے۔ اب اس مسجد کی زہ تک زراعت
ہوتی ہے۔ اطراف کے کھنڈر شہادت دیتے ہیں کہ مسجد کے گرد بستی اور مکانات
تھے ورنہ جنگل میں مسجد کا کیا کام ہے۔

درگاہ حضرت شیخ صلاح الدین

۷۵۲ھ

۳۵

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

حضرت روشن چراغ دہلی کے پاس آپ
کی درگاہ ہے۔ آپ شیخ صدر الدین کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا انتقال دلی میں ہوا اور موضع کھڑکی
سے ایک میل کے اندر ہی اندر آپ کا مقبرہ ہے جو ۷۵۲ھ میں بنا۔ آپ بڑے مقدس
اور ذی علم بزرگ تھے۔ آپ کے تقوے اور ورع کی شہرت دور دور تھی۔ آپ
حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم عصر تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ پاس پاس ہی رہا
کرتے تھے۔ آپ محمد شاہ تغلق کے عہد میں تھے۔ آپ کا فیض عام تھا اور خلائق کو
پند و نصائح ہی آپ کا کام تھا۔ اگرچہ آپ بادشاہ کو بعض اوقات سختی سے جواب
دیتے تھے مگر پھر بھی بادشاہ آپ کے ارشادات کو بڑی کشادہ پیشانی سے سنتا
تھا۔ یہ مقبرہ کھنڈروں کے بیچ میں کھڑا ہے یعنی اطراف کی عمارتیں سب گر پڑگئیں
بس ایک یہ مقبرہ رہ گیا ہے۔ گنبد ۳۴ فٹ مربع چبوترے پر واقع ہے اور چبوترے کی
کرسی چار فیٹ اونچی ہے۔ گنبد ۱۹ فٹ مربع اور ۲۵ فٹ بلند پتھر چونے کا بنا ہوا ہے جس کے
سارے روکار پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ گنبد کے بارہ در دس دس فیٹ بلند ہیں
جن میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مشرق کی جانب بیچوں بیچ میں دروازہ
ہے۔ قبر سنگ مرمر کی آٹھ فیٹ لمبی چار فیٹ چوڑی اور فٹ بھر اونچی ہے جس کے
گرد ایک فٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹہرا ہے۔ گنبد کی چھت میں ایک الٹا پیالہ لٹک
رہا ہے۔ یہ گنبد خاندان تغلق کے زمانے کے گنبدوں کی طرح کا ہے جو تین فیٹ اونچے
استوانے پر ہے جن پر چار فیٹ اونچا تانبے کا ملمع کیا ہوا کلس ہے۔ گنبد کے ساتھ
ایک مسجد بھی تھی جو اب بالکل کھنڈر ہو گئی ہے۔ مسجد کے علاوہ ایک غسل خانہ اور کنبہ

عمارتیں بھی تھیں جو سب کی سب گر گئیں۔ اس گنبد اور دو برجوں میں حضرت شکر گنج اور شیخ صلاح الدین کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ سرسید مرحوم اس درگاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حضرت صلاح الدین بڑے فقیروں میں سے تھے اور روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ درگاہ کب بنی اور کس نے بنائی (کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں ہے) مگر اس کی عمارت کی طرح اور ساخت فیروز شاہ کے عہد کی عمارت سے بہت ملتی ہے اور بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہ فیروز شاہ کے وقت کی عمارت ہے۔ حضرت شیخ صلاح الدین کے مزار پر ایک گنبد ہے اور اس کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اس مسجد کے پاس ایک اور بڑی مسجد گنبد دار ہے کہ وہ اکثر جگہ سے گر پڑی ہے۔ اور پیش طاق بھی ٹوٹ گیا ہے مگر بعض بعض در باقی ہیں اور حضرت شیخ صلاح الدین کے گنبد کے قریب شرق کی طرف ایک برج اور ہے اس میں بھی ایک قبر ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ کس کی قبر ہے اور اسی کے پاس ایک مختصر دالان بنا ہوا ہے کہ اس کو مجلس خانہ کہنا چاہیئے۔ اس درگاہ پر کوئی میلہ یا عرس نہیں ہوتا"۔ ۲۸ صفر کو آپ کا عرس ہوا کرتا تھا وہ بھی ایک عرصے سے موقوف ہے۔

میں نے کیا دیکھا اب تو جنگل ہے کھیتوں کے بیچ میں آپ کی درگاہ ہے اطراف میں کھیت ہی کھیت اور گری پڑی عمارتوں کے مہیب ڈھیروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا چنانچہ یہ میدان عرف میں شیخ ... کا جنگل کہلاتا ہے۔ درگاہ کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ تھا جو جا بجا سے گر گیا۔ درگاہ کا کوئی چبوترا ... مربع اور ... اونچا ہوگا۔ اب دراصل کوئی چبوترا باقی نہیں ہے۔ گنبد کا چبوترا ہے جو ... مربع اور دو فٹ اونچا ہے۔ درگاہ کے سامنے زیادہ تر قبریں ہیں وہ بہت پرانے طرز کی سنگ خارا کے لمبے اور بھدے تعویذوں کی ہیں جو بالکل سادہ طور پر چورس کر دیئے گئے ہیں ان میں کوئی نزاکت یا صنعت نہیں ہے۔ درگاہ سے جنوب کی طرف دو پختہ برج ہیں ان میں بھی قبریں ہیں۔ ایک بڑی سنگین مسجد کا بھی باقی ماندہ حصہ کچھ در اور گنبد باقی ہیں اور دور تک کھنڈر ہی کھنڈر چلے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ کے اطراف دور دور تک عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ مسجد ... ہے مسجد کے تین گنبد باقی ہیں

اوپر چڑھنے کا زینہ بھی تھا جو اب بہت مخدوش حالت میں ہے۔ مسجد کے تین در ہیں یہ مسجد صرف ایک دالان تھی آگے کا دالان مع گنبدوں کے گر گیا پچھلا حصہ جوں کا توں کھڑا ہے۔ مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اس کا طرز پکار رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہوگا جس میں تین تین دروں کے دہرے دالان تھے چھت گنبد دار لداؤ کی تھی جس میں صرف ایک [illegible] موجود باقی ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

درگاہ حضرت شیخ علاؤالدین

شیخ سرائے کی بستی سے بالکل لگی ہوئی آپ کی درگاہ ہے جس کا ایک بہت بڑا وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں اس احاطہ کے اندر آپ کی درگاہ کا نہایت عالی شان اور خوش نما گنبد ہے اور علاوہ درگاہ کے اور کئی عمارتیں بھی اسی احاطے کے اندر ہیں۔ آپ کا گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے۔ گنبد کا داخلی دروازہ مغرب رویہ ہے۔ اندر دو دو قبروں کی تین قطاریں ہیں قبریں چونے گچی کی ہیں اور گرد بارہ جالیاں لگی ہوئی ہیں جس قبر پر پست کٹہرا چونے گچی کا ہے وہ آپ کا مزار ہے باقی پانچ قبریں آپ کے اعزہ و اقربا کی ہوں گی۔ سہ دروازہ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ کا طغریٰ ہے۔ گنبد کی چھت پر سب سے اوپر آیۃ الکرسی ہے یہ پہلا ٹیکہ ہے دوسرے ٹیکے میں بسم اللہ کے بعد ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تا آخر سورۂ حشر رکوع (۲) پارہ ۲۸ اور اسمائے حسنیٰ ہیں۔ تیسرے ٹیکے میں حضرت رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک ہیں اور ہر جالی کے دو طرفہ نہایت نفیس منبت ہیں۔ صدر دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

بنا این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ بانی گنبد شیخ علاء الدین نور تاج شیخ ہنسہ قطب العالم الشیخ فرید شکر گنج ملہ محرم سنۃ ثلث عشر و تسعمائۃ (۹۱۳)

آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسے تھے۔ علاؤالدین اجودھنی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ نور الدین اجودھنی۔ تاریخ ولادت ۸۶۲ھ وفات ۹۳۶ھ۔ صحن میں معمولی سنگ خارا کے چوکوں کا فرش ہے۔ [illegible] کی جالی کے ایک طرف یا علیا مظہر العجائب والغرائب اور دوسری طرف تجدہ عونا لک

فی الثوائب کے طغرے ہیں۔ جنوب کی طرف لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سکے طغرے ہیں اور مغرب میں فاللہ خیر حافظا و ھو ارحم الراحمین ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (پارہ (۸) سورہ اعراف رکوع ۲) ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ تا آخر سورۂ بقرہ۔ شمال میں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ یا اللہ الحمد فی کل حال۔ دریچہ کے مشرق میں یا دائما بلا فناء..... ولا زوال۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ یا اللہ الا الہ الا انت جلالہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا وانت خیر الرازقین۔ پارہ (۷) رکوع (۵) سورۂ مائدہ۔ وغیرہ چاروں طرف طغرے ہی طغرے ہیں۔

چوکھنڈی ۲۲ مربع۔ آٹھ جالیاں تین در وازے چوتھا مغرب کی طرف کا بند۔ اندر تین قبریں پختہ۔

ہشت درہ برج کھلا ہوا اس میں دو قبریں پختہ ہیں۔

مدرسہ ۹۴۱ھ درگاہ کے شمال میں مسجد کے شکل کی تین در کی ایک وسیع عمارت ۳۰×۱۰ جس کے بیچ کے در کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

بنی ھذا المدرسۃ باسم قطب العالم شیخ فرید شکر گنج فی زمان السلطان الاعظم نصیر الدین محمد ھمایون بادشاہ سلطان غازی رکان بانیہ ترویج شیخ سنۃ احدی واربعین وتسعمائۃ

اس مدرسے کی اصلی عمارت تین ہی دروں کی تھی بعد میں دو در اور داہنی طرف بڑھائے گئے۔ صحن مدرسہ جو عقب درگاہ ہے اس میں ابھی سنگ رخام کی سلیں بچھی ہوئی ہیں۔

سہ دری مدرسے کے داہنی طرف تین در کا ایک دالان ہے جس کے آگے کا برآمدہ گر گیا۔ یہ سہ دری بھی غالباً مدرسہ ہی کے متعلق تھی یا کوئی جداگانہ قطع رہا ہو تو بھی عجب نہیں۔

ایک پرانی مسجد درگاہ سے تھوڑی دور بجانب غرب ایک شکستہ مسجد ہے جس کا چبوترہ ۳۰ قدم × ۲۹ فٹ اور من اونچا ہے۔ اس کی صرف دو محرابیں کھڑی ہیں۔ یہ بھی موضع شیخ سرائے کی حدود میں ہے۔

بارہ کھمبا ایک نہایت خوش نما سنگ سرخ کا ہشت پہل بارہ دروں والا کا گنبد ہے جو ۳۰ مربع ہے۔ اطراف وسیع اور پختہ احاطہ ہے۔ اندر ایک قبر بھی ہے بارہ کھمبا کہلاتا ہے شیخ سرا سے کے ایک معتبر شخص نے اس شیخ فرخ کا گنبد بتلایا جو شیخ علاؤالدین و شیخ صلاح الدین کے خاندان کے کوئی بزرگ تھے زیادہ حال کچھ معلوم نہیں۔ اس گنبد کے اطراف کھیت ہی کھیت ہیں۔ جو لوگ کھیتوں میں تھے وہ شیخ کھمبے والا پیر کا گنبد کہتے ہیں۔ اصل میں کسی بزرگ کا مدفن ہے پردہ خفا میں ہے۔ کوئی کتبہ نہ گنبد پر ہے نہ قبر پر پھر پتہ چلے تو کیسے ہے۔

اکیس دری۔ کالا گنبد اور حمام

موضع شاہ پور جٹ کی حدود میں کھیتوں کے درمیان یہ تینوں عمارتیں پاس پاس ہیں۔

(۱) بارہ دری کی عالی شان اور بہت پختہ لداؤ کی عمارت پٹھانوں کے زمانے کی بہ معلوم دیتی ہے جس کا طول و عرض ۶۰ فٹ × ۳۰ ہے اندر نو گنبد ہی گنبد ہیں مگر اوپر چھت سپاٹ ہے۔ ستون سنگ رخام کے ہیں۔ فرش اب باقی نہیں رہا کچی زمین ہے۔ یہ عمارت تہرے دالانوں کی ہے۔ سات در لمبان میں ہیں اور تین چوڑان میں اس طرح ۷ × ۳ = ۲۱ در کی عمارت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اکیس دری مشہور ہے۔

(۲) اسی کے پاس ایک پختہ وسیع اور فصیل نما شکستہ احاطے کے اندر ایک مرتفع گنبد ہے جو ۳۰ فٹ مربع ہے گنبد کے چار در وازے چار طرف ہیں۔ کسی جاٹ کے قبضے میں ہے اس نے اندر بھس بھر کر چاروں در چن دیئے ہیں۔ جب اندر کسی کا دخل نہ ہو تو حال کیا معلوم ہو کہ کوئی قبر بھی ہے یا نہیں۔ کالا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ تمادی زمانے سے دہلی کی کالی مسجد کی طرح باہر سے کالا ہی کالا نظر آتا ہے۔

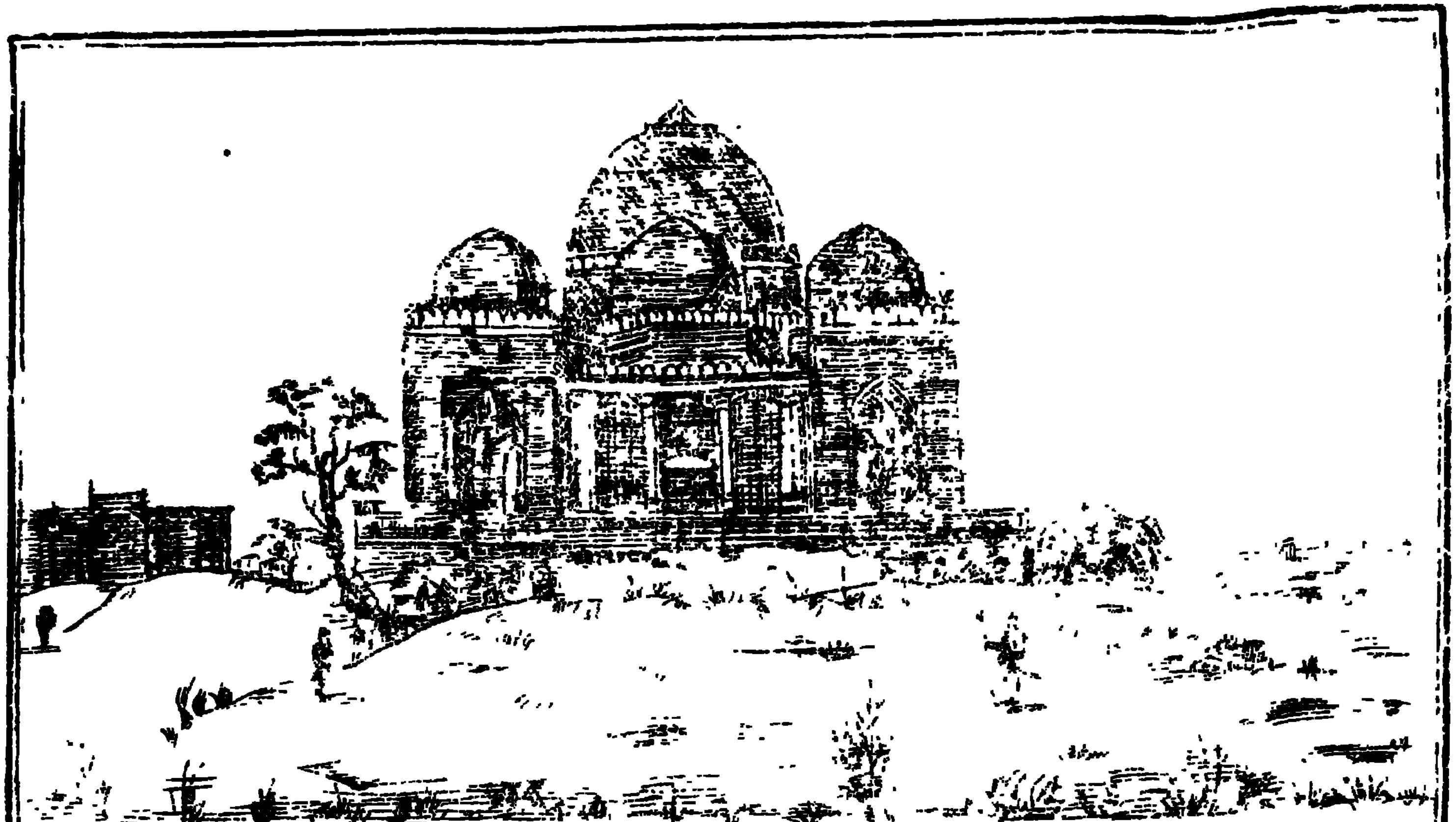
(۳) اس گنبد کے پاس ہی ایک پرانی لداؤ کی عمارت ہے جو حمام کے نام سے مشہور ہے یہ عمارت سہ گزی اور نو گنبدوں کی ۷ فٹ مربع ہے۔ عمارت کہیں سے گری پڑی نہیں جوں کی توں کھڑی ہے۔ فرش خام ہے۔ اندر جانور باندھ کر ایسا غلیظ کر دیا ہے کہ پاؤں دھرنا بھی مشکل ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر حمام کیسا؟ قیاس چاہتا ہے کہ اس کے گرد جو اب کھیت دکھلائی دیتے ہیں۔ ان میں کوئی محل رہا ہوگا۔ جس کے متعلق یہ حمام تھا اور بارہ دری بھی اسی محل کا ایک جزو ہوگی۔

لنگر خاں کا مقبرہ
سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ع

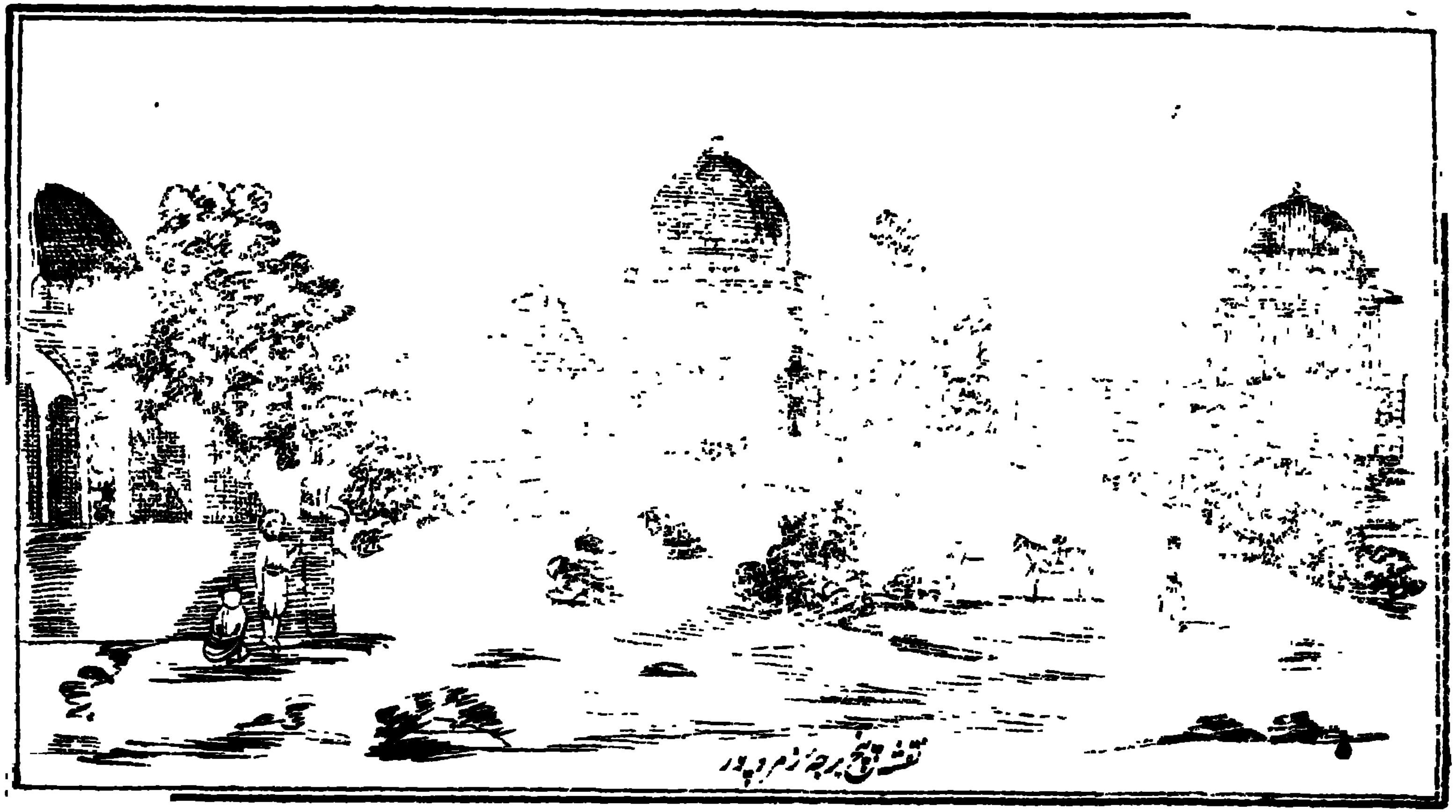
یہ مقبرہ موضع زمرد پور اور رائے پور کے سلسلے میں واقع ہے اور یہ دونوں سوا سے سے بنے ہوئے ہیں۔ رائے پور بالکل اجاڑ ہے اس پاس کے گاؤں کے زمیندار اس گاؤں کی زمین کی کاشت کرتے ہیں اس مقبرے کو لنگر خاں نامی سکندر لودی کے عہد کے ایک بڑے امیر نے سنہ ۹۰۰ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے میں سوائے اس کے کہ بڑی بھاری۔ نہایت مستحکم اور عالی شان عمارت ہے اور کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ گنبد آٹھ فٹ اونچے اور ستر فٹ مربع چبوترے کے مغرب جانب بنا ہوا ہے۔ گنبد (۴۳ فٹ) مربع اور (۴۶ فٹ) بلند ہے جس کے چار دل کونوں پر چار برجی دار حجرے (۱۸ فٹ) مربع اور (۴ فٹ) اونچے تھے۔ شمال و مغرب کے کونے کا حجرہ تو گر گیا جس کا نشان اب بھی معلوم دیتا ہے اور شمال مشرق کی طرف کے حجرے کی برجی گر گئی۔ ان حجروں میں قبریں تھیں۔ چنانچہ شمال و مشرق کے حجرے میں اب بھی ایک قبر موجود ہے۔ جس گنبد میں لنگر خاں کی قبر ہے وہ سطح زمین سے چھت تک (۲۴ فٹ) بلند ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۲۰ فٹ) کی بلندی ہے اس میں تین طرف تین دروازے ہیں۔ مغربی دیوار میں تین دیوار دوز محرابیں بشکل ایک مسجد کے ہیں۔ اس حجرے میں تین قبریں ہیں جن میں سب سے بڑی مغربی دیوار سے ملی ہوئی لنگر خاں کی قبر ہے جو چونے گچی کی ۱۲ فٹ لمبی۔ (۹ فٹ) چوڑی اور (۸ فٹ) اونچی ہے۔ مسجد کے وسط میں ایک کھلا ہوا مسقف مقام (۲۳ فٹ) مربع ہے جس کے بارہ ستون ہیں اور اس پر ایک برجی بھی ہے۔ صحن سے چھت تک اس کا ارتفاع (۱۴ فٹ) ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۱۴ فٹ) کی اونچان ہے۔ گنبد اور اس کی ملحقہ عمارت سب پختہ چونے گچی کی ہیں جن کی دیوار کے باہر دار استر کاری ہے۔ بلحاظ صناعی کے لودیوں کے زمانے کی عمارات کا یہ کوئی بہت عمدہ نمونہ نہیں ہے۔

پنج برجہ زمرد پور
سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ع

موضع زمرد پور جو شہر دہلی کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر ہے یہ گاؤں پٹھانوں کے وقت سے آباد ہے اگلے زمانے میں اس گاؤں کو کہنہ سرائے کہا کرتے تھے پھر یہ گاؤں زمرد خاں نامی کو جاگیر میں ملا جب سے زمرد پور نام ہوگیا۔ اس



مقبرۂ تتر خان



مقام پر پانچ برج چونے اور پتھر کے پختہ بنے ہوئے ہیں اور اُن میں بہت سی قبریں ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ زمرد خان کون تھا اور یہ برج کس کے عہد میں بنے ہیں مگر ساخت عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برج پٹھانوں کے عہد کے بنے ہوئے ہیں ان برجوں میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے کہ جس سے تاریخ بنا اور بنانے والے کا نام معلوم ہو سکے اس واسطے بجز اس کے نہیں کہا جا سکتا کہ پٹھانوں کے وقت کی یہ عمارت ہے اور جتنی مدت پٹھانوں کی سلطنت کو ہوئی ہے اتنی ہی مدت ان برجوں کے بننے کو بھی ہوئی۔ یہ زمرد خاں کی پیر داڑ بھی ہے اور اس خاندان کے پانچ نام آور مشاہیر یہاں مدفون ہیں اور اسی وجہ سے پانچ برج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقابر سارے کے سارے لودیوں کے بنوائے ہوئے ہیں اور سرسید کی تحریر قرین قیاس ہے کہ سکندر لودی کے زمان سلطنت میں ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء میں بنائے گئے ہیں۔ انھیں برجوں کے پاس اسی عہد کا ایک بہت بڑا کنواں ہے مگر اس میں پانی کبھی چلو ہوگا گندگی کے سبب یہ کنواں اندر سے بالکل بودہ اور بوسیدہ ہو گیا ہے کہ مرمت کے قابل بھی نہیں رہا۔ انھیں برجوں کے نیچے بعض زمرد پور آباد ہے اور زمینداروں نے جھونپڑیاں ڈال رکھی ہیں۔

پہلا برج

داخل ہوتے ہی ملتا ہے جو چالیس فٹ مربع احاطے میں ہے جس کی دیواریں گیارہ فٹ بلند ہیں۔ سامنے کے رخ پر ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کے ایک پھاٹک میں سے گزر کر احاطے میں پہنچتے ہیں۔ پھاٹک ۱۵ فٹ بلند اور ۱۳ فٹ عریض ہے جس میں خالص دروازہ چار فٹ چوڑا ہے۔ احاطے کی پچھلی دیوار گر کر زمین کے برابر ہو گئی ہے۔ مقبرہ ایک کھلا ہوا مربع مقام ہے جو دو فٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد بارہ پتھر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ سطح زمین سے گنبد کی بلندی ۱۵ فٹ ہے۔ چھت کے اطراف کنگورہ اور ایک پتھر کی چوڑی کنگنی ہے۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر کی قبریں سب ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ احاطے کے کونے پر جو چار برجیاں تھیں وہ بھی گر گرا گئیں۔

دوسرا برج

یہ گنبد شش پہلو (۵۰ فٹ) مربع اور سطح زمین سے (۳ فٹ) بلند ایک احاطے کے اندر ہے۔ یہ گنبد دو فیٹ کے کرسی کے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قطر ۳۰ فٹ ہے۔ گنبد کے چھ ستون ہیں۔ کل بلندی گنبد کی ۲۴ فٹ ہے۔ اس گنبد میں

بھی کوئی قبر باقی نہیں رہی۔

تیسرا برج یہ بھی ۱۹½ فٹ مربع ہے جس کا گنبد بارہ سنگین ستونوں پر استادہ ہے۔ سطح زمین سے تا بسقف ۱۳ فٹ اور گنبد کی بلندی تک ۳۰ فٹ کی اونچان ہے۔ پتھر اور سیچ کا بنا ہوا ہے۔ بیچ میں ایک قبر سنگ سرخ کی ۴½ فٹ لمبی ۲½ فٹ چوڑی اور چھ انچ اونچی ہے۔

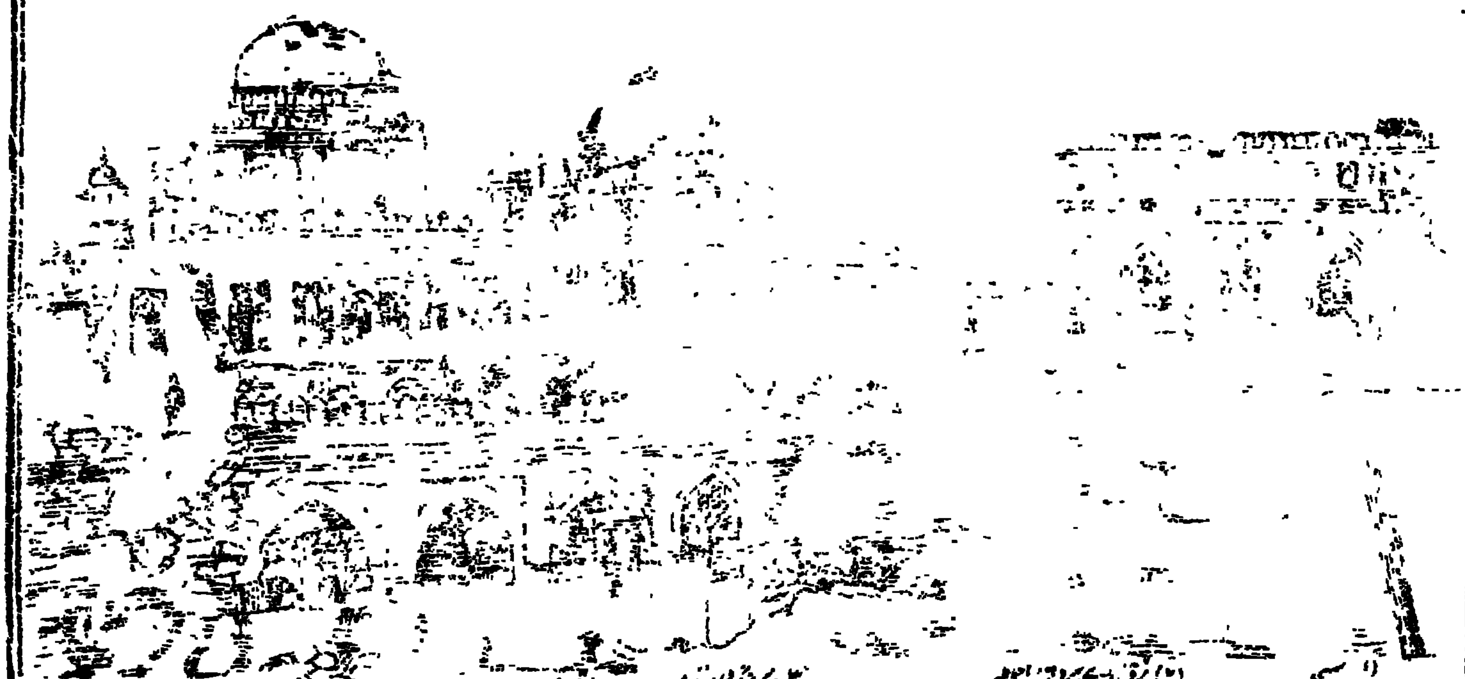
چوتھا برج ان برجوں میں یہ برج سب سے زیادہ شان دار اور پر رونق ہے جو ۴۸ فٹ مربع ہے۔ مگر چوترا نہیں ہے۔ گنبد کے اطراف کنگورا ہے چھت تک ۳۴ فٹ کی بلندی ہے اور چھت سے نسلے کر گنبد کی چوٹی تک ۳۰ فٹ اور۔ یہ بھی چونے پتھر کا ہے۔ گنبد کے تین دروازے اور بیس ستون پتھر کے ہیں۔ اس میں چھ قبریں ہیں جو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کی ہیں۔ جنوب مغرب کی طرف سیڑھیاں بھی ہیں جن سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔

پانچواں برج یہ ایک محاط عمارت ہے جو بلحاظ تعمیر سب میں عمدہ اور حالت موجودہ کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہے۔ گنبد آٹھ فٹ مربع ہے اور سات فیٹ کے کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ سطح زمین سے چھت تک ۲۳ فٹ اور گنبد کی چوٹی تک ۴۰ فٹ کا ارتفاع اور ستزادہے۔ گنبد پتھر اور سیچ کا ہے۔ باقی عمارت بھر بھرے پتھر کی ہے۔ شمال اور جنوب اور مشرق میں تین دروازے ہیں۔ چھت چوبیس سنگین ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس گنبد میں تین سادی قبریں ہیں جن پر نہ نقش و نگار ہے نہ کوئی کتبہ۔

بستی خاں[1] کی باؤلی۔ مسجد دروازہ اور مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

بستی خاں خواجہ سرا سکندر لودھی کے زمانے میں ایک ذی شان اور باوقعت امیر تھا جس نے موضع نظام پور کی حدود میں بہت سی اراضی محاط کر کے ایک بہت بڑا گنبد دار مسجد کا دروازہ، مسجد، نہایت کشادہ باؤلی اور اپنا مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باؤڑی یا بائیں کہتے تھے پھر باؤلی کہنے لگے۔

[1] حضرت نظام الدین کی درگاہ سے جو عام رستہ روشن چراغ دہلی کو جاتا ہے اسی پر بارادت مند خاں کا کٹرہ ہے اس کے پیچھے والذریل کی سڑک اور تین در کا آہنی پل ہے۔ سڑک کے پار یک ڈنڈی کا رستہ ہے [illegible]



بستی باولی

باؤلی یہ باؤلی بہت بڑی اور بہت گہری ۱۱۲×۳۱ ہے مگر اب بالکل ڈھ گئی اور خشک ہوگئی ہے۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باوڑی یا بائیں کہا کرتے تھے۔ یہی باؤلی ہی کے سبب سے اور اس کے بانی بستی خاں کے نام سے یہاں جو بستی تھی بستی باوڑی مشہور تھی۔ اب نہ کوئی گاؤں ہے نہ بستی اب تو جہاں تک نظر دوڑاؤ کھیت ہی کھیت نظر آتے ہیں جس میں نظام پور۔ روشن چراغ دہلی۔ مبارک پور کوٹلے۔ مجاہد پور وغیرہ کے لوگ زراعت کرتے ہیں۔ باؤلی کے چوطرفہ نہایت خوش نما دالان بنے ہوئے تھے۔ اب آٹھ سامنے کے دالان تو رہے نہیں مگر ان کا ملبہ باؤلی کے اندر اٹ گیا ہے۔ داہنے بائیں یعنی شمال اور جنوب کی طرف ایک ایک سہ دری کوٹھری ہے جو ۳ مربع اور ۱۱ اونچی ہے اس میں کا بھی ایک ایک اونچا اور بڑا در ہے جس میں زینہ تھا گرا پڑا ہے۔ مشرق کی طرف کا دالان تو اب رہا نہیں مگر اس رخ پر لاؤ لگا کر پانی کھینچا جاتا تھا چنانچہ لاؤ کی لکڑیاں کھڑی کرنے کی پتھر کی دو کڑیاں دائیں بائیں موجود ہیں جن میں ایک ایک سوراخ ہے۔ اس باؤلی کے اوپر دار مغرب کی طرف ایک مسجد ہے اور یہ باؤلی گویا اس مسجد کا حوض ہے غرض یہ کہ باؤلی جب درست حالت میں رہی ہوگی تو ایک پر لطف اور دلچسپ سیرگاہ ہوگی۔ اب تو دیکھنے سے ڈر لگتا ہے۔ باؤلی کی بندش کی دیواریں ۵ آ بلند ہیں۔ باؤلی کی سیڑھیاں جب اب تک تھیں اب ان میں سے صرف نو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی شکستہ ہیں اور باقی ملبے میں دب گئی ہیں۔ باؤلی کے شکم میں اب اس قدر جنگل جھاڑی ہو گیا ہے کہ سوائے ایک گڑھے کے باؤلی کی صورت پہچاننا بھی مشکل ہے۔

مسجد باؤلی کے غرب میں ایک مسجد ۵۰×۱۶ اور ۲۳ اونچی ہے۔ یہ مسجد حسب معمول تین دروں کی ہے اوپر چھت سپاٹ ہے۔ کوئی مینار نہیں ہے۔ بلندی مع کنگورے کے ۲۴ ہے۔ دو طرفہ چھتیں چھتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ بیچ کا در ۹ چوڑا اور ادھر ادھر کے در ۷ چوڑے ہیں۔ بلندی دروں کی ۹-۹ ہے۔ سڑک کی طرف جو

تکملہ از مصنف گو قصبہ درگاہ سے قریب قریب ایک میل جاکر داہنی جانب کھیتوں میں بستی باؤلی کی عمارت نظر آتی ہے جس کے آگے مبارک پور کوٹلہ۔ مجاہد پور وغیرہ ہیں اور پھر صفدر جنگ کے مقبرے سے جو سڑک قطب کو جاتی ہے وہ مل جاتی ہے۔ اور بستی باؤلی کے آگے ہی حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ شریف ہے۔ ۱۲

مسجد کے چھت کی دیوار ہے وہ ۹ فٹ بلند ہے جس میں دو کھڑکیاں ہیں اور پانچ دیوار دوز محرابیں۔ مسجد کے محاذ میں ۴۲ فٹ چوڑا پختہ چبوترا ہے جو بلندی میں (۷ فٹ) ہے مسجد کے سامنے بیچ میں جہاں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے وہاں ممٹیاں تھیں جو گر گئی ہیں مگر اُن کے چبوترے اب تک باقی ہیں۔ مسجد کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا جس میں کا اب بہت کم نظر آتا ہے کیوں کہ گاؤں والوں نے مویشی باندھ باندھ کے ستیاناس کیا ہے اور پھر کھانا پکا پکا کر مسجد کی سارى دیواروں خصوصاً پیش طاق کو بالکل سیاہ کر دیا ہے۔ مسجد کے اندر چونہ کاری سے قرآن شریف کی آیتیں منبت لکھی ہوئی ہیں جو جا بجا سے جھڑ گئی ہیں۔ پیش طاق پر پہلی سطر میں یہ آیت ہے۔

پہلی سطر۔ ...... هوالله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة له الاسماء الحسنیٰ ......

شروع کا اور آخر کا حصہ جھڑ گیا۔

دوسری سطر۔ قل یا ایها الکافرون۔ بسم الله الرحمٰن الرحیم۔ قل هو الله اور قل اعوذ برب الفلق۔ مگر اس کا بھی کچھ حصہ جھڑ گیا ہے۔

گنبد کے گرد پہلے بینڈ پر اسمائے حسنیٰ چھوٹے حلقے میں آیۃ الکرسی۔ مسجد کے ہر کونے پر جا بجا الله الله کھدا ہوا ہے۔ تینوں محرابوں پر دو طرفہ طغرے حسبی الله کے ہیں۔

دروازہ پہلے تو ہم اسی کو بستی خاں کا مقبرہ سمجھے تھے کیوں کہ یہ مسجد کا دروازہ نہیں معلوم دیتا بلکہ ایک مستقل گنبد معلوم دیتا ہے گو کہ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ یہ صدر دروازہ بُرج دار پتھر اور گچ کا ۳۶ فٹ مربع دس فیٹ بلند چبوترے پر ہے۔ چبوترے سے لے کر چھت تک ۲۷ فٹ اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک ۲۳ فٹ جملہ بلندی اس دروازے کی (۶۰ فٹ) ہے۔ اس دروازے کی دونوں جانب بلند دیوار دوز محرابیں ہیں اور چاروں طرف ۶ فٹ چوڑے اور ۹½ فٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کے زینے میں (۲۶) سیڑھیاں ہیں۔ فرش بالکل خام ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اور ہر محراب پر دو طرفہ حسبی الله کے طغرے ہیں۔ گنبد میں اندر دار رنگ کا کام تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ دروازہ کی مغربی جانب محراب میں ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی بطور نشیمن کے لگی ہوئی ہے دروازے کا مغربی رد کار نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں جا بجا سنگ سرخ لگایا گیا ہے۔ چبوترے سے اجارے تک بھورا بھورا بھورا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس گنبد کا کلس ٹوٹ گیا ہے۔

بستی خاں کا مقبرہ

اس دروازے سے چند گز کے فصل سے بالکل سامنے مشرق کی طرف بستی خاں کا نہایت خوش قطع مقبرہ ایک چھتری کی وضع کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے اس برج کا پہلا چبوترہ ۹۶ فٹ مربع اور ۸ ½ فٹ اونچا ہے دوسرا چبوترہ ۴۷ فٹ مربع ۳ ½ اونچا۔ تیسرا چبوترا اصل چوکھنڈی کا ۴۰ فٹ مربع ۲ فٹ ۲ انچ اونچا ہے۔ بلندی چھت کی ۱۵ ½ ہے۔ یہ مقبرہ دو منزلہ ہے پہلے ہم اوپر کی منزل کا حال لکھتے ہیں۔ یہ سر سے پانک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جس کے ہر طرف تین تین در ہیں اور اس طرح چاروں طرف کے بارہ در ہوئے بیچ کا در ۵ فٹ چوڑا اور ۹ ½ فٹ اونچا ہے اور بغلی کے دو دو در ۳ فٹ چوڑے اور اونچان وہی ۹ ½ فٹ ہے۔ اس چوکھنڈی کے پہلے چبوترے کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کی ۲ فٹ مربع برجیاں تھیں جن میں چار چار ستون پندرہ پندرہ فیٹ اونچے تھے تین طرف کی برجیاں تو گر گئیں اب صرف ایک مشرق کی باقی ہے۔ چوکھنڈی اوپر سے ہشت پہل ہے۔ اندر چونے کا ایک ڈھیر رہ گیا ہے جسے قبر کا تعویذ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اصل قبر نیچے کی منزل میں ہے۔ اس کا احاطہ کنگورے نما ہے جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے جو ۵ فٹ چوڑا اور ۷ ½ فٹ اونچا ہے اور اگر کنگورے کو شامل کریں تو اونچان ۱۴ فٹ اور بڑھ جائے گی اس کے باہر طرف بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد بھی سنگ سرخ کا تھا جس کی سلوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور ان دراڑوں میں سے اس کثرت سے گھاس اُگی ہے کہ گنبد خضرا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم جب گئے تو برسات کا موسم تھا ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ سبز مخمل کا گنبد کیسا ہے پھر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ گھاس اس گنبد کی موت قبل از وقت کی نشانی ہے۔ حکام کی ذرا سی توجہ سے یہ گھاس نکالی جا سکتی ہے مگر کون ہے جو اس طرف توجہ کرے اور کسے غرض پڑی ہے اور کسے درد ہے۔ قبر کے گرد بھی ایک پست چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ گنبد کے چاروں طرف یا اللہ یا اللہ بیسوں جگہ کھدا ہوا ہے اور گرد گنبد کے ایک چوڑا چھجہ ہے جو جا بجا سے گر گیا ہے۔ گنبد کے باہر چھجے کے اوپر چاروں طرف سورہ فتح اور سورہ قدر پتھر کے تراشے ہوئے حروف سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ حروف جا بجا سے جھڑ گئے ہیں۔ اس قبر کو عجیب طرح سے بنایا ہے پہلے تو بہت اونچا چبوترا بنا کر اس میں در دسکے نیچے کوٹھریاں سی بنا دی ہیں اور بیچ میں بستی خاں کی اصل قبر کا مقام ۱۴ فٹ مربع چاروں طرف سے بند ہے گرد اس کے ۶ ½ فٹ چوڑی غلام گردش دی ہے

جس کے ہر طرف پانچ پانچ درہیں اس طرح بست درہیں ہوئی اور اسی طرح ہر طرف پانچ پانچ گنبد چھت کے اندر ہیں پس گنبد بھی بیس ہوئے اور بیچ میں اصل بستی ہے اور اسی پر اوپر کا برج بنا ہوا ہے۔ نیچے کی منزل ۲۵ فٹ مربع ہے بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تو بستی خاں کی قبر کا چھتر ہے اس برج کے دروں میں کسی زمانے میں جالیاں لگی ہوئی تھیں مگر اب جالیاں تو لوگ اکھاڑ کر لے گئے صرف ستون اور محراب باقی رہ گیا ہے برج کے اوپر کلس تھا اس کو اکھاڑنے میں شاید دقت پیش آئی جو اس بے دردی سے نکالا گیا ہے کہ چھت میں بغار پڑ گیا ہے۔ جس چبوترے پر بستی خاں کی قبر ہے اس پر بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہے۔ یہ گنبد اوپر کے چبوترے سے ۲۷ فٹ اور زمین سے ۴۴ فٹ بلند ہے ان چاروں عمارتوں کے گرد ایک وسیع فصیل نما کنگورے دار احاطہ ۲۹۰ × ۱۹۰ فٹ ہے جس کی دیوار دس فیٹ بلند ہے۔ یہ مقام کسی زمانے میں بہت نفیس ہوگا۔ اب بھی ایک اچھی سیر گاہ ہے۔ ان مکانوں پر کوئی کتبہ ایسا نہیں ہے جس سے تاریخ بنا معلوم ہوسکے اس سبب سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عمارت پٹھانوں کے وقت کی بنی ہوئی ہے۔

ایک منہدمہ مسجد بستی باولی سے جنوب مشرق کے کونے میں ایک عالیشان دار وسیع اور پختہ فصیل نما کنگورے دار احاطہ ہے جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک برجی تھی اب صرف شمال مغرب کے کونے کی برجی رہ گئی ہے وہ بھی آدھی گری ہوئی ہے باقی تینوں طرف کی بالکل منہدم ہوگئیں۔ مغرب سہ درمیانی دار محراب میں سے چھت پر چڑھنے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہے اسی طرح جنوب مغرب کے کونے کی محراب میں بھی زینہ ہے۔ اس احاطے کے تین طرف ایک ایک بڑا عالی شان دروازہ تھا جن میں سے دو شمال جنوب کے اب بھی موجود ہیں مشرق کی طرف کا گر گیا۔ احاطہ کی دیوار کے ہر سکشن میں جو (۳۰ فٹ) ہے تین تین دیوار دوز طاق ہیں دیوار کی بلندی دس فیٹ ہے مسجد کی چھت گر گئی صرف پختہ چبوترا اور داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں جن میں زینہ ہے مع اوپر کی ممٹی کے موجود ہیں۔ یہ احاطہ ۸۵ فٹ مربع ہے۔ دروازہ ۸ فٹ ۳ انچ اونچا اور (۵ فٹ) چوڑا ہے جس کے سامنے چھ چھ سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہے۔ چبوترے کی کرسی (۱۰ فٹ) بلند ہے اُسے شامل کر لیں تو دروازے کا ارتفاع ۱۸ فٹ ۳ انچ ہو جائے گا صحن مسجد جو تمام جھاڑیوں سے ایسا بھرا ہوا

گرچلنا مشکل ہو جا بجا کچھ پختہ قبریں بھی ہیں نہ کوئی مینار باقی ہو نہ گنبد کیوں کہ مسجد کا دالان تو پہلے ہی گر چکا ہو۔ مسجد کے گرد عمارات منہدمہ کے کھنڈروں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ مسجد آبادی میں تھی اور اب بجائے آبادی کے کھیتوں کے بیچ میں نظام پور کے حدود میں ہو۔

ایک چھوٹی سی مسجد

بستی بادلی کے مغرب میں مبارک پور کوٹلے کی حدود میں ایک برج اور تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہو۔ اندر رنگ آمیزی کا کام تھا صحن پہلے ہوگا۔ کھیتوں کی وجہ سے باقی نہیں رہا طول و عرض مسجد کا ۲۳ × ۱۲ فٹ ہو۔

شیخ علی کی گمٹی

اس مسجد کے مغرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے پر یہ ہشت پہلو چھوٹا سا برج ہو جس کے آٹھ در سنگ سرخ کے ہیں۔ اس کے اندر تین قبروں کے نشان ہیں مگر اب کوئی قبر نہیں رہی۔ یہ عمارت ۱۸ فٹ مربع ہو۔ در ۹ فٹ اونچے اور ۵ ½ فٹ چوڑے ہیں۔ شیخ علی کی گمٹی مشہور ہو۔

دولت بیگ کا باغ

اوپر والی گمٹی کے مشرق میں کھیت میں ایک پختہ دیوار تخمیناً ۳۰ فٹ لمبی اور ۱۰ فٹ اونچی کھڑی ہو۔ کہتے ہیں کہ یہاں دولت خاں نامی کسی امیر کا باغ تھا۔ حدود دیکھنے سے ہزار فیٹ مربع کا اندازہ معلوم ہوتا ہو۔ چوں کہ اب اس زمین میں کھیت ہوگئے ہیں باغ رہا نہ چار دیواری اب صرف ایک رخ کی دیوار باقی ہو اس کو بھی دیر سویر لوگ توڑ کر اپنے مصرف میں لے آئیں گے اس احاطے کے بیچ میں ایک چھوٹے سے شکستہ چبوترے پر ایک پختہ قبر باقی رہ گئی ہو قیاس چاہتا ہو کہ وہ صاحب باغ کی ہو۔

ایک ہشت پہل برجی

ایک گرے ہوئے چبوترے پر جو اب صرف ایک ٹیلے کی شکل کا رہ گیا ہو۔ بستی خاں کے گنبد کی پشت پر صرف پیچ کا رستہ چھوڑ کر سنگ سرخ کی ایک بہت خوش قطع ہشت پہل برجی ہو جس کے بیچ میں چونے گچی کی ایک قبر ہو اس کا ہر ضلع ۴ فٹ چوڑا ہو اور یہی دروں کی چوڑان بھی ہو اور اونچان دس فٹ ہو۔ ستون سنگ سرخ کے ہیں جن کی بیٹھک اور اوپر کی ٹیپی الگ چوکون پتھر کی ہو اور بیچ میں ستون

سنگ جلکا لگا ہو۔ آٹھ ستونوں میں سے ایک گر پڑا ہو مگر پڑا یہیں ہو مشرقی کی طرف کے ایک ستون کے گرد کلمۂ طیبہ منقوش ہو باقی تین ستونوں پر چاروں طرف "الملک للہ"۔ تین ستون سادے ہیں اور گرا ہوا ستون بھی سادہ ہی ہو۔

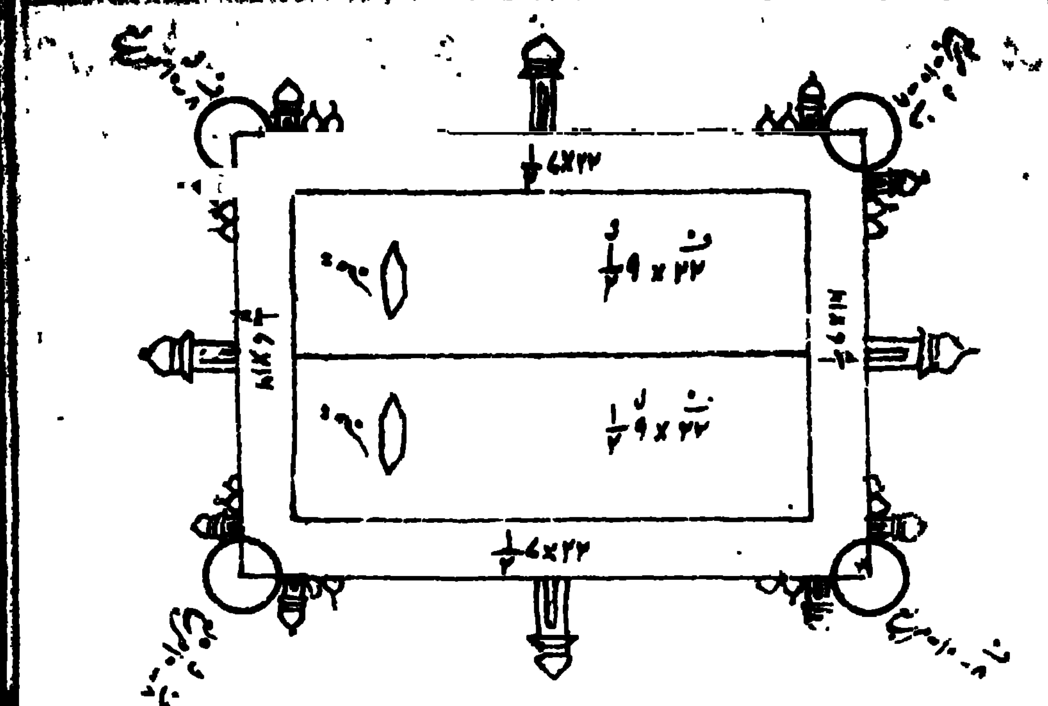
دوطرفہ عمارات کے کھنڈر بستی باؤلی اور اس برجی کے شمال میں پگڈنڈی راستے کے دوطرفہ دور دور تک جابجا عمارتوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ کہیں کوئی اونچا ٹیلہ ہو کہیں دیوار کا کوئی حصہ رہ گیا ہو کہیں کسی محراب کا ایک پاکھا ہی کھڑا ہو۔ داہنی طرف کی حالت بھی یہی ہو اوّل تو بستی باؤلی کے آگے ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کی دیوار چلی گئی ہو۔ جو اکثر جگہ سے گر گئی ہو اور بعض جگہ موجود بھی ہو پھر اس کے بعد اور ایک احاطہ اسی قسم کا شروع ہوتا ہو یہی سلسلہ حضرت نظام الدین رح کی درگاہ تک مسلسل چلا گیا ہو۔ کہیں چپہ بھر زمین خالی نہیں اور قبروں کا تو کچھ شمار ہی نہیں بہت سی مٹ مٹا گئیں اور بہت سی متفرق طور پر موجود بھی ہیں۔ جب اس سرزمین پر سالہا سال سے ہل پھر رہا ہو اور کھیت جوتے بوئے جاتے ہیں تو اب کسی عمارت یا قبر کا نشان کیسے باقی رہ سکتا ہو مزارعین کا پہلا فرض یہ ہو کہ وہ اپنے کھیت کو اُن رکاوٹوں سے صاف کریں اور انھوں نے کر ہی دیا اور جہاں تک موقع ملتا ہو کرتے ہی جاتے ہیں۔ سنا کرتے ہیں کہ اگلے زمانے کے بادشاہ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اُن کے ننھے بچے کولھو میں پلوا دیا کرتے تھے اور اُن کے مکانوں کی جگہ گدھے کا ہل پھروا دیا کرتے تھے یعنی بال بچوں سمیت مروا ڈالتے تھے اور اُن کے گھر جڑ بنیاد سے اُکھڑوا کر پھینک دیتے تھے اس طرح کہ نشان تک باقی نہ رہ جاتے۔ پس کسی عمارت کو معدوم کرنے کا سریع الاصول نسخہ ہل کا پھروا دینا ہو جو اب بھی کثرت سے شائع ہو البتہ شان دوسری ہو۔ یعنی پہلا طریقہ سزا کا تھا اور اب محض اقتضائے لیل و نہار ہو۔

بیوی باندی کا گنبد اسی رستے پر بائیں طرف بستی باؤلی کے شمال میں یہ مقبرہ ہو جس کا قبہ اندر سے بہت خوب صورت ہو اور اس قسم کا ہو جیسے کہ کابلی ٹوپی ہوتی ہو۔ یہ گنبد بہت خستہ ہو سقفے میں چاروں طرف

ایسی بڑی بڑی گہری دراڑیں نیچے سے چوٹی تک پڑی ہیں کہ قبے کی چار پھانکیں ہو گئی ہیں اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہی کہ اندر سے ان دراڑوں میں سے روشنی نظر آتی ہی خدا جانے یہ حالت کب سے ہی اور کب سے اس طرح کھنڈا ہوا کھڑا ہی اور اب تک گرا کیوں نہیں۔ خیر آج نہ گرا تو کل گرے گا۔ رہے نام اللہ کا۔ نہ اندر فرش باقی رہا ہی نہ کوئی قبر۔ تین طرف در ہیں ۱۱ فٹ اونچے ۵ فٹ چوڑے اور مغرب کی طرف صرف دیوار دوز طاق ہی۔ یہ گنبد ۱۸ فٹ مربع ہی۔ اس گنبد میں اندر کے رُخ پر کمر کی وضع کی پھانکیں بنی ہوئی ہیں اور جہاں دیوار ختم ہو کر گنبد شروع ہوتا ہی وہاں گنبد کے گرد ۱۶ طاق ہیں غرض ہی اپنی طرز میں نرالا اور بہت خوب صورت۔ مقامی روایات سے یہ بیوی باندی کا گنبد کہلاتا ہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک محراب کا ٹھنڈ یہیں کھیت میں صرف محراب کا بہت اونچا ایک ٹھنڈ یعنی ایک پاکھا کھڑا ہی جس سے اتنا معلوم ہوتا ہی کہ یہ محراب تھی بہت اونچی۔ خدا جانے وہ عمارت کیا تھی جس کا یہ باقی ماندہ حصہ ہی۔

ایک نفیس محل نما مقبرہ رستے کے داہنی طرف ایک محل دکھلائی دیتا ہی جو بالکل تماشہ محل کی وضع قطع کا ہی جیسا کے ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہی۔ صرف فرق اتنا ہی کہ اس میں ایک ہال اور چاروں طرف دالان اور کمرے ہیں اور اس میں دوہرے دالان اور گرد کمرے ہیں۔ آپ ذرا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو خوب سمجھ میں آجائے گا۔ مگر ہم سے یہ نہ پوچھیے گا کہ یہ کس کا محل یا مقبرہ ہی جس طرح آپ ناواقف ہیں ہم بھی گم ہیں۔ ع۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کیوں کہ ایسی عمارتوں کو کسی سے منسوب کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہی۔ لعض عمارتوں کی نسبت تو لوگ اپنی اٹکل پچّو شائیں سنی سنائی روایات پر کسی نام سے منسوب کر دیتے ہیں جن کی کچھ تصدیق نہیں اور جو حافظہ اور روایات کی دست رس سے بھی زیادہ پرانی ہیں اُن کا خدا ہی حافظ ہی وہ ما و شما کسی سے متعلق نہیں کی جا سکتیں اور اسی قبیل کی یہ عمارت بھی ہی۔ اس کی وضع قطع سے ہم اُسے کسی کا محل سمجھے اندر جا کر دیکھا تو ایک چھوڑ دو دو قبریں موجود اور پھر کل من علیہا فان کے طغرے نے تصدیق کر دی کہ یہ محل نہیں ہی کسی صاحب کا مقبرہ ہی۔



چاروں طرف مثمن کمرے ۸ فٹ - ۱۰ مربع میں - گرد دالان اور بیچ میں دو دالان ہر طرف داہنے بائیں دو چھوٹے دروازے اور بیچ کا بڑا دروازہ انہیں کے دو طرفہ طغرے ہیں جو جھڑ جھڑا گئے چنانچہ مغرب کی جانب بڑے دروازے کے پاکھوں پر کل من علیہا فان کا طغریٰ بہ مشکل پڑھا جا سکتا ہے - اندر وار چھت قبر دار لداؤ کی ہے چاروں طرف اور بیچ کے دالانوں میں تین تین گنبد ہیں جن میں سے دو ادہر اُدہر کے چھوٹے اور بیچ کا قلم دان نما لمبوترا - زینے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں چھت اوپر سے سپاٹ ہے مگر اوپر ایک چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۱½ اونچا بنا ہوا ہے مگر اس پر قبر کا تعویذ نہیں ہے جیسا کہ بنا سامحل میں ہے - مقبرے کی عمارت باہر سے ۸ فٹ مربع ہے - جس کے گرد ۴ فٹ × ۱۲½ کا چبوترا ہے جو ۲ - ۹ اونچا ہے - کل بلندی عمارت کی ۱۶ فٹ ہے - مقبرے کے گرد احاطہ بھی تھا جو کھیتوں کے سبب سے باقی نہیں رہا - ہاں نشاں اب بھی باقی ہے - مقبرے کے اندر کثرت سے رنگ آمیزی کا کام تھا جو سب ماند پڑ گیا یا جھڑ گیا - باہر بھی سر سے پا تک رنگ کا کام جو باوجود امتداد زمانے کے جا بجا اب بھی نمایاں ہے -

باجی والی گمٹی مقبرۂ بالا کے شمال میں رستے کے بائیں طرف ایک مقبرہ ہے جسے مقامی لوگ اسی نام سے موسوم کرتے ہیں - یہ بھی ایک

نئی طرز کا دہرا گنبد ہی۔ بیچ میں ایک پوسا قبہ ہی اور اِدھر اُدھر آدھے آدھے اس طرح:-



اندر ایک پختہ قبر ہی باہر سے یہ عمارت ۲۷ فٹ × ۲۰ فٹ ہی۔ مشرق کی طرف صرف ایک بڑا دروازہ ۶ فٹ - ۳ انچ اونچا ۴ ½ فٹ چوڑا ہی۔ شمال جنوب میں دو کھڑکیاں ۴ فٹ اونچی ۲ فٹ - ۳ انچ چوڑی ہیں۔ کل عمارت کی بلندی ۲۷ فٹ ہی گنبد کے اوپر ایک ہشت در برج بنا ہوا ہی ۵ ½ فٹ مربع ہی۔ یہ ایک نیا طرز ہی اور میرے خیال میں خوش نما بھی ہی۔ چھت پر جانے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں۔ چھتنیں ندارد۔ گرد ایک مختصر چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا نہ کلس ہی رہا۔ یہ ساری عمارت سنگ خارا اور چونے کی ہی۔

منگل والے پیر کا برج

یہ نام بھی گاؤں والوں کا بنایا ہوا ہی۔ یہ ایک ہشت پہل گنبد ہی بہت شکستہ۔ چھتیں جو چار طرف تھیں ندارد کلس غایب۔ پلاستر اندر سے سب جھڑ گیا۔ ۱۴ ½ فٹ مربع عمارت ہی چاروں طرف دروازے ۱۱ فٹ × ۸ ½ فٹ ہیں۔ بلندی ۱۵ فٹ۔ فرش ندارد۔ قبر بھی باقی نہیں۔ غرض بالکل خراب وخستہ حالت میں ہی۔ گرد وپیش کے کھیت والے دوپہر اس میں کاٹتے ہیں۔

ایک پختہ کنواں اور حمام

اوپر والے برج سے آگے بڑھ کر ایک بڑا بھاری پکّا کنواں ہی جس کے پاس چھ گنبد دار حجرے ہیں جن میں سے چار سالم ہیں اور دو ٹوٹ گئے۔ دیواروں کے کونوں میں مٹی کے نل لگے ہوئے ہیں اور کنوئیں میں بھی ایک ڈاٹ لگا کر نل لگایا ہی اور اسی نل سے اس مکان کے ہر کمرے میں پانی پہنچتا تھا۔ گو یہ عمارت جابجا سے گر گئی ہی مگر نلوں کی موجودگی اور اس کے پاس کوئیں کے ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حمام تھا حمام کے قرب وجوار میں محل یا مکان کا ہونا ضرور ہی۔ کوئی جنگل میں حمام نہیں بنایا کرتا لیکن اب محل تو غایب ہیں نرا حمام رہ گیا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔

بے چھت کی مسجد

اب ہم حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف جا رہے ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں ریل کی سڑک پاس آتی جاتی ہے یہ ایک بہت چھوٹی سی بے چھت کی مسجد ہے۔ مگر جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی خوب صورت بھی ہے۔ ۵ × ۶ فٹ۔ بلندی دیوار کی ۷ فٹ پچھیت کی دیوار میں صرف تین دیوار دوز طاق ہیں جن کے دو طرفہ طغرے کلمہ اور یا فتاح کے ہیں۔ ان دیواروں پر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا۔ یہ مستقل مسجد نہیں ہے بلکہ جس طرح ہر واڑوں میں مغرب رویہ دیوار اور دو پاکھے کھینچ کر مسجد بنا دیتے ہیں ویسی ہی ہے صحن تو کچھ ہے ہی نہیں صرف چھ فیٹ ہے اس کے سامنے تین درسنگ سرخ کے آگے پیچھے ایک فٹ چھ انچ اونچی ایک چوکنڈی ہے جس کی چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے اس کے آگے چبوترے پر چار قبریں ہیں۔ چبوترا منڈیر چھوڑ کر ۲۳ × ۵ فٹ ہے۔ اونچان ۵ ۔ ۸ چبوترے کے گرد احاطے کا نشان موجود ہے احاطے میں بھی بہت سی قبریاں ہیں۔

چبوترا

نالے کے پاس ایک چبوترا ۲۶ فٹ مربع ۵ اونچا ہے جس پر تین پختہ قبریں ہیں۔ بیچ والی قبر پر چونے میں آیتہ الکرسی کندہ ہے۔

گمزی

علین نالے کے کنارے تین گرڈر کے ریلوے آہنی پل کے پاس تار کے کھمبے نمبر ۹۵۱ کے سامنے دلی سے آتے ہوئے ریل کی سڑک کے داہنی طرف ۲۳ فٹ مربع ۳ فٹ اونچے چبوترے پر ایک چھوٹی سی ۱۴ فٹ مربع گمزی بنی ہوئی ہے جس کے چار دروازے چاروں طرف ۶ فٹ ۳ انچ اونچے اور ۳ فٹ ۲ انچ چوڑے ہیں چبوترہ اور قبر باقی نہیں رہی چھت قلمدان نما ہے۔ گمزی کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا۔ اب صرف کہیں کہیں ایک آدھ ٹپکا نظر آتا ہے اور بس۔

اور دو چبوترے

اور ذرا آگے بڑھئے دو پختہ چبوترے ریلوے سگنل یعنی تار کی باڑھ کے پاس ہیں جن کے اوپر قبریں ہوں گی مگر اب تو خالی ہیں اور یہی سلسلہ ریل کی سڑک کے دوسری طرف تھا۔ بہت سی قبریں ریل کی سڑک میں آگئیں اور حسب ضرورت میدان صاف کر دیا گیا۔

ایک برج کی مسجد

ٹیلیگراف پوسٹ نمبر ۹/۱۵۳ ریلوے کے محاذی سڑک کی داہنی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ایک برج اور تین در کی ہے۔ داہنی

جانب کا در ٹوٹ گیا ہے۔ بیچ کا در ۱۱×۸ فٹ اور چھوٹے در ۸×۴ فٹ ہیں مسجد ۳۵×۱۵ فٹ ایک صحن کا چبوترا ۴۵ فٹ مربع ہے۔

ایک نامعلوم برج

اسی مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا برج بہت خستہ حالت میں ہے۔ اندر کوئی قبر نہیں۔ دروازہ بھی ایک ہی ہے وہ بھی چھوٹا سا یہ عمارت ۱۷ فٹ مربع ہے۔

ایک نامعلوم گنبد

ریلوے لین تار کے کھمبے نمبر $\frac{950}{4312}$ کے بیچ میں سڑک کی بائیں طرف کوئی سو قدم کے فاصلے سے یہ گنبد پختہ اور اچھی حالت میں ہے اندر رنگ آمیزی پھول بوٹوں گلدستوں کا کام ہے۔ گنبد ۲۴ فٹ مربع ہے۔ قبر نہیں ہے اندر اینٹ کے چوکے لگا کر دروں میں چوبی چوکھٹیں اور دروازے لگا دیئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کا مقبوضہ ہے اور سامان زراعت رکھنے کے لیئے یہ سب کارستانی کی گئی ہے۔ ایں ہمہ شکل برائے اکل۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھس بھرا جاتا ہے۔ اصلی دروں کی بلندی اور چوڑان ۱۲×۹ فٹ ہے۔ پختہ چبوترا ۵۸ فٹ مربع ہے۔ قبہ کے چاروں کونوں پر چار برجیاں اور اوپر سنگ سرخ کا کلس ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔

حوض خاص کے گرد و نواح کے متعدد مقبرے

موضع کھرٹیرے کے محاذی دلی سے جاتے وقت سیدھے ہاتھ کی طرف آٹھویں میل پر قطب روڈ سے بالکل ملے ہوئے دو گنبد نظر آتے ہیں یہیں سے حوض خاص کا رستہ گیا ہے اور ایک سڑک نکال دی گئی ہے۔ یہاں سے گنبدوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور میرے خیال میں کوئی پانچ میل تک کے حلقے میں جا بجا گنبد ہی گنبد ہیں جن کا سلسلہ موضع منیرکے سے آگے تک چلا گیا ہے اب ہم ان گنبدوں کا بیان تفصیل وار لکھتے ہیں

کھرٹیرے کی حدود کے مقبرے

بیوی باندی کے مقبرے

یہ دونوں گنبد بالکل سڑک کے کنارے ہیں۔ ان میں ایک بڑا ہے دوسرا اس سے چھوٹا اور یہ دونوں

مقبرے "بیوی باندی کے مقبرے" کے نام سے مشہور ہیں۔ اب نہ بیوی کو کوئی جانتا ہے نہ باندی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ مرے بعد دونوں کا تفرقہ حکومت اور محکومیت کا مٹ گیا۔ دونوں ایک ہی فرش زمین پر ایک ہی حیثیت سے سو رہی ہیں ان کا قصہ یوں زبان زد خاص و عام ہے کہ بڑا گنبد بیگم نے اپنے لیئے بنوایا تھا اور چھوٹا باندی کے لیئے وہ باندی بھی کو ہمدم اور رفیق ہوگی جب تو گنبد میں دفن ہوئی۔ اس زمانے کی باندیاں بھی آج کل کی بیگموں سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھیں۔ آج اچھے سے اچھے امیر کو مقبرہ بنانے کی سکت نہیں۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ باندی مری اوّل۔ بیگم تھیں قدر دان بلحاظ تقدم موت اپنے گنبد میں اُسے جگہ دی اور جب بیگم کی باری آئی تو وہ باندی والے چھوٹے گنبد میں آسودہ ہوگئیں۔ سڑک سے ملا ہوا پہلا اور چھوٹا گنبد بیوی کا ہے جو ۲۳ فٹ مربع ہے۔ جس کے تین طرف دروازے اور مغربی رُخ بند ہے محراب کی چوڑان ۶ فٹ۔ ۸ ہے۔ فرش اب باقی نہیں رہا۔ تین قبریں پختہ ہیں مگر شکستہ۔ ان میں ایک بڑی زنانی قبر ہے غالباً یہی بیوی کی ہے جو ۹ فٹ × ۴ ½ فٹ طول و عرض میں ہے بلندی قبر کی ۲ ½ فٹ ہے۔ اس مقبرے پر بجائے کلس کے سنگ سرخ کی ایک چوپہلی برجی ہے دوسرا گنبد جو باندی کا مشہور ہے اوپر والے گنبد کے برابر میں ہے یہ ۲۷ فٹ مربع ہے اس میں بھی چاروں طرف محرابیں ہیں مغرب کی طرف بند۔ بیچ کے در کے اِدھر اُدھر ایک ایک چھوٹا در ہے بڑی محراب عرض میں ۷ ½ فٹ چھوٹی محراب کی بلندی اور عرض ۷ فٹ۔ ۸ × ۲ فٹ۔ ۱۰ ہے۔ مقبرے کی چنائی پر بسم اللہ اور آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اور محرابوں کی ہر دو جانب کلمہ اور حسبنا اللہ کے طغرے ہیں۔ اس میں چھ پختہ قبریں ہیں مگر سب ٹوٹی پھوٹی جن میں دو اونچی ہیں باقی زمیں دوز۔ اس کا فرش بھی اکھڑ پکھڑ گیا چاروں محرابیں بھی تڑخ گئی ہیں۔

بارہ کھمبا

اس کے چاروں طرف تین تین در ہیں بارہ کھمبے کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔ ۲۲ ½ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں ندارد بیچ کی آرچ ۶ فٹ۔ ۱۱ اور چھوٹی آرچ ۴ فٹ۔ ۹ عریض ہے۔ اس گنبد کی شمالی جانب بالکل چبوترے سے ملی ہوئی ایک کوٹھیاں ہے جو بہت خطرناک ہے کم سے کم اُس کی منڈیر بن جاتی۔

ستیوں کے دو مٹھ

بارہ کھمبے کے پاس مغرب کی طرف دو چھوٹے چھوٹے ستیوں کے مٹھ ہیں ہندو ان پر پھول ڈول چڑھایا کرتے ہیں۔

گمزی چار کھلے دروازے۔ باہر سے ۵ ہاتھ مربع۔ قبر او فرش ندارد یہاں گنبدوں کا ٹھور ٹھکانا نہیں گمزی رہی اپنی جگہ۔

اور دو نامعلوم گنبد (۱) تین طرف دروازے ایک طرف بند۔ ایک ٹوٹی پھوٹی قبر۔ فرش ندارد۔ لوگ چوکھٹوں کے بڑے چور ہیں کہ دہلیز کے پتھر کام آتے ہیں۔ اُکھاڑ لے گئے۔ یہ گنبد باہر سے ۱۳½ مربع ہی (۲) اسی طرح کا جیسا اوپر والا ہی۔ ۱۳ مربع۔ بیچ میں بیچ کی ایک شکستہ قبر۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ در کی چیکلان (۲)۔

گنبد باغ عالم یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابوسعید کا مقبرہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء

درحقیقت یہ گنبد جو کھنڈر بڑے کے مقبروں میں سب سے بڑا اور بہت شان دار ہی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابوسعید امرائے سکندر لودھی کا ہی لیکن اب جس سے پوچھو اسے باغ عالم کہتا ہی۔ ممکن ہی کہ پہلے اس کے گرد کوئی باغ رہا ہو کیوں کہ دور دور تک جگہ چھٹی ہوئی ہی۔ غرض یہ معمولی عمارت نہیں ہی یہ مقبرہ بہت خوب صورت بنا ہوا ہی۔ اندر سے ۵۳ مربع ہی۔ تین طرف تین تین دروازے اور ہر در کے ادھر اُدھر ایک ایک کھڑکی مغرب کی طرف کا بڑا در بند ہی مگر ادھر اُدھر کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ بڑی محراب کی چوڑان ۸ ہی۔ سیڑھیاں نہیں کہ بلندی معلوم کر سکیں۔ گنبد کی چندیا پر بسم اللہ اور اسمائے حسنیٰ دو سرے حلقے میں آیۃ الکرسی منقوش ہی۔ گنبد اس قدر اونچا ہی کہ بلا دوربین کے پڑھ نہیں سکتے۔ چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی اور اونچی ہی۔ فرش اب بالکل نہیں رہا۔ باہر دار سنگ سرخ کے چوکھٹوں کی چار دل طرف بڑی نفیس کھڑکیاں ہیں جن کے تین طرف نیلے ٹیکل لگے ہوئے ہیں اور اوپر مار پھر تین تین چھوٹے نہایت خوب صورت طاق بنا کر پھر سنگ سرخ کا چوکھٹا لگا کر طاقوں کے اندر نیلے ٹیکل لگا دیئے ہیں جو بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔ اس مقبرے کی ایک ندرت اس کا نفیس اور خوش خط خط نسخ میں طغرے کا کتبہ ہی مگر غضب یہ کیا ہی کہ اتنا اوپر لگایا ہی کہ اُسے پڑھنا از بس دشوار ہی یہ کتبہ سنگ سرخ کے چوکھٹے میں سنگ موسیٰ کی تختی پر دو سطری ہی اور

دور سے ایسا معلوم دیتا ہے جیسا کہ کسی شل کی لوح ہو۔

یہ کتبہ مغرب کی طرف لگا ہوا ہے بلا دوربین کے پڑھا نہیں جاسکتا اسی وجہ سے لوگوں نے ایک بادہوائی بات اڑا دی ہے کہ اس کتبے میں اُس زمانے کا نرخ اجرت اور اجناس کی تشریح ہے حالاں کہ کتبہ یہ ہے:-

(۱) بنای این عمارت در عہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

(۲) این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاج خان سلطان ابو سعید بتاریخ نہم ماہ رمضان سنۃ ست وتسعمائۃ (۹۰۶ھ)

اس گنبد کے اندر چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی ہے اس گنبد کا کلس تو اب رہا نہیں مگر اُس کے گرد کا کنگورے دار کنول بہت ہی نفیس ہے۔ یہ اس وضع کا ہے جیسے مرادآبادی خاصدان کے اوپر زردہ رکھنے کی ٹنی ہوتی ہے۔

قناتی مسجد

مغرب کی طرف جدھر کتبہ ہے اُدھر ہی گنبد کے پاس ہی ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔

ایک اور قناتی مسجد

اُس سے آگے بڑھ کر ایک اور محاط ہے وہاں بھی ایک اور قناتی مسجد ہے اس میں بھی قبریں ہی قبریں ہیں۔

توپوں والا گنبد

یہ نام کیوں پڑا کچھ خبر نہیں۔ یہ گنبد ۳۳ مربع ہے۔ اندر چار قبریں سنگ خارا کی اچھی حالت میں ہیں تین در کھلے مغرب کی طرف بند۔ یہ گنبد بھی عالم گم نامی میں ہے۔

حوض علائی یا حوض خاص

اور مدرسہ سنہ ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) سنہ ۷۵۳ھ (۱۳۸۸ء)

آخر آں شاہ شیع الاحساں ساخت حوضیکہ پر ز آب بود

وہ چہ حوضیکہ غیرت بحر ست بلکہ از سعت بحر انتخاب بود

می زدہ موج لبس ز نور صفا ہر حبابش چو ماہتاب بود

پیش او چشمہ سار آب حیات خشک بے آب چوں سراب بود

حوض کوثر بود مگر کہ مدام آب او بہتر از گلاب بود

یہ تالاب کا ہے کو تھا ایک جھیل تھی جو ستر ایکڑ کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تالاب کو سلطان علاء الدین خلجی نے ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) میں بنوایا تھا۔ اس تالاب کی چاروں طرف سنگ بست اور پختہ تھی ۷۵۵ھ (۱۳۵۴ء) میں فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو یہ تالاب

بہت شکستہ ہوگیا تھا مٹی سے تمام اٹ گیا تھا اور پانی کا نام نہ تھا۔ لوگ اس کے شکم میں کوئیں کھود کھود کر زراعت کرتے تھے فیروزشاہ نے گل برآری کرا ایسی مرمت کروائی کہ گویا از سر نو بنوا دیا اور جب ہی سے **حوض خاص** نام پڑا اور اسی سبب سے **امیر تیمور** نے اس تالاب کو فیروزشاہ ہی کا تالاب لکھا ہے چنانچہ امیر موصوف نے لکھا ہے کہ "یہ تالاب فیروزشاہ کا بنایا ہوا ہے جس کے چاروں طرف پختہ سلامی آتری ہوئی ہے"۔ اس تالاب کے چاروں طرف ایک ایک تیر کی زد پر اور نیز تالاب کے گرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ برسات کے پانی سے تالاب لب ریز ہو جاتا تھا اور اس قدر وافر پانی جمع ہوتا تھا کہ رعایا کی سال بھر کی ضروریات کو کافی ہوتا تھا۔ مولینا **شرف الدین یزدی** نے ظفر نامے میں بحوالہ ملفوظات تیموری اس حوض کو فیروزشاہ کا بنایا ہوا گہرا اور عمیق کنواں لکھا ہے۔ ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء میں فیروزشاہ نے اس تالاب پر ایک مدرسہ بھی بنایا تھا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ اس تالاب کے جنوبی رُخ پر اس سرے سے اُس سرے تک مکانات ہی مکانات تھے (فیروزشاہ کے مدرسے میں پختہ اور لیت حجرے ہیں جن میں گاؤں والے رہتے ہیں)۔ اس مدرسے کے متولی **سید یوسف بن جمال** نے ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء میں انتقال کیا اور مدرسے کے صحن میں ہی آسودہ ہیں۔ کسی زمانے میں یہ مقام دل کش اور خوب ہوگا کہ اُس کے دیکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہوگا اور ایک معقول سیرگاہ ہوگی۔ اب بجائے سیرگاہ کے زراعت کا میدان ہے رات دن ہل چلتا ہے اور اس کے شکم میں کھیت ہی کھیت کھڑے ہیں۔ اب یہ حوض کی شکل نہیں رہا۔ بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا اور بھر بھرا کر برابر ہوگیا ایک قطرہ پانی کا نہیں ٹھہرتا سوکھا پڑا رہتا ہے اور لوگ زراعت کرتے ہیں۔ کھرڑیے سے آتے وقت تھوڑی دور تک اس کا ایک بلند بند ملتا ہے جو حال میں ڈالا گیا ہے یا ممکن ہے کہ پہلے بند پر نئی مٹی ڈال دی ہے۔ اب اس گاؤں ہی کا نام **حوض خاص** ہوگیا ہے اور گنواروں کی زبان پر **ہود کھاس** چڑھ گیا ہے مگر نہ اب نہ حوض خاص رہا نہ تالاب رہا۔ وہ وسیع سلسلہ مکانات کا جو اس کے گرد تھے اکثر اُن میں سے کھنڈر ہو گئے مگر پھر بھی یہ مقام دیدۂ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہے۔

فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ
۷۹۲ھ — ۱۳۸۹ع

یاد ایام عشرت فانی ✲ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ ہیں اگلی
خاک میں رشکِ آسماں ملی ✲ ہائے کیسی بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کون ✲ بے عدی کر رہی ہے دربانی
کیا ہوئی وہ بلندی دیوار ✲ کیا ہوئے وہ عماد طولانی

ہائے گل ہیں چمن میں ریزہ و سنگ ✲ کاہ کرتی ہے ناز ریحانی ✲ اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم ✲ ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ وہ کچھ فشان آب رواں ✲ خاک سارے جہان میں چھانی ✲ سقف رنگین و زرنگار کہاں ✲ جز سپہر و نجوم نورانی
شور زاغ و زغن ہے تیع خراش ✲ اب کہاں بلبل و غزل خوانی ✲ نظر آتی نہیں وہ تصویریں ✲ نقش دیوار کیوں نہ ہو فانی
اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور ✲ ہم نے کیا تہ کی بات پہچانی

❊

حوض خاص کے پاس ہی ایک کنارے پر **فیروز شاہ** (۱۳۵۱-۸۸ع) پسر سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ کا مقبرہ ہے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حوض اور مکانات ملحقہ تو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں اور مقبرہ سلطان محمد ناصر الدین بن سلطان فیروز شاہ (۱۳۸۹-۹۲ع) نے جو اپنے بھتیجے ابو بکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا ۷۹۲ھ (۱۳۸۹ع) میں بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۹-۳ فٹ مربع ہے جو بہت عمدہ پتھر کا پختہ بنا ہوا ہے جس کے دو جانب مغرب اور شمال میں ایک ایک لین مکانات اور حجروں کی ہے جو غالباً فیروز شاہ کا مدرسہ تھا گنبد کے دو دروازے کھلے ہیں۔ مغرب اور شمال کی طرف بند اور دروازوں کے جواب میں دیوار دوز محرابیں ہیں۔ مقبرے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کے سامنے پتھر کی ایک منڈیر کوئی دو فیٹ اونچی گھیر دینے سے ایک مختصر سا خوش نما صحن نکل آیا ہے۔ اور اسی صحن میں سے ہو کر تین سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے اندر پہنچتے ہیں۔ دروازے کی محراب ۱۰ فٹ بلند اور ۶-۲ فٹ چوڑی ہے۔ مقبرے کے اندر چار قبریں ایک ہی قطار میں ہیں۔ مغرب کی جانب سے (۱) قبر سب سے بڑی ۹-۹ فٹ × ۵-۴ فٹ اور ۲-۴ فٹ اونچی سنگ مرمر کی ہے اور یہی فیروز شاہ کی معلوم دیتی ہے۔ اس کے پہلو میں مشرق کی طرف دوسری قبر سنگ مرمر کی اور تیسری گچ کی ہے۔ چوتھی سب سے نیچے مزار قبر نمبر ۲ کے پائین میں ایک چھوٹی سی قبر سنگ مرمر کی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس گنبد میں فیروز شاہ کا بیٹا نصیر الدین محمد شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ پسر نصیر الدین بھی مدفون



نقشۂ مقبرۂ فیروز شاہ [illegible] حوض خاص

گنبد ۲ ... ہیں ۲ ... چوتھی قبر نا ... ہوں گی جو ان دونوں صاحبوں کی ... نمبر ۲ و ۳ کی قبریں
دروازہ چوڑا مستطیل اور محراب دار ہے جس کے بالائی حصے پر سنگ سرخ کی جالی
ہوئی ہے۔ دروازے کے اوپر کا پٹاؤ اور دونوں جانب کے ستون ذرا آگے
بڑھے ہوئے ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں مشرقی دروازہ بھی وضع قطع میں
بالکل جنوبی دروازے کی طرح کا ہے مگر اس کے سامنے احاطہ کی منڈیر نہیں ہے شمال
رخ کی دیوار دوز محراب میں ایک نوکدار محراب کا دروازہ ہے جس میں سے ہو کر مدرسے
کو جانے کا رستہ ہے۔ مقبرے کی دیواروں کی شکل بہت اوپر جا کر بدل جاتی ہے جو مربع
سے مثمن اور پھر سولہ ضلعوں کی شکل کی ہو جاتی ہیں اور اس طرح ایک نہایت پیچ در پیچ گول
چھتہ بن جاتا ہے۔ مقبرے کی چھت کے اطراف ایک پست منڈیر ہے گنبد نصف
دائرے کی شکل کا ہے جس کا قطر بہت بڑا ہے جو چوٹی تک پہنچتے پہنچتے ایک خوبصورت
دائرے کی شکل کا ہو جاتا ہے جس میں سے پٹیاں باہم تقاطع کرتی ہوئی گنبد کے وسط
تک پہنچتی ہیں۔ ان پٹیوں کے باہمی تقاطع سے جن قطعوں میں مختلف اقسام و اشکال
کے گلدستوں اور پھولوں کی تراشی گئی ہیں۔ ان پٹیوں اور گلدستوں پر اور گنبد کی سقف
کی سفید سطح پر مختلف اقسام کی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ جنوبی دروازے کی پیشانی پر
ایک نہایت عمدہ دو سطری کتبہ بخط طغریٰ نسخ چونے میں کھدا ہوا ہے جس کے بکھرے
اکھڑ جانے سے بہت ناقص ہو گیا ہے۔ جو عبارت جھڑ گئی اس سے قطع نظر کر کے بھی
جو باقی ہے وہ ایسی پیچ در پیچ لکھی ہوئی ہے کہ طبیعت پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی پوری
طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ الفاظ اوپر نیچے اور کچھ پیچ ہونے سے کتبہ کیا ہے ایک بھول بھلیاں
ہے بہر حال کافی غور کے بعد جو الفاظ نکل سکے ہیں وہ یہ ہیں:- کتبہ۔
پہلی سطر ".... اللہ محمد رسول اللہ لنان .... باتباع فرمائش درمیان
و ماہ موتب کرد ... صلد در عہد .... سلطان السلاطین سکندر
بن سلطان السلاطین .... بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و اعلی
قدرہ و شانہ در بستم ماہ رمضان سنۃ ثلثہ عشر تسعمائۃ۔
دوسری سطر۔ سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ و
جعل الجنۃ مثواہ در .... بن شیخ قاضی بن شیخ حاجی لہ لبنا ... مزار

انصر برد الله انلو جو تر .. فیروز میان وجلال میان در سال منو ۲؎

یہ پیچیدہ پیچیدہ الفاظ بہ شکل نکلے ہیں جن سے کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔

سرسید نے صرف دوسری سطر پڑھنے کی کوشش کی ہو لیکن اوّل سطر کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا اس میں تو کلام نہیں کہ یہ گنبد فیروز شاہ بادشاہ کا ہو اور اغلب قیاس یہ ہو کہ اُسی کے بیٹے نے بنوایا ہوگا۔ لیکن کتبہ کی عبارت بحث طلب ہی۔ اس کتبے کی پہلی سطر میں صاف طور پر نام سکندر بن بہلول شاہ اور سال ۹۱۳ م درج ہی جو لودھیوں کا زمانہ ہوتا ہی اس سے صاف ظاہر کہ کتبہ زمان مابعد میں بعہد سکندر شاہ ثانی لگایا گیا ہی نہ اس سے قبل۔ اس کتبہ کو مُرتب گردانیدہ سلطان السلاطین فیروز شاہ خلد اللہ ملکہٗ . . . . بن سلطان فیروزشاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کیسے پڑھا گیا اصل کتبے میں نہ مرتب گردانیدہ ہی اور نہ بن سلطان فیروزشاہ اور نہ زندہ آدمی کے نام کے ساتھ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ لکھا جا سکتا ہی۔ گنبد کے گرد اُس مقام پر جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہی سنگ سرخ کا ایک ٹپکہ لگایا گیا ہی جس پر بہت عمدہ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ مقبرے کے سامنے جنوب رخ پر احاطے کی ایک بہت لمبی اور اونچی فصیل نما دیوار کھڑی ہی جس میں طاق طاق بنے ہوئے ہیں غالبًا ایسی ہی دیوار احاطے کی چوطرف تھی اب صرف ایک ہی طرف باقی رہ گئی ہی۔ لارڈ کرزن کو یہ کھنڈر بھی دعائیں دے رہے ہیں۔ جس طرح فیروز شاہ کے کوٹلے۔ پرانے قلعے ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبروں قطب صاحب کی لاٹ میں دوبارہ جان ڈال دی ہی فیروز شاہ کے مقبرے کے کھنڈروں کو بھی چمن بنادیا ہی۔ لال لال بجری کی خوش نما روشیں اور ہری ہری دوب کے ہموار تختے عجب بہار دیتے ہیں کھنڈروں پر بھی نکھار ہی گرے پڑے پتھروں کو بھی سمیٹ کر خوش سلیقگی سے قرینے اور ٹھکانے سے لگا دیا ہی۔ کوڑے کرکٹ کا نام نہیں چوطرف سبزہ زار اور تازگی ہی۔ عمارات کی بھی تابہ امکان مرمت کرادی ہی گویا مردے کے حلق میں پانی ڈال دیا۔ لاٹ صاحب نے یہ کام ایسا کیا ہی کہ ان کو جتنی دعائیں دی جائیں کم ہیں۔

حوض خاص کی اور عمارتیں

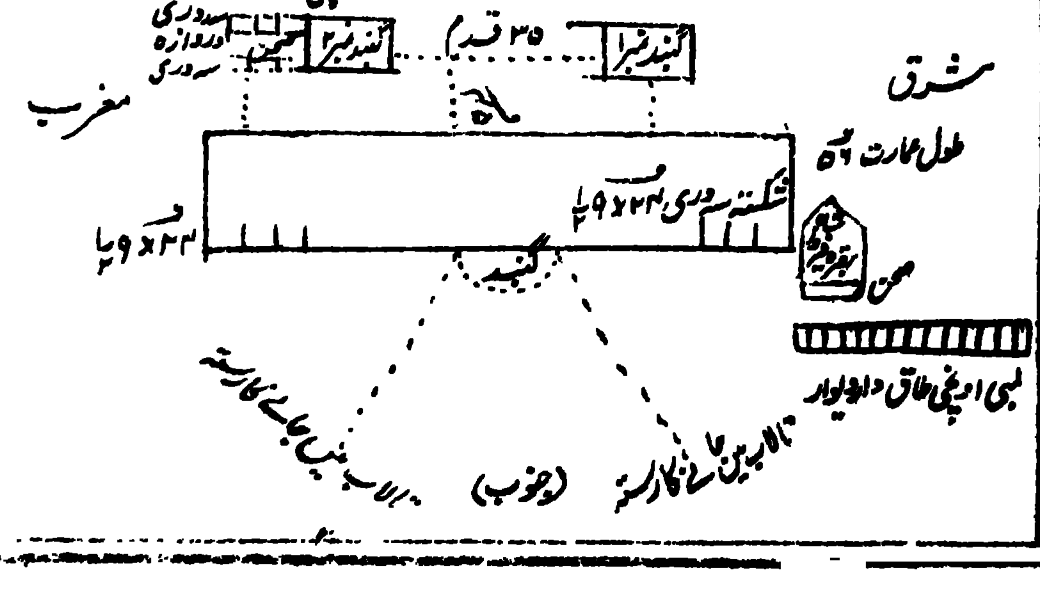
دو گنبد

(۱) اندر سے ۱۷ – ۹ مربع۔ چاروں طرف چار دروازے۔ محراب ۸ – ۹ بلند ۶ – ۵ چوڑی۔ قبر ندارد۔ فرش حال میں سنگ خارا کی سلوں کا کیا گیا ہے۔

(۲) اوپر والے مقبرے کی سیدھ میں مشرق کی طرف۔ دونوں گنبدوں میں (۳۵) قدم کا فصل ہے۔ ۱۷ – ۹ مربع۔ محراب ۸ – ۳ بلند ۶ ½ چوڑی۔ مشرق مغرب کے در کھلے باقی دو طرف کے بند۔ قبر باقی نہیں۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا زمانۂ حال کا ہے۔ اس مقبرے کے سامنے ۱۱۴ × ۲۱ ½ کا صحن ہے جس کی دونوں جانب ۲۳ ½ x ۹ ½ سہ دریاں ہیں جن کے در ۱۰ بلند اور ۲ ½ چوڑے ہیں۔ سہ دریوں میں ایک ایک بغلی کوٹھری بھی ہے۔ مغرب کی طرف گنبد اور سہ دریوں پر جانے کا (۳۰) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ سہ دریوں کے سامنے چوڑا چھجہ سنگ خارا کی سلوں کا تھا جو اکثر جگہ سے گر گیا۔

مدرسے کے مکانات

ان دونوں گنبدوں کے شمال میں ۲۵۵ لمبا قطع مکانات کا ہے جس میں کا ۲۵ کا حصہ گر گیا ہے۔ اس لین کے وسط میں ایک گنبد ہے۔ گنبد کے دو طرفہ نیچے اترنے کا زینہ ہے جس میں سے تالاب میں اتر جاتے ہیں یہی خاص حوض ہے۔ گنبد کے تین دروازے ہیں شمال کی طرف ایک شہ نشین ہے جس سے تالاب کا نظارہ ہوتا ہے۔ یہ گنبد ۱۹ ½ مربع ہے۔ فرش اکھڑ گیا۔ سطحی نقشہ یہ ہے:



مقبرے کے شمال میں بھی اسی قسم کا بلاک مدرسہ کی عمارت کا ہے اور اس طرح اب معلوم ہوتا ہے ہیں۔ بالجملہ دونوں بلاک ملاکر بہت وسیع عمارت ہے جس میں کشادہ دالان۔ سہ در اور حجرے ہیں جو ایک بڑے کالج کے لیئے بالکل مکتفی ہو سکتے ہیں۔

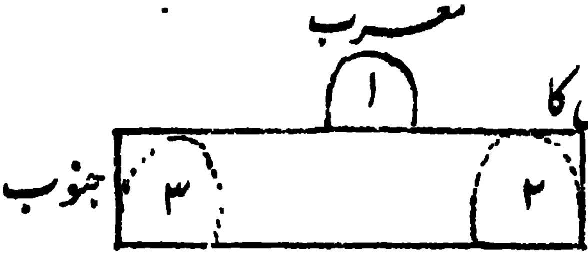
فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج

(۱) ہشت درہ ہشت پہلو برج جس کا ایک ضلع ۶ فٹ ۳ انچ ہے۔ (۲) اسی لین میں اس کا جواب دوسرا برج۔ (۳) ایک شکستہ تلاوی کوٹھڑی برج نمبر (۱) کے پاس۔

(۴) ہشت درہ برج وہیرے دروں کا۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ (۵) ہشت پہل برج۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۳ انچ۔ اس میں سنگ سرخ کے تعویذ کی ایک قبر زمین کے برابر ہے (۶) بارہ کھمبا (۲۴×۲۴) مربع جس کے بیچ میں ایک قبر زمین کے برابر ہے۔

دو دالان

(۱) اس شکل کا



شمال

یہ عمارت ۸۰×۲۶ فٹ سنگ خارا کی بالکل صحیح سلامت ہے لمبان میں گیارہ اور چوڑان میں تین در ہیں۔ دونوں سروں پر دو گنبد۔ گنبد نمبر (۱) ۳۰½×۲۳ فٹ ۹ انچ۔ گنبد نمبر ۱ کے سامنے بالکل تالاب کے کنارے ایک دو منزلہ نہایت وسیع اور مرتفع دالان ۱۲۰×۳۰ فٹ ہے۔ اس کے دونوں سروں پر بھی گنبد تھے۔ شمال کی طرف کا برج نصف گر گیا اور جنوب کی طرف صرف دو دروں سمیت ایک پاکھا کھڑا ہے چھت نام کو نہ رہی۔ تحتانی حصہ طولاً نصف گر گیا اور نصف باقی ہے عجب نہیں جل محل یہی ہو اور یوں تو جتنی عمارتیں ہیں سمیت تالاب کے آثار رہے ہیں اور سب ہی کا ایک رخ تالاب کی طرف ہے جسے چاہو جل محل کہہ لو۔

تالاب کے کنارے کی مسجد

یہ مسجد عمارات ملحقہ کی شان و شوکت کے لحاظ سے بہت بڑی اور متین بنائی گئی ہے۔ مسقف دالان ۵۵×۱۰ فٹ ۲½ ہے۔ دائیں بائیں دو سہ دالان ہیں۔ داہنی طرف کا دالان گر گیا۔

دالان ۳۵ - ۹ فٹ × ۱۶ آ ہیں۔ مسجد پانچ در کی ہے اور دو دو در بغلی دالانوں سے ملا لیں تو نو دری سمجھو۔ موجودہ صحن مسجد کا اٹھ فٹ مربع ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا اور دو قبریں سنگ سرخ کے تعویذوں کی ہیں۔ اس صحن کے علاوہ مسجد کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ بھی ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے جس میں مٹی بھری ہوئی ہے جو ۹ فٹ ۳ مربع ہے۔ مسجد کی پچھیت کی دیواریں تالاب کے رخ پر تین سنگ سرخ کی شہ نشینیں رکھی گئی ہیں۔ بیچ کی شہ نشین بڑی ہے اور ادھر ادھر کی چھوٹی۔

نگینہ گمٹی

حوض خاص سے ہم موضع منیرکہ کو چلے جو کوئی ڈیڑھ میل جگہ ہے۔ فیروز شاہ کے مقبرے کے مغرب میں حوض خاص کے کنارے ایک ٹیلے پر ایک برجی ٹھہری ہوئی ہے جسے لوگ نگینہ گمٹی کہتے ہیں۔ یہ ایک شش دری برجی ہے جس کا ایک ضلع ۵ فٹ ۲ کا ہے۔ قبر نہیں ہے۔ گرد کا چبوترا شکستہ ہو گیا۔ ایک خشک کنواں بھی چبوترے پر ہے۔ اس سے ذرا آگے بڑھ کر ایک وسیع اور پختہ چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں۔

بجلی خاں کا گنبد

منیرکہ جاتے وقت داہنے ہاتھ کی طرف ایک بلند ٹیلے پر جو گنبد ہے وہ بالعموم بجلی خاں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر فنا کے اندھیرے گھپ کے سامنے بجلی کی کوندھ بھی کچھ روشنی نہیں ڈالتی۔ گمنامی کی ایسی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ ٹٹولنے سے بھی رستہ نہیں ملتا۔ یہ مقبرہ اندر سے اٹھ فٹ مربع ہے۔ سارا پلاستر اندر باہر کا گر پڑا کہیں کہیں کچھ ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ ایک ہی لین میں چار قبریں سلیج کی ہیں ایک قبر سب میں بڑی اور اچھی حالت میں ہے۔ اسے بھوتے کو سمجھ لو کہ یہی بجلی خاں کی ہے۔ باقی شکستہ ہیں۔ تین طرف کے در کھلے ہوئے ہیں۔ شرقی جانب کا بند کر دیا گیا ہے۔ (۱۸) سیڑھیوں کا زینہ اوپر چڑھنے کو ہے۔ چونکہ اس نواح میں سارے گنبد فیروز شاہ کے عہد کے پٹھان امراء کے ہیں ہو نہ ہو بجلی خاں ان میں سے ایک ہوں گے۔ اس مقبرے کے مغرب میں ایک اور چھوٹی سی گمزی ۱۸ فٹ مربع ہے جس میں ایک ٹوٹی پھوٹی قبر بھی ہے مگر جب سلطنت والے گنبد کا کچھ حال نہ کھلا تو یہ گمزی کس شمار قطار میں ہے۔

چھوٹا گنبد بجلی خاں کے گنبد کے پاس ہی اس نام کا ایک اور چھوٹا گنبد ہے کو دیکھنے سے تو سپوتلے کا نام غلط معلوم دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ سارا بن گیا صرف قبہ بننا باقی رہ گیا۔ چھت کا نہ نشان ہے نہ چھت کا کوئی گمان۔ خدا جانے کیا اتفاق پیش آیا کہ بنتے بنتے رہ گیا۔ یہ اندر سے ۱۵ فٹ مربع ہے۔ قبر نہیں ہے۔

حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد حاجی صاحب کا اصل نام کیا تھا معلوم نہیں مگر اب گاؤں والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ گو یہ گنبد اور اس سے اگلا دونوں موضع حوض خاص کی حدود میں ہی ہیں مگر موضع منیرکہ سے قریب ہیں ۳۰ فٹ مربع ایک گنبد ہے اندر پولیاں بھری ہوئی ہیں خبر نہیں کہ قبر ہے یا نہیں۔ مشرق اور شمال میں ایک ایک دروازہ ہے۔ سامنے ایک پانچ دری پختہ مسجد ہے جس میں کے دو در گر گئے مسجد کا دالان ۹ × ۸۵ فٹ ہے صحن مسجد ۱۰۰ × ۸۵ فٹ ہے۔ اسی کے کنارے مقبرہ ہے۔

ایک گمزی اوپر والے گنبد کے شمال مغرب کے کونے میں ایک گمزی ۱۴ فٹ مربع کھڑی ہے۔ بیچ میں قبر کا صرف گڑھا رہ گیا ہے اور گمزی کا قبہ بھی بالکل کھنڈ گیا ہے۔ چونکہ یہ گمزی اوپر والے مقبرے کے پاس یعنی اس کے احاطے میں ہے قیاس یہ چاہتا ہے کہ بڑے گنبد والے صاحب کے یہ کوئی متوسل ہوں گے ہم کو نہ آقا کا پتہ ملا نہ متوسل کا۔

موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد

قناتی مسجد گاؤں سے ورے کوئی دو گولی کے ٹپ پر اوپر والے گنبد کے مغرب میں ساٹھ فیٹ مربع قناتی مسجد ہے۔ چبوترے پر بہت سی قبریں اور بیچ میں ایک پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے چبوترے کے گرد منڈیر اور چاروں کونوں پر گول فیل پائے بنے ہوئے ہیں چبوترے کی دیواریں چوطرف طاق طاق بنے ہوئے ہیں پچھیت کی دیواریں پیش طاق کے پیچھے ایک بڑا طاق اور ادھر ادھر تین تین چھوٹے طاق اس طرح کل سات طاق ہیں۔ بہت پرانی ہموار معلوم دیتی ہے۔ سارا چبوترا جھاڑی اور کانٹے سے ڈھک گیا ہے۔

موضع منیرکہ کے کئی گنبد منیرخاں اور وزیرخاں فیروز شاہ کے زمانے کے دو امرا تھے کہتے ہیں کہ دونوں بھائی بھائی ...۔ انہوں نے دو گاؤں لبسائے تھے جو انھیں کے نام سے مشہور ہیں۔ منیرخاں منیر کھاں ہوا جو کثرت استعمال سے منیرکہ ہو گیا اور امیرخاں کا گاؤں امیرکہ کہلانے لگا۔ امیرکہ کی بستی کا تو اب پتہ بھی نہیں رہا ہاں منیرکہ موجود ہے۔ منیرخاں کی نسبت کہتے ہیں کہ شکار کا بہت شوق تھا اور چیتے پالا کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے دونوں گاؤں جاٹوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ اس بستی کے متصل تو صرف دو گنبد ہیں ایک تو بالکل بستی کے اندر ہے اور دوسرا بستی کے باہر۔ پہلے گنبد سے کوئی ہزار قدم پر۔ دونوں گنبدوں کو لوگ منیرخاں ہی کا بتلاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بستی کے اندر والا گنبد کسی اور کا ہوگا۔ باہر والا گنبد وہ بہت عالی شان ہے اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہی منیرخاں کا ہوگا۔

بستی کا اندر والا گنبد (۱) ادھر ادھر دو دو دالانوں محرابیں ہے امربع۔ بہت خراب و خستہ حالت میں ہے بیچ میں ایک قبر ہے وہ بھی خام جس پر گاؤں والے اپلے تھاپتے ہیں۔ اس گنبد کے شمال میں دو کوٹھریاں ہیں وہ بھی گنبد کی طرح بوسیدہ ہیں۔

(۲) بستی کے باہر اوپر والے گنبد سے کوئی ہزار قدم کے فصل سے ایک بہت بلند ٹیلے پر (۵۲) سیڑھیاں چڑھ کر یہ گنبد (ہشت) مربع ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں اور دونوں دروازوں پر دو دو۔ اس میں تین قبریں سنگ سرخ کی ہیں۔ چونکہ یہ گنبد بہت بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے اور خود بھی اونچی عمارت ہے دور دور سے دکھائی دیتا ہے۔ ہو نہ ہو یہی منیرخاں کا گنبد ہوگا۔

مراد آباد پہاڑی کے چار گنبد منیرکے سے مغرب رخ پر کوئی ایک میل کے فصل پر ایک بڑا گنبد ہے جو ...رلا گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے آگے ایک اور گنبد ہے مگر چھوٹا جو باجنا گنبد کہلاتا ہے۔ اور آگے بڑھو تو پہاڑی پر دو گنبد اور ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ یہ چاروں گنبد کن کے ہیں معلوم نہیں۔ پہلے مراد آباد پہاڑی کوئی گاؤں تھا اب اس کا وجود نہیں ...

اب تو یہ چاروں گنبد موضع منیر کے کی ہی حدود میں ہیں۔

وزیر کے کے مقبروں کا گروپ

منیر کے سے دو گولی کے ٹپہ پر پانچ مقبرے برابر برابر ہیں۔ (۱) گمزی ۲ مربع (۲) وزیر خاں کا مقبرہ جو سب میں بڑا اور عالی شان ہی ۶ مربع۔ اندر خاص پولیاں بھری ہوئی ہیں کہتے ہیں کہ اس میں سنگ سرخ کی ایک قبر ہی۔ (۳ و ۴) دونوں ایک ہی طرز کے ۲ مربع گنبد نمبر ۲ میں ایک چونے کی قبر ہی۔ منیر خاں کے گنبد نمبر ۲ کے سامنے ایک گمزی نمبر (۵) ۱½ فٹ ہی۔ یہ گمزی معلوم ہوتا ہی کہ بعد میں بنائی گئی ہی کیوں کہ ایسی بے موقع منیر خاں کے مقبرے کی دیوار میں گھسا کر بنائی ہی کہ اُس کے پیش کو عیب لگا دیا اور بالکل آڑ ہو گئی۔ مقبروں کی اس لین کے محاذی بجانب جنوب ایک بہت بڑی اور عمیق مستطیل باؤلی ہی جو بالکل ڈھ گئی ہی۔ باؤلی کے عرض میں ادھر اُدھر دو برجیاں ہیں جن کے بیچ میں کنواں ہی اور ادھر ہی ایک سہ دری بھی بنی ہوئی ہی۔

دو فنائی مسجدیں

منیر کے اور امیر خاں کے گنبد کے درمیانی میدان میں بائیں ہاتھ کی طرف تھوڑے تھوڑے فصل سے کھیتوں میں دو فنائی مسجدیں ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔

موضع محمد پور کے تین مقبرے

محمد خاں کا مقبرہ

(۱) منیر کے سے کوئی میل بھر اور منیر خاں کے گنبد سے نصف میل پر محمد پور نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہی جس کی نسبت سر سید نے لکھا ہی کہ "اس موضع میں ایک مقبرہ ہی جس کی نسبت معلوم نہیں ہوتا کہ کس کا ہی" ؎

سراغ عمر گزشتہ کا ڈھونڈیئے گر ذوق تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

میں اس عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں سر سید نے اس مقام کو دیکھا نہیں اور سنی سنائی بات پر یہ مختصر سا فقرہ لکھ دیا ورنہ اس عمارت کی

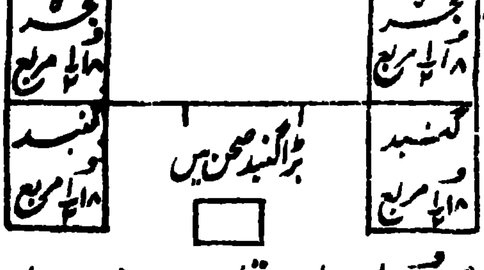
عظمت وشان اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ یوں سرسری طور پر ایسی گراں ڈیل شاہانہ عمارت کا ذکر کیا جاتا موضع محمد پور یا محمد[۱] شاہ بادشاہ کے نام پر آباد ہے یا کوئی محمد خاں اس کے بانی ہوں گے۔ پہلی صورت میں یہ شاہی عمارت ہوگی اور دوسری صورت میں محمد خاں کی اگر شق آخر اختیار کی جاوے تو محمد خاں بھی منیر خاں اور امیر خاں کے جوڑی دار اور ہم عصر ہوں گے۔ بہرحال یہ خیالی نکتے ہیں کوئی دل ٹھکتی اور ٹھکانے کی بات ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ مجھے اس عمارت کو مقبرہ کہنے ہی میں تامل ہے۔ اگر مقبرہ لغوی معنوں میں لیا جائے یعنی ہر وہ جائے کہ جہاں قبر ہو تو صحیح ہے اور اگر مترادف معنوں میں لیا جائے تو یقیناً غلط ہے۔ کیوں کہ اس عمارت کی صورت کبھی مقبرے کی نہیں ہے۔ صدہا مقبرے ہماری نظر سے گزرے سب ایک ہی وضع قطع کے ہیں کہ یا مربع ہیں یا ہشت پہل۔ چار طرف چار در اوپر گنبد مگر یہ کیسا مقبرہ ہے جو مسلسل ۱۶۲ فٹ تک چلا گیا ہے۔ میرے خیال ناقص میں تو یہ تین در کی مسجد ہے ۱۶۲×۴۰۔ تین بڑے بھاری در ہیں ۲۶ فٹ چوڑے۔ اس عمارت کے تین گنبد ہیں بیچ کا بڑا ادھر ادھر کے چھوٹے۔ اس طرح تین قطعے ہیں ۴۴ فٹ مربع۔ بیچ کے گنبد میں دو قبریں ہیں وہ بھی شکستہ۔ کتبہ کوئی ہے نہیں جس سے کچھ پتہ چل سکے۔ سیدھے ہاتھ کی طرف کے پہلے قطعہ کی چھت کی دیوار میں اوپر دار ایک سنگ باسی کا ٹکڑا کہیں کا لاکر چن دیا ہے جو کسی دہلیز کا ٹکڑا معلوم دیتا ہے جس پر بسم اللہ اور کچھ آیت لکھی ہوئی ہے جو صاف پڑھی نہیں جاتی یہ پتھر بہت

[۱] اس نام کے کئی بادشاہ مختلف خاندانوں میں ہوئے ہیں (۱) محمد بن تغلق (سنہ ۱۳۲۰-۳۴ء)۔ ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق (سنہ ۱۳۸۹-۹۲ء)۔ خاندان سادات میں محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں (سنہ ۱۴۳۴-۴۳ء) سلاطین مغلیہ کے آخری زمانے کے محمد شاہ (سنہ ۱۷۱۹-۴۸ء) آخر الذکر تو رنگیلے ہی مشہور تھے وہ تو اتنی بڑی عمارت کیا بنواتے اور پھر عمارت ٹھیری بہت پرانی یوں بھی ان سے منسوب نہیں کی جا سکتی نہ اتنی پرانی اور اس طرز کی ہے کہ محمد شاہ تغلق کی سمجھی جا سکے نہ اس کا طرز خاندان سادات کے بادشاہوں کی عمارتوں کا سا ہے لے دے کے دل اگر ٹھکتا ہے تو اسی پر کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے یہ مسجد بنوائی ہوگی اور اسی کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ میری ذاتی رائے عمارت کے طرز و انداز پر سے ہے ورنہ خدا معلوم حقیقت نفس الامر کیا ہے۔ ۱۲ من المصنف

بلندی پر ہے کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہوگا پس یہ اس عمارت کے متعلق کوئی کتبہ نہیں ہوسکتا نہ وہ جگہ جہاں یہ لگایا گیا ہے کتبہ کی ہے۔ اس عمارت کی بلندی ۱۸ ہے اور (۴۸) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ عمارت کے پیش میں سنگ خارا کی سلوں کا چوڑا چھجہ تھا یہ سلیں بہت سی گر گئیں ایک آدھ رہ گئی ہے البتہ سنگ سرخ کے توڑے باقی ہیں۔ عمارت کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ گاؤں والے اس میں فراغت سے رہتے تھے کیوں کہ اندر تمام انھوں نے خام دیواریں اٹھا اٹھا کر گھروندے بنا لئے ہیں۔ فرش باقی نہیں رہا۔ مویشی باندھ باندھ کر سارے گڑھے ڈال دیئے ہیں۔ ایسی نفیس عمارت کو اس درجے برباد کرنے کے بعد اب شاید خالی کرا لیا گیا ہے کیوں کہ اس میں اب کوئی رہتا نہیں۔ صحن مسجد کا باقی نہیں رہا لوگوں نے مسجد کے اندر تک اپنے مکانوں کو گھسا دیا ہے اور ایسا گھیر لیا ہے کہ جب تک ان کے مکانوں میں سے نہ گزرو مسجد میں پہنچ نہیں سکتے اور یہ سارے مکانات جب کہ کوئی پرسان حال نہ رہا بعد میں بنائے گئے ہیں جو تمام تر جاٹوں کے گھر ہیں۔

گاؤں کے اندر ایک اور گنبد اور مسجد

عین آبادی میں یہ چھوٹا سا ۱۳ فٹ مربع گنبد ہے اسی کے پاس ایک سہ دری چھوٹی سی مسجد ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں ایک پتھر کی ایک چونے کی۔ گاؤں والوں نے پولیاں بھر رکھی ہیں کہ اندر جا نہیں سکتے۔ خانۂ خدا کو دیکھئے اور اس بے حرمتی کو! شکل یہ ہے:۔



سہ دری مسجد۔ دونوں طرف دو حجرے سامنے دو گنبد جن پر گنبد بنا ہے۔ صحن میں ایک بڑا گنبد۔ مسجد کی چھت مسطح ہے۔

ایک اور گنبد

بستی کے کنارے ۲۰ فٹ ۱/۲ مربع ہے تین دروازے مغرب کی طرف بند۔ اندر دو بہت بڑی نالی قبریں ہیں گچ کی مگر شکستہ۔ ایک قبر ۶ فٹ ۴ انچ × ۳ فٹ ۵ انچ اور ۳ فٹ ۴ انچ اونچی ہے اور دوسری قبر اس سے ذرا چھوٹی ہے۔

باؤلی بجلی خاں کے مقبرے اور محمد پور کی بستی کے کھیتوں میں ایک چھوٹی سی باؤلی ہے

ہمایوں پور کا مقبرہ

محمد پور سے کوئی دو فرلانگ پر ہمایوں پور کی بستی ہے۔ پہلے اس گاؤں کے گرد فصیل تھی جس کا تھوڑا سا حصہ اور ایک کمرے کا بھی باقی رہ گیا ہے۔ یہاں بھی بستی سے ملا ہوا ایک گنبد اٹھ پہلو مربع شکستہ حالت میں ہے۔ اس میں بھی اوپلیاں بھری ہوئی ہیں۔ قبر کا حال معلوم نہیں۔ اب ہم اپنا چکر ختم کرکے پھر حوض خاص کے سامنے آگئے اور یہاں سے تاج خان کے گنبد پچھے ہوتے ہوئے کھرڑے جا پہنچے۔

موضع کھرڑہ

قطب روڈ کے آٹھویں میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے درمیان دلی سے جاتے وقت سڑک سے ملا ہوا فصیل سے محصور جو گاؤں ہے وہ کھرڑیا ہے اور سڑک کی دوسری طرف سڑک سے ہٹا ہوا حوض خاص۔ فصیل اب جابجا سے گر پڑی ہے۔ اس وقت تو اس گاؤں میں مشکل سے ایک درجن گھر ہوں گے وہ بھی اُن لوگوں کے جو کہ بہ ضرورت زراعت یہاں رہ پڑے ہیں مگر یہاں کی دو مسجدیں اور عیدگاہ کے لحاظ سے کسی زمانے میں یہ بڑی آبادی رہی ہوگی۔ اس موضع میں دو مسجدیں ہیں ایک حصار اندر والی

مسجد

اندر والی مسجد قدیم زمانے کی ہے جس کی مرمت دلی والے حاجی محمد اسحاق صاحب پنجابی نے کروا کر درست کرا دیا ہے۔ پہلے اس کا صحن زیادہ وسیع تھا اب بقدر ضرورت ۲۶×۴۴ رکھ کر ۹ فٹ ۴ انچ اونچی دیوار اٹھا دی ہے۔ مسجد تین در کی ہے۔ محراب کی اونچان ۹ فٹ ۱ انچ اور چوڑان ۸ فٹ ۵ انچ۔ بلندی مسجد کی ۲۵ فٹ ۴ انچ اوپر چڑھنے کی زینے کی (۱۰) سیڑھیاں ہیں دالان اکہرا ۲۴ فٹ ۴ انچ × ۱۶ فٹ ۳ انچ ہے۔ بیچ کے در پر گنبد ہے ادھر اُدھر قلمدان نما لداؤ کی چھت۔ ممبر تین سیڑھیوں کا ہے۔ سنگ سرخ کے فیل پایہ نما در ہیں۔ مسجد کے سامنے چوڑا چھجہ تھا چھجہ تو گر گیا توڑے باقی ہیں۔ فرش دالان اور صحن مسجد میں پختہ کا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں اور درمیانی محراب کے دو طرف ایک ایک برجی۔ شمال میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اس کے سامنے کنواں۔ مسجد کے ردکار پر بہت سے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ آیات قرآنی کے کتبے تو بہت سے تھے لیکن نااہلوں کے پنجے میں پڑنے سے سفیدی اور زرد مٹی لیپ لیپ کر سب غارت کر دیئے ان میں تمام سفیدی بھر گئی کہ الفاظ کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ چھت کا پلاستر جابجا سے جھڑ گیا ہے۔ داہنی طرف کی سنگ سرخ کی چھوٹی محراب پر کلمہ اور درود شریف۔ بائیں طرف کی چھوٹی محراب پر بسم اللہ۔ پاروں پر قل ھو اللہ

سبحان اللہ۔ جنوبی قلمدان نما در میں اللہم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء الیہ الخ۔ دوسری طرف کلمہ اور کوئی آیت ہے جو صاف نہیں پڑھی جاتی غالبًا اقرا ہے۔ گنبد کے حاشیہ میں اسمائے حسنیٰ۔ شمال کی طرف۔ بسم اللہ۔ الحامد۔ المجیب۔ العالم۔ العالم۔ الظاہر۔ الباطن۔ الحفیظ۔ الحلیم۔ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔ دوسری سطر۔ بسم اللہ۔ الملک۔ القدوس۔ السلام۔ المومن۔ العزیز۔ الجبار۔ المتکبر۔ تیسری سطر۔ قل ھو اللہ۔ کلمہ۔ چوتھی سطر۔ بسم اللہ۔ قل اعوذ برب الفلق۔ چھوٹی محراب پر (۱) بسم اللہ۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض۔ الخ (۲) اللہم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء بیدک الخیر۔

دروازہ فصیل عالیشان صدر دروازہ مشرق میں موضع شاہ پور کی طرف ہے۔ جس کا رد کار سنگ سرخ کا ہے ۳۰ فٹ ۲ انچ بلند۔ چھ فیٹ چوڑا۔ بغلی میں دو طرفہ سہ دری۔ باہر نکلیے تو ایک اور مسجد ہے۔

نیلی مسجد سہ دری۔ دالان ۴۴½ × ۱۳ فٹ ۲ انچ۔ محراب ۳۰ فٹ ۲ انچ اونچی۔ ۸ فٹ چوڑی بیچ کی محراب کے اوپر سنگ مرمر کی تختی میں بہت ہی خوشنما خوش خط کتبہ لگا ہوا ہے۔ بس یہی ایک چیز اس مسجد میں دیکھنے کی ہے ورنہ یہ مسجد اب مویشیوں کا کوٹھا ہے کہ دالان اور صحن سب گوبر سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ قدم دھرنا بھی مشکل ہے۔ کتبہ کچھ ایسا پیٹواں ہے کہ دو دن کی کوشش میں بھی پورا نہیں پڑھا گیا مگر جتنا پڑھ لیا گیا ہے اُس سے بانی کا نام اور سال بنا تو نکل آیا یہ بھی غنیمت ہے۔

کتبہ پنج سطری۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بناء ھذا المسجد المتین در عہد سلطان السلاطین ظل اللہ فی الارضین المتوکل علی الرحمن سکندر شاہ بن بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واظہر کل... برہانہ لعمل... شہر دا دخان اعظم مسند عالی خواصخان دام عالیا بانیہ عمارۃ الملک بورہ حنفیہ... الذی رحمۃ اللہ المالک لمناج... خانزادۂ اعظم و مکرم میاں فتحخان بن خواصخان الثانی من ماہ ربیع الاول سنہ احدی عشر وتسعمائۃ ہر کہ درین مسجد در آید برائے عبادۃ... علی اھل الایمان بانیہ... دعا این فتحخان..... کاتب حروف..... لال محمد۔

عیدگاہ آٹھ میل چھ فرلانگ پر قطب روڈ کی بائیں طرف۔ طول و عرض ۔۔۔ بلندی دیوار دس دس پانچ پانچ دیوار دعذ محرابیں ادھر اُدھر بیچ میں صدر محراب اسی کے پاس (۲۳) سیڑھیوں کا زینہ۔ کنگورے دار دیوار۔ دونوں سروں پر دو ہشت پہل برجیاں جن کا قطر (۷) ہے۔ دیوار بھی مخدوش حالت میں ہے اور برجیاں تو کھنڈ گئیں مگر ابھی قبہ قایم ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف کی برجی کے پاس سنگ سرخ کی سل پر ایک ہفت سطری کتبہ ہے۔ جو کسی طرح پڑھا نہیں جاتا اول تو بیچ بیچ دوسرے لونی لگ کر حروف مندرس کائی جم کر حروف کی اصلی صورت باقی نہیں رہی اور سب سے بڑھ کر اناڑیوں نے جو بے اُتار آثار کول تارا ور سفیدی لگا لگا کر اور غارت کیا۔ افسوس ہے کہ ہماری کئی دن کی کوشش بیکار گئی دھلوایا صاف کرایا سیڑھی لگا کر چڑھے مگر نہ پڑھا جانا تھا نہ پڑھا گیا مجھ سے جو پڑھا گیا وہ لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ اگر چیدہ چیدہ لفظ نکال لیئے تو اس کا شمار پڑھے جانے میں نہیں ہے۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم چوں قبل الاسلام ... دارالملک دھلی وبلاد دارالملک از شہر مغل ملوعید و بہادر الکفر۔

(۲) سلطنت غوری .... ابی داؤد مسلمین و السین المساجد والمقلد ... خیوات

(۳) .... درگاہ بانی اقبال خاں عرف ....

(۴) .... السلطان واقبال مسند عالی الملک فی ....

(۵) ....

(۶) .... خاص بنا فرمودہ تا ... مسلمانان لفضل او۔

(۷) ....

اب اس عیدگاہ کی یہ گت بنی ہے کہ سارا چبوترا جوت ڈالا بس چلا کہ دیوار کو بھی کھود کر پھینک دیتے عیدگاہ کے چبوترے کے سامنے دور دور سڑک کے لیئے کنکر نکال کر کنکر کی کان بنا دیا ہے کتبے میں جو اقبال خاں کا نام ہے اس کا عرف ملو خاں پٹھان تھا جو سنہ ۸۰۲ھ میں فیروز آباد پر قابض ہو گیا تھا اس حساب سے یہ عیدگاہ سنہ مذکور کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں (۱) اس گری پڑی جگہ کو مکان سمجھ لو یا کوئی قناتی مسجد۔ مگر عیدگاہ کے اتنے

پاس مسجد کے بنانے کا کوئی موقع نہیں شاید کوئی بڑا محل ہوگا۔ اس کی پچھیت کی دیوار ۹۶ فٹ لمبی چلی گئی ہے جو بیچ میں سے گر بھی پڑی ہے۔ یہ مستطیل عمارت ہے ایک سرے پر ایک حجرہ اور زینہ موجود ہے دوسری طرف کی صرف ایک محراب کھڑی رہ گئی ہے اور بس۔

(۲) اوپر والی عمارت کی سیدھ میں ایک ۲۱ فٹ مربع گنبد ہے جس کے اندر گچ کی ایک بڑی قبر ہے۔ گنبد سے لگا ہوا ایک طرف کو ایک پختہ چبوترا ۲۶ فٹ مربع ہے جس پر ایک نیم کا درخت ہے جس کے نیچے تین پختہ قبریں ہیں۔

ایک برج اور قناتی مسجد

(۱) عیدگاہ سے جنوب میں وہیں قریب سے قریب کھیت میں ایک گول لُو رکھڑا ہے اُسے برج کہیے یا مینار غرض و غایت اس کی کھیت کے بیچوں بیچ بنانے کی زمانۂ حال کی موقعی حالت سے تو کچھ سمجھ میں آتی نہیں۔ اس برج کا دور ۲۷ فٹ ہے جس چبوترے پر کھڑا ہے وہ (۲۷ فٹ) مربع اور ۷ ½ اونچا ہے۔ اس پر جو برج ہے وہ ۲۷ ½ اونچا ہے اور ۳۳ سیڑھیاں ہیں۔ اسی کے سامنے ۳۵ ½ گز کے فصل سے مشرق کی طرف ایک قناتی مسجد ۲۷ فٹ لمبی ہے جس کی دیوار کا بہت سا حصہ گر گیا ہے۔ قرینہ یہ چاہتا ہے کہ اب جو چوطرف کھیت ہیں یہاں آبادی رہی ہوگی اور اس برج کے ساتھ کے اور برج بھی رہے ہوں گے۔

شاہ پور

موضع کھڑ پڑے کے مشرق رویہ صدر دروازے کے سامنے ایک میل کے اندر ہی اندر شاہ پور کا موضع ہے جو فی زماننا شاہ پور جٹ کہلاتا ہے۔ یہ موضع پہلے بہت آباد ہوگا جیسا کہ اس کی موجودہ ویران اور گری پڑی عمارتوں سے ظاہر ہے۔ شہر سیری کے حصار کے اندر یہ بھی تھا۔ یہاں کی مرتفع فصیل اور شاندار برجوں کے سبب سے جو درحقیقت سیری کی فصیل کے ہیں اس حصے کو شاہ پور کا قلعہ کہا جاتا ہے ورنہ اصل میں کوئی خاص قلعہ یہاں نہیں ہے۔ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے فصیل کا گرا پڑا حصہ اور کئی ٹوٹے پھوٹے اونچے نیچے برج ملتے ہیں بستی کے باہر ہی ایک بڑا بھاری گنبد ہے جسے گاؤں والے تحفے کا گنبد کہتے ہیں مگر غور

اسے دیکھا تو یہ گنبد ایک وسیع مسجد کا سنٹرل ڈوم دیعنی گنبد) ہی جس کی حالت مخدوش ہونے سے سرکار کی طرف سے اس کی بہت کشادہ محراب میں دو دو فیل پائے بطور ٹیواڑ کے لگا دیئے ہیں جس سے گرتا ہوا گنبد تھم گیا۔ مسجد کا یہ درمیانی حصہ اندر سے ۲۴ فٹ اور باہر سے ۴۳ فٹ مربع ہی ہم اس کو مسجد کا درمیانی حصہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں اب تک کھڑی ہیں ان دونوں پاکھوں کا درمیانی فصل دیعنی ۱۱۶ ہی صحن مسجد کا ۱۳۰ فٹ مربع ہی۔ بیچ کا در جس میں دو تھم لگا دیئے ہیں ۲۲ فٹ چوڑا ہی نیچے تو مربع ہی مگر اوپر جا کر گنبد مشت پہل ہو گیا ہی۔ جنوب کی طرف اوپر جانے کا زینہ تھا ادھر کی چھل گر جانے سے اب اوپر جانے کا رستہ نہ رہا۔ بستی میں گھستے ہی ایک بہت لمبی اور اونچی دیوار کھڑی ہی جو امتداد زمانے سے کالی پڑ گئی یہ کسی عالی شان محل کی پچھیت کی دیوار معلوم دیتی ہی۔ اس طرح کے گرے پڑے بہت سے مکان اس بستی میں ہیں۔ بستی کے اندر ایک قدیم عمارت **بارہ دری** کی ہی جو اب کھنڈر ہی اس کے باقی ماندہ حصے میں جاٹ وغیرہ نچلے لوگ رہتے ہیں۔ **تھانے والا گنبد** اس کا اصلی نام کچھ اور ہوگا اب کچھ دنوں تھانہ رہنے سے یہ نام پڑ گیا۔ بیچ میں ایک چپٹا گنبد ہی دونوں طرف در اور ایک ایک حجرہ ہی۔ جس کا طول و عرض ۴۲ × ۳۸ فٹ ہی محراب کی چوڑان ۱۱½ فٹ۔ بلندی عمارت کی ۱۳½ فٹ اس کے گرد ایک خام مگر وسیع احاطہ کھینچ لیا ہی اور جاٹ لوگ رہتے اور اپنے مویشی باندھتے ہیں۔ اسی گنبد کے پچھواڑے سیری کی فصیل کا ایک بہت بڑا گول برج ہی جس کی منڈیر کنگورے دار ہی۔ برج اچھی حالت میں ہی مگر اوپر چڑھنے کا رستہ نہیں۔ اس برج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سیری کی فصیل معمولی فصیل نہ تھی بلکہ بڑے استحکام سے مناسب مناسب فصل سے عالیشان برج بنا کر بنائی گئی تھی۔ بستی کے باہر بجانب مغرب کھر پڑے کی عید گاہ کے مشرق جانب ایک شکستہ مسجد ۴۲ × ۱۹ فٹ ہی چھت تو گر گئی صرف مغرب کی طرف کی دیوار ۱۰½ فٹ اونچی کھڑی ہی گاؤں کے لوگ اس چبوترے پر گٹی کاٹا کرتے ہیں۔

چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری اسی موضع کی حدود میں واقع ہی چوکھنڈی کے ساتھ ایک سہ در یعنی تین دری مسجد ہی جس کا دالان ۵۸ × ۱۱ فٹ ہی۔ محراب ۱۲½ فٹ اونچی گیارہ فیٹ چوڑی ہی شمال جنوب میں بھی دو دو در ہیں ستون

تہہ۔ ۹ اونچے۔ چوڑان ۳۔ ۴۔ بیٹھک ایک فٹ اونچی۔ بغلی دالان ۲۳ × ۱۳ [illegible] دو دو حجرے ۸ فٹ مربع بھی بعد میں بنا دئے گئے ہیں ایک مسجد کے رو کار پر چوڑا تو ٹوٹے دار چھجہ منبر اور اندر کا فرش باقی نہیں۔ مسجد کے دالان کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے اور ادھر ایک چھوٹا۔ کلس گر گیا ہے۔ بغلی دالانوں کے دو دو حجروں میں آخیر کے مشرقی حجرے میں سنگ سرخ کی جالیاں بھی لگی ہوئی ہیں اس طرح کی جالیاں بطور جواب اس کے متصل کے حجرے میں بھی ہوں گی لیکن اب نہیں ہیں۔ بیچ کی محراب پر جو مغرب کی طرف ہے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین اور اس کے آگے لہ ما فی السموات والارض اور کچھ آیت ہے جو برابر پڑھی نہیں جاتی۔ مشرق کی طرف آیۃ الکرسی ہے باہر کے سب دروں پر دو طرفہ بیل کے اندر اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ صحن مسجد ۵۸ × ۴۳ فٹ ہے۔ فرش باقی نہیں رہا۔ مسجد کے صحن سے ملی ہوئی مشرق کی طرف چوکھنڈی ہے۔ جس کا چبوترا ۹۴ فٹ مربع اور ایک فٹ اونچا ہے۔ اصل چوکھنڈی ۱۷ فٹ ۲ انچ مربع ہے جس کے بیچ میں ۱۰ فٹ مربع۔ ۴ انچ اونچے چبوترے پر ایک شکستہ قبر ہے۔ ۷ فٹ × ۳ فٹ - ۹ انچ - ۲ فٹ اونچی۔ چاروں طرف کے ملا کر بارہ در سنگ خارہ کے ہیں۔ بیچ کے در کی چکلان ۵ فٹ - ۴ انچ ہے اور بغلی دروں کی چوڑان ۴ فٹ - ۲ انچ۔ بلندی دروں کی ۸ فٹ - ۴ انچ۔ گرد چوڑا سنگین چھجہ ہے۔ اندر سے چوکھنڈی ہشت پہل ہے۔ چاروں طرف دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں سے اب صرف شمال کی طرف ایک ہی جالی باقی رہ گئی ہے۔ چوکھنڈی کے اندر تمام رنگین کام بہت کاریگری سے کیا تھا جس کا کچھ حصہ باقی ہے اور گنبد کے قعر میں اب بھی کثرت سے گلکاری کا حصہ باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں چھ حلقے بنا کر گیروی زمین پر سفید حروف کے یہ کتبے ہیں جو جابجا سے جھڑ گئے ہیں۔

(۱) بسم اللہ اور یٰسین شریف آخر میں وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

(۲) اللھم ادخل فی الجنۃ . . - - - - . . . -

(۳) پھول۔ (۴) سورۂ الرحمن جس میں صرف برزخ لا یبغیان باقی ہے۔

(۵) آیۃ الکرسی۔ (۶) سب سے نیچے چوکھنڈی کے گرد نیلی رنگ سے بہت خوش خط بخط نسخ کچھ اشعار کندہ تھے جو سب رنگ اڑ جانے سے ماند پڑ گئے۔ پڑھے نہیں جاسکتے۔ صرف مغرب کی طرف ایک مصرعہ میں "نقشبند اور بدست سجدہ گاہ [illegible]

بیگم پور کی عمارتیں

طرف صرف ایک نقطہ "رقیب" پڑھا جاتا ہے اور کچھ نہیں خط بے نظیر ہے
گمٹر روڈ سے میل بھر قطب روڈ کے بائیں طرف مگر سڑک سے ہٹا ہوا یہ گاؤں
ہے اس میں بھی عمارتیں قابل الذکر ہیں۔

ہردم خیالی کی درگاہ

گاؤں کے لوگ اسے کوٹ اور بعض صرف مقام اور چند لوگ ہردم خیالی کی درگاہ کہتے ہیں غرض جتنے مُنہ اُتنی باتیں۔ ہردم خیالی محض خیالی نام ہے یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہے ہمیں خبر نہیں۔ ایک اونچے ٹیلے پر گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا ہال تین در اور تین گنبدوں کا بہت مستحکم سفید قسم کے سنگ خارا کا بنا ہوا ہے جو اندر سے ۴۲×۲۷ فٹ ہے اور دو رخہ ہے یعنی سامنے تین در اور پچھیت میں بھی تین در ہال کی دونوں طرف ایک ایک بغلی حجرہ (۱۱ فٹ) مربع۔ باہر سے اس ہال کی لمبان ۶۴ فٹ ہے اور بھی حجروں کا سلسلہ تھا جو گر گرا گئے پچھیت کی دیوار سے کل عمارت کی لمبان ۲۰۰ فٹ ہے۔ سامنے ایک وسیع چورس اور پختہ صحن ہے جس پر کئی پکی قبریں ہیں اور پیلو کے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکان لنگر خانے کا ہے پہلے یہاں تنور گڑے ہوئے تھے لیکن اب تو گاؤں کے مویشی بندھتے ہیں۔ غرض یہ ہال ہے بہت اچھا اور دیکھنے کے قابل ہے۔

بیگم پور کی مسجد

۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء

بیگم پور کے گاؤں میں گھستے ہی بیجی منڈل کے پاس خان جہاں نے ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷ء میں یہ عالی شان اور بے نظیر نہایت وسیع مسجد بنوائی تھی جس کی وضع طرح بھی دلّی کی کلاں مسجد اور کھڑکی کی مسجد کی سی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک منزلہ ہے جو ایک وسیع چبوترے پر بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد بھی پتھر چونے سے پختہ بنی ہوئی ہے اور عہد فیروز شاہی کے دوسری مسجدوں کی طرح امتداد زمانے سے بالکل کالی پڑ گئی ہے اس کی شکل مستطیل ہے۔ شمال سے جنوب کو (۳۰۷ فٹ) اور مشرق سے مغرب کو (۲۹۵ فٹ) ہے اور چبوترا ملا کر (۳۰ فٹ) اونچی ہے۔ اس کے تین دروازے مشرق شمال اور جنوب میں ہیں۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کے تین طرف پندرہ پندرہ سیڑھیاں ہیں۔ باقی دو دروازوں کی طرف کی سیڑھیاں یا تو مٹی میں دب گئیں

ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ مشرقی اور جنوبی دروازے جو دیوار کے بیچ میں ہیں مسجد کی دیوار سے دس فٹ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور مشرقی رُخ کا دروازہ مسجد دروازہ ہی مشرقی دیوار سے (۳۰) فٹ کے فصل سے ہی۔ جس میں سے ایک دالان اندر وار کو ہی اور دو باہر وار کو۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر بازو کے دروازوں میں ایک ایک کمرہ (۲۲ فٹ) مربع ہی اور چار دیواری کے اندر ایک اور کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہی۔ مشرقی دروازے کی طرف کا بیرونی کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہی اور اندرونی کمرہ مستطیل (۲۵) لمبا (۱۲ فٹ) چوڑا ہی۔ مسجد میں سنگ سرخ کا فرش ہی۔ صحن مسجد طول میں شمال سے جنوب کو (۲۴۷ فٹ) ہی اور مشرق سے مغرب کو چوڑان میں (۲۳۲ فٹ) ہی۔ صحن کے اطراف محراب دار کوٹھریاں (۱۲ فٹ) اونچی ہیں۔ مشرق شمال اور جنوب رُخ کی کوٹھریاں ۱۲ فٹ چوڑی ہیں۔ باقی کی چوڑان مختلف طور پر ۹ فٹ سے (۱۲ فٹ) تک ہی۔ دروازوں کے دونوں جانب سات سات حجرے ہیں۔ مغربی رُخ کے حجرے تہرے ہیں اور محراب درمیانی کے دونوں جانب بھی سات سات حجرے ہیں اس طرح صحن کے ہر سہ جانب کے حجرے بہ شمول دروازوں کے حجروں کے سب ملا کر (۵۴) ہیں۔ مغربی دیوار میں بلند محرابیں ہیں اصل مسجد بیچ کے حصے میں ہی جو (۳۰ فٹ) مربع ہی۔ مسجد کی چھت پر (۲۴) گنبد ہیں جن میں سے بڑے گنبد (۹ فٹ) اونچے ہیں اور ان کی وضع کھڑکی کی مسجد کی سی ہی۔ یہ مسجد جیسی کچھ بھاری بھرکم چوڑی چکلی مستحکم اور عالی شان تھی اور اپنی عظمت و شان کے لحاظ سے جس قدر مستحق قدر تھی اُتنی ہی خراب اور گندی حالت میں ہی۔ بیگم پور کا سارے کا سارا گاؤں جاٹوں کا مع اُن کے مویشیوں کے اسی میں بستا ہی اس وجہ سے سچ پوچھو تو اس کو اب مسجد کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہی۔ سنا ہی بڑی مقدمے بازی کے بعد صرف مغرب جانب کا درمیانی درہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کو مل گیا ہی جو ۲۳ فٹ مربع ہی۔ اسی میں سنگ موسیٰ کی دہلیز کا پیش طاق ہی مگر کتبہ کوئی نہیں ہی۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہی۔ اس حصے کی محراب ۲۸ فٹ چوڑی ہی اس پر سے اس مسجد کے پھیلاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہی۔ چوں کہ یہ حصہ بھی بود و باش کے کام میں تھا گنبد کا سارا قبہ اندر سے کالا ہو گیا ہی۔ اوپر جانے کا زینہ بتیس سیڑھیوں کا ہی۔ افسوس لارڈ کرزن کو خبر نہ ہوئی ورنہ اس مسجد کے نصیب جاگ جاتے[؟] بلا تعدد مدت[؟]

ف اب فرش ورش کچھ نہیں رہا۔ ۱۲

کے منٹوں میں جاگ جاتے۔ اب کوئی امید نہیں کہ یہ مسجد کبھی اس مصیبت سے نجات پا سکے گی۔

مقبرہ شیخ فرید بخاری ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء

بیگم پور کی مسجد سے بجانب شرق آدھ میل کے اندر ہی اندر یہ مقبرہ شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری کا ہے۔ جہانگیر کی سلطنت میں آپ مرتضٰی خاں کے نام سے مشہور تھے جن کا ذکر ہم سلیم گڈھ کے بیان میں کر آئے ہیں۔ مسٹر بلاکمین نے آئین اکبری میں آپ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ آپ اوائل عمر میں اکبر شاہ کی ملازمت میں بعہدۂ میر بخشی سرفراز ہوئے۔ اکبر کی وفات کے بعد شیخ صاحب جہانگیر کے جان نثاروں میں رہے۔ آپ ہی نے شاہزادہ خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی اور اسی کے صلے میں آپ کو خطاب مرتضٰی خاں کا ملا اور گجرات کے صوبہ دار مقرر ہوئے اس کے بعد آپ پنجاب کے صوبہ دار رہے آپ نے پاک پٹن شریف میں ۱۱ سنہ جلوس جہانگیری ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۶ء میں انتقال فرمایا اور بیگم پور میں مدفون ہوئے۔ غالباً قبر پر کوئی مقبرہ رہا ہوگا مگر اب تو قبر زیر سماہے گرد و پیش کی ساری عمارتیں شکستہ حالت میں ہیں دو وسیع احاطے قبروں اور شکستہ مکانوں سے پٹے پڑے ہیں گھٹنوں گھٹنوں برابر جنگلی گھانس اور جھاڑی ہے کہ قدم دھرنا دشوار ہے۔ قبر کے اطراف آہنی جنگلا غالباً محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے لگا دیا گیا ہے حضرت شیخ صاحب کی قبر سنگ مرمر کی ہے ۷ فٹ ۳ انچ۔ ۳ فٹ ۳ انچ۔ قبر کے سرہانے ایک بہت عمدہ لمبی لوح ۷ فٹ ۳ انچ × ۲ فٹ ۔ ۳ انچ کھڑی ہوئی ہے جس پر نہایت خوش خط نستعلیق کا واضح اور روشن پندرہ سطر کا یہ کتبہ ہے:- یا اللہ

سبحان الملک الحی الذی لا یموت ولا یفوت + در زمان دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ + غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات الحضرت ممتاز بود و در + عہد دولت نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضٰی خانے سرفراز گردید بتاریخ ۹ شنہ جلوس مطابق ۱۰۲۵ شنہ +

۱۵؎ گو یہ مقبرہ بیگم پور کے قریب ہو لیکن دراصل ہے حدود میں موضع شیخ سرائے کے جو روشن چراغ دہلی کے پاس ہے اور یہاں سے بھی بالکل قریب ہے۔ ۱۲

ہجری برحمت الہی پیوست +

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد | گشت اقلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند | باد پر نور الہی روحش

جس پختہ اور بلند احاطے میں شیخ صاحب کی قبر ہی وہیں ایک سہ دری لداؤ خانقاہ کے اور ایک قناتی مسجد ہی۔ زبانی روایت یہ مشہور ہی کہ لوح مزار کا پتھر اچھا اور خوبصورت دیکھ کر کوئی جاٹ اکھاڑ لے گیا تھا جسے اُس نے اپنی حویلی میں لگانا چاہا۔ رات کو دست لگ گئے جان بلب ہوگیا صبح ہی پتھر جوں کا توں لاکر نصب کر دیا۔ گو اس بات کو نئی روشنی والے نہ مانیں مگر بزرگان دین کی شان میں بے ادبی کرنے والوں کو زک پہنچنے کے کئی واقعے میری چشم دید ہیں یہیں دلّی کی دلّی میں بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی انگریز سینڈرسن نامی نے قطب صاحب کی لاٹ کے نیچے کچھ قبریں اکھڑوا کر میدان صاف کروا دیا تھا وہ بھی دفعتہً رات کو بیمار ہوگیا صبح ہی اُس نے اُس قبر کو جوں کا توں درست کرا دیا چنانچہ اب تک بھی لاٹ کے پاس وہ قبر موجود ہی۔

بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری مقبرے کے احاطے سے ملا ہوا ایک دوسرا پختہ اور وسیع احاطہ ہی اس میں ایک بڑا مکان تھا جو بنگلے کے نام سے مشہور ہی اب اس عمارت میں کا سامنے رخ کا ایک لداؤ دی سہ درہ باقی ہی اور دوسری جانب بارہ دری کے صرف تین در کھڑے ہیں جو حالت موجودہ کے لحاظ سے چھوٹی بارہ دری کہلاتی ہی۔

بارہ کھمبا اور بجنی کوٹھی حضرت شیخ فرید بخاری کے مقبرے کے پاس سے جانب مشرق موضع شاہ جی کی سرائے میں ایک بہت وسیع اور پختہ ۸۲×۶۰ فٹ احاطے کے اندر علاوہ قبرستان کے ایک نہایت پختہ اور وسیع لداؤ عمارت بارہ کھمبے کی ہی جو ۳۴ فٹ مربع ہی اب اس میں گاؤں کے ڈھور ڈنگر رہتے ہیں ایسا عمدہ کیٹل شیڈ کہاں ملے گا۔ اس وسیع احاطے کے بیچوں بیچ ۴۰×۲۲ فٹ کے ایک پست احاطے کے اندر گچ کی پانچ قبریں ہیں۔ اس کے گرد یعنی بڑے احاطے کی دیواروں میں شمال جنوب میں سات سات اور مشرق مغرب میں پانچ پانچ اس طرح چوبیس کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں مغرب کی طرف صدر دروازہ اور یہیں چودہ سیڑھیوں

ا زینہ ہو جس پر سے ہم بارہ کھنبے کی چھت پر پہنچتے ہیں یہیں ایک دو منزلہ سہ دری
[illegible] کے دو دالانی گنبد ہیں اور ۲۲×۱۲ فٹ کا دالان ہی۔ پھر پچیس سیڑھیاں چڑھ
سہ دری [illegible] دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کی چھت گر گئی ہی دو منزلہ کمرہ ۱۳ فٹ مربع ہی
در [illegible] بلندی اس عمارت کی ۵۲ فٹ ہی یہاں جنوب کی طرف دیوار میں ایک چھوٹا طاق ہی
بس کی سطح میں سنگ سرخ کی ایک سل ہی اُسے بجاؤ تو ٹھن ٹھن کرتی ہی اسی وجہ سے یہ
بجنی کوٹھی کہلاتی ہی۔ گنواروں کو لبھانے کا یہ اچھا نسخہ ہی ورنہ در اصل کچھ بات نہیں سل
کے نیچے خلا رکھا گیا ہی جس کے لیے ویبریشن دگونج؛ مزدہ یہی صنعت فتح پور سیکری
کی حضرت سلیم چشتی کی مسجد کے ایک ستون میں رکھی گئی چوں کہ وہ بہت بڑی عمارت ہی
اس کی بہ نسبت اُس میں گونج بھی زیادہ ہی۔ گنوار لوگ اسے بھی ایک معجزہ اور کرامت
سمجھتے ہیں۔

بجے منڈل یا بیڑی منزل
یا بدیع منزل ۱۳۵۴ء ۷۵۵ھ

برجاے رطل وجام مے گوراں نہاد ستند پے
بر جاے جنگ و نائے وے آواز زاغ ست و زغن
از روے یار خرگہی ایواں ہمی بینم تہی
وز قد آں سروسہی خالی ہمی بینم چمن
جاے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
شد گرگ و روبہ را مکاں ہم بوم و کرگس را وطن

کالو سراے اور بیگم پور کے درمیان یہ ایک مکان ہی قطب صاحب کے رستے میں
بائیں طرف نہایت رفیع و دلچسپ و دل کش فیروز شاہ کا بنایا
ہوا اور اس کو جہاں نما بھی کہتے ہیں اور بدیع منزل بھی مشہور ہی عوام الناس اسے
بجے منڈل یا بیڑی منڈل کہتے ہیں۔ کتب تواریخ کی رو سے یہ مکان اُسی زمانہ میں
بنا ہی جس زمانے میں فیروز شاہ[۱] نے فیروز آباد بسایا تھا یعنی ۷۵۵ھ۔ پس اس
کی تعمیر بیش ازیں نیست کہ چند سال بعد ہوئی ہوگی۔ جنرل کننگھم صاحب
کا یہ خیال کہ اس نام کی عمارت تغلق آباد میں تھی صحیح نہیں ہی۔ شاہ عبدالحق صاحب
محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار جو عہد اکبری و جہانگیری میں ایک مشہور

---

[۱] اخبار الاخیار میں اس عمارت کو سلطان محمد عادل تغلق شاہ (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کے وقت کا لکھا ہی۔ ۱۲

بدیع منزل عرف بجے منڈل



بزرگ صاحب تقوی تھے اور جن کی وفات ۱۲۲۲ھ میں ہوئی ہے وہ اس عمارت
کو جہاں پناہ کا ایک برج بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سکندر لودھی کے زمان
میں شیخ حسین طاہر نامی ایک بزرگ دہلی تشریف لائے تھے وہ بحکم شاہی اسی محل میں ٹھیر
گئے تھے ان کا انتقال ۹۰۹ھ میں ہوا اور اسی مکان کے باہر دفن کیے گئے چنانچہ اس
جگہ اور قبور بھی ان کے اعزہ اقربا کے ہیں۔ یہ مکان ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جو سنگ
بست اور سطح زمین سے (۸۳ فٹ) بلند ہے جس پر جانے کی سیڑھیاں ہیں۔ سیڑھیاں اور
کے ہر دو جانب کی بندش اب امتداد زمانہ سے بہت خراب ہو گئی ہے۔ یہ ایک مثمن شکل
کمرہ ہے جس کی چھت گر پڑی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس مکان کی قطع بھی عجیب ہے کہ ایک
بلند برج پر چار دروازوں کا ایک کمرہ بنایا ہے اور اس کی دیوار میں سے اوپر جانے کا زینہ
رکھا ہے اور اس کے اوپر اگلے زمانے میں بہت خوش نما بارہ دری تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ
گئی ہے مگر اوپر چڑھ کر دیکھنے سے اس کی علامات معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے مکانات عرض
لشکر کو بنائے جاتے ہیں اور یہ مکان بھی اغلب ہے کہ اسی غرض سے بنایا گیا ہوگا۔ جس سے
یعنی بادشاہ سلامت فوج کا ملاحظہ فرماتے تھے اور دیگر تقاریب میں بھی جلوس ملاحظہ
گزرتا تھا۔ جس کمرے کا ذکر اوپر آیا ہے وہ سنگ بست اور پختہ بنا ہوا ہے جس کے
چاروں کونوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ یہ کمرہ (۸۳ فٹ) مربع اور ۲۰ فٹ مرتفع ہے۔ دیوار
نیچے پھیلی ہوئی اور اوپر جا کر سکڑی ہوئی ہیں چنانچہ بیس فیٹ میں چار فیٹ
چوڑان بڑھ گئی ہے۔ اس محل کے قریب ہی ایک گنبد دار دالان بھی ہے جو (۵۰ فٹ)
مربع اور (۷۳ فٹ) بلند ہے۔ یہ بھی پختہ اور اچھی حالت میں ہے قبرستان کے پاس ایک
مسجد بھی ہے۔ محل مقام پر ویرانی برستی ہے اور اسی کے پاس بیگم پور کا گاؤں بھی ہے
کہتے ہیں کہ فیروز شاہ نے ایک سرنگ بنائی تھی جو قلعۂ فیروز آباد سے اس مکان
کے نیچے ہوتی ہوئی حوض خاص تک چلی گئی تھی۔ اس میں تین کوس کا فصل ہے یہ مکان
بہت شکستہ حالت میں تھا لیکن محکمۂ آثار قدیمہ سے خاطر خواہ مرمت کرا دی گئی ہے۔ اس
کی وضع قطع اور ہیئت کذائی نقشے کے ملاحظے سے ظاہر ہوگی۔

بیجے منڈل کے دامن میں ایک گنبد

بیجے منڈل کے ٹیلے کے نیچے بجانب مغرب ایک بہت پرانا

ہر بجا بھاری گنبد اندر سے ۳۱ ½ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں باقی نہیں ہر طرف دو دو در تھے۔ مشرق کی طرف کے در بند کر دیئے گئے ہیں۔ پلاستر اندر باہر سے سب گر گیا ہے خصوصاً گنبد کا سارا پلاستر جاتا رہا اور سنگ خارا کی سلیں اور پتھر نکل آئے جن میں برسات کا پانی خاطر خواہ جذب ہوتا ہے اور اگر خبر نہ لی گئی تو عجب نہیں کہ بہت جلد گر جائے۔ اس کے در آٹھ فیٹ چوڑے ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک کرا پڑا چبوترا ہے جس پر ایک قبر اب تک بھی باقی ہے۔ یہ بھی نامعلوم ' ورنہ پتہ گنبد دس میٹ ہے۔

کالو سرائے کی مسجد ۸۷

بیگم پور کی مسجد کے پاس ہی کالو سرائے کی بستی ہے جو قطب روڈ سے ایک فرلانگ بائیں طرف ہوگی۔ اس موضع میں بھی خان جہاں فیروز شاہی نے ایک اور مسجد بنوائی۔ اتنے قریب قریب مسجدیں بنوانے کی مصلحت کچھ سمجھ میں نہیں آتی ممکن ہے کہ اُس زمانے میں کالو سرائے کوئی بڑی جگہ رہی ہو اور یہ تو ظاہر ہے کہ زمانۂ حال کی بہ نسبت جب کہ سلطنت اسلامی عروج پر تھی روزے نماز کا چرچہ زیادہ تھا نماز کی طرف سے اس زمانے جیسی لاپروائی تو یقیناً نہ تھی۔ بہر حال مسجدیں موقعی ضرورت کے لحاظ سے بنائی گئی تھیں ورنہ اتنی عقل تو اُن لوگوں میں بھی ہوگی کہ بے ضرورت روپیہ صرف نہ کیا جائے یہ مسجد بھی چونے اور پتھر سے برجیوں دار بنی ہوئی ہے اور چوں کہ خان جہاں وزیر نے کئی مسجدیں قریب قریب زمانے میں بنائی تھیں اس واسطے ان کی سال بنا بھی قریب قریب تصور کیا گیا ہے۔ اس مسجد کے شمالی اور جنوبی ضلع منہدم ہو گئے ہیں اور گاؤں کے لوگ اس میں بستے ہیں مگر ہیں سب مسلمان۔ یہ مسجد بھی ایک مرتفع مقام پر بنی ہوئی ہے جو ہفت دری تھی دو در گر گئے پانچ رہ گئے ہیں۔ دالان سہ گبے ہیں۔ دروں کی اونچان ۱۰ فٹ ۱۰ انچ چوڑان ۹ فٹ ۳ انچ ہے۔ لمبان اس مسجد کی ۳ فٹ ۷ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس گاؤں میں کوئی ہندو نہیں رہتا بنیا بھی مسلمان ہی ہے۔

شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد

آپ کا گنبد قطب روڈ کے کنارے بائیں طرف کالو سرائے کے سامنے ۸ میل ۶ فرلانگ پر ہے۔ یہ گنبد کچھ بہت بڑا نہیں ہے اندر سے ۲۰ فٹ مربع ہے۔ اندر باہر سے پلاستر جھڑ گیا ہے

دروں میں کی جالیاں ٹوٹ گئیں اب پتھروں سے چن دیا ہے۔ بارہ دری گنبد کے سامنے قبریں گچ کی ایک مردانی دوسری زنانی ۸ فٹ ۳ فٹ ہے۔ دس انچ اونچے چبوترے گاؤں والے جھاڑو بہارو دیتے رہتے ہیں اور قبروں کی بھی از سر نو مرمت کر دی گئی ہے۔ مردانی قبر کے سرہانے دیوار میں پتھر پر یہ کتبہ ہے "شیخ ضیاء الدین رومی ۷۱۱ ہجری نبوی رحمۃ اللہ علیہ انتقال شد"۔ آپ مشائخ کبار میں سے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں۔ سلطان قطب الدین ابن علاء آپ کا معتقد اور مرید تھا کہتے ہیں کہ وصال کے تیسرے دن جب شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی زیارت کو تشریف لے گئے تو سلطان قطب الدین وہاں پر حاضر تھا شیخ نظام الدین کو نہ تعظیم دی اور نہ سلام کا جواب دیا۔ حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہے کہ انہوں نے شیخ ضیاء الدین سے سنا تھا کہ ان کا ایک دوست تھا جسے سماع میں حال اور ذوق بہت ہوتا تھا اس کی وفات کے بعد انھوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں اسے مقام رفیع ملا ہے مگر مغموم بیٹھا ہے۔ آپ نے اسے ایسے عمدہ مقام ملنے پر مبارک باد دی اور پوچھا کہ اداس کیوں بیٹھے ہو انھوں نے کہا کہ یہ سب کچھ مجھے ملا مگر وہ لذت اور حال جو سماع میں ملتا تھا میسر نہیں۔

اڑھہ چینی یا بی بی نور

قطب روڈ کے نویں اور دسویں میل کے درمیان بائیں ہاتھ کی طرف یہ گاؤں ہے اور داہنی طرف بی بی نور کی درگاہ۔ اصل نام تو اس موضع کا اڑھہ چینی ہے مگر مسلمانوں نے بستی ہی کا نام بی بی نور رکھ لیا ہے۔ درگاہ کا ایک وسیع احاطہ ہے جس کے اندر درگاہ ہے اور ایک چھوٹا سا گنبد چلّے کا ہے۔ سب قبروں پر کتبے لگا دیئے ہیں جس سے بہت آسانی ہوتی ہے احاطے کے اندر خدام کے رہنے کے لیئے ایک شش درہ بھی بنا ہوا ہے احاطے میں نیم کے بہت سے درخت ہیں اور ایک منہدمہ باؤلی بھی ہے۔ قبور کی یہ تفصیل ہے:-

چلّے کے سامنے (۱) "حضرت بی بی زلیخا صاحبہ۔ والدہ ماجدہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم غرہ جمادی الاخری ۶۴۹ھ سفر آخرت اختیار نمود"۔ آپ کا مختصر حال حضرت کے تذکرے کے ضمن میں آچکا ہے (۲) حضرت بی بی جنت صاحبہ دختر نیک اختر بی بی زلیخا رحمۃ اللہ علیہا۔

(۳) حضرت بی بی زینب صاحبہ دختر نیک اختر حضرت بی بی جنت رحمۃ اللہ علیہا اور

آپ ہی کے برابر آپ کی چار صاحب زادیوں کی قبریں ہیں۔
چبوترے کے پیچھے۔ حضرت بی بی حور رحمۃ اللہ علیہا حضرت بی بی نور رحمۃ اللہ علیہا۔ دختران شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ۔

بی بی فاطمہ سام کا حال

حصۂ دوم کتاب ہذا میں حضرت بی بی فاطمہ سام کے مزار کا ذکر آیا ہے اُس وقت آپ کے حالات میری نظر سے نہیں گذرے اب چونکہ نساء صالحات کا ذکر در پیش ہے یہیں لکھ دیتا ہوں کہ ناظرین اس نیک نہاد بیوی کے حالات سے محروم نہ رہ جائیں۔ از صالحات و قانتات و عابدات زمانہ بود و ذکر او در ملفوظات شیخ نظام الدین و خلفاء ایشاں بسیار است می گویند کہ سلطان المشائخ در روضۂ فاطمہ سام بسیار مشغول بودے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر فرمودے کہ فاطمہ سام مردیست کہ او را بصورت زناں فرستادہ اند۔ شیخ نظام الدین فرمود کہ شیر از بیشہ بیرون آید کسے نپرسد کہ آں شیر نر است یا مادہ فرزندان آدم را طاعت و تقوی باید خواہ مرد باشد و خواہ زن بودہ در مناقب بی بی فاطمہ سام غلو فرمود کہ در غایت صلاحیت و کبر سن شدہ بود من او را دیدہ ام بس عزیزہ عورتے بود او را با شیخ فرید الدین و شیخ نجیب الدین متوکل برادر خواندگی و خواہر خواندگی بودہ است۔ بیت ہا بر حسب حال ہر چیزے گفتے ایں تو مصرع من از و یاد دارم ؎

ہم عشق طلب کنی و ہم جان خواہی ہر دو طلبی و لے میسر نشود

و نیز فرمود کہ من از بی بی سام شنیدہ ام کہ می گفت از برائے آں کہ پارۂ نان و کوزہ آب بہ کسے و ہند نعمت ہائے دینی و دنیاوی نثار او کنند کہ بصد ہزار روزہ و نماز نتواں یافت و در ملفوظات میر سید محمد گیسو دراز می نویسد کہ روزے در مجلس شیخ نصیر الدین محمود سخن در فضائل بی بی فاطمہ سام بود فرمود فاطمہ سام بعد از موت با شخصے حکایت کرد کہ روزے بر معبود خویش در حضرت رب العزت می رفتم از طور ملکے در گذشتم ناگاہ فرشتہ گفت کیستی بایست چہ باشد کہ نیک بیباک وار می گذری و من سوگند خوردم کہ من ہم آں جا نشستہ ام تا خود رب العزت تعالیٰ مرا نہ طلبد بیشتر نروم ساعتے گذشت بی بی خدیجہ و بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آمدند در پائے ایشاں افتادم گفتند اے فاطمہ امروز ہیچ تو کیست کہ خدائے تعالیٰ بطلب تو ما را فرستادہ است گفتم من کنیزک شمام کہ ام عزت بالاتر ازاں باشد کہ شما بطلب

کوٹھے پر ایک پیر مرد تشریف لائے اور یہ بیت پڑھی۔ ؎

بادل گفتم دلا خضر را بینی ‌ دل گفت اگر مرا نماید بینم

ان بزرگ نے کھانا آپ کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ تیرے توکل کا ڈنکا تو ملاء اعلیٰ پر بج رہا ہے اور تیرا حال یہ ہے۔ آپ نے فرمایا خدا بہتر جانتا ہے کہ میں نے اپنے لیئے کچھ خیال نہیں کیا بلکہ یہ لوگ جو آئے بیٹھے ہیں ان کی وجہ سے خیال آگیا۔ شاید وہ بزرگ خواجہ خضر ہی تھے۔ حضرت نظام الدین بابا صاحب (حضرت فرید گنج شکر) سے بیعت کرنے سے پہلے آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ دعا فرمایئے کہ میں کہیں کا قاضی ہوجاؤں۔ آپ سن کر خاموش ہوگئے جب دوبارہ آئے اور پھر یہی خواہش کی تو آپنے فرمایا "اجی قاضی بن کر کیا کروگے تم تو کچھ اور ہی بننے والے ہو"۔ غرض آپکے محامد اور فضائل بیرون حد و شمار ہیں آپ کی قبر پر حال میں سنہ ۶۶۱ھ کا کتبہ لگا دیا ہے لیکن بر سُے تحقیق معلوم ہوا کہ صحیح سن آپ کی وفات کا سنہ ۶۰۹ھ ہے جہاں آپکا مزار ہے یہیں آپ کا اور حضرت نظام الدین اولیا کا مکان بھی تھا۔ نیچے احاطے کے اندر ہی ایک قناتی مسجد ہے اور صحن مسجد میں کنواں بھی ہے۔ یہ مسجد سہ دری ۱۲×۴۵ فٹ ہے۔ دو طرفہ زینہ بھی ہے۔ پیش طاق پر اسمائے حسنیٰ۔ کلمہ کا طغریٰ اور حدیث ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المؤمن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص۔ دونوں طرف طغرے سبحان اللہ۔ سورہ الفلق۔ انا فتحنا کا کچھ حصہ۔ طاق کے اندر خلا میں سورۂ فاتحہ

شیخ عین الدین قصاب کی قبر

بالکل سڑک سے ملی ہوئی داہنی طرف ایک قبر ہے یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔ شیخ عین الدین قصاب رحمتہ اللہ علیہ

قناتی مسجد اور گنبد

قطب روڈ کی دائیں طرف ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس کی پشت بالکل سڑک سے ملی ہوئی ہے اسی مسجد کے صحن میں ایک گنبد ۲۳ فٹ – ۹ مربع ہے۔ گنبد کس کا ہے معلوم نہیں۔ مسجد اور گنبد دونوں میں جاٹ رہتے ہیں۔ [illegible] کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا۔

درگاہ پنجہ شریف

ایک احاطہ ہے جس کے چو طرف مکانات تھے اب گر گئے اب صرف ایک صدر دروازہ اور دو درے رہ گئے ہیں [illegible] پختہ ہے ۱۸×۱۱ فٹ – ۲ فٹ – ۹ انچ اونچا جس کو لوگ عام طور پر فرخ سیر بادشاہ کی قبر بتاتے ہیں [illegible] بر سُے آثار الصنادید فرخ سیر بادشاہ تو ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر

وفن ہی۔ یہ غلط روایت غالباً اس وجہ سے مشہور ہی کہ یہ مقام درگاہ پنجہ شریف ہی جو فرخ سیر کے زمانے میں بنی تھی جس کتبے کا آگے ذکر آتا ہی وہ اسی درگاہ کا تھا اب نہ اس کی حیثیت نہ درگاہ کی ہی نہ مقبرے کی گرد جاٹ رہتے ہیں اور اس چبوترے پر جو بہرحال میں پنجہ شریف کے نام سے مسلم ہی گھلے خزانے اُپلے تھاپے جاتے ہیں اور ایسا معلوم دیتا ہی کہ گویا یہ چبوترا اُپلے تھاپنے ہی کے واسطے بنوایا گیا تھا۔ خیر اور کچھ نہ تو اس مقام کو مسلمانوں کی ایک متبرک جگہ سمجھ کر گاؤں والوں کو اُپلے تھاپنے سے تو روک دینا چاہیئے اور کم سے کم اس چبوترے کے گرد آہنی کٹہرا کھیر دیا جاتے تو اس جگہ کی جو پنجہ شریف سے نامزد ہی ایسی مٹی پلید نہ ہوتی میں چونکہ مسلمان ہوں یہ حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس طرح کی غلطت تو کسی مذہبی مقام پر خواہ وہ کسی فرقہ و ملت کا ہو روا نہیں ہی۔ اس گورستان کے صدر دروازے سے ملی ہوئی ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہی جس پر گوبر کی کہگل چڑھی ہوئی ہی اور جاٹ رہتے ہیں مسلمان اندر قدم بھی نہیں دھر سکتا یہ بات یقیناً مسلمان کے دل کو توڑ دینے والی ہی اور اس سین کو دیکھ کر ضرور دل رنجیدہ ہو گا۔

موضع اڑھہ چینی کا کتبہ ۱۱۲۷ھ ۱۷۱۵ء

اس کتبے کو سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر ووگل ناظم عام ڈایرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے دیکھا اور اس کے متعلق مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے نے مزید تحقیقات کے بعد ایک قابل قدر آرٹیکل اپی گریفیا انڈو مسلیمیکا میں دیا ہی جس سے ہم یہ [illegible] نقل کرتے ہیں یہ کتبہ ایک سنگ مرمر کی ۲′-۱″ × ۲′-½ کی تختی پر بخط نستعلیق کھدا ہوا ہی یہ ایک احاطے کے اندر ایک قبر کے سرہانے موضع اڑھہ چینی میں لگا ہوا تھا۔ اس سنگ کتابہ کی حالت بہت افسوسناک تھی۔ کئی جگہ سے تو پتھر ٹوٹ گیا تھا اور تختی کے کئی ٹکڑے تھے خصوصاً اس کے آخری حصے کو بہت صدمہ پہونچا تھا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھڑ بھی گیا تھا علاوہ بریں لوگوں نے پتھر توڑنے کی غرض سے عبارت کو بھی کئی جگہ سے ضائع کر دیا تھا اس لیئے مزید نقصان محفوظ کرنے کی غرض سے یہ کتبہ اب قلعہ کے نوبت خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہی جہاں پہلے میوزیم تھا۔ یہ کتبہ اٹھائیس سطری ہی اور خوش خط اور صاف کھدا ہوا ہی۔ یہ کتبہ سنہ ۱۱۲۷ھ ۱۷۱۵ء کا ہی جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ اس کو ایک شخص محمد معصوم نامی نے کھدوایا تھا۔ جن کو حضرت رسالت مآب کا پنجہ شریف ملا تھا حضرت رسول مقبول کے پنجے اور قدم کے نقش ہندوستان میں کئی جگہ ہیں۔ خود دہلی

بھی میں قدم شریف موجود ہی اور نیز گوڑ وغیرہ مقامات پر بھی ہیں لیکن پروفیسر والدیم فیم Raff
Van Berchem لکھتے ہیں کہ بہ مقابلہ ملک ہند کے دیگر بلاد اسلامیہ میں ایسے نقوش بکثرت
ہیں چنانچہ فلسطین ، مصر ، وغیرہ مقامات میں موجود ہیں ۔ بیت المقدس میں قبۃ الصخرا
میں حضرت کا ایک مشہور قدم شریف ہی جس کے حالات عجیب وغریب ہیں کہ جنگ
صلیبی کے پیشتر وہ قدم النبی کہلاتا تھا لیکن صلیبی جنگ والوں نے اُسے حضرت عیسٰی کا
قدم بتلایا جس کے بعد الی الآن وہ قدم حضرت محمد صلعم کہلاتا ہی ۔ اسی طرح عراق اور فارس میں
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پنجہ شریف بغداد ۔ عکبرہ دمتصل بغداد) موصل ۔ اور اربل ذاذ ربانجا
وغیرہ مقامات میں موجود ہیں اس قسم کے پنجوں اور قدموں کے نقوش کی روایات قریب قریب
ہر مذہب میں ہیں ۔ اور بقول جنیوا کے پروفیسر ڈبلیو ڈینز (Deonna) کے اس بارے میں ایک
خاص کتاب بدویوں کی موجود ہی جس پر پتھر کی چٹانوں پر نقوش قدم کے تذکرے ہیں ۔ محمد معصوم
کی قبر جس احاطے میں ہی وہ مشرق سے مغرب رخ ۷۶ اور شمال سے جنوب ۸۱ ہی اور باغیچی کے
نام سے مشہور ہی ۔ یہ احاطہ اینٹوں کا ہی جس کے چار دں کونوں پر ہشت پہلو برجیاں ہیں اور
داخلی دروازہ مغرب رویہ ہی ۔ احاطے کے جنوبی جانب ایک چھوٹا سا پویلین ہی جس کے تین
محراب دار در ہیں اور چھت لداؤ کی ہی ۔ کچھ عجب نہیں کہ اُس زمانے میں یہی مقام پنجہ شریف کی
کا رہا ہو اب یہ احاطہ ادو لالان گاؤں والوں کے قبضہ میں ہی اور پنجہ شریف کا کچھ پتہ نہیں چلتا کدھر گیا
وہ کتبہ یہ ہی ۔

یا اللہ یا محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم الرسالۃ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

از انجا کہ پنجۂ مبارک حضرۃ یافتہ ام شنیدم بمکہ معظمہ پر کوہ حرا کہ آنرا جبل نور گویند پلنگ نشان بدن الوہ
حضرت ہست کہ ابتداء وحی جبرئیل علیہ السلام بر آن سنگ سینۂ مبارک را چاک کردہ[1] بانوار پر نمودہ و در غار
جبل نور کہ حضرت در وقت ہجرۃ پنہان شدہ بودند نشانات پہلو و پشت دست مطہر است و بطائف
متصل مسجد النبی در مدینہ اثر پہلو و پشت دست اقدس و نقش پای آہو مادہ بعہ بچہ و قطرات شیر موجود
است و حضرۃ بمسجد الحرام ۔ ۔ نماز میسر نشدند و ناقۃ الجبیلہ گفتند کسی از تاسف فوت جماعۃ تکیہ بدیوار

[1] یہ واقعہ حضرت رسالت پناہ کی صغر سنی میں ہوا جبکہ آپ اہل عرب کے دستور کے موافق دائی حلیمہ کے ہمراہ تھے
اور ان کے لڑکوں کے ساتھ کریاں چرانے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے ۔ ۱۲ ۔ سنہ ۹۴ زمانہ کے لغوی معنے گلی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)
(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

آمدنے مبارک بسنگ در آمد واز دیوار چسپ شکی عرض کرد جاحتہ تیار داں در دغ گو ابلیس بود اثر زبان سنگ ظاہر است آخر کتاب لے الاعلام باعلام بیت الحرام اماکن زیارت نوشتہ خلاصہ ترجمہ آنکہ مابین مولد النبی وخانۂ حضرۃ خدیجہ در راہ مسجد بیست بکوچہ نام اوزقاق المرفق انجا ... دوکان ہم دیگر(۱) بود در وصوف میفروخت قریش بدیواری سنگیست اسود اثر آرنج دستیست و در کتاب بحر العمیق از زبدۃ الاعمال نوشتہ کہ آن اثر آرنج ید مبارک است دیقی قدی بتاریخ مکہ گفتہ مردم زیارت آں ہی کنند و میگویند آنحضرت تکیہ بران سنگ کردہ سخن میگفت با سنگ دیگر کہ پیش انحضرت بود بجانب چپ ہے زیارت اونیز میکنند مطلب نہ این سنگ ہمان باشد کہ حضرۃ فرمودند سنگی میدانم در مکہ ہرگاہ برو میگذشتم سلام میکرد بمن و در جبل ابوقبیس قبر حضرۃ آدم و حوا و شیث علیہم السلام است وخلاصہ ترجمہ تاریخ آنذی آنکہ حدود حرم مکہ شریفہ حضرۃ ابراہیم باشارہ جبرئیل علیہما السلام

(دیکھو نوٹ صفحہ ۱۶۲) یاکو چے کے ہیں اور حجر پتھر کو کہتے ہیں۔ زقاق الحجر مکہ معظمہ میں ایک گلی کا نام ہے جہاں ایک پتھر ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ بول اٹھا تھا۔ حاجی لوگ کہتے ہیں کہ اس پتھر پر زمان کی طرح کا اب بھی ایک نشان موجود ہے۔

سلہ اس کتاب کا پورا نام "کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" ہے مطبوعہ وسٹن فلڈ ۱۸۵۷ء جس فقرے کا حوالہ اس کتبے میں ہے وہ پورا یوں ہے اور چونکہ کتبہ ناقص ہو گیا ہے لہذا اس روایت کی پوری عبارت نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ قال القاضی ابوالبقاء ابن ابی الضیا فی البحر العمیق ذکر سعد الدین الاسفرائنی فی کتاب زبدۃ الاعمال ان اہل مکہ یمشون اذا اردوا الموالید من دار خدیجۃ رضہا الی مسجد یقولون انہ دکان ابی بکر الصدیق کان یبیع فیہ الخز واسلم فیہ علی یدہ عثمان بن عفان وطلحہ والزبیر رضی اللہ عنہم قال وفی جدار ہذا الدکان اثر مرفق رسول اللہ صلعم یروی ان رسول اللہ صلعم جاء دار ابی بکر ذات یوم ونادی یا ابا بکر رضہ الخ

ترجمہ قاضی ابوالبقا ولد ضیا بحر العمیق میں کہتے ہیں کہ سعد الدین اسفرائنی نے اپنی کتاب زبدۃ الاعمال میں لکھا ہے کہ مکے کے لوگ جب مقامات مقدسہ کی زیارت کو جاتے تھے تو حضرت خدیجہ رضہ کے مکان پر سے گزر کر ایک مسجد ملتی ہے جس کو لوگ حضرۃ ابوبکر صدیق کی دکان بتلاتے ہیں۔ جہاں آپ ریشم فروخت کیا کرتے تھے اور اسی دکان میں عثمان بن عفان طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ سعد الدین بھی کہتے ہیں کہ اسی مکان کی دیوار پر حضرت رسول اللہ صلعم کی کہنی کا نشان ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم ایک دن حضرت ابوبکر رض کے مکان پر تشریف لے گئے اور آواز دی اے ابوبکر ...

سلہ الکلام المبین مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ صفحہ ۲۰۹ بحث نمبر ۱۱ اس معجزے کا ذکر ہے لیکن پتھر کے تعین میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر حجر اسود ہے جسے لوگ بوسہ دیتے ہیں اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ پتھر زقاق المرفق نامی گلی میں ہے۔ (زقاق - گلی۔ مرفق - کہنی) ۱۲

بسنگ و گل بنا نمودہ و در طرف عرفات کوہ نمرہ یازدہ کروہ[51] از مکہ زیر کوہ در غاری منزل آنحضرت بغذ
بود و سابق برائے آدم از جنت خیمہ یاقوت سرخ یا سپید قنادیل؟) طلا و حجر الاسود بروشنی ستارہ ملائکہ
آوردہ جائے کعبہ داشتند روشنی انہا تا حدود حرم[52] . . . .
میکردند تا نظر شیاطین بر دنیفتد و جبرئیل . . . . از آدم . . . . گفت . . . .
باشارت انگشت مبارک دو نیمہ شد ہر دو نیمہ[53] . . . بعض احادیث ثابت است بآسمان رفت و نیسا نیدہ
محمد معصوم مخاطب . . . . (اعتبار؟) خان عظیم الشانی سنہ ۲ مبارک محمد فرخ سیر
پادشاہ غازی (۱۱۲۷ھ جس پنجہ شریف کا ذکر اس کتبے میں ہے ممکن ہے کہ اُسے وہابیوں نے چرالیا
ہے جو اس قسم کے معجزات اور پرستش کے سخت مخالف ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر سے کچھ دنوں
پیشتر بھی وہابیوں نے دلی کی مشہور درگاہ قدیم سے قدم رسول کے اڑا دینے کا قصد کیا تھا۔
اس قدم شریف کو مصر سے سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں بزمانہ فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ)
لائے تھے۔ یہ راز عین وقت پر افشار ہوگیا اور بہادر شاہ بادشاہ نے اُن لوگوں کا معقول
تدارک کیا۔ مولوی محمد عمر صاحب قادری المعروف بہ سراج الحق نے قدم رسول کی اصلیت
اور واقعیت پر ایک عمدہ رسالہ الاستشفا والتوسل باثار الصالحین وسید الرسل (مطبوعہ ۱۳۱۹ھ
مطبع خادم الاسلام دہلی) لکھا ہے۔ اس رسالے میں مصنف نے اس معجزے کے متعلق کہ حضرت
رسول مقبول کے لیئے پتھر نرم پڑ جاتا تھا اور آپ کے قدم کا نقش اُبھر آتا تھا تفصیلی بحث
کی ہے اور روایات معتبرہ سے اس معجزے کی صحت کو ثابت کیا ہے۔

---

[51] کروہ اور کوس دونوں سنسکرت کے لفظ "کروس" سے مستخرج ہیں جس کے لفظی معنے ہیں
آواز بلند۔ کوس عموماً دو میل کا شمار کیا جاتا ہے۔

[52] یہاں تعمیر خانہ کعبہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جب کہ حرم کی حدود مقرر کی گئی تھیں۔

[53] معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے جس کا ذکر الکلام المبین کے ساٹھ معجزے نمبر (۱۱۰) میں ہے۔ یہ
معجزہ حضرت کے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے سے قبل کا ہے۔ ۱۲

مسجد جامع یا مسجد قوۃ الاسلام ۵۸۷ھ سے ۱۱۹۱ء

صفت مسجد جامع کہ چناں ست ۔ شجرۂ طیبہ بر سو چو طوبیٰ بجناں
مسجد او جامع فیضِ الٰہ ۔ زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
بر سرِ نہ تخت گرفتہ شہی ۔ منبرش از خطبۂ بیت الٰہی
آمدہ در وی ز سپہر کبود ۔ فیض بیک خواندنِ قرآں فرود
غلغلِ تسبیح بگنبد دروں ۔ رفتہ ز نہ گنبدِ والا بروں
گنبدِ او سلسلہ پیوندِ راز ۔ سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز
خواندہ امم کعبۂ دین خودش ۔ پیش نشستہ حجرِ الاسودش
بندہ سنگش در و لعل و عقیق ۔ زو ہمہ آزادیِ بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنمائے ۔ بر در او سر نہد انگاہ پائے
ور تہ سقفش ز سما تا زمیں ۔ نصب شدہ جملہ ستونہائے دیں
قامتِ خود کردہ موذن دراز ۔ داد و اقامت بہ ستونِ نماز

(امیر خسرو ۔ از مثنوی قران السعدین)

راے پتھورا کے اس مندر کا یقینی طور پر کچھ حال نہیں معلوم ہوتا جہاں کہ مسجد کا بنانا بیان کیا جاتا ہی ۔ یوں بہت سے بے سر و پا بیانات ہیں کہ وہ بڑا بھاری مندر تھا جس میں تہری تہری اور چوہری چوہری قطاریں حجروں کی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بڑی بڑی عالی شان اور وسیع عمارتیں تھیں ۔ بات اصل یہ ہی کہ جب وہ چیز ہی موجود نہیں تو اس کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہی ۔ سلطان محمد غوری کے نامور اور مورد مراحم خسروانہ جنرل قطب الدین ایبک نے دلی کی فتح کے بعد ہی جاے حالیہ پر جو مندر تھے ان کو توڑ تاڑ جگہ ہموار کر کے مسجد بنانی شروع کر دی تھی ۔ مسلمان مورخین اور بعض یورپین وقائع نگار کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک نے مسجد بنانے کے لیئے مندر کی صرف غربی دیوار گرا دی تھی اور باقی جوں کا توں کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیا ۔ لیکن جنرل کننگھم صاحب کی راے یہ ہی کہ نہیں مندر کی عمارت تمام بجز سواے چند ستونوں کے جن کا بیان آگے آئے گا ڈھا دی گئی تھی البتہ چبوترے کا اونچا حصہ پہلے ہی کا ہی جس پر کہ مسجد کی وسیع عمارت بنائی گئی ہی اور اسی سے اس بات کا پتہ چلتا ہی کہ مندر کی عمارت کہاں کہاں پھیلی ہوئی تھی لیکن اس چبوترے کے نیچے کے حصے کی چاردیواری

بحالہ چھوڑدی جو اپنی اصلی حالت پر کھڑی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کے مندر چن چن کے نیست و نابود کیے گئے اور یہ تعصب اس قدر بڑھا کہ شمس الدین التمش کے سامنے ہی جو قطب الدین کا جانشین تھا مندروں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا (از ظفرنامہ)

یہ مسجد باہر سے دیکھنے میں بے رونق اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ پتھر کی مربع عمارت ہے جو بنتے بنتے ادھوری رہ گئی استرکاری اور تکمیل کی نوبت ہی نہ آئی ورنہ اس کی صورت شکل نکلتی۔ محراب دار صدر دروازہ مشرقی دیوار کے بیچ میں ہے سات بھاری بھاری سیڑھیاں چڑھ کر ہم اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر مسجد کا صحن ملتا ہے۔ مسٹر بگلر نے بغرض حصول معلومات جابجا سے کھدائی کی تھی تو معلوم ہوا کہ سیڑھیوں اور مسجد کے صحن کی حالت پہلے کچھ اور ہی تھی۔ ان سیڑھیوں کا سلسلہ اور آگے تک تھا جن کے آگے ایک پختہ چبوترہ تھا۔ مسجد کی بیرونی مشرقی دیوار ۱۴۲ فٹ لمبی ہے جس میں چار کھڑکیاں ہیں۔ مشرقی دروازے پر ایک محراب ہے جو ذرا نیچے وا. کو ہٹی ہوئی ہے جس کے بالائی حصے میں بہت کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور تحتانی حصے پر یہ کتبہ بخط عربی نہایت پیچیدہ طغرے میں کندہ ہے:-

این مسجد را بنا کرد قطب الدین ایبک خدا برآن
رحمت کناد هر که به نیت بانی این خیر دعای ایمان گوید

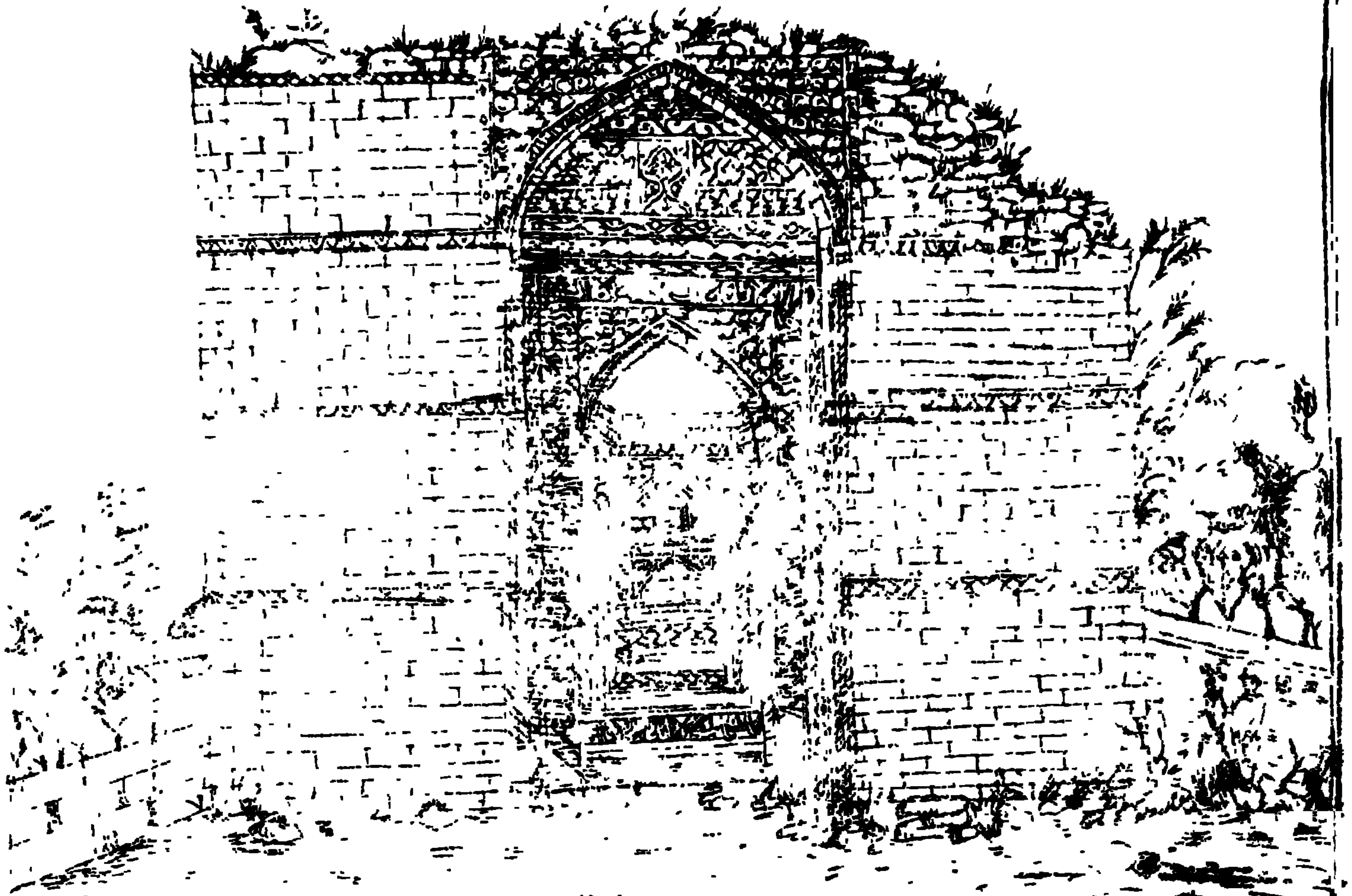
بسم اللہ الرحمن الرحیم من دخلہ کان آمنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ
سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین   خدای عزوجل بر آن بندہ رحمت کند هر کہ بہ نیت بانی دعای ایمان

این حصار را فتح کرد و این مسجد جامع را بساخت بتاریخ فی شهور سنہ سبع وثمانین
وخمسمائۃ امیر اسفهسالار اجل کبیر قطب الدولۃ والدین امیر الامراء ایبک سلطانی اعز
اللہ انصارہ ولبست وهفت الہ بتخانہ مرکنی در هر بتخانہ دو بار هزار هزار دلیوال صرف
شدہ بود درین مسجد بکار بستہ شدہ است

مسجد کی مشرقی دیوار کے پائے کی کرسی ۴½ فیٹ ہے۔ دو دیواریں ۱۲ فیٹ لمبی اصلی دیوار سے متصل بہ شکل زاویۂ قائمہ کھڑی ہیں جن میں وہ سیڑھیاں ہیں جو مسجد میں پہنچاتی ہیں اور دروازے

سلہ فرگسن صاحب جن سے مسٹر ایڈورڈ تھامس بھی اتفاق کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ اگر ہر مندر کی تخمینی لاگت ساٹھ ہزار روپیہ بھی محسوب کی جائے تو ستائیس مندروں کی لاگت سولہ لاکھ بیس ہزار دیوال ہوئی۔

دیوال روپیہ کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔ ۱۲



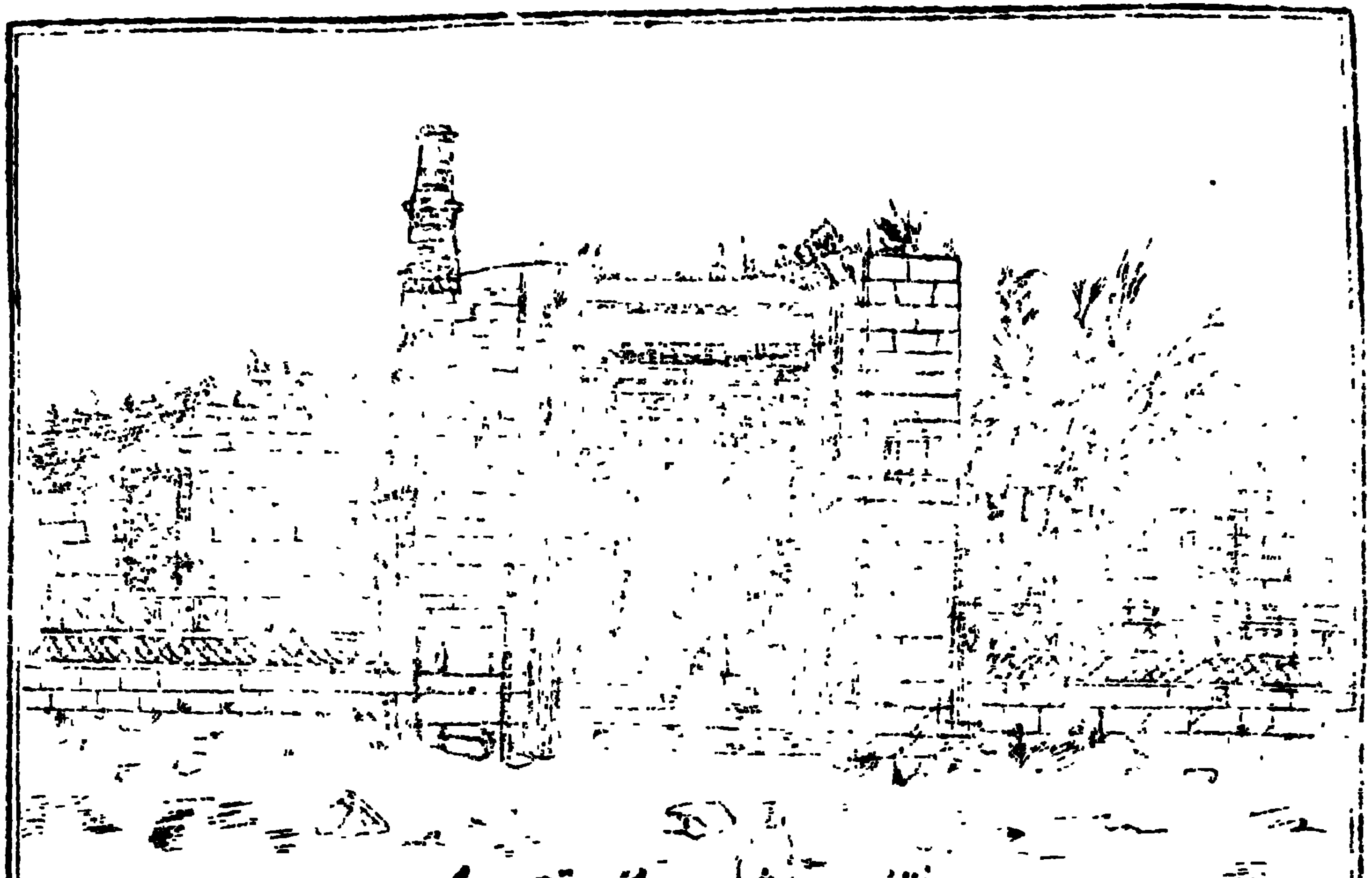
نقشه دروازهٔ شرقی مسجد قوة الاسلام

کی محراب کے اندر تک ہیں۔ دروازہ گیارہ فیٹ چوڑا ہے لیکن زیادہ اونچا نہیں۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا گنبد تھا ہے جس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف ستونوں کا سلسلہ اور صحن ہے جو تمام حجروں سے پٹا ہوا تھا لیکن صرف آدھے سے زیادہ صحن میں حجرے باقی رہ گئے ہیں۔ صحن طول میں ۲۴۲ فٹ اور عرض میں ۱۰۸ فٹ ہے۔ گنبد ہشت پہلو ہے جو مربع نیچے پر کھڑا ہے۔ گنبد میں چار چار ستون یکجائی ہیں جن پر گنبد ٹکا ہوا ہے۔ یہ ستون نو فٹ لمبے اور پائے میں ڈھائی فیٹ چوڑے ہیں اور اوپر کی چھپی ڈیڑھ فیٹ چوڑی ہے۔ گنبد باہر سے نوکدار مخروطی شکل کا ہے۔ فرگسن صاحب مسجد کے حجروں کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ عمارتیں اس قسم کی ہیں کہ ان کے گرانے اور دوبارہ پھر کھڑے کر دینے میں کچھ کی شکل نہیں سکیوں کہ ستونوں کی کلاسی نہایت عمدگی سے ملائی گئی ہے جو بالکل ہندوؤں کی بنائی ہے۔ ہر ہر حجرے میں نو نو سلیں پتھر کی اس طرح جمی ہوئی ہیں کہ چار تو ستون کے پاکھے پر ہیں اور چار کونے میں اور ایک بیچ میں۔ ان سلوں کے جوڑ نہایت عمدگی اور ایسی صفائی سے پیوست کیئے گئے ہیں کہ ان میں مسالا بھرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔ ان کو اتار کر پھر اسی طرح نہایت آسانی سے جما سکتے ہیں۔ گنبد بھی اسی طرز سے بنایا گیا ہے اس کی سلوں کے جوڑ بھی خوب ملائے گئے ہیں اور اس کی سلیں بھی اسی آسانی سے نکالی اور لگائی جا سکتی ہیں جیسی کہ حجروں کی (از ہسٹری آف آرکی ٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۳۹)۔

زائرین کے داہنی طرف ستونوں کی قطاریں ہیں جو شمالی دیوار کی آخری حد تک ہیں۔ ان میں سے بعض کے سامنے برآمدے بھی ہیں۔ پہلی قطار میں سات ستون دیوار سے لگے کھڑے ہیں دوسری قطار پہلی قطار سے چھ فیٹ کے فاصلے سے ہے اس میں چھ ستون ہیں۔ تیسری قطار بھی دوسری قطار سے چھ فیٹ ہے اور اس میں بھی چھ ستون ہیں۔ چوتھی قطار صحن میں ہے جو تیسری قطار سے پانچ فیٹ دور ہے جس میں سات ستون ہیں یہ سارے ستون اور یہ وہ ستون جو گنبد کی بائیں جانب ہیں سب نقش و نگار سے بھرے ہوئے ہیں۔ بعض پر مختلف قسم کی تصویریں۔ کڑے۔ چوڑیاں۔ زنجیریں۔ بیلیں۔ لہریے بھی ہیں جن کے سرے پر گھنٹی یا پھندنا ہے۔ مشرقی دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گیلری دو منزلہ بیس فیٹ مربع ہے۔ پست گنبد اسی طرح کے جیسے مشرقی دروازے پر ہیں اس طرف بھی ہیں۔ مسجد کی دیواروں میں گیلریوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ گیلری پر کا گنبد ہشت پہلو

ہے جو ایک مربع ہے جس کے آٹھ ستون ہیں بنا ہوا ہے - چار ستون چار کونوں پر ہیں اور چار
بیچ میں - جنوب و مشرقی گیلری میں ایک نواں کھم بطور اڑواڑ کے لگا ہوا ہے - گیلری کے
بیچ میں گنبد ہے اور گنبد کے ستونوں کی طرف چھ فیٹ چوڑی کھلی جگہ ہے - اس گیلری کے مشرقی
اور جنوبی رخ پر مسجد کی مشرقی اور جنوبی دیوار آ گئی ہے جس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں -
دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو دالان کے ستونوں سے آدھے ہیں گیلری کی چھت
انھیں ستونوں پر تھمی ہوئی ہے - ان ستونوں میں سے اکثر پر نقش و نگار ہیں - ایک امر یہاں
خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے جس سے بلا شائبہ شک کے ثابت ہو جاتا ہے کہ فرش تو
قائم رکھا ہے مگر بالائی عمارت مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے - اول تو یہ کہ دیواروں سے ستونوں
کے بالائی ٹکڑے آگے بڑھے ہوئے ہیں اور ان کی بیٹھک کا پتھر بھی نہیں ہے - شمال مشرق
کی گیلری میں بھی اسی طرح کے ستونوں کے اوپر کے ٹکڑے موجود ہیں چھت کی بعض سلوں میں
بودھ کی مورتیں بنی ہوئی ہیں جو کسی وشنو کے مندر میں نہیں ہو سکتیں - جس طرح کی گیلری
جنوب مشرق کے کونے میں ہے ویسی شمال مشرق کے کونے میں بھی ہے - شمال مشرق کے
دالان کے ایک کونے میں سے ہم شمالی دالان میں جا نکلتے ہیں جو مسجد کے صحن کی آخری
شمالی حد ہے - اس دالان میں ستونوں کی چار چار قطاروں کی جگہ صرف تین تین قطاریں ہیں
یہاں کے ستون ایسی اچھی حالت میں ہیں جیسے کہ مشرقی دالان کے ہیں - اس دالان
میں (۴۹) ستون ہیں جن میں سے سترہ تو دیوار سے چسپاں ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہے -
دوسری قطار پہلی قطار سے ساٹھ فیٹ کے فصل سے ہے اور اس میں بھی سترہ ہی ستون
ہیں - رہی تیسری قطار وہ بالکل صحن کے کنارے پر ہے اور اس میں پندرہ ستون ہیں اور اس
قطار میں اور دوسری قطار میں آٹھ فیٹ کا بعد ہے - شمالی دالان کے بیچ میں ایک مخروطی گنبد ہے
جو مشرقی دروازے کے گنبدوں سے چھوٹا ہے - اس گنبد کے بالمقابل مسجد کا شمالی
دروازہ ہے اور گنبد کی دونوں جانب کی دیوار میں تین بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں - اس دروازے کی
صرف دو سنگین سیڑھیاں ہیں - یہ شمالی دروازہ بھی بعض لحاظات سے مشرقی دروازے ہی
کی طرح کا ہے مگر اس کی محراب کو امتداد زمانے سے زیادہ نقصان پہنچا ہے - اس دروازے
کی پیشانی پر بخط عربی یہ کتبہ ہے :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم واللہ یدعوا الی دار السلام و یہدی من یشاء الی



نقشہ دروازہ شمالی : جز دوم مسجد قوۃ الاسلام

سو اط مستقیم فی شہور سنۃ اثنی و تسعین[1]

بحوث مذۃ العمارۃ بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا والدین محمد بن سام

ناصر امیر المؤمنین

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شمال کی طرف کی دیوار اور اُدھر کا دالان دونوں ادھورے ہیں۔ اس دیوار کے شمال مغرب کے سرے پر تیس فیٹ کا خلا ہے اور ادھر کی گیلری خستہ و شکستہ ہے۔ جنوب رخ کا دالان صحن مسجد کی جنوبی حد بھی ہے۔ جو اس سے بھی بدتر حالت میں ہے۔ اس دالان کے جنوب مشرق کے سرے پر کوئی ساٹھ فیٹ لمبی دیوار اور پندرہ ستونوں کا دالان ابھی تک کھڑا ہے۔ اس کے ستونوں پر دوسرے دالانوں کے ستونوں کی طرح نقش و نگار نہیں ہے بالکل سادے ہیں۔ یہ دالان چھت کی دیوار سمیت بیجر آر سمتھ صاحب اگزیکیوٹو انجنیر دہلی کا بنایا ہوا ہے۔ صاحب موصوف نے سلطان التمش کی توسیع کردہ عمارت کے اُس حصے میں سے جو مسجد کے مشرقی دروازے کے محاذی ہے یہ ستون نکال کر یہاں لگا دیے جو صاف جعلی لگتے ہیں۔ مسٹر کیمبل اگزیکیوٹو انجنیر دہلی لکھتے ہیں کہ مسٹر سمتھ کے تصرف اور اُلٹ پلٹ سے قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی کھڑکیاں بھی اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکیں۔ اس دالان کے پندرہ ستونوں کے من جملہ چھ تو دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری قطار پہلی قطار سے پانچ فیٹ کے فاصلے پر ہے جس میں پانچ ستون ہیں اور تیسری قطار بھی اسی فصل سے ہے اور اس میں چار ستون ہیں۔ جنوب مغرب رخ کی گیلری اور گنبد بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں۔ مسجد کے جنوبی جانب بیچ کے حصے میں جتنی دیواریں اب کھڑی ہیں ان کے سرے پر مسجد کا جنوبی دروازہ ہے جو بالکل شمالی دروازے کے طرز کا ہے ادھر صحن میں جانے کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اس دروازے میں جنوب و مشرق کی طرف کھڑکیاں ہیں لیکن جنوب مغرب کی طرف کی دیوار اور کھڑکیاں سب کچھ گر گرا گیا۔ مسٹر بگلر نے

[1] معلوم ہوتا ہے کہ کتبے کے کھودنے والے پڑھے لکھے نہ تھے صرف صورت نویس تھے۔ یہ تو صرف سنہ ۹۲ھ ہوتا ہے جو غلط ہے معلوم ہوتا ہے کہ تسعین کا لفظ رہ گیا ہے یعنی ۵۹۲ھ / ۱۱۹۶ء کیوں کہ سلطان معز الدین بن سام کا یہی زمانہ ہوتا ہے۔ پھر اس میں بجائے تسع کے لفظ کے تسعین کے نقطے سے سبع کا مغالطہ ہوتا ہے سبع یعنی ت کے نقطے نہ لگا دیے جاتے ہیں۔ اور اس قسم کی غلطیاں قطب صاحب کی مسجد کے کتبوں میں اکثر ہو گئی ہیں بلکہ بعض جگہ کہیں بے جا ہیں کہ لفظوں کی ترکیب غلط ہے کسی کا سر دوسرے کا پیر لگا ہے جو پڑھنے والا پڑھ سکتا ہے وہ ضد و صحت جوڑ دیا۔ ۱۲

اس دروازے کے پیچھے والا بھی گنبد نما تھا یا نہیں - لیکن اس کے نشان
... سے کی بہ نسبت گویا مشرقی دروازے کی سیڑھیوں اور پایوں کا مطلب
سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور اسی طرح کا ایک دروازہ مغرب کی طرف بھی تھا چنانچہ اس
کی پانچ سیڑھیاں ابتک موجود ہیں جن کی موجودگی بزبانِ حال بتلا رہی ہے کہ یہاں
تھا - صحن مسجد کے جانب مغرب پانچ بلند محرابیں ہیں لیکن بہ لحاظِ زمانِ تعمیر ان کا ذکر
پہلے کرنا ہے گا کہ انھیں محرابوں کے پیچھے نمازگاہ کا صدر مقام قطب الدین ایبک کی بنا کردہ
مسجد کا تھا - یہ عظیم الشان ہال بھی دوسرے دالانوں کی وضع قطع کا تھا جس پر ایک
گنبد مشرقی دروازے کے گنبد کی طرح کا تھا - لیکن مسجد میں پچھواڑے کی دیوار میں سے
کوئی رستہ نہ تھا بلکہ اس میں تین اونچی اونچی دیوار دوز محرابیں تھیں - ریاست لوہارو کے
رئیس سابق نواب ضیاء الدین خاں بہادر پانچ طاق بتلاتے ہیں - یہ درمیانی ہال
... بنا ہوا تھا - جس کی چھت سب سے عمدہ اور نفیس نقش و نگار کے ہندوانی ساخت
کے ستونوں کی چار قطاروں پر کھڑی تھی - اب یہ مسجد ایسی شکستہ اور تباہ حالت میں ہے کہ اس کا
عدم وجود برابر ہے - تھوڑا سا حصہ جو باقی رہ گیا ہے وہ صرف وہی ہے جو چبوترے کے شمالی رخ
پہ عالیشان دار کمانیں کھڑی ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ہے - یہ حصہ قطب الدین ایبک کا
بنایا ہوا تھا - بیچ والی کمان کا کچھ حصہ چبوترے کے اوپر ہے اور کچھ حصہ چبوترے کے جنوبی رخ
کے پیچھے وار اور یہیں مسجد کے چند ستون بھی باقی ہیں - شمالی رخ پر چار قطاروں میں پانچ
رہ گئے ہیں - ان ستونوں کے سروں اور بیچ کے حصے پر نفیس سنگ تراشی کا کام کیا ہوا ہے
ان ستونوں میں صرف ایک ہی ستون ایسا ہے جس پر کچھ کام نہیں اور سادہ ہے - بعض ستونوں
پر اب بھی چھت کی سنگین کڑیوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ادھر ادھر پڑے ہیں - اندر چھت
کا بھی ٹوٹا پھوٹا تھوڑا سا حصہ دو مقام پر نظر آتا ہے - دوسرا حصہ دس ستونوں کا اسی طرح کا
ہے جیسا کہ شمالی چبوترے پر ہے اور بیچ کی کمان کے دوسرے چبوترے پر ہے - اس کی بھی
چار قطاریں ہیں - جنرل کننگھم کی رائے یہ ہے کہ قطب الدین ایبک نے مسجد بناتے وقت
ان ستونوں کو ہلایا جلایا نہیں بلکہ جہاں پہلے سے تھے ویسے ہی رہنے دیا لیکن اس
بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ انھیں ستونوں میں سے ایک ستون پر یہ کتبہ ہے - ...
... ابی المعالی ... مسجد کی مغربی دیوار کا ایک تہائی حصہ شمال کی طرف اب بھی ...

[illegible] جنوب کی محراب کا گر گیا - موجودہ دیوار - وسطی محراب تھا [illegible] ابھی
دکھائی دیتا ہے حصہ اب بھی نظر آتا ہے - بیچ کی محراب کا نیچے کا حصہ جو دیوار کا بھی حصہ ہے اب بھی
سطح زمین سے اونچا ہے - اس کا باقی حصہ گر گیا - اس کے شمال میں جو طاق نما محراب تھا
البتہ جوں کی توں پوری کھڑی ہے لیکن جنوب والی محراب بالکل گر گئی - شمال رخ کی دیوار بھی
ابھی تک آدھی باقی ہے جو بیچ کے دالان کے سلسلے میں ہے لیکن مغربی دیوار تک نہیں پہنچی جو دالان کی
جنوبی دیوار ایسی گری ہے کہ اب اس کا نشان تک باقی نہیں ہے - مسجد سے کوئی تیس فیٹ پر لوہے
کی لاٹ کھڑی ہے جو غالباً مسجد کے بننے کے پہلے ہی سے یہاں ہے - مسجد کے صحن میں چار
پختہ قبریں ہیں جن کے چبوترے بلند او تعویذ خوش نما ہیں - مسجد کے اندر آنے کا رستہ بھی
پورٹیکو کی وضع کا بنا ہوا تھا - فرگسن صاحب اس مسجد کی اس وضع کی نسبت [illegible]
قطب الدین ایبک کے زمانے میں جو لکھتے ہیں کہ وہ اس مسجد کی وضع قطع بالکل جین کے
مندروں کی سی ہے - ستون اسی تراش خراش کے ہیں جیسے کہ کوہ آبو کے مندروں کے
ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان پر زیادہ کام کیا ہوا ہے اور یہ ہیں بھی زیادہ عمدہ - ان ستونوں کی
ساخت غالباً بارہویں یا تیرھویں صدی کی ہے - اب اس نمونے کے ستون کہ جن میں اس قدر
نقاشی کا کام ہو ہندوستان میں بہت کم باقی ہیں - ان ستونوں کی یہ حالت ہے کہ جڑ سے ٹاپ تک
ان میں عمدہ صناعی سے ایک انچ بھی خالی نہیں" (ہسٹری آف آرکیٹکچر صفحہ ۶۴۴) آگے چل کر
اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۶۰۵ میں لکھا ہے کہ "اس مسجد کے جہاں اور عجائبات ہیں وہاں اس کی
تعمیر کی نوعیت بھی عجیب و غریب ہے - افغان فاتحین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ایک خاص قسم کی نوکدار
محراب بنانے کو فن تعمیر کا اصول سمجھتے تھے لیکن سائنٹیفک اصول پر وہ اس طرز کی
خوبی بتلانے سے قاصر تھے اس لیئے انھوں نے ہندو معماروں اور کاریگروں کی
مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی رائے اور سمجھ کے موافق بنائیں - لیکن ہندو معماروں کو
اس زمانے تک کمان اتارنے کے طریقے سے کوئی واقف ہی نہ تھا بلکہ اس کے
بعد بھی کئی صدیوں تک وہ اس اصول سے نابلد رہے اس لیئے وہ اسی اصول پر محراب
بناتے تھے جس طریقے پر کہ گنبد بنتا ہے اور وہ طریقہ یہ ہے کہ پہلے تو وہ جہاں تک بلند
کر سکتے تھے اٹھاتے چلے جاتے تھے بعد پتھر کی سلوں سے پاٹ کر سلوں کا
اوپر سے ملا دیتے تھے" مسجد قوۃ الاسلام کی ابتدائی حالت جو ۱۱۹۳ء میں تھی ہم

بصراحت بیان کر آئے ہیں۔ سو بڑی بڑی محرابیں جو سب سے مرتفع نظر آتی ہیں بعد کی بنائی ہوئی ہیں۔ مسجد کی سطح دالانوں کی سطح سے اونچی ہے۔ مسجد کے فرش کی سطح میں ۱۰۰ فٹ میں آٹھ انچ کا ڈھلاؤ ہے۔ مغربی دیوار سے جہاں سب سے زیادہ مرتفع سطح ہے مشرقی دیوار تک جو سب سے زیادہ پست حصہ سطح کا ہے۔ اس سرے سے لے کر اُس سرے تک سترہ انچ کی ڈھلان ہے۔ سلطان محمد غوری کی طلب پر قطب الدین ایبک غزنی چلا گیا تھا وہاں سے واپسی کے بعد اُس نے مسجد کے سامنے والی محرابیں بنائیں جن کو فرگسن صاحب اس مسجد کی جان کہتے ہیں (ہسٹری آف آرکی ٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۴۹)۔ ان محرابوں کے اندر آٹھ فیٹ کے ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ درمیانی بلند دیوار اور ادھر ادھر دو چھوٹی دیواریں۔ درمیانی دیوار ۵۳ فٹ اونچی اور ۳۱ فٹ چوڑی ہے جب تمام چھوٹی ایں بھی قائم تھیں تو بازو کی ہر دیوار ۴۲ فٹ بلند اور ۲۰ فٹ چوڑی تھی۔ اس دیواریں پانچ محرابوں کی جگہ رکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے بانی کا ارادہ آیا یہاں پٹاؤ کرنے یا کسی قسم کی چھت بنانے کا تھا یا کیا۔ مسجد کے ہر حصہ کے لئے چھت کا ہونا کچھ لازمات سے نہیں ہے۔ صرف قبلہ رخ ایک دیوار ہونا کافی ہے اور اکثر مسجدوں کو احاطے سے بھی محصور کر دیتے ہیں تاکہ نماز وغیرہ میں خلل نہ ہو۔ یہ کمانیں سنگ سرخ اور زرد رنگ کے بھربھرے پتھر کی ہیں اور یہ اس شکل کی ہیں۔ بیچ کی محراب ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے اطراف کی

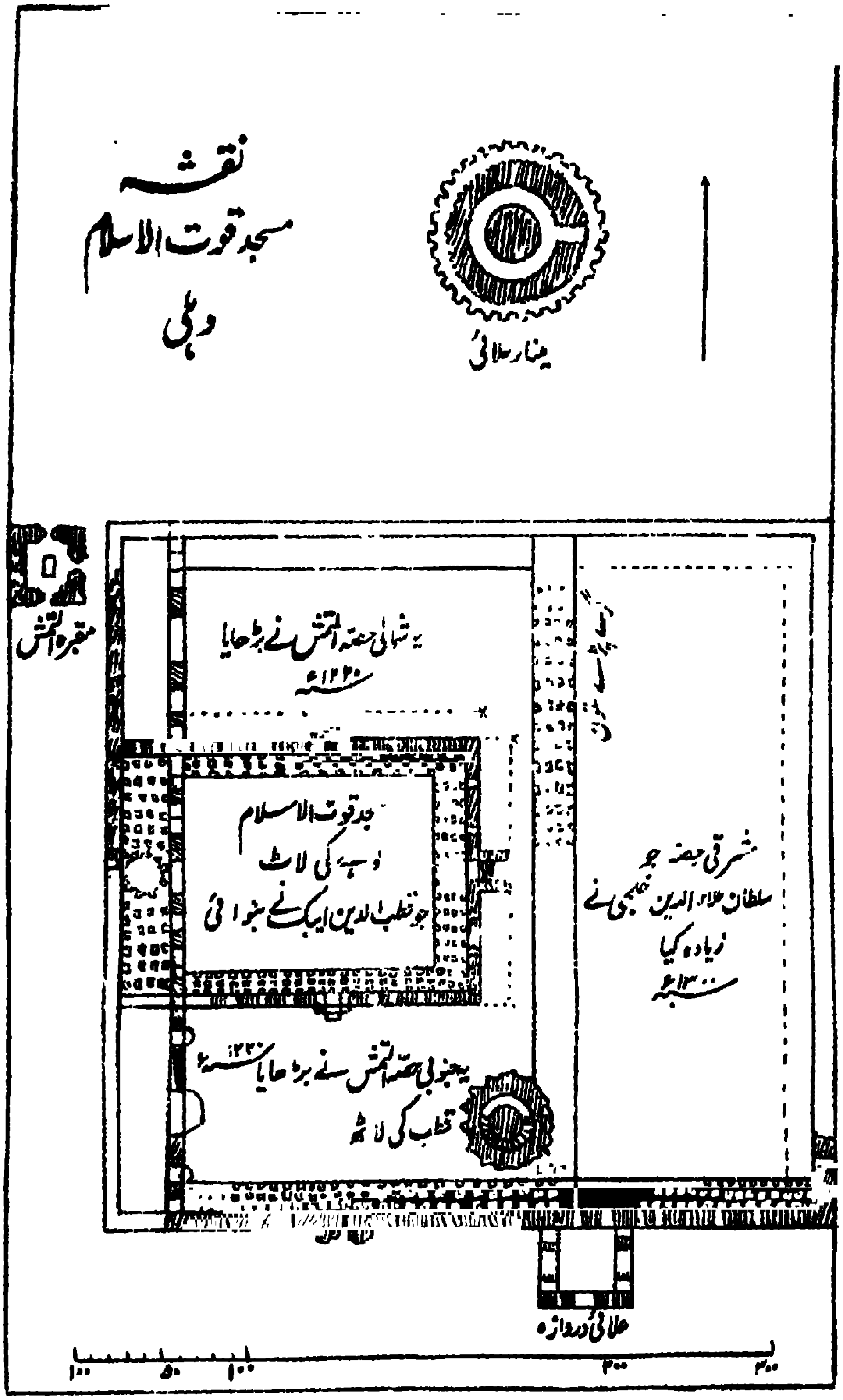


چار محرابوں میں سے اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ دو شمال میں اور ایک بیچ کی محراب کے جنوب میں۔ یہ محرابیں ۲۴ فٹ بلند ہیں اور بیچ والی محراب کے دونوں طرف کی ۱۱½ فٹ اونچی اور دس فیٹ چوڑی کیونکہ یہ ذرا دور ہٹی ہوئی ہیں۔ بیچ والی کمان کے ستون ۹½ فٹ مربع ہیں اور داہنی بائیں کمانوں کے ۸ فٹ مربع اور جو کمانیں پرے ہیں اُن کے ستون مستطیل ۸ × ۶ ہیں ان محرابوں میں کوئی طاق نہیں ہیں اور ستون بن تراشے رہ گئے ہیں۔ غرض یہ کہ ادھوری ہیں۔ ان پر سرے پانک نہایت خوشنما کتبے آیات کلام مجید کے ہیں۔ یہ محرابیں ... میں بنائی گئی ہیں اور بیچ کی محراب کے بائیں بازو کے پر زمین سے آٹھ فیٹ کی اونچائی ... ۲۰ ذی قعد ۵۹۴ھ (۱۱۹۷ء) کندہ ہے۔ قطب الدین کا اس مسجد کے متعلق یہ آخری کام تھا۔ کمانوں اور ستونوں کے نئے تعمیر نقش و نگار اور خوش خط و خوشنما کتبات کے علاوہ

ستونوں میں کہیں آیات قرآنی اور مختلف اقسام کے بیل بوٹوں سے آراستہ تھیں اور
ان میں ایک خوبی یہ بھی مضمر تھی کہ تمام ناشروع تصاویر اور بتوں کی شکلیں جو ہندوں کی تھیں
ان کے نیچے ڈھک گئی تھیں ۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو نقش و نگار
اور آیات قرآنی یا پتھروں پر کھدوا دی گئیں یا پلاستر پر نقش کر دی گئیں" اب پلاستر جا بجا سے
جھڑ گیا ہے جس سے تصاویر کا چھپانا مقصود تھا وہ پھر نمودار ہو گئی ہیں ۔ پلاستر چیدہ چیدہ
اُن مقامات پر باقی رہ گیا ہے جو محفوظ سے تھے ۔ مسجد کی چھت اور دیواروں میں
بعض بعض سلیں اور پتھر اب بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جن میں کرشن کا جنم اور دیوتاؤں
کی مجلس بنی ہوئی ہے ۔ سب سے صاف اور بہتر حالت میں دو جگہ مورتیں موجود ہیں جنھیں
جنرل کننگھم نے نوٹ کیا ہے ۔ مسجد کی شمالی دیوار کے باہر دو کمروں کا نقشہ بتلایا ہے ۔
جس کا درمیانی دروازہ نصف کھلا ہوا ہے ۔ ان دونوں کمروں میں سے ہر ایک میں
ایک ایک عورت اپنے پاس ایک بچے کو لیے ہوئے لیٹی ہوئی ہے اور تخت پر شامیانہ
تنا ہوا ہے اور ایک خادمہ پاؤں کے پاس بیٹھی ہوئی ہے ۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے کمرے
میں دو عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لیے ہوئے دروازے کی طرف جا رہی ہیں ۔ داہنے
ہاتھ کے کمرے میں دو اور عورتیں اپنے اپنے بچوں کو ایک دیوتا کی طرف لیجا رہی ہیں
دالان کے شمال مشرقی کونے میں ایک پتھر پر اُن کھڑکیوں کے پاس جو شمال مشرقی گیلری
میں ہیں ایک دم سے چھ مورتیں وشنو ۔ اندر ۔ برہما ۔ شیو ۔ اور دو غیر معلوم دیوتاؤں کی
پائی جاتی ہیں ۔ بدھا کی بیٹھی ہوئی کئی مورتیں دونوں گیلریوں میں بنی ہوئی ہیں ۔ بعض اُن میں
کی بالکل صاف نمایاں ہیں اور بعض مدھم ہیں ۔ لوہے کی لاٹ کے گرد کے دالانوں میں
جنرل کننگھم نے (۲۴۰) نقشین ستون گنے ہیں لیکن جب کہ یہ دالان مکمل حالت میں تھے ان کے
حساب کی رو سے (۴۵۰) ستون ہوں گے ۔ بلا نقش و نگار کے جنرل صاحب نے
۲۰۰ ستون شمار کیے ہیں اور موقعی حالت ۔ کے لحاظ سے اندازہ لگاتے ہیں کہ کل
دالانوں کی تکمیل کے لیے اور بارہ سو ستون ہونے چاہئیں ۔ قطب الدین ایبک کی تعمیرات
کی خصوصیات یہ ہیں ۔ خاص طرز کے گنبد جو اوروں سے بالکل الگ تھلگ پہچانے جاتے ہیں
سطح چھتیں ۔ دروازوں پر پٹاؤ ۔ دالانوں کے ستون سرخ اور زردی مائل بھربھرے پتھر کے
ستونوں کا بلندی اور سطح میں دوسروں سے مختلف ہونا ۔ ستونوں کے ٹکڑوں کی تعداد

اُن کے نقش و نگار - یہ سب باتیں اپنی وضع اور طرز میں نرالی ہیں - ستونوں کی نشست
سلسلہ بھی پچھلے زمانے کی عمارتوں سے جدا ہے - ان ستونوں کے نادر اور عجیب نمونوں
ہم جنرل کننگھم صاحب کی آثار قدیمہ کی رپورٹ سے نقل کرتے ہیں "ان شکستہ مندروں کی
چھتائی بڑائی کی حالت اُس معلومات سے جو میں نے ۱۸۳۱ء میں حاصل کی تھی اور جس کی
تکمیل اب میں نے ۱۸۶۳ء میں کی عجیب طرح بہم پہنچی ہے - مسجد کے متعلق جنوب و مشرقی
کونے میں جو دالان ہیں اُن کے ستون پائے اور سرے سمیت تمام نئی وضع اور جسامت
کے ہیں اور بالکل الگ پہچانے جاتے ہیں - ان ستونوں کے تین حصے ہیں اوپر
اور نیچے کے اور درمیانی - ان ستونوں کے بالائی حصے پر نمبر بھی پڑے ہوئے ہیں
اور جہاں تک پتہ چلا سب سے اونچا نمبر (۱۹) ملا ہے - اور پندرہ خالی کھمبے نمبر پڑے ہوئے
ملے ہیں جن میں کا نمبر (۱۳) کا کھمبا شمالی دالان میں نصب ہے - جو اپنے سلسلے کے
نمبروں سے بالکل الگ اور دور کھڑا ہے - تیرہ نمبر پڑے ہوئے حصۂ زیرین اور سات
بالائی حصے ملے ہیں - لیکن ان میں صرف ایک ستون نمبر (۱۰) کا ایسا ہے جس کے تینوں
حصوں پر یکساں نمبر پڑے ہوئے ہیں اور سب جوڑ بھی برابر ملے ہوئے ہیں - اس سے
صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی ستون اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں ہے - کسی کا سرا تو کسی کا پایہ
کوئی کہیں کھڑا کر دیا گیا تو کوئی کہیں - نمبر پڑے ہوئے کھمبے کل (۱۵) ملے ہیں سب نمبر کی ہوئی
بیٹھکیں (۱۴) ملیں - جن میں چار چوکون ہیں اور پانچ کے کونے گول کیے ہوئے ہیں
ایک ہی وضع قطع کے بس بالائی حصے ملے ہیں جن میں سے ایک پر نمبر (۱۹) پڑا ہوا ہے
ان امور سے یقین ہوتا ہے کہ جن مندروں کے یہ ستون ہیں اُن میں کل (۲۰) ستون تھے
نمبر (۱۲) کے کھمبے پر بخط ناگری ایک طرف لفظ "کچل" اور دوسری طرف (۱۱۲۴) کندہ ہے جو
بکرماجیت کا سمت ہے اور ۱۰۶۷ء کے مطابق ہوتا ہے - یہ زمانہ[1] اننگ پال ثانی مالک لال کوٹ
کا تھا جب کہ وہ دلی پر حکمراں تھا - راجوں اور سنگ تراشوں نے نہ صرف ستونوں ہی پر
نشان ڈالے ہیں بلکہ اسی قسم کے نشان جابجا پورے پہل پایوں پر ہیں - یہ نشان
صاف اور مکمل ہیں مگر پھر بھی صاف طرح ان نشانوں اور الفاظ اصطلاحی کا مفہوم
سمجھ میں نہیں آتا - نشانوں کی تفصیل یہ ہے:

[1] سرسید اننگ پال لکھتے ہیں اور انگریزی میں جہاں دیکھو انگ پال ہے - ۱۲


نقشہ
مسجد قوت الاسلام
دہلی
مینار علائی
مقبرہ التمش
یہ شمالی حصہ التمش نے بڑھایا
سنہ ۱۲۲۰ء
مسجد قوت الاسلام
لوہے کی لاٹ
جو قطب الدین ایبک نے بنوائی
مشرقی حصہ جو
سلطان علاء الدین خلجی نے
زیادہ کیا
سنہ ۱۳۰۰ء
یہ جنوبی حصہ التمش نے بڑھایا سنہ ۱۲۲۰ء
قطب کی لاٹھ
علائی دروازہ
۱۰۰ ۵۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰

(۱) چپ ویڑا سو = بالائی ویڑا (۹) نمبر۱ (۸) پچم راکی داشن = مغربی جانب کا سردل۔
(۲) " " " = ۲ " " (۹) نمبر۲ (۹) پورب پرا تھما = مشرقی پہلا سردل -
پوچکی ۲ = پچھلا حصہ (۹) نمبر۲ (۱۰) پورب ۳ = مشرق نمبر ۳
(۴) ... (۱۱) پچم را ... (۹) = مغرب نمبر ...
(۵) وہی چوتھی = ویڑا (۹) چہارم (۱۲) " راکی پچھی = مغرب عقب
(۶) وہی پنجم = " (۹) پنجم (۱۳) " راکی ۶ = نمبر۶ عقب
(۷) پرا تھما داشن = پہلا سردل

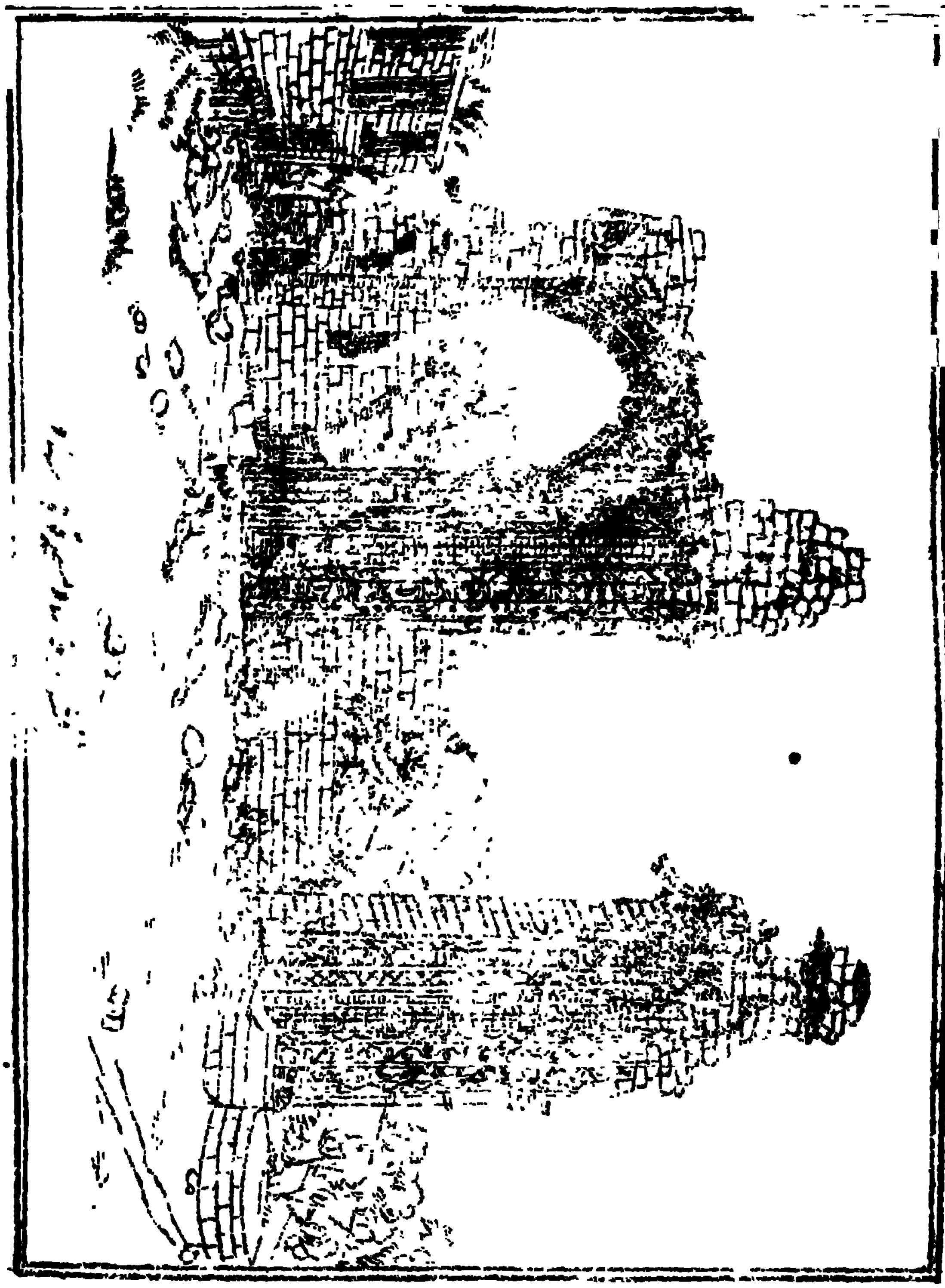
ستونوں کے نمبروں میں ایک او خصوصیت قابل غور ہے کہ ہندسے کے اول اُس کا حرف بھی لکھا ہوا ہے۔ مثلاً (۳) کے ہندسے کے اول "تی" یعنی تین اور (۱۰) کے اول "د" اور سولہا کے اول "سو"۔ اسی قسم کے نشانات ایک دوسرے مندر کے ستونوں پر بھی ہیں اور ایک دوسرے نمونے کے ستون پر بھی "دو ۲" لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دیوار دوز ستون بھی اسی قسم کا ملا جس پر "ی ۱۹" لکھا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا ستون کی پیمایش یہ ہے:۔ اوپر کا حصہ۔ ایک فٹ۔ ۴۔ انچ۔ خالص کھم درمیانی حصہ ۴۔ فٹ۔ ۱۱ ½ انچ۔ پایہ۔ ۱۔ فٹ۔ ۱۱ ½ انچ۔

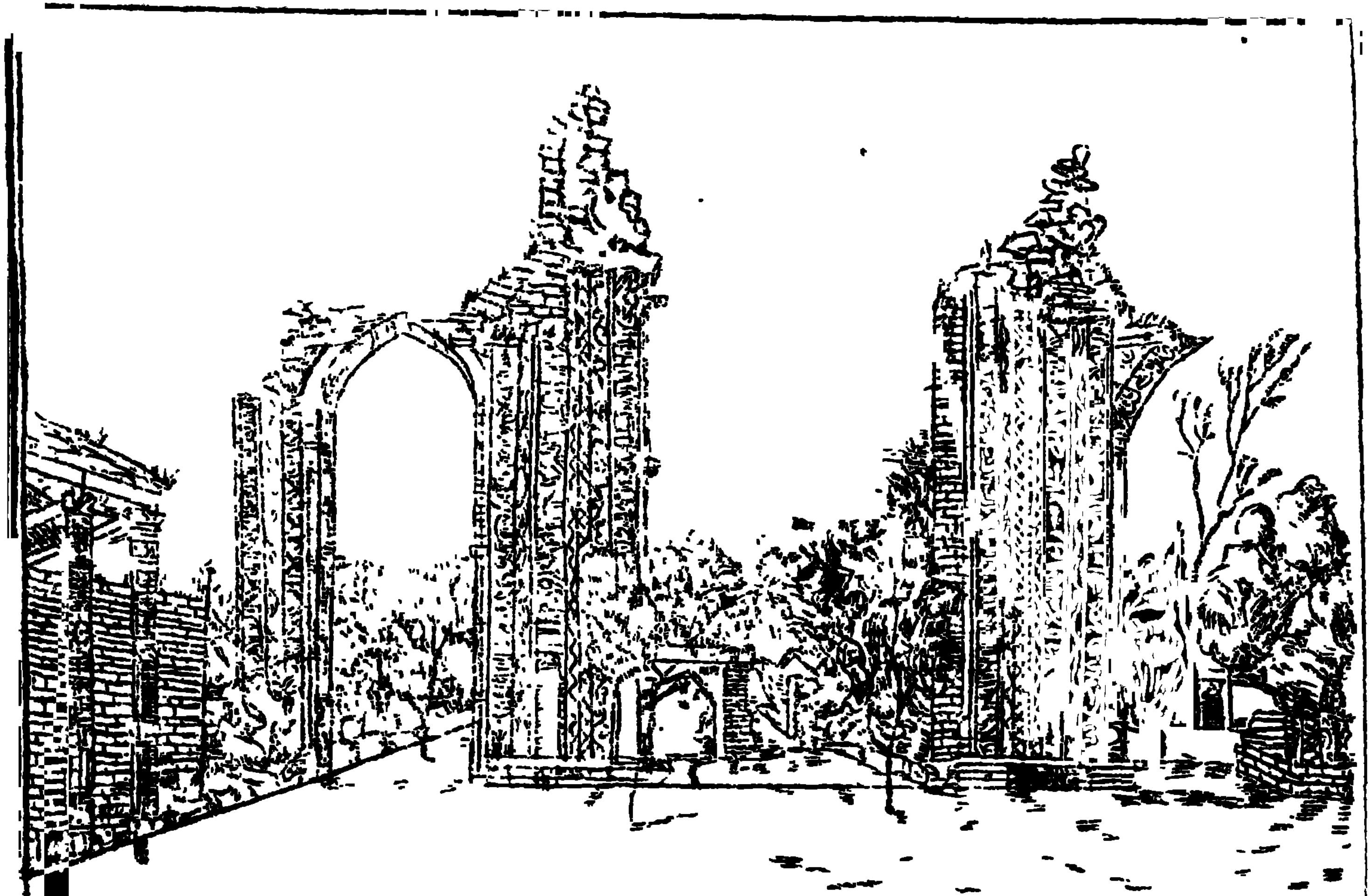
سلطان التمش کے عہد کی توسیعات سنہ ۶۲۳-۶۳۰ھ ۱۲۱۰-۱۲۳۵ء

نخواہد ایں چمن از سرو لالہ خالی ماند
یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

سلطان التمش نے قطب الدین ایبک کے بنائے ہوئے دالانوں میں ادھر اُدھر دو دالان اور بڑھا دئے اور مشرقی شمالی۔ جنوبی۔ تین طرف کے دالان بنوائے۔ مسجد کے پچھاں رخ کی دیوار دونوں طرف تقریباً ۱۱۵ فیٹ بڑھوادی۔ اس طرح ساری دیوار کی لمبان ۲۰۸ فٹ ہوگئی۔ سامنے کی بنائی ہوئی دیوار کا اب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے البتہ مسجد کے شمال مشرقی کونے کی طرف جو دیوا کھڑی ہے وہ التمش ہی کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس میں بھی بیس فیٹ کا ٹکڑا منہدم ہوگیا ہے اور باقی اور دیواریں جو اس رخ پر تھیں اُن کا پتہ صرف باقی ماندہ بنیادوں کے نشانوں سے چلتا ہے شمالی دالان جو ۲۰۸ لمبا تھا جس کا پتا اب بھی بڑی مشکل سے صرف بنیادوں کے پائے پر سے چلتا ہے جنوبی رخ کی دیوار بھی ۲۰۸ فٹ لمبی ہے جو فی الجملہ درست حالت میں ہے۔ صرف

تھوڑی سی بیچ میں سے گر گئی ہے- التمش کے بنائے ہوئے مسجد کے جنوبی مغربی
حصے کی دیوار بھی ستر فیٹ گر گئی ہے مگر یہاں بھی بھری ہوئی بنیاد صاف موجود ہے یہاں
سرے پر مسجد کی چھت کی دیوار کوئی تیس فیٹ تک جا بجا گر گئی ہے لیکن ایک ...
ستونوں کی تہری قطاریں ہیں اُسی طرح کا جیسا کہ مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس
یہ بھی ہے جو مسجد کے دروازے سے جا ملا ہے ابھی موجود ہے- اس دروازے کی
محراب گر پڑی ہے اب صرف دونوں طرف کے پاکھے سولہا فیٹ اونچے کھڑے ہیں
یہیں پانچ دُھرے ستون منہدمہ دیوار کی بنیاد کے برابر کھڑے ہیں اور یہی گویا پہلی
لین ہے- دوسری لین میں سات ستون ہیں جو پہلی لین سے چھ فیٹ کے فاصلے پر
کھڑی ہے- تیسری قطار میں بھی سات ستون ہیں یہ دوسری قطار سے ۲ فٹ ہٹ کے
سے ہے- چار ستونوں پر ایک سپاٹ چھت جس کی سلیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں
موجود ہے- دروازے کے پاس یہاں ستونوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے سو فیٹ کی ایک دیوار
کھڑی ہے جو علائی دروازے تک بڑھی چلی گئی ہے- لیکن اس دیوار میں کوئی بیس فٹ
تک کے ستون گر گئے ہیں- ستونوں کی بلندی اور ایک دوسرے کا باہمی فاصلہ اور
چھت سب اُسی وضع کے ہیں جیسے کہ اُس دالان میں ہیں جس کا بیان ہم ابھی اوپر
کر آئے ہیں- یہاں بھی ستونوں کی تہری قطار ہے جس میں سے چودہ دیوار سے لگے ہوئے
ہیں- دوسری قطار میں سولہا اور تیسری میں پندرہ- اس دیوار میں سات بڑی بڑی بلند کھڑکیاں
ہیں جن میں کی پانچ تو پوری بھی نہ ہونے پائیں اور ویسی ہی ناتمام رہ گئیں جن کے سامنے
پردے کی دیوار تک نہیں ہے باقی دو ان سے بھی بڑی ہیں جن کے سامنے سنگ سرخ
کی جالیاں علائی دروازے کی کھڑکیوں کی جالیوں کی طرح کی ہیں- اس مقام سے دس
فیٹ پر قطب صاحب کی شاندار لاٹ کھڑی ہے- عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ التمش کی توسیعات
یہیں ختم ہو گئی ہیں اس سے آگے نہیں بڑھیں بلکہ دو بڑی کھڑکیاں جو دیوار میں ہیں وہ بھی
علاء الدین خلجی کی بنوائی ہوئی معلوم دیتی ہیں- بیشک یہ کھڑکیاں علاء الدین کے وقت کی معلوم
دیتی ہیں لیکن علاء الدین کی بنائی ہوئی عمارت کا سلسلہ جب ہی چوکوں ہو سکتا ہے جب کہ
جنوبی دیوار کو علائی دروازے سے جا ملائیں اور اغلب یہ ہے کہ علاء الدین نے یہ کھڑکیاں
التمش کے دالان کو گروا کر بنائی ہیں علائی دروازے کے داہنی طرف چھوڑ کر ٹھیک





نقشۂ درجۂ اول مسجد قوۃ الاسلام

شمال کی طرف سامنے ہی التمش کے بنائے ہوئے مشرقی دالانوں کے کھنڈر مٹی کے تلے دبے پڑے ہیں۔ اس کے بعد ہم قطب الدین کی مسجد کے مشرقی دروازے پر جا نکلتے ہیں جو علائی دروازے سے دو سو فیٹ کے فاصلے پر ہے۔ یہاں سے تیس فیٹ پر التمش کے شرقی دالانوں کا کچھ باقی ماندہ حصہ ہے جس میں (۳۴) ستون ہیں جن میں سے انیس کھڑے ہیں اور پندرہ گرے پڑے ہیں۔ ان ستونوں کی چار قطاریں ہیں پہلی قطار میں نو ستون اُس سڑک پر ہیں جو مسجد اور دالانوں کے درمیان ہے۔ دوسری قطار میں گیارہ۔ تیسری میں گیارہ اور چوتھی میں صرف تین۔ ان قطاروں میں چھ چھ فیٹ کا فاصلہ ہے اور چھت کا تھوڑا سا حصہ جہاں کہیں باقی رہ گیا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جنوبی دالانوں کا ہے۔ اس دالان کے بعد التمش کی توسیعات ختم ہو جاتی ہیں۔ التمش نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے نہ صرف حوالی مسجد میں اور دالان بنوائے بلکہ اُس نے قطب کی محرابوں کی بھی توسیع کی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ التمش کی بنائی ہوئی کمانیں قطب الدین کی کمانوں سے زیادہ اونچی ہیں مگر پست سطح پر بنائی گئی ہیں اور ان کے پاکھوں میں طاقچے ہیں اور فیل پائے چوکھٹیں ہشت پہلو تراشی ہوئی ہیں اور اوپر کٹہرا ہے اور فیل پایوں ہی پر ساری نوکدار محرابوں کا وزن ہے۔ یہ فیل پائے بوجھ خوب سنبھالتے ہیں۔ ان کمانوں کے نقش و نگار پہلے زمانے کی صناعی سے بدرجہا نفیس اور بہتر ہیں۔ قطب الدین کی کمانوں کے دونوں پہلوؤں میں التمش نے بھی تین کمانیں بنائی ہیں ان دونوں زمانوں کی محرابوں کے بیچ میں آٹھ فیٹ چوڑا رستہ ہے۔ التمش کی پہلی محراب اب بھی موجود ہے جس کا کنگورا البتہ گر گیا ہے مگر کمان جوں کی توں کھڑی ہے جو ۲۶ فٹ اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہے۔ اس محراب کا شمالی پیل پایہ جو درمیانی محراب کا جنوبی پیل پایہ ہے ۱۵ فٹ چوڑا ہے۔ بیچ کی کمان جس کی محراب بڑی عالی شان ہوگی ۲۴ ½ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے صرف دو ہی پاکھے ہیں اور تیسری کمان التمش کی بنائی ہوئی گر گرا گئی اب اُس کا نشان بھی نہ رہا۔ جنوبی سمت میں جو کمانیں التمش نے بنائی تھیں وہ ساری کی ساری نیست و نابود ہوگئیں۔ قریب والی اور بیچ والی دو محرابوں کے وجود کا پتہ صرف اُن کے پیل پایوں سے چلتا ہے۔ جنوبی رخ کی آخری کمان البتہ اپنی حالت پر قائم ہے جو بھر بھرے پتھر کی پتلی سلوں کی بنی ہوئی ہے اور عن قریب گرنے والی ہے۔ یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ دو محرابیں جو زیادہ مستحکم تھیں وہ تو زمانہ

ہوا کر گئیں اور جو کم زور معلوم دیتی ہیں یہی صحیح سلامت کھڑی ہیں۔ التمش کے عہد کی عمارت کی خصوصیات کے متعلق مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ "ستون بھر بھرے پتھر کے مختلف بلندی کے ہیں جو برخلاف ستون ہائے زمانۂ قطب الدین نے ترتیب نصب کیے گئے ہیں کوئی خیال درمیانی فصل کی یکسانیت کا نہیں رکھا گیا۔ یہ ستون کسی اور پرانی عمارتوں کے معلوم دیتے ہیں مگر مندروں کے نہیں معلوم دیتے۔ محرابوں کی ساخت۔ آراستگی۔ صناعی۔ سب باتیں قطب الدین کے زمانے سے بہت بڑھی ہوئی ہیں۔

سلطان علاء الدین خلجی کی توسیعات

۶۹۵ – ۷۱۵ھ

۱۲۹۵ – ۱۳۱۵ء

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگرے پرداخت

۶۹۵ھ/۱۲۹۵ء میں سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین بانی خاندان خلجی کے قتل کے بعد دلی میں تخت نشین ہوا اس نے بھی اپنے عہد میں مسجد قوۃ الاسلام کی توسیع کی۔ حضرت امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "یہ چوتھی توسیع تھی"۔ یہ توسیع جتنے بڑے پیمانے پر تھی اتنی ہی بہتر اور عمدہ بھی تھی لیکن افسوس ہے کہ باوجودیکہ سب سے بعد بنی تھی مگر سب سے پہلے گر گئی اور اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے جس سے اس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہے جس کی تعریف میں اس زمانے کے بے نظیر شاعر امیر خسرو رطب اللسان ہیں۔ اس زمانے کے اب چھ ستون جو جنوب مشرقی دیوار کی طرف ہیں وہ بمقابلے قطب الدین اور التمش کے عمدہ نمونوں کے لوگوں کی نگاہ میں نہ بھریں گے لیکن نہایت عالی شان "علائی دروازے" کے آگے سب گرد ہیں جس سے اس بادشاہ نے دوامی شہرت حاصل کی ہے۔ علاء الدین کی صرف ایک یہی تعمیر ایسی لاجواب ہے کہ اگر وہ اور ایک اینٹ بھی مسجد میں نہ لگاتا تو بھی اس میں کسی کو محل شک نہ ہوتا کہ دلی کے بڑے بڑے بادشاہوں نے جو شہرت ابدی بہت سی سربفلک عمارتوں کی تعمیر سے حاصل کی ہے اس زمرے میں یہ سب سے دو قدم آگے تھا۔ علاء الدین کے زمانے کی کل توسیعات کو سمجھنے کے لئے بجائے اس کے کہ ہم التمش کے مشرقی دالان کی جنوب مشرقی حد سے شمال کی طرف رخ کریں ہم کو سیدھے جنوب کی طرف مشرقی دیوار سے زاویۂ قائمہ بناتے ہوئے جانا چاہیئے۔ علاء الدین کے زمانے کے ستونوں کی وضع قطع التمش کے ستونوں سے

سے مختلف ہے۔ اب ہم علائی دروازے سے شروع کرتے ہیں۔ وہ ستون جو جنوبی دروازے کے سامنے والے دالان میں تھے اب نہیں رہے اور کوئی تیس فٹ کے میدان صاف ہو گیا ہے۔ اس خلا کے مشرقی جانب سے پھر دالان کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو علائی دروازے سے ۱۲۰ فٹ تک چلا گیا ہے جو دوسرے زمانے کے توسیع شدہ دالان سے جا ملا ہے۔ اس دالان میں چار دروازے اور تین بلند کھڑکیاں ہیں۔ کھڑکیوں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس پٹے ہوئے دالان کی پہلی قطار میں بارہ۔ دوسری میں پندرہ اور تیسری میں گیارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں اور قطاروں کا باہمی فصل اور چھت سب التمش کے اس دالان کی سی ہے جو جنوب میں ہے۔ جب ہم علاء الدین کی توسیع کے جنوب مشرقی کنارے پر پہنچتے ہیں تو یہاں بیس فیٹ تک دالان کے نشان ملتے ہیں مگر اس کے آگے صرف ملبے کا ایک ٹیلہ سا نظر آتا ہے۔ مشرقی دالان کا جس قدر حصہ اب باقی ہے اس میں صرف گیارہ ستون ہیں۔ چار دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ چار دوسری قطار میں اور تین تیسری میں اور یہیں جنوب رخ کی دیوار میں جو بیس فیٹ لمبی ہے ایک دروازہ بھی ہے۔ حال کی کھدائی سے معلوم ہوا کہ علاء الدین کی توسیعات التمش کی شمال رخ کی توسیع سے بہت آگے تک تھیں اور اسی میں وہ اوسط کی لاٹ بھی شامل ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ علاء الدین نے مجملاً [illegible] زمین کے قطعہ میں دالان بنوائے تھے۔ قطب الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل مستطیل تھی جس کے شمالی اور جنوبی ضلعے لمبے تھے۔ التمش کی توسیع نے بھی اس کی مستطیل شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی مگر لمبوترے ضلعے شمالی اور جنوبی سے مشرق اور مغرب کی طرف ہو گئے اور یہی نقشہ علاء الدین کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ امیر خسرو نے جو مسجد کی اُن توسیعات کا ذکر کیا ہے جو علاء الدین کے زمانے میں ہوئیں اُس پر سے اب پتہ چلنا مشکل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے مسجد میں ایک ربع حصہ بڑھایا۔ یہ حصہ تین قدیم دروازوں اور صحن مسجد کے باہر تھا جس میں اونچے اونچے ستون تھے اور پتھروں پر آیات کلام مجید اس نفاست اور عمدگی سے کندہ کرائی گئی تھیں کہ موم پر بھی ہونا ناممکن تھا۔ محرابوں کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ قرآن شریف آسمان کی طرف صعود کر رہا ہے اور پھر اتر بھی رہا ہے۔ دوسرے مقامات پر جہاں نیچے کندہ تھا اُس سے ایسا معلوم دیتا تھا کہ کلام منزل نیچے اتر آیا

غرض ہر سے پانک سارا کام بحسن الوجوہ مکمل تھا"۔ زمانے کے امتداد نے کے ۔۔۔
کا یہ کرشمہ ہے کہ ان ستونوں کا نشان تک بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں ہے! مسٹر ٹامسن کی رائے
ہے کہ امیر خسرو نے جن کمانوں کا ذکر کیا ہے وہ موجودہ کمانیں ہی ہیں لیکن جنرل کننگھم موجودہ
کو قطب الدین اور التمش کی بتلاتے ہیں۔ ان پر کے کتبات طغرائی ہیں عجب صنعت رکھی گئی
ہے خط بلحاظ بلندی کے گھٹتا بڑھتا ہے یعنی جوں جوں کتبہ اونچا ہوتا جاتا ہے حروف بھی بطرز جلی ہوتے جاتے ہیں
جس سے دیکھنے والے کو یکساں نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نیچے کے حروف تو اچھی طرح
نظر آتے اور اوپر کے بوجہ بُعد مسافت کے موہوم ہو جاتے۔ یہ ریمارک علائی دروازے
اور تبدیل محرابوں کے کتبات کی نسبت ہے۔ سٹیفن صاحب کے نزدیک علاء الدین کی
بنائی ہوئی آٹھ محرابیں التمش کے شمالی دالان کے شمال میں تھیں۔ بگلر صاحب کی کھدائی میں
اسی طرف بڑے بڑے آثار کی دیواروں کے نشانات ملتے ہیں جو التمش کے وقت کی مغربی
دیوار کے سلسلے کی توسیع ہے۔ اب یہاں گھنا جنگل ہے جس میں دیواریں چھپ گئی ہیں پھر بھی
دس دس فیٹ زمین سے اوپر کھڑی ہیں۔ امیر خسرو جن چھ محرابوں کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی اسی
مقام پر تھیں چنانچہ اب بھی اُنکی بنیادوں اور پاکھوں کے نشان موجود ہیں بلکہ ان نشانات سے
ہم کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ محرابیں رہی ہوں تو عجب نہیں۔ اگر ہم علاء الدین کی ادھبنی لاٹ سے ایک
خط مستقیم کھینچیں تو وہ خط علاء الدین کی جنوبی بنی محرابوں کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر دے گا

علائی دروازہ
سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء)

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

یہ بڑا بھاری عالی شان گنبددار دروازہ سلطان علاء الدین خلجی کا
بنوایا ہوا ہے اور اسی کے نام پر سے علائی دروازہ مشہور ہے۔ جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں
کہ "افاغنہ کی جتنی عمارتیں دیکھنے میں آئیں اُن سب سے یہ بہتر ہے"۔ فرگسن صاحب کا قول
ہے کہ "اس عمارت سے پٹھانوں کے زمانے کی تعمیر کا وہ اعلیٰ طرز ظاہر ہوتا ہے جبکہ فن تعمیر
معراج کمال پر پہنچ چکا تھا اور ہندو معماروں نے نہایت خوش نما اور نادر اسلامی طرز کا
کافی ملکہ حاصل کر لیا تھا"۔ یہ دروازہ جو بجائے خود ایک مستقل عمارت ہے علاء الدین کے بنوائے
جنوبی دالان میں ہے جو التمش کے دالانوں کی لین سے ذرا آگے ہے۔ یہ دروازہ غالباً مسجد کا دہ

[illegible] کے عہد میں تھا۔ اس کے بنا کی تاریخ دروازے کی مشرقی مغربی اور شمالی محرابوں پر ۱۰ شوال ۷۱۰ھ کندہ ہے۔ یہ عمارت چوکون شکل کی ہے جو اندر سے ۳۴½ فیٹ اور باہر کے رخ سے ۵۶½ فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا اتار گیارہ فیٹ ہے۔ دروازے کی بلندی ۶۰ فیٹ ہے۔ دروازے کی عمارت نیچے سے چوکور ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہل ہو گئی ہے اور اسی پر گنبد ٹھایا گیا ہے۔ اس دروازے کی نسبت فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں تک ہندوستان کی عمارتیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں یہ عمارت بڑی سڈول اور عمدہ ہے۔ چاروں طرف کے کونوں میں کئی محراب دار خوب صورت اور خوش قطع طاق نکالے گئے ہیں۔ گنبد کے چاروں طرف کھلے اور بلند محراب دار در بطور دروازے کے ہیں۔ جنوبی اور شمالی رخ کے دروازوں کے مقابلے میں مشرقی اور مغربی دروازے ذرا پست ہیں۔ جنوب کی طرف دس فیٹ اونچا ایک چبوترا ہے جس سے سات سیڑھیاں اُتر کر دروازہ ملتا ہے۔ چاروں طرف کے دروازے بے نظیر بیل بوٹوں، نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ محراب نعل نما نوک دار ہے یعنی پھیلواں نہیں ہے۔ پاکھوں کی مرغولیں چھ انچ مجوف ہیں جن کو اس طرح تراشا ہے کہ جیسے کپڑا لپیٹا جاتا ہے اور پتلے پتلے خوش نما بل دار ستونوں پر محراب اُتاری ہے۔ محراب کے کنار اور اندرونی حصہ چھ انچ مجوف ہے اور جا بجا قائم الزوایا پٹکے پڑے ہوئے ہیں اور ان سب پر نسبت کتبے عربی خط طغرا میں ہیں جن کے الفاظ پتھر میں تراشے گئے ہیں۔ بعض جگہ کتبوں کے حروف امتداد زمانے سے ٹوٹ بھی گئے ہیں۔ اس عمارت کا تمام رکاؤ سر سے پا تک نقش و نگار سے دلہن بنا ہوا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اُس کا نقشہ کھینچ سکے۔ الفاظ میں وہ قدرت نہیں جو اس کی خوبی کا ایک شمہ بھی ادا کر سکے۔ غرض یہ کہ چپہ بھر جگہ بھی کاریگر نے ایسی نہیں چھوڑی جو صنعت بے نظیر سے آراستہ نہ ہو۔ ہر دروازے کی دونوں جانب دو دو کھڑکیاں ہیں جو دروازے کے مقابلے میں ایک تہائی ہیں وہ بھی وضع قطع اور صناعی میں عین دروازے ہی کی سی ہیں۔ ان میں نہایت عمدہ سنگ مرمر کی جالیاں نہایت باریک اور نازک کام کی لگی ہوئی ہیں۔ ورلی کھڑکیوں کی نسبت پرلی کھڑکیوں کی جالیوں کا کام اور بھی باریک اور نازک ہے۔ اِن کھڑکیوں کے اوپر ایک ایک طاق اور بنایا گیا ہے جو دور سے کھڑکیوں کی طرح کا نظر آتے ہیں جو چار چار

لوگ کہا ہیں - ان میں کی دو دو عمودی محرابیں سنگِ مرمر کے مستطیل بنگلے رنگے ہوئے اور ان پر چھوٹے چھوٹے نمایشی طاق اوپر دار بنے ہوئے ہیں اُن پر کلام مجید کی آیات اور احادیث شریف نہایت خوش خط اور عمدہ کندہ ہیں - محرابوں کی پیشانی پر حسبِ دستور ہی انواع و اقسام کے بیل بوٹے سنگ سرخ میں منبت ہیں - جنوب رخ کے دروازے کی معمولی مرمت میجر اسمتھ نے کرائی تھی لیکن نقش و نگار کو چھوا تک نہیں اور نہ اُن کی تجدید کی کوشش کی - جب باہر والی آرائشگی کا یہ حال ہے تو اندر کا کیا پوچھنا اندر اور بھی صناعی اور نقش و نگار ہیں - چار خانے دار طرح طرح کے طغرے جو دور سے عین مین پھولوں کا گلدستہ معلوم دیتے ہیں نہایت بے نظیر اور قابل دید ہیں - فرگسن صاحب خود لکھتے ہیں کہ "عمدگی کے اعتبار سے لاجواب ہیں - دروازے پر کا گنبد بالکل سادہ اور صاف ہے البتہ اس عمارت کی عمدگی کے مقابلے میں کم تر درجے کا ہے لیکن اندر کا کام باوجود اس سادگی کے بھی نہایت دل کش اور دل آویز ہے" - باہر سے دیکھو تو گنبد چھوٹا اور پست نظر آتا ہے - دروازے کی دیوار وں پر کنگورا ہے جنوب کے طرف کا کنگورا میجر اسمتھ صاحب نے جب مرمت کی تو اُتروا دیا - ۱۸۲۶ء میں میجر برٹ (Burt) نے اس دروازے کو دیکھ کر اس کی خستہ حالی پر توجہ دلائی تھی کہ اگر مرمت جلد نہ ہوگی تو گر جائے گا - اس کے دو سال بعد زیر اہتمام میجر اسمتھ اس کی داغ دوزی اور مرمت گورنمنٹ نے کرا دی اور گنبد میں کئی بڑے بڑے کتبے ہیں جن کی ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

مغربی محراب کا کتبہ چوں ایزد تعالیٰ اعلیٰ اعلاءٗ و سمی اسماءٗ برآ احیائے مراسم ملت و اعلاء معالم شریعت این خان جہان را برگزیدہ تا مرحلۂ اساس دین محمدی استحکام می پزیرد و هم بنائے شریعت محمدی میگردد از برائے دوام مملکت و نظام سلطنت عمارت مسجد طاعات بحکم کلام من لا ریب سواہ کہ انما یعمر مساجد الله من آمن بالله (و الیوم الآخر) ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین خلد الله ملکه الی یوم القیام مرقوم بنام جمعہ الاسلام مدی الزمان فی اشاعۃ الاحسان فی التاریخ فی خامس عشر من شوال

بسنہ عشر وسبعمائۃ حضرت علیا خدایگان سلاطین مصطفیٰ جاہ
معتصم الامین اللہ المخصوص بعنایت اکرم الاکرمین علاء الدنیا والدین غوث
المسلمین معز الملوک والسلاطین القائم بتائید الرحمٰن ابو المظفر
محمد شاہ سکندر ثانی یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ بناء
مبین خیرات سنت وجماعت است عمارت فرمود - این مسجد کہ چون بیت المعمور
در افواہ جہانیان مذکور است بخلوص عقیدت قضا طویت مجلس اعلیٰ خدایگان
سلاطین زمان علاء الدنیا والدین سلطان البر (والبحر) .... المؤید بتائید
الرحمٰن ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین
خلد اللہ ملکہ الی یوم الدین

جنوبی محراب کا کتبہ

بتوفیق بیچمنا ومعاونت بیشی نثر امثال لمسجد اسس علی التقویٰ تعالیٰ امرہ وشانہ وتعالی
عدلہ واحسانہ بر مقتضی خیر ماموراً مر فول وجہک شطر المسجد الحرام
محمد الرسول اللہ علیہ السلام کما قال من بنی مسجداً للہ بنی لہ بیتاً
فی الجنۃ مجلس اعلیٰ خدایگان سلاطین زمان شہنشاہ موسیٰ فر سلیمان
مکان راعی شرائط شریعت محمدی حامل مراسم ملت احمدی موکد معابر
معالم ومساجد وموطد قواعد مدارس ومعابد وممہد بنیان رسوم
مسلمانی وموسس مبانی مذہب نعمانی قالع اصول مردہ فجار وقاطع فروع
قبیلہ کفار وہادم بناء صوامع اصنام راضم اساس مجامع اسلام مظہر آیات
(اللہ) قاہر کفرہ رؤف متین قامع فجرہ روئے زمین فاتح قلاع ساحم امکان
ضابط بقاع راسخ بنیان المعتصم بجلال اللہ المنان ابو المظفر محمد شاہ السلطان
یمین الخلافہ مبین دین اللہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال جلالہ علی رؤس
العالمین الی یوم الدین بنا فرمود این مسجد کہ مسجد جامع اولیاء وعلماء وقت
اتقیا ومجمع ملائک کرام ومحضر ارواح انبیاء عظام است بتاریخ فی الخامس عشر
من شوال بسنہ عشر وسبعمائۃ - در عہد ہمایون حضرت علیا خدایگان

مسجد جامع سطع۔ بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان سکندر العہد والزمان علاء الدنیا والدین خسرو خسروان آفاق قمر رفیق ……… ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ مظہر العدل والرافۃ ناصر امیر المومنین

قطب صاحب کی لاٹ
سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۲۲۰ء تک

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

ہندو مسلمانوں میں ایک زمانے سے اس منار کی تعمیر کا مسئلہ مابہ البحث ہی۔ ایک فریق اس عالی شان منار کو اپنی بنائی کہتا ہی تو دوسرا اپنی لیکن جنرل کننگھم صاحب نے ۔ ٹل اور مسکت بیان سے (جو آگے آئے گا) اس کا قول فیصل مسلمانوں کے حق میں کیا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو نے (۶۷) برس ہوئے آثار قدیمہ کی سوسائٹی میں ایک لکچر دیا تھا جس میں انھوں نے واقعات تاریخی سے ثابت کیا تھا کہ یہ منار مسلمانوں ہی کا بنایا ہوا ہی اور اپنے لکچر کے خاتمے پر یہ بھی کہا کہ "اس سے زیادہ قوی اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ اُن لوگوں کے مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے کام کی خود تصدیق کریں"۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "یہ لاٹ حقیقت میں مسجد قوۃ الاسلام کا منار ہی اس کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوش نمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہی کہ بہت دور دور کے پھرنے والے بجز ایک آدھ جگہ کے ایسی بلند کوئی عمارت روے

ف۱ اگر قطب مینار کی نسبت ہم یہ کہیں کہ اس جیسی خوب صورت سڈول اور شان دار عمارت صفحۂ دنیا پر موجود نہیں ہی تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا قطب مینار کے جوڑ کی ایک منار [illegible] کے مشہور شہر فلورنس میں گیاٹو (Giotto) کی بنائی ہوئی ہی [illegible] قطب مینا سے [illegible] فیٹ زیادہ اونچی بھی ہی [illegible] ہمیں [illegible] اس کی خوب صورتی اور شان [illegible] گیا ہی اور گو یہ مینار بھی بہت خوب صورت ہی مگر [illegible] [illegible] مسلمانوں کی صرف ایک ہی عمارت قاہرہ کی مسجد حسن [illegible] اونچی ہی لیکن قطب مینار [illegible] مستقل عمارت ہی [illegible] [illegible] قطب [illegible] صاحب [illegible] سے [illegible]

[illegible] اس سے زیادہ اور معتبر شہادت کیا ہو سکتی ہے۔

منبل جامع سواطع .. بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان سکندر [illegible] الزمان

علاء الدنیا والدین خسرو خسروان آفاق قمر رفیق ...... ابو المظفر

محمد شاہ السلطان [illegible] امیر

[illegible]

زمین پر نہیں نشان دیتے ۔ نقل مشہور ہی کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی دیکھنے والے کو ہاتھ اٹھا کر ہی دیکھنا پڑتا ہی ۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہی کہ آدمی یہ خیال کرتا ہی کہ اس کے اوپر پہنچ کر بیشک آسمان کو پکڑ لونگا اور اس نردبانِ آسمانی کے ذریعے سے بلاشبہ آسمان پر چڑھ جاؤنگا ۔ سا ہا لوگوں کو اتفاق ہوا ہی کہ ساون بھادوں کے مہینے میں کہ عین موسم پھول والوں کی سیر کا ہوتا ہی اس لاٹ پر چڑھے ہوئے ہیں جب سے نیچے اُترے تو دیکھا کہ خوب مینہ برس گیا ہی جب جانا کہ ابر اس لاٹ سے نیچا تھا ۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے کے سبب بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہی اور اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں ایسا شبہ پڑتا ہی کہ فرشتے آسمان پر سے اُترتے ہیں لاٹ کی چوٹی پر چڑھ کر عجیب و غریب منظر پیش نظر ہوتا ہی ۔ مینار کی جڑ کے پاس مسجد قوۃ الاسلام اور اُس کے متعلقہ دالان اور عمارتیں ہیں تھوڑی دور بڑھ کر لال کوٹ کی چار دیواری ہی اور بجانب غرب سب سے اونچی رائے پتھورا کے قلعے کی عمارت نظر آتی ہی ۔ جس کے سرے پر پرانی عیدگاہ کی بڑی بھاری کالی کالی دیوار کھڑی ہی ۔ قلعہ رائے پتھورا کے شمال جانب میدان کے اُدھر جہاں پناہ کی گری ہوئی فصیل کے ٹیلے ہیں جن کا سلسلہ سیری کی منہدمہ فصیل تک چلا گیا ہی اگرچہ مینار پر سے یہ آخری حصہ نظر نہیں آتا مگر بیگم پور کی مسجد کی بڑی کالی کالی گراں ڈیل عمارت سے ہم کو اس کا پتہ چلتا ہی ۔ جہاں پناہ سے آگے شمال مغرب کی طرف فیروز شاہ کے مقبرے کا گنبد حوض خاص کے پاس ہی دکھلائی دیتا ہی اُس سے آگے نواب صفدر جنگ کے مقبرے کا مخروطی قبہ چمکتا ہی ۔ اور اسی لین میں جامع مسجد کے برج جگمگا رہے ہیں ۔ صفدر جنگ کے مقبرے کے مشرق میں پرانے قلعے کی لمبی فصیل ہی وہیں پاس حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ کا گنبد ہی اُس سے ذرا نیچے ہمایوں کے مقبرے کا عالی شان گنبد ہی ۔ اس کے جنوب میں کالکا جی کا مندر ایک بلند مقام پر بنا ہوا ہی ۔ یہیں سے نیچے دار کو قطب مینار سے ٹھیک پچھاں کے رخ پر تغلق آباد اور عادل آباد کے قلعے ہیں جن کے بیچ میں تغلق شاہ کا مقبرہ دکھلائی دیتا ہی ۔ تغلق آباد کی سڑک کے قریب شمال کی طرف ایک بڑی بھاری ابترائی ہی جو حوض رانی اور کھڑکی کا میدان ہی ۔ اس سڑک کے جنوب میں اور مینار کے پاس ہی جمالی مسجد اور سلطان بلبن کے عالی شان مقبرے کے کھنڈر ہیں ۔ جس کے پاس حضرت قطب صاحب

بی ہوگا اس کے جنوب میں موضع مہرولی کی بستی درختوں کے جھنڈ میں نظر آتی ہے۔ باوصف اس بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ میں بالکل سنگ سرخ لگا ہوا ہے اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا ہے اور ہر درجے پر آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں اور جا بجا منبت کاری بنی ہوئی ہے۔ اس لاٹ کے بیچ میں مودا اور کمر کی ایسی خوب صورت بنی ہیں کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش نے جو سنہ ۶۰۷ھ میں بادشاہ ہوا اپنے عہد سلطنت میں بنایا تھا۔ کتب تواریخ سے سنہ ۶۲۶ھ کے بعد اس کا تمام ہونا پایا جاتا ہے۔ تقویم البلدان اور فتوحات فیروزشاہی میں اس کو مسجد کا مأذنہ اور سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہے۔ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کی وہ لاٹ جو بنتے بنتے رہ گئی اس کا دروازہ بھی شرق رویہ ہے اور مسلمانوں کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسی عمارتوں کو اکثر کرسی دے کر بناتے ہیں جیسے کہ ادھر ہی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدون کرسی کے بناتے ہیں جیسی کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے کتبوں کے پتھر صاف طور پر پیچھے سے لگائے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جس طرح کہ رای پتھورا کے اصل بت خانے میں پتھروں پر لٹکتی ہوئی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اسی طرح اس کے پہلے کھنڈ کے پتھروں پر بھی اسی وضع کی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامہ کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معزالدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر بھی ہے جس سے اغلب خیال یہ ہوتا ہے کہ اس لاٹ کا پہلا کھنڈ ہندوؤں کے وقت کا ہے اور رای پتھورا کے مندر کا ایک جزو ہے اور کچھ عجب نہیں جس طرح مسلمانوں نے مندر کو ڈھا دیا اس منار کے اس حصے کو جو اس وقت موجود ہو یعنی کم سے کم پہلا کھنڈ اس کے تمام پتھر جن میں بت تراشے ہوئے ہوں نکال کر اپنی طرف سے کتبے کے پتھر جن پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور بادشاہ کی تعریف ہے جما دیئے ہوں۔ جو بات مدت سے مشہور چلی آتی ہے اور جسے آوازۂ خلق نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ لاٹ رای پتھورا نے بت خانے کے ساتھ سمبت ۱۲۰۰ / ۱۱۴۳ بکرماجیت میں بنائی تھی۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کے

جیسے کھنڈ نہ ہوں بہر حال ایک بلند منار ضرور تھا کیونکہ راجہ کی بیٹی سورج مکھی مذہب کی تھی اور ہندو دریائے جمنا کو سورج کی بیٹی سمجھتے ہیں اس واسطے اس عقیدے والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں اس واسطے راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے تاکہ وہ جمنا کا درشن کیا کرے بنایا تھا۔ ۱۱۹۱ء میں اس بت خانے کو مسلمانوں نے فتح کیا اور اُس کے بعد سے جو کچھ تصرفات مسلمانوں نے کیے اُس کا تفصیلی بیان ذیل میں ہے۔ یہ منار ایک گاؤ دم شکل کا بہت بڑا اور بہت اونچا ستون ہے جس کی بلندی ۲۴۲ فٹ - ۱ انچ ہے جس کا دور پانے میں ۴۷ فٹ - ۳ - انچ ہے اور چوٹی پر نو فیٹ۔ منار کی اس وقت پانچ منزلیں ہیں جن کو کھنڈ کہتے ہیں۔ اور ہر کھنڈ کے گرد ایک مختصر سی غلام گردش بطور برآمدے کے ہے جس پر انواع و اقسام کے نقش و نگار کے بند لگے ہوئے ہیں۔ منار کا پایہ ایک کثیر الزوایا شکل کا ہے جس میں چوبیس ضلعے ہیں اور ہر ضلع ۶ فٹ - ۶½ انچ کا ہے۔ منار دو فیٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ نیچے سے فیروز شاہ تغلق کی برجی تک منار کی اونچان ۲۳۸ فٹ ۱ - انچ ہے۔ سب سے پہلا کھنڈ ۹۴ فیٹ - ۱۱ - انچ اونچا ہے جو سنگ سرخ کا چوبیس ضلعوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر کے کتبے کو جو پہلے ہی سے غیر موزوں تھا رہا سہا اُس کو ما بعد کی مرمت نے اور بھی غارت کر دیا۔ کچھ تو امتداد زمانے سے پہلی سطر کے حرف جھڑ گئے اور مرمت اس خوش سلیقگی سے ہوئی کہ جس کا سر نہ پیر حروف کو ایسا نے ترکیب جوڑا کہ مطلب فوت ہو گیا۔ اب صحیح عبارت جو پڑھی جا سکتی ہے وہ صرف اتنی ہے "الامیر الامراء الاسفہسالار الجلیل الکبیر" اور چیدہ چیدہ لفظ جو پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:-

پہلی سطر

لقد - الله - الله الا - سلام والا - لله - لا عظیما الا -
المر تلک آیات الکتاب وهو العزیز - الا الله - الرحیم - الناس
الا - علی الله رزقها - والمومنین - وصاعقة -

دوسری سطر

السلام والقادر الباهر ولله عظیما الله[1] رقاب الامم
السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم

[1] اس کتبے کے اکثر حصوں کی ترکیب اول بگڑی ہے حروف بھی جھڑ گئے تھے جس وقت مرمت ہوئی ایسے لوگوں نے جو جاہل تھے جیسا ان کا دل چاہا جوڑ دیا
آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں بعض جگہ عبارت سے جوڑ ملا دیا ہے ورنہ کتبہ کا تو سر نہ پیر ہے ہم نے کتبے کی صورت نہیں بگاڑی ہے اور نیچے اُس کے مصنف آثار الصنادید نے جو پڑھا ہے وہ لکھ دیا ہے بمصداق نقل را چہ عقل۔ ۱۲

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم المعز الدنیا والدین

موالی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم معز الدنیا والدین

غیا الله بالهر تان لیین لهما اللوالاین لاطد باسا ط لعرو الاحسانک

غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل والاحسان

لا ضل ن لا ا لا ظل الله فی الخافقین الراعی لعباد الله الحامی لبلاد الله

فی الثقلین ظل الله فی الخافقین الراعی لعباد الله الحامی لبلاد الله

الصادعا لما لا یمال القایم بحم الرسم الو الا لنه للمر الد القابن السمال

المو ئید من السماء ....

المنصور لا اعا الد فا لمو دا حما للیه الهره جلال الامة الباهرة لمک الدنیا

بالمنصور علی الاعداء علی الاعداء و بلد القاهرة جلال الامة الباهرة قلب الملة

الا فر ه الله اة قر العرن سلطان البر والبحر حیا الدنیا ومظهر

الطاهر .... سلطان البر والبحر مالک الدنیا ومظهر

کلمة الله هی العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر محمد بن سام ادام الله لا ا لا

کلمة الله العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر ناصر امیر المومنین

وسملکته سلطانه تعالی الہا لا هی سام الغیب والشهادة

خلد الله ملکه وسلطانه و تعالی امره وشانه

هی الرحمن الرحیم وا فل العالیه ا -

گو الفاظ برابر پڑھے جائیں اور پڑھے کیسے جائیں جب کہ جہال کے ہاتھ سے اس کی یہ گت بنی ہو مگر اتنا غنیمت ہے کہ مطلب اب بھی فوت نہ ہوا - سطر دوم میں مظفر معز الدین بن سام بادشاہ کی تعریف ہے جو عام طور پر سلطان محمد غوری کے نام سے مشہور ہے۔

تیسری سطر اس کا بھی وہی حال ہے جو دوسری سطر کا ہے یہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہے مگر چونکہ قرآن شریف کی آیت ہے اس واسطے سمجھ میں آگئی - پھر اس میں یہ اور زیادہ اشکال ہے کہ قرآن شریف کے ایسے منفرد الفاظ بھا ہے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے جوڑ نہیں ملتا - ہمارا ہی نے کدھر کا ٹکڑا کدھر لگا دیا -

بسم الله الرحمن الرحيم لا اله الا الله الملك

فتحا الله بسم الله ولا جاهل ... من تلك وحاملحه لا فلله نعمته ...

لعامرہرامحا خسفنها ومرس لب صل ارا مراهوال لا ما

من الذی انزل

لسا لسكينة فى ل ان .... ليزدادوا افلما مع ايمانهم لله جنو

السكينة فى قلوب المومنين ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم ولله جنود

السموات والارض وكان الله عليماً حكيماً ل لمحل ال هس والمومن

السموات والارض وكان الله عليماً حكيماً ليدخل المومنين والمومنات

جنات تجرى من تحتها الا زمار خالدين فيها ويكفر عنهم سيا تهم

جنت تجري من تحتها الانهار خالدين فيها ويكفر عنهم سيا تهم

صل على ماب لمرع لك الله لوزا عظيما وا فترب لم ب

...... وكان ذلك عند الله فوزاً عظيماً واقترب

حسد لدو المر امنا فد۔

مناقب

چوتھی سطر | اس میں معز الدین ابو المظفر محمد بن سام بادشاہ کی تعریف ہے:۔

.... السلطان المعظم شهنشاه الاعظم مالک رقاب

الامم مولى ملوك العرب والعجم سلطان السلاطين والعالم غياث الدنيا

والدين المعز الاسلام والمسلمين محى العدل فى العالمين علاالدولہ

علاوالدولة

القاهرة اصلللہ لل لل لما الامرا الراهرہ شہاب الخلافة باسط

فلک الملة الظاهرة جلال الملة الباهرہ

الاحسان والرا فلدہل والثقلين ظل الله فى الخافقين الحامى لبلاد الله

والرافة

لہ خدا جانے یہ لفظ یہاں کیسے آ گیا قرآن شریف کی آیۃ یہ ہے فخسفنا به وبداره الارض

ٹہ خدا جانے صل علی۔ یہاں کہاں سے آ گیا ۔١٢

الراعی لعباد اللہ محرر ممالک الدنیا ومظہر کلمات اللہ ھے العلیا

ابو العا الحصد ذل کل لیا مرکا سر حر مسمر احمر الموحسو لمسلمین

ابو المظفر محمد بن سہ در قسیم امیر المومنین والمسلمین

للہ برھانہ

خلد اللہ ملکہ

پانچویں سطر نو دو نہ نام باری تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب و الشھادۃ

ھو الرحمن الرحیم ھو اللہ الذ و لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام

القدوس الذی

الموحق المھیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصور الغفار

المومن الجبار

القھار الوھاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسطر الخافض

الباسط

الرافع المعز المذل السمیع لصر الحمد العدل اللطیف الخابر

الخبیر البصیر الحکیم

العظیم الحلیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المقسر الحسسر

المقیت الحسیب

الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباحد

الباعث

الشھید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المسلمو

المبدی

لمعلم المحصی الممیت سرالحصو الواجد الماجد الواحد الطھد

المعید الحی القیوم الصمد

القادر المعتدر المقدام لمجیر الاول الآخر الظاهر الباتنا	
المقتدر المؤخر الباطن	
الله لا تعالی الر البوار المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذی الجلال	
الوالی المتعالی البر التواب	
والاکرام المقسط الجالمع معنی لمعو ۔ آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے اور دس نام	
الجامع الغنی المغنی	

باقی رہ گئے ہیں۔

چھٹی سطر قرآن شریف کا رکوع

بسم الله الرحمن الرحیم۔ یا ایها الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة والکفرون هم الظلمون الله لا اله الا هو الحی القیوم ۔ آیة الکرسی تا هم فیها خالدون ۔ الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ان اتاه الله الملک ۔

پہلے کھنڈ کے دروازے پر کا کتبہ

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من بنا مسجدا لله تعالی بنی الله له فی الجنة بیتا مثله ۔ عمارت منارہ مبارک حضرت سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین مرحوم ومغفور طاب ثراہ وجعل الجنة مثواہ شکست شدہ بود منارۂ مذکور در عہد دولت سلطان الاعظم والمعظم والمکرم سکندر شاہ بن بهلول شاہ سلطان خلد الله ملکه وسلطانه واعلی امرہ وشانه عمل خانزاد فتح خان بن مسند عالی خواص خان جونا ناکبنا ری و در زبندی مرتبها بالا مرمت کردہ مرتب کنانید الغرۃ من ماہ ربیع الآخر سنه تسع وتسعمائة ۔ العبد میر حسن (سنہ ۹۰۹ھ = ۱۵۰۳ء)

دروازے کے پاس کا ایک اور کتبہ

متولی این منارہ فضل ابن ابوالمعالی بودہ است

اس حصے کا ذکر خاص طور پر آگے چل کر آئے گا کہ منار کے اس حصے کی تاریخ معرض
بحث میں آئی ہے۔
۱۵۰۳ء میں سکندر شاہ لودی نے پہلے کھنڈ کی مرمت کرائی تھی پھر تین سو برس تک
کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں جس کا آغاز ۱۸۰۳ء سے
ہی اس دروازے کی مرمت دو مرتبہ ہوئی ہے پہلی مرتبہ ۱۸۲۹ء میں میجر اسمتھ کے ذریعے
سے اور پھر ۱۸۷۳ء میں زیر نگرانی مسٹر جے۔ ایچ۔ بی آئی (...) ایگزیکیوٹو
انجینئر کے دروازے کی تجدید اور داخلی دروازے کی مرمت کرائی گئی۔ وجہ ثانی میں
نیچے کی زمین کو اونچا کر کے چبوترا درست کیا گیا۔ جنرل کننگھم کی شکایت واجبی ہے کہ
میجر سمتھ کو چاہیے تھا کہ طرز قدیم کا تتبع کرتے جیسا کہ انھوں نے اس مینار کی مرمت
کے متعلق اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ مرمت اس نہج پر کی جائے کہ جہاں تک بنا
ہو پرانی طرز سے میل کھا جائے لیکن دروازے میں تو انھوں نے ... ایک نئے طرز
کا چھجہ اور کنگنی نکال کر اور کتبے کے پتھروں کو الٹ پلٹ کر ... نئی ہی شان
نکال دی۔ پہلے تو کھنڈ کے گرد بڑے بڑے سنگین توڑے ... تھے جس میں
نہایت نفیس اعلیٰ درجے کا شہد کے چھتے کی وضع کا ایسا باریک کام تھا کہ دلی کی
کسی عمارت میں اس کی نظیر نہ تھی۔ جنرل صاحب ... اس قسم
کا کام کہتے ہیں اکثر مندروں کے قبوں میں دیکھا گیا ہے (آرکیالوجیکل رپورٹ جلد
اول صفحہ ۱۹۰) — مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ اس قسم کا کام جو منار کی نشستوں میں کیا گیا
ہے بالکل غرناطہ اور الحمرا (...) کے مشابہ ہے۔ (جرنل آف دی
ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۳۵ حصہ اول صفحہ ۲۰۲)۔ اس گیلری کے اطراف
کا کٹہرا ۳ ½ فٹ اونچا ہے اور اسی طرح باقی چار کھنڈوں پر بھی کٹہرے ہیں۔ یہ کٹہرے
میجر سمتھ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ قدیم عمارت میں کٹہرے نہ تھے بلکہ نہایت نفیس
برآمدے تھے اُن کو نکال کر یہ کاٹھ کباڑ جو کٹہرے ایسے جیسے عموماً باغوں کی
بارہ دریوں میں ہوتے ہیں لگا کر عیب لگا دیا جو صاف چغلی کھاتے ہیں اور ایسے
بھاری بھاری عمدہ توڑوں پر کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔

دوسرا کھنڈ ۵۰ فٹ ۸ ½ انچ اونچا ہے۔ اس میں کمر کی پٹیاں ہیں اور دو شگوفے

میں سلطان التمش کی تعریف کندہ ہے۔

پہلی سطر السلطان الاعظم شہنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مفخر ملوک العرب والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل فی العلمین علاء الدولۃ القاہرۃ جلال الملۃ الباہرۃ المؤید من السماء المظفر علی الاعداء شہاب سماء الخلافۃ ناشر العدل والرافۃ محرک ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا ابو المظفر ایلتمش السلطانی ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ

دوسری سطر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی للصلوۃ من (ۃ من) یو (م) الجمعۃ تا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔

کتبہ بالائے دروازہ درجۂ دوم امر باتمام ھذہ العمارۃ المؤید من السماء شمس الحق والدین ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین۔

پہلے کھنڈ کی طرح دوسرے کھنڈ کے اطراف بھی گیلری ہے جس پر سیر سمعہ کا بنایا ہوا ۲½ فٹ اونچا کٹہرا ہے۔ اس کے توڑے پہلے کھنڈ کی طرح زیادہ بھاری اور مضبوط نہیں مگر ان پر بھی نقش و نگار کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آراستگی میں یہ بھی کسی طرح اُن سے کم نہیں۔

تیسرا کھنڈ ۶۰ - ۹½ انچ اونچا ہے۔ اس میں بھی ابھری ہوئی پٹیاں ہیں اس میں دو پٹکے ہیں سب سے پہلے پر صرف نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور دوسرے پر یہ کتبہ ہے:۔

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین فی العالم حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ المظفر علی الاعداء المؤید من السماء تاج الاسلام والمسلمین غیاث الملوک

والسلاطین الحامی لبلاد اللہ الراعی لعباد اللہ یمین الخلافۃ باسط العدل والرأفۃ ابوالمظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ویعلی امرہ وشانہ ۔

کتبہ بالائے دروازہ درجہ سوم

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم خاتم ملوک العرب والعجم المویل من السماء المظفر علی الاعداء سلطان ارض اللہ حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ محرم ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا جلال الدولۃ القاہرۃ نظام الملۃ الباہرۃ شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی العالمین التاج الامم والخلافۃ صاحب العدل والرافۃ سلطان السلاطین

کتبہ بر پہلو دروازہ درجہ سوم

تمت ھذہ العمارۃ فی نوبت العبد المذنب محمد امیر کوہ (الجنیر)

اس منزل میں ایک چھوٹی سی سطر ناگری کتبے کی بھی ہے جس میں "محمد سلطان" کا نام اور سمت ۱۳۸۲ (۱۳۲۶ء) درج ہے جو سلطان محمد تغلق شاہ کا سنہ جلوس ہوتا ہے ۔ تیسری منزل پر بھی دوسری منزل کی طرح کٹہرا ہے مگر تین فٹ اونچا ہے

چوتھا کھنڈ

۲۴ فٹ ۔ ۴ ۔ انچ ۔ اونچا ہے ۔ یہ کھنڈ سادہ بنا ہوا ہے اس میں پخیں نہیں ہیں ۔ اس کھنڈ کے روکار میں علاوہ سنگ سرخ کے کہیں کہیں سنگ مرمر بھی لگا ہوا ہے ۔ اس کھنڈ پر چار پٹکے ہیں جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے اور باقی تین پر بہت خوب صورت نقش و نگار ہیں :۔

امر بھذہ العمارۃ فی ایام الدولۃ السلطان الاعظم شاھنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک والعرب والعجم شمس الدنیا والدین معز الاسلام والمسلمین ذو الامن والامان وارث ملک سلیمان ابی المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین (آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے)

اس کھنڈ کی شہ نشین ہلکی پھلکی ہے اور کٹہرے کی اونچان تین فیٹ ہے ۔

پانچواں کھنڈ ۲۲ فٹ - ۴ - انچ اونچا ہے - اس کا ستون درمیانی گول ہے - اس میں سنگ سرخ اور سنگ مرمر کے منقش پٹکے ہیں جس پر آہنی اور برنجی جنگلا لگا ہوا ہے اور دروازے پر یہ کتبہ ہے :-

این منارہ در شہور سنہ سبعین و سبعمائۃ (۷۷۰ھ) بآفت برق خلل یافت بتوفیق ربانی برکشید عنایت سبحانی فیروز سلطانی این مقام را باحتیاط تمام عمارت کرد خالق بیچون این مقام را از جمیع آفات مصئون داراد -

فیروز شاہی برجی کا ٹوٹا ہوا ٹھنٹھ جو قریب دو فٹ کے اونچا ہے پانچویں منزل پر اب بھی کھڑا ہے - اس منزل پر دو کتبے ناگری کے بھی ہیں جن کے متعلق جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "پہلے کتبے کی دو سطریں ہیں جس میں سنہ ۱۴۲۵ (۱۳۶۸ء) زمان سلطنت پیروج شاہ (فیروز شاہ تغلق) درج ہے - دوسرا کتبہ دروازے کے جنوبی پاکھے پر ہے جس کا کچھ حصہ سنگ مرمر پر کندہ ہے اور کچھ سنگ سرخ پر - اس میں بھی فیروز شاہ کا نام درج ہے لیکن سمت ۱۴۲۶ ہے - اس کتبے کو جنرل صاحب بہت اہم خیال کرتے ہیں لیکن اس میں خرابی یہ ہے کہ یہ بمشکل پڑھا جاتا ہے - ۳۱ حرف اتنا پڑھا جاتا ہے "سری وسوا کرما پرسادا رچتا" - ورکتبے کے آخر میں لکھا ہے - تعمیر کنندہ لقب ہے جو چھند ویوہاں کے بیٹے "نانا سلہا" کے واسطے مستعمل ہوا ہے جس نے منار کی مرمت کی تھی - اس کتبے کے بیچ میں پانچ ہندسے بھی ہیں -

چھٹا کھنڈ فیروز شاہ کی برجی ۱۷۹۴ء تک موجود تھی جس سے ۱۲ فٹ ۱۰ انچ منار کی بلندی اور بڑھ جاتی تھی - ۱۸۰۳ء میں زلزلے کے صدمہ سے گر پڑی - چونکہ اُس زمانے کی لاٹ کا کوئی نقشہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا لہٰذا ٹھیک طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اُس برجی کی وضع قطع کیا تھی - ۱۸۲۹ء میں جو ایک کمیٹی لاٹ کی ترمیم شدہ حالت پر رپورٹ کرنے کو مقرر ہوئی تھی اُنھوں نے جہاں تک معلوم ہو سکتا تھا برجی کی کیفیت اور میجر سمتھ سے جو اُس کے عوض میں نئے جو تعمیر کرائی تھی ان واقعات کو قلم بند کیا ہے - میجر صاحب خود لکھتے ہیں کہ "نہ تو یہ

برجی کے قدیم طرز کا پورا اتبع کیا اور نہ میں نے یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی زبانی روایات کی پیروی کی بلکہ دراصل برجی صرف چار ستونوں کی بنی ہوئی تھی"۔ سمتھ صاحب نے جس برجی کو درست کیا ہے یہ چھٹی ساتویں منزل کہلاتی تھی چھٹی منزل سنگ سرخ کی صرف ایک برجی تھی جس کے آٹھ ستون تھے اور چھجہ اور کارنس بڑی نفیس تھی۔ اس کی بلندی ۶ ½ فٹ تھی جس پر تین فیٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹہرا مع منڈیر کے تھا۔

ساتواں کھنڈ بالکل سیدھا سادا شیشم کی لکڑی کا ایک سایبان (منڈوا) تھا۔ جس پر جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ اس منڈوے کے ستم آٹھ فیٹ اونچے تھے اور جھنڈے کا کھم جو سال کی لکڑی کا تھا ۳۰ فٹ لمبا تھا ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ[1] گورنر جنرل کے حکم سے مینار پر سے یہ بدنما[2] حصہ اُتروا دیا گیا جو اب تک ایک چھوٹے سے چبوترے پر بلا جھنڈے کے دھرا ہوا ہے۔ چنانچہ کپتان سلیمن (Capt. Sleeman) صاحب رزیڈنٹ دہلی نے اس برجی کو ملاحظہ فرماکر نہایت برجستہ ریمارک کیا تھا کہ "اگر فیروز شاہ کی برجی بھی ایسی ہی تھی جیسی کہ آپ نے بنائی ہے تو اُس کا بجلی سے نیست و نابود ہو جانا ہی اچھا ہوا"۔ جس وقت جھنڈا چڑھایا گیا جب ہی لوگوں نے اسے سنے ڈول اور بھنگم خیال کر کے ناک بھوؤں چڑھائی تھی۔ لوگوں کی ناپسندیدگی کی خبر پا کر میجر سمتھ نے حضرت بہادر شاہ صاحب بادشاہِ دہلی سے استمزاج کیا۔ حضور اقدس نے مہتمم محلات کی معرفت میجر صاحب کو لکھا کہ جہاں پناہ نے دو بار لاٹ کو ملاحظہ فرمایا

---

[1] کہیں لوگوں کو شبہ نہ ہو یہ سرہنری ہارڈنگ ۴۸-۱۸۴۴ء تک گورنر جنرل رہے جو حال کے گورنر جنرل بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ کے جو نومبر ۱۹۱۰ء میں گورنر جنرل مقرر ہوئے اور جن کے عہد میں ہمارے شہنشاہ جارج پنجم ملک ہندوستان میں رونق افروز ہونے والے ہیں ان کے دادا تھے۔

[2] فیروز شاہ کی برجی ایک قبہ نما منڈوا تھا جس کے چار یا شاید آٹھ در تھے لیکن فرینکلن صاحب اور ڈینیل صاحب نے اپنی کتاب میں جو نقشے دیئے ہیں اُس میں یہ شکل نہیں ہے۔ مگر ابن بطوطہ جو ۱۳۳۳ء میں دلی میں آیا تھا وہ اس برجی کے متعلق لکھتا ہے کہ "اس مینار کی چوٹی پر ایک شاندار برجی سنگ سرخ کی تھی" اور اب بھی اگر یہ عمدہ فرین کی خوش نما برجی بنادی جائے تو لاٹ جو اب تنڈی نظر آتی ہے بے انتہا خوش نما ہو جائے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرز پر کہ آپ تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ ملبوات کو پہنچ
لاٹ کی پہلی تین منزلیں ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں لیکن سب کے پتھر کا رنگ یکساں
نہیں ہے۔ پہلی اور دوسری کا پتھر گلابی زردی مائل رنگ کا ہے اور تیسری منزل
کا پتھر گہرا سرخ ہے۔ اس سے اوپر کی دو منزلوں میں ریتیلا بھرا سنگِ سرخ
اور سنگ مرمر دونوں لگا ہوا ہے۔ مگر زیادہ تر سنگِ مرمر ہی ہے۔ اندر چو چکردار
زینہ ہے اُس کا بھی یہی حال ہے۔ تحتانی درجوں میں درمیانی محوری ستون اور اُس
گرد کی سیڑھیاں سنگ خارا کی ہیں۔ زینے پر کی کھڑکیوں اور روشن دانوں کی
محرابیں ہندوانی وضع کی ہیں۔ بالائی دو کھنڈوں میں محوری ستون اور دیوار کے
اندر وار اور سیڑھیاں سب ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں۔ چوتھی منزل اپنی
اصلی حالت پر قایم نہیں ہے بلکہ اُس میں بہت کچھ ترمیم و تبدیل ہوگئی ہے۔ فیروزشاہ
نے حسب مرضی خود اس کی تعمیر کرائی اور گو کہ دروازہ اور کتبہ علی حالہ قایم ہے
مگر پھر بھی فیروزشاہی عہد کی ترمیم بلحاظ اپنے طرز کے بالکل الگ معلوم دیتی ہے
ابوالفدا مورخ نے سنہ ۱۳۳۱ء میں فیروزشاہ کی دست اندازی سے بہت پہلے
مینار کی (۳۶۰) سیڑھیاں بتلائی ہیں۔ اب اگر ہم سیڑھیوں کی تعداد (۳۶۰) پوری
کرنی چاہیں تو ہم کو پانچویں منزل کی بھی اکیس سیڑھیاں ملانی پڑیں گی جو درحقیقت
سلطان التمش کے زمانے کی چوتھی منزل تھی۔ منار کی تین تحتانی منزلوں
اور اُس کے اوپر کی منزلوں کی طرز تعمیر میں ایسا کھلا فرق ہے کہ یہ دونوں ایک ہی
زمانے کے کاریگروں کی بنائی ہوئی ہو نہیں سکتیں۔ چکردار زینے کی سیڑھیوں
کی صحیح تعداد (۳۷۹) ہے۔ جن میں سے صرف تین سیڑھیاں سیمنٹ کی بنائی ہوئی
برجی کی ہیں۔ لیکن تعجب ہے کہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ایک ذرا سے معاملے میں
بڑے بڑے دانشور بھی جنھوں نے مینار کو غور سے دیکھا اور سیڑھیاں گنی ہیں
چکر میں پڑ گئے۔ تھارن صاحب (۳۴۵) فرینکلن صاحب (۳۰۸) وان آرلک
(۳۸۳) سرسید (۳۸۸) سیڑھیاں بتلاتے ہیں۔ درحقیقت یہ منار کبھی پانچ
منزل سے اونچا نہ تھا۔ سنہ ۱۲۳۶ء میں التمش کی تعمیر ختم ہوگئی اور اُس زمانے میں
(۳۶۰) سیڑھیاں تھیں۔ اس تعداد کے لحاظ سے ہم پانچویں منزل کی اکیس سیڑھیاں

نمبر میں پہنچا ہوا پہنچتے ہیں۔ اڑسٹھ برس بعد ۷۶۶ ھ میں جب مینار پر بجلی گری تھی تو فیروز شاہ نے چوتھے اور پانچویں کھنڈ دونوں کو پہلے ہی مال مسالے سے جیسا تھا از سر نو بنوایا۔ چوتھے کھنڈ میں اس نے قدیم دروازہ اور کتبہ بدستور قایم رکھا۔ چنانچہ خود فیروز شاہ نے لکھا ہو کہ اس نے ایک برجی بنوا کر اسے اونچا کرا دیا۔ سرسید اس مینار کو سات کھنڈوں کا "ہفت منظری" لکھتے ہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ سے وہ پانچ ہی کھنڈ کی تھی فیروز شاہ نے صرف اسے ذرا اونچا کروا دیا تھا۔ بانی مینا۔ کی نسبت اب کسی قسم کی اختلاف رائے کا موقع باقی نہیں رہا۔ کچھ شک نہیں ہو کہ پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنوائی ہوئی ہو جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہو کہ اس پر کے کتبے میں صاف طور پر "محمد غوری" کا نام موجود ہو جو اس بادشاہ کے زمانے کا ایک بڑا امیر تھا اور بقول سرسید خود قطب الدین کا نام موجود ہی اور سب سے بڑھ کر یہ ثبوت ہو کہ "فضل ولد ابو المعالی" مینار کا متولی تھا اور یہی بعہد قطب الدین مسجد قوۃ الاسلام کا بھی متولی تھا۔ مسٹر کیمبل کی یہ رای کہ مینار قطب الدین کی مسجد کا ماذنہ تھا بالکل بانموقع ہو۔ ابو الفدا نے بھی اپنی "تاریخ مختصر" میں اسے "ماذنۂ جامع مسجد دہلی" لکھا ہو۔ ماذنہ اس مینار کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر اذان دیجاتی ہو۔ ابو الفدا، شمس سراج اور امیر خسرو اس مینار کو سلطان التمش سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں اور خصوصاً دلی میں کوئی نئی بات نہیں ہو کہ جو کسی عمارت کی مرمت کرتا ہو اسی کا نام ہو جاتا ہو۔ فیروز شاہ نے اسے معز الدین سام کا مینار لکھا ہو۔ ابن بطوطہ اس مینار کی تعمیر معز الدین کیقباد کی طرف منسوب کرتا ہو۔ لیکن کسی کی کہی سنی بات بمقابلے ان کتبات کے جو خود اس مینار پر ڈنکے کی چوٹ بتلا رہے ہیں کب قابل وثوق ہو سکتی ہو۔ دوسرے درجے کے دروازے پر جس میں اس عمارت کی تکمیل کا فرمان ہو وہ خود اس بات کا ثبوت ہو کہ آغاز کار اس بادشاہ کے وقت میں نہیں ہوا اور چوتھے درجے کے دروازے پر کا کتبہ دوسرے درجے کے دروازے کے کتبے کے برخلاف التمش کو بانی مینار قرار دیتا ہو اور ایسا ہی سب سے آخری زمانے کے سکندر لودی کے کتبے میں جو سب سے نیچے کی منزل کے دروازے پر ہی

درج ہے - پہلا کتبہ جو تیسری منزل کے دروازے پر نصب ہے اور دوسری منزل کے دروازے کے کتبے کی متضاد عبارت کا میلان جنرل کننگھم صاحب نے یوں کیا ہے کہ پہلا کتبہ صرف چوتھی منزل کے متعلق ہے نہ کہ سارے مینار پر محتوی ہے اور لودی کے زمانے کے کتبے میں جو لکھا ہوا ہے وہ پہلے کتبے کی محض نقل کی بنا پر ہے - بدیں وجوہ مینار کی پہلی منزل جو قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہے وہ بالکل درست ہے رہی باقی عمارت وہ شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے اور فیروز شاہ کی مرمت بھی اس سے الگ ہے - اس مینار کی تعمیر سنہ ۱۲۰۰ع سے سنہ ۱۲۲۰ع تک بیس سال کا عرصہ لگا ہے - جنرل کننگھم نے سلطان علاء الدین کا نام بھی لاٹ کے بانیوں میں لیا ہے - جس کو وہ ایک "نیا دعوی دار" کہتے ہیں وہ امیر خسرو کی تاریخ "علائی" سے نقل کرتے ہیں کہ "سلطان علاء الدین نے بھی ایک روکار کی درستی اور ممٹی بنانے کا حکم دیا تھا" - اس پر سے جنرل صاحب کی رائے ہے کہ موجودہ تمام روکار سنگ سرخ کا علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ علاء الدین نے قطب الدین ایبک کے طرز کو نہیں چھوڑا - بابر نے بھی اس منار کو علاء الدین خلجی کا کہا ہے لیکن جن لوگوں نے اس زمانے کی تاریخ پڑھی ہے اور علاء الدین کے کتبوں پر غور کیا ہے اور علائی دروازے پر اس کے غیر متناہی کتبے پڑھے ہیں وہ ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ اگر سلطان علاء الدین نے قطب مینار کو ہاتھ لگایا ہوتا تو جس طرح کہ علائی دروازے میں بار بار اس کا نام آیا ہے کوئی وجہ نہ تھی کہ مینار کے کسی کتبے میں وہ اپنا نام نہ درج کرواتا -

لاٹ ہندو نقطہ خیال سے

ببیں کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

یہ خوب صورت مینار جو دنیا کے سات عجائبات میں کا ایک ہے اس کی نسبت یہ خیال کہ اس کی بنا اہل ہنود کی ہے بالکل واجبی ہے - یہ ستون راجہ پرتھی راج کا بنوایا ہوا ہے جو اس نے سنہ ۱۱۹۱ع میں مسلمانوں کو شکست دے کر بطور "جے ستمبھا" (یادگار فتح) کے بنایا تھا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مینار راجہ نے اپنی بیٹی کے لیئے بنوایا تھا کہ وہ اس پر چڑھ کر جمنا کا درشن کر لیا کرے - یہ عمارت یقیناً ہندوانی ہے جس پر مسلمانوں نے قرآن شریف کی آیتیں

بتدلیں) لگا دیں۔ اس کے بانی وسواکرم دیوتا کے نام پر اسے بنایا جو ہندوؤں کا دیوتا ہے جسے عمارات کے بنانے کی قدرت کا ملہ ہے۔ پرتھی راج کی وفات کے بعد دلی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اُن کے جنرل قطب الدین نے اس کو اپنے طرز پر ڈھال لیا۔ اُسے منہ مانگی مراد ملی۔ بنی بنائی عمارت ہاتھ لگی۔ اس سے بہتر بلند اور موزوں عمارت اذان دینے کے لیئے کہاں مل سکتی تھی۔ منار پر کی مرغولیاں جنھیں مسلمانوں نے بتوں کی مورتیں نکال کر بنالیں۔ تسلسل واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہم خواہ مخواہ کا جھگڑا کرنا نہیں چاہتے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی۔ اس ستون کے پاس ہی ایک خوب صورت مندر تھا جسے توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے اور دلی کے پرانے لوگ جن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے وہ سب اس امر میں یک زبان ہیں کہ منارا اور مسجد دونوں دراصل اہل ہنود کی عمارات تھیں جنھیں مسلمانوں نے توڑ پھوڑ کر اپنے مطلب کا بنا لیا۔ اگر یہ بات واقعی ہے اور ہمارا خیال صحیح ہے تو یہ بات دوسری ہے کہ قطب الدین غلام تھا یا نہ تھا مگر اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک دانشمند اور زیرک حکمراں تھا۔ کیوں کہ کسی خوب صورت چیز کو نیست و نابود کر دینے سے یہ بہت بہتر ہے کہ تھوڑے رد و بدل کے ساتھ ہم اُسے اپنے کام میں لے آئیں۔ مسجد قوۃ الاسلام کے ستون جن پر نہایت نفیس نقش و نگار ہیں وہ پرتھی راج کے مندر ہی کی باقیات ہیں"۔

مسٹر کننگھم اور مسٹر بگلر کا اختلاف رائے کے بعد قول فیصل

جھکی ذرا چشم جنگ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مسٹر جے۔ ڈی۔ بگلر محکمۂ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ (مددگار) ڈائرکٹر جنرل نے اپنی سنہ ۱۸۷۱ء کی رپورٹ میں (جو سلسلۂ آثار قدیمہ کی چوتھی جلد ہے) قطب صاحب کی مسجد اور لاٹ کو بالکلیہ ہندوانی عمارت ثابت کیا تھا۔ جب میجر جنرل۔ اے۔ کننگھم سی ایس آئی۔ ڈائرکٹر جنرل نے ایسے مدلل طور پر اختلاف کیا کہ بگلر صاحب کو قائل ہونا پڑا۔ ہم دونوں صاحبوں کی رپورٹ یہاں لکھتے ہیں جو بہت عالمانہ اور محققانہ ہے۔ بات یہ ہے کہ عقل ہندوں کا ہر کام عقل ہندی کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ لاثانی سمجھ بھی

اپنی آن لیئے رہیں گے - بحث کریں گے تو تہذیب سے - اختلاف کریں تو نہایت عمدگی سے - کیا مجال کہ اُس میں ذاتیات کی جھلک نظر آسکے یا دلوں میں کدورت آجائے - ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہی - خواہ وہ ماتحت ہی کیوں نہ ہو پھر ان کی صفائی قلب - حق پسندی کو دیکھئے کہ واجبیت کے سامنے اپنی بات کی ذرا بھی پچ نہ کی اور فوراً اپنی غلطی کو کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیا -

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں — اسلامیوں میں اُنکی سی کوئی ادا نہیں
واں اتحاد و یک دلی والفت و وفاق — یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر جنرل صاحب کے ریمارک

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر میں تمہیدی ریمارک اُن چند ضروری ابواب کی نسبت کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے اپنے ماتحت سے اختلاف ہی - مجھے اپنے خیالات کا اظہار قطب صاحب کی مسجد اور مینار کی نسبت زیادہ ضروری ہی مبادا میری خاموشی توافق رائے نہ سمجھ لی جائے حالانکہ میں اُن کی رائے سے کلیتہً مخالف ہوں - پرانی دہلی میں سب سے بڑھ کر دلچسپ یہ دو عمارتیں ہیں - ایک قطب صاحب کی مسجد اُس کی شاندار محرابوں سمیت - دوسری وہ عجیب و غریب موذن کا ستون جو قطب مینار کہلاتا ہی اور جو تقریباً دو سو پچاس فیٹ بلند ہی - اس مسجد کی تعمیر ہمیشہ قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہی جو دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا - در حقیقت اس بات کی صراحت اُس مشرقی کتبے میں موجود ہی جو مسجد کے صدر دروازے پر لگا ہوا ہی - اور نیز یہ بھی اُسی کتبے میں ہی کہ مسجد کا مال مسالا ہندوؤں کے ستائیس مندر توڑ کر فراہم کیا گیا ہی - یہاں کے دالانوں کے ستونوں کا ہندوانی ہونا ایک ایسی بات ہی جو ہر شخص پر ظاہر ہی اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی اُسی طرح کھلا ہوا ہی کہ ان کو مسلمانوں نے از سر نو ترتیب دے کر دو دو تین تین تھم اوپر تلے بٹھا کر موجودہ اونچان پوری کی ہی - یہ بات جس طرح مجھ پر ظاہر و باہر ہی مسٹر فرگسن کو بھی اس کا علم تھا - مسٹر بگلر اگرچہ اپنی رپورٹ میں ستونوں میں کچھ رد و بدل کئے جانے کو تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جس طرح وہ ہندوؤں کے مندر کے دالان میں تھے اُسی طرح اپنی اصلی جگہ پر اب بھی ہیں اور نیز کہ ان کی

موجودہ ادھشٹان بھی وہی ہے جو کہ ہندوؤں کے دالان میں ابتداءً تھی - وہ اپنی اسی
رائے کے وثوق پر مسلمان بانیان مسجد کے اُس قول کی تردید کرتے ہیں کہ انھوں نے
ستائیس مندر توڑ کر یہ مسجد بنائی اور اس کو مسلمانوں کی نری شیخی خیال کرتے ہیں
میرے خیال میں یہ رائے بالکل ناقابل قبول ہے - مسلمان فاتحین کو ستائیس مندروں
کے توڑنے کی ایک غلط خبر مشتہر کرنے اور پھر اس صریح جھوٹی بات کو ایک
عظیم الشان مسجد کے دروازے پر کندہ کرانے سے کچھ مفاد نہ تھا - اس لیے
میں (مسلمانوں کے) اس بیان کو بالکل وثوق سے صحیح (اور مطابق واقعہ) سمجھتا ہوں
علاوہ ازیں میرے اس خیال کی تصدیق صحن کے تینوں طرف کے دالانوں ستونوں
کی ساخت سے کافی طور پر ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے دلی کے بیان میں ظاہر کیا ہے
یہ ستون یقیناً متعدد اور مختلف مندروں کے ہیں - اس میں مجھے کچھ شک نہیں ہے
کہ جس جگہ مسجد بنائی گئی ہے یہ جگہ فی الواقع ایک ہی مندر کی تھی اور جب بگلر صاحب
نے میرے ایما سے کندیدگی کا کام شروع کیا تھا تو میں نے اُن پر اپنی رائے
ظاہر کر دی تھی کہ مسجد کے نیچے چبوترے کا نشیبی حصہ جو محاط ہے وہ ہندوؤں کے
مندر کا ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر قایم ہے - مسٹر بگلر نے ان دیواروں کے
باہر باہر کھدائی کی تھی اُس سے میری رائے کی تصدیق ہوگئی - اسی وجہ سے
اُس اونچے چبوترے کو جس پر کہ مسجد کھڑی ہے پرانی دلی کے ایک بڑے بھاری
مندر کا مقام سمجھتا ہوں اور اسی (مندر) میں سے حالت اصلی پر وہ لمبے لمبے
ستون باقی رہ گئے ہیں جو بڑی محراب کے عین عقب میں ہیں - یہ ستون عین یہاں
ہندو والی ہیں جن کو نہ مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہ بدلا بدلایا - (یعنی یہ کہ جہاں پہلے
تھے وہیں اب بھی ہیں) ان ستونوں کی نسبت میرا یہ کہنا کہ ان کو مسلمانوں
نے ہلایا جلایا نہیں اس وجہ سے ہے کہ ان کی جگہ چبوترے پر چھینی سے کھانچے
بنے ہوئے ہیں اور بدلا بدلایا نہیں اس پر میں کہتا ہوں کہ اُن کے تمام سلاگ سلاک
اُسی طرح کے ہیں جیسے کہ (عموماً) ہندوؤں کے مندروں میں ہوتے ہیں -
باقی اطراف کے سارے دالانوں کے تمام ستونوں کو مسلمانوں نے اس
طرح ترتیب دیا ہے کہ دو دو تین تین ٹکڑے (اوپر تلے) جوڑ کر بقدر ضرورت اونچا

کیا گیا ہے۔ میں اپنی اس رای کی تائید میں کہ بڑی محراب کے پاس کے ستونوں کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دی گئی ایک اور ثبوت پیش کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بڑی محراب کے پاکھوں کے پتھروں میں جو گھر ان ستونوں کے بٹھانے کے تراشے گئے ہیں اُن میں ان کی چولیں ٹھیک بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محرابیں ستونوں کے بعد بنی ہیں اور مسلمانوں نے مندر کے پرانے ستونوں کو پیش نظر رکھ کر (انھیں کے لحاظ سے) بنائی ہیں اور انھیں وجوہ سے میں اس نتیجے پر پہونچتا ہوں کہ یہ ستون اپنی اصلی جگہ پر قایم ہیں۔ دالانوں کی ساخت میں پرانے اور نئے کاموں کے ملا دینے کا طریقہ بالکل بدل گیا ہے یعنی یہ کہ ایک دیوار دوز ستون میں جو شمالی دالان میں ہے۔ یہاں کی دیوار کے ایک پتھر میں ایک قدرتی پھوڑا تھا جس کے جمانے کے لیئے ستون میں اتنا ہی سوراخ کر کے پھنسا دیا ہے۔ میں ان کو دیوار دوز ستون اس واسطے کہتا ہوں کہ وہ دیوار سے لگے ہوے ہیں لیکن ان میں کے اکثر ستون پورے ہیں جو دیوار سے ملا کر کھڑے کیئے گئے ہیں۔ لیکن ان ستونوں کی بیٹھکیں بیچوں بیچ میں نہیں ہیں بلکہ اپنی اصلی جگہ سے کئی انچ آگے بڑھی ہوئی ہیں۔ اس سے میں نہایت وثوق سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اطراف کے دالانوں کے تھم اپنی اصلی جگہ پر قایم نہیں ہیں بلکہ مسلمان ان ستونوں کو ہندوؤں کے ویران مندروں سے لائے ہیں اور یہاں کی دیواروں میں لگا دیئے ہیں۔ اس امر کے ثبوت میں کہ ان ناہموار ستونوں میں جوڑ لگائے گئے ہیں میں ذیل کے واقعات پیش کرتا ہوں:-

(۱) شمالی دالان میں بیرونی قطار کا پہلا شرق رویہ ستون جو بالکل سنگ خارا کا ہے اُلٹی بیٹھک پر کھڑا ہے۔

(۲) شمالی دالان میں بیرونی قطار کے دو پاس پاس کے ستونوں میں ایک ہی قسم کے تین تین ٹکڑے ایک کے اوپر ایک جمے ہوے ہیں۔ جن کی ساخت اور نقش و نگار ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان دونوں تھموں کے چھ ٹکڑوں میں سے چار تو ہشت پہلو ہیں۔ جن کے ضلع کا ہر دوسرا رخ گھرا ہوا ہے اور باقی دو ٹکڑے سادے ہشت پہلو ہیں۔ ایک تھم میں تو یہ بن ٹکڑا ٹکڑا

میں سب سے اوپر والا لگا ہے اور دوسرے میں اوپر نیچے کے ٹکڑے چھوڑکر بیچ میں لگا ہوا ہے
(۳) بہت سے سادے ہشت پہلو تھم اور ان کے ساتھ دوسرے تھم کہ جن کا ہر دو سارخ گھڑا ہوا ہے مربع بیٹھک پر ایستادہ ہیں حالاں کہ یہ بیٹھکیں ابتداءً چوکون تھموں کے لیے گھڑی گئی تھیں سیبات چوکون بیٹھکوں کی سطح بالائی ۔ خالی کونوں کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کیوں کہ ہشت پہلو ستون ان چوکونوں بیٹھکوں پر اچھی طرح نہیں بیٹھے بلکہ ابتک ویسے ہی بن گھڑے کھڑے ہیں ۔ یا نہ معماروں نے چھوڑ دیا تھا ۔ پرانے مال مسالے کو ۔ دو بدل کر کے استعمال میں لانے کا ثبوت کچھ دالان کے ستونوں ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ دروازوں پر کے گنبدوں اور دالانوں کے کونوں کے کمروں میں بکثرت اور زیادہ متیقن ثبوت ملتے ہیں ۔ ان گنبدوں کو بھی مسٹر بگلر قدیم ہی کا خیال کرتے ہیں لیکن ذیل کے واقعات سے ان میں بھی مسلمانوں کا تصرف ظاہر ہو جائے گا :۔

(۱) جنوب و مشرق کے کونے میں ایک ہشت پہلو قطعے سے گنبد شروع ہوتا ہے اور یہ مثمن ایک مربعے کے آٹھ ستونوں پر ٹکا ہوا ہے ۔ یعنی چار ستون چاروں کونوں پر اور چار بیچ میں ۔ بدیں وجہ مثمن کے زاویوں کا بوجھ بجائے ستونوں کے شہتیروں پر پڑتا ہے ۔

(۲) شمال و مغرب کے کونے کے گنبد میں یہ صریح غلطی اور بھی زیادہ واضح ہے ۔ کیوں کہ ستونوں کا باہمی فصل درمیانی ستون مربع اضلاع کے بیچ میں ہونے سے یکساں نہیں ہے ۔

(۳) شمال و مشرق کے کونے میں گنبد ایک مثمن سے شروع ہوتا ہے جو بارہ ستونوں پر ٹکا ہوا ہے ۔ جس سے ایک مربع شکل بن گئی ہے لیکن ستونوں کے بالائی حصے پانچ پانچ توڑے مربعے کے ہر کونے میں لگے ہیں اور بعض جگہ اسی مثمن کے کونے میں عام قسم کے ستونوں کے سرے چار توڑوں ہی کے مثمن کے کونوں میں لگا دیئے ہیں ۔ یہ توڑوں کے لگانے میں جو صریح غلطی ہوئی ہے جب تک ان میں رد و بدل نہ کیا ہوگا کیسے ممکن ہو سکتی ہے ۔

(۴) مشرقی دروازے کی طرف کے بڑے گنبد میں بھی اسی قسم کی نے ترتیبی پائی جاتی ہے

بجائے اس کے کہ ستونوں کو پانچ توڑوں کے نیچے لگایا جاتا وہ صرف دو توڑوں او ستونوں کے بالائی حصے کے چار مشترک توڑوں کے بیچ میں لگے ہوئے ہیں۔ پتھر کے شہتیر بھی یکساں نہیں بعض بالکل سادے ہیں بعض نقشین۔ اس سے ظاہر ہو کہ اس گنبد کی سابقہ حالت میں مسلمانوں نے رد و بدل کرکے موجودہ حالت پر پایا ہو۔

(۵) کنارے کے کمروں کی چھوٹی چھتوں میں دیکھا جاتا ہو کہ مربع نقشین چوکوں کو کاٹ کر انھیں مستطیل جگہ میں پھنسا دیا ہو اور جو بن گھڑی سلیں ہیں اُن کو اس طرح پھنسایا ہو کہ لمبان میں جو جگہ خالی رہ گئی وہاں سلیپے ڈال کر مُپر کر دیا۔ اس لیے یہ چھتیں یقیناً اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہیں اور مجھے یہ نتیجہ نکالنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں ہو کہ جب قطب الدین ایبک ستائیس مندروں کو ڈھا کر اُن کے مال مسالے سے یہ مسجد بنوا رہا تھا تب مسلمانوں نے (اپنی مرضی کے موافق کاٹ چھانٹ کرکے۔ پتھر کی سلوں کو جہاں اور جس طرح مناسب سمجھا لگا دیا۔ چنانچہ حالتِ موجودہ خود) اسی تصرف کا نتیجہ ہو۔

(۶) شمال و مشرق و جنوب و مشرق کے کونوں کے بالائی کمروں کی چھتوں کے پٹاؤ کے چوکوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ جینیوں کے کسی مندر کے ہیں کیوں کہ بہت سے پتھر جو مربع کھڑکیوں کی کشادگی کم کرنے کے لیے کونوں میں لگائے ہیں اُن کے بیرونی رخ پر انسان۔ ہاتھی۔ گھوڑوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور بیچ میں تو ایک پتھر پر ایک شخص آلتی پالتی مارے ہوئے بالکل برہنہ بیٹھا ہو جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گود میں لٹک رہے ہیں جو بالکل جین مت کے لوگوں کے بتوں کا طرز ہو۔ اور بھی اسی طرز کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

غالباً اسی بنا پر مسٹر بگلر استدلال کرتے ہیں کہ اس دالان کے کل ستون جینیوں کے ایک ہی مندر کے ہیں۔ یہ ایک ایسا استدلال ہو جس کی نفی اُس آہنی ستون کے کتبے ہی سے ہو سکتی ہو جو اسی صحن میں کھڑا ہو جس میں خود اس ستون کا نام "وشنو کا بازو" کھدا ہوا ہو۔ علاوہ اس کے وشنو کی بہت سی مورتیں جو اطراف کی دیواروں پر بنی ہوئی ہیں مثلاً "دس اوتار" اور "نارائن" جو اننتا سانپ کے پھن پر ٹیکا دیئے ہوئے ہو یہ بھی بگلر صاحب کی رائے سے اختلاف کرنے میں ممد ہیں۔ قطب صاحب کی مسجد کی بابت میں صرف اتنا

سے نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی تعمیر ہندو راجوں نے مسلمانوں کی نگرانی میں ستائیس مندروں کے مال مسالے سے کی ہو جن میں سے شک نہیں کہ بعض مندر جینیوں کے بھی ہوں گے۔ اس سے اُن تمام غلطیوں کی جو تعمیر کے متعلق ہم اوپر بتلا آئے ہیں اور نیز دالانوں کے ستونوں کی بے ترتیبی کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا مقصود ایک بلند (اور عالی شان) عمارت بنانے کا تھا لیکن ہندوؤں کے مندروں کے کھمبے بالعموم پست ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی (مسلمانوں نے) اس طرح کی کہ دو دو اور تین تین کھمبے جوڑ کر سرے اور بیٹھکیں لگا کر کھڑے کر دیئے۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہ منظر خوش نما ہے لیکن۔ یہ خوش نمائی صرف ستونوں کی خوب صورتی اور نقش و نگار کی وجہ سے ہے جو نظر کو اپنی جانب ایسا متوجہ کر لیتی ہے کہ ستونوں کی بے ترتیبی اُن کے موٹے موٹے (بھدے) کھمبے جن کے اوپر پتلے ٹکڑوں کے جوڑ لگے ہوئے ہیں اور خالی توڑے جو کسی چیز کو سہارا نہیں دے رہے اور بے سہارے کے آگے بڑھے ہوئے طاق (یہ سب اسقام) چھپ جاتے ہیں۔ اگر یہی ستون (نقش و نگار سے معرا اور) سادے ہوتے تو میں یقین کرتا کہ سب سے پہلے نگاہ تو ان کی عدم یکسانیت پر پڑتی اور ان کی بے ترتیبی اور غیر مناسب جوڑ فوراً ظاہر ہو جاتے۔ مسٹر بگلر کا یہ بھی خیال ہے کہ قطب مینار کی شروعات ہندوؤں سے ہوئی ہے صاحب موصوف اپنی رائے کی تائید بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں۔ ہندو خود اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ مینار اُن کا ہے اور کہتے ہیں کہ پرتھی راج نے اپنی بیٹی کے واسطے جمنا کا درشن کرنے کے لیئے بنایا تھا۔ اس کے متعلق میں نے تفصیلی وجوہات اپنی رپورٹ جلد اول کے صفحہ (۱۹۰) میں بیان کر دیئے ہیں کہ قطب مینار یقیناً مسلمانوں ہی کی عمارت ہے اور اب میں (چند) اور باتیں بھی پیش کرتا ہوں جو بگلر صاحب کے ساتھ دو مرتبہ قطب مینار جا کر میں نے دیکھیں پہلی مرتبہ مجھ کو بگلر صاحب نے ذیل کے چھوٹے (چھوٹے) کتبے بتلائے جو مینار کے نیچے کے حصے میں بخط ناگری کندہ ہیں:۔

(۱) دروازے کے باہر سیدھی طرف (سمت ۱۲۵۶)

(۲) دروازے کے اندر ڈیوڑھی میں بائیں طرف (سموت ۱۲۵۶ (؟))

(۴) دروازے کے رستے میں محراب کے پاس (سمونت ۱۲۵۶)

میں ان کتبوں کو اُن راجوں کا کھودا ہوا سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مینار کو بنایا اور یہ امر کہ وہ جاہل محض تھے اس بات سے ظاہر ہی کہ پہلے کتبے میں واو کا حرف ہی چھوٹ گئے ہیں اور دوسرے کتبے میں ہزار کا ہندسہ ہی غائب ہے۔ یہ تینوں کتبے سمونت ۱۲۵۶ مطابق سنہ ۱۱۹۹ء کے ہیں جو میرے خیال میں یا تو اس مینار کے شروع کا سال بتلاتے ہیں یا اختتام کا۔ ایک ہی تاریخ کا بار بار اعادہ کرنا ہندو راجوں کا دستور رہی۔ اسی طرح جونپور کی اٹالا مسجد کے ستونوں پر جو سابق میں ایک مندر تھا اور جس کو ابراہیم شاہ شرقی نے ما بین ۱۴۰۱ء سے ۱۴۱۸ء مسجد سے تبدیل کر دیا۔ میں نے سمونت ۱۴۲۲ و ۱۴۲۶ کو تین جگہ پر مکرر سہ کرر کُندا ہوا اس طرح دیکھا ہی۔

(۱) شمالی دروازے کے بیرونی رخ پر سیدھے پاکھے پر۔ — سمونت ۱۴۲۶ سماپت شتر ادھارا پدوماوی سائی ستر ادھارا موتا } سمونت سال ۱۴۲۶ میں پدوماوی راج پر سائی راج نے ختم کیا۔

(۲) نیچے کے ایک چوڑے ستون پر۔ — سمونت ۱۴۲۶ بنیادی پاری } سمونت سال ۱۴۲۶ میں بنایا گیا

(۳) جنوبی رخ کے ایک بیرونی ستون پر۔ — سمونت ۱۴۲۶

علاوہ ان ستونوں کے (جو قطب مینار پر کندہ ہیں) میں نے ایک اور کتبہ بھی اُسی مستری کا دیکھا ہی کہ جس کی زیر نگرانی یہ مینار رہی ہی۔

یہ کتبہ چبوترے کے جنوبی رو کار پر ہی جسے مجھے بگلر صاحب نے بتلایا تھا۔ بدنصیبی سے یہ کتبہ پتھر کے ٹوٹ جانے سے ناقص ہو گیا ہی۔ باایں ہمہ کچھ حروف اور ہندسے جو صاف باقی رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

× × ماگھ ۱۵ ½ ——— ۸۳ ½ وار نامینی

اِن ہندسوں کے پیچھے ہی ایک چوڑی یا لمبی سیدھی لکیر بنی ہوئی ہی جس کے

دونوں سرے نیچے کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور اس کی داہنی طرف کوئی ایک انچ کے فصل سے اسی طرح کا ایک نشان اور ہی جو کچھ کچھ مٹ گیا ہی۔ یہ دونوں سطریں چبوترے کی بیرونی سطح پہ ہیں۔ لفظ دارشنی کے معنی میرے خیال میں (Plumb line) سہاوں کے خط کے ہیں۔ کتبے کی عبارت سے ایسا معلوم دیتا ہی کہ یہ لین دوبارہ ایک انچ ہٹا کر صحیح کی گئی ہی۔ یہ کہ یہ کتبہ کسی ہندو کا ہی بجاے گز کے لفظ "گج"[1] سے ظاہر ہی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی فاتح مسلمان ایسا (غلط لفظ) استعمال کرتا۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہی کہ میں نے اسی طرح کا ایک نشان مسجد کی پچھیت کی دیوار کے آگے بڑھے ہوے حصے میں بھی دیکھا ہی جو مسجد کے ٹھیک وار بیچوں بیچ میں ہی اور جو غالباً مسجد کی بیچ کی لین کو سدھ کرنے کو لیا گیا تھا۔ کیوں کہ یہ نشان بڑھے ہوے حصے کے بیچ سے بھی کئی انچ آگے بڑھا ہوا ہی۔

مسٹر بگلر کی رای دو امور پر مبنی ہی:-

(اول) مینار کے نیچے کے تین گنبدوں اور اس کے اوپر کے دو گنبدوں کی طرز تعمیر میں فرق ہی۔ جس سے وہ یہ نتیجہ مستنبط کرتے ہیں کہ پہلا حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا ہی اور بعد کا مسلمانوں کا۔

(دوم) گنبدوں کا درمیانی فاصلہ عمل ہاے حسابی واقلیدسی کے لحاظ سے ہی جو کسی Arithmetico geometrical series معمولی شخص کا کام نہیں نہ وحشی مسلمان فاتحین کو یہ حسابی[2] طریقہ معلوم تھا۔ اس لیئے یہ کام دانش مند ہندوؤں کا ہی۔

مسٹر بگلر کی پہلی توجیہ میں اُنھوں نے اس واقعہ کا خیال نہیں رکھا کہ لاٹ کی اوپر کی دو منزلوں کو تو فیروز شاہ تغلق نے از سر نو بنوایا ہی تھا جیسا کتبات اور اس کی

---

[1] ہندی میں (ز) کا حرف ہی ہی نہیں۔ جب یہ امر مسلّم ہی کہ راج ہندو تھے تو پھر یہ بحث ہی تحصیل حاصل ہی۔

[2] شاید بگلر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان بہت بڑے ریاضی داں تھے اقلیدس اور جبر ومقابلہ اُنھیں کی ایجاد ہی اور اُنھیں سے انگریزوں نے لیا ہی چنانچہ اقلیدس اور الجبرا کے نام ہی خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں۔[۱۲]

سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ طرز تعمیر کا مختلف ہونا البتہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قطب الدین ایبک سے لے کر فیروز شاہ تغلق تک ڈیڑھ صدی کا زمانہ گزرا۔ اس لمبی عرصہ مدت میں فن تعمیر کے مذاق میں کیا کیا کچھ تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں گی۔ پس یہ اختلاف طرز اختلاف مذاق اور زمانے کا نتیجہ ہے نیچے کے برآمدوں کی عمدہ نقاشی بجنسہ اُسی طرح کی ہے جیسی کہ دہلی اور اجمیر کے پچھلے زمانے کی مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ اب رہا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا برابر برابر لگانا یہ طریقہ فیروز شاہ کے وقت کا ہے جیسا کہ اس بادشاہ کے بنائے ہوئے اُس ستون میں موجود ہے جو حصار میں لگا ہوا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان پسندیدہ نقاشیوں کا طرز ہندوانی ضرور ہے لیکن مسلمانوں کی شروع شروع کی عمارات میں یہ ایک ضروری امر اس وجہ سے تھا کہ فاتحین سپاہی منش تھے ان کو قدرتی طور پر مقامی کاریگروں سے کام لینا پڑا (جو ہندو تھے) اسی وجہ سے ایک کمان دوسری پر چڑھ گئی ہے اور نقش و نگار میں بھی ہندوؤں کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے۔ مسٹر بگلر کی دوسری دلیل جس کا دار و مدار سینہ بسینہ حسابی اقلیدسی عمل پر ہے میں اُس کی تردید کرتا ہوں کہ وہ محض ایک خیال ہی خیال ہے لو فرضنا وہ صحیح بھی ہے تو بھی یہ امر بآسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ محمد غوری کا سارا لشکر (اس سرے سے اُس سرے تک) جاہل محض تھا۔ خصوصاً جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اس زمانے سے بہت پہلے محمود غزنوی کے ساتھ ابوریحان جیسا عالم فاضل آیا تھا۔ بگلر صاحب کہتے ہیں کہ عمل ہائے حسابی و اقلیدسی کوئی آسان کام نہ تھا۔ میں ایسے مستحیلات پر کچھ زور نہیں دے سکتا۔

مسٹر بگلر مزید برآں یہ بھی کہتے ہیں کہ کنول کے پھولوں کے پٹکوں اور عربی کتبوں کے پٹکوں کے سطحی اُبھار میں فرق ہے۔ پھولوں کے نقش و نگار والا پٹکہ سطح کے برابر ہے حالاں کہ دوسرا پٹکہ بہت اُبھرا ہوا ہے۔ لیکن صرف سب سے نیچے کے گھنڈ کے کتبے کی تحریر سطح کی برابر ہے باقی سب اُبھرے ہوئے ہیں۔ سب سے نیچے والے پٹکے کا یہ حال ہے کہ امتداد زمانے اور نااہل لوگوں کی شکست و ریخت سے ایسا نقصان پہنچا ہے کہ اب برابر بڑھا ہوا نہیں جاتا۔ سر سید بھی اس کتبے

میں سوائے "امیر الامرا" کے کچھ نہ پڑھ سکے - اس لیئے میرا خیال یہ ہی کہ یہ کتبہ جو دوبارہ ہوا ہی محض اُن لوگوں کی بدولت ہی کہ جنھوں نے دوبارہ اسے نصب کیا - میرے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہی کہ روکار میں لال پتھر جو لگائے گئے ہیں وہ اس (بدتمیزی) سے بیچ میں سے کاٹ ڈالے گئے ہیں کہ اُن کی دراڑوں میں سے اندر کے بن گھڑے پتھروں کی کو ریں نظر آتی ہیں - یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حسابی اقلیدسی عمل کا اس پٹکے سے کوئی تعلق نہیں ہی اور مجھ کو یقین کلی ہی کہ مینار کا یہ حصہ بھی قدیم آراستگی کا اصلی جزو ہی تو میں ہندوؤں کی عمارات کے متعلق سینہ بسینہ عمل ریاضی کو نرا ایک خیال ہی خیال سمجھتا ہوں - قطب مینار کے ابتدائی نقش و نگار کے متعلق کہ وہ ہندوؤں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بالکل قطعی ثبوت امیر خسرو کی تاریخ علائی سے ملتا ہی جو علاء الدین خلجی کا ہم عصر تھا - علاء الدین خلجی نے جب ایک نئی مینار بنانے کا حکم دیا تو امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "(بادشاہ) نے حکم صادر فرمایا تھا کہ پرانی مینار کی باہر وار سے درستی کرادی جاوے اور پرانی برجی کے ساتھ ایک اور نئی برجی بھی بنادی جائے" - اس تحریر کی رو سے جو چشم دید ہی معلوم ہوتا ہی کہ سنگ سرخ کا تمام روکار علاء الدین کا بنوایا ہوا ہی اور تمام عمدہ برآمدے اور نقش و نگار کے پٹکے بھی غرور اُسی نے لگوائے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ بابر بادشاہ نے اس تمام (ترمیم و) درستی کا حال سن کر سلاطین افاغنہ نے کی ہی اس کو "علاء الدین خلجی کا مینار" کہا ہی -

مینار کے روکار اور نقش و نگار اور پٹکوں کے ہندوانی نہ ہونے کی نسبت تصفیہ کرنے کے بعد اب ہم اصل مینار کی طرف رجوع کرتے ہیں - سر سید لکھتے ہیں کہ یہ

لہ کتبہ جب اپنی اصلی حالت پر ہو تو پڑھا جاوے - یہ کتبے کھدے ہوئے تو ہیں نہیں بلکہ منبت ہیں اور حروف تراش کے بنائے گئے ہیں - ایسے لوگوں نے دوبارہ جمایا ہی جو پڑھے لکھے نہ تھے چنانچہ سر سید خود تحریر فرماتے ہیں کہ "نہایت افسوس ہی کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حروف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنادی ہی جب غور کرکے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعض غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور بعض جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کھود دی ہی کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی - اس لاٹ کے کتبے جو ہیں صحیح تھے یہ سر سید ہی کا کام تھا کہ وہ بہیں لگا کر ان کو پڑھا - جَزَاهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ +

مینار ہندوؤں کی ساختہ ہونے کے متعلق ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہی کہ مسجدوں میں عموماً دو دو مینار ہوتے ہیں اور یہ فرد ہی لیکن دو دو مینار بنانے کا طریقہ تو صرف تین ہی صدیوں سے چلا ہی ورنہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ اس سے پہلے مسلمان مسجدوں میں ایک ہی مینار رکھا کرتے تھے۔ جسے "ماذنہ" کہتے تھے

(۱) ابن طولون کی مسجد جو قاہرہ میں ۸۷۹ء میں بنی ہی اُس میں ایک ہی مینار ہی۔

(۲) محمود غزنوی کے بنائے ہوئے دو مینار غزنی میں جو تقریباً ۱۱۰۰ء میں بنے ہیں۔ یہ دونوں مینار مختلف بلندی کے ہیں اور دونوں میں نصف میل کا فصل ہی۔ اس لیئے یہ دونوں مینار دو جداگانہ مسجدوں کے ہوں گے (نہ کہ ایک کے)

(۳) سلطان برکت کی مسجد قاہرہ میں جو ۱۱۴۹ء میں بنی ہی اس کا بھی ایک ہی مینار ہی

(۴) کوئیل (Koel) کا منار جو ۱۲۵۴ء میں بنا تھا وہ بھی فرد ہی اور اُس کی مقامی حالت بلحاظ مسجد سے فصل کے بجنسہ قطب مینار کی سی ہی۔

(۵) علاء الدین کی ادھ بنی مینار جو ۱۳۱۱ء میں بنی (بنتے بنتے رہ گئی)۔

(۶و ۷) بیانے کی دو مسجدوں میں صرف ایک ہی مینار ہی اور وہ بھی صحن مسجد کے باہر شمال و مشرق کے کونے میں ہیں۔ بخلاف قطب مینار کے یہ تو (صحن مسجد کے) جنوب و مشرق کے کونے میں ہی۔ ان میں سے ایک مینار پر نصیر الدین محمد کا کتبہ ہی جو ۱۳۹۰ء میں حکمراں تھا۔ ان سات مثالوں سے جن میں پانچ صدی سے زیادہ کا زمانہ پھیلا ہوا ہی اور اکبر شاہ سے ایک سو آٹھ برس پہلے تک یہ بات ظاہر ہی کہ اُس وقت تک مسلمانوں میں مسجدوں میں ایک ہی مینار بنانے کا دستور تھا۔ یہ کہ قطب مینار دراصل ماذنہ تھا اس کا ثبوت خود اُس کے کتبوں سے ملتا ہی جن سے کبھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ نیز ابو الفدا نے بھی اسے ماذنہ ہی لکھا ہی۔ اب رہی یہ بات کہ یہ مسلمانوں ہی کا ڈزائین (خاکہ) تھا اس کی تائید میں وہ واقعہ موجود ہی کہ دہلی کے فاتحین غزنی کے حکمراں تھے جو محمود غزنوی کے میناروں (کے طرز) سے واقف

ف ۱ اور آٹھویں نظیر میں پیش کرتا ہوں کہ رایچور مملکت سرکار عالی نظام کے قلعے میں ایک مینار کی مسجد مشہور ہی یہ مسجد بھی ایک ہی مینار کا ہی دو منزلہ اسی گز بلند اور دس گز دور میں ہی جو ۹۱۹ھ ۱۵۱۳ء میں بعہد سلطان محمود بہمنی ملک عنبر نے بنوایا تھا۔

مثمن کا طرز (Star polygon) ستارہ نما کثیر الزوایا وضع کا گہرے کٹکو سے دار زاویوں کا ہی۔ قطب مینار کے بنانے میں مسلمانوں کی ایک خاص غرض[1] بھی مدنظر تھی جو ان کے مذہبی روزانہ (بلکہ پنج وقتہ) عمل سے متعلق ہی اس لیئے مجھے یقین واثق ہی کہ یہ عمارت غرض اور طرز دونوں اعتبار سے خالصاً مسلمانوں کی ہی۔ اگرچہ ساری عمارت نہیں تو اکثر عمارت کا حصہ خصوصاً چڑھی ہوئی اور گوسلے دار محرابوں کی وضع قطع البتہ ہندوانی طرز کی ہی۔

مسٹر بگلر کا آخری نوٹ

میری اب تک قطب مینار اور مسجد کی نسبت وہی رای تھی جو کہ میں سنے رپورٹ میں لکھی ہی۔ چوں کہ میں سنے (اپنی رپورٹ کو) اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں اور مسجد کے اندرونی اور بیرونی احاطوں کی دیواروں کے وہ حصے جو سطح زمین سے پست ہیں دراصل اہل ہنود کے (بنائے ہوئے) ہیں تو مجھے اُس نتیجے پر پونہچنا ناگزیر تھا جو میں سنے ظاہر کیا۔ لیکن اسی سال کے اوائل ماہ نومبر میں میں اور جنرل صاحب دونوں مل کر قطب صاحب کی باقی ماندہ عمارتوں کو دیکھنے گئے اور صاحب موصوف نے مجھے اختلافات دکھلائے جن سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ اندرونی اور بیرونی احاطے بحالت موجودہ دراصل ہندوؤں (کے زمانے) کے نہیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض بعض حصص اور اغلباً مسجد کی چھت کی دیوار کا وہ حصہ جو اصل مسجد کے بالکل عقب میں ہی ہندوانی ہی۔ مجھے ضرور معلوم دیتا ہی کہ میں اس امر پر غور کروں اور خاص طور پر اس (امر) کا اظہار کروں۔ جیسا کہ میں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہی کہ

[1] جنرل صاحب کا نوٹ۔ میں بگلر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کے معابد کو مینار سے کیا تعلق ہی۔ کیا ہندوؤں سنے مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یا بعد کوئی ایسی مینار بنائی ہی۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ایسی مینار کے بنانے سے ہندوؤں کی کون سی غرض پوری ہوتی تھی۔ ۱۲

میں اپنے آیندہ مضمون میں اپنے اُسی قانون کو اُن عمارات سے متعلق کر کے بتلاؤں گا جن میں کسی قسم کا شبہہ نہیں ہو کہ وہ ہنود کی بنائی ہوئی ہیں مثلاً وسط ہند بڑے بڑے عالی شان مندر جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ ہندو ماہرین فن عمارت اُس قانون کو خوب جانتے تھے اور یہی میرے استدلال کی جڑ ہی اگرچہ قطب کی عمارتیں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے بنائی گئیں اور اُنہیں کے صواب دید پر عمارتوں کا ڈول ڈالا گیا لیکن طرز تعمیر خواہ وہ تفصیلی ہو یا جزئی اور نیز نقش و نگار اور آراستگی (کاڈھنگ) وہ تو سارے کا سارا ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنرل صاحب کا آخری نوٹ

یہ بات سب پر ظاہر ہی کہ قطب مینار کے کھنڈوں اور پنکوں کے باہمی فصل ارتفاعی کا تعین کوئی اتفاقی بات نو نہیں بلکہ ضرور ہی کہ وہ کسی حسابی یا اقلیدسی عمل ارتفاع پر مبنی ہی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ عمل بالکل سیدھا سادا تھا لیکن پھر بھی ہم اُس کی دریافت سے محض اس وجہ سے قاصر رہے ہے کہ ہر ہر کھنڈ کے فاصلۂ درمیانی کی صحیح صحیح ناپ حاصل کرنے میں بڑی وقت ہی۔ اوپر جو کئی جگہ "خیالی قواعد" کا ذکر آیا ہی اُس سے مراد یہی حسابی اور اقلیدسی گر ہی جس کی رو سے قطب مینار بنائی گئی ہی۔ اگر مینار کی بلندی بارج نہ ہوتی اور ہر ہر کھنڈ کا صحیح ناپ مل جاتا تو ممکن تھا کہ اُس پر سے ریاضی داں لوگ اُن اصول موضوعہ کو معلوم کر سکتے جن پر سے قطب مینار بنائی گئی ہی

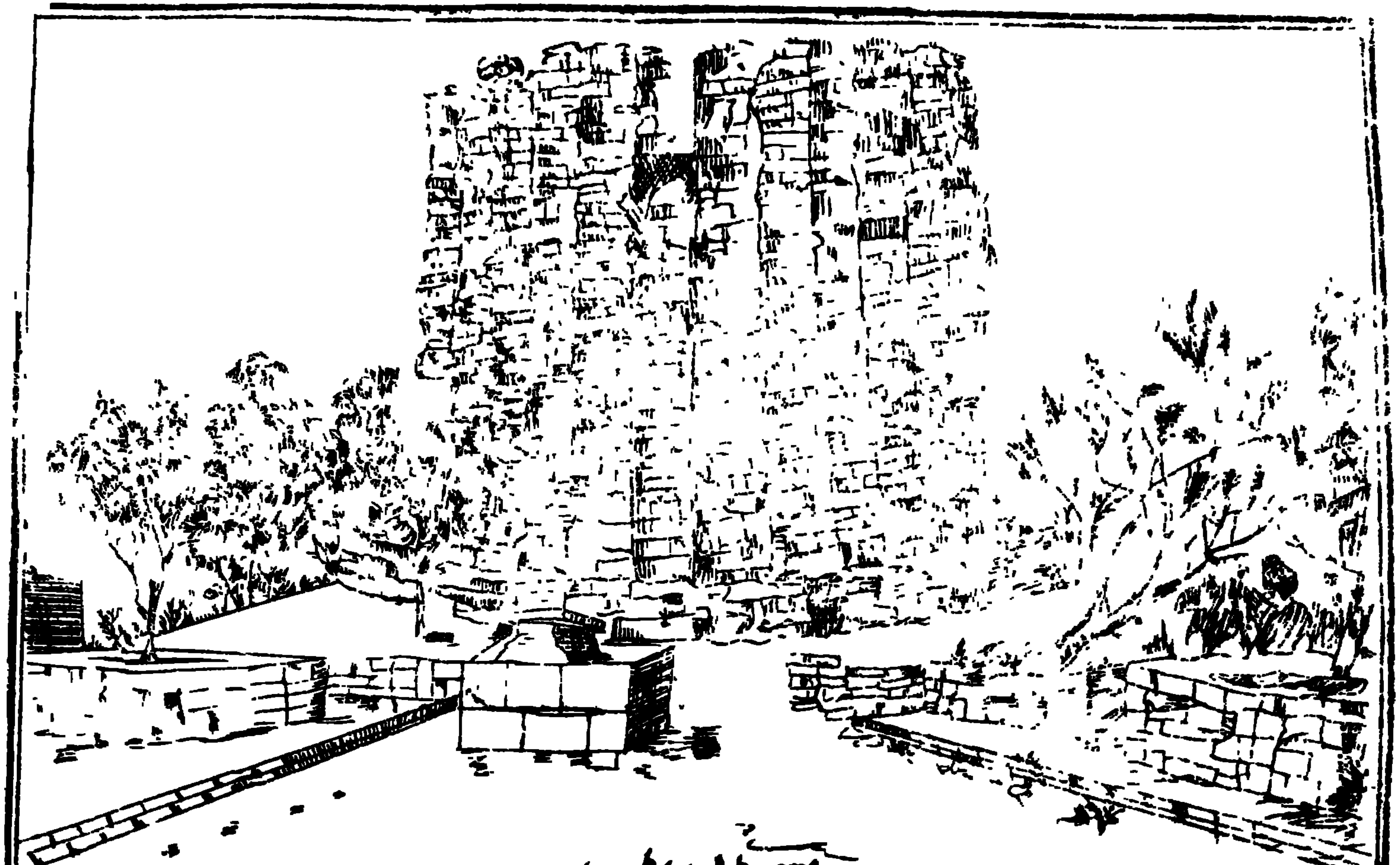
ادھوری لاٹ

سنہ ۱۳۱۱ ھ

صفتِ شکلِ منارہ کہ زرفعت سنگش

از پیِ خنجرِ خورشید شد و سنگ فشاں .

شکلِ منارہ چو ستونے زسنگ	از پیِ سقفِ فلکِ شیشہ رنگ
سقفِ سما کز کہنی شد نگوں	در تہ او داشتہ سنگیں ستوں
تا سرش از اوج بگردوں شتافت	گنبد سنگ فلک سنگ یافت
آن کہ زبر سرش افسر شدہ است	سنگ ز نزدیکی خور زر شدہ است
سنگ وے از بس کہ بخورشید سود	زر در خورشید عیاری نمود



نقشہ ٹوٹی لاٹھ کا

سنجرِ سنگیں کہ ستونِ سپہر — آمدہ از مہر شدہ ہم بہر
گرنہ خرف شد فلک شیشہ ساز — از چہ بران سنگ بود شیشہ باز
دیدنِ او را کلہ افگندہ ماہ — بلکہ فتادش گہِ دیدن کلاہ
ماہ تخسپید ہمہ شب تا سحر — کز سرِ تختش خلہ دارد بسر
زاں خلہ ہر بار کہ در ابر داد — برق زجا جست و دگر جا فتاد
شد چو بلند از شرفِ نفسِ خویش — زد بہ بلندی بحق چرخ نیش
بر فلکش سایہ طرف بر طرف — تا فلکش پایہ شرف بر شرف
از پئے بر رفتنِ ہفت آسمان — کرد زمیں تا بفلک نردبان
گرد سرش کرد ہو دن چو گشت — قامتش از مسجدِ عیسی[1] گزشت
موذنش[2] آنجا کہ اقامت کشید — قامتِ موذنِ نتواند رسید
مسجدِ جامع ز درون چون بہشت — حوض ز بیرون شدہ کوثر سرشت

(از مثنوی قران السعدین)

مسجد قوۃ الاسلام کے متعلق یہ ایک آخری دلچسپ مقام ہے۔ یہ قطب مینار سے کوئی پاؤ میل کے فصل پر ہے۔

حضرت امیر خسرو اس ناتمام مینار کی نسبت لکھتے ہیں کہ "علاء الدین خلجی نے ایک دوسری مینار جامع مسجد کے جوڑ کی بنوانی چاہی جو اُس وقت سب سے مشہور مینار تھی اور منشا یہ تھا کہ یہ منار اتنی بلند ہو کہ جس سے زیادہ اونچا کرنا ناممکن ہو۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ قطب مینار سے اس کا دَور دُگنا ہو اور اسی مناسبت سے وہ بلند بھی کی جائے (تاریخ ہند مصنفۂ الیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۷۰)"

ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ افسوس ہے کہ بادشاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ جاں بحق ہو گیا۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں — سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

---

[1] بیت المقدس ۱۲

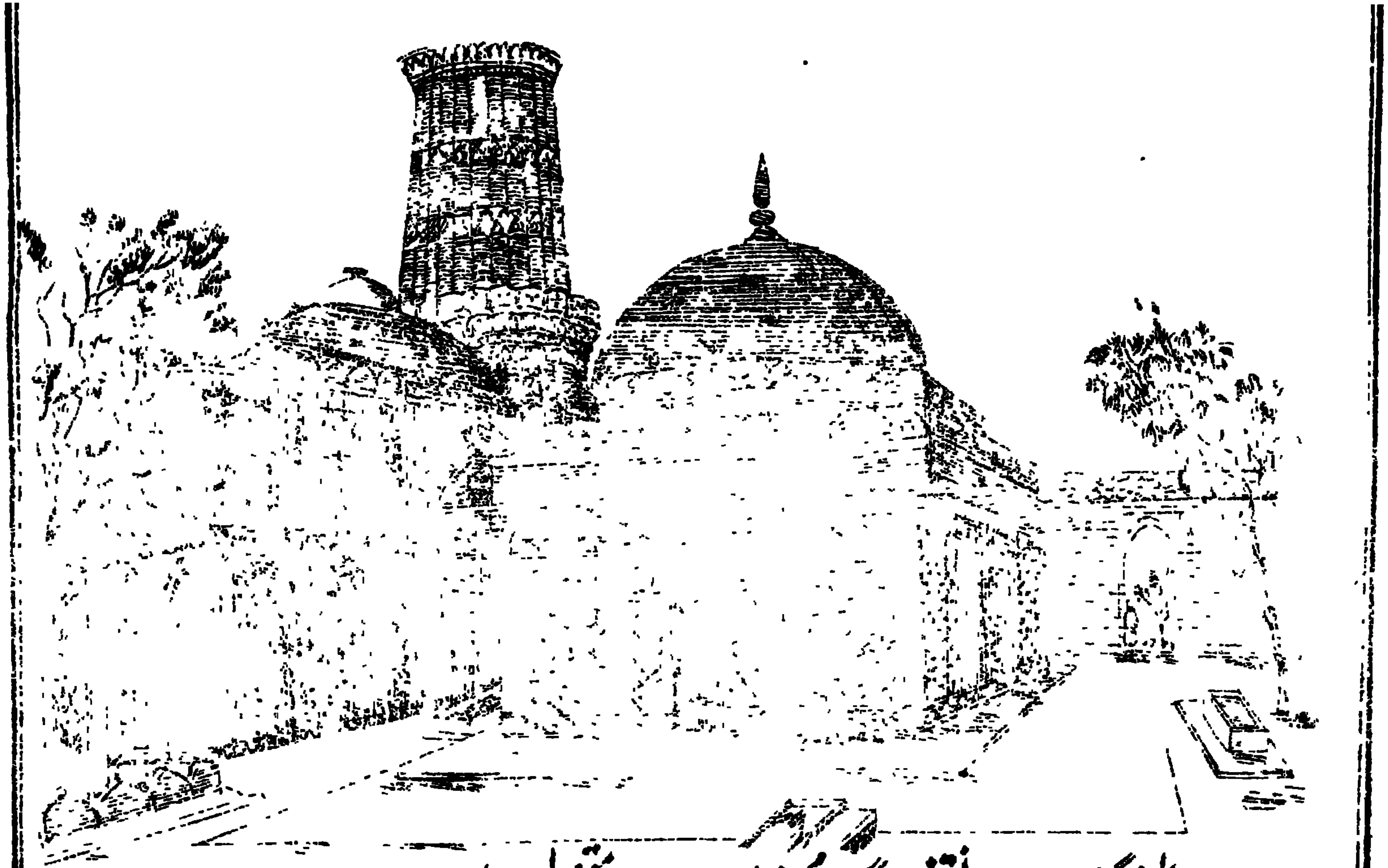
[2] موذن ظرف از اذان بمعنی مکبرہ کہ موذن بر آں ایستادہ اذان می گوید۔ ۱۲

مینار کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہی کہ بنتے بنتے رہ گئی - جتنی بنی ہو صرف ایک ڈھانچ ہی اُس عظیم الشان مینار کا جس پر بہت کچھ صناعی صرف کی جانے والی تھی - ایسی حالت میں اس بات کا اندازہ کرنا فضول ہی کہ اس کا رو کار کس قسم کا بنانا مرکوز خاطر تھا - موجودہ حالت اس کی یہ ہی کہ پائے میں ہمیں ضلعے ہیں جن میں ہر ضلع آٹھ فیٹ کا ہی - بقول کننگھم صاحب مینار کی شکل بظاہر ایک بڑے بھاری سائکل wheel (وہ پہیہ جس میں دانتے بنے ہوئے ہوں) کی سی ہی - اس میں تمام تر سنگ خارا لگا ہوا ہی - اس کا چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۴ فٹ ۳ انچ اونچا ہی - کننگھم صاحب اس کا دور ۲۵۷ فٹ بتلاتے ہیں اور کار سٹیفن صاحب ۲۵۴ فٹ اور فرینکلن صاحب جنھوں نے اس مینار کو (۱۲۲) برس اول دیکھا تھا ۲۵۲ فٹ دور بتلاتے ہیں - بیرونی دیوار کا آثار ۱۹ فٹ ہی اور کل مینار کرسی سمیت ۸۰ فٹ بلند ہی - مینار کا قطر جس کے اطراف چکر دار زینہ بنانا مقصود تھا ۱۰ فٹ ہی اور زینے کی چکلان ۹ فٹ - ۹ انچ - اس مینار کی تعمیر ۱۳۱۱ھ میں شروع ہوئی اور علاء الدین خلجی کی وفات سے ۱۳۱۵ء میں ملتوی ہو گئی -

عام حالات

یہ عام حالات اُس مشہور مسجد قوت الاسلام کے تھے جسے مسجد آدینہ اور جامع دہلی بھی کہتے تھے - اس مسجد کو قطب الدین ایبک نے مندروں کو توڑ کر اُن کے مال مسالے سے بنایا تھا - مندروں کو ہاتھیوں سے ڈھوایا گیا اور جو پیہ لوٹ کا ہاتھ لگا سب اس مسجد میں لگایا گیا - اس مسجد کے سامنے شمس الدین التمش نے بکرماجیت کا بت جسے مہاکال کے مندر سے لایا تھا ایک نتبذل مقام پر رکھا تھا - اور اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی نے ۱۲۹۷ء میں سومنات کے مندر کی لوٹ کے بعد جو بت وہاں سے لایا تھا اور جس کے لئے ایک ہزار اشرفیاں ملتی تھیں مگر قبول نہ کیں - اُس بت کے ٹکرے ٹکرے کر کے اسی مسجد کے دروازے کے فرش میں لگا دیا تھا چنانچہ مسٹر بگلر کی کھدائی میں

سلہ یہ لفظ میرا نہیں ہی بلکہ سٹیفن صاحب نے یہی لفظ استعمال کیا ہی - ۱۲



نقشۂ درگاہ امام ضامن مع دروازہ متصل لاٹھ

رد جب سنگ سیاہ کے مسجد کے شمالی دروازے میں گڑے ہوئے نکلے تھے ۱۳۹۸ء میں پرانی دلی کے ملحدوں نے اس مسجد کو لوٹ ڈالا اور تیمور کے تسلط کے ابتدائی دنوں میں ہندو بھاگ کر اسی مسجد میں چھپے تھے۔ تیمور نے اُن کا تعاقب مسجد تک کیا۔ اُس زمانے میں دلی کے تین شہر جدا جدا تھے۔ سب کو یکے بعد دیگرے دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے (۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) میں ابن بطوطہ نے اس مسجد کو دیکھا تھا اُس نے لکھا ہے کہ "اس شہر کا جواب کیا بلحاظ اُس کی عظمت اور وسعت کے اور کیا باعتبار حسن و خوبی کے دنیا کے پردے پر نہیں ہے"۔

امام ضامن کا مقبرہ
۹۴۴ھ
۱۵۳۷ء

آپ کا نام امام محمد علی اور آپ کا مزار "سید حسن پا پنار" کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں آپ مشہد مقدس سے تشریف لائے تھے۔ آپ کو مسجد قوت الاسلام کے متعلق کوئی بڑا عہدہ تھا آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نہایت خوب صورت مختصر سا گنبددار مقبرہ ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں بنوا لیا تھا اور اسی میں آپ آسودہ ہیں۔ مقبرہ علائی دروازے سے لگا ہوا کوئی دس گز کے فاصلے سے ہے اور اب تک نہایت عمدہ حالت میں زمانے کی دست برد سے محفوظ ہے۔ یہ مقبرہ ۲۴ فٹ مربع اور ۵۴ فٹ اونچا ہے۔ اس مقبرے کے تین طرف سنگ سرخ کی جالیاں ہیں۔ جنوبی دیوار میں اندر جانے کا دروازہ ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے جس کے دونوں طرف اُسی وضع کی جالیاں ہیں جیسی کہ سامنے وار ہیں۔ چاروں کونے کے چار ستون ملا کر مقبرے کے بارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں کے بالائی حصوں اور بیٹھک میں نقاشی کا بہت کام ہے۔ بالائی حصے سے محراب کی گولائی شروع ہوتی ہے اور ایک چھجہ گنبد کے چاروں طرف ہے جس سے چار فیٹ چھت کے اطراف ایک نہایت خوش نما اور آراستہ سنڈیر ہے۔ گنبد سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر اُس کے اوپر پلاستر کر دیا گیا ہے جس پر وقتاً فوقتاً سفیدی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ مقبرے کی چھت پست ہے لیکن بہت خوب صورت اور خوش وضع ہے جو ہشت پہل چار دیواری پر بنی ہوئی ہے۔ قبر سنگ مرمر کی (۷) فٹ لمبی۔ ۴ فٹ چوڑی۔ ۱۸ انچ اونچی بالکل

سادی سی سوڈی ہو۔ قبر کے سراہنے سنگ سرخ کا ایک طاق دو فیٹ اونچا ہو۔ گنبد کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک بڑی تختی پر بخط نسخ وطغری چار سطر کا یہ کتبہ جو بہت پیچیدہ ہو اور بہ مشکل پڑھا جاتا ہو:۔

(پہلی سطر) بسم اللہ الرحمن الرحیم وظیفہ حمد و دعائیکہ مجاوران حظیرۂ قدس و ساکنان روضہ انس باں قیام نمایند نثار خداوند کہ مقربان درگاہ او دنیا و آخرت را فدائے راہ او نمودہ و نقد جان و دل پیکر این گل را صرف بارگاہ او

(دوسری سطر) فرمودہ و درر درود وافر و تحیات متکاثرہ بہ مشہد معظم و حظیرۂ منور شفیع روز محشر و آل اصحاب طہر و واصل و متواصل باد و بحضرت موفی الخیرات و مبشر البریات توفیق ازلی رارفیق حضرت ہدایت مرتبت صفوت محمد علی حسنی شرف

(تیسری سطر) حسنی نسبت عمدۂ سادات عظام خلاصۂ اتقیاء کرام عیسی عالم تجرید موسی کوہ عزلت و تفرید المؤید من عند اللہ الغنی قطب الملۃ والطریقۃ سید حسنی الحسینی گردانید تا این بقعۂ شریف و منزل لطیف را احداث نمودہ وصیت فرمود کہ چوں

(چوتھی سطر) مدت کہ اللہ یک قیامت پیوند باد لبسر آید و بتشریف ادخلوہا بسلام آمنین مشرف گردید بسوی حظیرۂ قدس و روضۂ انس پرواز نماید مقبرہ فایض الانوار حضرت این بقعہ نامدار فرمان باشد التمام ہذہ البقعۃ فی شہور سنہ اربع و اربعین وتسعمائۃ -
۹۴۴ھ

آہنی ستون یا لوہے کی لاٹ اُس مشہور آہنی ستون کو جسے لوہے کی لاٹ کہتے ہیں اُس کو مشہر پر نسب راجہ دھاوا ایک معروف شخص سے منسوب کرتے ہیں اس کی اصلی حقیقت بھی زمانے کی تاریکی میں نظر

باقی اور اس کے متعلق روایات بھی ایسی ہی گڑھی ہیں جیسے کہ اس بانی کا شخص
معلوم نہ ہونا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ستون راجہ اننگ پال اول کا بنایا ہوا ہے جو رائے پتھورا کے مندر
میں استادہ کیا گیا تھا۔ جب اس مندر کو توڑ تاڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنا لیا
تو اس ستون کو جہاں پہلے سے کھڑا تھا وہیں چھوڑ دیا لیکن روایت یا روایت کسی سے
بھی اس کے بانی یا غرض بنا پر روشنی نہیں پڑتی۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کا خیال ہے کہ یہ ستون
جس پر دھاوا کا کتبہ کھدا ہوا ہے اپنی اصلی جگہ پر برقرار نہیں ہے بلکہ وہ کسی وشنو کے
مندر میں تھا۔ یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ وشنو کا مندر اور وشنو پادری کہاں واقع
تھے۔ اگرچہ مسجد قوت الاسلام میں اب بھی دسویں اور گیارھویں صدی کے
جینی۔ شیو اور وشنوی مندروں کے پتھر لگے ہوئے موجود ہیں۔ اس ستون کے
اس مقام پر کھڑے کیے جانے کی کوئی معقول وجہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوئی۔ یہ
ستون مصفا اور مجلی بنائے ہوئے لوہے کا ہے۔ چاند نامی شاعر نے کہا ہے کہ
راجہ نے سونا لوہا منگوا کر گھڑوایا پھر لوہاروں نے اس کا ایک ... پانچ ہاتھ
لمبا بنایا۔“ کانٹو ادل پرتھی راج ریاسا“۔

سر سید اسے ڈھلے ہوئے لوہے کا لکھتے ہیں۔ مسٹر ... اور دیگر
اصحاب نے اس ستون کو پنچ رسی دھات کا کہا ہے جو ... دوسرے
مرکب اجزا سے بنا ہے۔ جیکوے مانٹ Jacquemont اس
ستون کو نرم لوہے کا بتلاتا ہے۔ ڈاکٹر مرے طامسن جنھوں نے جنرل کننگھم کی
خواہش پر اس کے ایک ٹکڑے کی کیمیائی تجزیہ کی تھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ستون صرف
نرم لوہے کا نہیں ہے بلکہ یہ مختلف چند دھاتوں سے بنا ہے۔ جو گھڑا جا سکتا ہے اور جس کا
ثقل مخصوص Specific gravity ۷۶۶ء۷ ہے۔ لیکن ڈاکٹر
بھاؤ جی کو اصرار ہے کہ اس ستون میں لوہا مطلق نہیں ہے بلکہ یہ مختلف دھاتوں کا
مرکب ہے۔ اس ستون کی ٹھیک بلندی ۲۳ فٹ ۸ انچ ہے۔ موجودہ فرش بننے
کے پیشتر ۲۲ ½ فیٹ کے قریب اوپر تھا اور قریب چودہ انچ کے زمین کے اندر
گڑا ہوا تھا۔ ستون کی جڑ نے قاعدہ لٹو کی شکل ہے جو چھوٹی چھوٹی آہنی سلاخوں پر
ٹکی ہوئی ہے اور ستون کو سیسے سے پتھر میں جما دیا گیا ہے۔ ستون کی برجی نما چوٹی

۲۴ فیٹ لمبی ہے اور صاف حصہ ستون کا ۱۵ فیٹ لمبا ہے۔ باقی حصہ بن گھڑا ہے جس
جوڑ بھی اچھی طرح سے پیوست نہیں کیئے گئے۔ ستون کے حصۂ اسفل کا قطر ۱۶ء۴
انچ ہے اور بالائی حصے کا قطر ۱۲٫۰۵ ہے۔ اس ستون پر لوگوں نے گولیاں بھی چلائی
ہیں اور دو نشان توپ کے گولوں کے بھی موجود ہیں جو ستون کے پہلو کو چاٹتے ہوئے
نکل گئے ہیں مگر ستون کے درمیانی حصے کو کوئی نقصان نہیں پونہچا۔ اس ستون
کے متعلق بہت سی روایات زبان زد خاص و عام ہیں۔ جنرل کننگھم نے جو قول کچھ
ٹھور ٹھکانے کے تھے سب اکھٹے کر لیئے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ
ستون اننگ پال کا بنوایا ہوا ہے جو بیلان دیو کے نام سے مشہور تھا اور تنوار خاندان
کا بانی تھا۔ راجہ اننگ پال سے کسی بزرگ برہمن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ کھمب اچھی
طرح شیش ناگ (جس کے پھن پر دنیا ٹکی ہوئی ہے) کے سر پر مضبوط طور پر گاڑ دیا جائیگا
تو جس طرح یہ ستون اٹل رہے گا اُسی طرح تیری سلطنت بھی ابد قرار رہے گی
غیر ستون تو گڑ گیا لیکن راجہ کے دل میں کھد بدی لگ رہی تھی اور اُس کو اس
بات کا یقین نہ آیا اور دل میں کہا کہ لاؤ برہمن کی بات کو آزما کر تو دیکھیں چنانچہ اُس نے
اس ستون کو اُکھڑوا دیا تو یہ بات عجیب وغریب دیکھ کر اُس کے ہوش و حواس باختہ
ہو گئے کہ ستون کی جڑ ساری خون سے بھری ہوئی تھی کہا یہ تو برہمن کی بات سچ
تھی۔ یہ ستون سانپ کے سر پر گڑا ہوا تھا اور یہ خون اُسی کا ہے۔ راجہ گھبرایا اور کہا کہ
جو نہ ہونا تھا سو ہوا خیر اب کسی نہ کسی طرح اسے پھر جوں کا توں گاڑ دو۔ پھر ہزار
کوشش کی مگر ستون کو نہ جمنا تھا نہ جما۔ زمین میں وہ اچھی طرح نہ پھنسا اور سوراخ میں
ڈھیلا رہا۔ وہ جو سانپ تھا جس کا سر ستون کے بوجھ سے دبا ہوا تھا وہ چلتا ہوا۔

ع اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹا لکیر۔ چنانچہ یہ دوہا مشہور ہے:۔

کِلّی تو ڈھِلی بھئی۔ تُمار بھیا مت ہین

یعنی ستون تو ہو گیا ڈھیلا اور تمار خاندان کی مراد پوری ہوئی۔ اسی حکایت کو مختلف
طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ چاند نامی شاعر نے تو اس پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی
جس کا نام "پرتھی راج روسا در باب کلی ڈھلی کتھا" ہے اس نے بھی بجنسہٖ وہی قصہ
لکھا ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ اس واقعے کو راجہ اننگ پال

منسوب کرتا ہی۔ ریاست گوالیار کا کمرگ بھاٹ اس واقعہ کا سال ۸۰۳ع بتلاتا ہی۔ اور مسٹر سید راسی پہتورا خاندان ہنود کے آخری راجہ کے زمانے میں اس امر کا وقوع کہتے ہیں۔ مسٹر وصیل اس ستون کو پانڈو راجاؤں کا کہتے ہیں بقول چاند تنگ پال ثانی نے ایک بہا بزرگ بیاس نامی سے اپنے پوتے کی پیدائش کی نیک ساعت دریافت کی۔ اُس نے کہا کہ "یہ ساعت بہت نیک ہی۔ تمھارے راج کو زوال نہیں جس کی جڑ شیش ناگ کے پھن پر گڑی ہوئی ہی"۔ لیکن راجہ کو بیاس کی بات کا یقین نہ آیا۔ تب بیاس نے اپنی بات کی تصدیق یوں کرائی کہ ایک لوہے کی سلاخ لی اور اُسے ساٹھ اُنگل زمین میں یہاں تک دھنسایا کہ وہ سانپ کے پھن تک جا پونہچی تب اُس نے سلاخ کو نکالا اور راجہ کو دکھلایا کہ لو دیکھو اس کا سرا اُسی شیش ناگ کے خون سے بھرا ہوا ہی یا نہیں۔ تب بیاس نے راجہ سے کہا کہ تو نے میری بات نہ مانی۔ اب کیا ہو سکتا ہی۔ تیرا راج اس سلاخ کی طرح ڈگمگا گیا ہی یعنی متزلزل ہو گیا اور یہ دوہا کہا:۔

بیاس جگ جوتی یوں بولا یہ باتیں ہونے والی ہیں

تُمار تب چوہان اور تھوڑے دنوں ہیں ترک

کلکتہ جرنل میں ایک شخص نے جو تراسی برس ہونے آئے کہ دلی گیا تھا ایک مضمون لکھا تھا کہ مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ستون کے برباد کرنے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی۔ نادر شاہ کا حکم نادری اس کو کھود کر پھینک دینے کا ہوا۔ لیکن مزدور کام نہ کر سکے۔ سانپ نے اپنا پھن ہلانا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک سخت زلزلہ بھی آیا۔ دوسرے وسلے میں مرہٹوں نے اس پر ایک بھاری توپ لگا دی لیکن اُس سے بھی کچھ نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ گولے کا تو ایک نشان پڑ گیا۔ یہ لوہے کی لاٹ بناوٹ کے لحاظ سے تو کوئی عجیب وغریب یا قابلِ قدر چیز نہیں ہی۔ اس پر کا کتبہ البتہ قابل قدر ہی۔ اُن کتبوں میں سے جو اس پر کھدے ہوے ہیں یہ بات تعجب کی ہی کہ جو کتبہ سب سے پرانا ہی وہی سب سے زیادہ صاف اور واضح ہی۔ بعض لوگ اس کتبے کو چھٹی عیسوی

سلہ یہ دوہا اصل نہیں ہی بلکہ ترجمہ ہی ۔۔ ۱۲

صدی کا سمجھتے ہیں۔ سنہ ۱۸۲۸ء میں کپتان آرچر۔ لارڈ کامبرمیر کے ساتھ ممالک مغربی وشمالی کے دورے کو آئے تھے تو انھوں نے اس کتبے کو دیکھ کے کہا کہ وہ ایسے قدیم خط میں ہے کہ اسے کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا۔ سنہ ۱۸۳۴ء میں لفٹنٹ ولیم ایلیٹ نے بشپ کالج کے ڈاکٹر مل کے لیے اس کتبے کا چربہ اتارا تھا لیکن وہ کچھ ایسا غلط اترا کہ ایک لفظ بھی پڑھا نہ گیا۔ چار برس بعد کرنل برٹ نامی Col. Burt نے جو بنگال کے ایک انجینیر تھے انھوں نے البتہ اس بارے میں کچھ کامیابی حاصل کی اور ہمارے سب سے بڑے ماہرین آثار قدیمہ مسٹر جیمس پرنسپ James Princep نے اصلی کتبے کو من وعن اتارا اور زمانۂ حال کی مروجہ ناگری اور انگریزی میں ترجمہ کر کے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل میں چھپوا دیا۔ لیکن مسٹر پرنسپ کے ترجمے پر بمبئی کے مشہور اور نامور ڈاکٹر بھاؤ داجی نے بڑی حرف گیری کی ہے اور ۲۴ اپریل سنہ ۱۸۷۱ء کو اسی سوسائٹی میں ایک بڑا فاضلانہ مضمون پڑھا۔ اس کتبے کا خط قدیم زمانے کی ناگری ہے جس کو زمانہ پرنسپ اور جنرل کننگھم صاحبان تیسری یا چوتھی صدی قرار دیتے ہیں مگر ایڈورڈ ٹامس طرز تحریر کے لحاظ سے اس کو اس سے بھی زیادہ پرانا خیال کرتے ہیں۔ جنرل صاحب اس تحریر کو گپتا کے زمانے کے خط تحریر کے مماثل بتلاتے ہیں لیکن ڈاکٹر بھاؤ داجی جن کی رائے سے دلی کے علمائے سنسکرت متفق ہیں اس کو گپتا ... ملنے کے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ لفظوں کے ... رواج گپتاؤں کے زمانے کے بعد دیکھا گیا ہے۔
اس کتبے کی روش کتابت مان کھاڑی کے اُن دو کتبات سے زیادہ ملتی جلتی ہے جو ملک بہار کے ... پہاڑی غاروں پر ہیں یعنی اننتا ورم کے غار جو ناگر جونا اور برابر میں ہیں۔ مسٹر شیفن صاحب طرز کتابت اور نشست الفاظ کے لحاظ سے اس کتبے کو عیسوی پانچویں صدی کے آخر یا چھٹی صدی کے شروع کا قرار دیتے ہیں۔ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی بھی ایک ... تاریخی ... ہیں انھوں نے بھی اس ستون کی بابت یہی لکھا ہے جو ہم لکھ آئے۔ انھوں نے جو کچھ مزید روشنی ڈالی ہے اس کو ہم ناظرین کے ملاحظے کے لیے لکھتے ہیں ... یہ کہ گردش زدہ اثرے وارد۔ یہ ستون عالی راج پرتھی راج کے اجاڑ مندر کے بیچوں بیچ میں اکیلا کھڑا ہوا اپنی عظمت اور شان و شوکت دکھا رہا ہے۔ اس کے کتبے کا

عجیب و غریب خط اس کی اس سنہ شمار قدامت کو بتلاتا ہے جو اس کے بانی راجہ چندر گپت پسر راجہ سمدر اگپت و پدر راجہ کمار گپت کے زمانے کو گزرا۔ چندر گپت ایک بڑا جری اور ایک بڑے خاندان کا شخص تھا۔ ہندوستان اور دوسرے راجہ اس کے تابع فرمان تھے اور وہی سب کا سرد ھرا تھا۔ راجہ وشنو کا پیرو تھا اس نے پانچویں صدی کے اوائل میں یہ ستون سری وشنو کا جھنڈا چڑھانے کو لوہے کا ڈھلوایا۔ باوجود اس قدر زمانہ مدید گزرنے کے موسمی اثرات سے محفوظ اور جوں کا توں کھڑا ہے اس کا بڑا بھاری وزن اس کی گولائی اور موزونیت۔ اس کے یہاں لانے اور کھڑے کرنے کی زحمت اور وہ مشینیں جن کے ذریعے سے اتنی بھاری لاٹ یہاں کھڑی کر دی گئی انسان کو متعجب اور محو حیرت بنا دیتی ہے۔ کتبے میں بانی کا نام "چندرا" ہے جس کا چہرہ چاند کی طرح چمکتا تھا۔ چندرا سے مراد چندر گپت ثانی ہے۔ یہ بات ہم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کتبے کی طرز کتابت بالکل اس راجہ کے عہد کی تحریر سے ملتی جلتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ چندر گپت ثانی ہی وشنو کا بڑا پجاری تھا اور یہ لاٹ بھی وشنو کے مندر کی ہے۔ چندر کے ساتھ گپت کا لفظ محض نظم کی رعایت سے چھوڑ دیا گیا ہے جیسے رام چندر کو رام اور بھیم سین کو بھیم بطور اختصار کہہ دیا کرتے ہیں۔ کتبے میں لکھا ہے کہ یہ ستون وشنو پا کے پہاڑ پر گاڑا گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں اب یہ ستون گڑا ہوا ہے اسی کا نام

ـــــــــــــــــــ

۱؎ گپتا خاندان کا زمانہ ۳۲۰ء—۵۴۳ء تک رہا ہے۔ چندر گپت اول ۳۲۰ء اور سمدر اگپت ۳۳۰ء اور چندر گپت ثانی جس کو بکرماجیت بھی کہتے تھے اور جس نے مالوہ اور اجین کو فتح کیا تھا اور سمت چلایا ہے وہ بھی اسی کا ہے اس نے ۳۷۵ء—۴۱۳ء تک راج کیا اور ۴۱۳ء میں اس کا بیٹا کمار گپت اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا۔ عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سمت بکرمی ۵۸—۵۷ ق۔م کسی راجہ سے جو بکرماجیت یا راجہ بکرم اجین کا تھا متعلق ہے یہ بات غلط ہے اس زمانے میں اس نام کا کوئی راجہ ہی نہ تھا اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے مالوے میں اس سمت نے رواج پایا اور غالباً اجین کے نجومیوں کا نکالا ہوا ہے چنانچہ پہلے اس کا نام مالوہ سمت تھا۔ بکرم کال کی اصطلاح سنہ جو بعد میں رواج پایا۔ بکرماجیت کے نام کے کئی راجہ گزرے ہیں ان میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا جو سمت کا بانی سمجھا جاتا ہے لیکن وہ دراصل چندر گپت دوم تھا جس نے ۳۹۰ء میں اجین کو فتح کیا تھا اور اسی وقت سمت گپتا اور سکے کے نام بدل کر وکرم اور سالیوہن علی الترتیب رکھ دیے گئے (از تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ سمتھ صفحہ ۱۸ و ۹۹ ۔ X نوٹ (۲) بر صفحہ ۱۲ ...)

وشنو پاد تھا - دوسرے لوگ ناقل ہیں کہ نہیں یہ ستون متھرا سے لایا گیا ہے - پنڈت جی ایک تیسری بات کہتے ہیں کہ اُن کی رائے میں گیا کی ایک بڑی تیرتھ گاہ سے لایا گیا تھا کیونکہ وہاں وشنو پادے کے نام کا ایک پہاڑ الی یومنا ہذا موجود ہے - بڑی خرابی یہ آن پڑی ہے کہ کتبے میں کوئی سن ہی نہیں تو ساری باتیں محض قیاسی ہی ٹھیرتی ہیں - اب جو کچھ بھی کہنا سننا ہے اُس کا دارمدار طرز کتابت پر ہے اور اسی پر سے چندر گپت ثانی پر بات آن ٹھیری جس کا زمانہ سمت بکرماجیت (۴۰۰) ہوتا ہے - اور اس کتبے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ لاٹ تو چندر گپت نے بنوا کر کھڑی کرائی لیکن یہ کتبہ اُس کی وفات کے بعد غالباً اُس کے بیٹے کمار گپت نے کندہ کرایا - کتبے کی پہلی سطر کا خط دوسری سطروں سے بہت مختلف ہے - اس

نوٹ صفحہ گذشتہ

۵ اس آہنی ستون کو کہیں اور سے لا کر سطح زمین پر کھڑا کر دینا بلحاظ اُن غیر معمولی واقعات کے جو دوسری جگہ ہو چکے ہیں مجھ کو تو کچھ بھی تعجب نہیں معلوم دیتا - بیجاپور کی مشہور توپ "ملک میدان" جس کے دہانے میں آدمی بیٹھ کر پگڑی باندھ لیتا ہے اور جس کا وزن [illegible] ہے وہ ۹۵۶ھ / ۱۵۴۹ء میں بنی احمد نگر میں ڈھالی سے پرنیڈے کو لائی گئی جو (۵۰) میل کا فاصلہ ہے اور برج پر چڑھائی گئی خیر یہاں تک بھی غنیمت تھا - اس زمانے میں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ پل تھے اتنی بڑی بھاری توپ کو لنگوٹے کی طرح اُڑا لئے اُڑا لئے پھرے ۱۶۳۲ء میں سو میل کی مسافت طے کر کے بیجاپور لائی گئی اور وہاں کے سب سے اونچے شرزہ برج پر ۱۰ صفر ۱۰۴۲ھ کو چڑھائی گئی - ہم کو حیرت ہے کہ اُس زمانے میں جر ثقیل کے آلے تھے نہ بڑے بڑے کرین تو اتنی بھاری توپ سیکڑوں کوس کچے رستوں ندی نالوں میں احمد نگر سے پرنیڈہ اور پرنیڈہ سے بیجاپور اور بیجاپور سے مشہور جنگ تالی کوٹہ میں ۱۵۶۵ء میں بڑے بڑے دو دریا بھیما اور کشنا عبور کر کے کیسے گئی ہوگی اور پھر کس وقت سے بیجاپور واپس لائی گئی ہوگی - قلعہ پرنیڈہ کے عالی شان برج پر اس کا چڑھانا اور اُتارنا اور نیز بیجاپور کے اُس برج پر جو سب سے بلند ہے چڑھانا اُتارنا اور پھر چڑھانا درحقیقت انھیں لوگوں کی ہمت اور حوصلے کا اقتضا تھا - اسی طرح قلعہ رایچور کی فصیل میں ایک بڑا بھاری پتھر جو ۴۱ فٹ ۵ انچ لمبا اور تین فیٹ چوڑا ہے جو ۶۹۴ھ / ۱۲۹۴ء میں چڑھایا گیا کیوں کر چڑھا ہوگا - دور کیوں جائیے خود دلی میں فیروز شاہ کے کوٹلے میں پتھر کی ایسی بھاری لاٹ اتنی دور موضع نہیرے سے جو (۱۲۵) میل کا فاصلہ ہے - کیوں کر لائی گئی ہوگی اور اتنی اونچان پر ۷۵۷ھ / ۱۳۵۶ء میں کیسے کھڑی کی گئی ہوگی اور ٹوٹی کیوں نہیں ۱۲

کتبے کا چربہ پہلے پہل مسٹر سٹورٹ نے اپنی کتاب ایکس کرژن (Excursions)
میں دیا ہے جو اب دستیاب نہیں ہوتی۔ سرسید نے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ
۱۲۶۳ھ میں بھی اس کی نقل اور ترجمہ دیا ہے۔ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی نے بھی ایک
ترجمہ کیا ہے جو لاٹ کے سامنے والی دیوار میں سنگ مرمر کی تختیوں پر ناگری۔ اردو۔
انگریزی زبانوں میں الگ الگ لگا دیا گیا ہے۔ کار سٹیفن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ
۱۹ پر یہ چربہ دیا ہے۔ اور صفحہ ۲۰ پر پرنسپ صاحب کا ترجمہ اور صفحہ ۲۱ پر ڈاکٹر بھاؤ جی
کا ترجمہ۔ چربہ میں نے اس واسطے نہیں اُتروایا کہ بے کار ہے۔ پڑھ کون سکے گا
ناگری خط میں اُس کی نقل ناگری داں پڑھ لیں گے وہ یہ ہے۔ ناظرین سب ترجمے دیکھ لیں گے
اور اپنی جگہ فیصلہ کر لیں کہ کونسا ترجمہ دل لگتا ہے۔

کتبہ زبان سنسکرت

यस्योद्वर्तयतः प्रतीप मुरसा शत्रून समे त्यागता। न्वङ्गष्व
हववर्तिनेभिलिखिता खड्गेन कीर्तिर्भुजे ।१। तीर्त्वा सप्त
मुखानियेन समरे सिन्धोर्ज्जिता बाल्हिका। यस्याद्याप्यधि वास्यते जलनिधि
र्वीर्यानिलैर्द्दक्षिणा ।२। खिन्नस्येव विसृज्यगां नरपतेर्गामाश्रितस्यतरां।
मूर्त्या कर्म्मजिनावनींगतवनः कीर्त्या स्थितस्य क्षितौ ।३। शान्तस्येव महा
वने हुतभुजो यस्य प्रतापो महाचाद्याप्युत्सृजाति प्रणाशितीरपोर्यत्नस्य
शेषः क्षितिम् ।४। प्राप्तेन स्वभुजार्जितञ्च सुचिरं चैकाधिराज्यं क्षितौ
चन्द्राव्हेन समग्रचन्द्र सदृशीं वक्त्राश्रियंभ्रता ।५। तेनायं प्रणि
धाय भूमिपतिना भावेन विष्णौ मतिं। प्रांशुर्विष्णुपदे गिरौ भग
वतो विष्णोर्ध्वजः स्थापितः ॥६॥

یکار اردو ترجمہ

(۱) اُس شخص نے کہ جس نے یہ خبر سنی کہ میرے دشمن ابھی سپاہ اور رفیقوں کے ساتھ مجھ سے لڑائی اور مورچے بندی کی طیاری کرتے ہیں ایک آلہ شہرت کا کھدوایا جس طرح کہ اُس کے اعضائے دشمنوں پر جو شخص کہ مالک سات سلطنت کا تھا اُس نے دریائے سندھ عبور کر کے سندھیوں کی قوم وہلیکار کو دبالیا اُس کی باقاعدہ فوج اور گھاتیں جو جنوب اُس دریا کے تھیں اس زمانے میں بھی پاکیزگی کے ساتھ یاد ہیں۔

) جس طرح کہ شیر ایک شکار چھوڑ کر دوسرا شکار پکڑتا ہے اسی طرح اُس نے اس دنیا کو چھوڑ کر اُس عالم پر قبضہ کیا یعنی مرگیا مگر اُس کی ناموری اب تک بھی زمین پر سبب اُس کے پہلے کاموں کی شہرت کے اگرچہ وہ اب مرگیا ہے لیکن اُس کے ہتھیار کرنے کی طاقت جو دشمنوں کا تباہ کرنے والا تھا اب تک عالم میں باقی ہے۔

۴) اُس شخص نے جس نے بوسیلۂ اپنی تلوار کی مدد تک زمین کی بادشاہت کی اور اس نے اپنے میں سورج اور چاند کی خاصیتیں اکٹھی کی تھیں اور اُس کے چہرے کی خوب صورتی شکل کو پورے کے تھی اُسی اجادہا واکا جس نے اپنا سر جھکایا پاؤں دشمنوں میں اور لگایا اپنا پاؤں اسی قدر پر تھا یہ اونچا ہتھیار یعنی لاٹھ دشمنوں کے نام پر جو قابل پرستش کے ہے بنایا ہوا دہاواکا

لطر پر نسپ کے انگریزی ترجمے کی اردو

پہلا سلوک۔ اُس نے جس نے اپنے دشمنوں کی اُن کی خندقوں میں جنگی طیاریاں سن کر اپنی بہتر...

۵ ترجمے کی مشکلات ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ ترجمے میں اصلی زبان کا لطف قایم رکھنا بڑا مشکل کام اور یہ تو ترجمہ در ترجمہ ہوا۔ پرنسپ صاحب اور بھاؤ داجی صاحب نے اصلی زبان سے انگریزی کیا اور پھر دونوں اپنی اپنی جگہ صحت کے دعوی دار اور پھر ایک دوسرے پر رض اور مطلب میں آسمان زمین کا فرق اور میں بے چارہ جو کسی شمار قطار میں نہیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں میری شرم خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اصل زبان سے میں نابلد خدا جانے کیا کا کیا ہو جائے بہر حال میں نے تو یہی کوشش کی ہے کہ انگریزی سے اردو ترجمے میں کوئی نقص نہ آئے

سپاہیوں اور معاونین کے ساتھ ایک شہرت کی یادگار (یا بازو) اپنی تلوار سے اُن کے بازوؤں پر منقوش کر دیا وہ جو مالک سات استفادوں کا مالک تھا (اسی طرح جیسے کہ گورنمنٹ کے سات بازو ہوتے ہیں) [دریائے سندھ کے] - کو عبور کر کے سندھ کے واہلیکوں کو ایسا مطیع کر لیا کہ تا یومنا ہذا بھی اُس کی آراستہ افواج اور حفاظت کا اُس جانب جنوب (دریا) کی بھی وہ مقدسانہ تعظیم کرتے ہیں -

دوسرا سلوک وہ جس نے جس طرح کہ شیر ایک جانور کو دبوچتا ہی اور دوسرے کو چھوڑتا ہی اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد اُس دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر لی - جس کا ذاتی وجود اب تک پر وہ دنیا پر بوجہ اُس کے کارہائے (سابقہ) کے اب تک باقی ہی جس کی قوت بازو اب بھی اگرچہ (کہ وہ) اب آرام میں ہی - (متوفی) اور اُس کی جبروت کا کچھ حصہ جو دشمنوں کا بیخ کن تھا اب بھی زمین سے ملصق ہی -

تیسرا سلوک - اُس نے جس نے اپنی قوت بازو سے غیر منقسم سلطنت ارضی پر مدتوں حکم رانی کی ہی وہ (جس میں اوصاف مجتمع تھے) اُجاند اور سورج کے جو چودھویں رات کی طرح حسین تھا - اسی راجہ دہاوا نے جس نے اپنا سر وشنو کے قدموں پر جھکا دیا تھا اور اپنی لو اُس سے لگا دی تھی - یہ بہت بلند بازو (ستون) واجب التعظیم وشنو کا بنوایا -

ڈاکٹر بھاؤ داجی کے انگریزی ترجمے کی اُردو

وہ جس کے دست قدرت پر شان وعظمت تلوار (کی نوک) سے منقوش ہی جب اُس نے علی التواتر اپنے مجتمعہ دشمنوں کے میدان جنگ میں (بمقام وگاس (بنگال؟) منہ پھیر دیئے - جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کر کے باہلیکوں کو جنگ

(نوٹ بر صفحۂ آئندہ)

ین مفتوح کیا جس کی شجاعت کی خوشبو سے نسیم اب تک جنوبی سمندر میں لطف۔
جس نے دنیا سے (دلی) کو من وھو سج (والم) میں چھوڑ کر دوسرے عالم میں
عرشں بریں) پر چلا گیا جو دار البقا کو جسمانی شکل میں چلا گیا لیکن اُس کی شہرت
اس زمین پر (بدستور) باقی ہی۔ جس نے اپنے بچے کھچے دشمنوں کو فنا کر دیا
جس کی بہادری مثل جنگل کی ایک بڑی بھڑکتی ہوئی آگ کے تھی۔ (اُس کی بہادری
زمین سے نہیں چلی (مٹ گئی) اور وہ جس نے اپنے قوت بازو سے اس خدا
ں ایک لاثانی سلطنت مدت ہائے دراز تک کی۔ جس کا چہرہ چودھویں رات
کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اس خداوند دنیا کا نام "چندرا" تھا جس نے
وشنو سے عقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے دل کو مطمئن کر لیا تھا اور جھنڈ
تھا) یہ جھنڈے کا کھم بھگوان وشنو کا وشنو پاڑا گری (وشنو کے نقش قدم کا پہاڑ)
پر تعمیر و استادہ کیا۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کہتے ہیں کہ میں نے جو کتبے کی نقل
لی ہے اُس میں کئی پرسٹر پرنسپ صاحب کی اُس نقل سے مختلف ہی جو اُنھوں نے جرنل میں چھاپی تھی
جس کو اُنھوں نے "دہاونا" پڑھا ہی وہ دراصل "بھاونا" اسی طرح "دھواج
بھواج" صحیح - اور اسی طرح جسے "چندرارکنا" پڑھا ہی وہ "چندرا وہنا" ہی۔
غلطی اس وجہ سے ہوئی ہی کہ حرف "دھا" پر ایک بھانٹا درمیان سے بائیں
طرف لگا دینے سے "دھا" ہو جاتا ہی۔ دہلوا سرے سے کسی راجہ کا نام ہی نہیں
ہی جس کو اس ستون کا بانی سمجھا گیا ہی بلکہ اس کا بانی چندرا راجہ ہونے میں
سی قسم کا شک نہیں ہی جو نروار راجاؤں کے خاندان میں سے تھا جس کے
سکے کا ذکر جنرل ... صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل نمبر ۳ بابت
۱۸۶۵ء میں کیا ہی۔ سکوں میں جن کی تحقیقات کی گئی ہی ایک سکے پر "چندرا" کا نام

لہ کیا ... خاندان کے راجہ تھے؟ جو یقیناً ... ء میں
... رہتے تھے اور جو سنہ ۲۶۳ء یا سنہ ۱۹۵ء میں نکالے گئے (دیکھو
رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جلد ہشتم صفحہ ۲۸) ابھی یہ بات تحقق نہیں ہی لیکن اگر یہ بات ثابت
ہو جائے تو یہ گتھی سلجھ جائے ۱۲-

[illegible] ہے۔ لیکن جنرل صاحب اس چندرا کو کوئی اور راجہ چندر راگپت خیال کرتے ہیں جو زمانہ مابعد میں ہوا ہے۔ مگر چندر گپتا خاندان کے کسی راجہ کا سکہ اس سکے سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں ملتا جلتا نہیں ہے۔ علاوہ اس کے سکے پر لفظ "چندرا" ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس میں گپتا کے لفظ کا بھی انضمام کیا جائے۔ سرسید اس ستون کو تیسری صدی عیسوی سے بھی پہلے کا بتلاتے ہیں۔ کتبے کی نسبت اُن کا خیال ہے کہ اس میں سمت نہیں ہے اس وجہ سے وہ ۵۷ ق م سے بھی زیادہ پرانا ہے کیوں کہ بکرماجیتی سمت کا رواج اس وقت سے قرار پاچکا تھا۔ سرسید کی رائے میں ستون کا بانی راجہ "مدھاوا" تھا جو یدھشٹر کی اولاد میں تھا اور جس نے ۸۹۵ ق م میں حکمرانی کی تھی۔ کار سٹیفن صاحب کی رائے میں ڈاکٹر بھاؤداجی ایک بڑے ماہر علم السنہ کے ہیں اُن کی رائے زیادہ بھروسے کے قابل ہے کہ کتبے کی روشن تحریر گپتا راجاؤں کے مابعد کے زمانے کی ہے اور دہلی کے تمام ذی علم اہل ہنود اور مسٹر ایڈورڈ طامس کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔

اس ستون پر اس بڑے کتبے کے سوا اور بھی چھوٹے موٹے کتبے کثرت سے ہیں جن میں سے کوئی بھی وقیع نہیں پھر بھی ہم نقل کیے دیتے ہیں۔

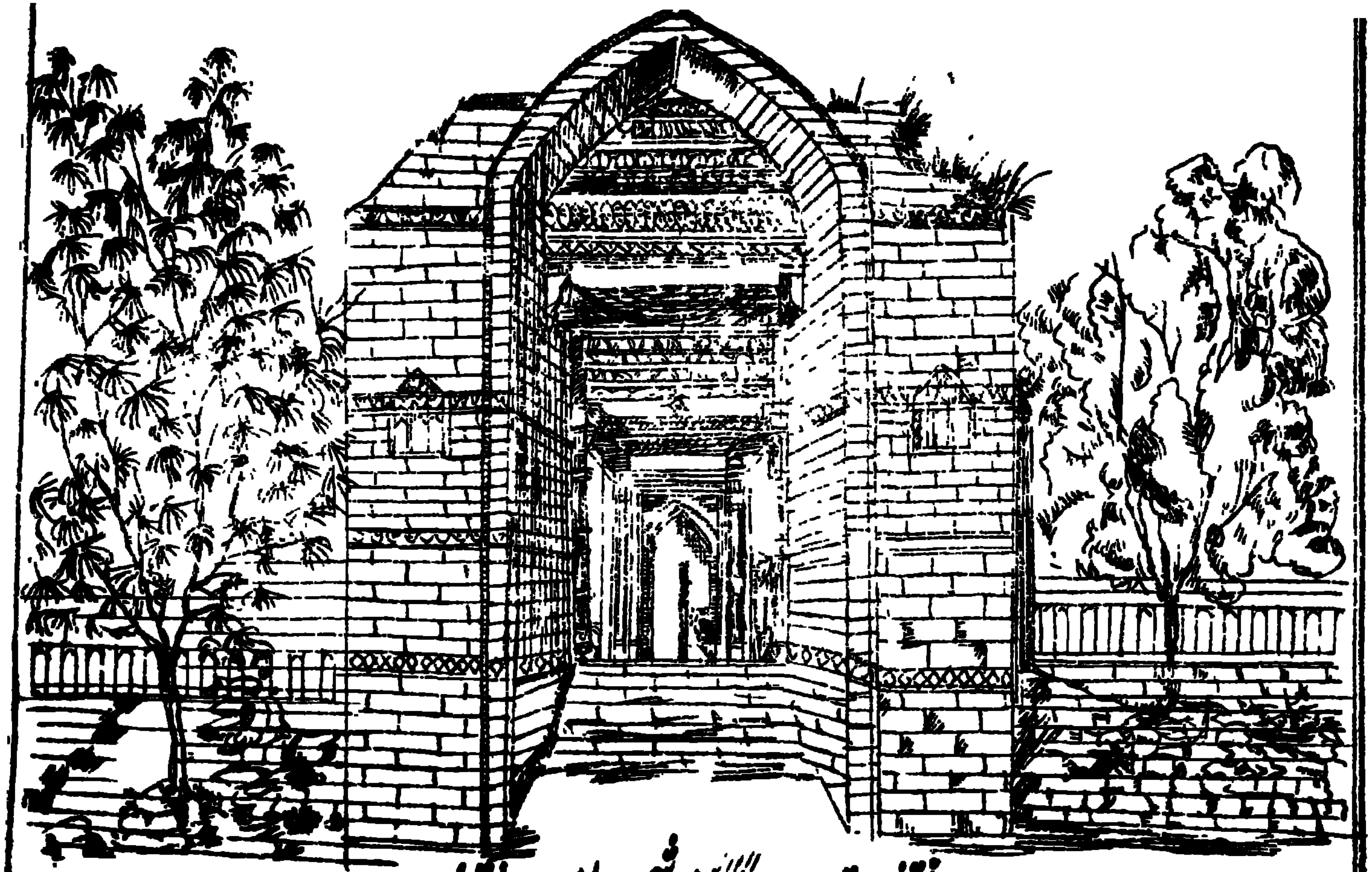
اننگ پال دوم سمت ڈہلی ۱۱۰۹ انگ پال بھائی" یعنی سمت ۱۱۰۹ (۱۰۵۲ء) میں اننگ پال نے دلّی کو آباد کیا۔ دو کتبے چوہان راجہ چترسنگھا کے ہیں جو رائے پتھورا کے خاندان کا تھا۔ یہ دونوں سمت ۱۲۲۹ (۱۱۸۱ء) کے ہیں۔ خود رائے پتھورا کا زمانہ سمت ۱۱۵۱ کا ہے۔ اب حال کا ایک کتبہ چھتری [illegible] سمت ۱۷۶۷ بندیلہ راجہ چندر پری کا ہے جس کے نیچے دو فارسی کے کتبے سنہ ۱۰۶۰ھ کے ہیں یہ صرف اُن لوگوں کے نام ہیں جو اس ستون کو دیکھنے آئے تھے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ ایسے مقامات پر خواہ مخواہ اپنا نام لکھ کر اپنا دل خوش کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ زمانہ ایسا مٹانے والا ہے کہ آج بڑے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا جیسیوں گنبد لکھوکھا روپے کی لاگت کے کھڑے ہیں لیکن کوئی یہ بھی

نہیں جانتا کہ کس کے ہیں۔ماوشما کس شمار و قطار میں ہیں وہ تو یہ کہو کہ لوہے
نام بآسانی کھد نہیں سکتا ورنہ ساری لاٹ پر آج نام ہی نام نظر آتے

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہی — کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہی
عجب سرا ہی یہ دنیا کہ جس میں آٹھ پہر — کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہی

ترجمۂ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی

(وہ راجہ) جس کے بازو پر تلوار سے نا موری نقش کردی جب کہ ملک ونگ (بنگال) کی لڑائی میں اُس نے (اپنی) سینہ زوری سے اُن دشمنوں کو تباہ کیا جو جمع ہو کر اُس کے مقابلے کو آئے تھے۔جس نے سندھ کے سات وہانوں کو عبور کر کے قوم وہلک پر فتح پائی۔جس کی شجاعت کی نسیم سے بحر جنوبی آج تک مہک رہا ہی۔جس مالک ام نے افسردہ خاطر سا ہو کر دنیا کو چھوڑ سفر آخرت اختیار کیا اور بشخص خود اُس (عالم بہشت) کو سدھارا جس کو اُس نے اپنے اعمال سے حاصل کیا تھا (مگر) ناموری کے سبب اس عالم میں باقی ہی جس کی اعدا کش طاقت کا اثر ایک بڑے جنگل کی جلی بجھی آگ کی بڑی تیز حرارت کے مانند اب تک زمین پر سے زائل نہیں ہوا۔جس نے اپنے بازو سے حاصل کی ہوئی شہنشاہی کو مدتوں قایم رکھا۔جس کا نام چندر (اور) جس کے چہرے کا حسن پورے چاند کی مانند ہی۔اسی روئے زمین کے مالک (مہاراجہ) نے جو وشنو کا بڑا بھگت تھا۔وشنو بھگوان کا یہ بلند نشان وشنو پد پہاڑی پر نصب کیا۔(چوتھی صدی اے ڈی) شری نیت پنڈت وشو لیشور ناتھ جی کے بیٹے شری نیت پنڈت بانکے رای نول گوسوامی نے اس لاٹ کے نقشہ کتابہ کا یہ اردو ترجمہ اس لوح پر کھدوایا۔یکم جنوری ۱۹۰۳ع



نقشۀ مقبرۀ سلطان شمس الدین التتمش

سلطان شمس الدین التمش کی قبر ۶۰۷ھ - ۶۳۳ھ / ۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ء

چنین ست آئین باغ جہاں
گہے نوبہار ست گاہے خزاں

بہارے کہ خند دلش در چمن
خورد سیلی فصل دی بر دہن

اگر صبح را جلوہ ہائے نخوت ست
بلا ئے غم شام دنبال اوست

نہ دانی کہ شمع از چہ رو مضطر ست
دم صبح با تیغ کیں بر سر ست

اگر قلعہ داری ز فولاد سخت
کہ گوشہ ات گرز گردوں گزشت

چو زیر نگینت بود ملک جم
ترا گر ز انجم فزوں شد حشم

بروزیکہ فوج اجل سر کشد
ترا فرصت دم زدن کی دہد

بکارت نیاید ازاں تاج و تخت
بخاک اندر آئی ز اسباب و رخت

ہم و شادمانی نماند و لیک
جزائے عمل ماند و نام نیک

کرم پائے دارد نہ دیہیم و تخت
بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

خاندان غلامان دہلی کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ شمس الدین التمش نے ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء کو انتقال کیا جو مسجد قوت الاسلام کے باہر شمال و مغربی کونے میں آسودہ ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ سلطانہ رضیہ کا بنوایا ہوا ہے مگر اس کا کوئی وثیقہ نہیں۔ مسٹر کیمبل اس کے برعکس خود بادشاہ ہی نے اپنی حین حیات اپنا مقبرہ بنوانا لکھتے ہیں۔ کیوں کہ مسجد کے اس حصے کی جو اس بادشاہ نے بنوایا تھا یہ ہو بہو نقل ہے۔ علاوہ بریں سلطان التمش کے جانشینوں کی مدت سلطنت ایسی کونسی لمبی چوڑی اور خالی از تردد و افکارات تھی کہ وہ اتنے بڑے بھاری اور مشکل کام کو اتنا زر خطیر لگا کر کر سکتے۔ جنرل کننگھم صاحب نے گو اس بارے میں کوئی صاف و صریح رائے نہیں دی مگر یہ وہ ضرور کہتے ہیں کہ مسجد اور مقبرہ یہ دونوں ساتھ ہی ساتھ تھے۔ اس مقبرے کا ایک ہی کمرہ اندر سے ۲۹ فٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار ۷ فٹ ۲ انچ کا ہے اور موجودہ بلندی ۲۰ فٹ ہے۔ مقبرے کے مشرقی شمالی جنوبی تین رخ پر دروازے شمال رخ کا دروازہ پہلے پتھروں سے چن دیا گیا تھا مگر اب صاف کر دیا گیا۔ مغربی دیوار میں تین طاق اسی طرح کے ہیں جیسے کہ مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں بیچ کا طاق ۹ فٹ اونچا اور ۷ فٹ ۲ انچ چوڑا ہے۔ اس کے ادھر ادھر کے طاق ۵ فٹ بلند اور ۲ فٹ ۲ انچ عریض ہیں۔ تینوں دروازے ۱۳ فٹ ۲ انچ اونچے اور ۷ فٹ چوڑے ہیں جن کی دیواروں میں

باہر چاروں کو ۷ فٹ ۲ انچ اونچی ۱۱ فٹ ۲ انچ چوڑی اور ۶ فٹ عمیق محرابیں ہیں۔ مقبرے کے باہر سنگ خارا ہے اور اندر سنگ سرخ۔ اندر علاوہ سنگ مرمر کی سلوں کے یوں بھی جا بجا سنگ مرمر کی تحریر ہے۔ دروازوں میں نیچے سے لے کر اوپر تک طرح بطرح کی نقاشی کے علاوہ کلام مجید کی آیات منقوش ہیں۔ دروازوں کی بیرونی محرابیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے نہایت بلند اور دیواروں کے اندر تراشی ہوئی ہیں نیچے وار کی محرابیں جو مقبرہ کے داخلی دروازے ہیں وہ وسعت میں بیرونی محرابوں سے دو تہائی کم ہیں۔ اندرونی محرابوں کے دونوں طرف نہایت خوب صورت پتلے پتلے نازک ہشت پہلو ستون لگے ہوئے ہیں اور ان محرابوں پر بھی قرآن شریف کی آیتیں ہیں۔ مقبرے کا اندرونی رخ تمام نقش و نگار سے بنا ہوا ہے جس میں بڑی کاریگری صرف کی گئی ہے۔ مغربی دیوار کے بیچ کا طاق سر بسر سنگ مرمر کا ہے اور نقش و نگار و آیات قرآنی سے بہت آراستہ اور خوش نما ہے۔ دوسرے طاق نرے سنگ سرخ کے ہیں۔ مقبرے کے چاروں کونوں میں نہایت خوب صورت دیوار دو ستون اسی طرح کے لگے ہوئے ہیں جیسے کہ باہر کی محرابوں میں ہیں۔ قبر سرتاپا سنگ مرمر کی ہے چبوترا ۱۴ فٹ ۱ انچ × ۹ فٹ اور ۲ فٹ ۱ انچ بلند ہے جس کے اوپر اور ایک چبوترا ۱۰ فٹ ۱ انچ × ۶ فٹ اور ۲ فٹ ۱ انچ بلند ہے۔ تعویذ ۷ فٹ × ۳ فٹ اور ۱ فٹ ۲ انچ اونچا اور ایسا مجلی اور مصفا ہے کہ جس میں منہ دکھلائی دیتا ہے۔ جس پر آیات قرآنی نہایت خوش خط بخط طغریٰ منقوش ہیں۔ قبر کا سالم حصہ بشمول چبوترے کے ۷ فٹ ۳ انچ بلند ہے۔ فرگسن صاحب کو اس مقبرے کے مسقف ہونے میں شک ہے وہ لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ بنتے بنتے ادھورا ہی رہ گیا جنرل کننگھم کی رائے ہے کہ اس پر ہندوانی طرز کی چھت ضرور تھی چنانچہ اب تک بھی چھت کا ایک پتھر نکلا ہوا موجود ہے جس پر کچھ الفاظ عربی کے کندہ ہیں۔ مقبرے کی جنوبی دیوار کا کسی قدر بالائی حصہ اب تک باقی ہے اس کی حالت کے مشاہدے سے یہ امر بدرجہ یقین کو پہنچتا ہے کہ اس پر چھت ضرور تھی۔ فتوحات فیروزی میں جو عبارت ذیل فیروز شاہ نے لکھی ہے اس سے چھت کا ہونا مسلم ہے اور مقبرے کے چاروں کونوں پر برجیاں بھی تھیں لیکن اب سوائے جنوبی دیوار کے طرف کے بچے کھچے حصے کے اور کسی چیز کا پتہ نہیں رہا۔

مقبرے کے ستون گر گئے تھے اُن کو میں نے پہلے سے بہتر بنوا دیا۔ مقبرے کا صحن پختہ نہ تھا وہ بھی میں نے بنوایا۔ زمین کھود کر جو زینہ نکالا گیا تھا اُسے میں نے پُر کروا دیا اور چاروں برجیوں کے ستون پھر سے بنوائے"

فرگسن صاحب پھر لکھتے ہیں کہ "اگرچہ یہ ایک مختصر سی عمارت ہے تاہم اہل اسلام کی اغراض کے لئے ہنود کی اُس صناعی کا جو پرانے قلعے میں ہے ایک قابل قدر اور خوب صورت نمونہ ہے۔ اگرچہ اسلام کے طرز جدید کے اختیار کرنے میں کاریگر بعض بعض جگہ چوک بھی گئے ہیں"

سلطان شمس الدین التمش کے مقبرے کے نیچے تہ خانہ بھی ہے جس میں اکیس سیڑھیاں اُتر کر جاتے ہیں۔ اصل قبر تہ خانے میں ہے اندر اوپر تعویذ ہے۔ مقبرے کے اندر باہر پیش طاق وغیرہ پر کثرت سے قرآنی آیات کھدی ہوئی ہیں۔

جنوبی دروازے پر۔ باہر وار بسم اللہ الرحمن الرحیم سورہ الرحمن از ابتدا تا فیھما نخل و رمان۔ باہر وار۔ ولو انزلنا۔

للہ ما فی السموات وما فی الارض تا ختم سورہ بقر

اندر وار۔ ولو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون۔

شمالی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سورہ نوح تا قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا۔ (۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سورہ مومنون تا الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون۔

اندر وار ولقد خلقنا الانسان من طین وجعلنہ فی قرار مکین تا فاسکناہ فی الارض وانا علی ذھاب بہ لقادرون۔

شرقی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ اور سورہ فتح تا وکان ذلک عند اللہ فوزا عظیما۔ (۲) بسم اللہ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا تا عبدا شکورا۔ (اندر وار)

غربی دروازے پر۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

پیش طاق پر اندر وار۔ (۱) نغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار تا ذلک الفوز العظیم۔

(۱) انہ لقرآن کریم فی لوح محفوظ لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین۔

(۲) فنادتہ الملیکۃ وھو قایم یصلی فی المحراب تامن الصلحین۔

شمالی رخ کے چھوٹے طاق پر۔ (۱) ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ سبحان اللہ عما یصفون۔ الغفور۔ الشکور۔ العلی۔ الکبیر۔ المقیت الحسیب۔ الجلیل۔ الکریم۔ الرحیم۔

(۲) قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء انک علی کل شی قدیرا۔

(۳) واولوا العلم قائماً بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا العلم بغیا بینھم……

جنوب مغربی رخ کے دوسرے چھوٹے طاق پر۔ (۱) اسمائے حسنیٰ الحکیم الودود…… النور الھادی البدیع الباقی الرشید الصبور الخ……

(۲) ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتبہ وھدیہ الی صراط مستقیم۔

(۳) کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

تعویذ قبر پہلا چبوترا۔ نیچے سنگ سرخ اوپر سنگ مرمر کی سلیں۔ ۱۲ فٹ × ۷ فٹ بلندی ۲ فٹ۔ دوسرا چبوترا جس میں یکے بعد دیگرے اوپر تلے تین حصے ہیں ۱۰ فٹ ۲ انچ × ۵½ فٹ۔ بلندی ۱ فٹ ۲ انچ۔ قبر کے تعویذ کا پہلا حصہ ۸ فٹ ۱۰ انچ × ۳ فٹ ۱۰ انچ بلندی ۱ فٹ ۹ انچ قبر کا دوسرا حصہ ۸½ فٹ × ۳½ فٹ بلندی ۸ انچ۔ قبر کا تیسرا حصہ ۷ فٹ ۱ انچ × ۲ فٹ ۱ انچ بلندی ۱ فٹ ۹ انچ

اس طرح پانچ چبوترے ہیں۔ کل ارتفاع قبر کا ۷ فٹ ۸ انچ۔ فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہے۔ اندر سے مقبرہ ۲۹ فٹ مربع اوپر جاکر ہشت پہل شکل کا ہے تین طرف دروازے مغرب میں پیش طاق۔

اس امر پر بحث کہ اس قبر پر گنبد تھا یا نہیں بالکل بے سود ہے۔ تھا اور ضرور تھا۔ اب تک بھی اس کی کھلی علامتیں موجود ہیں۔ بلکہ چھت گرنے ہی سے فرش بھی ضائع ہو گیا ورنہ ایسے نفیس مقبرے میں اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش کیا معنی؟ چھت گرنے سے قبر کو بھی ضرر و صدمہ پہونچا ہے جب ہی تو جدید چبوترا بنانا پڑا اور اس کے گرد کتبوں کے

پتھروں کو اوندھا سیدھا جوڑ کر ستیاناس کر دیا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ کیا گت بنی ہے۔

(۱) وَالسابقون السّابقون اولٰئک المقربون فی جنات النعیم ثلۃ من الاولین وقلیل من الاخرین ...... فی ا...... ساکلوو کا ۳۔ (۲) یایقین ولیصدون عنہا ولا ینزفون وفاکہۃ مما ... مما لشتہ ھو حور عین کامثال۔
حور عین کامثال

(۳) اللولوء الملکون جزابما کانو لا یعلمون یسمعون فیہا لغوا ولا تاثیما الا
المکنون جزاءً کانو! × یعلمون الا فیہا لغوا تاثیما

قیلا سلاما سلاما و اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین۔
قیلا سلما سلما اصحب

مسجد قوۃ الاسلام کی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

مسجد قوۃ الاسلام کی تین سر بفلک محرابیں سلطان التمش کے مقبرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ تیسری محراب کا آخری پاکھا گر گیا اور ساتھ ہی اپنا کتبہ بھی لے گیا۔ سرکار کی طرف سے سنگ خارا کا ایک فیل پایہ بنا کر گرتی ہوئی آرچ کو تھام لیا ہے ورنہ وہ بھی دھڑام سے آن پڑتی۔ انہیں کے جوڑ کی سوا چار محرابیں لوہے کی لاٹ کے اُس طرف باقی ہیں۔ چار درسالم ہیں پانچویں محراب کا صرف اوپر کا ذرا سا سرا بے سہارے معلق کھڑا ہے یہ ساری محرابیں بنتے بنتے ناتمام رہ گئیں اور اسی طرح ادھوری زیر سما کھڑی ہیں یعنی نہ ان کی کسی قسم کی حفاظت ہے نہ اوپر سایہ غور کیجئے کہ کیسی تو کس مپرسی کی حالت اور اُس پر گزرے (۷۰۰) برس اور اتنی ہی برساتیں ان کے سر پر سے گزر گئیں۔ حیرت ہے کہ اتنی بھی اب تک کیسے باقی رہیں۔ یہ محرابیں بہت بلند ہیں اور جتنی بلند عمارت ہوتی ہے اُتنی ہی اُس کی بقا معرض خطر میں ہوتی ہے لیکن خدا جانے کس بلا کا مال مسالا لگایا ہے کہ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں مگر ذرا بھی جنبش نہیں کھائی۔ بناتے وقت کوئی دقیقہ ان کی خوش نمائی کا اُٹھا نہیں رکھا گیا ان کے روکار پر سر سے پا تک کلام مجید کی آیات نہایت نفاست سے کندہ ہیں۔ کتبات ما اُلقری نہیں رہے اول تو کائی جم جم کر ہیئت کذائی بگڑ گئی دوسرے حصہ زیرین کو جہاں تک کہ

ہاتھ پونچا ہی بہت نقصان پونچا ہی۔ جابجا سے حروف جھڑ گئے ہیں اور بلندی پر نگاہ کام نہیں کرتی۔ بہرحال جو کچھ پڑھا جا سکتا ہی اُس کا قلم بند ہو جانا از بس غنیمت ہی کہ کل کو فنا کے ہاتھوں اس کو بھی بقا نہیں۔

تین بڑی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

شمس الدین التمش کے مقبرے کے سامنے جو بہت بڑی تین شکستہ محرابیں کھڑی ہیں اُن پر یہ کتبے ہیں:۔
پہلا پاکھا۔ (۱) کلمہ تھا ٹوٹ گیا۔ (۲) کلمہ۔ (۳) چھوٹے طاق کے اندر قل ھو اللہ۔ (۴) آیۃ الکرسی۔ (۵) باہر کی بڑی تین بسم اللہ و سورۂ ملک تا الیہ النشور۔

دوسرا پاکھا۔ اندر کا طاق (۱) کلمہ جلی خط سے۔ (۲) کلمہ خفی خط سے۔ (۳) شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط تا لا الہ الا ھو العزیز الحکیم (۴) ما کان محمد ابا احد من رجالکم تا وَ اَعَدَّ لھم اجراً کریما۔ (۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا فتحنا تا فان تطیعوا یؤتکم اللہ اجراً حسناً۔ تیسرا پاکھا تو گر ہی گیا ہی۔

سوا چار محرابوں پر کے کتبے

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم وللہ ملک السموات والارض واللہ علی کل شیٔ قدیر ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل تا ربنا فاغفر لنا۔ سورۂ آل عمران پارہ ۴۔ ۱۰ ع۔

(۲) بسم اللہ اور احادیث ہیں جو برابر پڑھی نہیں جاتیں۔

(۳) تبارک الذی جعل فی السماء بروجاً وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیرا تا والذین اذا انفقوا لم یسرفوا۔ پارہ (۱۹) الفرقان ۲ ع۔

(۴) احادیث۔

(۵) بسم اللہ۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً تا ثم رددنا لکم الکرۃ (پارہ ۱۵) سورہ بنی اسرائیل ۱ ع

(۶) پڑھا نہیں جاتا۔

(۷) سورۂ فتح پارہ (۲۶) از شروع تا وکان ذٰلک عند اللہ فوزاً عظیماً۔

(۸) فسبحٰن اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوت والارض (آگے ٹوٹ گیا ہی) پارہ (۲۱) سورۂ روم ۵ ع۔

(۹) الٓمٓ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم تا ان فی ذٰلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ پارہ (۳) سورہ آل عمران ۹ ع



نقشہ مقبرہ سلطان علاؤالدین خلجی

(۱۰) وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم تا واللہ یحب المحسنین (پارہ ۴) آل عمران ع ۱۴)

(۱۱) یا ایھا الذین آمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خٰسرین بل اللہ مولٰکم۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۶)

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحٰن الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام تا وکل شی فصلنہ تفصیلا۔ پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ع ۱۔ موجودہ پاکھوں پر یہی آخری ہے اور اس کے آخر پر فی شھر ذی قعدہ در سنہ سبع عشر و ستمائۃ پڑھا جاتا ہے جو ۶۱۷ھ ہوا اور یہی زمانہ سلطان التمش کا ہے پھر خدا جانے کار سٹفن صاحب نے ۵۹۴ھ / ۱۱۹۷ء کیسے پڑھا ہے۔

مقبرہ سلطان علاء الدین خلجی

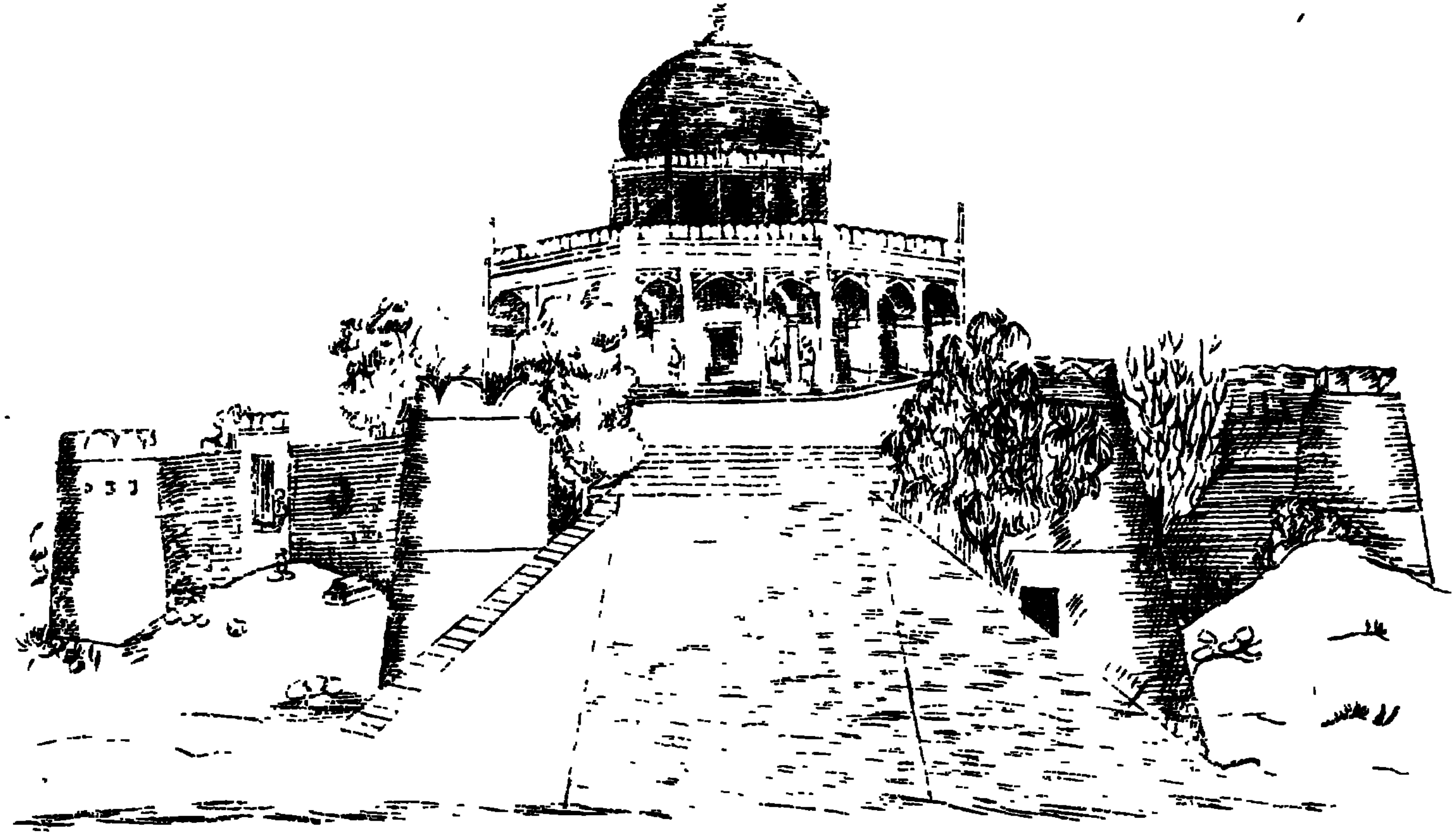
۷۱۵-۶۹۵ھ / ۱۳۱۶-۱۲۹۶ء

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

۶۔ شوال ۷۱۵ھ / ۱۳۱۶ء کی صبح کو علاء الدین خلجی نے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ سیری کے لال محل سے برآمد ہوکر جامع مسجد میں دفن کیا گیا یہ وہی جگہ ہے جہاں عام روایت کی رو سے اور نیز سرسید کی تحریر کے موافق علاء الدین کا مزار بتلایا جاتا ہے لیکن بگلر صاحب کہتے ہیں کہ وہ ایک سنگ مرمر کا نہایت عمدہ اور نفیس تعویذ سیری میں پڑا ہے جو امتداد زمانہ اور باہر کھلا پڑے رہنے سے زرد پڑ گیا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بیش قیمت اور بہتر تعویذ کس کی قبر کا ہے عجب نہیں وہ ضرور علاء الدین ہی کی قبر کا ہوگا کیوں کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علاء الدین قصر ہزار ستون میں دفن کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات صریح غلط ہے سرسید کے قول کی تائید تاریخ فیروز شاہی سے ہوتی ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جن عمارات قدیم کی مرمت کرائی گئی ان کی فہرست میں یہ مقبرہ بھی شامل ہے اس کی مرمت کے علاوہ ایک صندل کے کواڑوں کی جوڑی بھی چڑھائی گئی تھی آبدار خانے اور مسجد قوۃ الاسلام کی غربی دیوار جو مدرسے کے اندر ہے اس کی مرمت بھی اسی زمانے میں ہوئی تھی اور چوکوں کا فرش بھی بچھوایا گیا۔ علاء الدین کی قبر مسجد کے صحن کے جنوبی حصے میں ہے۔ گنبد کا احاطہ چار سو فیٹ لمبا اور دو سو فیٹ چوڑا ہے جس کے احاطے کی مغربی اور جنوبی دیواریں علاء الدین کے جانشین شہاب الدین کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ شمالی دیوار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پوری ہوئی ہی نہیں۔ رہی شرقی دیوار اس کے پانچویں حصے کے

قریب مسجد قوۃ الاسلام کے اس حصے کے مغربی دیوار ہے جو سلطان التمش کا بنوایا ہوا ہے۔ گنبد کے صحن میں گو چاروں طرف رستہ ہے لیکن اصل صدر دروازے مشرق اور مغرب کی جانب ہیں۔ مشرقی دروازہ سلطان التمش کی بنائی ہوئی مسجد کی دیوار میں ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے مغربی دروازہ اس سڑک کی جانب ہے جو قطب صاحب کی لاٹ سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ یہ دروازہ پٹھانوں کے زمانے کی سی عمارت معلوم دیتی ہے جو پتھر اور گچ کا ہے اور جو باقی عمارتیں اس احاطے میں ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ دروازہ چودہ فیٹ اونچا اڑ گیا رہ فیٹ چوڑا ہے جس کے اوپر سردل کی دیوار اور چار فیٹ بلند ہے۔ اگر ہم دروازے کے اندر جا کر دروازے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوں تو ہماری داہنی طرف ایک کمرہ جس پر گنبد ہے دروازے سے بھی آٹھ فیٹ اونچا دکھلائی دیتا ہے۔ اسی سے ملے ہوئے اور تین کمرے ۱۴×۱۲ محراب دار ہیں۔ ان کے آگے اور ایک گنبددار کمرہ ہے جو پہلے کمرے سے چوڑا ہے اور بظاہر ایک دوسرا دروازہ معلوم دیتا ہے اس کی داہنی طرف بھی اسی طرح کے تین کمرے ہیں جیسے کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مگر اس میں کا آخری کمرہ گر کر زمین کے برابر ہو گیا ہے۔ یہ بیان احاطے کے غربی جانب کا ہوا۔ شمال کی طرف سب سپاٹ میدان ہے کوئی عمارت باقی نہیں رہی۔ جنوبی رخ پر تین گنبددار گرے ہوئے کمروں کے نشان باقی ہیں۔ علاء الدین کی قبر بیچ والے کمرے میں ہے جو ۵۰×۲۲ ہے جس کے دونوں طرف رستہ ہے جو دوسرے کمروں سے اسے جدا کرتا ہے۔ بازو کے دونوں کمرے بیچ کے کمرے سے آدھے ہیں۔ ان کمروں پر کے گنبد گر گئے ہیں۔ دیواروں کا پلاستر جھڑ گیا ہے۔ روکار کی پتھر کی سلیں مدتیں ہوئیں کہ لوگ نکال لے گئے۔ ان کمروں کے پچھواڑے کئی کوٹھریاں نشست کی چوبیس فیٹ چوڑی احاطے کی مغربی دیوار کی لمبان کے برابر تھیں جو سب گر پڑیں۔ ان کوٹھریوں کی جنوبی دیوار میں چھ طاق اور بیچوں بیچ میں ایک دروازہ ہے۔ جنوب و مشرق کی دیوار میں چھت پر چڑھنے کا رستہ ہے۔ گنبد اور تمام مکانات ملحقہ کی دیواروں کی استرکاری جھڑ جھڑا کر خالی دیوار میں کھڑی رہ گیا۔ احاطے کی مشرقی دیوار میں تین نیچی نیچی کوٹھریاں محراب دار دروازوں سمیت اسی طرح کی ہیں جیسی کہ مغربی طرف ہیں۔ ان سے ملا ہوا ایک دروازہ ہے جو اس کے محاذ کے دروازے کا جواب ہے۔ غالباً یہ دروازہ بستی کے رخ پر تھا اور ادھر ہی سے قطب صاحب کی آبادی کے لوگ آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کے مسجد قوۃ الاسلام کی بڑھائی ہوئی مغربی



نقشۂ مقبرۂ ادہم خاں عرف بھول بھلیاں

دیوار ہے۔ گنبد کے جنوب و مشرقی کونے میں اس مقبرے کے متعلق جو مسجد تھی اُس کے کھنڈر ہیں۔ مدرسہ اور آب دار خانہ دونوں (جس کی مرمت فیروز شاہ نے کرائی تھی) مقبرے کی مشرقی اور مغربی دیوار سے ملے ہوئے حجروں میں تھے۔ چوں کہ لاٹ کے گرد کے گرے پڑے کھنڈروں کو صاف کر کے سڑکیں نکال دی گئیں ہیں اور ایک قسم کی چمن بندی ہو گئی ہے اس لیئے موجودہ حالت اس مقبرے کی صرف یہ ہے کہ قطب صاحب کی لاٹ کے مغرب میں قریب ہی ایک خالی چار دیواری کھڑی ہے جس کے تین طرف ایک ایک دروازہ ہے۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۳ فٹ مربع ہے اور بیچ میں ایک خالی چبوترا دو فٹ اونچا ۱۳ فٹ × ۸ فٹ ہے غالباً اسی پر قبر ہوگی جو اب ناپید ہے۔ پلاستر کا نام باقی نہیں خالی سنگ خارا کی دیواریں کھڑی ہیں۔ اندرون مقبرہ فرش کسی قسم کا رہا ہی نہیں صرف بجری کوٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ گنبد گرے زمانہ ہوا اب نری چار دیواری ہی چار دیواری باقی رہ گئی ہے اور مشکل سے یقین آتا ہے کہ یہ اتنے بڑے جلیل القدر بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ اس کے زمانے سے پہلے پہلے کی عمارتیں قائم و برقرار ہیں اور یہ ایسی تباہ ہوئی کہ اب صورت تک بھی نہیں پہچانی جاتی۔

ادہم خاں کا مقبرہ یا بھول بھلیاں اور مسجد سنہ ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ع

دنیا میں تو دو دن کا فقط جینا ہے
اور اس پہ یہ حسد اور بغض و کینہ ہے
ظاہر ہے کہ جام جم کا نہ رہا
اور حال سکندر کا تو آئینہ ہے

قطب صاحب کی لاٹ سے جو سڑک مہرولی کو جاتی ہے اُس کی داہنی طرف ادہم خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ اکبر شاہ بادشاہ نے ادہم خاں اپنے کوکے اور اُس کی ماں ماہم انگہ کے لیئے بنوایا تھا۔ خان اعظم کے مقبرے کے ضمن میں ہم وہ واقعات لکھ آئے ہیں جس بنا پر آگرے میں اکبر شاہ کے محل میں اعظم خاں کو ادہم خاں اور اُس کے ساتھ والوں نے قتل کر دیا تھا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ "مراہم خسروانہ کے گھمنڈ پر اعظم خاں کو مار کر ادہم خاں درانہ حرم سرائے شاہی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ سلامت یہ سن کر شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے معاً برآمد ہوئے اور وہیں قاتل کی مشکیں کس لی گئیں اور اسی طرح بندھا بندھایا سزائے قتل میں قلعے کی فصیل سے نیچے لڑھکا دیا گیا۔" شمس الدین محمد خاں اتگہ غزنوی المخاطب بہ اعظم خاں

(جو اکبر بادشاہ کی ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر تھا) کے قتل کا افسوسناک واقعہ ۱۲ رمضان المبارک ۹۶۵ھ ۱۵۶۱ء کو ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ وہ قلعے کی فصیل سے دھکیل دیئے جانے کے بعد بھی ادہم خاں سخت جان میں کچھ جان باقی تھی۔ بادشاہ نے اُسے دوبارہ گروایا تب جا کے وہ مرا۔ چنانچہ مقتول خان اعظم کے ایک دن بعد اس کی تجہیز تکفین ہوئی۔ ماہم انگہ نے جب اُڑتی پڑتی خبر سنی تو اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں کام تمام ہو چکا۔ ماں کی مامتا گو بیمار تھی مگر دلی سے گرتی پڑتی آگرے پہنچی۔ بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئی۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے صاحبزادے نے میرے (رضاعی) باپ کو قتل کیا۔ میں نے جان کے بدلے تمہارے بیٹے کی جان لی"۔ ماہم انگہ مزاج شناس تھی سمجھی کہ اب عرض معروض کرنا بے فائدہ ہے۔

بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں خود کردہ خویش را چہ درماں

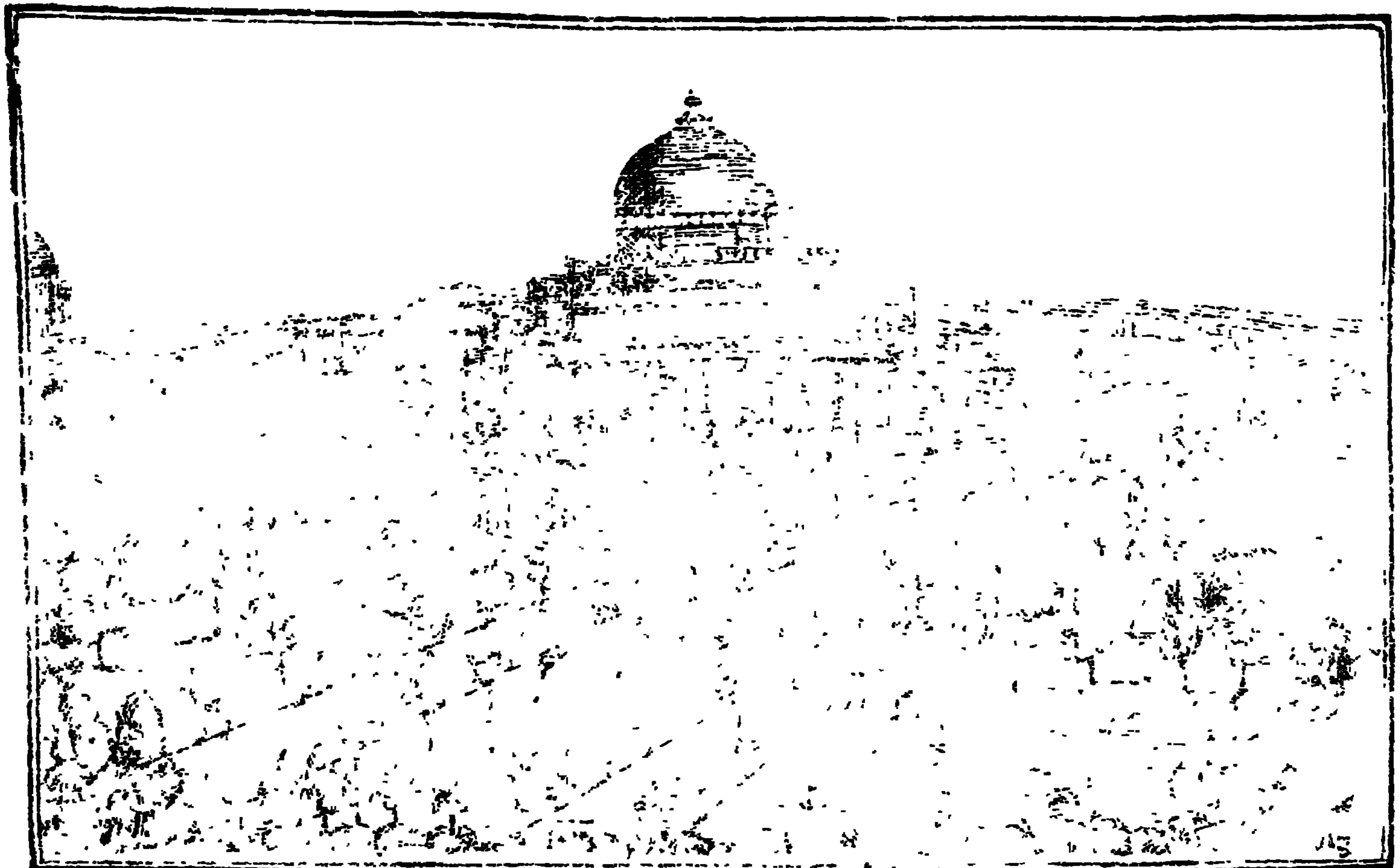
بولی۔ "جہاں پناہ نے جو کچھ کیا خوب کیا"، یہ کہہ واپس چلی گئی۔ جوان بیٹے کے بن موت مر جانے کا بڑھیا ماں کو ایسا دھکا بیٹھا کہ چالیسواں بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اپنے بیٹے سے جا ملی اور اسی مقبرے میں اپنے بیٹے کے پاس دفن ہوئی جو اکبر بادشاہ نے بنوا دیا تھا (از آئین اکبری مترجمہ بلاکمین)

اب ہم مقبرے کی عمارت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ دو اونچی اونچی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مقبرے کا صحن ملتا ہے۔ یہ صحن سڑک کی سطح سے سترہ فیٹ اونچا ہے۔ مقبرہ ہشت پہلو ہے صحن کا قطر دو سو فیٹ کا ہے۔ صحن کا وہ حصہ جو سڑک کی طرف ہے کھلا ہوا ہے۔ شمال و مغرب کی دیواریں جدھر سے قلعہ رائے پتھورا کا رستہ ہے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اسی طرح کا ایک اور دروازہ جنوب و مغربی دیواریں بھی ہے جس میں سے اُس مسجد میں جانے کا رستہ ہے جو مقبرے کے مغربی رُخ پر کوئی بیس گز کے فصل سے ہے۔ احاطے کی دیوار زمین سے دس فیٹ اونچی ہے جس میں جھانجیاں رکھی گئی ہیں لیکن اب بہت بڑا حصہ اس دیوار کا منہدم ہو کر مشکل سے صرف ایک چوتھائی باقی رہا ہے۔ صحن کے آٹھوں کونوں پر ایک ایک بوجی بنی ہوئی ہے اور مقبرے کے گرد چھ فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ دیوار اور برجیاں سب گھڑے ہوئے پتھروں اور چونے کی ہیں۔ جو پلینہ کے بیچ میں احاطے کی دیوار سے چند فیٹ ہٹ کر کچھ کھنڈر میں نہیں کہا جا سکتا کہ

نہ آیا منہدمہ برجیوں کے ہیں یا اُس چبوترے کے ہیں جو مقبرے کی رونق اور
لوگوں کے آرام کے واسطے بنایا گیا تھا۔ مقبرہ ساٹھ فیٹ اونچا ہی اور چبوترے کی کرسی
چار فیٹ کی ہے مقبرے کی ساری عمارت ہشت پہل ہی درمیانی حجرے کے گرد
غلام گردش بطور برآمدے کے ہی۔ چبوترے پر سے گنبد کی بلندی ۴۲ فٹ ہی جس کے
آٹھوں ضلعوں میں ہر طرف تین تین در ہیں۔ ستون ان دروں کے چوکون ایک کے
اوپر ایک پتھر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ بعض بعض ستون سنگ خارا کے ایک ہی ٹکڑے
کے بے جوڑ ہیں جن کے سرے اور بیٹھکیں دوسرے قسم کے پتھروں کی ہیں۔ کونوں
کے ستون دوہرے ہیں۔ چھت پر چار فیٹ اونچی جھانکی دار منڈیر ہی جس کے
دونوں کونوں پر چھ چھ فیٹ اونچی برجیاں ہیں۔ درمیانی ہشت پہل حجرے کا قطر پچاس
فیٹ کا ہی۔ آٹھوں ضلعوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک در ہی جس کی دونوں طرف
دو دو فیٹ اونچا ایک ایک طاق ہی۔ گنبد کا قبہ بیرونی رخ سے سولھا اضلاع کے
چبوترے پر بنا ہوا ہی جس کی بلندی بارہ فیٹ ہی اور جس کے ہر ہر کونے پر ایک ایک
چھوٹی برجی بنی ہوئی ہی۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہی جس پر استر کاری کی ہوئی ہی جس کے
قطر کا ارتفاع سولھا فیٹ ہی جس پر پتھر کا کمرکی کلس چڑھا ہوا ہی۔ گنبد کا قطر ۲۴ فٹ ہی گنبد
کے نیچے کی دیواروں کا آثار سات فیٹ کا ہی۔ درمیانی حجرے کی چھت کا اندرونی حصہ
ہشت پہل دیواروں پر کھڑا ہے۔ گنبد دوہرا کا ہی جس کی کُل بلندی ۳۰ فٹ ہی اور یہ دیواریں
سولھا ضلعوں کی ہیں جن کے در بھی سولھا ہی ہیں جن میں سے ایک کھلا اور ایک
بند ہی جس کے اوپر جاکر پھر (۳۲) ضلعوں کی دیواروں پر گنبد لگا ہوا ہی۔ گنبد کی دیوار
میں ایک طرف اوپر جانے کا زینہ ہی اور ایسا بھی رستہ بنا ہی کہ دیوار ہی دیوار گرد پھرا کیے
ہیں اور اس میں ایک مقام پر ایسا دھوکا رکھا ہی کہ آدمی خیال کرتا ہی کہ جس رستے
کو میں جاتا ہوں اسی رستے سے نیچے اتر جاؤں گا حالاں کہ برخلاف اپنے قیاس کے
اور اوپر چڑھ جاتا ہی اور پھر جب نیچے اُترنے کا ارادہ کرتا ہی تو بسبب اس کے کہ
نیچے اُترنے کا رستہ ایک کونے میں نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہی اُسی رستے پر
آن پڑتا ہی اور پھر اوپر چڑھ جاتا ہی اسی وجہ سے لوگوں نے اس مقبرے کا نام
بھول بھلیاں یعنی ایسا مقام کہ جہان آدمی بھول جائے اور چکر کھاتا جائے رکھا ہی

بہر حال قطب صاحب کی عمارتوں میں یہ بھی ایک مشہور اور قابل دید ہی۔ اس میں اکثر انگریز رہا کرتے تھے اور بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا جاتا تھا اسی سبب سے ادہم خاں کی قبر کا تعویذ کوئی اسی برس گزرے کہ اکھاڑ کر باہر غلام گردش میں ڈال دیا اور سطح زمین سے اپنے آرام و آسائش کے لئے برابر کرلی۔ جب ادہم خان کی قبر کے ساتھ یہ سلوک ہوا تو اُن کی ماں کی قبر کا کیا پتہ چل سکتا ہی۔ ہمارے خیال میں جب ادہم کی قبر اکھاڑی گئی تب ہی اُس کی ماں کی قبر بھی نکال دی گئی ہوگی کیوں کہ بدوں اس کے نہ جگہ صاف ہوسکتی تھی نہ مقبرہ رہنے کے قابل ہوسکتا تھا۔

موجودہ حالت اس مقبرے کی یہ ہی کہ سڑک سے (۱۹) سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے ہیں چبوترے کے آٹھوں کونوں پہ برج تھے جن میں سے کچھ گر گئے کچھ باقی ہیں۔ چبوترا بھی مقبرے کی مناسبت سے ہشت پہل ہی اور مقبرے میں اور چبوترے میں ۳۵ فٹ کا فصل ہی۔ چبوترا بہت کشادہ ہی جس کا ہر ضلع ۷۵ فٹ لمبا ہی۔ کمپونڈ کی دیوار سڑک کی سطح سے ۱۳ فٹ بلند ہی اور منڈیر ۳ فٹ ½ اونچی ہی۔ گنبد کے چبوترے کی کرسی چار فیٹ کی ہی۔ چھ سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ گنبد کا ہر بیرونی ضلع ۳۴ فٹ ۴ لمبا ہی۔ گنبد ہشت پہل ہی اندر سے قطر ۸ فٹ ۵۸ ½ ہی۔ اوپر چھت میں آٹھ طاق کھلے ہیں آٹھ بند یہ دہری لین ہی۔ یعنی پھر اُس کے اوپر طاقوں کی ایک ایسی ہی لین اور ہی۔ دروازے آٹھ ہیں جن کے دو طرفہ یا اللہ اور کلمے کے طغرے ہیں۔ غلام گردش ۱۲ فٹ عریض ہی اور دروں کی چکلان ۱۱ فٹ۔ گنبد کی بلندی اجارے تک ۲۲ فٹ اور اُس سے اوپر ختم دیوار تک اور ۱۸ فٹ۔ اس طرح صرف دیوار دیوار کا ارتفاع ۴۴ فٹ ہی۔ گنبد دو منزلہ ہی دونوں منزلوں میں بیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ اس گنبد کے قعر میں رنگ کے کام کا کچھ کچھ حصہ باقی ہی۔ باہر وار بھی کہیں کہیں رنگ آمیزی پائی جاتی ہی۔ چوں کہ عرصہ تک یہ گنبد بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا گیا ہی اور انگریزی اصول کے موافق وہائٹ واش یعنی سفیدی ہونا ضرور تھی لہذا دیواروں پر کئی کئی کوٹ سفیدی کے چڑھ جانے سے سارے نقش و نگار اور گلکاری ڈھک گئی ہی۔ یہی تصرف فرش میں بھی ہوا ہی یعنی پہلا فرش باقی نہیں رہا اب تو گچ کردی گئی ہی۔ جو تعویذ پہلے نکال دیا گیا تھا اب پھر اپنی جگہ پر لگا دیا گیا ہی جو سنگ سرخ کا ہی۔ ۲ فٹ ۷ لمبا x ۲ فٹ ۹ ۱



نقشہ کوٹھی صاحب کلاں بہادر

اور اس پر اونچا ہے جس میں کوئی ندرت نہیں۔ رہی ادہم خاں کی ماں کی قبر اس کا پتہ نہیں۔ اس مقبرے کے متعلق جو مسجد ہے اس کی اصلی حیثیت بھی باقی نہیں رہی کہ مرمت کے ساتھ اندر باہر استرکاری کرادی گئی ہے۔

ادہم خاں کے بھائی کا مقبرہ مسجد کے بعد سڑک پر ہی ایک اور بڑا گنبد ادہم خاں کے گنبد کی طرح کا ہے جس میں اب سرکاری ڈاکٹر خانہ ہے۔ ڈاکٹر خانے کی ضروریات کے موافق اس کی بھی شکست۔ ریخت کی گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ ادہم خاں کے بھائی کا ہے یہ چار بھائی تھے۔ ادہم خاں۔ تماتے خاں۔ عمر خاں۔ محمد قلی خاں جس کو لوگ منکلی خاں کہتے ہیں۔ عمر خاں کے مقبرے کا بیان تو آگے آتا ہے اب یہ مقبرہ ہو نہ ہو یا تماتے خاں کا ہوگا یا محمد قلی خاں کا۔ واللہ اعلم۔

عمر خاں کا مقبرہ قطب کی لاٹ سے بجانب جنوب ایک میل کے اندر ہی اندر مرتفع پہاڑی پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جو ادہم خاں کے بھائی عمر خاں کا کہلاتا ہے۔ اکتالیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر پہنچتے ہیں۔ یہ گنبد پچاس فیٹ مربع ہے اور چار دروازے چار طرف ہیں جو ۱۰ فٹ ۷ انچ ۵ ہیں۔ اندر سات قبریں چونے گچی کی ہیں جو بہت شکستہ ہیں اور فرش کے برابر ہو گئی ہیں۔

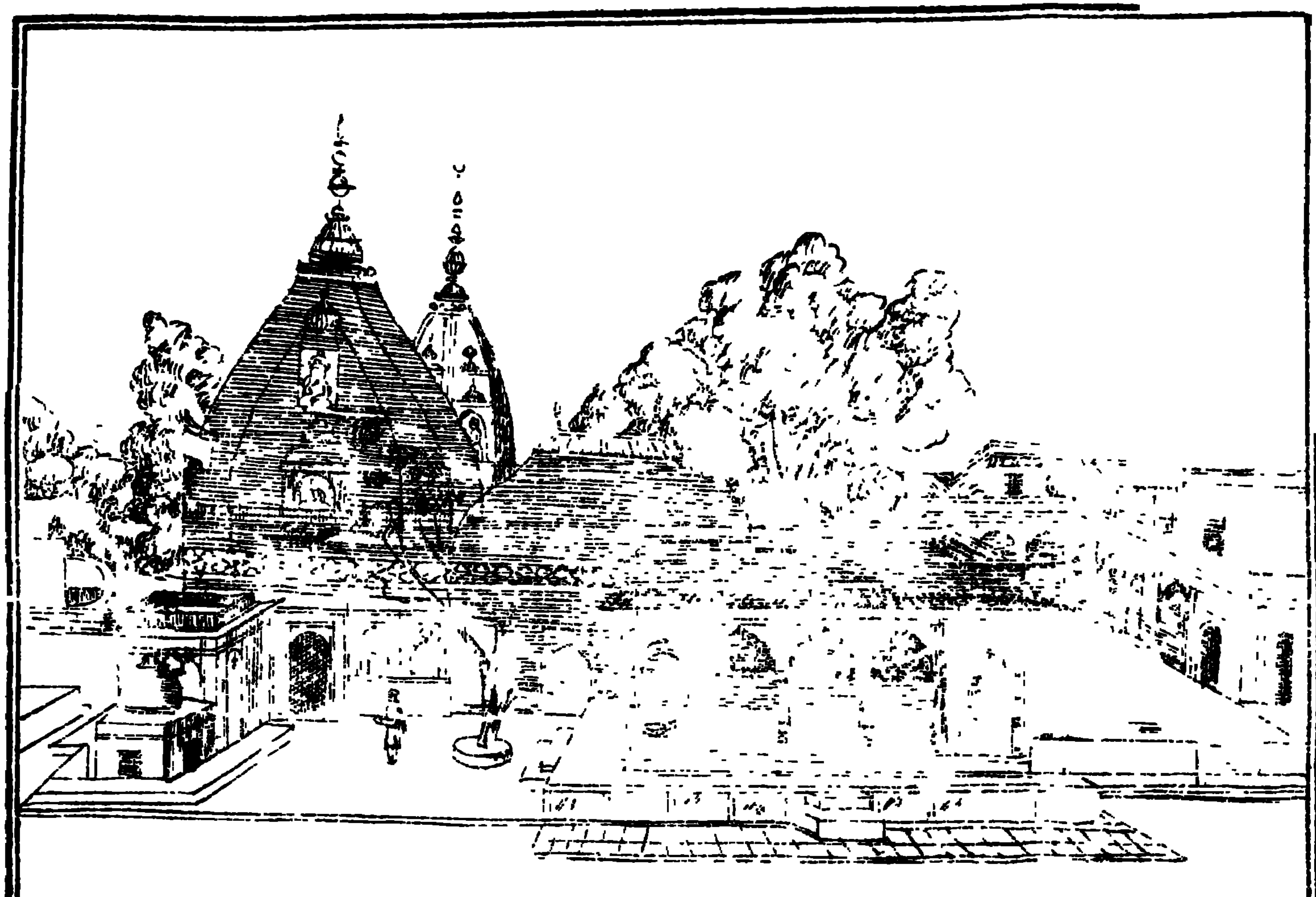
طامس صاحب کی شکارگاہ اوپر والے گنبد سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فصل سے ایک اور اونچی سی پہاڑی ہے اس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو طامس صاحب کی شکارگاہ کے نام سے مشہور ہے پہاڑ پر دو کنگورے دار برج ہیں جن کے بیچ میں ایک دیوار کھچی ہوئی ہے۔ پرانے لوگ اسے سلطان شمس الدین التمش کی شکارگاہ کہتے ہیں میرے خیال میں بادشاہ کی بنائی ہوئی کوئی سیرگاہ ہوگی جسے طامس مٹکاف صاحب نے درست کرالیا ہوگا۔

کوٹھی دلکشا ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء قطب صاحب کی لاٹ کے قریب ایک مکان نہایت خراب خستہ ناقص و شکستہ محمد قلی خاں کے مقبرے کے نام سے مشہور تھا جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے اس لحاظ سے یا تو یہ عمارت اکبر اعظم کے عہد کی ہوگی یا جہانگیر بادشاہ کے وقت کی اس کو سر تھیافلس مٹکاف

نے جن کا شاہی لقب معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طاس تیا فلس منذف صاحب بہادر فیروز جنگ صاحب کلاں تھا بنوایا اور آراستہ کیا او۔ گرد درخت نصب کرائے۔ اب بالکل ویران اور خستہ حالت میں ہے۔ اب کوٹھی دلکشا جا کر وحشت کدہ ہو گیا ہے۔

جوگ مایا کا مندر

قطب صاحب کی لاٹ کے پاس لوہے کی لاٹ سے کوئی ۲۶۰ فٹ کے فاصلے سے سرحد یوسف سرائے پاسے میناریں ایک اونچے احاطے کے اندر جوگ مایا یعنی مقدس دیوی کا مندر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مندر بہت قدیم اور راجہ یدھشٹر کے زمانے کا بنا ہوا ہے لیکن موجودہ عمارت کو دیکھو تو وہ سو برس کی بھی نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ مندر کی پرانی عمارت بوسیدہ ہو جانے سے نئے سرے سے بنایا گیا ہو۔ جوگ مایا کی پوجا تو کم سے کم آٹھ سو سال سے راجہ پتھورا کے وقت سے مروج ہے۔ لیکن اس کی ابتدا کا پتہ نہیں چلتا کہ کب سے اس دیوی کا استھان یہاں پر ہے۔ مندر کا احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے۔ احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ احاطے کے اندر مندر کو ملا کر کل بائیس عمارتیں ہیں۔ جن کو اکبر ثانی بادشاہ کے عہد کے ایک امیر سیدھ مل نے بنوایا تھا۔ اس مندر میں آس پاس تین برج الگ الگ ہیں اور جس برج کے آگے گھنٹہ لٹکا ہوا نظر آتا ہے وہ پتھر کا ٹکڑا ہے جو دیوی کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مندر کوئی خوب صورت اور دلکش عمارت نہیں ہے۔ ایک بھدی سی عمارت کے سامنے یہ مندر بنا ہوا ہے اور یہ عمارت بھی کچھ مندر سے زیادہ قدیم نہیں پائی جاتی۔ اصل مندر بتما مہا مع فرش سنگ سرخ کے باستھ سال کے اول بنا تھا اور پھر بعد میں سنگ مرمر سے پاٹا گیا ہے۔ اس کی چوٹی پر سنہری کلس ہے جس کو ملا کر ۴۲ فٹ کی بلندی ہے۔ اس کلس پر آئینہ لگا ہوا ہے جس کی پرچھائیں دور تک جاتی ہے۔ کمرہ جس میں سنگ سیاہ کی دیوی کی مورت ہے ستر فیٹ مربع ہے۔ دراصل یہ کوئی مورت بھی نہیں ہے بلکہ نرا ایک پتھر ہے۔ مندر کی چھت پست ہے جس پر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجرے کا دروازہ سنگ مرمر کا ہے۔ مقدس مورت ایک سنگ مرمر کے حوض میں رکھی ہوئی ہے جو دو فیٹ چوڑا اور ایک فیٹ گہرا ہے جس پر زرق غلاف ہمیشہ پڑا رہتا ہے۔ اور چھت کے دو پنکھے چھت میں لٹکے ہوتے ہیں۔ ایک چوکی سنگ مرمر کی اٹھارہ انچ مربع اور نو انچ اونچی مورت کے سامنے رکھی ہوئی ہے جس پر چڑھاوا اور پھول

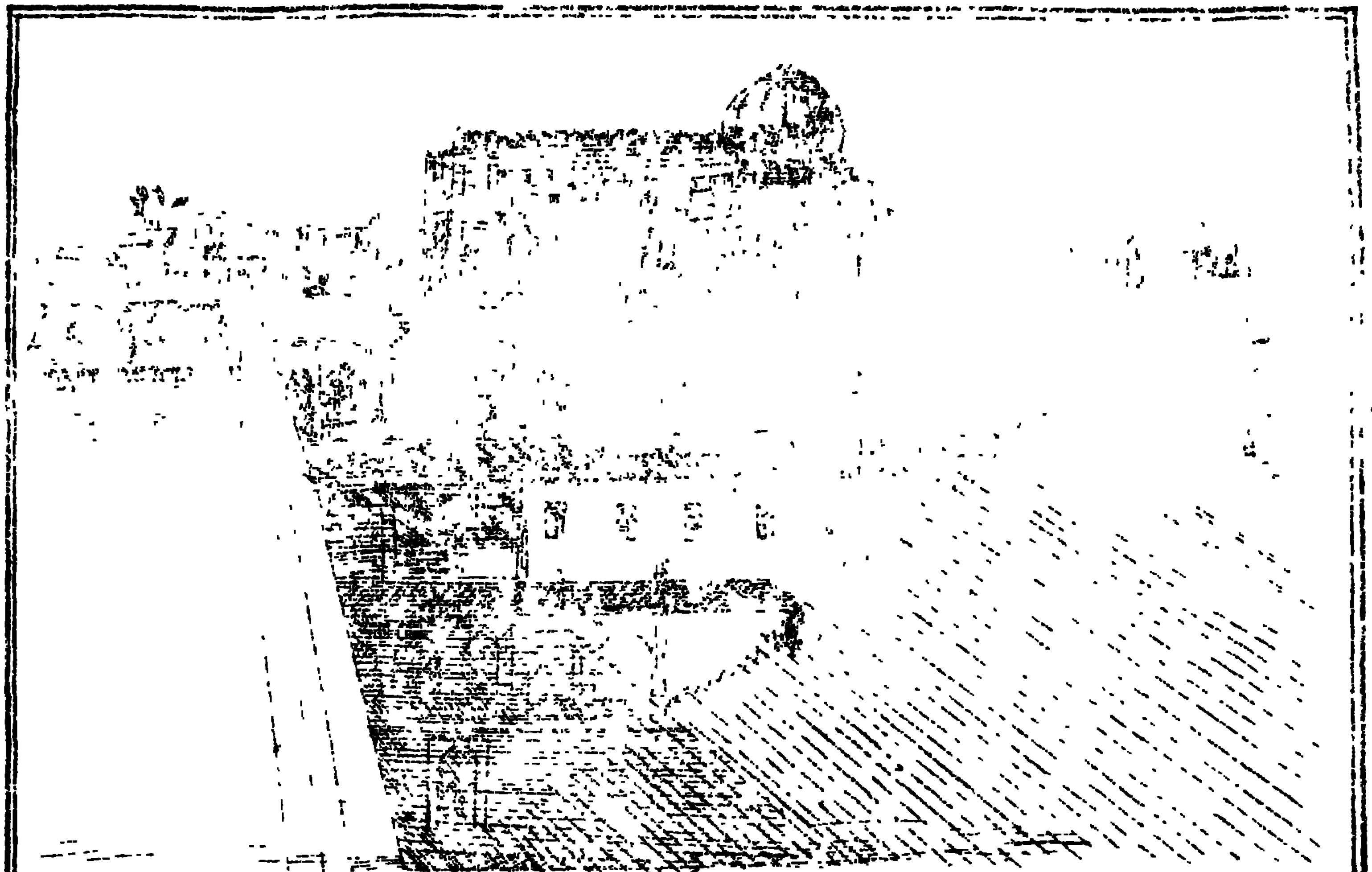


نقشہ مندر جوگ مایا

رکھ جاتے ہیں۔ شراب کا یہاں گزر نہیں۔ اکثر مندروں کی طرح یہاں کوئی گھنٹہ بھی نہیں ہے کہتے ہیں کہ دیوی کو گھنٹے کی آواز پسند نہیں۔ مندر کے سامنے آٹھ فیٹ پر ایک لوہے کے پنجرے میں دو پتھر کے شیر ہیں۔ پنجرا پانچ فیٹ مربع اور دس فیٹ اونچا ہے مندر سے پنجرے تک کا رستہ پٹا ہوا ہے۔ چھت ہلکے تختوں کی ہے جس پر اینٹ اور چونے کا پلاستر ہے اس کی چھت میں چار گھنٹیاں پجاریوں کے لیئے لٹک رہی ہیں۔ دیوی کی طبعی خاصیت بہت غصیلی اور جابر بتلائی جاتی ہے یعنی جلال بہت ہے اور دنیاوی لذات سے بالکل متنفر ہے اور مندر کو شراب یا گوشت سے ناپاک کرنا بالکل پسند نہیں کرتی اس دیوی کا تفصیلی حال سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا ہو بھگوت پران میں لکھا ہے کہ یہ دیوی کشن اوتار کی بہن تھی۔ جس کا یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ بجلی بن کر لوپ ہوگئی اور یہاں آن پڑی۔ جب سے یہ مکان جوگ مایاجی کا استھان ہو گیا۔ اور بعضے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رائے پتھورا کی بیٹی مایاجی تھی جو جاہی روزہ کے پاس گئی اس وقت اس کے ساتھ بہت سی ہیلیاں تھیں جس وقت رائے پتھورا کی بیٹی مسلمان ہو گئی ان ہیلیوں نے یہ بات سوچی کہ اب ہم راجہ کو کیا منہ دکھائیں گے اور بھگوان جانے وہ ہمارا کیا حال کرے گا۔ اس ڈر اور شرمندگی سے سب کی سب ایک کوئیں میں جو اس مندر کے پاس تھا اور بعض کہتے ہیں یہی کنواں تھا جو اب اس مندر کے پاس موجود ہے گر کر مر گئیں جب کہ رائے پتھورا کو اس حال کی خبر ہوئی اُس نے ان کی لاشوں کو نکالا اور اس مقام پر جہاں اب مندر ہے پھونک دیا اور کہا کہ ”اُنھوں نے بڑا جوگ کمایا“ جب سے اس کا نام جوگ مایا ہو گیا اور یہاں پھول مٹھائی چڑھنے لگی اب رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ یہ لوگ اس کو دیوی کہنے لگے اور پوجا پتری کرنے لگے اور مان منت مانگنے لگے غرض کہ یہ سب پوجاریوں کی لن ترانیاں ہیں حقیقت حال کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ اس دیی کو کالکا دیبی سے اچھا جانتے ہیں کہ وہاں تو جیو چڑھتا ہے یعنی قربانی ہوتی ہے اور یہاں پھول پنکھڑی۔ احاطے کے اندر پلنگ یا چارپائی لانے کی اجازت نہیں۔ لالہ ہردیان سنگھ صاحب رئیس دہلی نے وقتاً فوقتاً اس مندر کی تعمیر و ترمیم کرائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہے یہاں ہفتے وار ایک دن چھوٹا سا میلہ ہوا کرتا ہے۔

راجوں کی بائیں (باؤلی) اور مسجد سنہ ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب جنوب و مغرب میں کوئی پانچ منٹ کے رستے پر ادہم خاں کے مقبرے کے جنوب میں یہ ایک عالی شان مکان ہے جس کو سنہ ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں سکندر شاہ لودھی بن بہلول شاہ لودھی کے عہد میں ایک امیر دولت خاں نامی نے بنوایا تھا۔ اس مکان کی لطافت اور نزاکت بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ یہ مکان چونے اور پتھر سے بنا ہوا ہے لیکن سنگین مکانوں پر ہزار درجے شرف رکھتا ہے۔ اس مقام پر ایک باؤلی ہے بہت نفیس و لطیف نہایت بڑی اور بغایت دل کشا بالکل سالم گویا ابھی معمار اٹھ کر گئے ہیں۔ کسی زمانے میں اس باؤلی کے مکانوں میں راج بستے تھے جب سے راجوں کی بائیں مشہور ہوگئی ہے مگر پھر راج جا کر مدتوں چمار آ بسے تھے اور اب خالی پڑی ہے۔ باؤلی کے شمالی رخ پر سیڑھیاں ہیں جو پانی کی تہ تک چلی گئی ہیں جن میں سے ستاون تو پانی کے اوپر ہیں اور نو پانی میں دکھلائی دیتی ہیں لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سیڑھیوں کا سلسلہ باؤلی کی تہ تک ہوگا۔ باقی باؤلی کے تین طرف اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جن میں چار قطاریں محراب دار حجروں کی ہیں جو عرض و طول میں یکساں ہیں مگر تعداد میں مختلف۔ باؤلی کی دیواریں ۴۰ فٹ اونچی ہیں اور مشرق اور مغرب کی دیواریں ۸۰ فٹ لمبی۔ اصل باؤلی کی چوڑان ۲۵ فٹ ہے۔ جب ہم نے دیکھا تو نو فیٹ پانی تھا مگر موسم بارش میں پانی بہت چڑھ جاتا ہے بلکہ حجروں کے نیچے کی منزل ڈوب جاتی ہے۔ باؤلی کے جنوب میں اوپر وار ایک ہشت پہل کنواں ۱۰ فٹ قطر کا ہے جس میں مرسے لگے ہوئے ہیں۔ باؤلی کے اوپر ایک بہت خوبصورت مسجد ہے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہو جائے اور نہایت فرحت حاصل ہو۔ باؤلی کی مغربی دیوار کی سطح کے برابر مسجد کا پختہ صحن ہے جس میں چونے بچھے ہوئے ہیں۔ مسجد کا طول ۵۴ فٹ عرض ۱۲ فٹ اور بلندی ۲۶ فٹ ہے۔ مسجد تین دروں کی ہے جو ۹ فٹ - ۹ فٹ × ۲ فٹ - ۸ فٹ ہیں۔ چھت سے نیچے ایک بھاری چھجہ لگا ہوا ہے جو پتھر کے توڑوں پر لگا ہوا ہے۔ مسجد کی دونوں جانب چھت پر چڑھنے کا چھبیس چھبیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ تمام عمارت پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ہے۔ چھت پر ایک کوٹھی دار گنبد ۸ فٹ مربع اور ۷ فٹ بلند ہے۔ مسجد میں تین سیڑھیوں کا منبر ہے اور فرش گچ کا ہے۔ لوگوں نے پکا پکا ساری مسجد کو اندر و باہر سے کالا بھجنگ



نقشہ راجوں کی بیٹھن

کر دیا ہے کیوں کہ مدتوں اس میں لوگ رہے ہیں۔

مسجد کے پیش طاق پر بسم اللہ اور تین سطروں میں اسمائے حسنیٰ اور منبر کے پاس والی محراب پر ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ تاختم سورۂ حشر پارہ ۲۸ ہے۔ مسجد کے صحن میں پتھر کے ستون کھڑے کر کے ایک نہایت خوب صورت اور مستحکم کھلا ہوا چھپتر بنا دیا ہے جس میں ایک قبر ہے۔ اور باہر اس چھپتر کے ایک قبر اور ہے۔ دولت خاتون کی قبر سنگ خارا اور سنگ سرخ کی ہے جو نو فیٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور دو فیٹ اونچی ہے اس پر کسی قسم کا کتبہ سوائے کلمۂ طیبہ کے نہیں ہے۔ البتہ مذکورۂ بالا برج کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

(۱) در عہد دولت ھمایوں سلطان الاعظم المعظم المتوکل علی

(۲) الرحمان سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

(۳) و سلطانہ بنا کرد این گنبد بندۂ امیدوار برحمت پروردگار

(۴) دولت خاتون احسا قوم خواجہ محمد عرا و ماہ رجب سنہ اثنی عشر و تسعمائۃ

یہ چوکھنڈی ۱۸ × ۱۸ مربع ہے۔ چاروں طرف چار چار در ہیں ۳ × ۱۰ چوڑے ۔ گنبد کے اندر درود اکبر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ دولت خاتون کون بیوی تھیں معلوم نہیں۔

دو برج اس باؤلی کے پاس ہی ایک ٹیلے پر دو چوکھنڈی نما برج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں۔

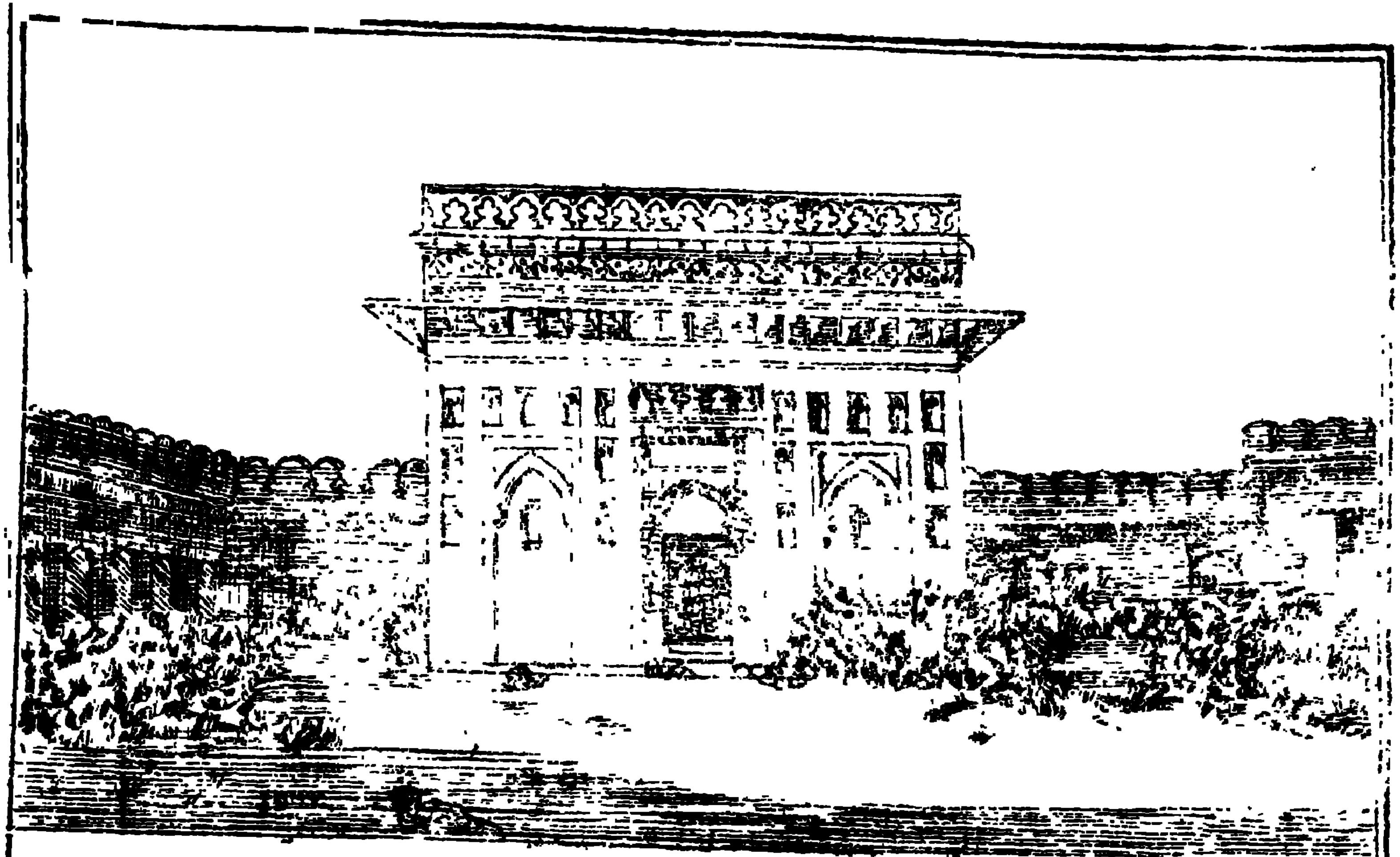
(۱) ۹ × ۹ مربع۔ اس میں چار قبریں گچ کی ہیں اور چاروں قبریں مردانی ہیں۔ بایں ہمہ یہاں کے لوگ اس برج کو رضیہ بیگم کا برج کہتے ہیں حالاں کہ بیگم موصوف کی قبر دلی میں ہے نہ کہ یہاں۔ یہاں کی ایک قبر پر سورۂ ملک اور سورۂ حشر کا آخری رکوع گچ میں کھدا ہوا ہے اور اسی طرح بیچ والی قبر پر آیۃ الکرسی ہے۔

(۲) اوپر والے برج کی طرح کا بارہ دری راجوں کی باؤلی کے شمال میں ہے۔ برج کے اندر کوئی قبر نہیں ہے مگر باہر چبوترے پر متعدد پختہ قبریں ہیں۔ یہ دونوں برج بے پتہ اور نامعلوم ہیں۔

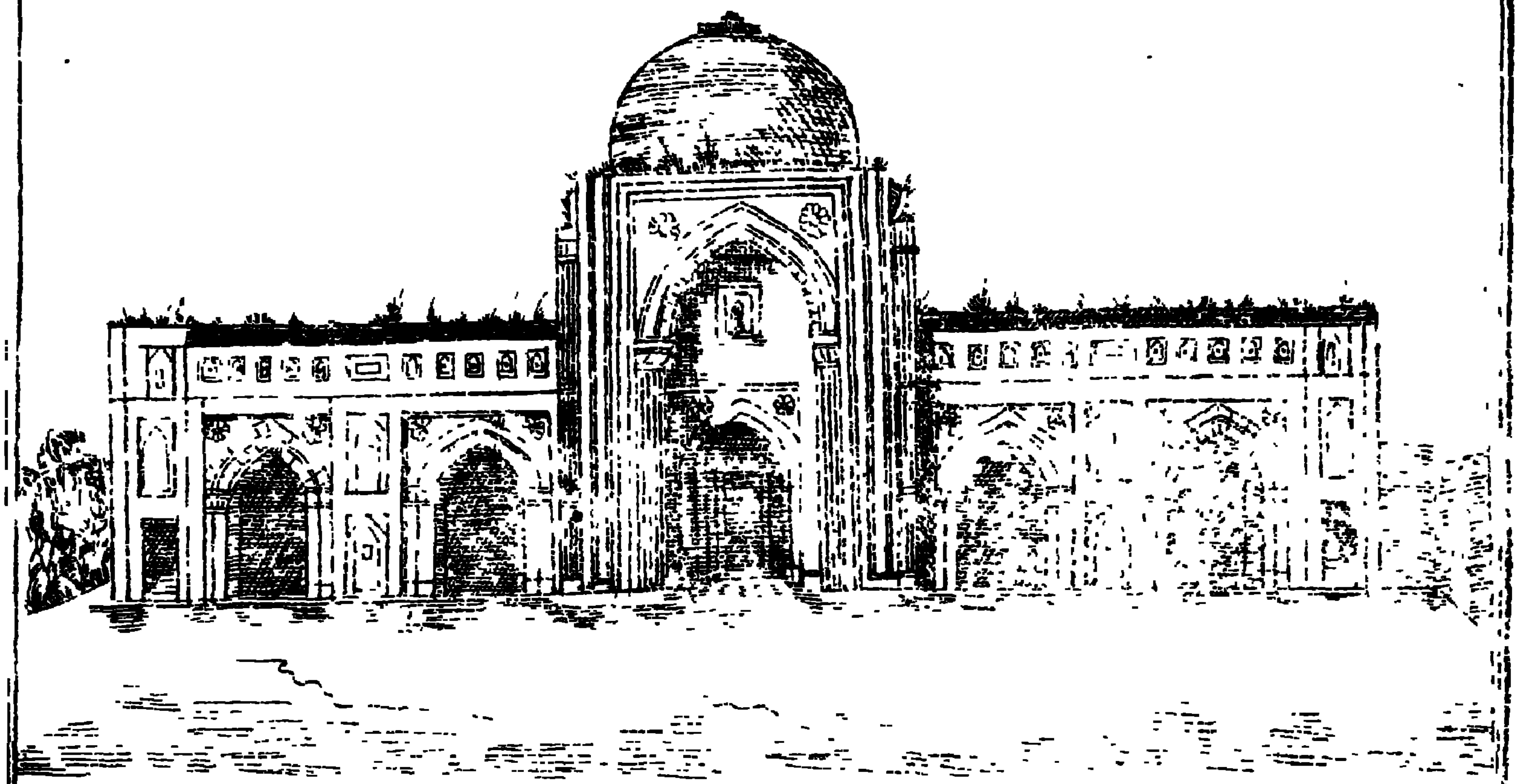
مولنا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء

ہیہات من از کجا و ایں کار کجا
در خورد من ضعیف ایں بار کجا
اوصاف بزرگاں ز شمار افزونست
در طاقت تقریر من زار کجا

شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں جو حضرت جمالی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بڑے سیاح۔ عالم متبحر۔ نامی گرامی شاعر اور اہل اللہ تھے جن کے علم و فضل اور تقدس کا شہرہ دور دور تھا۔ درگاہ آپ کی راجوں کی بائیں کے پاس پختہ بابر شاہ بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔ آپ ایک بڑے باکمال شاعر تھے۔ مثنوی۔ غزلیں قصائد سب ہی کچھ کہتے تھے مگر قصائد آپ کے بڑے پرمعنی اور پرزور ہوتے تھے۔ آپ اول جلالی تخلص کرتے تھے پھر جمالی تخلص کرنے لگے۔ آپ مولنا سماء الدین علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ آپ کے حسن کلام کی وجہ سے دربار شاہی میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ آپ کے زمانے میں دہلی میں چار بادشاہ ہوئے۔ سکندر لودی۔ ابراہیم لودی۔ بابر اور ہمایوں۔ سکندر لودی کے زمانے میں آپ کا نیر اقبال چمک رہا تھا اور طوطی بول رہا تھا اور اس زمانے کے اولیائے کاملین میں آپ کا شمار تھا۔ اگرچہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں آپ کی وہ بات نہ رہی تھی پھر بھی متوسلان شاہی میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ آپ کو مذہبی مباحث میں ید طولیٰ حاصل تھا اور سب آپ کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے حتیٰ کہ علماء اور فضلائے دیگر بلاد بھی آپ کو مانتے تھے ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی بائیں کے پاس بنوایا۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان و شوکت کی چونے پتھر سے بنی ہوئی ہے اس کی خوبی وضع اور دلکشائی کا بیان نہیں ہو سکتا حقیقت میں یہ مسجد کسی زمانے میں بہت دلچسپ اور نہایت دل پسند ہوگی اس مسجد پر کوئی کتبہ یا تاریخ بنا نہیں اس سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسجد کب بنی اور کس نے بنائی مگر یہ ظاہر ہے کہ درگاہ کے ساتھ کی مسجد ہے اور اسی زمانے میں بنی ہوگی جب کہ درگاہ بنی۔ اس کی وضع قطع ہمایوں بادشاہ کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے اس لیئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد



نقشۂ درگاہ مولانا جمالی



نقشہ مسجد درگاہ مولانا جمالی

ہمایوں بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے اور درگاہ کے ساتھ بنی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد اب بیابان ہے مگر اگلے زمانے میں عین قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی چنانچہ اب بھی ٹوٹی پھوٹی حویلیوں کے کھنڈر اس کے اطراف میں موجود ہیں۔ آپ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ "خسرو ہند والے" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ آپ کی نعش گجرات سے دلی لائی گئی اور جس حجرے میں آپ رہا کرتے تھے اسی میں آسودہ ہیں۔ مسجد اور درگاہ کے احاطے گو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار جو درگاہ کی جنوبی دیوار ہے درمیان میں راستہ بھی تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ صحن مسجد ۱۲۰ × ۸۰ ہے جس میں جانے کا دروازہ مشرق کی دیوار میں ہے جو حال کا نکالا ہوا معلوم دیتا ہے۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار میں تھا جو ایک جدید دیوار سے جو شرقی اور مغربی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے۔ جمالی مسجد کی وضع قطع موٹھ کی مسجد جیسی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین۔ جمالی مسجد کا گنبد [illegible] کے زمانے کی آخر طرز کا ہے۔ مسجد ۱۲۰ فٹ لمبی اور ۴۷ فٹ چوڑی اور ۳۲ فٹ اونچی

ف ۱ بسیار فاضل و باخرد و دیانت بوده در خوردی نام او جلال خاں بود و تخلص جلالی داشت چوں جوان شد باشارۂ پیر خود شیخ سماء الدین جمال خاں نام و جمالی تخلص کرد۔ سیر العارفین از تصنیفات اوست و در زمان ابو الغازی سلطان حسین مرزا بخراسان رفتہ و تا آخر عمر مرزا بداں دیار گزرانیدہ در ہند مراجعت نمودہ مصاحب سلطان سکندر بود۔ بابر شاہ بادشاہ احترام او کماہی بجا می آورد و ہمایوں بادشاہ را بہ صحبت او میلے موفور بودہ ہموارہ با او مجالست می نمود۔ از ابیات اوست:۔

مارا ز گرد کویش پیراہنیست بر تن   واں ہم ز آب دیدہ صد چاک تا بدامن

تاریخ رحلت از فخر الواصلین

محو ذات خدا جمالی بود   عاشق وصلت لا ابالی بود

شعر رنگین و تازہ اش بجہاں   ہست عشرت فزائے پیر و جواں

نقبش را بداں ز روئے یقیں   بود بے اشتباہ شمس الدیں

سال نقلش بعزت و تمکیں

خردم گفت [illegible] برس ۔ ۱۲

ہے چھت سے گنبد تک اور دس فیٹ کی بلندی ہے۔ مسجد کی وسطی ہے درمیانی عرض
دیوار میں دو فیٹ اندر دار کوہ ہے جو (۳۰) بلند اور (۱۵) چوڑی ہے۔ دیوار دوز ستونوں
کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہے سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش
نگار ہیں۔ نہیں کہا جاسکتا کہ کبھی یہ ستون چھت تک بلند تھے یا نہیں۔ محراب کی
اندرونی حصے پر بھی منبت کاری کے عمدہ نقش و نگار ہیں اور محرابوں کی پیشانی پر
بھی خوش نما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں
پڑی ہوئی ہیں۔ محراب کے نیچے اس دیوار میں جس میں بیچ کا دروازہ ہے ایک چھوٹی سی
محراب دار کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی سے تین چار فیٹ نیچے وہ دروازہ ہے جس کا ذکر اوپر
آیا ہے جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ
سرخ کی پٹیاں بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں۔ درمیانی محراب کی ادھر ادھر کی
محرابیں ۲۳ فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی ہیں بیچ کی محراب کی چھت دونوں جانب
کی محرابوں کی چھت سے ۸ فٹ اونچی ہے۔ آخری بازو کی محرابوں کے دیوار دوز ستونوں
میں دو طاق کم گہرے اور تین فیٹ اونچے ہیں۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی بغلی
محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہے۔ چھوٹی محرابوں کی
پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہے۔ صحن مسجد میں چوکے
بچھے ہوئے ہیں۔ پانچوں دروں کے جواب میں پچھیت کی دیواریں بڑی بڑی
دیوار دوز محرابیں ہیں۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے ٹکیے اور نقش و نگار ہیں
بیچ کے حصے پر گنبد ہے جس کی چھت محراب دار ہے اور اطراف کے حصوں کی مسطح۔
درمیانی حصہ مربع ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہے۔ درمیانی حصے کے کونوں
کی مثلثی جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کی عقب کی دیوار میں بھاری بھاری توڑے
جگہ کو پر کرنے کو لگا دیئے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی
بیستر فیٹ مربع زمین فصیل نما احاطے سے محصور ہے۔ احاطے کی دیوار دس
فیٹ اونچی ہے اور اسی میں مولنا جمالی کا مزار شریف ہے۔ یہ احاطہ بھورے پتھر اور
گچ کا ہے جس میں جانے کے لیئے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہے۔
تمام دیواریں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں۔

صحن احاطے کے جنوب و مغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام
کے لئے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا
رستہ تھا جواب بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت کے مزار کے مشرق میں ایک وسیع
احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں حضرت کی قبر ۲۵ فٹ مربع اور ۱۶ فٹ اونچے حجرے
میں ہے جس کا دروازہ جنوبی رخ کی دیوار میں ہے۔ دروازے کے سامنے اور عمارت
کے گرداگرد سنگین چھجہ ہے جس کے نیچے توڑے لگے ہوئے ہیں۔ اسی کے نیچے
حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پٹکہ ہے۔ حجرے کی سطح
چھت کے اطراف بھی رنگین نقاشی کا کام ہے۔ دروازے کے دونوں طرف
طاق میں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے طاق روشنی کے لئے بنے ہوئے ہیں
حجرہ شریف میں سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر ہے۔ مغربی دیوار
میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا طاق قبلہ کی طرف ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-
لا الٰہ الا اللہ الملک الجبار محمد رسول النبی المختار - اللہ (۱۲ مرتبہ) شہد اللہ
انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم
(پ ۳ رکوع ۱۰ سورہ آل عمران ع ۱۰)۔ الملک الواحد القہار لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
یا اللہ
شمالی اور مغربی دیواروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔
ان جالیوں کے دونوں طرف جہاں مغربی دیوار میں دروازہ اور دیوار دوز
محراب ہے روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لئے دو فیٹ مربع طاق بنا دیئے
ہیں۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبددار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے
زیادہ نقش و نگار اور رنگ آمیزی ہے۔ حضرت کی قبر شریف حجرے کے بیچ میں
ہے۔ آپ کی داہنی طرف اور ایک قبر ہے جو آپ کے بھائی کمالی صاحب
کی کہی جاتی ہے۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ دونوں قبریں نہایت
شفاف سنگ مرمر کی ہیں جو بہت مجلیٰ کیا گیا ہے۔ قبروں کے تعویذ سیدھے
سادے چپٹے ہیں جن پر نہ کوئی نقش و نگار ہے نہ کوئی کتبہ۔ درگاہ کے اندر گنبد
کے گرد چونے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں آپ کی کہی ہوئی کھدی

ہوئی ہیں :-

غزل

اگر بکفر کشد سر سیاہ کاری ما | بود بعفو تو چشم امید واری ما
بہ آستان تو شرمندہ سگانِ تو ام | کہ شب قرار ندارد بآہ و زاری ما
اگر بہ پردۂ رازے تو محرمی یابم | نقر بفجر نباید بہ پردہ داری ما
بخاک کوے تو در چشم مردماں خواریم | بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
ز ابرِ لطف تو شد تا پدید گردِ گناہ | ولیک خستہ نشد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی | بجز نعمت نرسد کس بغمگساری ما

جمالیا بدر یار التجامی آر
کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

دوسری غزل

ز حد گزشت بعشق تو بے قراری ما | امید ہست کہ رحم آمدی بزاری ما
جمالِ عفو تو گر آمدے برون ز نقاب | اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما
اگرچہ در خورِ قہریم از گنہ گاری | بود بلطف تو چشم امید واری ما
بعزتِ جبروت و بحرمتِ ملکوت | رسیم گر بفرازی بجا کساری ما
اگر بہ پردۂ رازِ تو پردہ دار شویم | فرشتہ را نسزد جاے پردہ داری ما
زنیک تر شحِ ابرِ کرم فرو شوئی | غبار جرم ز رخسار شرمساری ما

نظر ببوے جمالی فگن ز روے عطا
مبیں بجانب سستی و خام کاری ما

قطعہ

اے رحمتِ تو از غضب بُرد گرو | در قہر ترا لطف تو فرمود برو
جاے کہ شد از خرمنِ عفو تو سخن | آں جا گنہِ خلق نسنجید بجو

درگاہ گو مختصر ہے مگر بہت خوب صورت اور بالکل درست حالت میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کل کی بنی ہوئی ہے۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہے جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں جڑی ہوئی ہیں۔ آپ کی قبر کا تعویذ ۶ فٹ ۵ انچ × ۳ فٹ ۸ انچ ہے دونوں قبریں ایک ہی وضع کی ہیں اوپر اللہ اور بیچ میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ حجرہ شریف اندر سے ۱۴ فٹ ۱۰ انچ مربع ہے۔ دیواروں پر خدا جانے کس نفاست سے چج کی ہے کہ مثل آئینے کے منہ دکھلائی دیتا ہے۔ دیواروں پر نقش و نگار کے علاوہ گنبد کی چھت پر جو بہت بلند نہیں لاجوردی رنگ کے ایسے گل بوٹے نکالے ہیں کہ چمن کھلا دیا ہے اور رنگ ایسا پائدار ہے کہ ذرا پھیکا بھی تو نہیں پڑا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نقاش نے قلم دھرا ہے۔ درگاہ کے سامنے ۲۶½ × ۴۴½ فٹ کا چبوترہ کا بہت نفیس فرش ہے جس میں سفید اور گہرے رنگ کی چھ انچ مربع ٹیلیں لگی ہوئی ہیں اور آج تک باوجود روندن کے یہ فرش جھمک رہا ہے۔ سبحان اللہ کیسے بنانے والے تھے اور کیسے بنوانے والے۔ اسی فرش کے بیچوں بیچ ۲ فٹ مربع حوض ہے جو اب پاٹ دیا گیا ہے۔

آپ کی درگاہ کا احاطہ بہت وسیع اور فصیل نما کنگورے دار ہے جس کا طول و عرض ۱۲۰ × ۹۸ فٹ اور اونچان ۲۰ فٹ ہے۔ ساری دیواریں طاق طاق بنے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے احاطے کے اندر پورا گچ کا فرش تھا جو سب ضائع ہو کر کہیں کہیں کوئی کوئی ٹکڑا رہ گیا ہے۔

سنگ سرخ کی چوکھنڈی درگاہ کے احاطے کے اندر بجانب مشرق ایک چھوٹی سی مگر بہت سڈول چبوترہ ۹ فٹ کا مربع چوکھنڈی ہے جس کے بیچ میں سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہے جس کے دو طرف اللہ اور بیچ میں کلمہ ہے۔

دوسرا احاطہ اوپر والی چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگورے دار ۱۰۰ فٹ × ۳۴½ فٹ طاق دار احاطہ ہے جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہے۔ فرش پختہ تھا اب کہیں کہیں کنارے کنارے باقی رہ گیا ہے۔ اس میں بہت سی قبریں ہیں مگر سب بے نشان۔

مسجد کا مفصل بیان اوپر آ چکا ہے۔ بڑی بھاری اور عالی شان بڑے وسیع احاطے کے اندر یہ مسجد ہے عمارت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل نہ ہونے پائی اور ادھوری ہی رہ گئی کیوں کہ دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں

مسجد میں دو طرفہ تینتیس اُنتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ ممبر تک باقی نہیں۔ مسجد کا فرش صرف روڑی کا رہ گیا ہے۔ داہنی طرف سے پہلے در پر (۱) لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب تا واولٓئک ھم المتقون۔ پارہ ۲۔ س البقر۔ ع۶۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام تا لعلھم یرشدون۔ پارہ (۲) س البقر ع۷

(۲) آیۃ الکرسی فمن یکفر تک۔ اور کلما دخل علیھا زکریا المحراب تا ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ پارہ (۳) س آل عمران ۔ ع۱۲

(۳) بیچ طاق۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا تا ان اللہ بالناس لرءوف رحیم پارہ (۲) س البقرا ع۔ سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔ پارہ ۲۳۔ س صفت ع۹۔

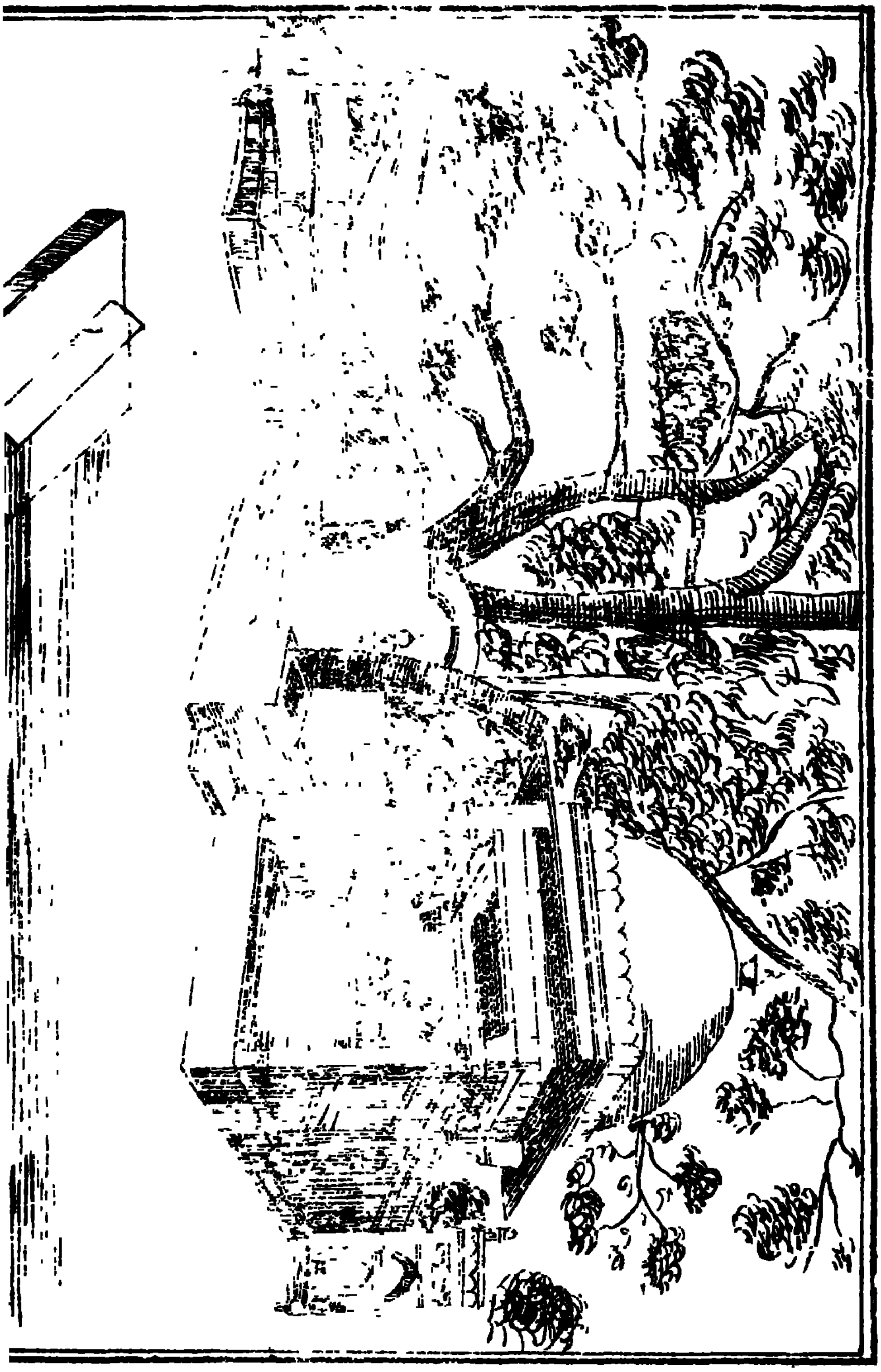
باقی دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں۔ بیچ کی محراب سنگ مرمر کی ہے جس میں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی نہایت نازک اور نفیس مرغولیں بنی ہوئی ہیں۔ گو مسجد سنگ خارا کی ہے مگر باہر کی محراب کار و کار سنگ سرخ کا ہے اور اس پر ایک بہت خوب صورت نشیمن سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔

ایک برج

مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ایک ہشت پہلو برج بہت مضبوط بنا ہوا ہے جس کا قطر ۱۱½ ہے۔ اور ہر ضلع طول میں ۷ ⅛ ہے اور در کی بلندی ۶½ ہے۔ مگر اس میں کوئی قبر نہیں رہی صرف بِن گھڑے پتھروں کا فرش باقی رہ گیا ہے۔ مسجد اور درگاہ کے گرد دور دور تک مکانوں کے کھنڈر ہیں مکانوں کی چار دیواری اور حجروں کی دیواریں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اب جنگل میں یہ درگاہ ہے پہلے اس کے گرد آبادی تھی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ

اے سرورِ اولیاے عالم
ای قبلۂ اصفیاے اکرم
روے تو کہ آفتاب حسن ست
پیدا شد از و ضیاے عالم



حضرت خواجہ قطب الدین صاحب سید حسینی ہیں آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ کمال الدین احمد موسیٰ اوشی ہے آپ اوش[1] ملک ماوراءالنہر کے رہنے والے تھے حضرت خواجہ قطب الدین جو عموماً خواجہ صاحب سے مخاطب کیے جاتے ہیں بزرگان دین میں نہایت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت صرف ڈیڑھ یا ڈھائی ہی سال کے تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار نے انتقال فرمایا۔ آپ شہر بغداد میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں بماہ رجب المرجب سنہ ۵۲۲ھ حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے اور مرتبہ خلافت پیران چشت سے حاصل کیا اور ایک مدت خواجہ بزرگ کے ساتھ بغداد شریف میں محنت وریاضت شاقہ کھینچی۔ جب خواجہ موصوف بغداد سے اجمیر شریف تشریف لائے تو بعد میں آپ بھی پہلے ملتان آئے بعد دہلی پہنچ کر آپ نے خواجہ بزرگ کی خدمت میں ایک عریضہ اشتیاقیہ لکھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ روحانی نزدیکی کو مکانی فاصلہ نقصان نہیں پہنچاتا اور نہ پہنچائے گا اے بابا بختیار تم کو دہلی میں رہنا چاہیئے چنانچہ آپ دہلی ہی میں رہے مگر تین بار آپ کی زیارت کو اجمیر تشریف لے گئے۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ سنہ ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸ء فتح دہلی سے پورے تین سال پہلے رای پتھورا کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اس وقت سن شریف بیس سال کا تھا اور آپ تحصیل علوم سے فراغ حاصل کر چکے تھے آپ کو دنیاوی معاملات یا امور سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا آپ کا مشرب ہمیشہ صلح کل رہا۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات سلطان محمد غوری سے شگفتہ نہ تھے مگر سلطان شمس الدین التمش آپ کا بڑا معتقد تھا اس کے زمانِ سلطنت میں آپ کا بڑا

---

[1] اوش بروزن موش ولایت فرغانہ میں ایک قصبہ ہے مابین سمرقند اور اندجان کے۔ آپ کی وفات کے سال میں اختلاف ہے۔ کتب تواریخ سے آپ کی وفات یوم دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول سنہ ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء میں ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر چوہتر سال کی ثابت ہوتی ہے بلکہ صاحب اسرار الاولیا لکھتے ہیں کہ سن شریف کچھ اوپر سو برس کا تھا کیوں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب سنہ ۵۱۳ھ ہونا کہی جاتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تھا پہلے پہل آپ نے پانی کے آرام کے خیال سے موضع کیلوکھری
میں لب آب قیام فرمایا اور کچھ دنوں وہیں رہے کہ شمس الدین التمش نے آپ کو
شہر میں لانے کی خواہش کی لیکن آپ نے انکار کیا مگر ہر ہفتے میں دو دفعہ
بادشاہ آپ کی خدمت میں بالالتزام حاضر ہوا کرتا تھا حالانکہ آپ کی اقامت کا فصل
پانچ کوس تھا۔ آخر بادشاہ بہت مصر ہوا اور آپ کو نہایت عجز والحاح سے شہر
میں لایا اور اعزاز الدین کی مسجد کے پاس جو ایک پُر فضا اور مصفا مقام تھا آپ کو
ٹھہرایا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب خواجہ صاحب سے رجوع ہو گئے۔ تھوڑے
دنوں بعد مولٰنا جمال الدین احمد بسطامی شیخ الاسلام نے انتقال کیا۔
بادشاہ نے چاہا کہ یہ خدمت آپ کو دے لیکن آپ کو دنیاوی معاملات سے
کیا تعلق تھا آپ نے ہرگز قبول نہ فرمایا۔ آپ دہلی ہی میں شامل ہوئے اور آپ
کے دونوں صاحب زادے سید احمد اور سید محمود صاحبان آپ
کے برابر ہی آسودہ ہیں بڑے صاحب زادے کا مزار تو کٹہرے کے اندر آپ کے
برابر ہی ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا کٹہرے کے باہر آپ کی پائنتی۔ بڑے صاحب زادے
سید احمد بڑے صاحب جذبات و کمالات گزرے ہیں۔ سید محمود نے عالم طفلی
میں سات سال کی عمر میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے مزار کے
سرہانے خواجہ عبدالعزیز بسطامی اور پائنتی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولٰنا بدرالدین
غزنوی اور امام الدین ابدال حضرت ضیاء الدین دست غیب خواجہ صاحب کی دایہ
کے صاحب زادے خواجہ شرف الدین بقال اور بہت سے بزرگان دین کے
مزارات ہیں۔ آپ کو حضرت خواجہ خضر سے عالم رویا میں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ
کے کمالات خوارق عادات۔ کرامتوں۔ غیب گوئیوں کی بہت سی روائتیں مشہور
ہیں مگر آپ نے خود کبھی اپنے کشف و کرامات کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ جب تک
زندہ رہے مرجع خاص و عام رہے اور گو کہ آپ کے جنازے کو بادشاہ وقت
نے کندھا دیا مگر آپ کے بے شمار مریدیں اور معتقدین کو جو عقیدت آج تک
ہے اُس کے مقابلے میں یہ امر کوئی قابل فخر بات نہ تھی۔ آپ نے اپنے وصال
کے وقت اپنا جبّہ اور عصا اپنے مرید اور خلیفہ حضرت فرید گنج شکر کے پاس

بمقام پاک پٹن جو ملتان کے قریب ہے بھیج دیا۔
روایت ہے کہ جب ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دہلی اس ضرورت سے تشریف لائے کہ آپ کے دو صاحب زادوں کا علاقہ اجمیر میں ایک گاؤں تھا وہاں کا تعلقہ دار تنخواہ دینے میں آپ کو ستاتا تھا۔ آپ نے صاحب زادوں کی خاطر دہلی چل کر بادشاہ سے مشاہرہ لانے کی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لائے اور حضرت قطب صاحب ہی کے مکان پر تشریف فرما رہے قطب صاحب نے فرمایا کہ آپ کو بادشاہ کے دروازے پر جانے کی کیا ضرورت اور میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی بات کے لئے آپ وہاں تک تکلیف فرمائیں یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ تو آپ کی ملاقات کا بھوکا ہی تھا آپ کی تشریف آوری کو بسا غنیمت سمجھا اور بہت خوش ہوا اور اسی وقت مقررہ مشاہرے کی اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیں۔ اسی مجلس میں رکن الدین حلوائی حاکم خطۂ اودھ بھی آیا اور حضرت کے بلند مرتبے پر بیٹھا بادشاہ کو یہ سوء ادبی ناگوار معلوم ہوئی آپ نے تاڑ لیا اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ جس وقت حلوا اور کاک موجود ہوتا ہے تو ہمیشہ حلوا کاک کے اوپر رہتا ہے پس اگر حلوائی کاکی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا برا ہوا۔
حضرت قطب صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحب دلی تشریف لائے اُس وقت شیخ نجم الدین صغرادی کے شیخ الاسلام تھے اور خواجہ بزرگ سے اُن سے قدیم روابط ملک خراسان سے تھے اور آپ کی طبیعت میں چوں کہ انکسار بہت تھا آپ بے تکلف اُن سے ملنے چلے گئے وہ ایک چبوترے کے بنوانے میں مصروف تھے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ نے نزدیک جا کر السلام علیکم کہا اور کہا کہ شاید تم کو شیخ الاسلامی کا گھمنڈ ہے جو قدیم دوستوں سے یوں بے رُخی کرتے ہو۔ نجم الدین نے بہت کچھ معذرت کی اور کہا کہ معاف کیجئے میں نے دیکھا نہیں ورنہ میں وہی بندہ معتقد اور مخلص ہوں مگر آپ نے اس شہر میں ایک ایسے مرید کو چھوڑا ہے کہ اُن کے سامنے میری خدمت ہیچ ہے۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو میں بابا قطب الدین

کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ خواجہ بزرگ نے چند روز دلی میں اقامت فرما کر مراجعت کا قصد فرمایا اور قطب الدین صاحب سے فرمایا کہ "بابا بختیار، دفعتہً تو اپنے شہر میں مشہور ہوا کہ بعض لوگ تجھ پر رشک کرتے ہیں۔ اٹھ اور میرے ساتھ چل"۔ چنانچہ آپ نے بھی حضرت کے ساتھ اجمیر جانے کا تہیہ کر لیا۔ یہ خبر مثل برق صبا کے پھیل گئی جس سے دلی میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا اور لوگوں نے حضرت معین الدین کے حضور میں واویلا اور منت سماجت کی کہ حضرت کو دلی ہی میں رہنے دیا جائے کہ جن کے دم قدم کی برکت سے ہم لوگوں کی جان میں جان ہے اور شہر میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش یہ خبر سن کر پا پیادہ حضرت کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا۔ چوں کہ ایک جم غفیر کی یہ خواہش تھی حضرت معین الدین نے یہ درخواست قبول فرمائی اور خواجہ بزرگ نے آپ کی مفارقت میں تمام شہر کا حال ایسا مضطر و پریشان دیکھا تو فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں قیام کرو میں نہیں چاہتا کہ تمہاری آتش جدائی میں خلق خدا کے دلوں کو کباب کروں جاؤ اس شہر کو ہم نے تمہاری پناہ میں سپرد کیا"۔ قطب صاحب نے بھی قصد روانگی ملتوی فرمایا اور پھر آپ نے یہیں اقامت فرمائی اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

آپ سے لوگوں کی حسن عقیدت اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اب تک بھی آپ کا مزار مہبط انوار الٰہی ہے۔ سبحان اللہ عجب مکان پر نور اور مقام کرامت نشور اور آستانۂ فیض گنجور اور بارگاہ سراسر سرور ہے کہ ہر در و دیوار اُس کا مطلع خورشید سعادت اور ہر گوشہ اُس کا مشرق انوار ہدایت ہے۔ ہر سنگ اُس کا سجدہ گاہ سبحان بیت المعمور اور ہر ذرہ اُس کا بصیرت افزائے دیدۂ تجلی طور۔ ہر طرف ردائے شوارق رحمت رحمانی نور افشاں اور ہر جانب رشحات سحاب لطف یزدانی فیض رساں۔ باوجودیکہ مزار آپ کے زیر سما ایک انبار گل ہے مگر اُس کی خوشبو سے شمیم گل و بوئے مشک خجل ہے اور باوصف کہ تربت پر کچھ گنبد و آرائش نہیں لیکن اُس کی عظمت و جبروت سے بارگاہ سلطانی اور شوکت خرگاہ آسمانی منفعل ہے۔

تاریخ سلاطین افاغنہ میں احمد یادگار راوی ہے کہ محمد عادل شاہ سور کا سپاہ

التمش جب دہلی سے مغلوں کے مقابلے کو نکلا تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور منت مانی کہ اگر وہ دلی فتح کرے گا اور مغلوں کو پسپا کر کے دلی کے تخت پر متمکن ہو جائے گا تو وہ قبول اسلام سے مشرف ہوگا۔
جب آپ کے وصال کی خبر پاک پٹن میں پہنچی تو حضرت فرید شکر گنج دہلی تشریف لائے اور حوض شمسی کی مٹی لا کر آپ کی قبر پر ٹوکریاں بھر بھر ڈالیں چنانچہ آپ کی قبر شریف آج تک خام ہے بلکہ اُس کا یہاں تک اہتمام و احترام ہے کہ اُن ٹوکریوں کی مٹی کو اُسی طرح چھوڑ دیا ہے سطح کو ہموار تک نہیں کیا۔ انھیں پر ایک سفید غلاف پڑا رہتا ہے۔
حضرت کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا ایک نہایت نفیس جالی دار کٹہرا ۶۲۔ ۹ اور بجائے ۸ آنہ اپ سر خورشید جاہ بہادر نے نصب کرایا ہے۔ کٹہرے کی نفاست کا کیا پوچھنا مگر کتبہ جو لگایا ہے وہ ایسا بدخط ہے کہ اُس نے کٹہرے کو بھی عیب لگا دیا۔ بھال ہاں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے حضرت نظام الدین اور روشن چراغ دہلی کی درگاہوں میں بھی کٹہرے لگوائے ہیں اُن پر تو بہت خوش خط کتبے ہیں اور ضرور ہے کہ یہ کٹہرا بھی جب ہی لگایا ہوگا مگر کتبہ غالباً بعد میں بے توجہی سے کھدوایا ہے اور وہ یہ ہے۔

"گذرانیدہ غلامانِ غلام قدمی محی الدین بہادر شمس الامرا
امیر کبیر خورشید جاہ بست و یکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ھ ہجری"

حضرت کے مزار کے سراہنے دیوار میں بطور چراغ دان کے ایک طاق بنا ہوا ہے اُس پر یہ خوش خط کتبہ ہے۔

۷۸۶
تاج
لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
جانشین سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین
خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی چشتی ر ح
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
یا اللہ بخش

جام شراب الفت آنا کہ برکشیدند ... بازند جاں ببازی گر گیر آید
چراغ دان مزار مبارک حضرت قطب الاقطاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
۱۴ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ

گزر اخیرہ خاکسار رسوا ابرزا مسافرحید آباد دہلوی بہ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

فدا حسین سنگ تراش

اکبر آبادی

آپ کے سرہانے ایک اور وسیع احاطہ ہے اس میں بھی متعدد قبور بزرگان دین اور آپ ہی کے معتقدین کی ہیں۔ اس احاطے میں بڑے بڑے چار درخت کھرنی کے بہت پُرانے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لگائے ہوئے ہیں بہر حال ہیں بہت پرانے۔ ان کا گھنا سایہ گرمی میں بڑا لطف دیتا ہوگا۔

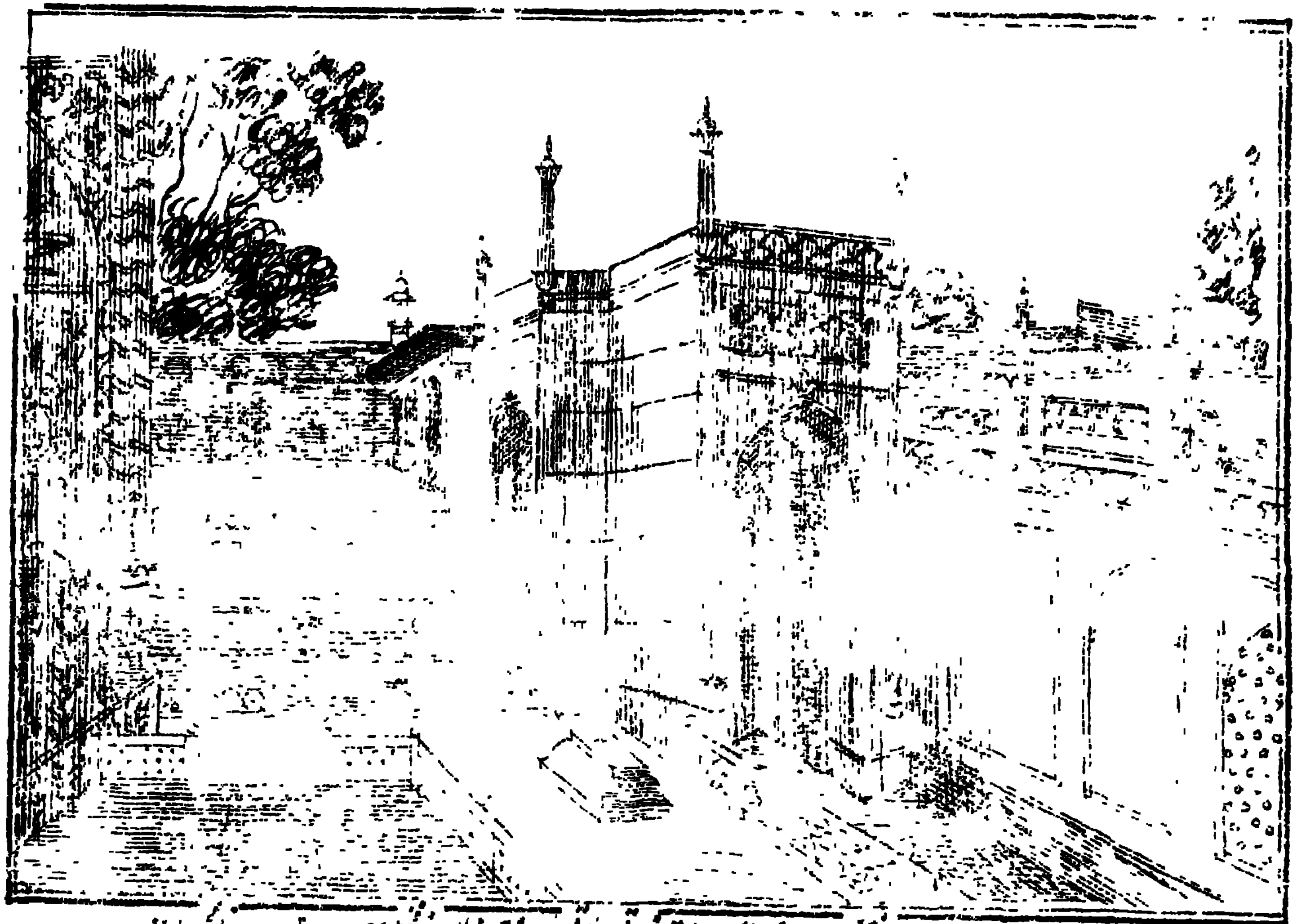
دروازہ متصل مجلس خانہ
۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء

۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں بزمان سلطنت شیر شاہ خلیل اللہ نامی ایک بڑے امیر وقت نے آپ کی قبر کے اطراف ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور شمال کی طرف ایک دروازہ بنوا کر یہ کتبہ نصب کیا:۔ (اشعار بر دروازہ متصل مجلس خانہ)

شاہ را ارباب کوکب موکب گردوں غلام	در زمان آفتاب چرخ دولت شیر شاہ
صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام	این عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او
راہتمام شیخ دیں بدر خلیل الحق تمام	بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد

اب یہ دروازہ بسنتی دروازہ کہلاتا ہے۔ دروازہ تو کچھ بڑا عالی شان نہیں ہے۔ اسی دروازے سے بسنت چڑھتی ہے اس سبب سے یہ نام مشہور ہو گیا۔ ۱۳ اور ۱۴ ربیع الاول کو بزمان عرس شریف غلاف خوشبوئیں وغیرہ اسی دروازے سے چڑھتی ہیں۔ اسی دروازے کے پاس سماع خانے کی قدیم عمارت تھی جو اب شکستہ ہو کر سوائے وسیع احاطے اور ایک شاندار گنبد دار دروازے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اس احاطے میں اب صرف قبریں ہی قبریں ہیں بسنتی دروازے میں سے ایک چالیس گز لمبی گلی چلی گئی ہے جو مکانوں کی چھپت کی دیواروں اور صحن درگاہ کی دیواروں سے بن گئی ہے۔ اس گلی کے سرے پر چھ سیڑھیاں چڑھ کر مولانا فخر الدین کے دروازے میں ہم داخل ہوتے ہیں۔ آپ شاہ عالم کے زمانے کے ایک بڑے امیر تھے۔ اس دروازے کے ایک جانب تین اور دوسری طرف ایک حجرہ ہے جو خدام

سلہ مبارک پور کوٹلے کے متعلق دار تھے۔ ۱۲۰



دروازۂ اندرون ... نقشہ ... درگاہ حضرت خواجہ قطب ...

رہنے کے لیے بنے ہوئے ہیں۔

دروازہ جانب احاطۂ ملا موج

سنہ ۹۴۹ھ / ۱۵۴۲ء

دس برس بعد سلیم شاہ کے عہد میں یوسف خاں نے ایک اور دروازہ سنہ ۹۵۹ھ / ۱۵۵۱ء میں بنوایا جواب مسدود دروازہ ہے اور جس پر یہ کتبہ ہے۔

اشعار بر دروازہ جانب احاطۂ ملا موج

در زمان شہ جہانِ اسلام — شد بلندی در سپہر جناب
گرچہ صد ہست باب جنت را — لیس بابٌ بمثلِ ہذا الباب
کرد شخصے بنا کہ در بابش — یوسف ثانی از حق است خطاب
چوں ز تاریخ نام کردم عرض — گفت در گاہِ خواجۂ اقطابؒ

اس دروازے کا نام مالن دروازہ مشہور ہے جو درگاہ کی مشرق جانب تھا۔ مالن دروازہ اس سبب سے کہلاتا تھا کہ ادھر سے کوئی مالن پھول اور چادر وغیرہ چڑھانے آیا کرتی تھی۔ اب یہ دروازہ گر گیا ہے اس سبب سے یہ کتبہ یہاں سے نکال کر صحن مسجد کے سامنے جو تین حجرے توشے خانے کے بنے ہوئے ہیں اُن میں سے بیچ والے حجرے کی پیشانی پر لگا دیا ہے۔

نوابان جھجر کی ہڑوار

بسنتی دروازے میں داخل ہونے کے بعد سیدھے ہاتھ کی طرف مجلس خانے کے دروازے کے ملحق ایک احاطہ ۵۷×۵۸ فٹ کا ہے جو جھجر کے نوابوں کی ہڑوار ہے۔ اس احاطے کے اندر مغرب میں ایک چھوٹی سی تین دروں کی مسجد ہے اسی کے صحن میں یہ ہڑوار ہے۔ اسی احاطے میں مسجد کی پشت پر ایک مکان تین در اور دو کوٹھریوں کا ہے جس کے صحن میں ایک برجی بھی بنی ہوئی ہے۔ صحن مسجد کے مشرق میں سنگ مرمر کے دو نفیس چبوترے ہیں۔ دونوں ۱۱×۱۰ فٹ طول و عرض میں اور دو فیٹ اونچے ہیں۔ دوسرے چبوترے کے گرد سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ پہلے چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک جھجر کے پہلے نواب نجابت علی صاحب کی اور دوسری اُن کی بیوی کی۔ یہ

نجابت علی وہ ہیں جن کو لارڈ لیک کے زمانے میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ دوسرے چبوترے پر نجابت علی خان کے صاحبزادے میر فیض محمد خاں کی قبر ہے۔ یہ سنگ مرمر کی ہے اور لوح پر بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے:۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

نواب چوں گذشت ازیں ایرماں سرائے — از جوش درد و غم ہمہ عالم بہم زدم
تاریخ رحلتش سد لوح مزار او — آرام گاہ فیض محمد الم زدم

اس قبر کی داہنی طرف ایک اور سنگ مرمر کی ایسی ہی قبر ہے مگر اُس کے گرد نہ کٹہرا ہے نہ لوح۔ یہ قبر میر فیض علی خاں کی ہے جو نواب عبدالرحمٰن خاں جھجر کے آخری نواب کے والد تھے۔ عبدالرحمٰن خاں کو ۱۸۵۷ء کے غدر میں بعلت بغاوت پھانسی دی گئی تھی جن کی نعش کو سرکار نے اُن کی ہڈواڑے میں دفن کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس احاطے میں اور بہت سی قبریں ہیں۔ صحن مسجد سے شروع کریں تو پہلی لین میں تین قبریں ہیں (۱) چبوترا اور قبر سنگ مرمر۔ (۲) سنگ سرخ کی۔ (۳) ایک پست قبر گچ کی۔ دوسری لین (۱) سنگ سرخ کے چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کی۔ دوسرا چبوترا سنگ مرمر اُس پر دو قبریں جس میں ایک سنگ مرمر کی ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے بیچ میں ایک زمین دوز قبر۔ تیسرا چبوترا سنگ سرخ کا اُس پر ایک قبر۔ تیسری لین۔ صحن مسجد پر ایک قبر گچ کی صحن سے اُتر کر تین چبوترے سنگ مرمر کے ہیں جن پر نوابان کی قبریں ہیں اسی لین میں چوتھی قبر گچ کی ہے اور پانچویں قبر سنگ مرمر کی سنگ سرخ کے چبوترے پر ہے۔ چوتھی لین۔ سات قبریں پانچویں لین۔ چار پختہ دو خام قبریں۔ اس لین کی کونے والی قبر پر جو گچ کی ہے یہ لوح لگی ہوئی ہے:۔

ہو القیوم

فرشتہ خصلت و عصمت پناہ و مرتبت عالی
ہوئی واصل بحق از حکم رب پاک بے ہمتا
جو پوچھا اس سن رضواں سے امسال از سر بخشش
زہی جنت میں ممتاز النسا گئی بولا
سنہ ۱۳۰۹

یہ احاطہ پتھر چونے کا ہے۔ احاطہ کے بیچ میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت ہے۔

شاکر خاں کا دروازہ
سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء

مولانا فخر الدین کے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے تو ایک کھلا ہوا پتھر کے صحن کا فرش ملتا ہے جس کے آگے کوئی بیس گز کے فاصلے سے ایک اونچی دیوار میں ایک دروازہ نصب ہے اور داہنی طرف ایک اور محراب دار دروازہ ہے جس کو سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں بعہد شاہ عالم بہادر شاکر خاں نے بنوایا۔ اب یہ دروازہ بادشاہی دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ بادشاہی دروازے کے پاس ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

اشعار بر دروازہ غربی

خلقے کہ دریں گنج سعادت می رفت — آخر گہر نثار شاکر خاں سفت
گفتم چہ نویسیم رقم تاریخش — رضواں بدر اسرار در جنت گفت

خواجہ نور المخاطب بہ معتمد خاں کی قبر سنہ ۱۰۸۴ھ

شاکر خاں کے دروازے کی داہنی جانب محراب دار دروازے میں داخل ہونے سے اول ایک دوسرا احاطہ ۲۵ گز مربع ہے جس کی چار دیواری سنگ سرخ کی دس فٹ بلند ہے جس کے اوپر دو فٹ اونچا اور کنگورا بھی ہے۔ سر تھیافلس مٹکاف کی قبر جو دہلی کے سینٹ جیمس کے گرجا میں بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ اس کا تعویذ پہلے مجھجر کے نواب نے اپنے لئے خریدا تھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر سے معاملہ درہم برہم ہو گیا اور ایک مسلمان کی قبر کا تعویذ انگریز کی قبر پر نصب کر دیا گیا۔ اس احاطے میں اب معتمد خاں کی قبر ہے جو اورنگ زیب کے عہد کا ایک خواجہ سرا تھا جس کا اصلی نام خواجہ نور تھا جو قلعہ جات گوالیار و آگرے کا قلعہ دار بھی تھا۔ اس احاطے کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک تختی پر ایک ایک مصرعہ بخط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے کل دس تختیاں ہیں۔

بعہد مظہر حق شاہ عالمگیر محی الدین — کہ از حشمش بعد امن باشد انسی و جانی
گزیدہ معتمد خاں تا کیا سے شاہ قطب الدین — کہ از مین جو اشش بست چشم عفو یزدانی

زِ نورِ قربتش ہر کس تجلی یاب می گردد | شود حشر از جمالِ جبہ این چون ماہ نورانی
کنون عفو کن یا رب زمین قرب آمدامش | منور ساز حشرش را ز نورِ قطب ربانی
سوالِ سالِ تعمیرش چو از گردون بیاں کردم | جواب آمد الٰہی عاقبت مسعود گردانی

اس قبر کا تعویذ بالکل سادا سوداسنگ مرمر کا تین فٹ اونچا اور تین فٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ اس احاطے کے مغرب جانب پانچ دروں کی ایک مسجد ہے جو ۲۹ فٹ لمبی اور ۸ فٹ چوڑی ہے جس کے صحن میں پتھر کا فرش ہے صحن ۵۰ پا فٹ چوڑا ہے۔ اس احاطے میں اندر چار قبریں شاہزادہ مرزا الٰہی بخش صاحب کے خاندان کی ہیں۔ جو مرزا ثریا جاہ کے والد تھے اس احاطے کے اندر بیچوں بیچ میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ کیئے ہوئے ہے۔

مرادبخش کا محجر سنہ ۱۲۱۵ ھ

بادشاہی دروازے کے پاس یہ محجر ۳۶ پا فٹ × ۲۶ پا فٹ ہے جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ محجر کے اندر چھوٹی سی سہ دری اور ایک مختصر سی خانقاہ وہ بھی سہ دری بنی ہوئی ہے۔ اس خانقاہ میں ایک حجرہ بھی ہے۔ محجر کے اندر چار قبریں ہیں جن میں سے ایک سنگ مرمر کی ہے۔ دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ایک سنگ سرخ کے کٹہرے کے اندر ہیں جس کا چبوترا سنگ مرمر کا ہے۔
اس محجر کے روکار پر یہ کتبہ ہے۔

پیر دستگیر	اللہ و محمد علی فاطمہ حسن حسین علیہ السلام	غوث الاعظم
در عہد جہاں پناہ شاہ عالم صد شکر مرادبخش باصدق و صفا	تعمیر نمود خانقاہ و مسجد پیش درگاہ قطب دین و دنیا	تاریخ ز عقل چون بجستم گفت این مسجد و خانقاہ او کرد بنا ۱۲۱۵

مرادبخش کے محجر کے پاس ایک پختہ حوض ۲۵ فٹ مربع چار فیٹ عمیق بیچ میں فوارہ بندش سنگ سرخ کی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ زیارت کو تشریف لاتے تھے تو اسی حوض سے وضو کر کے درگاہ شریف میں داخل ہوتے تھے۔

۱؎ نوٹ ... قطعے ۱۲۱۵ ...

گل چشم خاں کی مسجد

مزار بخش کے حجرے سے ذرا آگے بڑھ کر گل چشم خاں کی مسجد ۳۰-۴ × ۲۶ ۱/۲ فٹ اونچی ہے۔ دالان کا عرض ۱۱ ۱/۲ ہے اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

مولٰنا فخر الدین کا مزار

سنہ ۱۱۹۹ھ

معتمد خاں کے احاطے کی بائیں جانب دروازے کے اندر ۸ ۱/۲ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی ایک ڈھلواں گلی ہے جس کا ڈھلاؤ شمال سے جنوب کی طرف پورے چار فیٹ کا ہے۔ داہنی جانب قطب صاحب کے مزار مبارک کے احاطے کی سنگ مرمر کی دیوار ہے اور بائیں طرف حضرت کی مسجد کی پشت کی دیوار ہے۔ اس گلی کے سرے پر ایک سنگ مرمر کا دروازہ ہے جس کی سیدھی جانب مولٰنا فخر الدین کا مزار ہے آپ مولٰنا نظام الدین اورنگ آبادی کے صاحب زادے اور خلیفہ ہیں آپ کی ولادت سنہ ۱۱۲۶ھ میں بمقام اورنگ آباد دکن ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب شیخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ سید محمد گیسو دراز کی اولاد میں سے ہیں جن کا مزار پر انوار گلبرگہ شریف میں ہے۔ آپ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے مگر پھر دلی میں آن رہے تحصیل علوم الٰہی کے بعد یاد الٰہی میں قدم بڑھایا۔ سرگروہ کاملین میں سے ہوئے۔ تہتر سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۱۹۹ھ کو انتقال کیا۔ آپ کی قبر زیر سما ہے۔ چبوترا سنگ مرمر کا ۱۵ ۱/۲ × ۸-۱۰ اور ڈھائی فیٹ اونچا ہے جس کے گرد نہایت خوب صورت جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد

بگذاشت فخر دیں چوں مہمان سرائے فانی
برآستانہ جاداد آں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم
تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی
۱۱۹۹

من کلام سید الشعرا مقبول الٰہی ۱۲۲۳

اسی کی چبوترے پر ایک چھوٹی سی قبر سلطان التارکین شمس الدین التمش کے بیٹے کی ہے جس کا تعویذ ۱۰ × ۱ اور نو انچہ اونچا ہے۔ مولٰنا فخر الدین کے چبوترے کی پائنتی ایک ستون سنگ مرمر کا بطور لالٹین کے نواب علاء الدین خاں صاحب

مرحوم رئیس لوہارو نے بنوا دیا ہے جس پر بحروف قطب مینا فخر صاحب ۱۱۹۹
شمع مزار عاشق صادق ۱۲۰۳ھ اور اسی - چراغ کا ایک اور ستون بھی ہے
چراغدان لحد۔ مینو مقام فخر الدولہ کندہ ہے۔ یہ دونوں ستون مولانا فخر ۱۲۲۲ ۱۲۱۳
کے سنگ مرمر کے دروازے کے دونوں طرف ہیں۔

دو اور مزار مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سرہانے یہ دو مزار اور ہیں۔
(۱) شیخ حسین ۱۱۱۱ تا ۱۲۰۰۔ (۲) شیخ اللہ دیا رح۔

مولانا فخر الدین کے احاطے میں اور خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے درگاہ کے احاطے میں بہت سے اولیاء کاملین اور بہت سے عظام اور عقیدت مندوں کی قبریں ہیں جن کی کیفیت خدام درگاہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔

سماع خانہ درگاہ شریف کی مسجد کے قریب۔ ضابطہ خاں کا بنوایا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ضابطہ خاں نے ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا ہے یہی زمانہ اس سماع خانے کی تعمیر کا سمجھئے۔ یہ ایک تین در کا دالان ہے ۲ گز ۹ × ۱۶½ محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر چھت چوبی کڑیوں کی ہے چھت کے چاروں طرف چوکون برجیاں ہیں۔ سامنے بڑا لمبا چوڑا صحن ہے جو سارا قبروں سے پٹا پڑا ہے۔ اسی صحن میں داؤد خاں کی بڑی بھاری باؤلی ہے جس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

ضابطہ خاں کی قبر فرخ سیر کے پہلے سنگ مرمر کے دروازے سے گزرنے کے بعد سیدھی جانب کوئی دس گز کے فاصلے پر بہت سی قبریں ہیں اُن سے اور ذرا آگے بڑھ کر یعنی سماع خانے کے دالان سے ملا ہوا سامنے والا ایک سنگ مرمر کا چبوترا ۱۱½ × ۱۱ گز اور دو فیٹ اونچا ہے جس کے گرد ایک خوب صورت کٹہرا ہے چبوترے پر ایک پرانا اور گھنا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ فگن ہے۔ اس چبوترے پر سنگ مرمر کی دو خوب صورت قبریں برابر برابر ہیں جن کے تعویذوں پر علاوہ نقاشی کے کل من علیہا فان اور کلمہ اور گرد آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ مردانی قبر ضابطہ خاں کی ہے اور زنانی اُس کی بیوی معصومہ بیگم کی ہے۔ یہ وہی ضابطہ خاں ہیں جو سلطنت مغلیہ کے قلعہ قمع کے بانی مبانی تھے اور جن کے صاحبزادے غلام قادر خاں تھے جو مفسدہ پردازی میں اپنے

باپ سے کئی ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ ؎

زناپاک زادہ نداری امید ۔ کہ زنگی بشستن نگردد سفید
پرستارزادہ نیاید بکار ۔ اگرچہ بود زادہ شہریار

[illegible] خاں کے [illegible] کی دوسری قبریں

پہلی قبر جو باؤلی کی طرف ہے اُس پر یہ کتبہ ہے۔ بسم اللہ۔ کلمہ۔ تاریخ وفات ۲۷۔ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ ہجری بروز یکشنبہ مطابق ۱۵۔ اکتوبر ۱۸۷۶ء عبدہ نواب محمد کلہ خاں قوم نیازی سکنہ ڈیرہ اسمعیل خاں

(۲) کرد رحلت زگیتی گزراں ۔ خان دیں دار حافظ قرآں
گفت سال وصال او ہاتف ۔ بود مقبول حق جواہر خاں

(۳) یہ دو بہن [illegible] جان اور [illegible] جان [illegible] بائیوں کی قبریں ہیں یہ [illegible] ان [illegible] تھے جن کی گلی دلّی میں مشہور ہے۔

(۵) جناب حافظ حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک کے جد امجد کی قبر ہے جس پر کتبہ ہے۔
ھوالحکیم۔ ھذا مرقد اشرف الحکماء × محمد شریف خاں الدھلوی × دخل الجنۃ بلا حساب
۱۲۱۲ھ

(۶) نواب محلدار خاں کی قبر جن کا باغ دلّی میں مشہور ہے۔

(۷) شیخ حسین فیروز رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور ہے کہ قحط کے دنوں میں مٹی کی گولیاں بانٹا کرتے تھے جو موتی ہو جاتی تھیں۔

نواب علاءالدین خاں کی ہڑوار

یہ قطعہ ایک حصہ ہے مرزا بابر کی کوٹھی کا جو لوہارو کے نواب علاءالدین خاں صاحب نے خرید لیا تھا اس کے احاطے میں کئی قبریں ہیں:۔

(۱) ھوالغفور ۱۳۲۶ھ سید مخدوم علی بہ مرد معروف ۱۳۲۷ھ۔

(۲) ھوالغفورالرحیم۔ مدفن۔ مرزا سعیدالدین احمد خاں طالب ۷ ۔ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ ہجری یوم یکشنبہ۔

(۳) مدفن امین الدین احمد خاں بہادر ۱۲۸۶ھ۔ تعویذ پر کل من علیہا فان اور کلمہ گرد آیۃ الکرسی۔

(۴) چوں ضیاءالدین احمد خاں کشید ۔ رفت از دنیا سوے دارالسلام
گفت ہاتف ماضی سال وفات ۔ روز شنبہ سیزدہ شہر صیام
۱۳۰۲

سرہانے یاحی یاقیوم یاذوالجلال والاکرام قائلہ مکاتبہ محمد رضی الدین دہلوے۔

اس احاطے میں کل سات قبریں ہیں جن میں چار سنگ مرمر کی ہیں باقی معمولی۔ یہاں ایک سہ درہ بنا ہوا ہے جس کے محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ کچھ قبریں سہ درے میں ہیں کچھ اس کے سامنے کے صحن میں۔

فرخ سیر بادشاہ کا دروازہ سنہ ۱۱۳۰ھ

فرخ سیر بادشاہ نے مزار مبارک کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور سنگ مرمر کا دروازہ بنوایا جس کے اندر باہر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

کتبہ اندرون دروازہ۔ اللہ محمد ابی بکر عمر عثمان علی

باہتمام کمترین غلامان [illegible] معتقدان فرخ شاہ	ازسعی کمترین غلامان شہریار	بااعتقاد و معتقد کامل العیار	اہتمام یافت [illegible]
	رفتند قدسیاں بدیار بہشت عدن	تاریخ یافتند حصار بہشت عدن	راقم عبدالرشید [illegible]

کتبہ بیرون دروازہ اللہ محمد ابوبکر عمر عثمان علی

ازحکم بادشاہ جہاں خسرو انام　　فرخ سیر شہنشہ نہ آسماں غلام
گرد مزار خواجۂ دیں قطب نہ فلک　　گرد دیگر روضۂ او آدم و ملک
تعمیر شد محجر زیبا و منتظم　　مانند قبلہ اشرف و چوں کعبہ محترم

صندل کا کٹہرا سنہ ۱۱۵۲ھ

سنہ ۱۲۵۲ھ میں خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے حضرت خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے گرد صندل کا ایک کٹہرا ۱۲ فٹ مربع دو فیٹ اونچا لگوادیا تھا اور اس کارخیر سے سفاخرت سرمدی حاصل کی تھی مگر وہ کٹہرا امتداد زمانے سے بوسیدہ ہو جانے سے سر خورشید جاہ بہادر نے اس کی جگہ سنگ مرمر کا کٹہرا لگوادیا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار سنہ ۶۴۴ھ

خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے پائنتی قاضی حمید الدین ناگوری کی تربت ہے۔ نام آپ کا محمد اور باپ کا نام عطا تھا آپ بخارا کے

رہنے والے تھے۔ آپ بڑے عالم اور شائخ وقت تھے۔ اول آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی اور سید شمس الدین سمرقندی سے فیض خلافت حاصل تھا اور ایک سال دو مہینے مدینۂ منورہ میں رہے پھر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بعد وفات خواجہ صاحب کے ۶۴۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا آپ کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"ہذا مرقد المنور قطب الاولیا فی الآفاق وغوث الاتقیا بالاستحاق الامام العالم العامل اولی الفاضل الکامل شیخ حمید الدین نور اللہ مرقدالمنورہ عمرہ الروضہ خادم الفقرا سلیمان بن شیخ بھیکہ سنتہ اربع وسبعین سبعمائتہ وفات حضرت شیخ المحققین و قطب العارفین شاکر بارگاہ قدس و طائف کعبۂ انس دو دریائے حقیقت جوہر کان طریقت حضرت محمد محمود حمید بندگی شیخ محمد حمید نور اللہ مرقدہٗ در شب دوشنبہ یازدہم ماہ رمضان فی الحمد ذلک اللیل جار الشمس ۶۹۵ھ بما

باندے کے نوابوں کی ہڑوار

عربی دروازے سے کوئی تیس فٹ کے فصل سے داہنی طرف قطب صاحب کی درگاہ کے احاطے کی جنوبی دیوار ہے جو سنگ مرمر کی ہے جس میں تین جالیاں ہیں۔ دوسرے سنگ مرمر کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے بائیں جانب نواب صاحب باندے کا مجھر ہے جس میں سنگ مرمر کی چار اور سنگ باسی کی ایک قبر ہے۔ باندے کے نوابوں کی یہی ہڑوار تھی لیکن غدر کے بعد سے یہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی تعمیر کردہ مسجد

سنگ مرمر کے دوسرے دروازے میں گزرنے کے بعد داہنی طرف ہم کو اور ایک احاطہ ملتا ہے جو احاطۂ درگاہ کی مشرقی اور جنوبی دیواروں سے بنا ہے۔ یہ ایک مستطیل احاطہ ۹۸ × ۵۶ فٹ ہے جس کی مغربی دیوار کا سہ ربع حصہ کاشی کام کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور باقی دیوار پتھر چونے کی ہے مغربی دیوار کے شمالی کونے میں ایک مسجد ہے۔ اس میں بھی کاشی کام کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت فرید گنج شکر تشریف لائے تھے تو آپ ہی نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ اس مسجد کے دونوں جانب کے در درمیانی محراب سے ٹھیک فصل پر نہیں بنائے گئے ہیں۔

قطب صاحب کی مسجد

ضابطہ خاں کی قبر سے داہنی طرف چلیئے اور اسی گلی کے پختہ فرش پہ چلیئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے تو قطب صاحب کی مسجد ملے گی جو آپ کی درگاہ کی جالیوں کے پاس ہے کہ قدر و منزلت میں ہم پایۂ بیت المقدس ہے اور فیض و برکت میں بے شک خانۂ خدا ہے۔ یہ مسجد ۳۳ × ۲۱ ف ہے جس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ دو محرابوں کا کچا تھا یعنی صرف مٹی کا۔ اس حصے کو خود جناب حضرت قطب الاقطاب نے مع اپنے ہمراہیوں کے کہ ہر ایک ولی کامل اور شیر بیشۂ زہد و تقویٰ تھا بنایا تھا۔ سنہ ۹۵۹ھ ۱۵۵۱ء میں **اسلام شاہ** نے اس درگاہ کے گرد چار دیواری بنوائی اسی کے ساتھ اس کچے درجے کے آگے پختہ درجہ بنا دیا۔ اس کے بعد **فرخ سیر** نے ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ء میں جس زمانے میں درگاہ کے گرد سنگ مرمر کا محجر اور دروازہ بنوایا اسی زمانے میں مسجد کے آگے بھی ایک اور درجہ بنا دیا۔ پس یہ تیسرا درجہ فرخ سیر کا بنوایا ہوا ہے جس پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب	مورد لطف و عنایات شہ والاجناب
مسجد زیبا بناؤ سجدہ گاہ شیخ و شاب	ساخت از روئے ارادت وز رسوخ اعتقاد
سال تاریخ بنائش ثبت ربی مستجاب	باسروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد

سنہ ۱۱۳۰ھ

باہتمام کمترین ...... [۱]

موجودہ حالت اس مسجد کی بوجہ ترمیم کے بالکل نئی ہوگئی ہے پہلی حالت صرف اس قدر باقی ہے کہ پہلا حصہ جو خام تھا اس کا صرف ایک چھوٹا سا در باقی ہے جو بجنسہ تبرکاً قایم رکھا گیا ہے اس کے آگے دالان در دالان ہے پھر (۵۰ ف) لمبا اور ... چوڑا صحن ہے جس سے ملے ہوئے تین حجرے بطور سٹور روم کے ہیں جس میں درگاہ شریف کا سامان شامیانے وغیرہ رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حجرے خانخاناں کے بنوائے ہوئے ہیں چنانچہ جنوب کی طرف کے حجرے میں ان کا

[۱] ایک وہ تھے جنہوں نے خانۂ خدا بنایا ایک یہ ہیں جنہوں نے بنانے والے کے نام کو بھی ... رشک و حسد نے گوارا نہ کیا کہ اس بے چارے کا نام بھی رہنے پاسے۔ ۱۲

بھی ہے۔ اور انھیں حجروں میں کے درمیانی حجرے کی پیشانی پر مالن دروازے کا کتبہ لاکر لگا دیا گیا ہے کیوں کہ مالن دروازہ اب رہا ہی نہیں۔

صحن مسجد کی قبور

(۱) شیخ نظام الدین ابو المؤید رحمۃ اللہ علیہ از مشاہیر بزرگان است در زمان سلطان شمس الدین معاصر خواجہ قطب الدین شیخ نظام الدین اولیا نیز او را دیدہ است۔ میر حسن در فوائد الفوادمی آرد کہ بندہ عرضہ داشت کرد کہ شما در تذکیر او وقتے بودید فرمود آرے و لے در آں ایام کودک بودم درک معانی چندانی بر او نبودہ است۔ روزے در تذکیر او دیدم بردر مسجد نعلین در پاے داشت آنرا از پاے بکشید و بدست گرفت و در مسجد آمد و دوگانہ بگزارد من ہیچ کس را در نماز بہ ہیئت او ندیدہ ام دوگانہ با راست بگزارد و بالاے منبر رفت مقری بود کہ او را قاسم گفتندے خوش خوان او در آیتے بخواند بعد ازاں شیخ نظام الدین آغاز کرد کہ بخط بابا ے خود نوشتہ دیدہ ام ہنوز سخن دیگر نگفتہ بود کہ ایں سخن در حاضران در گرفت ہمہ در گریہ شدند آنگاہ ایں دو مصرع بگفت ؎

برعشق تو و بر تو نظر خواہم کرد   جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

ایں بگفت و نعرہ ہا از خلق بر آمد بعد ازاں دو سہ بار ہمیں دو مصراع بگفت آنگاہ گفت کہ اے مسلمانان دو مصراع دیگر ایں رباعی یاد نمی آید چہ کنم ایں سخن بر طریق عجز گفت چنانکہ در ہمہ جمع اثر کرد۔ آنگاہ قاسم مقری آں دو مصراع یاد داد ؎

پرور دوے بخاک در خواہم شد   برعشق سرے زگور بر خواہم کرد

ایں رباعی تمام بگفت و فرود آمد۔ جد شیخ نظام الدین ابو المویدا شمس العارفین گویند و شیخ جمال کو لوی کہ مقبرہ او در کول است از اولاد او ست۔

(۲) بی بی سیارہ رحمۃ اللہ علیہا۔ والدۂ شیخ نظام الدین ابو المؤید بسیار بزرگ بود از متقدمین است۔ وقتے امساک باراں شدہ بود مردم ہمہ دعا کردند و باراں نیامد۔ شیخ رشتہ از دامنی مادر خود بدست گرفت و گفت خداوندا بحرمت آنکہ ایں رشتۂ دامنی ضعیفہ است کہ ہرگز چشم نامحرم بر و نیفتادہ است باراں بفرست۔ از شیخ ایں حرف گفتن و از خدا باراں فرستادن۔ قبر او در پہلوے نماز گاہ کہنہ است کہ قبر حضرت خواجہ قطب الدین پس پشت آں جا قع است۔ اب بھی امساک باراں کی حالت

آپ کے مزار کو غسل دے کر نیاز دلاتے ہیں اور خداوند تعالیٰ بندوں پر اپنا فضل کرتا ہے

بی بی حنبل کا مزار

صحن مسجد کے پاس چھوٹے سے احاطے کے اندر ہے۔ احاطے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی لگادی ہے تاکہ لوگ اندر نہ جاسکیں اس احاطے میں دو زنانی قبریں ہیں۔ ایک میں بی بی حنبل خواجہ صاحب کی دایہ آسودہ ہیں اور دوسری قبر خواجہ صاحب کی بیوی صاحب کی کہی جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ اولاد فرخ سیر

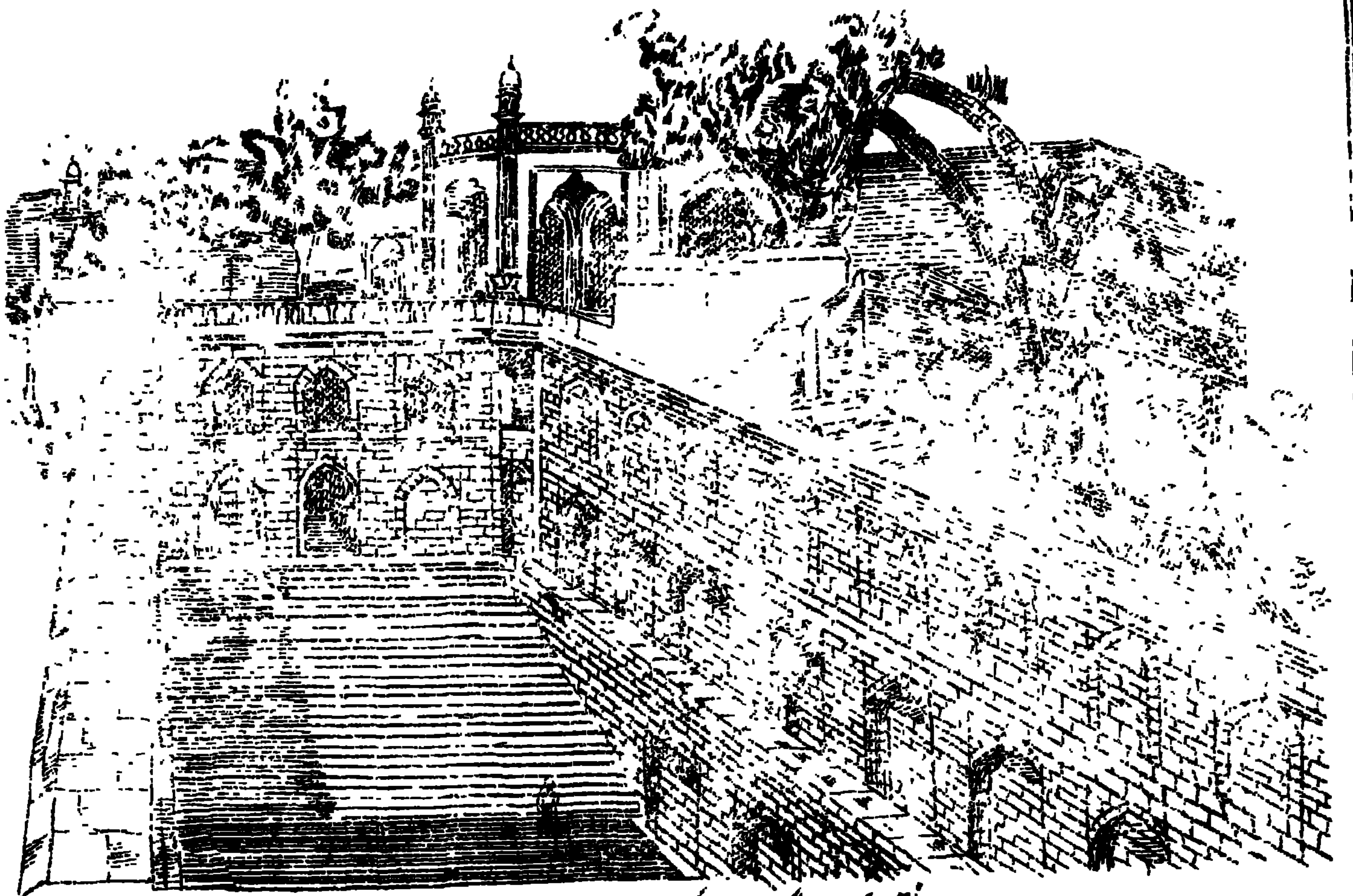
یہ بڑا اور وسیع احاطہ ہے جس میں بارہ قبریں سنگ مرمر کی ہیں اور انیس کچی ہیں۔ ایک قبر پر بسم اللہ کلمہ اور (تاریخ وصال مرزا مدد صاحب۔ دخل فی الجنۃ) لکھا ہوا ہے سنہ ۱۲۰۰ باقی قبروں پر آیۃ الکرسی کل من علیھا فان اور کلمۂ طیبہ کے طغرے ہیں۔ ان تمام قبروں میں ایک تعویذ سنگ مرمر کا بہت ہی عمدہ نقش و نگار کا ہے جس پر بڑی نفاست اور دیدہ ریزی کا کام کیا ہے اور اس کے گرد آیۃ الکرسی بھی ایسی خوش خط لکھی ہے کہ دیکھنے کے قابل ہے۔

حافظ داؤد کی باؤلی
سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء

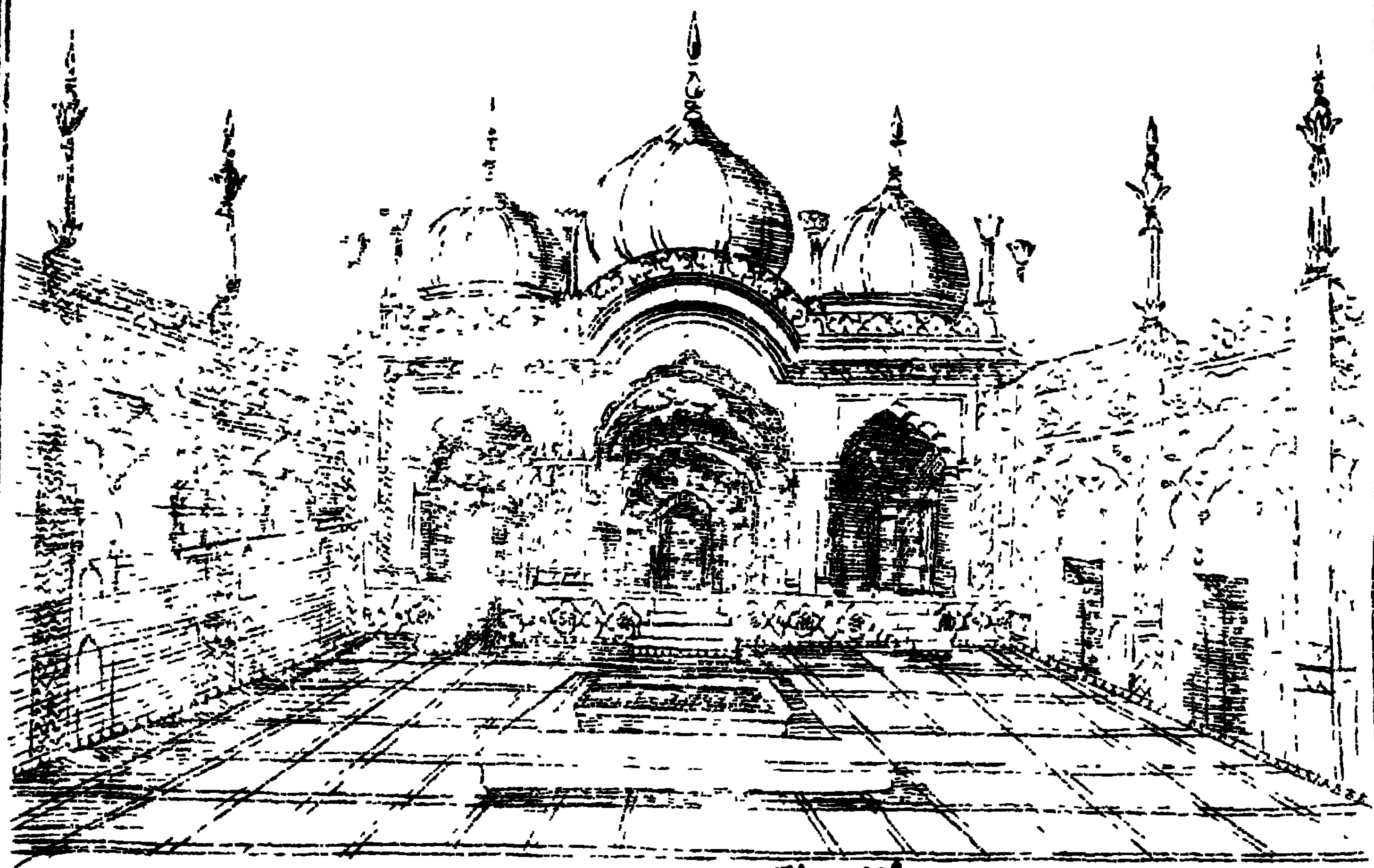
قطب صاحب کی مسجد سے پچیس گز کے فاصلے پر مشرق کی طرف یہ گہری باؤلی ہے۔ اگرچہ مسجد فی نفسہا بے نظیر تھی اور کچھ حاجت مزید خوش نمائی کی نہ تھی۔ ؎

حاجت مشاطہ نیست روے دل آرام را

لیکن پانی نہ ہونے سے لوگوں کو بڑی تکلیف تھی اس نظر سے صرف بہ نیت ثواب ندیم الدولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ نے اس مسجد کے پاس اپنی دریا دلی اور فیض بخشی سے بہت عمدہ نفیس دل کشا اور دل ربا باؤلی اور اور اطراف کی عمارات خاص خدام درگاہ کے لیے بنوادیں کہ خلق اللہ کو ان سے آرام ملے اور یہ باؤلی کیا ہے گویا مسجد کا حوض ہے۔ یہ باؤلی سنہ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں بنی شروع ہوئی اور سنہ ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ یہ باؤلی حضرت نظام الدین اولیا اور دولت خاں کی باؤلیوں کی طرح کی ہے۔ حافظ داؤد نہایت سخی اور بڑی ہمت والے آدمی تھے اور بڑے صاحب خاندان جن کے نسب کا سلسلہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تک پہنچتا تھا اور ان کے آبا و اجداد ہمیشہ سے خاندان شاہی میں معزز و ممتاز رہے۔ بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی نے انھیں کے والد حافظ محمد خلیل سے استفادہ کلام مجید کیا تھا۔ ان کو دربار حضوری میں



نقشۂ مسجد درگاہ مع باؤلی



نقشہ موتی مسجد

بڑا درجہ تقرب حاصل تھا اور وہ خدمت داروغگی نذر و نیاز اور علاقہ خانسامی پر مشرف تھے
وہ بڑے بزرگ سراسر خیر مجسم تھے اور ہر دم ہر لحظہ حصول ثواب پر نیت مصروف
رہتی تھی۔ یہ باؤلی (۹۶) فیٹ لمبی اور (۲۱ ۱/۲) فیٹ چوڑی اور (۷۵) فیٹ گہری ہے۔
اس باؤلی میں عموماً چالیس فیٹ گہرا پانی رہتا ہے اور موسم بارش میں اس سے بھی
زیادہ ہو جاتا ہے۔ باؤلی میں مغرب اور جنوب کی طرف سیڑھیاں ہیں اس وقت پانی
کے اوپر (۱۱) سیڑھیاں تھیں جو تہ تک چلی گئی ہیں۔ مغرب کی طرف صدر دروازہ ہے جس
میں دو منزلہ محراب دار حجرے ہیں جو نو فیٹ اونچے اور سات فیٹ چوڑے ہیں۔
جن کی تعداد اور عرض حسب گنجائش مختلف ہے۔

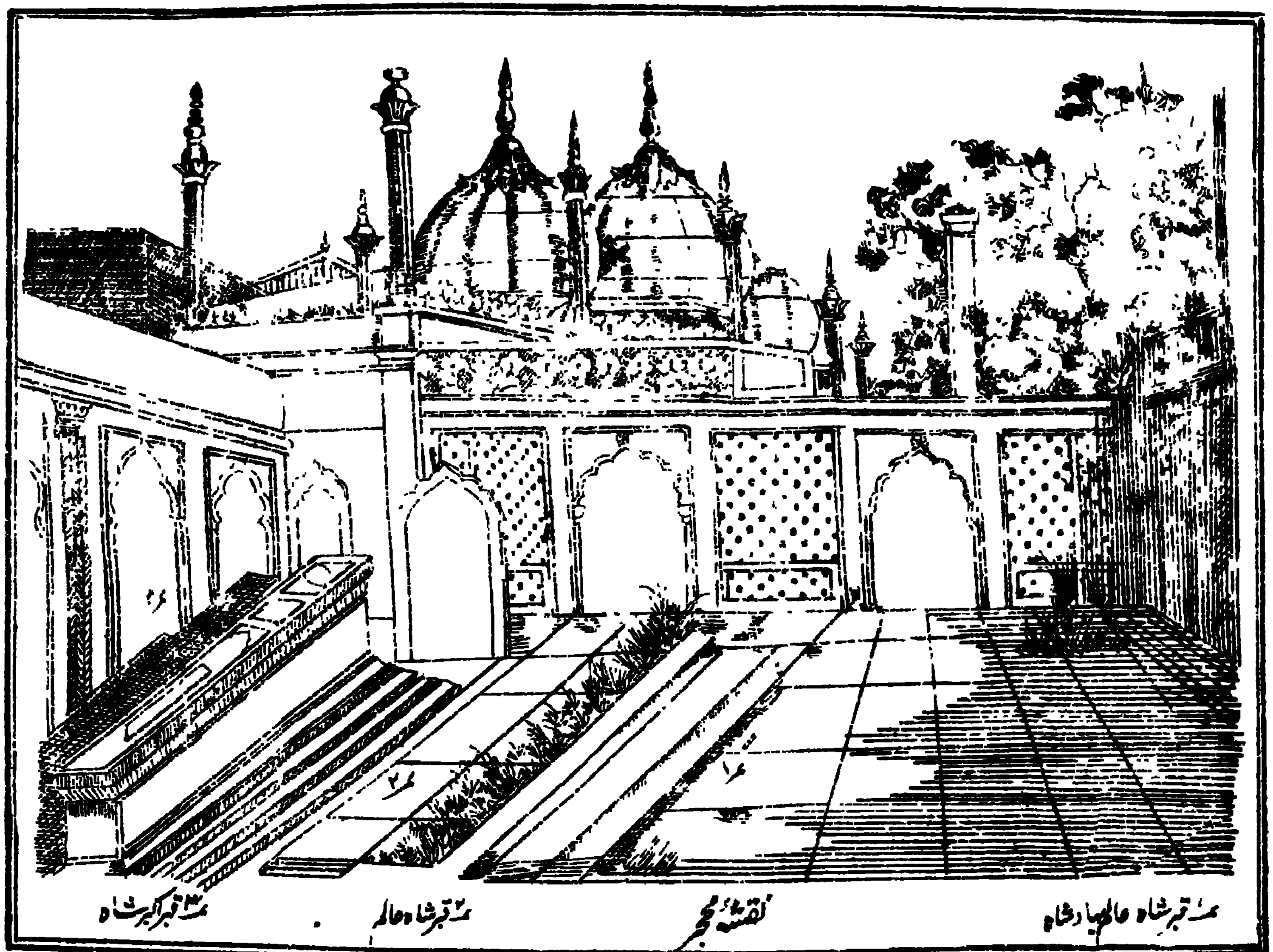
موتی مسجد
۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹ء

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کی شمالی دیوار اور معتمد خاں کے
مزار کی جنوبی دیوار کے درمیان جو رستہ ہے یہاں مغربی دروازے
میں سے نکل کر ہم ایک احاطے میں جا پہنچتے ہیں یہیں بائیں
ہاتھ کی طرف موتی مسجد ہے جس کو محمد معظم **شاہ عالم بہادر شاہ** فرزند
اورنگ زیب نے ۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹ء میں تعمیر کرایا۔ مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کے مصلے
ہیں جن پر سنگ موسیٰ کا حاشیہ ہے۔ صحن کا طول و عرض ۵۱ × ۵۱ ۱/۲ فٹ ہے۔ چبوترا دو فٹ
اونچا ہے۔ مسجد سہ دری ۵۱ ۱/۲ × ۱۳ کی ہے۔ مسجد کے دونوں طرف دو حجرے ہیں جن میں
شمالی طرف کا حجرہ جدید بنا ہوا ہے۔ پہلے حجروں کا رستہ مسجد کے اندر سے تھا۔
مسجد تمام سنگ مرمر کی نہایت حسین بنی ہوئی ہے جس میں جا بجا سنگ موسیٰ کی
تحریریں بڑا لطف دیتی ہیں۔ جب بنی ہوگی تو سنگ مرمر بہت شفاف ہوگا
اور اسی وجہ سے موتی مسجد کہلاتی ہے کہ اس کی آب و تاب موتی جیسی تھی۔ مسجد کے
تین گنبد ہیں کمر کی وضع کے نہایت خوب صورت اور سڈول جن پر سنگ موسیٰ
کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح بیاض چشم میں مردمک سیاہ لطف
دیتی ہے وہی بات ان گنبدوں میں ہے۔ گاؤدم مینار چھ چھ فیٹ اونچے مسجد کے ادھر ادھر
ہیں اور اسی طرح چھوٹی چھوٹی چار برجیاں نہایت نازک مسجد کی چھت کی دیوار
میں ہیں۔ جن میں سے دو تو دونوں کونوں پر ہیں باقی رہیں دو ان میں سے بیچ کے
گنبد کے ایک ادھر ایک ادھر۔ چھت کے گرد نفیس کنگورا ہے۔ میناروں پر چھات

خوشنما وضع برجیاں تھیں لیکن پرانی ہوجانے سے گرجانے کا اندیشہ تھا۔ ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ نے ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء میں اُترو ادیں۔ بادشاہ رہے نہیں اور کسی کو توفیق نہ ہوئی جو بنوا دیتا اس وجہ سے مینارین ٹُنڈی ٹُنڈی معلوم دیتی ہیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں اس مسجد کا بیچ کا گنبد بیٹھ گیا تھا اُنھوں نے اُسی وقت ایسی عمدہ مرمت کرا دی کہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اب گنبدوں کے کلس ٹوٹ گئے صرف ایک کونے پر کے گنبد کا کلس رہ گیا ہے۔ مسجد میں اب منبر تک بھی نہ رہا۔ مسجد کی جنوبی دیوار کی طرف پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ایک پختہ دروازہ ہے جس کے باہر ایک احاطہ ہے۔ اس احاطے کے مشرقی اور مغربی رُخ پر پختہ دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف محراب دار حجرے ہیں۔ شمال کی طرف ایک اور محصور صحن ہے جس میں خاندان سلاطین دہلی کی قبریں ہیں۔ اسی سے ملا ہوا ایک قطعہ اور ہے جس کا حصار ادھورا رہ گیا ہے یہ بیگمات اور دیگر ممبران شاہی کا مدفن ہے اور یہیں شاہ آبادی بیگم صاحبہ اور دیگر ممبران خاندان شاہی کی قبور ہیں۔ احاطۂ شمالی کا فرش سنگ مرمر کا ہے طول و عرض ۱۲۱ × ۶۲ فٹ۔ اس احاطے کی سنگ مرمر کی دیواریں دس فیٹ بلند ہیں احاطے کا دروازہ جنوبی دیوار میں مغرب کے کونے میں ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کا مجرہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء

موتی مسجد کے پاس بہت تحفہ اور نفیس یہ مجرہ ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ایسا کہ اُس کی آب تاب موتی کی آب کو خاک میں ملاتی ہے اور اُس کی نمائش قصر بہشت پر فوق لے جاتی ہے۔ یہ مجرہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کے صاحبزادے اور جانشین معز الدین جہاں دار شاہ نے بنوایا جس کا طول و عرض ۱۸ × ۱۴ فٹ ہے اور گرد سنگ مرمر کے دے اور جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں دار شاہ خود ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے چبوترے پر مدفون ہیں۔ بعد اس کے سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ نے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء میں انتقال کیا وہ بھی اسی مجرہ میں رکھے گئے۔ پھر محمد اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں سفر آخرت اختیار کیا وہ بھی یہیں آسودہ ہیں جن کی تیسری قبر ہے محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اورنگ زیب بادشاہ کے



نمبر قبر شاہ عالم بہادر شاہ
نقشہ مسجد
نمبر ۲ قبر شاہ عالم
نمبر ۳ قبر اکبر شاہ

فرزند اکبر تھے جو اورنگ زیب کے فرزندان دعوی دار سلطنت میں سب سے زیادہ ممیز ممتاز اور قابل تھے۔ اس بادشاہ نے سکھوں کی خوب خبر لی اور کئی فاش شکستیں دیں اور مرہٹوں کا بھی بخوبی استیصال کیا۔ بہادر شاہ نے عمر طبعی کو پہنچ کر ستر برس چھ مہینے کی عمر میں انتقال کیا۔ مجھر کی جالیوں کے اوپر سرہانے کی طرف یہ بیت کندہ ہے۔

دروں خوش نیت بامر مصطفی ۔ شاہ عالم را بود جنت جزا

اس احاطے میں کل چار قبریں ہیں (۱) اکبر شاہ ثانی (۲) شاہ عالم۔ (۳) خالی۔ (۴) بہادر شاہ پسر عالم گیر ثانی۔ (۵) مرزا فخرو ولی عہد

غرض یہ کہ اسی احاطے میں مرزا فخرو۔ محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے ولی عہد کی قبر ہے جنھوں نے ہیضے سے انتقال کیا۔ اس قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے جو ۳×۶ ہے جس کے گرد دو دفٹ اونچا سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔

شاہ عالم ثانی کی قبر نومبر ۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ

یہ قبر ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ کی ہے جو عالم گیر ثانی کے بیٹے تھے۔ انھیں کے داہنی جانب ان کے بیٹے اکبر شاہ ثانی آسودہ ہیں۔ یہ قبر ۹×۱-۸ اور ایک فٹ دو انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر کلمۂ طیبہ اور کل من علیہا فان اور اطراف آیات قرآنی منقوش ہیں۔ اس قبر کے سرہانے لوح پر یہ قطعہ کندہ ہے:-

ھو الغفور

دیجعل الجنۃ مثواہ

سنہ ۱۲۲۱

ھو الغفار

شد مہر اوج تاجوری در حضیض خاک	درد اکہ از غبار کسوف از اجل نہاں
یعنی کہ شاہ عالم عالم پناہ کرد	زیں عالم انتقال بہ نزہت گہ جناں
فرید نوشت خامۂ معجز طراز من	بیتے کہ سال آں شدست زہر مصرعے عیاں
وے آفتاب روے زمیں بودہ پیش ازیں	شد آفتاب زیر زمیں آہ و از جہاں

سنہ ۱۲۲۱ھ الکاتب میر کلن رضوی سنہ ۱۲۲۱ھ

اکبر شاہ ثانی کی قبر

۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء

اس احاطے میں سب سے پہلی قبر ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی پسر شاہ عالم بہادر شاہ کی ہے۔ اس قبر کا تعویذ سنگ موسیٰ کا ہے یہ تعویذ پہلے قاسم علی ہروی کی قبر کا تھا جس کے پائین میں "وفات خواجہ قاسم علی ہروی" کندہ تھا جو چھیل دیا گیا۔ قبر ۵ فٹ ۲ انچ اور پانچ انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر بسم اللہ اور کلمہ طیبہ اور بائیں طرف شیخ سعدی کا یہ شعر منبت کندہ ہے:۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود دانکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

اور تعویذ کی سیدھی طرف یہ شعر ہے:۔

بجز بداں حضرت غیر... ہیم... دل خویش مبند بندید توزہم... چونکہ جدا خواہد بود (یا کریم)

قبر کے سرہانے ۲ گز ۲ اونچی اور دو فٹ چوڑی سنگ مرمر کی لوح پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بہ خط نسخ یہ قطعہ لکھا ہوا ہے:۔

ھو اللہ الغنی الکبیر

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

شاہ اکبر فروغ بخش جہاں منخسف گشت از قضا چوں بدر

پی سال وفات گفت ظفر عرش آرامگاہ عالی قدر

۱۲۵۳

سرسید نے یہ قطعہ تاریخ وفات کا کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے:۔

چوں برفت از جہاں شہ اکبر شد سیہ آسمان ز دود جگر

پاے شادی شکست واحمد گفت سال تاریخ او "غم اکبر"

۱۲۶۴-۱۱=۱۲۵۳ھ

صفدر دابہ

شاہ عالم ثانی اور محمد اکبر شاہ ثانی کی قبروں کے بیچ میں ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ فرزند اکبر شاہ ثانی کا سرد ابہ تھا جو اپنے باپ کے جانشین ہوے اور ساڑھے گیارہ برس سلطنت بھی کی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر نے سب سے بڑا ہاتھ اس معمر بادشاہ پر صاف کیا اور پیری میں اُن کو یہ داغ لگا کہ گھر سے بے گھر، قلعہ معلی سے اسی طرح بدھو۔

جیسے کہ حضرت آدم جنت سے نکالے گئے۔ وطن سے جلا وطن اور ہندوستان سے باہر رنگون میں جا کر بقیہ زندگی غم و الم میں کاٹی اور آخرکار آلام دنیوی سے ۱۸۶۲ء میں نجات ابدی حاصل کی اور یہ جملہ فالی کی غالی تھی۔ مٹی اُن کی رنگون کی تھی دلّی کی زمین کا پیوند کیسے ہو سکتے تھے اور یہ بات سچ ہوئی کہ ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور ۔۔۔ یکے آب و دانہ دوم خاک گور

شاہ آبادی بیگم کی قبر ۱۲۶۳ھ

اُس مجرے کے مغرب میں کوئی خانقاہ بنی ہوئی ہے جس کے دالانوں کی چھت گر گئی ہے اس کے صحن میں آٹھ قبریں سنگ مرمر کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ آبادی بیگم صاحبہ کی ہے جس پر ایک لوح لگی ہوئی ہے باقی کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے

یا فتاح۔ کلمہ گرد آیۃ الکرسی

شہ آبادی آں ماہ زہرہ جبیں ۔۔۔ کہ شد از قضا منزلش زیر خاک

بجستیم تاریخ ہاتف بگفت ۔۔۔ خرامید در عدن با جان پاک ۱۲۶۳ھ

حضرت خواجہ صاحب کے بعض حالات

آپ بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہیں۔ بختیار کا لقب تو آپ کو مرشد کی طرف سے ملا تھا اور کاکی کی وجہ تسمیہ مختلف طور پر بیان کی جاتی ہے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا تو آپ کی حرم محترم وقت ضرورت خواجہ شرف الدین بقال کی بیوی سے جو پڑوس میں رہتی تھی اناج وغیرہ قرض لیا کرتی تھیں۔ عورتوں کی جیسی عادت ہوتی ہے ایک دن بقال کی بیوی نے خواجہ صاحب کی زوجہ محترمہ کو طعنہ دیا کہ اگر میں وقتاً فوقتاً تمہاری مدد نہ کرتی تو تمہارا کیا حال ہوتا۔ یہ بات شدہ شدہ خواجہ صاحب کے گوش مبارک تک بھی پہنچی آپ نے اپنی بیوی کو قرض لینے کی قطعی ممانعت کر دی اور ارشاد فرمایا کہ یہ جو طاق ہے جس وقت تمہیں ضرورت ہو بسم اللہ کر کے اس میں ہاتھ ڈالا کرو اللہ تعالیٰ تم کو دے گا۔ چنانچہ جب آپ ہاتھ ڈالتیں گرم گرم کاک اُس طاق میں سے نکلتے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے مصلے کے تلے سے بہ افراط کاک نکلتے تھے اس واسطے آپ "کاکی" مشہور ہوئے۔

فضل الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ حضرت خواجہ صاحب کو کاکی کیوں کہتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آپ حوض شمسی پر بیٹھے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی آپ کے ارباب نے کہا کہ اس وقت گرم گرم کاک ملیں تو کیا اچھی بات ہو ۔ آپ نے فرمایا کیا کرو گے ۔ اُنھوں نے عرض کیا کھائیں گے پس آپ اُٹھ کر تالاب کی طرف تشریف لے گئے اور پانی میں سے گرم گرم کاک نکال کر اُن لوگوں کے سامنے ڈال دیئے جب سے آپ "کاکی" مشہور ہو گئے ۔

کتاب فردوسیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن بادشاہی نان بائی کے کاک جل گئے وہ بے چارہ گھبرا گیا کہ اب کیا کروں کہ اتنے میں حسن اتفاق سے آپ کا گزر اُس نان بائی کی دکان پر ہوا آپ نے اُسے پریشان دیکھ کر فرمایا ۔ ای یار کیا دیکھتا ہے تو بسم اللہ کر کے تنور میں ہاتھ تو ڈال ۔ اُس نے جو ہاتھ ڈالا تو اچھے خاصے سُرخ سُرخ کاک نکلے اور اسی طرح کئی مجالس میں آپ نے آستین جھٹکی تو کاک جھڑنے لگے اور اسی وجہ سے آپ کا نام کاکی مشہور ہو گیا ۔

نقل از کتاب سیر الاولیاء خواجہ صاحب اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان میں شیخ بہاء الدین ذکریا کے مہمان تھے کہ ایک رات فوج کفار کی ملتان کے قلعے کے نیچے آگئی اور چاہا کہ شہر کو غارت کرے کہ ناصر الدین قباچہ والیٔ ملتان ہر سہ بزرگان کی خدمت میں فوج کفار کے دفعیہ کے لیے آ کر خواستگار دعا ہوا اور بہت بے قراری ظاہر کی ۔ اتفاق سے اس وقت خواجہ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا قباچہ کو عنایت کر کے فرمایا کہ اس تیر کو اپنے گھر سے جا کر دشمن کی طرف مارو ۔ اُس نے ایسا کیا جس وقت وہ تیر فوج کفار میں پڑا ساری کی ساری تتر بتر ہو گئی ۔

جواہر فریدی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی سخاوت کا آوازہ چار دانگ عالم میں بلند ہوا تو ایران کی طرف سے ایک شاعر ناصری ایک قصیدہ چھپن بیتوں کا بادشاہ کی تعریف میں لکھ کر لایا ۔ دلی پہنچ کر اُس نے خواجہ صاحب کے تقدس اور کرامات کا حال سنا ۔ آپ کے شان میں بھی ایک قصیدہ لکھا اور پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر نذر کیا آپ نے فاتحہ پڑھی اور کہا جا بہت انعام ملے گا ۔ شاعر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا مگر دربار میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے بادشاہ متوجہ نہ ہوا ۔ شاعر بے چارے نے خواجہ صاحب کو دل میں یاد کیا تھا بادشاہ متوجہ ہوا اور کہا پڑھو قصیدہ کا مطلع یہ تھا ؛

اے فتنہ از نہیب تو انہار خواستہ تیغ تو مال و نیل ز کفار خواستہ

قصیدے کے (۲۶۵) شعر تھے بادشاہ بہت مسرور ہوا اور چھپن ہزار تنگہ نقرئی انعام سرفراز ہوا۔ ناصری بے چارے کو کب توقع تھی کہ اس قدر زرخطیر انعام ملے گا۔ فوراً حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو نذر اپنے دل میں مانی تھی گزرانی۔ خواجہ صاحب نے وہ نذر اُسی کو بخشی اور وہ خوش خوش اپنے وطن کو واپس گیا۔

سیر الاولیاء سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کرکے دریا کے کنارے پونہچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص پڑا سوتا ہے اور درخت پر سے سانپ لٹک رہا ہے قریب ہے کہ اُسے ڈس لے ناگاہ ایک بچھو نمودار ہوا اور اُس نے ایسا ڈنک مارا کہ سانپ تڑپ کر پلٹ گیا۔ ہم نے جانا کہ یہ شخص کوئی خاصان خدا سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔ جب قریب پونہچے تو دیکھا کہ وہ شخص نشہ شراب میں مست پڑا ہے پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی کیسا نافرمان اور وہ کیسا مہربان۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ "اے عزیزان اگر ہمیں صالحان و پارسایان را حفاظت کنم پس فاسقان وگناہگاران را کہ حفاظت کند"۔ ہم اسی بات میں تھے کہ وہ شخص ہوشیار ہوا ہم نے سارا ماجرا اُس سے کہا وہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور شراب خواری و بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ اے عزیز! اتمیز کر کہ جب وقت نیک آتا ہے اور ہوا مہربانی اور فضل کی چلتی ہے آدمی کیسا ہی خراب ہو ایک دم میں اُس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور مسند نشین اولیاء کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر قہر کی گرم ہوا چلے سینکڑوں سجادہ نشینوں کو خراب کوکے غارت کرے۔

اسرار العارفین سے منقول ہے کہ آپ شبانہ روز مراقبے میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آنکھ کھولتے اور غسل اور وضو تازہ کرکے نماز پڑھتے۔ آپ کو صغر سنی سے نیند کا غلبہ بہت رہتا تھا اور آخر عمر میں شب بیدار تھے اور باقی عمر میں تلاوت قرآن شریف اور ذکر جلی و خفی کیا۔ آپ سالکوں اور برگزیدہ مجاہدوں میں سے تھے گوشۂ خلوت میں رہتے تھے کم سوتے۔ کم کھاتے اور کم بولتے تھے اور ہمیشہ چلہ کشی کرتے تھے۔

جامع الکلام میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ لب بستہ اور دل شکستہ رہتے تھے اور کوئی دم رونے سے چین نہ تھا اور حجرے کا دروازہ بند کر کے اکیلے بیٹھے رہتے اور آپ کی زیارت کے لوگ بہت مشتاق ہوتے تو خادم جا کر عرض کرتا آپ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اجازت دیتے جب لوگ آجاتے آپ کھڑے ہو جاتے اور سب پر نظر شفقت کرتے اور خادم کو اشارہ کرتے کہ سب کو ایک ایک پیالہ پانی کا دے کر رخصت کرے۔ جب تک لوگ پانی پیتے آپ کھڑے رہتے اور باتیں پند و نصیحت کی کرتے رہتے۔ جب سب کو پانی مل جاتا تو آپ رخصت کر دیتے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا آپ کو بدرجۂ غایت سرور ہوا آپ بار بار ٹھنڈے سانس بھرتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے کئی دن آپ کی یہی حالت رہی مگر جب نماز کا وقت ہوتا آپ جماعت سے نماز ادا فرماتے اور پھر وہی حال ہو جاتا۔ کسی طرح صبر نہ آتا۔

مراد المریدین سے مروی ہے کہ آپ حافظ تھے اور اکثر اوقات کلام مجید کا ورد فرماتے تھے۔ جب آیتیں یاس و ہراس کی پڑھتے تو زار زار روتے اور اپنا سینہ ناخن سے نوچتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو پھر تلاوت کرتے اور جب آیتیں رحمت اور رضا کی پڑھتے تو آپ کے چہرے سے بشاشت اور مسکراہٹ ظاہر ہوتی اور وجد کرتے اور اپنے حسب حال اشعار پڑھتے اور پھر تلاوت کرتے۔

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ آپ زہد و ریاضت چھپایا کرتے اور اپنے آپ کو خلقت سے چھپاتے اور مریدوں کو بھی اخفائے عبادت کی نصیحت فرماتے اور کرامت کے چھپانے کا حکم کرتے اور فرماتے کہ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ یہ چیزیں مشہور ہوں۔ فقیر کے لئے مشہور ہونا سخت آفت کا سامنا ہے۔

افضل الفوائد سے منقول ہے کہ ایک دن عالم سرور و شوق میں ارشاد فرماتے تھے کہ جو کوئی راہ حق میں پورا اترا مقصود کو پہنچا اور جس نے زبان سے اس کی حمد کہی گویا اس سے باتیں کیں اور جس نے کہ آنکھ سے اس کا جمال دیکھا بینا ہوا اور جس نے اس کی وحدت کی شراب پی مرد کامل ہوا اور اس میں مستی پیدا ہوئی اور اس کا غلغلہ بلند ہوا۔ جیسا کہ حضرت نظامی فرماتے ہیں۔ قطعہ

چو ہست خلوتش کشتی فلک راخیمہ برہم زن ستون چرخ در جنباں طناب آسماں در کش
طریقش بے قدم می زن حدیثش بے زباں می گو جمالش بے بصیری بیں شرابش بے جہاں در کش

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ آپ اکثر مع اہل وعیال کے فاقہ سے رہتے اور صبر فرماتے اگر ایسی حالت میں کوئی مسافر آنکلتا تو آپ مولانا بدرالدین غزنوی کے پاس جو مرید اور خادم خانقاہ کے تھے بھیجتے اور اشارہ فرماتے کہ خیر پانی تو لاؤ کہ آج کا دن بخشش وعطا سے خالی نہ جائے اور مجلس میں پونہچ کر آپ ہر ایک مسافر کو پانی کا پیالہ دیتے اسرار الاولیاء میں لکھا ہے کہ جب آپ کو فاقہ ہوتا تو آپ اس کا اظہار کسی پر نہ فرماتے اور اگر احیاناً اس حالت میں بادشاہ یا کوئی امیر کچھ چیز بھیجتا تو آپ قبول نہ کرتے چنانچہ شمس الدین بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی اشرفیوں کی آپ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس کو قبول کرلیں گے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ میں تم کو اپنا بڑا دوست جانتا ہوں اور تم مجھ سے دشمنی کرتے ہو جس چیز کو خدائے تعالیٰ دشمنی اور غضب سے اپنے کلام پاک میں یاد کرے اور تمام دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا بتادے تو تم ہمارے واسطے روا رکھتے ہو اور ہم کو اس میں آلودہ کرنا چاہتے ہو۔

کتاب راحت القلوب سے منقول ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکر راوی ہیں کہ ایک دن سلطان شمس الدین کا وزیر آیا اور ایک طشت پر از طلاء اور ایک فرمان دس مواضع جاگیر کا لایا اور کہا کہ بادشاہ نے اظہار بندگی کرکے یہ فرمان اور طشت زر آپ کے غلاموں کے لئے بھیجا ہے۔ خواجہ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے پیروں نے ایسی چیزیں قبول نہیں کی ہیں۔ اس لئے میں بھی نہیں لیتا۔ وزیر نے عاجزی شروع کی آپ نے فرمایا کہ اگر میں آج اُن کی متابعت نہ کروں اور جاگیرات اور اس زر کو قبول کرلوں تو میں قیامت کے دن اُن کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور اُن کے زمرے میں کیوں کر شامل ہوں گا۔ ان چیزوں کے طالب اور بہت سے ہیں اُن کو دو۔ ناچار وہ مع ہدایا کے واپس چلا گیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں قوال آئے اور اس شعر کو نہایت خوشنما اور دل ربا طور سے گا رہے تھے:۔

سرود چیست کہ چندیں فسون عشق دروست | سرود محرم عشق ست و عشق محرم دوست

یہ شعر سن کر آپ پر حالت طاری ہوئی اور کئی دن بے ہوش رہے دانہ پانی نہ کھایا مگر نماز کے وقت ہمیشہ ہوش میں آجاتے تھے۔

آپ نے اور قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک دفعہ مجلس سماع منعقد کی جس میں بہت سے لوگ جمع ہوئے سلطان شہاب الدین غوری نے سنا اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں گانا حرام ہے اگر یہ میرے شہر میں گانا بجانا کریں گے تو میں ان کو نکال دوں گا آپ نے سنا تو فرمایا کہ "جو شخص ظالم محض ہے اُس پر سماع بے شک حرام ہے اور ہم پر حلال ہے مجھ کو وہ کیا نکالے گا اگر خدا نے بھی چاہا تو وہ خود ہی نکل جائے گا" اس بات پر چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ غزنی جاتے ہوئے رہتک مقام پر گکھڑوں نے اُسے مار ڈالا اور پھر پلٹ کر دلّی آنا نصیب نہ ہوا۔

اولیا را ہست قدرت از الہ | تیر جستہ باز گرداند ز راہ

کبھی آپ بے ساختہ شعر بھی کہہ دیا کرتے تھے چنانچہ یہ نظم آپ ہی کی ہے۔

ای بگرد شمع رویت عالمے پروانۂ | وز لب شیریں تو شورلیست در ہر خانۂ

من بچندیں آشنائی من خورم خون جگر | قطرۂ مسکیں اگر گناہے می کنند عیش کن

علالت اور وفات

گر رسد از تو بگوشم کہ بمیر ای سعدی | تا لب گور باعزاز و کرامت بروم

در بدانم بدم مرگ کہ حشرم با تست | از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم

جب آپ کی عمر آخر ہونے آئی تو ماہ رمضان تھا کہ آپ کو ضعف ہونا شروع ہوا مگر آپ نے سارے روزے رکھے جب عید ہوئی تو عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پلٹ کر جس جگہ آپ کا مزار ہے پونہچ کر چوں کہ وہ جگہ مصفا اور پاکیزہ تھی دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ گھر تشریف لے چلیے کہ لوگ زیارت اور مبارک باد کے لیئے منتظر ہیں اور کچھ کھانا تناول فرمائیے اور لوگوں کو رخصت کیجیئے آپ نے فرمایا کہ "ایں جا مرا بوے دلہا می آید" یہ کہہ کر آپ کو بہت رقت طاری ہوئی۔ اور فرمایا کہ میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میرا دفن اسی زمین میں ہو اور اُسی وقت مالک اراضی کو بلوا کر اُس کو قیمت دی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ایک روز شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی خواجہ صاحب بھی تشریف فرما تھے

قوال شیخ احمد جام کا قصیدہ نہایت خوبی سے گا رہے تھے جب اس شعر پر پہنچے:

کشتگانِ خنجر تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ ایسے متاثر ہوئے کہ حالت نزع کی ہوگئی اُسی حالت میں آپ کو گھر اٹھا کر لائے اور چار دن تک اُسی حالت میں رہے اور بار بار قوالوں سے اسی شعر کی تکرار کراتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے (مولینا فخرالدین زرادی اپنے رسالۂ اصول السماع میں لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سماع میں زیادہ استغراق ہوا اور حالت دگرگوں ہوئی تو آپ کے مرید حکیم شمس الدین صاحب کو جو اپنے زمانے کے بڑے حاذق طبیب تھے بلایا اُنھوں نے نبض دیکھ کر کہا کہ دل آپ کا آتش عشق سے جل کر کباب ہوگیا ہے اور جگر آپ کا تمام خونِ محبت سے گھل گیا ہے اب دوا آپ کی سوائے شربت دیدار کے اور کچھ نہیں

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی[۱] — فلا طبیب لھا ولا راقی
الا الحبیب الذی شغفت بہ — فعندہ رقیتی و تریاقی

قوال جب مصرعۂ اول پڑھتے تو آپ کو سکون ہوتا اور مصرع ثانی سے تڑپ پیدا ہوجاتی بالآخر اسی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا کہ آپ کے سر مبارک تو قاضی حمیدالدین کے زانو پر تھا اور پائے شریف شیخ بدرالدین غزنوی کی گود میں تھے کہ بدرالدین صاحب کی آنکھ جھپک گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بدرالدین خدا کے دوستوں کو موت نہیں ہوتی ہے

مرا زندہ پندار چوں خویشتن — من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

دارالبقا کی طرف رحلت فرما چکے تھے۔ شمس الدین التمش نے جب آپ کی وفات کا حال سنا جو روز دوشنبہ ۱۴۔ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو تخمیناً (۵۲) اور بقولے (۷۰) سال کی عمر میں ہوا تو ننگے دوڑا ہوا آیا اور خود آپ کو غسل دیا اور آپ ہی جنازے کی نماز پڑھائی اور میت کو خود کندھا دیا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت کا نیک اثر ہوا تھا کہ خود بڑا متشرع اور سختی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس نے کبھی نماز کا وقت ٹلنے نہیں دیا قضا کرنا تو ایک دوسری بات تھی۔

---

[۱] میرے جگر محبت کو ایسا ناگ ڈس گیا ہے جس کے لیے نہ کوئی طبیب ہی کافی ہو سکتا ہے نہ کوئی منتر ہی پڑھنے والا۔ البتہ جس دوست پر میں فریفتہ ہوں اُس کے پاس میرا افسوں اور تریاق ہے۔ ۱۲

جس دن آپ نے وفات پائی اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت کی وفات کی تاریخ کا یہ قطعہ ہے:۔

فیض بخش جہان بصدق یقیں — قطب آفاق خواجہ قطب الدین
اسوۂ دہر و قدوۂ عالم — زبدۂ دودۂ بنی آدم
لقبش بختیار کاکی داں — ہست اوسینی الحسینش برخواں
از ربیع تخت چار دہم — بود کاں قطب شد بچرخ نہم
روز ترحیل آں دو شنبہ داں — بے شک و ریب ہے شدہ بود
عقل تاریخ نقل آں محمود — آب جنت بقطب دیں فرمود ۶۳۴ھ
بازگو سال نقل آں نامی — روح اللہ روحہ السامی
عمر پنجاہ و چار سالش بود — کاں زماں سوئے عدن نقل نمود
مرقد پاک او بہ دہلی داں — روز و شب فاتحہ برو برخواں
سال نقلش بہ بحر دیگر نیز — بیتکے گفتہ ام شنو بہ تمیز

سال آں ولی نیک خو
بود بدر دین قطب الدیں بگو ۶۳۳

خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر کی عمارتیں

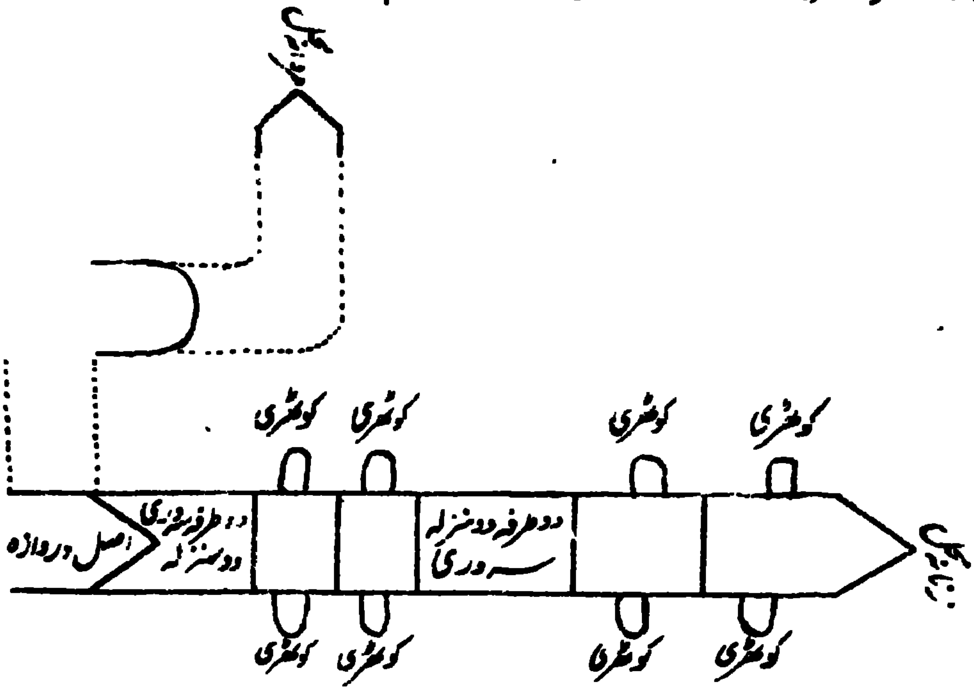
بادشاہی دروازہ

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر ذرا ہٹا ہوا بڑا عالی شان دروازہ ہے جس کی بلندی ۴۹ فٹ اور عرض ۲۱-۹ ہے اس پر چڑھنے کا (۷۷) سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔ لوگ اس کو درگاہ کا دروازہ کہتے ہیں اور میں اسے ایک جداگانہ محل کا دروازہ سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دروازے کے اندر بڑے بھاری محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ سنگ سرخ کا ہے جس پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دروازہ بالکل درست حالت میں ہے۔ اور سہ منزلہ ہے جس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

(کتبہ بر صفحۂ آئندہ)

سنہ ۱۱ | این در عالے چو شد مکرم بناحسب المراد | سنہ ۱۲۶۴
گفت دل سال بنا باب ظفر پائندہ باد

دروازہ سات گھاہی یعنی ایک کے اندر ایک سات حصے ہیں اور مردانے محل کی طرف بڑے دروازے کے اندر بائیں طرف تین دروازے ہیں۔ ان دروازوں میں دھر اودھر بادشاہ کا ہاتھی مع عماری کے چلا جاتا تھا۔



محل تو اب رہا نہیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ جس محل کا دروازہ ایسا نایاب ہو وہ محل خود کیوں نہ لاجواب ہو۔ دروازے کے حصوں کی بعض چھتیں لداوی ہیں بعض چوبی کڑیوں کی ہیں۔ اسی کے پاس خاص محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ مغلیہ خاندان کے خاتم السلاطین بہادر شاہ مرحوم و مغفور کا بنوایا ہوا ہے۔

سرائے شاہی خاص محل کے عقب میں سرائے شاہی کی قدیم اور شکستہ عمارت ہے۔ اب اس میں زیادہ تر یکے والے ٹھیرتے ہیں۔ چو طرف ریل کھل جانے سے اب سرائیں بیکار ہیں۔ مسافروں کی ریل پیل بھٹیاریوں کی کشمکش اب نظر نہیں آتی۔ تہذیب یافتہ نئی روشنی والے ڈاک بنگلہ اور ہوٹل ڈھونڈتے ہیں معمولی حیثیت کے لوگ دلی سے سویرے سویرے چلے سیر سپاٹے میں دن گزار شام گھر آن داخل سرایوں میں

رہے تو کون۔ بھٹیارے بھٹیاریوں کا روزگار بند اب جدھر دیکھو خانساماں اور بیٹلروں کا دور دورہ ہے۔

شیخ سلیمان دہلوی کا مقبرہ ۹۴۴ھ

بادشاہی دروازے کے پاس شیخ سلیمان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ جو بہت خوب صورت قلندرانہ دالان سہ در سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جو ۲۳ فٹ x ۱۷ فٹ ہے۔ اس میں دو قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ پہلی قبر شیخ صاحب کی ہے اور دوسری اُن کے بھائی کی کہی جاتی ہے جن کا نام معلوم نہیں۔

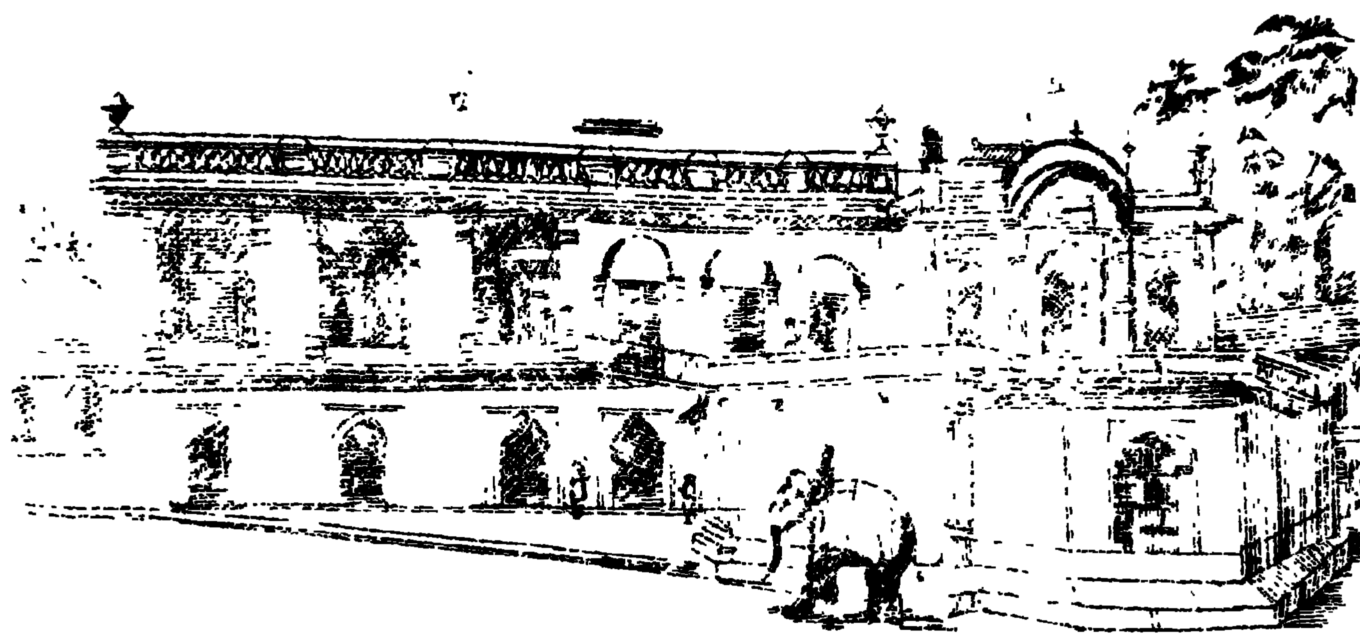
شیخ سلیمان بن عفان المندوی الدہلوی در ارشاد و ترتیب طالبان و تلقین واذکار و اشغال درویشان یگانۂ عصر بود۔ مسافرت بسیار کردہ و نعمتہا یافتہ۔ گویند کہ ویرا نقل ارواح کہ مرتبہ الیست از مراتب تصرفات نفس ناطقہ انسانی حاصل بود و بجہت آں از اکثر احوال قرون ماضیہ خبر دادے۔ گویند کہ وی در تجوید قرآن یگانۂ عصر بود و در معاملہ قرآن راپیش آں سرور صلعم تجوید نمودہ و شیخ عبد القدوس پیش او تجوید کردہ و مدتے مدید در خانقاہ او بودہ۔ وفات او شب چہار دہم ماہ محرم ۹۴۴ھ بود و مقبرہ او عقب مقبرہ خواجہ قطب الدین است۔

مینا بازار اور باؤلی

بادشاہی دروازے اور خاص محل سے مغرب جانب جب بازار کی طرف چلیں تو مینا بازار ہے۔ یہ وہی بازار ہے کہ جس کے دو رویہ بنگلے ہیں جو عرس شریف کے موقع پر بھاری بھاری کرایے پر جاتے ہیں اسی کے شروع میں ایک بڑا غدار ہشت پہل کنواں ہے جو کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔ کنواں ہشت پہلو بنا ہوا ہے جس کا ہر ضلع ۱۸ فٹ لمبا ہے۔ بہت عمیق اور کشادہ ہے۔ اب تک بھی کثرت سے اس کا پانی استعمال کرتے ہیں اور اچھی حالت میں ہے۔ بہت پختہ بنا ہوا ہے۔

مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں سنہ ۱۲۶۱ھ و سنہ ۱۲۶۳ھ

درگاہ شریف کے قریب یہ مکان نہایت خوش نما سر راہ واقع ہے جو مشہور زمانہ احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزماں حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر ثابت جنگ کا بنوایا ہوا ہے



نقشہ مکان و مسجد حکیم احسن اللہ خان بہادر

بہادر شاہ کے دور آخری کے سب سے بڑے رکن رکین یہی تھے۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعاتِ تاریخی لگے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں:-

تاریخ مسجد

مسجدے ساخت چوں بحسن عمل — احسن اللہ خان پاک سرشت
ای ظفر بہر سال تاریخش — خامہ ام "بخانۂ خدا" بنوشت
۱۲۶۰

تاریخ مکان

ازسال بنائے نو بدرگاہ — پیر خردم نمود آگاہ
برداشت سر از دیارِ دہلی — تعمیر تقییر احسن اللہ

اب اس مکان میں عیسائی لوگ رہتے ہیں۔ اسی کے پاس مرزا ثریا جاہ کی حویلی بھی ایک قدیم عمارت ہے۔

گندھک کی باؤلی

درگاہ کے باہر یہ ایک بہت بڑی باؤلی ہے۔ ۱۴۳x۲۸x۱۴۳ فٹ پانی کے اوپر کا عمق ۲۰ فٹ ہے۔ پانی کے اوپر (۴۹) سیڑھیاں لگی ہیں جس کا سلسلہ تہ تک چلا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ باؤلی شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے۔ طرز اس کا راجوں کی بائیں اور باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین کا سا ہے۔ باؤلی کے شمال کی طرف سہ دری ہے جس کے ایک کے اوپر ایک پانچ در ہیں۔ اس باؤلی میں اب بھی پانی موجود ہے جو کسی قسم کے معدنی اجزا گندھک وغیرہ سے مرکب ہے اور اسی وجہ سے یہاں نہانا امراض جلدی کو مفید ہوتا ہے۔

بہشتی دروازے کے سامنے کے دو نقار خانے

درگاہ شریف کے بہشتی دروازے کے سامنے بیچ میں رستہ چھوڑ کر دو نقار خانے قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ شیر شاہ (۹۴۵-۹۵۲ھ/۱۵۳۹-۱۵۴۵ء) اور سلیم شاہ (۹۵۲-۹۶۰ھ/۱۵۴۵-۱۵۵۲ء) کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ درگاہ کا ایک

دروازہ قاضی کا دربار بھی ہے جو جنوب میں ہے۔

راجوں کی بائیں کے پاس کا ایک مقبرہ

راجوں کی باؤلی کا حال اوپر آچکا ہے اسی کے پاس ایک نامعلوم مقبرہ ہے ۳۳ مربع ہے جو ہشت پہل ہے اور سنگ سرخ کے در ہیں۔ اس گنبد میں دو قبریں ہیں نامعلوم۔ اسی گنبد کے پاس ایک بہت بڑا کھنڈر ایک مسجد کا ہے مسجدوں کے اس طرح متعدد کھنڈر ہیں چنانچہ راجوں کی بائیں کے پاس اور دو ٹوٹی پھوٹی بڑی بڑی مسجدیں ہیں جو بالکل منہدم ہو گئی ہیں۔ غرض یہ کہ راجوں کی بائیں کے چوطرف بہت سے کھنڈر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ باؤلی آبادی کے وسط میں تھی اور اب تو کھنڈروں کے بیچ میں ہے کہ اکیلے دکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگے۔

ناظر کا باغ

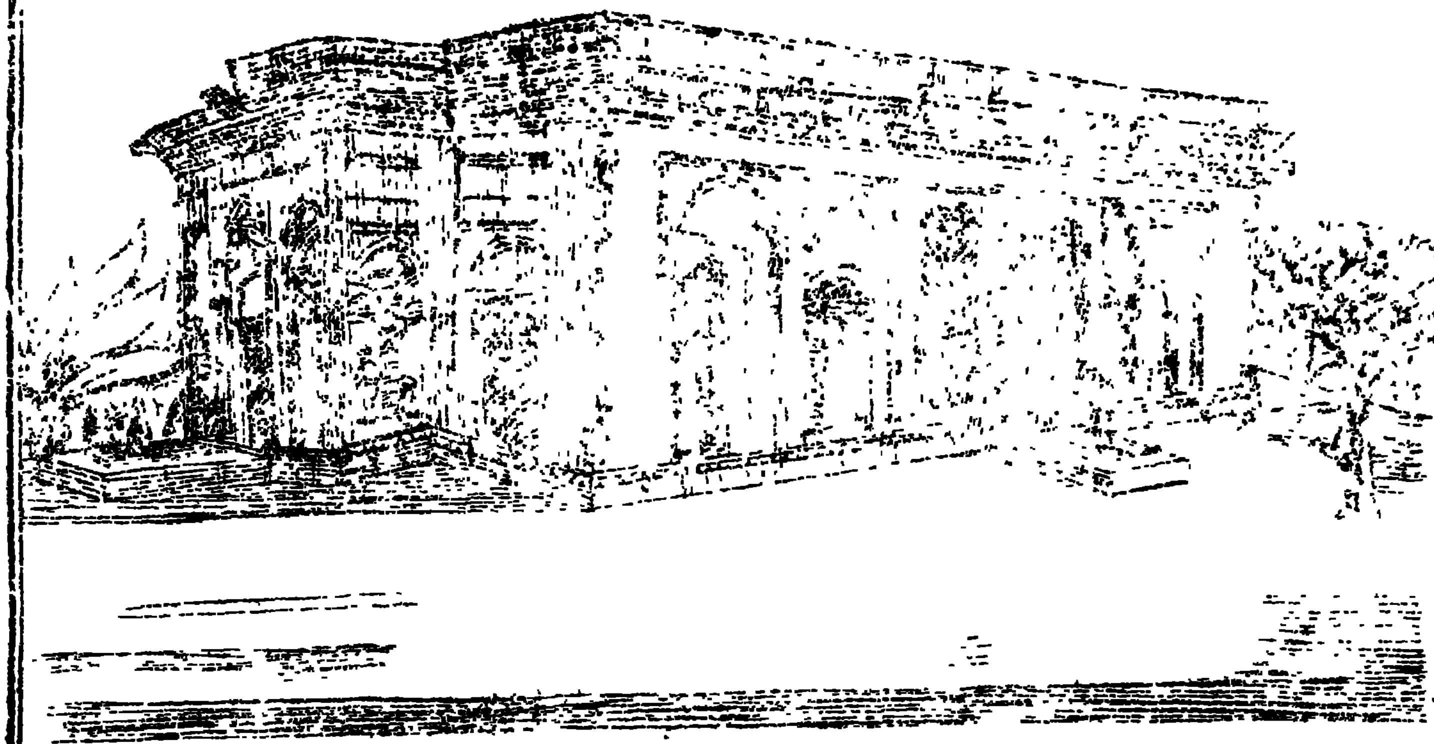
سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء

یہ باغ قطب صاحب کے جھرنے کے پاس ہے جو سرسبز و شاداب اور ایک اچھی سیرگاہ ہے۔ اس میں مکانات مرغوب بنے ہوئے ہیں۔ پھول والوں کی سیر میں ہزاروں آدمیوں کا جمگھٹا یہاں رہتا ہے اور بڑی رونق کا میلا لگتا ہے۔ اس باغ کو ناظر روز افزوں نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بنایا تھا۔ اس کے دروازے پر یہ کتبہ ہے جس سے اس کا سال بنا معلوم ہوتا ہے:۔

بفرمانِ محمد شاہ عادل ۔۔۔ کہ بر فرقش بود تاج تبارک
بنائے گلشنے در قطب گردید ۔۔۔ کہ گلہائش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دایم روز افزوں ۔۔۔ بحق سورۂ صادہ تبارک
پئے تاریخ سالش گفت ہاتف ۔۔۔ خدایا ری بود بانتد مبارک

سنہ ۱۱۶۱ ہجری مقدسہ مطہرہ سنہ ۳۱ جلوس مبارک محمد شاہی

اس باغ کے گرد اگرد فصیل نما کنگورے دار نہایت مضبوط چار دیواری ہے جس نے اب تک بھی جنبش نہیں کھائی۔ البتہ مشرق کی طرف کی دیوار گر گئی ہے اور اندر چاروں طرف مکانات سنگین سنگ سرخ کے نہایت عمدہ بنے ہوئے ہیں اور ایک مکان

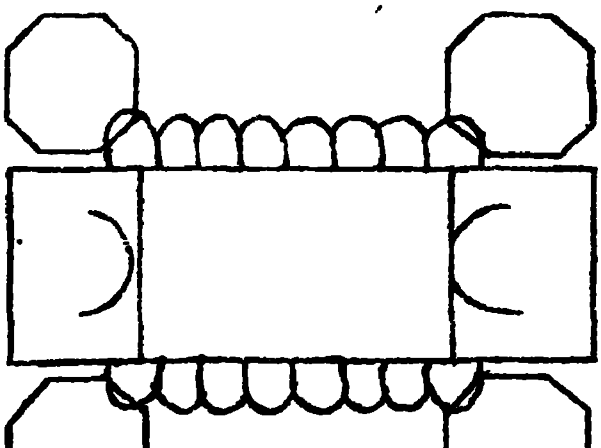


نقشهٔ باغ ناظر

باغ کے بیچوں بیچ بنا ہوا ہے کہ وہ سب سے بڑا اور بہتر ہے۔ صدر دروازہ مغرب رویہ سنگ سرخ کا ہے جو دہرا ہے جس کی بلندی ۲۲ فٹ ہے۔ دو طرفہ چھبیس چھبیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چوبی پٹ ہیں مگر شکستہ۔ دروازے کے اندر دو طرفہ دو منزلہ سہ دری ہے۔ غرض یہ کہ دروازہ بڑا عالی شان ہے اور ایسے نفیس باغ کا دروازہ بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ گو احاطے کے چار دروازے تھے مگر وہ معمولی حیثیت کے تھے صدر دروازہ یہی تھا جس پر کتبہ ہے۔ پہلے یہ ایک دلکش باغ تھا اور اب نرا جھاڑ جھنکار ہے۔ روشوں نالیوں اور کیاریوں کے نشان اب بھی موجود ہیں مگر جس میں ہل پھر جائے اور زراعت ہونے لگے تو اب کیا خاک رونق رہ سکتی ہے۔ بارہ دریوں اور پُر لطف شہ نشینوں میں جن کی نفاست اور پُر تکلف وضع قطع دیکھا کر اب بھی دل لوٹ جاتا ہے جب مویشی باندھے جائیں اور اُن کے گوبر کے چوتھے ہر طرف لگے ہوئے ہوں اور اُن کے شاب کی بو سے ناک نہ دی جا سکے اور جابجا اوپلوں کے انبار اور بھُس کے ڈھیر ہوں اُن کی کس مپرسی کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ بنانے نے روپیہ کی بکھیر کر دی اور اس مقام کو دلچسپ بنا لینے میں کوئی دقیقہ رکھا اور آج اس میں گدھے لوٹ رہے ہیں اور بجائے طرح طرح کے پھولوں کے تختوں کے زراعت ہو رہی ہے اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک کے بدلے گوبر اور موت کی سڑاند ہے۔ کون سا پتھر کا کلیجہ ہے جو اس تباہی کو دیکھ کر متاثر نہ ہو۔ اب بھی اس باغ میں اُسی زمانے کے پُرانے اور بڑے بڑے املی۔ کھرنی۔ آم۔ جامن۔ نیم۔ شہتوت وغیرہ کے درخت اور دو کنویں موجود ہیں۔

بیچ کی بارہ دری

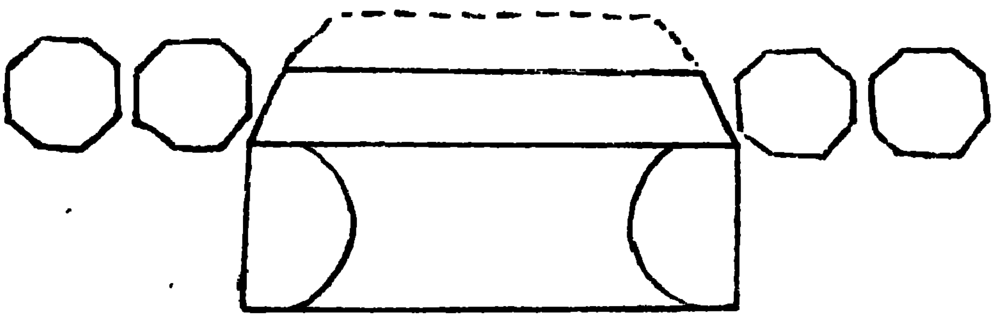
باغ کے بیچ میں ایک نہایت خوشنما اور بہت بڑی سنگ سرخ کی بارہ دری ہے۔ نقشہ یہ ہے۔



مشرق مغرب کی طرف یہ بارہ دری دہرے دالانوں کی ہے اندر سے ۱۳ فٹ x ۵-۱ باہر سے ۲۶ فٹ ۱۰ انچ x ۸ فٹ - ۳ انچ شمال جنوب میں ایک ایک برآمدہ ہے۔ چاروں طرف پختہ حوض ہیں جن کے بیچ میں فوارہ ہے۔ تین جانب کے حوض ایک ہی وضع قطع کے ۵ فٹ ½ x ۳ - ۹ اور ۲ فٹ ½ عمیق ہیں۔ صرف شمال کی طرف کا حوض ذرا بڑا ہے۔ ۱۳-۱۰ x ۸ فٹ - ۳ انچ عمق دو فیٹ باقی مٹی بھری ہوئی ہے۔ باہر سے عمارت کا طول و عرض ۵۲ فٹ ½ x ۲۷-۳ - کرسی ۵ فٹ ½ بلند۔ پتھر کی سلوں کی لداوی چھت۔ گرد چوڑا چھجہ جس کی سلیں جابجا سے گر گئی ہیں۔ اس کے سامنے شامیانہ بھی تانا جاتا تھا اس کے مروڑے لگے ہوئے ہیں۔

مشرق کی طرف کا پچ درا

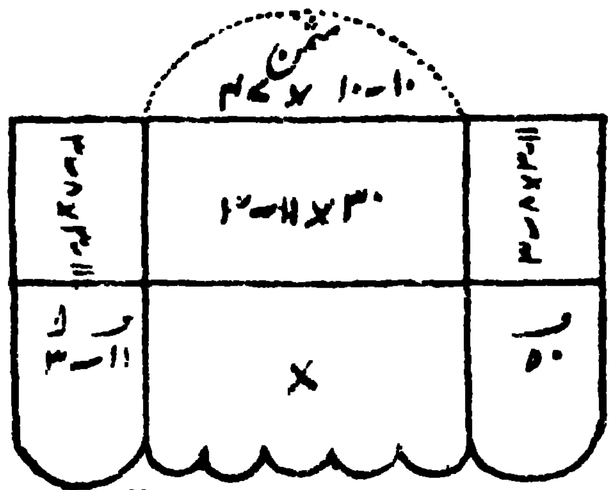
باغ کے مشرق میں یہ عمارت سنگ باسی کی بہت نفیس بنی ہوئی ہے یہ عمارت ۱۲ فٹ بلند ہے اور دو طرفہ اکیس اکیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ شہ نشین کی دیوار میں سنگ سرخ کی جالیاں باہر وار کو لگی ہوئی ہیں۔ جو سب ضائع ہو گئیں کہیں کہیں کوئی ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ اس میں ایک دو چھتی بھی ہے۔ نظری اور سرسری نقشہ یہ ہے۔



جنوب کی طرف کا پچ درا

یہ بھی سنگ باسی کا پچ درا ہے جس کی کرسی ۵ فٹ ۲ انچ ہے اور شہ نشین کی کرسی اندر وار سے ۱ فٹ ۹ انچ ہے۔ یہ عمارت باہر سے ۵۳ x ۲۹ ہے۔ عمارت کے گرد چوڑی چوڑی سلوں کا چھجہ تھا یہ سلیں اب جابجا سے گر گئی ہیں۔ اس عمارت کی چھت بھی لداوی ہے اور سلوں سے پٹی ہوئی ہے۔

اس کو ملا کر اب تین مکان باقی رہ گئے ایک باغ کے بیچ میں اور دو تیغ ذرے قیاس یہ چاہتا ہے کہ ایسے ہی تیغ درے مغرب اور شمال میں اور ہوں سے مگر اب نہیں ہیں اس عمارت کا نظری نقشہ یہ ہے:-



مولنا مجد الدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مسجد سنہ ۶۴ھ

باغ ناظر کے پاس یہ تین در کی پختہ مسجد ۴۴ فٹ × ۱۳ فٹ ہے دروں کی اونچان ۷ فٹ اور چوڑان ۴-۳ ہے۔ پیش میں چوڑا چھجہ سنگ خارا کا نیچے بھاری توڑے ہیں۔ فرش اور منبر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ مینار شروع ہی سے نہ تھے۔ مسجد کی بائیں طرف ایک حجرہ بھی ہے اور اسی طرف گیارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ داہنی طرف صرف چھ سیڑھیاں ہیں شاید اذان دینے کا چبوترا بنایا ہے کیوں کہ سقف مسجد تک سیڑھیوں کا سلسلہ نہیں ہے۔ اس کے صحن میں بہت سی قبریں ہیں مولنا کی قبر شریف پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے "مولنا مجد الدین حاجی سنہ ۶۴ھ" آپ کی قبر پختہ کی صحن مسجد میں ہے۔ اخبار الاخیار میں مولنا کے متعلق لکھا ہے کہ "آپ کا ذکر کسی ملفوظات مشائخ میں نہیں ملا لیکن بعض بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ آپ خاندان سہروردیہ کے ایک بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے بارہ حج کیے تھے اور آخر کار دہلی تشریف لائے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو صدر ولایت بنایا آپ اس خدمت سے ناراض تھے تاہم دو سال تک اس خدمت جلیلہ کی مہمات کو بوجہ احسن سر انجام دیا

درخوب انتظام چلایا اور بخوبی بندوبست کرنے کے بعد التماس کیا کہ فقیر کو اب معاف کریں۔ بادشاہ نے آپ کا فرمانا قبول کیا اور منصب صدارت سے سبکدوش کیا۔ ایام تشریق میں کہ زمانہ اکل و شرب اور ضیافت کا ہے اس نواح کے لوگ شہر کے باہر آپ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو ختم مولنا مجد حاجی کہتے ہیں"

صحن مسجد میں اور بھی بہت سی قبور ہیں جن میں سے صرف تین قبروں پر کتبے ہیں اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار کی طرف سے دو لپیٹ تھے بناکر ان تینوں قبروں کی بخوبی حفاظت کر دی ہے۔ پہلے تھے میں دو بہت پرانی قبریں ہیں۔ اور دوسرے میں صرف ایک لڑکے کی جس نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔

الله

(۱) وَكَانَ وَفَاتُهُ..... اَلْعَبْدُ الضَّعِيفُ..... المرحوم محمد بن علی بن عثمان الملقب بنظام الدین (۲) فی الرابع من شهر المبارك رجب عمرا مباهه ثمان و ثلثين و ستمائة (۶۳۸ھ)

یہ پتھر سنگھے کی شکل کا محراب دار ہے۔ بڑی شکل سے اتنی عبارت نکلی ہے۔ اس پتھر کے کنارے کنارے نصف دائرے کی شکل میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔

دوسری قبر۔ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْجَبَّارُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الْمُخْتَارُ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ وَسُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الصَّادِقُ الْاَمِيْنُ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

تیسری قبر

فرزند اعز قرۃ العین ثمرۃ الفواد
اسعد بن حسین نور اللہ
در ہفت سالگی کلام اللہ
حفظ کرد و برحمت خدای پیوست

جانب ۹۰ سال

پاس پاس دو گنبد اور ایک قناتی مسجد مسجد کی داہنی طرف رستے کے اُس پار ایک ہی وضع قطع کے

دو گنبد ہیں جن کے بیچ میں ایک کنواں ہے۔

(۱) ۲۲ مربع ہے۔ کوئی خاص نام نہیں ہے۔ اس کے اندر دو قبریں ہیں۔ دو طرفہ چودہ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ صدر دروازہ کی طرف جو رستے کے رُخ پر ہے ایک سنگ سرخ کی شہ نشین ہے۔ جنوب رُخ کے دروازے پر دو طرفہ طغرے کلمہ۔ بسم اللہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم گچ میں کھدے ہوئے ہیں۔ تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ شمال کی طرف کے دروازے میں چوبی کواڑوں کے پٹ چڑھا کر پولیاں بھر دی ہیں۔ بڑی مہربانی کی جس سے مقبرے کی حفاظت مقصود نہیں بلکہ اپنی پولیوں کی۔

(۲) دوسرا گنبد کٹورے کا گنبد کہلاتا ہے۔ شاید کبھی اس کی چھت میں کٹورا لٹکتا ہوگا۔ یہ ۲۴ مربع ہے۔ اس میں بھی دو قبریں ہیں اور اس میں بھی پولیوں کا ذخیرہ ہے۔ گویا تمام گنبد بنانے والوں نے اسی مقصد کے لئے یہ یادگاریں ہزارہا روپوں کے صرف سے قایم کی تھیں اُن کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ آگے چل کر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ گنبد نہ صرف گھانس پھوس اور مویشی کے چارے کا سٹور ہوں گے بلکہ ان میں گاؤں والے اپنے مویشی باندھ کر ان کو سنڈاس بنا دیں گے۔ اس گنبد کے باہر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کا کچھ کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ اس کے دروازوں کے دو طرفہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

اور چھوٹے طاقوں کے دو طرفہ چاروں طرف بسم اللہ۔ کلمہ۔ یا اللہ لکھا ہوا ہے

قنالی مسجد اس مقبرے کے پاس مشرق کی طرف گنبد سے ملی ہوئی ایک قنالی مسجد ۱۳×۹ ہے جس کے پیش طاق میں بہت سے کتبے ہیں چونے میں کھدے ہوئے تھے جا بجا سے جھڑ بھی گئے ہیں۔ اس دیوار پر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کی کچھ جھلک باقی ہے۔ مسجد کا صحن عرض میں ۲۳ ہے جس میں بہت سی پختہ قبریں ہیں۔ کتبے یہ ہیں۔

(۱) بسم اللہ آیۃ الکرسی و من قال النبی صلی اللہ علیہ و سلم لا تفسدوا ھو الامر التی لا الفساد قال اوضا ھو یا رسول اللہ قال اربعۃ الملوک والعلماء والزھاد والتجار قیل و ماھم

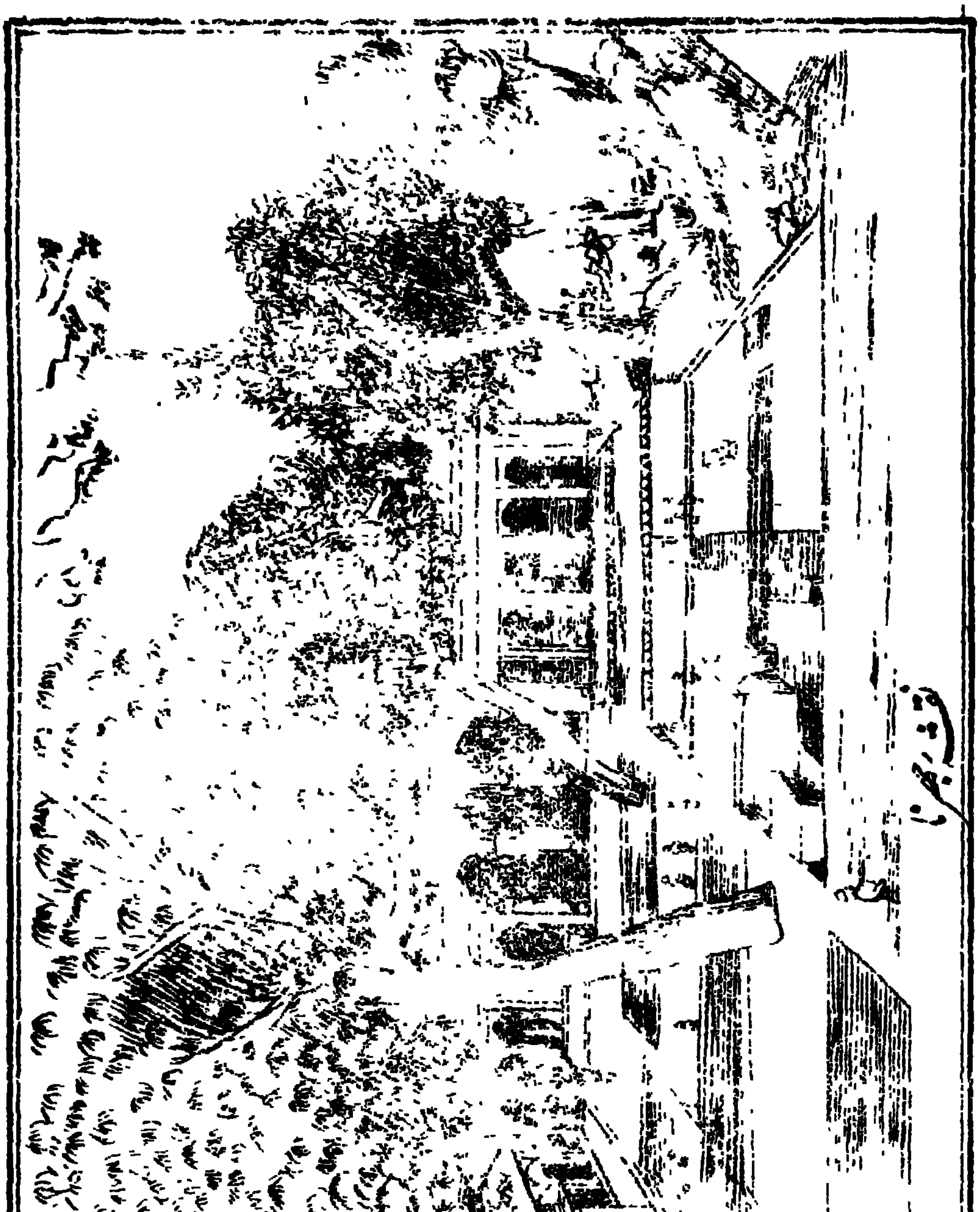
یا رسول اللہ تل الملوک رعات (۳) الملوک العلی … تا ذا کان الراعی دنیا فمن جرعی … فاذا کان الطبیب مریضا فمن یداوی یخلق والاعاد کلا الخلق فاذا کان اللہ یضا کہ …… اللہ اللہ ہم مرتبہ۔ یہ کوئی حدیث شریف ہے جو جا بجا سے چھوٹ گئی ہے اس وجہ سے مسلسل عبارت نہیں پڑھی جاتی۔ یہ حدیث کسی کتاب میں بھی نہیں ملی جو اس سے مدد ملتی۔ (۳) کلمہ۔ قل ھو اللہ پوری اور اشہد ان محمد عبدہ ورسولہ والحمد للہ ……

جھرنہ سنہ ۱۱۱۲ھ ۱۷۰۰ء

قطب صاحب کا جھرنہ کہلاتا ہے جو درگاہ شریف کے پاس ہے۔ یہ عجیب و غریب۔ لطیف و نفیس۔ دلچسپ و دل کشا فرحت بخش و دلربا سیرگاہ ہے جس کی سیر سے دل سیر نہیں ہوتا۔ درختان سرسبز و شاداب۔ نہر دوڑتی ہوئی حوض چھلکتے ہوئے باغ جنت یاد دلاتے ہیں اور بہشت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان فیروز شاہ نے اس مقام پر ایک بند بنایا تھا چنانچہ جھرنے کی دیوار وہی بند ہے جو اب تک موجود ہے اور حوض شمسی کا پانی روک کر نو لکھی نالے میں ڈالا تھا وہاں سے یہی پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں پونہچایا گیا تھا۔ چند مدت کے بعد وہ قلعہ تو ویران ہو گیا اور وہاں پانی جانا بھی موقوف ہو گیا۔ حوض شمسی کا پانی اس بند سے نکل کر جنگل میں رایگاں جانے لگا تو ۱۷۰۰ء میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اس بند کے آگے حوض اور نہر چادریں اور فوارے بنوا دیئے چادروں کا چھوٹنا فواروں کا اچھلنا ایک عجب عالم دکھاتا تھا اور دل کو لبھاتا تھا۔ اب وہ چادر اور فوارے تو سب بند ہو گئے۔ کبھی کبھی دیواروں سے پانی البتہ رسنے لگتا ہے اور حوض میں تھوڑا سا جمع ہو جاتا ہے جھرنے کے چاروں طرف کچھ کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم مختصراً لکھتے ہیں:۔

مکانات جانب غرب

بجانب غرب اس دیوار سے لگ کر سنگ سرخ کا ایک سہ درہ دالان ۲۷-۳ × ۸-۵ ہے اور جھرنہ انھیں مکانات کو کہتے ہیں۔ دالان کی چھت لداؤ کی ۸-۵ اونچی ہے جس کے آگے ایک بہت نفیس حوض بنا ہوا ہے۔ چھت پر سے لوگ کودتے اور حوض میں تیرتے تھے۔ لوگوں کے کودنے کے وقت بڑا لطف ہوتا ہے کوئی قلابازی کھا کر

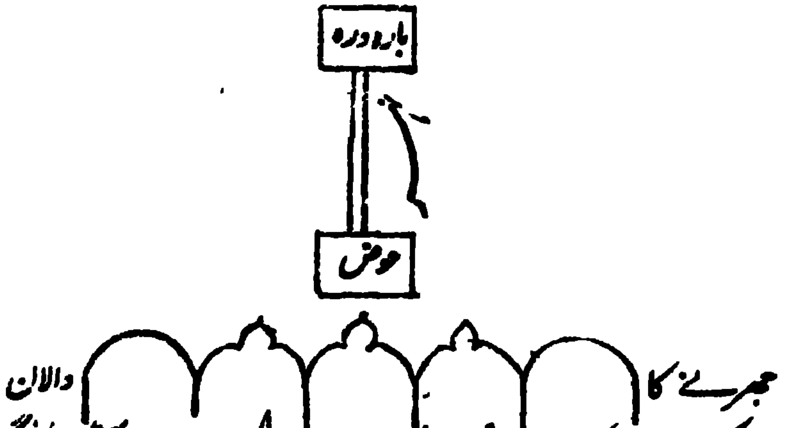


کودتا ہے کوئی چک پھیری پھر کر اور کوئی پتنجنی کھا کر اور بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک قوی ہیکل آدمی کو کھڑا کیا اور دو آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گئے اور درختوں کی ٹہنیاں پھول دار ہاتھ میں لیں اور سب سے نیچے کے آدمی نے زغند ماری اور حوض میں کودا اور جو اوپر چڑھے ہوئے تھے وہ بھی لامحالہ ساتھ ہی کودے اور اس طرح کے کودنے کو اصطلاح تیراکی میں "درخت کا کودنا" یا "جھاڑ جھنکاڑ کا کودنا" رکھا ہے۔ غرض طرح طرح کے تماشے برسات میں پھول والوں کی سیر میں ہوتے ہیں۔ اس دالان کی چھت ساری کی ساری اندر سے خالی ہے جس کے چھجے کے نیچے تیرہ انبوبے بطور فوارے کے لگے ہوئے ہیں۔ اس چھت پر بھی پانی چڑھتا تھا اور ان انبوبوں میں سے دھاریں چھوٹتی تھیں اور حوض میں گرتی تھیں۔ اس دالان کے اندر بھی ایک چادر ہے ۳ فٹ ۲ انچ چوڑی جو ۳ فٹ ۱ انچ کی اونچان پر سے گرتی ہے۔ اس کے نیچے چراغ جلانے کے طاق بنا دیئے ہیں۔ چادر کا چھوٹنا اور اُس میں چراغوں کا جھلملانا بجنسہ ایسا معلوم دیتا تھا جیسا کہ آتش بازی کے پھول جھڑ رہے ہیں یا تارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر لوٹ رہے ہیں۔

نظر آئی واں چاندنی کی بہار ۔۔۔ کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید ۔۔۔ ہر اک طاق محراب صبح اُمید
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر ۔۔۔ پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں نہر
لب نہر پر صاف جو غور کی ۔۔۔ تو پڑتی تھی وہ ایک بلور کی
بڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے ۔۔۔ ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
زمیں نور کی آسماں نور کا ۔۔۔ جدھر دیکھیے واں سماں نور کا
ہر کرتی نگہ جس طرف کو گذر ۔۔۔ بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

یہ حوض ۲۶ فٹ مربع اور ساڑھے سات فٹ عمیق ہے دہانہ ایک فٹ (۷) انچ کا ہے جس سے اس حوض میں پانی آتا ہے۔ حوض کے سامنے ایک بہت خوش نما نہر ۲۲ فٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور ساڑھے تین فیٹ گہری ہے۔ اس نہر کا پانی چادر پر جا کر برستا ہے۔ یہ بڑی چادر ہوئی اس کے سوا شمال اور جنوب میں آمنے سامنے دو چھوٹی چھوٹی چادریں اور ہیں جو ۲ فٹ ۱ انچ چوڑی ہیں اور دو فیٹ کی بلندی پر سے گرتی ہیں۔ ان چادروں کے آگے ۳ فٹ ۲ انچ کی بھنت کا ایک

سلامی پتھر لگا دیئے ہیں جن کے غاروں میں پانی اٹک اٹک کر لہراتا اٹکھیلیاں کرتا عجب خرام ناز اور معشوقانہ انداز سے جاتا ہے کہ اس کی خوبی حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ان تینوں چادروں کے سامنے نہریں ہیں۔ بڑی چادر کے سامنے کی نہر ۲۳ گز لمبی ۔ ۴ گز چوڑی اور ۱ فٹ بھر گہری ہے اس نہر کے سامنے سنگ سرخ کا ایک بارہ دری منڈوا ۱۱ گز ۔ ۱۱ گز ۹ ½ فٹ ہے صحن میں ایک پرانا درخت جامن کا ہے اور کئی درخت آم اور نیم کے ہیں۔ موجودہ نقشہ اس کا یہ ہے۔



چھوٹی نہروں کے سامنے کی نہریں ۱۵ گز ۔ ۲ فٹ لمبی ۔ ۲ گز ۔ ۹ فٹ چوڑی اور آٹھ انچ گہری ہیں۔ اب سب ٹوٹ ٹاٹ کر فوارے اور چادریں سب بند ہیں اور پانی جنگل میں بہ جاتا ہے۔ اب اس مکان کی خوبی اور نفاست کیا لکھی جائے نہ وہ مکان ہی رہا نہ وہ مکین ہی رہے۔ نہ وہ عیش پسند طبیعتیں رہیں نہ وہ مذاق رہا۔ اب زمانے میں کچھ اور ہی ہوا چلی ہے ہم اس ٹوٹی پھوٹی حالت کو بھی دیکھ کر لٹو ہوئے جاتے ہیں۔ چادروں کا گرنا۔ پانی کے دھواں دھوں کا غل جانوروں کا ہرے بھرے درختوں پر پھدکنا اور چہچہانا۔ کوئل کی کو کو پپیہے کی پی کہاں کی صدا مور کا جھنگارنا اور ناچنا۔ فاختاؤں کا گونجنا۔ خلقت کی کثرت اور ریل پیل۔ تماشائیوں کا بن سنور کر عمدہ عمدہ رنگ برنگ کے لباسوں میں گشت کرنا۔ حسینوں کے جھرمٹ۔ گانے کی الاپ طبلے کی تھاپ۔ کٹوروں کی جھنکار۔ سودے والوں کی پکار۔ دکانوں کی سجاوٹ۔ یار دوستوں کی لگاوٹ۔ پھول گجروں کی بہار۔ خوشبو وعطریات کی مہکار۔ کچھ عجب سماں تھا۔ بلامبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ راجہ اندر کا اکھاڑا یا پرستان زمین پر اُتر آیا ہے۔ بڈھے ٹھڈے اسے بھی یاد کر کر کے مزے لیتے ہیں بھلا ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ ہم اس بہار کو دیکھتے ہمارے نصیب میں تو بس یہی رہ گیا ہے کہ گل کی جگہ خار دیکھ کر کف افسوس ملیں۔

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں   بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

مکانات جانب شمال

سنہ ۵۳-۱۲۲۱ھ
۳۷-۱۸۰۶ء

اس طرف ایک دہرا دالان پختہ و سنگین بہت خوش نما بنا ہوا ہے جو طول میں ۳۱-۸ اور دونوں دالانوں کی چوڑائی (۲۴) ہے۔ یہ دالان ابوالنصر معین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ نے اپنے عہد سلطنت میں (جن کا زمانہ سنہ ۵۳-۱۲۲۱ھ / ۳۷-۱۸۰۶ء تھا) بنوایا تھا جواب بھی موجود ہے۔ یہاں کے سب مکانوں میں یہ بھی ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ اسی سے ملا ہوا ایک دالان ۳۳-۹ × ۱۱-۹ ہے جس کی چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔

مکانات جانب جنوب

سنہ ۱۲۲۱-۱۱۷۳ھ
۱۸۰۶-۱۷۵۹ء

اس طرف ایک سہ درا دالان ہے جس کی بغلی میں دو در اور ہیں چنانچہ اسی وجہ سے وہ پنج درہ کہلاتا ہے۔ اور اگر ادھر ادھر کے دروازے ملا لو تو ست درہ ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ جی کے بھائی سید محمد صاحب نے ابوالمظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ (سنہ ۱۲۲۱-۱۱۷۳ھ / ۱۸۰۶-۱۷۵۹ء) کے زمانے میں بنوایا تھا جس کا اب نشان تک نہیں رہا۔ البتہ بیچ میں بہادر شاہ (سنہ ۷۳-۱۲۵۳ھ / ۵۷-۱۸۳۷ء) نے ایک سنگین بارہ دری بنوائی تھی جواب بھی موجود ہے۔

مکانات جانب شرق

سنہ ۶۱-۱۱۳۱ھ
۴۸-۱۷۱۹ء

اس طرف کوئی مکان نہیں ہے پہاڑ ہی پہاڑ ہے۔ روشن اختر ابوالفتح محمد شاہ بادشاہ نے (سنہ ۶۱-۱۱۳۱ھ / ۴۸-۱۷۱۹ء) ایک پھسلواں پتھر کہ اس پر لوگ چڑھتے اور پھسلتے تھے رکھوا دیا تھا۔ یہ پتھر ۱۸-۱ لمبا اور ۲-۶ چوڑا تھا جواب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب صرف کچھ کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ دروازہ اس کا کچھ شان دار نہیں ہے معمولی آٹھ فیٹ اونچا اور ۵-۳ چوڑا ہے۔ اس کو آہنی جنگلے کے کواڑ حال میں چڑھا دیئے ہیں۔

امریاں یہیں پاس بہت سے آم کے درخت ہیں جو "امریاں" مشہور ہے۔ پھول والوں کی سیر میں میلانی چھوٹے یہاں جھولے ڈالتے اور لمبی لمبی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ شہر کی تمام طوائف آتی اور عشق و محبت کی ڈوریاں ڈال کر شوق و ذوق کی پینگیں بڑھاتی ہیں۔ تماش بینوں اور عاشقوں کی بے حیائی اور رنڈیوں کی کمائی کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس مقام پر ایک قبر بھی ہے جس پر کتبہ

عارف حکیم فاضل یا زہد پُر قناعت — گردہ ہلاک اوا قزاق بد دیانت
تاریخ سال اورا ہاتف مرا خبر داد — روح شہید عابد آمد میان جنت

غرض اس طلسم کدے کا حال کیا لکھوں اس کا نقشہ کوئی عاشق مزاج ہی خوب کھینچ سکتا ہے کھینچ کیا جانے صاحبان کا بھاؤ۔

پھول والوں کی سیر

ساون بھادوں کے مہینے ہر سال بڑی دھوم سے میلا ہوتا ہے۔ اب اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت کچھ اہتمام اور دھوم دھڑکا ہوتا ہے ایسا کہ سارا شہر ٹوٹ پڑتا ہے۔ پہلے زمانے میں آٹھ آٹھ دن جنگل میں منگل رہتا تھا۔ بدھ سے جمعہ تک تین دن تو میلہ شباب پر رہتا ہے اور بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ عین میلے کا دن جمعرات کا ہوتا ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی سے کم جمع نہیں ہوتا۔ پھول والے اور اہل حرفہ نہایت خوش نما پنکھے بناتے اور باجے گاجے نوبت نقارے ڈھول تاشے روشن چوکی کے ساتھ لے جا کر حضرت قطب صاحب کی درگاہ پر چڑھاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس میلے کا نام "پھول والوں کی سیر" ہے۔ میلے میں شہر کی دکانیں اور بازار خوب سجائے جاتے ہیں۔ سارے مکانات بھر کر لوگ میدان میں رات کو پڑے رہتے ہیں۔ جس طرف دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ شہر سے لے کر قطب صاحب تک بہلیوں۔ یکوں۔ گاڑیوں۔ اور موٹروں غرض ہر قسم کی سواریوں کا تانتا لگا رہتا ہے اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ سال بھر یہاں کے مکانات اور بنگلے جو سر راہ ہیں خالی پڑے رہتے ہیں مگر ان تین دنوں میں ایسا کرایہ وصول ہو جاتا ہے جو سال بھر کی آمدنی کے برابر ہوتا ہے۔ میلے میں لاکھوں روپے کی خرید فروخت ہو جاتی ہے۔ ہزارہا آدمی حوض میں نہاتے ہیں اور دالان کی چھتوں دیوار کی منڈیروں اور درختوں پر سے حوض میں کودتے ہیں اور پھسلنے پتھر پر پھسلتے اور امبرتوں میں جھولے جھولتے۔ اس میلے کو اس زمانے کی بڑی بھاری پکنک سمجھئے۔ دلی والا کام پیشہ کوئی ایسا نہ ہوگا جو نہ جاتا ہو۔ مہینوں پہلے سے طیاریاں شروع کرتے ہیں۔ گھر میں چاہے کھانے کو نہ ہو مگر پھول والوں کی سیل (رٹ پڑے ہے کام پیشہ یوں ہی بولتے ہیں) ناغہ نہ ہو۔ قرض کریں گے وام کریں گے۔ جورو کا توم چھلا بیچیں گے مگر پھول والوں کی سیل ناغہ نہیں ہوسکتی۔ چوں کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بہت جاتے ہیں اور یہ لوگ وہاں جا کر ادھم مچاتے اور طوفان بے تمیزی برپا کرتے ہیں لہذا آج کل پوش شریف ذرا جاتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ ایسا ہی شوق چرایا تو صبح گئے اور شام کو

اپنے گھر چلے آئے۔ بلا مبالغہ ساری دلی خالی ہو جاتی ہے اور چوروں کی بن آتی ہے کثرت سے چوریاں ہوتی ہیں۔ یہاں کے پراٹھے اور کباب بہت مشہور ہیں۔ بات یہ ہے جنگل کی ہوا اور اس پر چلنا پھرنا بھوک خوب لگتی ہے اور بھوک میں سب ہی چیز اچھی معلوم دیتی ہے سوائے اس کے اور کوئی خصوصیت نہیں۔ بادشاہی زمانے میں اس میلے کا رنگ روپ کچھ اور ہی تھا اور اب دلی والوں کو بس اتنی تفریح بھی غنیمت ہے۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ ہی اوکھ ہوتا ہے۔

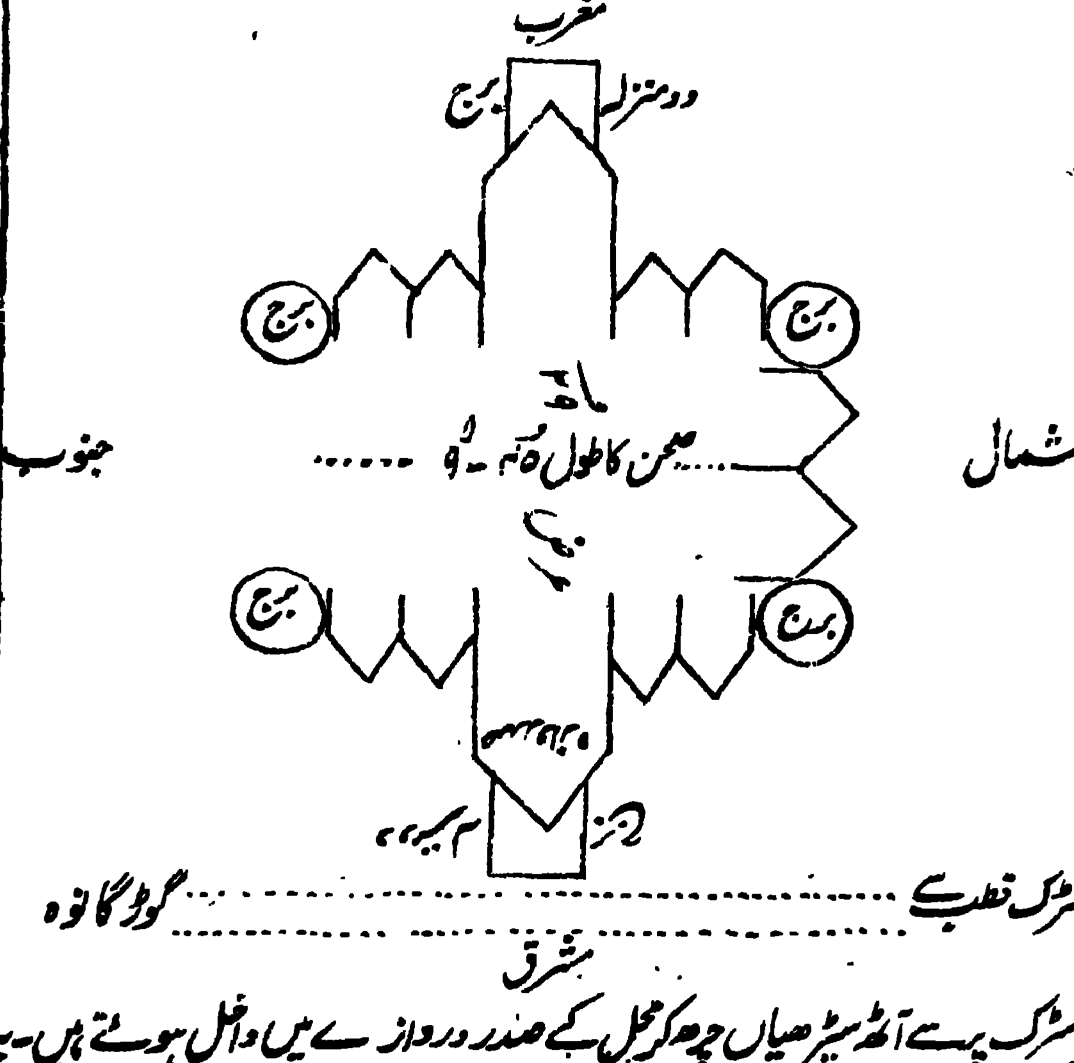
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس   نگردد بیک گونہ با ہیچ کس

گوڑگانوں کی سڑک پر کی عمارتیں

بادشاہ پسند سرائے سڑک کے بائیں طرف ایک بہت وسیع اور پختہ سرائے بنی ہوئی ہے جس کا ایک عالی شان سہ کہا دروازہ سڑک سے ملا ہوا ہے۔ اس کے مربع احاطے میں چاروں طرف سہ درے مکان ان لوگوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں جو الگ مکان پردے کی جگہ اپنے زنانے کے واسطے چاہیں۔ باقی تین طرف نو نو حجرے مسافروں کے لیئے ہیں۔ یہ حجرے ۹-۳-۷×۸-۱۰ گیارہ فٹ اونچی محراب کے ہیں جن کے سامنے ۹×۸ کا برآمدہ ہے۔ مغرب کے رخ صدر دروازہ ہے ادھر ادھر چار چار حجرے ہیں۔ چاروں کونوں پر نو نو سیڑھیوں کے زینے ہیں۔ شمال اور جنوب کے دونوں کونوں میں ایک ایک کوٹھری بھی رکھی گئی ہے۔ چوں کہ یہ سرائے موجودہ بستی سے ذرا پرے ہے لہذا بالکل ویران ہے۔

جہاز محل یا لال محل یا شیش محل سڑک سے بالکل ملا ہوا داہنی ۔۔ جہاز محل ہے جسے بعض لوگ لال محل بھی کہتے ہیں کہ سرتاپا سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور شیش محل بھی یہی کہلاتا ہے شاید کسی زمانے میں شیشہ آلات لگے ہوئے ہوں اب تو صرف جہاز کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ممکن ہے کہ جہاز کی شکل کا لمبوترا ہونے سے یہ نام پڑ گیا ہو۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کا جہاز تباہی میں آ گیا تھا اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کا جہاز صحیح

سلامت آجائے گا تو وہ ایک مکان رفاہ عام کے لیئے بنا دے گا اور اُس کی مراد پوری ہونے سے اُس نے یہ مکان بنوا دیا۔ سنا جاتا ہی کہ بہادر شاہ بادشاہ بھی اس محل میں ٹھیرا کرتے تھے۔ سر سید نے تو لکھا ہی کہ وہ آپ گر پڑ کر زمین کے برابر ہو گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا ہی، لیکن موقع پر تو اس محل کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہی اور اُس وقت تو اس سے بھی بہتر حالت ہوگی۔ ہم موجودہ حالت کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے تو نقشہ ملاحظہ فرمایئے۔



سڑک پر سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر محل کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ مکان مستطیل ہی چاروں کونوں پر چودہ چودہ در کے برج ہیں۔ صدر دروازے اور اُس کے مقابل کے دروازے کے اوپر بارہ بارہ در کا برج ہی۔ یہ برج اور دروازے سنگ سرخ کے ہیں باقی اصل محل سنگ خارا اور چونے کا ہی۔ جنوب کی طرف کا ضلع گر گیا ہی باقی تین طرف کا حصہ جوں کا توں کھڑا ہی۔ چاروں طرف لداوی چھت کے علاوہ

اور عجیب ہیں۔ برجوں کے قبّوں پر چینی کا لاجوردی کوٹ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محل کے اندر بھی چینی کا کام ہوگا لیکن جب پلاستر ہی سارا جھڑ گیا ہے تو اب رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ عمارت کی بلندی چھت تک ۱۹ فٹ ہے۔ زینہ چھت پر جانے کا پندرہ سیڑھیوں کا ہے۔

بارہ درہ

جہاز محل کے سامنے سڑک کی بائیں جانب اونچے ٹیلے پہ بارہ درہ ۸ فٹ ۱۰ انچ کا گنبد سنگ خارا کا کھڑا ہے۔ اس کے چو طرف دالان تھے اور بیچ میں یہ گنبد تھا۔ دالان تو سب گر گرا گئے گنبد باقی ہے۔ گنبد کے اندر ایک زمین دوز قبر بھی ہے اور گنبد کے باہر چبوترے پر ایک سنگ خارا کے تعویذ کی قبر ہے۔

گورکنوں کی مسجد

جھرنے کے پاس ایک اونچے ٹیلے پر اس سڑک کے بائیں جانب گورکنوں کی مسجد ۹ فٹ ۴ انچ × ۲۷ فٹ ½ ہے تین در ادھر تین در ادھر بیچ میں نو سیڑھیوں کا زینہ۔ دروں کی اونچان چھ فیٹ اور چوڑان ۴ فٹ ½ ہے۔ چھت لداؤ کی ہے۔ سامنے مسجد کے صحن ہے مگر چبوترا شکستہ ہے اسی چبوترے کے نیچے جھرنا ہے۔ مسجد چوں کہ ٹیلے پہ بنائی گئی ہے اس واسطے سڑک کے کنارے پانچ در کا ایک لداؤ کی دالان بنا کر اس پر مسجد کی عمارت بنائی ہے۔ یہیں سنگ خارا کا ایک ہشت درہ منڈوا ۱۱ فٹ ½ مربع ہے جس میں ایک زنانی قبر سنگ خارا کی ہے۔

اولیا مسجد

یہ مسجد شمسی تالاب کے کنارے مشرق کی طرف سڑک سے لگی ہوئی داہنی طرف ۵۸ × ۳۶ فٹ کے ایک پست احاطے میں واقع ہے بعض جگہ تو دیوار تین ہی فیٹ اونچی ہے۔ اصل مسجد تو اب نرا ایک چبوترا ہی چبوترا ہے۔ صرف مغرب کی طرف ایک محراب چھ فیٹ کی بنی ہوئی ہے۔ مسجد کے صحن میں تین مصلے سنگ خارا کے ہیں جن کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ قطب الدین صاحب نے چلّہ کھینچا تھا اور چوں کہ حضرت خواجہ صاحب اور دوسرے بزرگوں نے خود لوڑیاں ڈھو ڈھو کر یہ مسجد بنائی لہٰذا اولیا مسجد مشہور ہو گئی۔ اب اس کچی مسجد کو لوگوں نے پکا بنا دیا ہے اور ایک اکہرا تین در کا دالان ۲۶ ½ × ۶ فٹ ½ کا لوہے کے گرڈر اور چوکوں کی چھت کا بنا دیا ہے اور سامنے صحن میں گچ کا فرش کرا دیا ہے۔ اس میں ایک بڑ کا بہت بڑا درخت ہے جس سے تمام

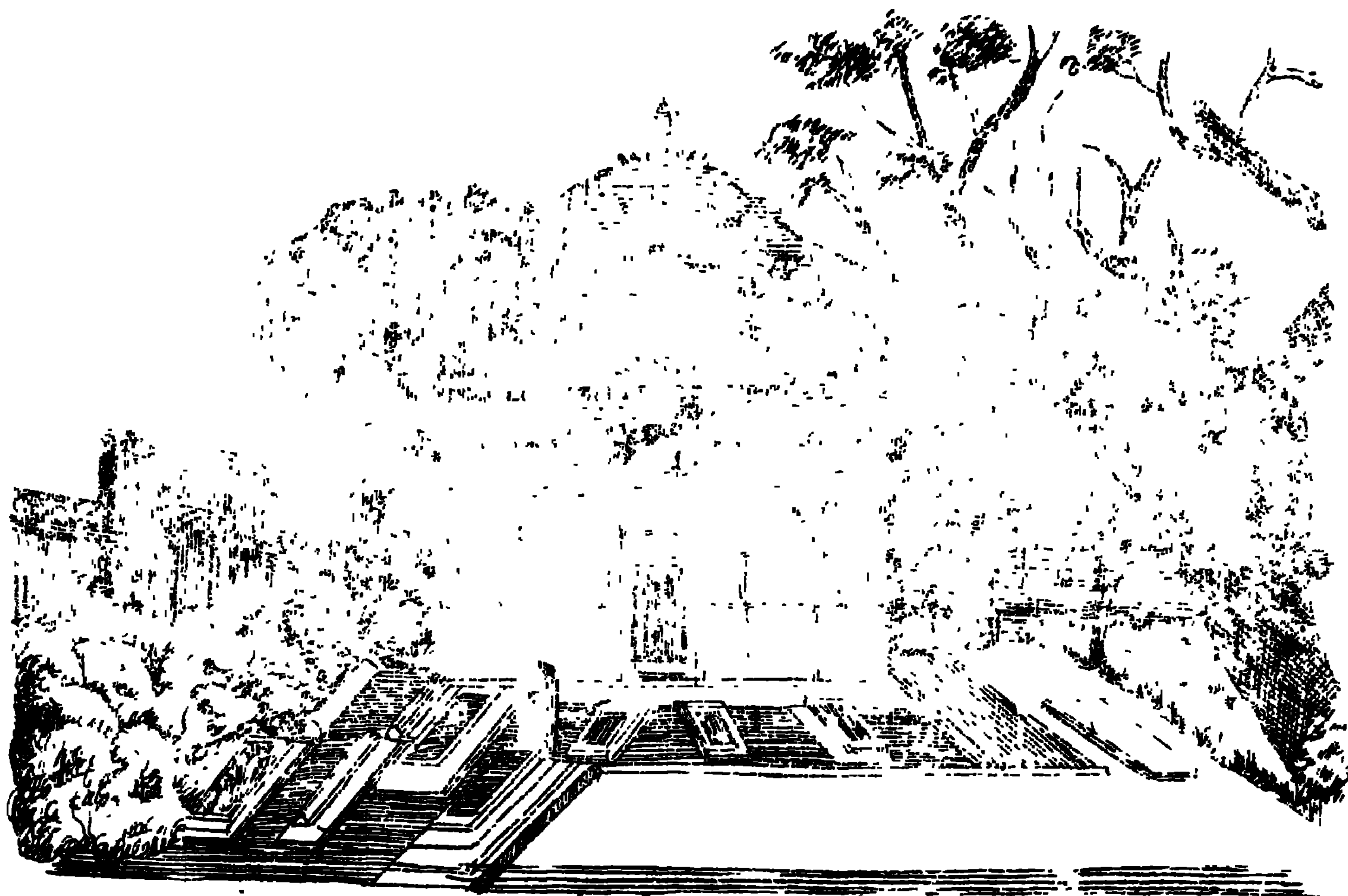
مسجد پر سایہ رہتا ہے۔ مسجد کی بلندی ۷ فٹ ۱/۲ ہے۔ دروں کی اونچان ۱۲ فٹ ۱/۲ اور چوڑان ۹ فٹ ۔ ۹ انچ۔
ایک طرف زینہ ہے۔ مسجد کی چھت کی دیواروں میں دو کھلے دروازے ہیں۔ صحن میں ایک
کنواں بھی ہے۔ حوض شمسی میں اترنے کی آٹھ سیڑھیاں ہیں نیچے دار اصل مسجد ہے جس کی ایک
چھوٹی سی قدیم محراب باقی ہے اور بہت چھوٹا سا ممبر بھی بنا دیا ہے۔ یہ حصہ ۳۲ × ۲۴ فٹ ہے۔
اکثر بزرگان دین مسجد کے اس حصے میں چلّہ کشی کیا کرتے تھے اور موقع بھی تخلیہ کا بہت
عمدہ ہے۔ مسجد کی غربی دیوار شمسی تالاب سے صرف تم ۱ کے فاصلے سے ہے۔ اب حال میں مسجد
کے جنوب میں ایک شرقی رویہ دالان منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی
نے بنوا دیا ہے جس سے لوگوں کو بہت آرام ملتا ہے۔ مسجد کے پختہ صحن کے بعد ایک کونے میں
خام صحن کے حصے میں کچھ قبریں بھی ہیں۔

مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۶۴۲ء

اے اجل گر تن بے جاں تہ خاکش بکشی
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ سے آگے بڑھ کر پختہ سڑک پر
تھوڑی دور چلنے کے بعد حوض شمسی کے کنارے داہنی طرف آپ کا گنبد پختہ بنا
ہوا ہے۔ آپ بڑے عالم متبحر۔ محدث اور معاصر اکبر اور جہانگیر کے عہد کے تھے۔ ملک ہند
میں سب سے اول علم حدیث کی ترویج آپ ہی نے دی اور آپ ہی کی وجہ سے کلام
رسول مقبول کی شہرت اس ملک میں ہوئی۔ آپ کے جدّ اعلیٰ آقا محمد اپنے وطن
اصلی بخارا سے بعہد سلطان محمد علاء الدین خلجی مابین سنہ ۶۹۵ھ و سنہ ۷۱۵ھ ایک جماعت
کثیر کے ساتھ دلی تشریف لائے اور تسخیر ممالک گجرات و بنادر کے مامور ہوئے۔ آپ کے
والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین تھا جنھوں نے ۲۷ شعبان سنہ ۹۹۰ھ میں ستر سال
کی عمر میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ انتقال کیا اُس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال
سات ماہ کی تھی۔ آپ کی ولادت ماہ محرم سنہ ۹۵۸ھ سلیم شاہ کے عہد میں ہوئی اور وفات
۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ شاہجہاں کے عہد میں ہوئی۔ دلّی میں اب تک موجود ہے۔ آپ کے
سلسلہ آپ کی اولاد محلہ مفتیان تا ہا بیرم خاں میں رہتی ہے۔ آپ کی نویں پشت میں مولوی محمد احسان الحق صاحب
دلّی کے سربرآوردہ لوگوں میں تھے۔ ان کے فرزند اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحب (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



نقشہ درگاہ حضرت شیخ عبد الحق

مقبرے کی نسبت مراۃ الحقایق میں لکھا ہے کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے آپ کی حیات میں بنوایا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ مقبرہ طیار ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ مقبرہ طیار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "ہم بھی طیار ہیں"۔ سر سید نے لکھا ہے کہ یہ مقبرہ شیخ الاسلام نے بنوایا مقبرے کی شمالی بیرونی دیوار پر یہ کتبہ نصب ہے:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجملے از احوال کرامت منوال مقتدائے وقت صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ آں کہ از مبادی شعور بطاعت حق و طلب علم کمر بستہ با وان بلوغ اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ۔ بر مسند نشست۔ و ہم در عنفوانِ جوانی جاذبۂ الٰہی در رسید۔ بیکبار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بہ آں مقاماتِ شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں و اولیائے کبار صحبتہا داشتہ بودائع ارجمند و رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ و علاوۂ آں تکمیل فن حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدتِ پنجاہ و دو سال بجمعیتِ ظاہر و باطن تمکن یافتہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) راجپوتانے کی رزیڈنسی کے بڑے نامور اور مشہور میر منشی تھے جو بڑے ذی علم باخدا اور صاحب التکوینی تھے۔ فرزند دوم مولوی وحید الحق تھے جو جوان مرے۔ فرزند سوم مولوی سیف الحق صاحب آدیب بڑے پایہ کے شاعر تھے جو دکن حیدرآباد میں پریس رپورٹر تھے یہ بھی نوجوان مرے۔ چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحب زادے خان بہادر مولوی شرف الحق صاحب خاکسار کے برادر نسبتی تھے اور حیدرآباد میں مہتمم بندوبست تھے انھوں نے وہیں انتقال کیا اب گیارہویں پشت میں کئی صاحب ایم۔ اے اور بی۔ اے معزز عہدوں پر ہیں انھیں میں سے مولوی شرف الحق کے دو صاحب زادے جو میرے سگے بھانجے ہیں ہیں۔ بڑے صاحب زادے ڈاکٹر مشرف الحق پی ایچ ڈی ڈھاکہ کالج کے سائنس کے پروفیسر ہیں اور چھوٹے ڈاکٹر اشرف الحق ایم۔ بی۔ سی ایچ بی۔ افواج قلعۂ گولکنڈہ گورنمنٹ سرکار عالی نظام کے ڈاکٹر ہیں۔ غرض یہ کہ حصولِ علم میں شیخ کا تصرف اب بھی جاری ہے اور علم کی جھلک اس خاندان میں اب بھی نظر آتی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ وہ علم الادیان سے بدل کر علم الابدان ہوگیا ہو یا عربی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہو۔ سو یہ اقتضائے زمانہ ہے اور اب اسی کی ضرورت اشد ہے۔ مشرف الحق نے بھی اس نوٹ لکھنے کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء کو بعالم شباب ۲۸ برس میں بمقام ڈھاکہ انتقال کیا۔

تحصیلِ فرزندان و طالبان بجا آوردہ و بنشرِ علوم سیّما العلم شریف حدیث پرداخته بنہجیکہ در دیارِ عجم احدے را از علماے متقدمین و متاخرین دست ندادہ ممتاز و مستثنیٰ گردید۔ و در فنونِ علمیہ خاصۃً فنِ حدیث کتبِ معتبرہ تصنیف کردہ چنانکہ علماے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ و اہل دانش از خواص و عوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والاگہر از صغیر و کبیر بصد مجلد بحسب شمارِ ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است۔ در محرم ۹۵۸ھ ایں نورِ اتم پرتوِ ظہور بعالمِ عنصری دادہ و در ۱۰۵۲ھ بتمام آگہی و کشادہ پیشانی بعالمِ قدس خرامید۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" (۹۵۸) و تاریخ رحلت "فخر العالم" (۱۰۵۲) است۔

قطعۂ تاریخ وفاتِ حضرتِ شیخ

فاضلِ ہند شیخ عبدالحق ۔۔۔ حامیٔ شرعِ دیں بہ نیک نسق
عالم و متقی و عارف بود ۔۔۔ بعلومِ عربیہ واقف بود
شرحِ مشکوٰۃ از تصانیفش ۔۔۔ تازی و فارسیست تالیفش
آنچہ او را دگر تصانیف ست ۔۔۔ چہ بہ نظم و چہ نثر تالیف ست
بتہالیش کہ در شمار آمد ۔۔۔ ہمگی ہشتصد و ہزار آمد
عمر او بود یکصد و دہ سال ۔۔۔ کاں زماں شد ازیں سرائے ملال
سالِ نقلش خرد عیاں و نہفت ۔۔۔ "بجنانِ بہشت مرقد" گفت (۱۰۵۲)
مسکن او در شہر دہلی داں ۔۔۔ مدفنِ او بشہر دہلی

شاہ عبدالحق صاحب رح کا گنبد ۔۔۔ مربع ہے۔ دروازہ ایک ہی طرف ۔۔۔ ہے۔ یہ گنبد ایک خوش نما باغ اور پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ درخت اب تک بھی بہت ہیں۔ مقبرے کے صحن میں آپ کی آل اولاد کی بہت سی قبریں ہیں مگر گنبد کے اندر صرف آپ ہی کا مزار ہے۔ گنبد کے گرد چاروں طرف احاطے کی دیوار پر نہایت عمدہ خوش خط بڑے بڑے حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ گنبد اور اس کا فرش چونے گچی کا ہے۔ گنبد بہت سادا سود ا ہے کچھ تکلف اس میں نہیں کیا گیا مگر اس سادگی میں بھی کچھ عجیب لطف ہے کہ

۱۔ ایک سال کم نکلتا ہے اور سن شریف بھی آپ کا ۹۴ سال ہوتا ہے نہ کہ ۱۱۰ ۔ ۱۲

انسان کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ چوں کہ آپ کی اولاد محلہ مفتیاں ترایہ بیرم خاں میں موجود ہے آپ کا عرس ہر سال ہوا کرتا ہے اور اسی وجہ سے گنبد کی نگہداشت مرمت آہک پاشی اور صفائی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا بھی مزار یہیں ہے جس پر یہ کتبہ ہے مد شیخ نورالحق ابن شاہ عبدالحق صاحب ۱۰۷۳ھ۔ گنبد کے سامنے صحن چھوڑ کر ایک دو منزلہ سہ درہ دالادی دالان بطور خانقاہ کے ہے جس کا بیچ کا حصہ گر گیا ہے۔ گنبد کا کلس پتھر کا ہے جو قائم ہے

خانقاہ سید نیاز محمد صاحبؒ

حضرت شیخ عبدالحق کے مقبرے کی پشت پر ایک احاطہ کے اندر صحن میں صرف ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے جس پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے: "سید نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اور اسی احاطے میں ایک پختہ دالان جنوب رویہ نیا بنا ہوا ہے۔ ان بزرگوار کا کچھ حال دستیاب نہیں ہوا۔

حوض شمسی

۶۲۷ھ
۱۲۲۹ء

صفت حوض کہ در قلعۂ سنگیں گوئی
ریختہ دستِ فلک زآبِ خضر صورتِ جاں

در کمر سنگ میان دو کوہ   آب گہر صفوت و دریا شکوہ

ساختہ سلطانِ سکندر صفات   در صدد کوہ آئینہ زآبِ حیات
تا خضر آبِ خوشِ او نوش کرد   آبِ خوشِ چشمہ فراموش کرد
شہر گر از وے نبود آب کش   کس نخورد در ہمہ شہر آبِ خوش
آب کہ علت زبرائے تریست   تریِ آں آب زعلت بریست
ور نخورد آب وی اندر زمیں   کز زمیں در خورد آبے چنیں
زنتہ آبش ز صفا ریگ خرد   کور تو اند بہ دلِ شب شمرد
موج بلندش کہ رسد تا بماہ   باز دہد آب بماہِ سیاہ
سیلِ وی آہنگ بکہسار کرد   کوہ بتر دامنی اقرار کرد
چوں مد و جزرش زنشیب و فراز   دآب زکوہ آمدہ رفتہ باز
چوترہ و قصر بلندش در آب   گشت ازاں ساغر صافی حباب
بعیب لیسہ نوشیدہ تا آب جوں   جوں زدہ آب از جستہ عوں

مرغ بہر رود وے اندر سرود رقص کناں ماہی از آوازِ رود
شیشہ گری کرد بہ تابش حباب شیشۂ خالی و جہاں پر گلاب
باد کہ بر روے خطِ زیبا نوشت نسخۂ ماہیت دریا نوشت
عمق و درو کار بجائے کشید کز تہِ او گشتہ زمیں ناپدید
رفت زمیں را چو حباب از میاں گشت پدید از تہ آب آسماں
نیم فلک ہست بزیر زمیں چوں تہش نیست زمیں آں ہمیں
بسکہ زمیں رفت بہمراہیش گاوِ زمیں شد خورشِ ماہیش
حوض نگویم کہ جہانے ز نور نور کزو دیدۂ بد باد دور
گرد وے از اہلِ تماشا گروہ دامنِ خیمہ شدہ دامانِ کوہ

(امیر خسرو۔ از مثنوی قران السعدین)

یہ تالاب شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا اور اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ قطب صاحب ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ التمش ہی کے زمانے میں تھے اور بادشاہ کو بھی حضرت سے بہت عقیدت مندی تھی۔ اس حوض کے بنانے کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہ بادشاہ اور حضرت خواجہ صاحب دونوں کے خواب میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے خواجہ صاحب سے خواب کی تعبیر پوچھی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جس مقام پہ آپ نے حضرت علی کی زیارت کی ہے وہاں ایک تالاب بنوا دینا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے بہ تعمیل ارشاد خواجہ صاحب یہ تالاب بنوا دیا۔ جو حوض شمسی کے نام سے مشہور ہے۔ تالاب کے گرد سنگ سرخ کی بندش تھی لیکن اب اُس کا نام بھی باقی نہ رہا۔ تالاب کا رقبہ ۱۸ بیگھے ہے پختہ ہے لیکن برسوں کی کس مپرسی کی وجہ سے بالکل مٹی سے اٹ گیا ہے اور اب ایسے ہی زور کی بارش ہو تو بیٹے میں کچھ پانی ٹھیر جاتا ہے ورنہ ہمیشہ خشک پڑا رہتا ہے۔ ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے جب تالاب کی خراب حالت دیکھی تو گل برآری اور درست کرادی تھی اور اسی زمانے میں اس کے بیچوں بیچ ایک لال دی چبوترا جو نیچے سے خالی ہے بنا کر اُس پر ایک نہایت خوش نما برجی بنا دی تھی جس کے سولہ ستون آٹھ آٹھ فیٹ اونچے ہیں اور برجی کا مسقف حصہ (۲۰) مربع فٹ ہے۔

جس کے وسط میں براق کے قدم کا نشان ہونا کہا جاتا ہے جو تصدیق طلب ہے۔ دو صدی بعد محمد شاہ تغلق نے جب سنا کہ لوگوں نے شرارت سے آمدنی آب کے ذرائع مسدود کردیئے ہیں تو اُن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور آمدنی کے منافذ کھلوا کر صاف کرا دیئے گئے اور تالاب کی بھی مرمت کرادی۔ اسی تالاب سے قطب صاحب کے جھرنے میں پانی جاتا ہے اور اسی تالاب کا پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں جاتا تھا۔ حقیقت میں اتنا بڑا حوض تو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوہے کی لاٹ سے یہ تالاب کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہے اور یہ جگہ اولیائے کرام۔ بزرگان دین اور بڑے بڑے مشاہیر کے مزارات اور قبروں سے پٹی پڑی ہے۔ اس تالاب کے گرد کی زمین تاریخی معرکوں کا مخزن ہے۔ اس سرزمین کے چپے چپے پر مقدس اور بہادر لوگوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں جن کا سلسلہ برابر چھ سو سال تک جاری رہا۔ یہیں مشہور اولیاء مسجد ہے جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے مسلمان بادشاہوں کی کامیابی کی دعا کی تھی۔ حوض کے جنوب میں اندھیریا باغ ہے جس کے اب دس پانچ ہی درخت باقی رہ گئے ہیں۔ اور پانی پت کے کمبوہوں کی ہڑواڑی ہے اور مشرق میں اولیاء مسجد۔ اور لال محل ہے جسے جہاز محل بھی کہتے ہیں۔ مغرب میں مولٰنا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار کا گنبد اور اس کے شمال میں ایک اُجاڑ باغ ہے۔ علاوہ اس کے بہت سے مزارات ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور بعض مقامات یہ ہیں۔ بلجی شاہزادے کا باغ۔ شادی باغ۔ زین الدین زمردین شیخ وجیہ الدین خلیفۂ سلطان المشائخ۔ شیخ امجد دہلوی۔ شیخ اوحن دہلوی۔ مولٰنا شعیب۔ سید نور الدین مبارک غزنوی۔ مولٰنا حامد الدین پیر مولٰنا جمالی کے مزارات۔ چاندنی چبوترہ بنا کردہ محمد شاہ جو اب باقی نہیں ہے۔ پیپل والی کوئیں۔ سوہن برج۔ یارانی چبوترہ۔ چہل تن چہل من۔ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت خاں۔ خانقاہ نواب حفیظ الدین۔ ولی مسجد وغیرہ وغیرہ۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں حوض شمسی اور حوض خاص کی وہ حالت جو قدیم زمانے میں تھی خوب دکھائی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:۔

اس حوض میں برسات کا ہی پانی جمع ہوتا ہے اور لوگ یہی پیتے ہیں۔ اس کا طول

دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہی۔ حوض کے مغربی جانب عیدگاہ کی طرف سنگ بستہ گھاٹ چبوتروں کی شکل بنی ہوئی ہی جو اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیاں ہیں اور ہر چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہی جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دو منزلہ گنبد بنا ہوا ہی۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہی تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر گنبد تک جاتے ہیں اور جو تھوڑا پانی ہو تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد بھی ہی جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں۔ جب پانی ہٹ جاتا ہی تو کناروں پر فالیز بو دیتے ہیں۔ خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہی مگر شیریں بہت ہوتا ہی۔ دہلی اور دارالخلافہ میں ایک اور حوض حوض خاص کے نام کا ہی جو حوض شمسی سے بھی بڑا ہی جس کے کناروں پر کوئی چالیس گنبد ہیں اور اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اس سبب سے طرب آباد کہلاتا ہی۔ یہاں اہل طرب کا ایک بہت بڑا بازار ہی اور اس میں ایک جامع مسجد بھی ہی اور سوا اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلے میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں اور جماعت بھی ہوتی ہی اور اُن کے امام بھی مقرر ہیں۔ عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین ہتی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ایک ڈوم وضو کر کے مصلیٰ بچھا نماز پر کھڑا ہو گیا۔

مولانا وجیہ الدین پائلیؒ کا مزار

شمسی تالاب کے مغربی کنارے پر آپ کا مزار ہی حضرت سلطان المشائخ کے آپ خلیفہ ہیں۔ ۳۲×۲۳ طول و عرض اور ۲ فٹ ۹ اونچے چبوترے پر آپ کی قبر ہی اور یہیں ایک نیم کا درخت سایہ کیے ہوئے ہی۔

"وے دانش مند متبحر بود و استاد وقت و در زہد و ورع ممتاز و در آخر مرید شیخ نظام الدین اولیا شد و بکمال اعتقاد بخدمت او داشت۔ نقل است کہ وے می گفت وقتے در پانی پت می رفتم در اثنائے راہ صوفی را دیدم پیدا شد در دل من نوعے انکار آمد۔ صوفی گفت یا مولنا چیزے مشکل داری و مراد در علم مشکلات ماندہ بود ہر یکے را با وگفتم او جوابہائے موجبہ می گفت چنانکہ خاطر من می آسود تا آں حد کہ مسئلہ قضا و قدر اہم بیان

شانی فرمود بعد از تمام بحث پرسید تو مرید کیستی گفتم مرید سلطان المشائخ والدین او گفت شیخ نظام الدین قطب است۔ قبر او برسر حوض شمسی است در حظیرہ قاضی کمال الدین صدر جہاں و قتلغ خاں کہ نسبت شاگردی بہ مولٰنا داشتند (از اخبار الاخیار)

شیخ ادھن دہلوی کا مزار

مولٰنا شیخ عبدالحق کے گنبد کے مشرق میں کوئی سو قدم کے فاصلے سے آپ کا مزار ہے جس پر یہ کتبہ ہے "وو شیخ زین العابدین عرف ادھن رحمۃ اللہ علیہ" "و نام اصل الیشان زین العابدین است عرف شیخ ادھن۔ دانشمند کامل بود متورع و متعبد و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار صاحب الاخیار از والد خود ناقل است کہ می فرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد الا الیشان بہماں آداب و اوضاع کہ در میان مردم می بودند درون خانہ نیز بودند و زبان الیشان دایم بذکر اللہ مشغول بود و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند چنانکہ انوار علم و تقوی از جبین الیشان لایح بود۔ اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط تمام داشتے۔ سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی الیشان را بجانب خویش خواند قبول نکردند۔ وے مرید مولٰنا سماء الدین و شاگرد میاں عبداللہ طلنبی است۔ وفات او در سنہ ۹۳۴ھ است و مقبرہ او در جانب غربی حوض شمسی است" (از اخبار الاخیار)۔

چہل تن چہل من

سڑک کی بائیں جانب ٹیلے پر ایک بارہ فیٹ مربع گنبد بنا ہوا ہے جس کا فرش ریل سطح زمین (؟) سے گز بھر سے زیادہ (؟) ... اس میں کوئی قبر نہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ فرش کا احاطہ ۶۳×۲۳ گز کا ہے جس میں برابر برابر چالیس قبریں ہیں۔ ان بزرگواروں کے حالات کچھ معلوم نہیں کہتے ہیں کہ چالیس ابدال کی قبریں ہیں۔ جو سید احمد کبیرؒ کی اولاد سے ہیں اور اسی میں سید صاحب موصوف کی قبر بھی ہے۔ ٹیلے کے نیچے اٹھارہ سیڑھیاں اتر کر ایک تین درکی مسجد ۲۳×۱۵ گز کی ہے جس کا منبر تک باقی نہیں ہے۔

سوہن برج یا ہشت محل

سڑک کی بائیں طرف۔ ہے یہ درحقیقت ہشت پہلو (؟) مگر کس کی ہے خبر نہیں اتنا بڑا عالیشان

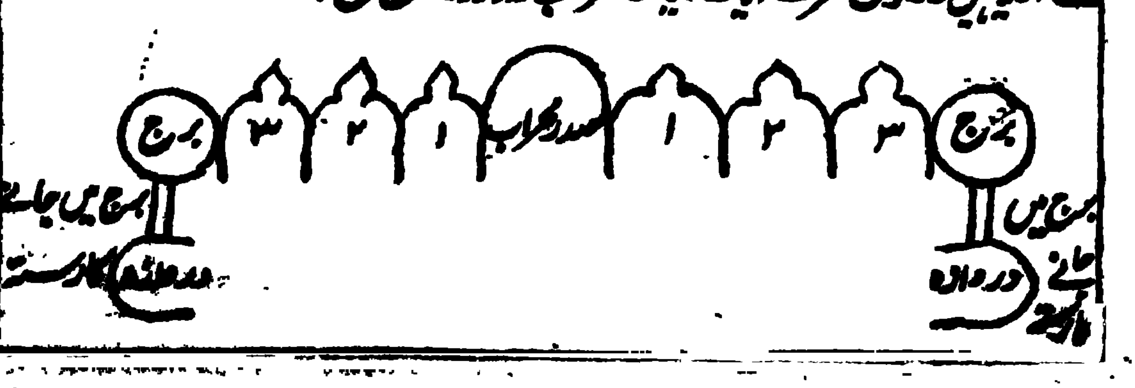
خوشنما برج اور ہال ہے اور ہال کچھ کھلتا نہیں۔ ایک طرف تین دروں کا بڑا بھاری پختہ لداؤ کا بنا ہوا تین کمروں کا ہال ۲۲ x ۵ ۱۰ - ۹ کا ہے جس پر تین گنبد ہیں اور دوسرے پر ایک مربع حجرہ ۱۷ x ۱۵ کا ہے جس پر ایک اونچا برج ہے اور یہی سوہن برج کہلاتا ہے بعض ہشت محل بھی کہتے ہیں۔ اس مکان کے نیچے تہ خانہ بھی ہے اور اسی کے متعلق ایک قناتی مسجد ۱۱ مربع ہے جس کی پانچ پانچ دو طرفہ دیوار دوز محرابیں ہیں اور بیچ میں ایک بڑا پیش طاق۔ اس مسجد کا صحن پختہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں۔ اس کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے اس کے آگے پھر ایک بہت اونچا اور وسیع چبوترا ہے جس کی بیس سیڑھیاں ہیں۔

دو نامعلوم مقبرے

(۱) سوہن برج کے دروازے سے کوئی پچیس قدم کے فاصلے پر بالکل بالمقابل ایک اونچے ٹیلے پر سولہ سیڑھیاں چڑھ کر ۸ مربع ایک گنبد ہے جس میں قبر نہیں ہے۔ اسی کے پاس شمال کی طرف ایک چھوٹی سی تین دیوار دوز محرابوں کی قناتی مسجد اور چھوٹا سا چبوترہ ہے۔ (۲) اس مسجد سے کوئی پچاس قدم آگے بڑھ کر شمال کی طرف ایک دوسرا گنبد ۵ ۲ مربع دو دروازوں کا ہے ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ قبر اس میں بھی نہیں ہے جو دو حال سے خالی نہیں یا تو قبر تلف ہو گئی یا یہ کہ یہ برج اسی قسم کے ہیں جیسے کہ تاجر بنا بنا کر طیار رکھتے تھے جن کو ضرورت ہوتی تھی لے لیتے ورنہ یوں ہی خالی پڑے رہے

ہڑواڑوں کا جمگھٹ

سڑک کے بائیں ہاتھ کو سوہن برج کے مقابل ہڑواڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ہم سب کا حال یکجائی طور پر بیان کرتے ہیں:۔ (۱) قناتی مسجد تین در ادھر تین ادھر بیچ میں بڑی محراب۔ طول مسجد کا ۳۵ ہے۔ دونوں سروں پر دو گول برج ۳ ۔ ۹ قطر کے اور ہیں دونوں طرف ایک ایک محراب دار در۔ اس طرح:۔



اس کے سامنے ۶۹ فٹ چوڑا چبوترا جس پر متعدد قبریں ہیں۔ شمال جنوب میں ایک ایک دروازہ۔

(۲) ہشت پہل برج۔ قطر ۱۳ فٹ۔ بیچ میں ایک قبر گچ کی جس پر کلمہ کھدا ہوا ہے۔ دوسری ایک قبر اور تھی جس کا صرف نشان باقی ہے۔ پانچ در کھلے ہوئے۔ دو میں اینٹ کی جالیاں ایک میں طاق بجانب مغرب۔ اور اسی طرف قناتی مسجد کی دیوار دروں کی اونچان ۶ فٹ ۲ پ چوڑان ۳ فٹ۔

(۳) پنج دری قناتی مسجد ۴۵ × ۴۰ فٹ مع چبوترہ۔ جنوب رویہ دالان ۳۰ × ۱۵ فٹ۔ سیڑھیاں زینے کی سترہ۔

(۴) یہ سب سے بڑی ہڑواڑ ہے۔ ۲۴۵ × ۹۰ فٹ کا احاطہ اور پختہ فرش پر صدہا قبریں۔ قناتی مسجد ۹۰ × ۱۱ فٹ - ۹ انچ۔ شکل یہ :-



جنوب میں تیح درہ دالان اور پندرہ سیڑھیوں کا زینہ۔ بارہ دری میں چھ قبریں گچ کی ہیں جن میں سے ایک حضرت مولنٰنا سماء الدین رح کی کہتے ہیں۔

مولنٰنا سماء الدین جامع بود میان علوم رسمی و حقیقی و تقوی و ورع از و نیاز یا دست بر قدر مایحتاج اختیار نکردہ۔ وے مرید شیخ کبیر است نبیرہ مخدوم جہانیان سید جلال الدین البخاری رح و گویند پیش مولنٰنا ستار الدین کہ از شاگردان میر سید شریف جرجانی بود تلمذ کردہ بود و از ملتان بسبب بعضے وقائع کہ دراں دیار واقع شدہ برآمدند تنہا در رنتھنبور و بہیانہ وغیرہ آں گزرانیدہ بعد ازاں بہ دہلی آمد و توطن کرد سن کبیر داشت و در آخر عمر حاسۂ بصرش رفتہ بود حق سبحانہ و تعالیٰ بے واسطۂ علاج بصارت را بوے رد کردہ (از اخبار الاخیار)

(۵) بارہ دری سنگ خارا ۱۴ فٹ مربع۔ چھ قبریں۔ قناتی مسجد۔ بیچ میں بڑی محراب ادھر اُدھر دو دو محرابیں۔ دونوں سروں پر ایک ایک چھوٹی محراب۔ صحن ۳۰ فٹ مربع۔

(۶) قناتی پنج دری مسجد ۴۳×۲۸ فٹ۔ صحن میں قبریں۔

(۷) مسجد سقف ۳۶×۹½ فٹ صحن ۳۶×۲۸ فٹ۔ صحن میں قبریں۔

قلعہ رائے پتھورا بقول سرسید سمبت بکرمی ۱۱۹۸ سنہ ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ء بقول جنرل کننگھم سنہ ۱۱۸۰ء یا سنہ ۱۱۸۶ء

جہاں کل جواہر کے انبار تھے — کروڑوں درم اور دینار تھے
وہاں کیا ہے اب خاک اور سنگ ہے — عجب کچھ زمانے کا نیرنگ ہے

شہر دہلی سے سات کوس جنوب کی طرف قطب صاحب کی لاٹ کے پاس یہ قلعہ پرتھی راج نے جو زیادہ تر رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے بنوایا تھا یہ راجہ سومیسور راجہ کا بیٹا اور وسال دیو چوہان فاتح دہلی کا پوتا انیک پال سوم کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جنرل کننگھم اس راجہ کی مدت سلطنت (۲۲) سال سنہ ۱۱۷۰-۹۱ء بتلاتے ہیں اور سرسید (۴۹) برس سنہ ۱۱۴۲-۹۱ء لکھتے ہیں۔ سرسید خلاصۃ التواریخ سے قلعے کی تعمیر کا سال سنہ ۱۱۴۳ء کہتے ہیں اور جنرل صاحب ہنود کی پرانی اور قلمی کتابوں پر سے (جو میرے خیال میں زیادہ معتبر ہیں) سنہ ۱۱۸۰ یا ۸۶ء ٹھیراتے ہیں۔ اب ان میں قول فیصل کون کرے؟ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ صرف ہند کے شمال رخ پر سے جو مسلمان بڑھتے چلے آرہے تھے ان کی پیش قدمی روکنے اور شہر کو ان کی زد سے بچانے کے لیئے بنایا گیا تھا محمود غزنوی کی اولاد نے کچھ عرصے سے پنجاب پر اپنی حکومت جمالی تھی اور رائے پتھورا کی گدی نشینی کے بعد محمد غوری نے لاہور میں غزنوی حکومت کا قلع قمع کر ڈالا تھا جس سے پنجاب سے اس طرف قدم بڑھانے کا زبردست خدشہ لگا ہی ہوا تھا اس لیئے ایک قلعے کے بنانے کی ضرورت داعی ہوئی۔ اب تو قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے اور نرا نام ہی نام رہ گیا ہے کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی فصیل کا کوئی ٹکڑا باقی رہ گیا ہے۔ اس قلعے کے کھنڈر اور شکستہ دیواروں کو دیکھ کر اس کی عظمت و شان کا خاکہ نظروں تلے پھر جاتا ہے کہ کتنا بڑا یہ قلعہ تھا اور کیسے کیسے بڑے بڑے عالی شان مستحکم و مضبوط اس کے برج تھے اور کس اہتمام اور کس قدر زر خطیر کے صرفے سے بنا ہوگا یا آج صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔ اس قلعے کے آثار اور نشانات دو دو تین تین کوس تک معلوم ہوتے ہیں اور تمام



چھوٹا کا محل اور مسند رجہاں اب قطب صاحب کی لاٹ ہے سب اسی کے اندر تھے۔ یہ قلعہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہے اور اس کے گرد پہاڑ ہی میں خندق بھی بنائی ہے اور اس خندق میں سارے جنگل کا پانی گھیر کر ایک بند بنا کر ڈالا تھا کہ بارہ مہینے بھری رہتی تھی۔ یہ قلعہ سب طرف سے شکستہ ہو گیا لیکن مغرب کی طرف کہ یہاں "غزنی دروازہ" تھا فصیل کا کچھ کچھ نشان باقی ہے اور غزنی دروازے کا بھی ٹوٹا پھوٹا سا معلوم دیتا ہے۔ قلعے کا بہترین منظر شمال و مغرب کی طرف سے ہے اور قطب صاحب کی لاٹ پر سے تو یوں نظر آتا ہے جیسا کہ نقشے میں ہے۔ قلعے کے حدود کی ابتدا ادہم خاں کے مقبرے سے کرتے ہیں کیوں کہ قلعے کی فصیل اس مقبرے کے احاطے سے بالکل ملی ہوئی ہے۔ اس جگہ سے فصیل سیدھی مغرب کی طرف اس دروازے تک چلی گئی ہے جو چار سو فیٹ کا فاصلہ ہے۔ اور پھر ذرا سے موڑ کے بعد شمال مغرب کی جانب پاؤ میل تک فصیل چلی گئی ہے یہاں سے شمال شرق کی طرف رخ پلٹتا ہے اور کوئی دو سو قدم آگے بڑھو تو رنجیت دروازہ ملتا ہے اسی سیدھ میں دو سو قدم آگے جا کر ایک بڑا برج ملتا ہے جو اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ کننگھم صاحب اس حصے کو لال کوٹ کی مغربی فصیل قرار دیتے ہیں۔ فصیل تیس فیٹ چوڑی اور خندق کی تہ سے ساٹھ فیٹ بلند ہے۔ خندق کی چوڑان مختلف طور پر ۲۰ سے ۳۵ فیٹ تک ہے۔ پہلے دروازے میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے دوسرا دروازہ "رنجیت دروازہ" جسے کننگھم صاحب مسلمانوں کا غزنی دروازہ لکھتے ہیں البتہ ایک بہت بڑا عظیم الشان بڑے معرکے کا مقام ہے جہاں تین دمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ ۱۷ فیٹ چوڑا ہے جس میں پتھر کا ایک کھمبا سات فیٹ اونچا دروازہ اٹھانے اور گرانے کا اب تک موجود ہے۔ فصیل کا یہ حصہ "فتح برج" پر ختم ہو جاتا ہے۔ فتح برج کا قطر اسی فیٹ ہے۔ یہاں فصیل کے شمال و مغرب میں پرانی عیدگاہ کے کھنڈر ہیں جو ایک بہت وسیع اور بلند عمارت تھی جہاں دہلی کے لوٹنے سے پیشتر امیر تیمور کا کیمپ تھا اور دربار ہوا تھا (از سوانح عمری تیمور مصنفہ مسٹر بگلر)۔ فتح برج سے فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ نیچے والی شاخ شمالی رخ لیے ہوئے رای پتھورا کے شہر کو محصور کرتی ہے اور بالائی شاخ سیدھی مشرق کی طرف قلعے کے حصار کی ہے جو آگے وار کو بڑھی چلی گئی ہے

اول الذکر شاخ "سوہن برج" سے جا ملی ہے۔ جو بمقابلہ فتح برج کے ذرا پست ہے اور ان دونوں برجوں میں صرف دو سو فیٹ کا فصل ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے درمیان بھی غالباً ایک دروازہ جیساکہ ادہم خاں کے مقبرے کے پاس ہے تھا جس کا اب کوئی نشاں سوا ے اس کے نہیں کہ فصیل میں بقدر دروازے کے جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے سوہن برج سے تین سو فیٹ کے فاصلے پر "سوہن دروازہ" ہے اور یہ بھی برا ے نام ہے صرف فصیل کے ٹوٹ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہاں سے فصیل بسمت جنوب ادہم خاں کے مقبرے تک جو نصف میل کا فاصلہ ہے نظر آتی ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے مورچوں کے درمیان بھی چھوٹے چھوٹے سلامی نما دمدمے تھے جو نیچے سے بہت پھیلے ہوے تھے اور جن کے بالائی دور کا قطرہ کم تھا اور ایک دوسرے درمیانی فصل ۴۰ فٹ تھا۔ یہ دمدمے گرگرا کر اب بھی تیس تیس فیٹ اونچے باقی ہیں۔ اس فصیل کے علاوہ ایک بیرونی فصیل اور بھی ہے جسے بطور دھس (Fausse braye) کے بنایا تھا جو تیس فیٹ اونچی ہے۔ سوہن دروازے سے پھر اونچی فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ اُجڑے پجڑے نشانات سے جنوب کی طرف فصیل کا سلسلہ یوں معلوم دیتا ہے کہ اننگ تال کے پاس سے گزر کر پھر "ڈھنڈ دروازہ" ملتا ہے وہ فصیل ادہم خاں کے مقبرے پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری شاخ سو گز تک جنوب مشرق کے رُخ پر چلی گئی ہے اور علاء الدین خلجی کے ناتمام مینار کو اگر مرکز فرض کیا جاے تو ایک باقاعدہ ربع دائرے کی شکل ہوتی ہے جو مینار سے تین سو گز کے نصف قطر کو قایم کرتی ہے اور قوس کے آدھوں آدھ پر دہلی کی سڑک سے تقاطع کرتی ہے اور تغلق آباد کی سڑک کے قریب جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ادہم خاں کے مقبرے تک کوئی ثلث میل تک فصیل کا پتہ نہیں ہے۔ جنرل کننگھم اس ربع دائرے کی شکل کو لال کوٹ کی شرقی دیوار قرار دیتے ہیں لیکن اُنھیں کے اسسٹنٹ مسٹر بگلر جیساکہ اوپر لکھا جا چکا ہے لال کوٹ کو مغربی فصیل اور اُن کھنڈروں کی لین کے اندر ہی اندر محدود کرتے ہیں جو لین کہ سوہن دروازے سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہے۔ اننگ پال کا لال کوٹ اور راے پتھورا کا قلعہ بالکل دو جداگانہ چیزیں ہیں۔ غرض کننگھم صاحب بگلر صاحب کو بر سر غلط کہتے ہیں کہ اُنھوں نے اننگ تال کے تالاب کو لال کوٹ کی حدود میں شامل نہیں کیا لیکن سٹیفن صاحب کی راے میں یہ نصف

دائرے کی شکل کا خطہ لال کوٹ کی پرانی فصیل کی جدید توسیع ہے جو قدیم زمانے کے قلعے کا اصلی جزو کسی طرح قرار نہیں دیا سکتا جس کی مغربی اور اندرونی فصیلوں کا تفصیلی ذکر بگلر صاحب کر چکے ہیں۔ بگلر صاحب کی رای نہایت مستحکم اصول پر مبنی ہے۔ دونوں فصیلوں کی ساخت اور مال مسالے میں فرق بین ہے۔ جو کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ نصف دائرے کی شکل کا ٹکڑا لال کوٹ کے پرانے قلعے کا اصلی جزو نہیں ہے۔ مسٹر بگلر اس کو صحیح طور پر علاء الدین خلجی کے زمانے کی توسیع خیال کرتے ہیں۔ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جب مغلوں نے ۱۲۹۷ء میں دلی پر یورش کی تو سلطان علاء الدین خلجی نے دیکھا کہ پرانی دلی کی فصیلیں خراب و خستہ حالت میں حالت میں تھیں۔ اس حملے کے وقت اہالی شہر کی سراسیگی ناقابل بیان تھی اور جب مغل بلا جنگ وجدال کے چلے گئے تو یہ بات من جانب اللہ اور بہت مغتنم سمجھی گئی اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ علاء الدین خلجی شہر کی اس مخدوش حالت سے آگاہ تھا اس نے مغلوں سے مقاومت کے لیے پرانی فصیلوں کی مرمت کرائی اور پرانے قلعے کی توسیع کی۔ ۱۳۱۶ء میں قطب الدین مبارک شاہ اپنے بھائی شہاب الدین عمر کا جانشین ہوا تو اس نے بھی اس شہر اور پرانے قلعے کی تعمیر کی تکمیل کی جس کو اس کا باپ علاء الدین خلجی ناتمام چھوڑ گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علاء الدین خلجی اور مبارک شاہ نے بہت تعمیر اور توسیع کرائی چنانچہ ابن بطوطہ جو دلی میں ۱۳۳۳ء میں آیا تھا لکھتا ہے کہ قلعے کی فصیل کا حصہ زیرین پتھر کا بنا ہوا ہے اور بالائی اینٹ کا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فصیل کا نیچے کا حصہ جو قدیم ہے ہندوؤں کا بنایا ہوا اور اوپر والا جدید حصہ مسلمانوں کا۔ اب پھر فتح برج سے چلیے جہاں سے فصیل کی دو شاخیں پھوٹی ہیں۔ ان میں سے ایک شاخ جو شرق کی طرف جاتی ہے وہ قلعے کی فصیل ہے اور دوسری سیدھی شمال کی طرف چلی گئی ہے اور اس جگہ بیچوں بیچ میں ایک دروازے کا نشان ہے۔ اسی رخ پر یہ فصیل قریب قریب نصف میل تک جاکر جہاں پناہ کی شمالی ویران فصیل سے جا ملی ہے۔ یہاں سے فصیل کا رخ جنوب مشرق کو پلٹتا ہے اور تین سو گز سے کچھ اوپر ہی اوپر جاکر ایک دروازہ ملتا ہے اور آگے جنوب کی طرف بڑھو تو جنوب شرقی رخ پہ ایک اور دروازہ ملے گا اور اس حصے کے درمیان میں دہلی مہرولی کی سڑک سے تقاطع بھی ہوتا ہے۔ اور ایک پاؤ میل پر ایک تیسرا دروازہ ملتا ہے جہاں قلعے کی فصیل جہاں پناہ کی دوسری فصیل سے

پھر مل گئی ہے۔ اب یہاں سے فصیل کا رُخ سیدھا جنوب کی طرف ہو گیا ہے اور یہیں "حوض رانی دروازہ" ہے اور اسی سیدھ میں آگے چل کر ایک بڑا بھاری دروازہ ہے جو دروازے "کے نام سے مشہور ہے یہاں سے فصیل جنوب مغرب کی طرف پلٹتی ہے اور قطب صاحب سے جو تغلق آباد کو سڑک جاتی ہے اُس سے تقاطع کرتی ہے یہاں سے آدھ میل کے بیچ میں "برقعہ دروازہ" ملتا ہے۔ یہاں سے فصیل مغرب کی طرف مڑی ہے اور تین سو گز جا کر ایک ویران دروازہ ملتا ہے جس کے باہر دمدمے بنے ہوئے ہیں۔ یہاں سے جمالی مسجد تک جو تین سو گز کا فاصلہ ہے فصیل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ پھر جمالی مسجد سے فصیل ادہم خاں کے مقبرے سے جا ملی ہے۔ اس طرح یہ پورا چکر ختم ہوا اور جہاں سے ہم نے شروع کیا تھا وہیں پھر آن پہنچے۔ قلعہ کے اطراف خندق ہے جس میں اُس پہاڑی حصے کا جو شمالی رُخ پر ہے پانی جمع ہو کر تمام سال خندق میں رہتا ہے۔ ابن بطوطہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دلّی آیا تھا اُس نے اس قلعہ کی فصیل کی نسبت لکھا ہے کہ "فصیل کا آثار ۳۳ ہے جس کے اندر حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں رات کو پہرے والے اور دربان رہتے ہیں۔ انھیں کوٹھریوں میں غلہ، سامان رسد، گولی بارود وغیرہ کے مخزن بھی ہیں۔ ان حجروں میں غلہ بگڑتا نہیں محفوظ رہتا ہے۔ یہ فصیل اس قدر چوڑی ہے کہ اس کے اندر ہی اندر سوار اور پیدل ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے تکلف سے چلے جا سکتے ہیں۔" اس قلعے کے دروازوں کے نام ہم اوپر بتلا چکے ہیں۔ اکثر معتبر رُوات ان دروازوں کو پرانی دلّی کا بتلاتے ہیں اور ساتھ اس کے اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی عہد حکومت میں رائے پتھورا کی پرانی دلّی کے بعض دروازوں کے نام بدل بھی گئے ہیں۔ حضرت امیر خسرو دلّی کے بارہ دروازے بتلاتے ہیں لیکن امیر تیمور کی روایت اور مسٹر بگلر کی تصدیق سے شہر کے دس دروازے ہونا ہی زیادہ صحیح معلوم دیتا ہے۔ سر سید مسٹر بگلر کے نشان دادہ "حوض رانی" اور "برقعہ" نامی دو دروازوں سے بحث کی جاتی ہے جو بدایوں دروازے کے شمال مشرق اور جنوب مغرب میں ہیں۔ قلعہ رائے پتھورا کا نقشہ ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حوض رانی کا موضع رای پتھورا کے شہر کی شرقی فصیل کے مقابلے میں جہاں پناہ کی جنوبی فصیل سے زیادہ قریب ہے۔ ملفوظات تیموری

جس کا حوالہ شرف الدین یزدی نے جا بجا اپنے "ظفر نامے" میں دیا ہے اور
اسی کا مسٹر ہگلر بھی حوالہ دیتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ سلطان محمود اور ملو خاں جب قلعہ
جہاں پناہ چھوڑ کر پہاڑوں پہاڑوں بھاگ گئے تھے تو اول الذکر تو "رانی دروازے
سے نکلا تھا اور آخر الذکر "برقعہ دروازے" سے۔ ظفر نامے کو جو دیکھا تو یزدی نے
صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں دروازے یعنی حوض رانی اور برقعہ دروازہ جہاں پناہ
کے جنوب میں تھے۔ غزنی دروازے اور برقعہ دروازے کا موقع و محل تو متعین
ہے مگر باقی دروازوں کا ٹھکانا یقینی طور پر مقرر کرنا ناممکن ہے۔ قلعہ رای پتھورا کے ضمن میں
غزنی دروازے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پرانی دلی کا ایک یہ واقعہ قابل ذکر ہے جب کہ چند
ملحدوں نے مل کر ۱۲۳۷ء میں جامع مسجد پر یورش کی۔ ان میں سے کچھ لوگ تو
"قلعہ نو" (جس کی جگہ معلوم نہیں) سے "معزی دروازے" پر جا پہنچے
جو ایک مسجد کے دروازے کے مشابہ تھا۔ اب اس میں جو معزی دروازے
کا ذکر آیا ہے اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ "معزی دروازہ" جس کا نام تھا اس کی
وجہ تسمیہ کے دو وجوہ قرار دیئے جا سکتے ہیں یا تو وہ ہندوؤں کا بنایا ہوا دروازہ
ہوگا اور معزی امرا نے قبضہ کر لیا ہوگا اور اپنی طرف سے یہ نام رکھ دیا ہوگا یا یہ کہ
خود انھیں امرا نے بنوایا ہوگا۔ سلطان معز الدین محمد عرف شہاب الدین غوری
کے عہد کے امرا کو مورخین معزی امرا کہتے ہیں۔ "بھنڈار کل" نام کے دروازے
کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ غالباً یہ دروازہ لال محل اور جامع مسجد کے بیچ میں کہیں ہوگا
یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملک حمید الدین کے پارٹی کے لوگوں نے حاجی مولی کا بلوہ
جو علاء الدین خلجی کے مقابلے میں ہوا تھا فرو کیا تھا۔ یہ لوگ غزنی دروازے
سے قلعے میں داخل ہوئے تھے اور شہر میں بلوائیوں سے کچھ جھڑپ ہونے کے
بعد وہ بھنڈار کل دروازے تک پہنچ گئے۔ یہ دروازہ غالباً اس فصیل کا ہوگا جو
قلعہ اور شہر میں مشترک تھی۔ بدایوں دروازے کی ہستی جداگانہ ہے۔ ابن بطوطہ
نے اسی کو سب سے بڑا دروازہ لکھا ہے اور واقعی یہ تھا بھی صدر دروازہ کیوں کہ اسی
میں سے پرانی دلی کے بڑا زے کے مشہور بازار کا رستہ نکلتا تھا۔ اس دروازے
کے سامنے فصیل میں حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں شراب خواروں کو بند کیا جاتا تھا۔

یہی وہ دروازہ ہے جس کے سامنے علاء الدین خلجی نے مغلوں کو حوض رانی کے میدان میں شکست دے کر اُن کے سر کاٹ کر دو مرتبے چبوترے بنائے تھے تاکہ آنے والی نسلوں کو عبرت ہو۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ حوض رانی کا میدان بھی تاریخی لحاظ سے عجیب و غریب مقام ہے جس میں بڑے بڑے ہیبت ناک واقعات ہوئے ہیں۔ باغی مغلوں اور بلوائی ملحدین کا قتل عام اسی جگہ کیا گیا۔ ان میں سے کوئی تو ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندوا دیے گئے کیسو کو ترکوں نے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے یا جلادوں نے سر سے پاؤں تک اُن کی زندہ کھال کھینچ لی۔ اسی بداؤں دروازے پر علاء الدین خلجی نے شراب سے توبہ کی اور صراحی و جام اور تمامی لوازمات شراب نوشی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ساری شراب بہادی جو اس قدر تھی کہ سارے میدان میں ایسی کیچڑ ہوئی جیسی کہ برسات میں ہوتی ہے۔ یہ بداؤں دروازہ ہی بیرونجات کے حملہ آوروں اجگان و شاہان دہلی کے مابین قاتلانہ حملوں اور معرکہ ہائے کارزار کا پہلا مورچہ رہا ہے نیز اس دروازے سے بڑے بڑے جلوس نکلے ہیں۔ غیر ممالک کے ایلچی یا سفیر جو کوئی بھی آیا۔ اسی دروازے سے رجب سے اس قلعہ سے مستقر سلطنت اُٹھا ویرانی اور تباہی کا پیش خیمہ آیا۔ وہ دروازہ جو کبھی باب السلطنت تھا اب مٹی کا ڈھیر ہے۔ دوسرے دروازوں کے صرف نام ہی نام یاد رہ گئے ہیں۔ دروازہ "حوض خاص" کا نام بھی کہیں کہیں تاریخ میں آیا ہے اور "بغدادی" دروازے کا ذکر تو متعدد مقامات پر ہے۔ یہ وہی بغدادی دروازہ ہے جہاں ابراہیم لودی بادشاہ نے گوالیار سے ایک برجی بیل لا کر استادہ کیا تھا۔ ہم آج کوئی نہیں بتلا سکتا کہ یہ دروازہ تھا کس جگہ۔ قلعہ اور رای پتھورا کی دلی کا گھیر قریب قریب (۵) میل کے ہے۔ امیر تیمور نے پرانی دلی کے دس دروازے لکھے ہیں جن میں سے بعض باہر وار کو کھلتے تھے اور بعض جہاں پناہ کی طرف۔ یزدی اپنے ظفر نامے میں اٹھارہ دروازے لکھتا ہے جن میں سے پانچ جہاں پناہ کی طرف کھلتے تھے۔ جنرل کننگھم امیر تیمور کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اب ان دس دروازوں کا بھی ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں کہاں تھے اور چلے کیسے کیوں کہ فصیل تو جابجا سے ٹوٹ گئی ہے اور بعض بعض

جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے مثلاً شمالی مشرقی فصیل کی دیوار۔ پرانی دلی اور جہاں پناہ کی مشترکہ دیوار میں خالی جگہ موجود ہے۔ بہرحال نقشے میں دس دروازوں کی جگہ بتلائی گئی ہے۔ ۱۱۹۱ء میں رائے پتھورا سے سلطنت منتزع ہو کر مسلمانوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ دریائے گھگر کے کنارے رائے پتھورا جیسے بہادر، شجیع، جری اور دلاور چوہان خاندان کے ممبر کا خاتمہ ہوا اور اسی کے ساتھ اس کی تمام سطوت و جبروت بھی خاک میں مل گئی۔ پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دلی کو دارالسلطنت قرار دیا اور وہاں رہا قطب الدین ایبک تھا۔ شروع شروع میں تو رائے پتھورا ہی کا قلعہ مسلمان بادشاہوں کی تخت نشینی کا مرکز اور دارالسلطنت رہا۔ آگے چل کر جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے کلوکھری میں "کوشک لعل" محل بنوایا۔ جب سے ہی رائے پتھورا کا شہر "پرانی دلی" کہلانے لگا اور جلال الدین خلجی کا شہر "نئی دلی" مشہور ہوا۔ ابن بطوطہ نے بھی ہندوؤں کے شہر کو پرانی دلی ہی لکھا ہے۔ رائے پتھورا کے پانچ میل کے محصور شہر کی سرزمین دلی بڑی بڑی مشہور یادگاروں سے پٹی پڑی ہے۔ لوہے کی مشہور لاٹ جس کی دریافت سے ماہرین آثار قدیمہ چکر میں ہیں اسی محاط کے اندر ہے۔ اسی میں ہندو راجاؤں کے بنائے ہوئے بیسوں مندر تھے جن کو مسلمانوں نے ڈھا ڈھا کر ان کا مال مسالا اپنی مسجدوں میں لگا دیا۔ یہی خطہ دلی کے قدیم سلاطین کا دارالسلطنت تھا۔ یہیں قطب الدین ایبک کا قصر سفید نامی شہرۂ آفاق وہ محل تھا جس میں چھ بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اسی احاطے میں قطب صاحب کی وہ عجیب و غریب لاٹ ہے جو اولوالعزم مسلمان بادشاہوں اور ہندو صناعوں کی قابل فخر یادگار ہے۔ غرض یہ خطہ زمین کا عجیب و غریب ٹکڑا ہے اسی میں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ کسی بادشاہ کا عروج ہوا تو کسی کا زوال۔ کوئی سرفراز ہوا تو کوئی پامال کسی کو خلعت ملا کسی کی گردن ماری گئی۔ کسی کے ہاں خوشی کے شادیانے بجے تو کسی کے ہاں کہرام مچ گیا۔ غرض کوئی بن گیا اور کوئی بگڑ گیا۔ کسی کو انباری ملی تو کسی کو ذلت و خواری نصیب ہوئی۔ کسی نے جشن منایا تو کوئی قید میں سڑ سڑ کر مر گیا۔ لاکھوں کے سر تن سے جدا ہو گئے۔ خون کے ندی نالے بہ گئے۔ اسی میدان میں وزراء اور امراء کی گردنیں ماری گئیں۔ قتل عام۔ غارت گری۔ آتش زنی۔ غرض کہ بے چاری دلی پر جو کچھ بلا آئی وہ سب اسی زمین پر گزرا۔ یہ زمین جنت اور دوزخ دونوں کے خواص رکھتی تھی جس سر کو آج تاج پہنائی تھی کل اسی کو خاک میں رلا دیتی تھی سہ

خوا ہاں طرب ہی جسے ادراک نہیں آرام تہ گنبد افلاک نہیں
پیمانہ گردوں میں کہاں بادۂ عیش جز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

بابا حاجی روز بہ کا مزار

جہاں ای برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

اس قلعے کی خندق میں ایک پتھر کی چار دیواری کے اندر نیم کے درخت کے تلے بابا حاجی روز بہ کا مزار ہے آپ بڑے ولی اللہ تھے اور اوش کے رہنے والے تھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں یہاں آئے اور اس خندق میں جہاں آپ کا مزار ہے آن بیٹھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں جو منجم تھے انھوں نے اُن کے آنے کو فال بد سمجھ کر رائے پتھورا سے کہا کہ اس شخص کے آنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قریب میں مسلمانوں کی عملداری ہونے والی ہے اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہتے ہیں کہ رائے پتھورا کی بیٹی مایا بی عرف بیلا رانی نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مسلمان ہوئی چنانچہ آپ کے مزار کے پاس مشرق کی طرف جو ایک عورت کی قبر ہے وہ اُسی لڑکی کی کہی جاتی ہے جب تک آپ زندہ رہے ہزاروں ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے روز بروز شوکت اسلام کی زیادہ ہوتی گئی اور اسی وجہ سے "روز بہ" آپ کا لقب پڑ گیا۔ آخر آپ نے انتقال فرمایا اور جہاں آن کر آپ بیٹھے تھے وہیں آپ کو دفن کیا۔ پورے حالات آپ کے کہیں نہیں ملتے۔ آپ کے مزار کے مغرب میں قلعہ کی فصیل میں اب تک ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ بیلا رانی اسی دروازے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ سات سہیلیوں سمیت مسلمان ہوئی تھی حضرت کے مزار کے قریب تین قبریں اور ہیں جو گتے۔ گھوڑے اور سانپ کی بتلاتے ہیں نیم کا درخت جس کی نسبت مشہور ہے کہ جو حصہ اُس کا آپ کی قبر پر سایہ کیئے ہوئے تھا وہ میٹھا تھا باقی کڑوا اب وہ درخت ہی نہیں رہا جو اس بات کی تصدیق ہوسکے نیم کے کڑوے میٹھے ہونے کی روایتیں اور مزاروں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں اور یہ بھی ایک تصرف سمجھا جاتا ہے۔

شیخ شہاب الدین عاشقؒ کا مزار

۷۱۶ھ

رائے پتھورا کے قلعے کے غرب میں فصیل کوئی ہزار قدم ہٹ کر ایک احاطے کے اندر ۱۲ ہاتھ مربع چوکھنڈی میں حضرت

...ف کا مزار ہے جس پر بھی آپ کے نام کا کتبہ معہ سنہ کے لگا ہوا ہے تعویذ سنگ خارا کا ہے۔ پائنتی
...کے ایک بہت پرانا پیلو کا درخت ہے۔ اس چوکھنڈی کے باہر پائین میں آپ
...بھائی کا مزار ہے جن کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس مزار سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک
...سے پر سات قبریں ہیں جن کو سات بادشاہوں کی قبریں کہتے ہیں۔ یہی
...نام تو وہ مقام ہے جہاں اور بادشاہ اور گدا میں تمیز نہیں ہوتی۔ قبریں بہت پرانی
...سنگ خارا کے پتھر جوڑ دیئے ہیں چونے کی بندش نہیں کی اور چبوترہ بھی اسی طرح
...ہوا ہے۔ اس چبوترے کے قریب نشیب میں ایک لداوی درے کے اندر
...چھوٹا سا خام مزار ہے جو بی بی سرخ سبے نام کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ
...بی بی بھی کوئی بڑی عابدہ زاہدہ راے پتھورا کے زمانے میں تھیں۔

...گاہ شمس الدین التمش بہت پرانی اور نہایت بے مرمت حالت میں ...ہے جس کی ایک وسیع چار دیواری ہے۔ مغربی رخ
...ار جس میں آٹھ دیوار دوز محرابیں ہیں لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ عیدگاہ
...پیچھے ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کی چار دیواری سنگ خارا کی بعد کی
...ئی ہے اس پر یہ کتبہ نہایت خوش قلم بخط نسخ ہے:-

هو العلی العظیم

ظفر چوں بتر میم آخون جی	صفا واد ایں مسجد کہنہ را
پے سال مرمت ز عقل	بگفت آفریں نیک مرد خدا ۱۲۷۰ھ

...کے صحن میں اوحد الدین کرمانی کا مزار ہے۔ یہیں ایک شکستہ چبوترے
...سہ قبریں ہیں جو چہل بیبیوں کے مزار کہلاتے ہیں۔ عیدگاہ کی پچھیت
...دیوار سے ملے ہوئے چند مزار ہیں جن میں سے دو کے نام لوگ بتلاتے ہیں جنازہ ڈھسا
شیخ جلال الدین تبریزی اور تین قبریں بے نام ہیں۔

...ب پیران قلعہ راے پتھورا کے مغرب میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چار دیواری ہے اس کو لوگ **تالاب پیران** کہتے ہیں
...بھی کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ چھان بین کا کوئی موقع نہیں جو لوگ
...یں اسے آستانہ مقدسہ کہنے کے سوا اور کیا چارہ کار ہے۔

بھیم کی چھٹنکی قلعے مغرب میں پہاڑوں کی چٹانوں پر ایک پتھر ۲ فٹ × ۲ فٹ عرض وطول میں اور دبازت میں ۳ فٹ ۸ انچ رکھا ہوا ہے۔ چونکہ وہ ادھر رکھا ہوا ہے اور باوجود اتنا بھاری ہونے ایک ہی آدمی اُسے ہلا سکتا ہے۔ اس واسطے اس نام سے مشہور ہے مگر بھیم جس کے نام سے شہرت پاگیا ہے اس کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔

چبوترۂ ناصرہ **۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء**

ہے سراسر فریب و وہم وگماں　　تاج مغفور و تخت خاقانی
بے حقیقت ہے شکل موج سراب　　جام جمشید و تاج ریحانی

یہ چبوترہ بھی اُسی زمانے میں بنا تھا جب کہ قصر فیروزی بنا۔ اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ سلطان ناصرالدین محمود (۱۲۴۶ء-۶۵ء) کا بنوایا ہوا ہے۔ جب جلال الدین خلجی نے علم بغاوت بلند کیا اور قلعہ بند ہو کر کلوکھری کے پاس پہاڑ میں بیٹھ گیا اور کیقباد کا صغر سن لڑکا دلی کا بادشاہ ہوا تو اُس نے اسی جگہ کئی مہینے تک دربار کیا۔ جب علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء) ملک دکن میں دیوگیری (دولت آباد) کو جو ہم سرحد ورنگل تھا۔ لوٹ کر دلی واپس آیا تو جو کچھ مال غنیمت لایا تھا اسی چبوترے پر سب پھیلایا گیا تھا۔ جہاں امراء و اراکین سلطنت سب جمع تھے اور یہیں اُس نے جلوس بھی کیا اور دربار کے لیے ایک بڑا سیاہ شامیانہ تانا گیا۔ یہ تمام محلات قصر سفید۔ کوشک فیروزی۔ کوشک سبز۔ چبوترۂ ناصرہ۔ رائے پتھورا کے قلعے کے اندر ہی تھے اور امرائے معززی خاندان غلامان کے بنائے ہوئے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے محل کا بھی سراغ نہیں ملتا کہ وہ کہاں تھا۔ البتہ صرف اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بدایوں دروازے کے پاس تھا۔ بعض لوگ ہمایوں کا محل جہاں پناہ میں بتلاتے ہیں جب شاہی محلات کا یہ حال ہو کہ ڈھونڈے پتہ نہ لگے تو وائے برحال بادشاہ کے مکانوں کے جن پر ہم آج فخر و ناز کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ ؎

اسی نقش موہوم پہ ناز ہے　　جہاں اک طلسم خدا ساز ہے

ہماری مثال اُس چوہے کی سی ہے جو ایک ہلدی کی گرہ پاکر پنساری بن بیٹھا تھا۔ امیر تیمور کا قدم جب پرانی دلی میں آیا (۱۳۹۸ء) اور لوٹ مار شروع کی تو اُس نے چن چن کر محلات کو برباد و تاراج کیا اور اس تُس سے یہ محلات بھی نہ بچ سکے یہ بتلاتا

بہت مشکل ہے کہ جن محلات کا ذکر اوپر آیا ہے آیا ان میں سے کوئی ٹوٹ کھسوٹ سے بچا بھی یا نہیں (از ظفر نامہ مولینا شرف الدین علی یزدی)

قصر سفید

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے
خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

سنہ ۱۲۰۵ء ۶۰۲ھ

سنہ ۱۲۰۵ء میں جب کہ رائے پتھورا کو مرکر سوطا برس ہوئے تھے قطب الدین ایبک نے ایک محل جو تاریخ میں قصر سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں سفید محل کا ذکر کیا ہے اور ضیاء الدین برنی نے جو تاریخ میں معزی محل کا بیان لکھا ہے وہ غالباً یہی محل تھا۔ ممکن ہے کہ ایک ہی محل کے دو نام رہے ہوں۔ ابن بطوطہ پتہ بتلاتا ہے کہ یہ محل بڑی مسجد کے پاس تھا۔ خدا کی قدرت اور زمانے کے فنا کرنے والے اور مٹانے والے زبردست ہاتھوں کو دیکھو کہ جو محل کسی زمانے میں بادشاہوں کے قدموں سے منور اور مشہور زمانہ تھا اور جس میں تقدیروں کے فیصلے رات دن ہوتے تھے اور جشن شاہانہ بپا رہتے تھے آج وہ ایسا پردۂ دنیا سے مفقود ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ ملک بختیار خلجی جو شہاب الدین غوری کا ایک بڑا فوجی سردار اور فاتح بنگال تھا وہ اسی محل کے احاطے میں لڑا تھا۔
اسی محل کی چار دیواری کے اندر خاندان غلامان کے سب سے بڑے اور مامور بادشاہ سلطان شمس الدین التمش اور اس کے پوتے ناصر الدین محمود شاہ نامور بلبن۔ اور دوسرے بھی چند بادشاہوں کی تخت نشینی کے جشن ہوئے۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کلوکھری میں کیقباد کو (جس نے کلوکھری بسائی تھی) قتل کرکے بادشاہ ہوگیا مگر حسب دستور سلاطین ماضیہ تخت نشینی اس کی بھی اسی محل میں ہوئی اور اسی طرح اس کے بعد اس کا بھتیجا علاء الدین خلجی بھی اسی قلعے میں تخت پر بیٹھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ناصر الدین محمود شاہ (سنہ ۱۲۵۹ء) نے ہلاکو خاں کے ایلچی کو اسی محل میں بڑی شان و شوکت سے باریابی سے سرفراز کیا تھا۔ محمد شاہ تغلق اگرچہ تغلق آباد میں تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن بعد پھر قصر سفید ہی میں باقاعدہ مراسم ادا ہوئے اور قدیم تخت سلاطین دہلی پر یہیں رونق بخش ہوا۔ یہ محل محض تخت نشینی یا دربار یا باریابی سفراء و ایلچیان کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اس میں غیر مرتبت لوگ قید بھی

رہے ہیں۔ بعض وقت اس میں خون کے ندی نالے بھی بہ گئے ہیں سلطان اختیار الدین کو جو معز الدین بہرام شاہ کا وزیر تھا فرمان قضا شیم کے مطابق تخت شاہی کے سامنے دو ترکوں نے ۱۲۴۱ء میں قتل کیا۔ جب کبھی امور عظام میں مشورہ کی ضرورت ہوتی یا بیرونجات کے حملوں کا خطرہ پیش آتا تو مجلس شوریٰ اسی محل میں منعقد کی جاتی تھی اور یہیں سے مقابلہ مقاتلہ اور مجادلے کے سب مراتب ابتدائی طے ہوتے تھے (از طبقات ناصری)۔ بہرام شاہ کے جانشین کو جو اس محل میں نظر بند تھا کوشک فیروزی میں بخطاب سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین کیا۔ جب سے یہاں سے دارالسلطنت اٹھ کر دلی چلی گئی اور یہاں کے محلات چھوڑ دیے گئے بس تباہی شروع ہو گئی۔

کوشک فیروزی
سنہ ۱۲۱۰ء

عیش دنیا سے ہو گیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالم فانی

یہ محل غالباً سلطان التمش نے بنایا تھا (سنہ ۱۲۱۰ء) جو سب سے بڑا محل تھا جس میں رضیہ سلطانہ کی والدہ یعنی سلطان التمش کی بیگم رہا کرتی تھیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معز الدین بہرام شاہ کی جگہ سلطان علاء الدین مسعود شاہ کو ۱۲۴۱ء میں قصر سفید سے لا کر یہیں تخت نشین کیا تھا۔ اور اسی محل میں سلطان ناصر الدین محمود شاہ نے جو علاء الدین کے بعد بادشاہ ہوا اپنا پہلا دربار کیا تھا۔ با ایں کر و فر اب اس کا نشان نہیں ملتا کہ کہاں تھا۔ اے کاش کھنڈر ہی باقی رہتے! اب صفحۂ دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا۔ مسٹر بگلر نے مسجد قوۃ الاسلام کے عقب میں کھدوایا تو کئی ٹوکرے سبز رنگ چینی کی اینٹوں کے نکلے جن پر الفاظ عربی اور طرح طرح کے گل بوٹے منقش تھے۔ اس پر سے قیاس دوڑایا گیا کہ یہ اینٹیں کوشک سبز کی ہوں گی جن کا ذکر آگے آئے گا لیکن جنرل صاحب ان اینٹوں کا رنگ نیلا بتلاتے ہیں جس میں کچھ سبزی کی بھی جھلک مارتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اینٹیں اسی محل کی ہوں یا کسی اور رنگین محل کی ہوں۔ گر پڑ جانے کے بعد اس پر طرہ یہ ہوا کہ زمین کے اندر مدفون۔ بھلا اصلی رنگ اور اس کی آب و تاب کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسی زمانے کے مال مسالے کی خوبی ہے جو اتنا بھی باقی رہا ورنہ



نقشہ مقبرہ سلطان غیاث الدین بلبن و خان شہید

پاکھنڈ ہو جاتا۔

کوشک سبز
۶۲۰ھ ۱۲۲۱ء

کچھ نہیں جز طلسم خواب وخیال
گوشۂ فقر و بزم سلطانی

قصر فیروزی اور یہ محل دونوں ساتھ بنے تھے۔ تاریخ میں اس کا ذکر پہلے پہل ناصر الدین محمود شاہ خلف سلطان التمش کے عہد کے ضمن میں آیا ہے جس کی تخت نشینی اسی محل میں ہوئی تھی۔ اور یہیں اُس نے ہلاکو خاں کے سفیر کو باریابی کی عزت بخشی تھی۔ جب کہ جمعیت کی بیس قطاریں کلوکھری سے لے کر یہاں تک کھڑی کی گئی تھیں۔ لیکن فرشتہ اس واقعہ کا قصر سفید میں ہونا لکھتا ہے۔ اور منہاج السراج طبقات ناصری میں کوشک سبز میں بتلاتا ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ نصف صدی بعد رکن الدین پسر اصغر سلطان جلال الدین خلجی یہیں تخت نشین ہوا۔ جلال الدین خلجی کو علاء الدین خلجی (رکن الدین کے بھتیجے) نے قتل کیا تھا۔ غرض جشن دربار، حکم احکام سب یہیں سے ہوتے تھے۔ ظفر خاں بعہد فیروز شاہ تغلق خان جہاں سے ملنے دلی آیا تھا تو اسی محل میں اتارا گیا تھا۔

کوشک لعل یا قلعۂ مرزغن
۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء   ۶۶۲ھ ۱۲۶۴ء

یا دارالامان و شاہ غیاث الدین بلبن کی قبر
۶۶۴ - ۸۶ھ
۱۲۶۵ - ۸۷ء

بزخم تیغ جہانگیر و گرزِ قلعہ کشا
جہاں مسخر من شد چو من مسخر را ے
بسے بلاد گرفتم بیک فشردنِ دست
بسے قلاع کشودم بیک فشردنِ پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت
بقا بقائے خدا ایست و ملک ملک خدائے

سلہ سرسید اس محل کا بانی جلال الدین فیروز خلجی کو بتلاتے ہیں اور سال تعمیر ۶۸۹ھ ۱۲۸۹ء۔ لیکن کارسٹیفن صاحب نے کوشک فیروزی کو سلطان التمش کا بنایا ہوا بتلایا ہے اور کوشک سبز کو بھی اُسی زمانے کا بنایا ہوا بتلاتے ہیں۔ بہر حال اس محل کا وجود وقت تخت نشینی ناصر الدین محمود شاہ کے تھا اور جس کا سال تخت نشینی ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء ہے۔ تو لامحالہ اس سال سے پیشتر کا بنایا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس محل اور قبر کے حالات چونکہ ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔ لہذا اجمالی طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے [illegible] میں کوشک لعل جسے لال محل بھی کہتے ہیں تعمیر کرایا تھا۔ اس محل کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ تاریخ بھی سرسید کی بتلائی ہوئی ہے جلال الدین عہد بلبن کے سرداروں میں سے تھا جب بلبن کا پوتا کیقباد مے نوشی کی کثرت سے لقوے اور فالج میں مبتلا ہو گیا تو جلال الدین قصر سفید میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوا۔ کچھ عرصے بعد کوشک لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص تھا۔ وہاں پہنچ کر دستور قدیم کے موافق گھوڑے سے اتر پڑا۔ مقربان خاص سے ایک نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس مکان کا ادب اس لئے کرتا ہوں کہ وہ میرے آقا کا بنوایا ہوا ہے۔ مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ میں کہاں اور تخت شاہی کہاں؟ خاندان غلامان میں التمش کے بعد بلبن ہی کا مرتبہ تھا۔ کوشک لعل میں مختلف سلطنتوں کے مفرورہ ذی مرتبت اشخاص اس بادشاہ کی پناہ میں تھے اور بڑے بڑے علماء و حکماء اور نامور اشخاص کا ایک بڑا اچھا مجمع اس قدردان بادشاہ کے گرد تھا۔ اس محل کے متعلق اور اہم واقعات قابل تذکرہ ہیں یعنی سلطان بلبن اور علاء الدین خلجی کی وفات ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ "بلبن بادشاہ کی نعش سیری کے لال محل سے برآمد ہو کر جامع مسجد کے سامنے دفن ہوئی"۔ سٹیفن صاحب کی رائے میں کوشک لعل رای پتھورا کے شہر کے اندر تھا جو خلاف رائے سرسید کے ہے۔ سید صاحب اس محل کو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قریب بتلاتے ہیں چنانچہ اس کے کھنڈر کے نشانات اب تک بھی موجود ہیں۔ برنی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بلبن کے بیٹے کیقباد نے شہر کے لال محل کی سکونت چھوڑ کر کلوکھری میں ایک نیا قلعہ بنایا تھا"۔ شہر کے لفظ سے غالباً پرانی دلی مراد ہے اور جب کہ بلبن نے قلعہ رائے پتھورا کو درست کرایا تھا تو یہ بات بعید القیاس ہے کہ اس نے اپنا محل اس قلعے کی حدود کے باہر بنوایا ہو۔ سیری میں کسی عمارت کا نام لال محل نہیں سنا نہیں گیا بلکہ برخلاف اس کے پرانی دلی میں لال محل کا ذکر جابجا پایا جاتا ہے۔

اگر فرشتہ کی روایت صحیح سمجھی جائے کہ علاء الدین خلجی لال محل میں رہتا تھا اور وہیں مرا بھی اور وہیں سے اُس کی نعش دفن کی غرض سے نکلی تو یہ محل ضرور بلبن ہی کا ہوگا۔ چورای پتھورا کی دلی میں جس کو پرانی دلی بھی کہتے ہیں ہوگا۔ سر سید لکھتے ہیں کہ "قلعۂ مرزغن کوشک لعل کے پاس ہی بنا یا گیا تھا اور بلبن اُس میں دفن کیا گیا۔" اس سے بھی کوشک لعل کے مقام کے تعین میں مدد ملتی ہے کہ بلبن کی قبر اور کوشک لعل دونوں رای پتھورا کی دلی کے حدود میں تھے اور قلعۂ مرزغن بھی وہیں تھا۔ بقول امیر خسرو اور ابن بطوطہ کے مرزغن کو قلعۂ غلطی سے کہا گیا ہے۔ مرزغن کو بلبن نے ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں دلی کی تخت نشینی کے وقت بنوایا تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ہوئی لغوی معنے تو اس کے دوزخ۔ گورستان اور انگیٹھی ہیں۔ قدیم مورخین نے اس کو صرف ایک مکان سے تعبیر کیا ہے جو بالعموم "دار الامان" کے نام سے مشہور تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "اس محل میں قرض داروں کے قرضے چکائے جاتے تھے اور ہر شخص کے معاملات کا منصفانہ تصفیہ اسی میں ہی ہوتا تھا۔ ہر دشمن کو یہاں پناہ اور امن ملتا تھا۔ تیرھویں صدی میں جب ابن بطوطہ دلی میں آیا تو یہ محل موجود تھا چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ "بلبن نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام "دار الامان" تھا۔ بادشاہ اسی محل میں دفن ہوا اور میں خود اس کی قبر پر گیا ہوں"۔ بابر بھی اس محل میں آیا تھا اور بلبن کی قبر پر بھی گیا تھا اُس نے بھی کسی قلعے کا ذکر نہیں کیا۔ ابو الفضل نے البتہ اس محل کو قلعہ لکھا ہے جس کی تقلید مابعد کے لوگوں نے بھی کی ہے۔ امیر خسرو ابن بطوطہ "مکان" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۶۸۳ھ ۱۲۸۴ء میں بلبن کا بڑا بیٹا جو ملتان کا گورنر تھا منگولوں کی لڑائی میں لاہور میں مارا گیا۔ برنی لکھتا ہے کہ اس ناگہانی سانحے سے ملتان میں کہرام پڑ گیا اور اسی وقت سے شاہزادے کو خان شہید کا لقب ملا۔ بادشاہ کے صدمے اور الم کا کچھ نہ پوچھیے۔ دن کو دربار کرتا تھا لیکن ساری ساری رات اُسے تڑپتے گزرتی تھی۔ اپنا لباس فرط غم سے چاک کر ڈالتا اور سر پر خاک اڑاتا تھا۔

گر پیر نود سالہ بمیرد عجب نیست　　　ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

اس وقت بادشاہ کا سن اسی برس کا تھا۔ بلبن کی سلطنت قریب الاختتام تھی اور اسی صدمے میں گھل کر اُس نے ۶۸۶ ھ میں انتقال کیا اور دارالسلام میں دفن ہوا۔ بلبن کی قبر قطب مینار سے چند منٹ کا رستہ ہی اور قطب صاحب کی ویران بستی کے کھنڈروں سے جواب بالکل اجاڑ ہی سو گز کے فاصلے پر ہی۔ یہ قبر بڑے بڑے پتھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے احاطے میں ہی جس میں چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوے ہیں۔ اسی کے پاس ایک بہت بڑے احاطے کا نشان ہی جو غالباً کوئی محل سرا ہے تھی اور اغلب ہی کہ یہی محل دارالامان تھا۔ اب جو حالت قبر کی ہی وہ بس یہ ہی کہ خالی چار دیواری کھڑی ہی کہ جس کے سارے پتھر باہر کے لوگ اُٹھا کر لے گئے اور دیواریں بحالت موجود پتھر اور چونے کا ایک ڈھیر پڑا ہی اس ڈھیر اور بنیاد کے دیکھنے سے دیوار کا آثار نوفیٹ کا معلوم دیتا ہی۔ بلبن کی قبر التمش کی قبر سے دوچند بڑی ہی۔ اس کے گنبد کو گرے ہوے کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اب بھی چوطرف ملبہ بکھرا پڑا ہی۔ قبر کا تعویذ تک لوگ اُٹھا کر لے گئے لیکن خالی قبر کا نشان اب بھی موجود ہی۔ اس گنبد کے چار دروازے ہیں۔ مغرب اور جنوب کے دروازے بہ نسبت مشرق اور مغرب کے دروازوں کے ذرا بڑے ہیں۔ مشرقی اور مغربی دروازوں کی پیشانی پر اب بھی کچھ مٹے مٹا ے نشان کتبوں کے ہیں جو بالکل پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ گنبد کے کونے باہر سے گول کیے ہوے ہیں اور گنبد کی شکل ہشت پہلو تھی۔ اسی کے قریب ایک اور چار دیواری ہی اس کا گنبد بھی گر پڑا ہی۔ سرسید اس گنبد کو بلبن کے بیٹے خان شہید کا بتلاتے ہیں۔ یہ گنبد بہ نسبت بلبن کے گنبد کے بہت چھوٹا ہی اس میں قبر کا پتہ نہیں۔ اس گنبد کا دروازہ بہت بڑی محراب کا اور کشادہ ہی مگر اب بالکل گرنے کے قریب ہی۔ اس کی محراب کے اندرونی رُخ پر دیکھنے سے کچھ کچھ جھلک رنگ کی بھی نظر آتی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ رنگین کام بھی تھا۔ شمالی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہی۔ جنوبی دیوار میں البتہ ایک دروازہ بلبن کے مقبرے میں آنے جانے کا ہی۔ مغربی دروازہ اب تک موجود ہی۔ مغربی اور جنوبی دیواروں کے دروازے بہ مقابلے صدر دروازے کے جو مشرق رو ہی بہت چھوٹے ہیں۔ چھوٹے صحن کے گنبد کی دیواروں اور

محراب دار دروازوں کے نشانات اب بھی بعض بعض جگہ ملتے ہیں۔ بڑے احاطے کے نشانات اور بھی زیادہ معدوم ہیں مگر پھر بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہی کہ غیاث پور غیاث الدین بلبن کا بسایا ہوا ہی جیسا کہ اُس کے نام سے خود ظاہر ہی مگر یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی شہرت پرانی دلی۔ کلوکھری، سیری یا تغلق آباد کی طرح نہ تھی۔

لال کوٹ

ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اننگ پال اول کے کتنے جانشین تھے جنھوں نے اُس کی دوبارہ بسائی ہوئی دلی میں سلطنت کی۔ جنرل کننگھم دو ہندی قلمی کتابوں پر سے لکھتے ہیں کہ اننگ پال دوم جو کمار پال کا جانشین تھا اور جس نے ۱۰۶۰ء میں دلی بسائی تھی۔ اُس نے اپنے آباد شہر کے پاس ہی ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو "لال کوٹ" کے نام سے مشہور ہی۔ دلی کے پنڈتوں کو بھاٹوں کی تحریرات میں کہیں لال کوٹ کا پتہ نہیں ملتا۔ رای جیون لال صاحب آنریری مجسٹریٹ جو دلی میں سب سے زیادہ ان امور سے واقف ہیں اُن کا خیال ہی کہ زمانۂ مابعد کے کوٹلہ تغلق کی طرح لال کوٹ بھی بادشاہوں کی اقامت گاہ رہا ہوگا۔ مگر چاند یا دوسرے مسلمان مورخین نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جنرل صاحب کہتے ہیں کہ مسلمان مورخین لال کوٹ کو قلعۂ رای پتھورا کا ایک جزو سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے جداگانہ طور پر اُس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ موضع مہرولی کے باشندے جہاں لال کوٹ کے کھنڈر ہیں کہتے ہیں کہ پتھورا کے مندر کے پاس لال کوٹ نام کی ایک بڑی مشہور عمارت تھی چنانچہ چند شاعر کا بیان ہی کہ اننگ پال نے بیاس کی بات سن کر غور کیا اور ایک محل بنانا شروع کیا (کانٹا اول پرتھی راج ریاسا) مسلمان مورخین کے سکوت نے ہم کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہی اور اُن کا یہ سکوت ہمارے تحیر کا باعث ہی کیوں کہ یہ لوگ بڑے پایے کے اور تفصیلی وقائع نگار تھے۔ مقامی لوگوں کا کہنا کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں۔ اس پر یہ طرہ یہ کہ ہندو مورخین بھی اس معاملے میں بالکل ساکت اور صامت ہیں۔ مسٹر بگلر نے جنرل کننگھم کی

رای کے خلاف لال کوٹ کی حدود سے مسلمانوں نے کے مسمار کردہ مناور۔ لوہے کی لاٹ اور خشک شدہ اننگ تال سب کو خارج کر دیا تھا انگ پال کا لال کوٹ غالباً سنگ سرخ کا ایک بڑا محل تھا جس کی بنیا کو یا تو چوہانوں نے بدل دیا یا یہ کہ اُن کی نظر ہو کر نیست و نابود ہو گیا۔

اننگ تال
بکرمی سمبت ۱۰۳۳ سنہ ۹۷۶ء

یہ تالاب بہت قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو کسی زمانے میں بڑی سیرگاہ رہا ہوگا اب تو اُجاڑ پڑا ہوا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ یوگ مایا کے مندر سے شمال کے رُخ پر۔ مسجد قوت الاسلام کے شمال و مغربی گوشے میں کوئی پاؤ میل پر جو ایک بڑا گڑھا کھلا نظر آتا ہے وہ اسی تالاب کا ہے جس کا طول شمالاً جنوباً ۱۶۹ اور عرض شرقاً غرباً ۱۵۲ اور عمق ۴۰ فٹ ہے یہ تالاب راجہ انیک پال تونور ثانی دلی کے راجہ نے بنوایا تھا چنانچہ اُسی کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ سنہ ۷۱۱ھ (۱۳۱۱ء) تک یہ تالاب درست حالت میں تھا۔ اور علاء الدین خلجی (۱۲۹۶–۱۳۱۶ء) کی ادھوری لاٹ کی تعمیر کے لیے اسی تالاب سے پانی جاتا تھا جس کی نالیوں کے نشانات اب تک بھی بعض بعض جگہ پائے جاتے ہیں۔ اب یہ تالاب بالکل خشک ہے حتیٰ کہ موسم بارش میں اتنا بھی پانی نہیں ٹھیرتا کہ اس کے شکم کو تر رکھ سکے۔

انیک پور
بکرمی سمبت ۱۰۳۳ سنہ ۹۷۶ء

یہ موضع بَلب گڑھ کے سب ڈویژن میں تغلق آباد سے تین میل پر واقع ہے۔ یہ موضع اپنے اُس بے نظیر بند یا پشتے کے لئے مشہور ہے جس سے پانی روکا گیا ہے۔ اگر ہم اس بند کی قدامت کو خیال کریں جس پر صدیوں کی صد ہا بلکہ بیکسی کی حالت میں گزر گئیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شمالی حصۂ ہند میں یہ فن تعمیرات کا بڑا بھاری کام ہے۔ یہ بند ایک گھاٹی پر بنایا گیا ہے ۹۸ فٹ لمبا ہے اسی عظیم الشان اور پُر شوکت بند کے شمال میں یہ موضع ہے جس کو

آبادی تخمیناً ہزار نفوس کی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو راجہ اننگ پال تنور ثانی نے جو دلی کا راجہ تھا سمت [illegible] میں آباد کیا تھا اور اسی کے نام سے یہ گاؤں موسوم ہے لیکن جنرل کننگھم اس سمت کو بکرمی سمجھتے ہیں اور اس حساب سے موضع کی آبادی کا سال سنہ ۱۰۱۵ء قرار دیتے ہیں۔ اسی راجہ نے پہاڑوں کے بیچ میں سیر و شکار کے واسطے ایک نہایت نفیس بند بنا کر پانی کو روکا ہے۔ اس بند کے دو طرف تو پہاڑ ہیں اور بیچ میں ایک چھوٹی سی گھاٹی تھی۔ اس گھاٹی کو بند سے بند کر دیا۔ یہ بند بالکل پختہ اور مستحکم ہے اور سیدھا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ بند پایہ میں ۱۵۰ فٹ چوڑا اور ۲۰ فٹ اونچا ہے۔ اس بند کے بیچ میں ایک در ۲۰ فٹ گہرا اور ۱۲.۵ فٹ چوڑا ہے۔ اس در کے سامنے تین نالیاں آٹھ آٹھ فیٹ اونچی بنی ہوئی ہیں یہ نالیاں دیوار کی ساری چوڑان میں دوڑی ہوئی ہیں۔ ان نالیوں کی دونوں طرف پانی چھوڑنے اور بند کرنے کی کھڑکیوں (Sluices) کے نشان اب تک موجود ہیں۔ اس محراب کے دونوں جانب سو سو فیٹ لمبی دیوار ہے جس کی سترہ سیڑھیاں اب موجود ہیں اور پرانے زمیندار بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ہوش میں قد آدم سے سوا اور نیچا تھا اور کئی سیڑھیاں اور نکلی ہوئی تھیں جو اب دب گئی ہیں۔ موری اس بند کی اتنی بڑی ہے کہ کھڑا آدمی اس میں سے چلا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بند میں اب پانی نہیں ٹھہرتا مگر پھر بھی جھڑوں میں سے بارہ مہینے پانی رستا رہتا ہے۔ اسی زمانے میں راجہ نے اسی بند کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر گاؤں کے شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا قلعہ بنانا شروع کیا تھا۔ مشہور ہے کہ قلعے کی چار دیواری کے سوا اور کچھ بننے نہیں پایا تھا۔ اب وہ چار دیواری بھی نہ رہی۔ کہیں کہیں سے دیوار کا ٹوٹا پھوٹا نشان اب بھی دکھلائی دیتا ہے۔ کنور بھو پال جو اننگ پال کا بارہواں بیٹا تھا اس جگہ آباد ہوا چنانچہ ایک عرصے تک اسی کی آل اولاد بستی رہی جو تھی پشت میں سمی سا کرا نے ایک گوجری گھر میں ڈال لی اور اس سے

اولاد جیلی چو تنور خاندان سے خارج ہو کر گوجر کہلائے اور یہی لوگ اب بھی بستے ہیں۔ اس قلعے کے ایک پہاڑ میں بلور کی کان بھی تھی جس میں سے بہت عمدہ بلور نکلتا تھا مگر کسی سبب سے راجہ نے اُسے بند کرادیا۔

سورج کنڈ

سمت ۷۴۳ - ۶۸۶ء ۶۷

مسٹر سید بھاٹوں کی روایتوں پر سے اس عالی شان تالاب کو انیک پال کے پانچویں فرزند سورج پال کے وقت کا بتلاتے ہیں یعنی سمت ۷۴۳ - ۶۸۶ء ۶۷ میں بنا ہے۔ لیکن جنرل کننگھم بلبھی سمت کے حساب سے ۱۰۶۱ء زمانہ تعمیر شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ تالاب اب بالکل خستہ و شکستہ حالت میں ہے مگر اس کے دیکھنے سے نظروں تلے اس کی عظمت اور شان کا وہ نقشہ پھر جاتا ہے جیسا کہ یہ کبھی رہا ہوگا۔ اتنا بڑا بھاری تالاب ایسے ویرانے اور جنگل میں بنا دینا قصے اور کہانیوں میں تو سنا ہے مگر دیکھا کہیں بھی نہیں گیا۔ پچھلے لوگوں کے عزم میں خدا جانے کیا استقلال تھا۔ اُن کے حوصلے کیسے بلند تھے۔ اُن کے پاس دولت کس قدر بے شمار تھی جو ایسے ایسے کام کرکے دکھا گئے کہ جن کا اب بننا محالات سے ہے۔ تالاب کے چاروں طرف کے ویرانے اور کھنڈروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں منگل تھا۔ شکم تالاب کا رقبہ چھ ایکڑ ہے۔ یہ تالاب دو موضعوں بہار پور اور لکڑ پور کے درمیان دلی کے پہاڑی میدان میں شہر دہلی سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ تالاب کی شکل مدور نہیں ہے بلکہ بقول مسٹر ٹرملٹ کے اُس کا سارا مغربی ضلع بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف پتھر کی پختہ سیڑھیاں ہیں جو نیچے سے اوپر تک سطح زمین سے جا ملی ہیں۔ یہ سیڑھیاں نو دس فیٹ کی بلندی تک تو معمولی چکلان کی ہیں جیسی کہ عموماً تالابوں میں ہوتی ہیں لیکن اوپر جاکر سیڑھیاں بہت کشادہ ہو گئی ہیں اس کشادہ جگہ میں گچ کا پختہ فرش بنا دیا گیا ہے جو ایک قسم کے چوڑے چکلے چبوترے نظر آتے ہیں جو ایک کے اوپر ایک

تالاب کے گرد دوڑتے ہوئے ہیں۔ تالاب کے غربی رُخ کے بیچ میں ایک منہدمہ مندر کا نشان معلوم دیتا ہے۔ تالاب میں سے مندر پر چڑھنے کی پچاس سیڑھیاں ہیں اور ان سیڑھیوں کے دونوں طرف اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ مندر کی سیڑھیاں گھاٹ کی سیڑھیوں سے تالاب کی سطح آب کے نصف فاصلے پر جاملی ہیں۔ مشرق کی طرف بھی ایک گھاٹ بطور جواب کے بنا ہوا ہے جو بالکل پہلے گھاٹ کی طرح کا ہے اور اس طرف بھی پہلے زمانے میں کسی قسم کی عمارت کا وجود کھنڈروں سے معلوم دیتا ہے لیکن وہ کھنڈر اب ایسی حالت میں ہیں کہ اُن پر سے ہم قیاس ہی نہیں کر سکتے کہ جب کبھی یہ عمارت رہی ہوگی تو کس قسم کی ہوگی۔ تالاب کی شمالی دیوار کے بیچ میں مویشیوں کے لیئے ایک ریٹ نما پھسلواں گئو گھاٹ بنا ہوا ہے۔ اس گھاٹ سے اُس ٹوٹی ہوئی دیوار کی طرف جو مغرب میں ہے سیڑھیاں نہیں ہیں جو غالباً اس غرض سے خالی چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس طرف سے آس پاس کے پہاڑوں کا پانی بہہ کر تالاب میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے چاروں طرف برجیاں بھی تھیں چنانچہ اب تک شمال مشرقی۔ جنوب مشرقی اور شمال مغربی کونوں کی طرف ملبے کے ڈھیر بکھرے پڑے ہیں۔ اب رہا جنوب مغرب کا کونا یہاں بھی برج ہی تو ضرور ہوگی مگر اب تو سپاٹ زمین پڑی ہے۔ تالاب سے ذرا ہٹ کر بھی اور مکانات اور برج تھے جن کا ملبہ تالاب سے آٹھ نو گز کے فاصلے پر پڑا ہے۔ تالاب کے شمالی کنارے پر ایک محل تھا۔ اُس محل میں سے تالاب میں جانے کے لیئے نہایت خوب صورت سیڑھیاں بنائی تھیں۔ وہ محل تو اب ہوا ہو گیا مگر سیڑھیاں البتہ باقی ہیں۔ بھادوں کی شُدی چھٹ کو یہاں ہر سال نہان کا ایک میلا ہوتا ہے۔ تالاب کے جنوب و شرقی کونے پر اسی زمانے کا ایک پرانا درخت پیپل کا کھڑا ہوا ہے جس کی پوجا ہوتی ہے اور ناریل یا جو کچھ اور چڑھاوا چڑھتا ہے وہ انیک پور اور لکڑ پور کے برہمنوں کا حق ہے۔ یہ میلا بالکل معمولی ہوتا ہے کچھ بڑا نہیں ہوتا۔

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب شاہ محمد حمید احسینی صاحب نامی کوہ سوار نظامی صدر مدرس دیودرگ ضلع رائچور دکن

دہلی کا مثل روئے زمیں پر نہیں ہے آج — مشہور ہے زمانے میں یہ آپ بے عدیل
اسلام و کفر نے کیئے یاں راجدہانیاں — یہ جلوہ گاہ طور رہی شرک کی کھیل
عزل و نصب رہا ہے زمانے کا قاعدہ — نمرود آستاں یہ کبھی گلشن خلیل
آماجگاہ ابیض و اسود ہے اس کی شان — معیار خیر و شر کی ہے دنیا میں یہ دلیل
ترک و عرب کی جان تھی اک یہ بھی عہد تھا — رہتے تھے جس میں شیر و شکر کثرت و قلیل
علمائے علم کے اسے مرکز کا فخر ہے — حکمائے بے نظیر کی یہ ساحت نزیل
عقلائے روزگار کی یہ بزم عام تھی — شعرائے نامدار کی یہ مسند جلیل
ہر ایک علم و فن کے یہاں آزمودہ تھے — ایک ہی بساط پہ تھے یہاں اشرف و ذلیل
یہ تخت گاہ اکبر و محمود پر شکوہ — یہ جلوہ گاہ حضرت اورنگ شاہ عقیل
آثار جن کے آج ہیں مشہور کائنات — ہے چپہ چپہ فن عمارت کا خود وکیل
اس کو شرف ہے رزم گہ خاص و عام کا — رہتے تھے اس میں شیر فگن شہسوار یل
دنیا میں اس کا نام عروس البلاد تھا — بازار حسن حلقۂ خوبان مہ جمیل
آتے تھے اس کو دیکھنے سیاح نامور — دہلی تھی سرزمین پہ فردوس کی مثیل
جس کا سواد باعث تسکین اضطراب — جس کا خیال موجب آسائش طویل
ہر ذرہ ذرہ جس کا رہا جان آفتاب — جان بخش کائنات رہی جس کی قال و قیل
تاریخ اس کی لکھی بشیر نذیر نے — جو فاضل یگانہ ہیں علامۂ عدیل
طرز بیان حسن ادا دل فریب ہے — انداز گفتگو ہے روانی سلسبیل
کوثر میں جو دھلی ہوئی ہے یہ زبان ہے — سرمایۂ حیات ہے انداز قال و قیل
مبسوط واقعات ہیں دہلی کے بے بدل — حالات ہیں صحیح صحیح تاریخ ہے اصیل

تاریخ الطباع بگفتہ سروش غیب
نامی بدل نویس کہ ہے تاریخ بے عدیل

۱۳۴۷

قلعہ سِرزِغن ۱۲۶۶ء جب سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ ہوا اُس نے ۱۲۶۶ء میں ایک قلعہ بنایا اور اُس کا نام سِرزِغن رکھا اب اس قلعہ کا نشان تک باقی نہیں رہا مگر لوگ کہتے ہیں کہ جہاں حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہو وہاں تھا۔ بلکہ اسی کی آبادی کا موضع غیاث پور نام ہو۔

قلعہ علاول ۱۲۹۵ء جب کہ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا اُس نے اپنے عہد میں کہ ۱۲۹۵ء سے شروع ہوا تھا ایک اور قلعہ بنایا اور اُس قلعہ کا نام سیری رکھا۔ چنانچہ اب بھی قطب صاحب کو جاتے ہوے بائیں ہاتھ کو اُس قلعہ کا کچھ کچھ نشان پایا جاتا ہو۔ یہی قلعہ علاول بھی کہلاتا تھا۔

سیری یا دہلی علائی دیدم چغد نشستہ در صبح و پگاہ

سنہ ۱۳۰۳ھ ہجری بر کنگرہ مقبرہ نوشرواں شاہ

فریاد کناں زرو عبرت می گفت

کو آں ہمہ حشمت و منال آں جاہ

بقول سر سید علاء الدین خلجی نے ۱۳۰۳ء میں سیری نام موضع کے پاس اسی نام کا ایک قلعہ بنوایا۔ یہ موضع رای پتھورا کے قلعے سے شمال و شرق میں کوئی دو میل پرے ہٹ کر ہی اب اس جگہ شاہ پور یا شاہ آباد آباد ہی۔ مغل حملہ آوروں نے دو مرتبہ پرانی دلی کو لوٹا۔ اس لئے علاء الدین نے رای پتھورا کے قلعے کو درست کیا اور اُس کے علاوہ خود بھی ایک نیا قلعہ بنایا جس کا نام "سیری" رکھا۔ دلی کی پیاپی لوٹ کا بدلہ علاء الدین خلجی نے یوں لیا کہ اُس نے اس قلعے کی بنیاد اور فصیلوں میں ایک دم سے آٹھ ہزار مغلوں کے چنوا دیئے۔ قلعہ کی فصیل پتھر اور چونے کی پختہ بنی ہوئی تھی۔ یہ قلعہ کیا باعتبار عمدگی و استحکام عمارت کے اور کیا بلحاظ

متقاصد فوجی کے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ۱۳۹۸ء میں شیر شاہ نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کا سارا مال مسالا ڈھو کر ایک نیا شہر گڑھ اپنے نام سے بسایا اور اس میں لگایا۔ تیمور نے سیری کی نسبت لکھا ہو کہ یہ ایک مدور شہر ہی جس کی عمارت بلند اور دیواریں اینٹ پتھر کی نہایت مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ پرانی دلی میں بھی اسی قسم کا ایک قلعہ ہی مگر وہ اس سے کچھ بڑا ہی۔ اس قلعے سے پرانی دلی تک ایک نہایت مضبوط فصیل پتھر چونے کی ہی۔ سیری کے سات دروازے ہیں جہاں پناہ کے دس ہیں جو جہاں پناہ کی جانب اندرواز کو۔" یزدی نے اپنے ظفر نامے میں لکھا ہی کہ "سیری کی شمال مشرقی فصیل سے پرانی دلی کی جنوب مغربی فصیل تک دو طرفہ ایک اور فصیل بنائی گئی ہی اور اس کا شمالی قطعہ جہاں پناہ کہلاتا ہی"۔ عہد اسلامی کی تیسری سلطنت سیری پر تھی۔ سلاطین خاندان غلامان نے باستثنائے کیقباد جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا سب قلعہ رائے پتھورا ہی میں رہے۔ جلال الدین خلجی نے کیقباد کے کیلوکھری والے قلعے کی تکمیل کی جس کا نام بعد میں "نیا شہر" پڑا۔ اس کے بھتیجے اور جانشین علاء الدین خلجی نے سیری کا قلعہ بنایا جو ۱۳۲۰ء تک دارالسلطنت رہا۔ جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا ایک نیا شہر بسایا اور وہیں قلعہ بھی بنایا۔ قلعۂ سیری کے ٹھیک مقام کی نسبت اختلاف ہی۔ برجس۔ لوئی۔ کوپ اور کیمبل صاحب قطب صاحب میں بتلاتے ہیں۔ لفٹنٹ برجس کے علاوہ کرنل لوئی اور مسٹر کوپ جنھوں نے آثار قدیمۂ دہلی پر نہایت عمدہ مضامین لکھے ہیں لیکن انھوں نے اس قدر تعجیل سے لکھا ہی کہ اُن کی رائے استناداً پیش نہیں کی جا سکتی۔ مسٹر کیمبل البتہ سوچ سمجھ اور تحقیق سے لکھنے والے ہیں لیکن جنرل کننگھم صاحب کی تحقیق سب سے زیادہ قابل توثیق ہی۔ چنانچہ سٹیفن صاحب نے بھی بہت کچھ چھان بین کے بعد یہی رائے قائم کی ہی۔ اگر موضع شاہ پور وہ جگہ نہیں ہی جہاں کہ سیری کا قدیم شہر بنا تھا تو پھر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اور کسی دوسری جگہ تو اس کا پتہ چل ہی نہیں سکتا۔ تیمور اور یزدی نے جو دلی کے تینوں شہروں کا تذکرہ کیا ہی اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہی کہ شہر کی آبادی کا شمالی مشرقی حصہ سیری تھا اور سیری کے شمال مغرب

یعنی دلی شہر تھا جو سیری سے کہیں بڑا تھا اور ان دونوں کے بیچ میں جہاں پناہ کی آبادی تھی جو دلی سے بھی بڑا شہر تھا - جنرل صاحب نے سیری کا مقام وہی قرار دیا ہے جہاں کہ فی زمانہ شاہ پور آباد ہے اور یہی رائے مسلمان مورخین کی بھی ہے جو دلی کو شاہ پور کے جنوب و مغرب میں بتلاتے ہیں اور جہاں پناہ کو دلی اور شاہ پور کے بیچ میں اور ساتھ ہی کے شاہ پور کو دلی سے چھوٹا بتلاتے ہیں - سیری کی جغرافی پوزیشن (تعیین مقام) کے متعلق بر جبس صاحب اور ان کے ساتھ اور چند اصحاب کی رائے ایک طرف اور جنرل صاحب کی رائے ایک طرف - مزید برآں جنرل صاحب کی رائے کی تائید میں بہت قوی دلائل موجود ہیں :-

(۱) قلعہ رائے پتھورا کے باہر سیری کی بستی تھی - حوض رانی کے میدان کی طرح سیری کی زمینات بھی بطور کیمپ کے استعمال کی جاتی تھیں - جب کیقباد نے ۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء میں سیری کو دارالاقامہ مقرر کیا تو کہا جاتا ہے کہ لشکر کا میمنہ تل پت میں تھا اور میسرہ اندرپت میں تو قلب لشکر لامحالہ بیچوں بیچ میں موضع شاہ پور میں آکر ٹھیرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ سیری کی بستی قلعہ رائے پتھورا کے باہر تھی اور مواضع اندرپت اور تل پت کے بیچ میں تھی -

(۲) سیری کی بنیاد خواہ بطور شہر کے سمجھی جائے یا بطور قلعے کے ۷۰۳ھ / ۱۳۰۳ء ہے لیکن سیری کی بستی کا وجود ۶۰۵ھ / ۱۲۰۸ء سے پایا جاتا ہے کہ وہ جمنا کے کنارے پرانی دلی اور نئے شہر دونوں کے بیچ میں سیری نام کی ایک بستی تھی جب علاء الدین خلجی کا بھانجا رکن الدین ابراہیم پرانی دلی میں تخت نشین ہوا تو علاء الدین کا قیام سیری میں تھا (برنی) - اس زمانے میں سیری کے نام کا کوئی قلعہ نہ تھا تو علاء الدین لامحالہ سیری کی بستی ہی میں رہتا ہوگا -

(۳) ۶۹۷ھ / ۱۲۹۷ء میں سلطان علاء الدین نے بڑے ترک و احتشام سے دلی سے کوچ کیا اور اپنے خیام سیری میں نصب کرائے (برنی) - تو یہ خیام ضرور دلی شہر سے کچھ فاصلے پر ہی ہونگے غایت ملی الباب شہر میں تو ہو نہیں سکتا ضرور شہر کے باہر ہی ہوگا -

(۴) ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ علاء الدین نے شہر سے کوچ کرکے

سیری میں مقام کیا - شہر سے مراد پرانی دلی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ سیری ایک جداگانہ مقام تھا۔

(۵) مغلوں کے پے در پے خطرناک حملوں نے علاء الدین خلجی کو دلی کے پرانے قلعوں کی مرمت کرنے پر مجبور کیا اور اُس نے ایک نیا قلعہ بھی بنوایا پس اگر یہ نیا قلعہ پرانی دلی کے اندر ہی ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس کا ایک جداگانہ نام سیری رکھا جاتا۔ ابوالفضل نے جو سیری کا ذکر کیا ہے بالکل غلط ہے کہ شہر بنا ایک جگہ ہو اور نام دوسری جگہ کا رکھا گیا ہو۔ جب کہ نئے قلعے کا نام سیری تھا تو یقیناً وہ رائے پتھورا کے قلعے کی چار دیواری کے اندر تو بنا ہی نہ ہوگا۔ ہم اوپر امیر تیمور اور یزدی کی تحریرات کا حوالہ دے آئے ہیں جن میں اُنھوں نے تین شہروں کا ذکر کیا ہے جو سب مل کر دلی کہلاتے تھے۔ ابن بطوطہ نے ایک چوتھی[1] دلی بھی لکھی ہے یعنی ہندوؤں کی بسائی ہوئی پرانی دلی اور سیری کو وہ مسلمانوں کا دار السلطنت لکھتا ہے۔

قصر ہزار ستون	اگر پردہ برگیری از روئے خاک
سنہ ۷۰۳ ہجری	روی تا بہ ہفتم زمیں در مغاک

همه فرق شاہانِ سرکش بود　　رخِ نو عروسانِ مہوش بود

سراپائے گیتی ہمہ غیرت است　　پس و پیشِ او حیرت و حسرت است

سنہ ۷۰۳ ہجری میں جب علاء الدین خلجی سیری میں قلعہ بنوا چکا تو اُس نے ایک محل بھی بنوایا جس کا

[1] چوتھی دلی کوئی بھی تعجب کی بات نہیں ہے ڈلی ہیرن صاحب نے اپنی کتاب میں سات دلیاں بتلائی ہیں پرانی دلی - سیری - تغلق آباد - جہاں پناہ - فیروز آباد - شیر شاہ کی دلی - شاہ جہاں آباد - اور آٹھویں دلی رائے سینا میں اب انگریزوں کے عہد میں بن رہی ہے۔ صانہا اللہ تعالےٰ عن حوادث الزماں



عمارت چهل ستون

نام "ہزار ستون" رکھا۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق اس محل کی بنیاد اور ستونوں میں ہزاروں سر چُن دیئے گئے۔ جنرل کننگھم نے اس محل کا مقام قلعۂ سیری قصبۂ شاہ پور کے اندر مغربی نصف حصے میں بتلایا ہے۔ مسٹر بگلر نے اس کے خلاف قلعۂ سیری میں جنوبی فصیل سے کچھ آگے بڑھ کے اس کے کھنڈر دریافت کیے ہیں۔ امیر تیمور نے اس محل کو عمارت ہزار ستون سے گڈمڈ کر دیا ہے جس کو محمد تغلق شاہ عرف جونا شاہ نے عادل آباد عرف محمد آباد میں ۷۲۰ھ میں پچیس برس بعد بنوایا تھا۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق نے بزمانہ شاہزادگی لکھا ہے کہ "بیگمات نے محل ہزار ستون کے دیکھنے کی خواہش کی جسے ملک جونا نے قلعۂ جہاں پناہ کے اندر بنوایا تھا"۔ کھنڈر کے دیکھنے سے اس محل کی اصلی شان و شوکت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "ملک کافور جو علاء الدین خلجی کا ایک نامور سردار تھا جب ورنگل سے بے شمار دولت لوٹ کر لایا تو وہ ساری کی ساری سنہری محل کے سامنے لوگوں کو دکھلائی گئی تھی لیکن تاریخ فیروز شاہی میں اسی واقعے کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا مگر وہ اس واقعہ کو قصر ہزار ستون میں ہونا لکھتا ہے۔

علاء الدین خلجی کی وفات (۱۳۱۵ء) کے پچیس دن بعد ملک کافور شیر اعظم سلطان علاء الدین کو قطب الدین مبارک شاہ کے غلاموں نے اسی قصر ہزار ستون میں قتل کر ڈالا۔ ۱۳۲۰ء میں خسرو خاں کے ہندو ملازمین نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو اسی محل کے کوٹھے پر قتل کیا جس کے چند مہینے بعد خسرو خاں بھی غیاث الدین تغلق شاہ کے حکم سے اُسی جگہ جہاں قطب الدین مبارک شاہ مارا گیا تھا اس کی بھی گردن ماری گئی اور جس طرح قطب الدین کا سر محل کے نیچے پھنکوایا گیا تھا اس کی نعش بھی سر راہ پھینک دی گئی اور کہ کرد و کہ نیافت کا مضمون صادق آیا۔ اور اسی سال اس محل میں تغلق شاہ بھی تخت نشین ہوا اور سر دربار قطب الدین اور علاء الدین اپنے مرزبان ... دوسرے بیٹوں کے ساتھ جو برا سلوک ہوا تھا اُس پر پردہ ڈال دیا اس مشہور محل میں ایسے ایسے اہم مشہور تاریخی واقعات گزرے لیکن یہ کہ یہ محل کس قسم کا تھا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ ہم اس کے نام سے یہ اندازہ کر لیں کہ جس محل کے کہ ہزار ستون ہوں گے وہ اسی مناسبت سے۔ تمام ہوئی

اور کیسی عظیم الشان عمارت ہوگی لیکن فنا کی دست درازی کا سب شکار ہیں۔ دنیا کی تمام چیزیں فانی اور مٹنے والی ہیں چنانچہ اس محل کو دیکھیے کہ با ایں شان و شوکت آج ہم کو ضرورت اس تلاش کی پڑی ہے کہ وہ کس مقام پر تھا۔

ایسا مکاں بتاؤ جو بن کر گرا نہو پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہو

جہاں پناہ

۷۲۸ھ
۱۳۲۷ء

ویرانۂ دہلی میں جو گیا اک فاختہ مجھ سے یوں بولی
پیغام تجھے اک دیتی ہوں سُن اے غافل کوکو میری
یہ ویرانے جو دیکھتے ہو معمور تھے آبادی سے کبھی
یاں شہر بھی تھے باغات بھی تھے بستی تھی کنار جو میری
گو چرخِ فلک کی گردش سے روپوش ہوئی محفل اپنی
ہے آج کے دن تک متجسس یہ چشم نظارہ جو میری
شاہوں کے مقابر کو دیکھو عبرت کے مناظر کو دیکھو
اینٹ اینٹ میں قصر جمشیدی ہے دیکھتی آنکھ ہر سو میری
تھا شور جہاں تکبیروں کا ہنگامے تھے جراروں کے
اب عالم ہو ہے چار طرف باقی ہے فقط کوکو میری
ہے رنگ نیا ہے دنیا کا مایوس نہ ہوا ہے سننے والو
کہتی ہے یہ کوکو میری۔ کہتی ہے یہ کوکو میری

خاندانِ غلامان دہلی کے عہد میں قلعۂ رای پتھورا کے چو طرف دور دور تک بستی ہی بستی پھیل گئی تھی۔ میواتیوں کی لوٹ مار سے قلعے والے پریشان تھے۔ کیقباد کی ضعیف حکومت نے ان لٹیروں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے تھے۔ سلطان علاء الدین خلجی کو تخت پر بیٹھتے ہی پہلے یہی مشکل پیش آئی کہ کھلے خزانے لٹ رہی تھی۔ پانی بھرنے کے لیئے جو عورتیں کنوؤں اور حوضوں پر جاتی تھیں اُن کی جان غضب میں تھی۔ میواتیوں کا یہ آسان شکار تھا اُن کے کپڑے تک اُتروا لیتے تھے اسی لیئے مغرب ہوئی کہ شہر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ یہ بادشاہ فیروز شاہ کی طرح نرم تھا اس نے اپنی سطوت اور جبروت کا سکہ اس طرح

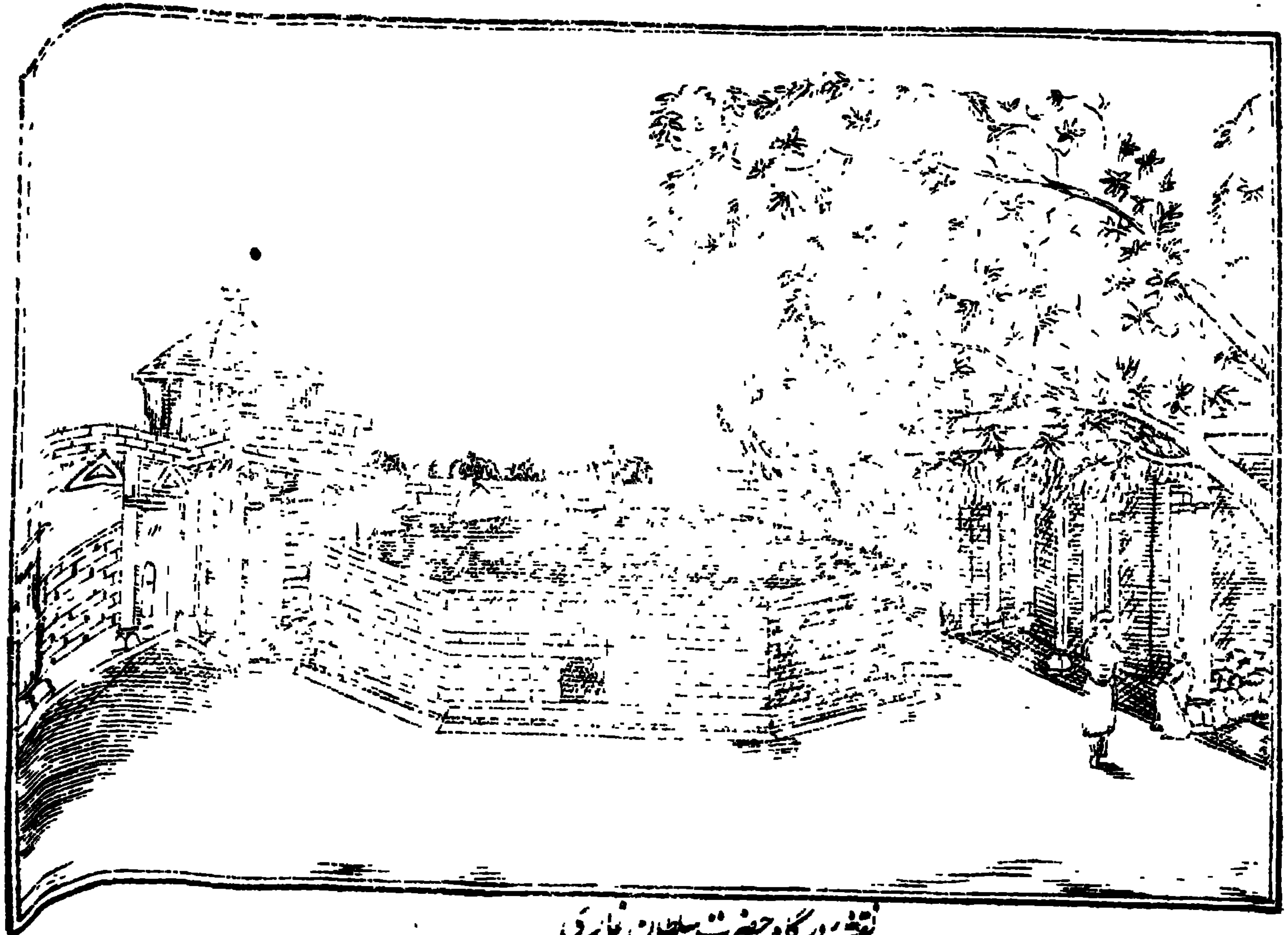
تھا یا کہ اُس نے میواتیوں کے ملک پر تاخت کی اور ایسی تلوار اور آگ برسائی
کہ سب کے سب درست ہو گئے - جب مغلوں نے جلال الدین خلجی کے وقت
میں دلی پر حملہ کیا تو شہر کے مقامات کو لوٹ لاٹ کر تباہ کر دیا تھا اور جب علاء الدین خلجی نے
سیری کی بنا ڈالی تو رائے پتھورا کے قلعے کے مقامات اتنے بڑھ گئے تھے
کہ دونوں شہر مل گئے تھے اور مواضع حوض رانی - کوٹلی سرائے - اور کھڑکی بھی
اسی سلسلے میں آ گئے تھے - محمد تغلق شاہ کو خیال ہوا کہ تمام مختلف مقامات جو
پرانی دلی اور سیری کے بیچ میں پڑتے ہیں ان سب کو ملا کر میرے وقت میں ایک
جداگانہ شہر ہی کیوں نہ بسایا جائے جس سے مغلوں اور میواتیوں کی روک تھام
کے علاوہ میری ایک یادگار بھی رہے چنانچہ ۷۲۸ھ میں یہ ارادہ پورا ہوا اور پرانی
دلی اور سیری دونوں کی آبادیوں کو فصیلیں تعمیر کر کے ملا دیا گیا اور جہاں پناہ نام
رکھا گیا - شمال مغرب کی طرف کی فصیل قریب دو میل کے اور شمال جنوب و شمال
مشرق کی طرف کی دو فصیلیں سوا دو میل لمبی تھیں - اور تینوں فصیلوں کا دامان پانچ
میل تھا - شمال مشرق کی طرف کی دیوار سیدھی نہ تھی بلکہ ٹیڑھی ترچھی تھی
وہ تو برابر آگئی اور مشرق کی دیوار تو سیدھی تھی اور وہ بھی لمبی تھی [illegible] تیسری دیوار
جو جنوب رخ پر تھی وہ بھی بالکل سیدھی تھی اُس کا [illegible] ثلث حصہ ٹوٹ گیا ہے
باقی موجود ہے - اس شہر جہاں پناہ کے تیرہ دروازے تھے [illegible] پرانی دلی اور سیری
کے ملا کر تھے - ان تیرہ دروازوں میں سے چھ تو شمال مغرب کے رخ پر تھے
ایک کا نام میدان دروازہ تھا لیکن [illegible] اس کا نام حوض خاص دروازہ لکھتا ہے
کیوں کہ وہ اسی نام کے حوض کی طرف کھلتا تھا [illegible] تاریخ مبارک شاہی - باقی دروازے
جنوب و شمال رخ پر تھے - جن میں سے تین دروازوں کے ناموں کا اور پتہ چلتا ہے
ایک حوض رانی دروازہ اور دوسرا برقعہ دروازہ - اس شہر کی چار دیواری
کے اندر ایک مشہور عمارت بدیع منزل جس کو عوام ستون منڈل کہتے ہیں تھی
جس کا بیان اپنے موقع پر آیا ہے - ابن بطوطہ جہاں پناہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ صرف
محمد شاہ تغلق کے رہنے کی غرض سے بنایا گیا تھا اور اس شہر کی تعمیر سے اُس کا
ارادہ یہ تھا کہ پرانی دلی - سیری - جہاں پناہ - اور تغلق آباد - ان سب کو ملا کر محصور

کر دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے فصیل کا کچھ حصہ بنوایا تھا لیکن چوں کہ مصارف زیادہ ہوتے تھے لہٰذا ادھورا چھوڑ دیا"۔ جنرل کننگھم جہاں پناہ کو دلی کا ساتواں قلعہ لکھتے ہیں اور مشہور ضرب المثل "سات قلعے یا باون دروازے" کی صراحت یوں کرتے ہیں کہ حسب ذیل سات تو قلعے تھے۔ (۱) لال کوٹ۔ (۲) قلعۂ رای پتھورا۔ (۳) سیری یا قلعۂ علائی۔ (۴) تغلق آباد۔ (۵) قلعۂ تغلق آباد۔ (۶) عادل آباد۔ (۷) جہاں پناہ باون دروازوں کی یہ تفصیل ہے۔ لال کوٹ ۳۔ قلعۂ رای پتھورا ۱۰۔ سیری ۳۔ جہاں پناہ ۱۳۔ تغلق آباد ۱۳۔ قلعۂ تغلق آباد ۳۔ عادل آباد ۲۔ جملہ ۵۲۔ لیکن مسٹر فنچ اور مسٹر لایٹ تو سات قلعے لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے۔ کیوں کہ کننگھم صاحب نے کلوکھری اور غیاث پور کے قلعوں کو شمار نہیں کیا جو پہلے محصور تھے۔ رہا لال کوٹ اُس کا شمار ہندوستانیوں کی روایتوں میں قلعوں میں نہیں ہے۔ ہندوستانی مورخین صرف تغلق آباد کے باون دروازے اور چھپن برج لکھتے ہیں لیکن کننگھم صاحب سولہا ہی دروازے لکھتے ہیں جو غالباً وہ دروازے ہوں گے جو اب باقی ہیں اور پھر جنرل صاحب نے تغلق آباد کے پاس دو اور چھوٹے قلعے جو ہیں وہ بھی چھوڑ دئیے ہیں اور اُن کے دروازوں کو بھی قلعۂ تغلق آباد کے دروازوں میں شمار نہیں کیا۔

بادمنڈل جہاں پناہ میں اس نام کا ایک وسیع چبوترا ہے جس پر سے اطراف و جوانب کا ایک عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چبوترا سلطان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک جزو ہے۔

دوسرا باب سلطان غازی

یہ مقام قطب صاحب سے تین میل ہے مگر رستہ پہاڑی ایسا پتھریلا ناقص اور ناہموار کہ بگھی تو بگھی یکہ بھی نہیں جا سکتا ہاں بیل گاڑی چل سکتی ہے بشرطیکہ اُلٹ نہ جائے میں سہنے کو تیار ہو گیا مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں تڑوانے نہ تھے گیا بھی پیدل اور آیا بھی پیدل۔ قطب صاحب سے جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو چھوٹا برج



نقشهٔ درگاه حضرت سلطان غاری

ملتا ہی اور بائیں ہاتھ کو سو باتوں۔ کا گنبد ہی جو ایک بارہ درہ ہشت پہل برج ہی۔ تباست دروغ برگردن راوی۔ مشہور یہ ہی کہ اس میں ایک فقیر کی قبر ہی جس نے اللہ تعالیٰ سے سو باتیں کی تھیں۔ یہیں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ بھی ہی۔ اس گنبد کے شمال کی طرف ایک اور چار دیواری میں مولینا شعیب ؒ[۱] کا مزار ہی آپ مولینا کمال الدین اور جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ اس سے آگے بائیں ہاتھ کو بامن کا مندر اور رجوڑہ ہی جس میں مہادیو کا پنڈ ہی۔ یہ مندر ہشت پہل ہی جس کا ہر ضلع ۶ ½ فیٹ کا ہی۔ دو دروازے ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں۔ مغرب کی جانب ایک نیا پنج درہ دالان بنا ہوا ہی اور اسی کے پاس جوہڑ یعنی چھوٹا سا تالاب ہی جسے دکن میں کنٹہ کہتے ہیں۔ اسی رخ پر اوپر کے دالان سے ہٹا ہوا ایک اور پنج درہ دالان ہی علاوہ اس کے سہ دریاں بھی ہیں مندر کے سامنے صحن میں ایک پرانا پیپل کا درخت بھی ہی اب مندر سے آگے بڑھیئے تو منشی لال ولی کے کسی باخیہ شخص کا پختہ تالاب ہی اس سے آگے جو گاؤں ہی وہ مسعود پور کہلاتا ہی۔ سامنے وار کچھ فاصلے پر جو گنبد نظر آتے ہیں وہی سلطان غازی کا مزار ہی

مقبرۂ سلطان غازی ۱۲۳۱ء ۶۲۹ھ	نصیب ما زباغ آفرینش میوۂ غم شد نہالے را کہ پروردیم آخر نخل ماتم شد

[۱] عالم عامل درصورت وسیرت ملک مثال بود در وعظ و تذکیر بے نظیر زمان خود در زمانے کہ او وعظ گفتے و قرآن خواندے ہیچ کس را مجال عبور از آنجا نبودے اگرچہ خود بارگراں بر سر داشتے ایستادہ شدے و استماع نمودے و از اور وعظ بحسب اختلاف مقامات وعد و وعید حالات عارض شدے۔ جمیع اکابر و علمائے شہر در پاے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتدا شاگرد او بودند والد ماجد او مولنا منہاج در آوان صغر از بلدۂ لاہور بہ قصد تحصیل علم در دہلی آمد و در تحصیل علم ریاضت شاقہ کشید بعد ازاں در عہد دولت سلطان بہلول بودے مفتی شہر شد و ہمیں جا سکونت فرمود۔ نقل است کہ مولنا منہاج در بعضے اوقات آرد و روغن از و کاسہا گدائی کردے و از آں چراغ ساختے و تمام شب بمطالعہ پرداختے و چوں روز شدے از ہماں نان پختے و ہماں قدر اکتفا کردے مدتہا بریں حال گزرانید تا علمے بدست آورد۔ وفات مولانا شعیب در سنہ ۹۳۶ھ و قبر او بالائے حوض شمسی است متصل خانقاہ ملک زین الدین کہ از صلحائے زمان سکندر بود۔ (از اخبار الاخیار)

ناصر الدین محمود شاہ خلف اکبر سلطان شمس الدین التمش لکھنوتی[1] کا حاکم تھا۔ تمام اراکین سلطنت اور رعایا اسی کو ولی عہد مانتے تھے مگر حکم قضا و قدر اس کے خلاف تھا۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ شاہزادہ یکایک ایسا بیمار پڑا کہ جاں بحق ہو گیا۔ جب اس کی وفات کی خبر ۶۲۶ھ (۱۲۲۸ء) میں دلی پونہچی تو اس سانحۂ ہوش ربا سے شہر بھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ جوان بیٹے کی موت کا داغ شمس الدین التمش کو ایسا پونہچا کہ جتنا غم کیا تھوڑا تھا۔

من چو نے زیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند　　لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

نعش لکھنوتی سے دلی لائی گئی اور موضع ملک پور میں جو قطب صاحب کے جنوب مغرب میں ساڑھے تین کوس پر ہے دفن کیا گیا۔ مرنے کے تین سال بعد ۶۲۹ھ (۱۲۳۱ء) میں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کا مقبرہ باپ کی چاہت کی آخری یادگار بنایا۔ اس مقبرے کا تہ خانہ بشکل ایک غار کے ہے اس واسطے غاری مشہور ہو گیا۔ تہ خانے کی وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد اسلامی سے پیشتر کا بنا ہوا ہے۔ مگر اس بات کا فیصلہ مشکل ہے کہ یہ عمارت سرے سے اہل ہنود ہی کی تھی یا یہ کہ مسلمانوں نے ہندو کاریگروں سے بنوائی تھی۔ مسلمان اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے اپنے چہیتے بیٹے کو کسی ہندو بت کدے میں دفن کرنا گوارا کیا ہو۔ گنبد ایک مربع پختہ احاطے کے اندر ہے۔ استرکاری بوجہ کہنگی کے سیاہ پڑ گئی ہے۔ گنبد کا چبوترا چار فٹ نو انچ اونچا ہے۔ جس پر گول قبہ بنا ہوا ہے جس کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ گنبد میں داخل ہونے کا محراب دار دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ صدر دروازہ احاطے کی دیوار سے تین گز ہٹ کر بغلی حجروں سے چار فیٹ کے فاصلے سے ہے جس کے اوپر ایک نشیمن نما کھڑکی ہے۔ صدر دروازہ تیس فیٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے جس کے اِدھر اُدھر کے در چار فیٹ پست ہیں۔ دروازے کی محراب کا حصہ زیریں

(سلسلۂ متن کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۳۴۹)

[1] اس شہر کا قدیم نام گوڑ تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں کا دار الخلافہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر کا نام لکھنوتی یعنی لکھنوتی تھا اور علاقے کا نام گوڑ بنگالہ تھا۔ سنہ ۱۲۰۲ء میں جب مسلمانوں نے ملک بنگال کو فتح کیا تو اپنا دار الحکومت اسی شہر میں رکھا اور تین سو سال تک

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

مسلمان بادشاہ اسی شہر میں رہے۔ بیچ میں کچھ دنوں بعضے بادشاہ پنڈوہ میں جا رہے تھے جس کو حضرت پنڈوہ کہتے ہیں وہ بھی مالدہ کے ضلع میں گوڑ کے قریب ہی واقع ہے۔ فیروز آباد بھی اسی شہر کے نواح میں واقع تھا۔ شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ نے ۱۳۵۳ء میں لکھنوتی پر چڑھائی کی تو اُس وقت اس شہر کا نام فیروز آباد رکھا تھا لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ اُس زمانے سے پہلے سکوں پر فیروز آباد نام درج ہے اور غالباً یہ نام سلطان شمس الدین فیروز بن ناصر الدین بغرا بن بلبن نے رکھا تھا۔ جب گنگا کی وہ شاخ جس پر یہ شہر واقع تھا سوکھ گئی اور اُس کا پانی کسی اور رستے پڑ لیا تو دلدل کے باعث شہر کی آب و ہوا بگڑ گئی بنگال کے بادشاہوں نے اپنا پایۂ تخت بدل دیا لیکن پھر بھی وہ حاکم نشین جگہ رہی۔ ۱۵۳۸ء میں اُس کو **شیر شاہ** نے لوٹ لیا اور ۱۵۷۵ء میں **منعم خاں** خانخاناں نے جو اکبر کا سپہ سالار تھا اُس پر حملہ کیا۔ آب و ہوا کے بگڑ جانے کے سبب سے جب آئے لشکر میں وبا پھیل گئی اور خان خاناں بھی وہیں مر گیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس زمانے کے بعد پھر گوڑ بالکل غیر آباد ہو گیا لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ **ابو الفضل** نے جو **آئین اکبری** میں اس شہر کی بابت لکھا ہے اُس سے اس کی تردید ہوتی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ **شاہ شجاع** کے وقت مغلئی صوبہ دار اسی شہر میں رہے۔ حقیقت میں یہ شہر اُس وقت غیر آباد ہوا ہے جب شاہ شجاع نے **راج محل** کو بنگالے کا دار الخلافہ بنا لیا اور اُس کے بعد آباد نہیں ہوا۔ پچیس تیس میل مربع میں مسجدوں اور بازاروں اور محلوں کے کھنڈر اب تک نظر آتے ہیں۔ اُجڑنے کے بعد اس کثرت سے جنگل ہو گیا تھا کہ آدمی کو وہاں جاتے دہشت معلوم ہوتی تھی لیکن اب کچھ عرصے سے جنگل صاف کیا گیا ہے اور وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں نکلتی چلی آتی ہیں۔ اُس کی اینٹوں سے **انگریز آباد - مرشد آباد - مالدہ** اور پُرنیا کی عمارتیں بنائی گئی ہیں۔ اس کے دیرانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ شہر **کلکتہ** سے کم نہیں تھا اور چھ یا سات لاکھ کی آبادی رہی ہو گی۔ اُس کی فصیل جو فقط شمال کی طرف بنی ہوئی تھی کھود کر دیکھی گئی تو اُس کی بنیادیں سو فیٹ چوڑی ہیں اور کہیں کہیں خندق کا نشان ملتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوا سو فیٹ سے کم چوڑی نہیں تھی۔ فصیل کے شمال مشرقی کنارے پر ایک محل کا کھنڈر پایا جاتا ہے جو چار سو فیٹ مربع تھا اُس کو **راجہ بلال سین** کا محل کہتے ہیں۔ فصیل کے باہر بھی آبادی کے کھنڈر ہیں اُس میں ایک تالاب **ساگر ڈگی** سولہ سو گز لمبا اور آٹھ سو گز چوڑا ہے اب تک موجود ہے جس کی بندش پختہ اینٹوں کی ہے اور پانی نہایت صاف اور خوش گوار ہے۔ قلعہ کے پاس ایک تالاب **پیاس باڑی** نام اب تک ہے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

لیکن اس کا پانی بھاری ہے کہتے ہیں کہ یہ تالاب قیدیوں کے استعمال کے واسطے بنایا گیا تھا ابوالفضل نے بھی اس تالاب کا ذکر کیا ہے۔ قلعہ اور پیاس باڑی کے درمیان سنہری مسجد ہے جو ساٹھ گز لمبی اور بیس گز چوڑی اور بیس گز اونچی عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی چھت پر تینتیس گنبد تھے ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ جنت آباد پرانا شہر ہے۔ پہلے پایۂ تخت تھا جسے لکھنوتی اور بعض گور کہتے ہمایوں بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ یہاں ایک بہت عمدہ قلعہ ہے اور مشرق میں ایک تالاب ہے جس کا نام چھتیا پتیا ہے۔ اس میں بہت سے ٹاپو ہیں اگر اس کا بند ٹوٹ جائے تو سارا شہر ڈوب جائے۔ شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے اس حوض کو پیاز (پیاس) باڑی کہتے ہیں جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا وہاں قید رکھتے تھے یہ پانی پی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے ہمارے بادشاہ نے اس کی ممانعت کر دی"۔ شیخ اخی سراج کی خانقاہ بھی گوڑ میں ہے آپ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے خلیفہ تھے۔ یہ خانقاہ شہر کے ایک نواح میں ہے جس کو سعد اللہ پور کہتے ہیں ساگر ڈگی تالاب کے شمال مشرقی گوشہ پر واقع ہے آپ کا وصال ۷۵۸ھ میں ہوا۔ باہر دروازے پر ایک کتبہ ہے جس پر ۹۱۶ھ درج ہے اور یہ دروازہ حسین شاہ بادشاہ بنگال کا بنایا ہوا ہے۔ خانقاہ غالباً سکندر شاہ کی بنائی ہوئی ہے لیکن یہ بات محقق نہیں۔ کتبہ کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ کلکتہ کے عجائب گھر میں کچھ اینٹیں گوڑ سے آئی تھیں ان میں غیاث الدین بن سکندر شاہ کا نام لکھا ہوا تھا اور سنہ سات سو کے اوپر کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ پیمائش کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینٹیں اسی کتبے کی جگہ کی ہیں لیکن یہ نرا ایک قیاس ہی قیاس ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو کیوں کہ یہ سلطان غیاث الدین سکندر شاہ کا بیٹا تھا اور وہ بادشاہ تھا جس نے خواجہ حافظ کو شیراز سے طلب کیا تھا اور آپ نے وہ غزل جس کا یہ شعر ہے اُس کے پاس بھیج کر آنے کا عذر کیا۔ ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند	زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

کتابِ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان المشہور باخی سراج از مشاہیر خلفائے شیخ نظام الدین است و وی از عنفوانِ شباب کہ ہنوز موے ریش آغاز نہ شدہ بود در حلقۂ ارادتِ شیخ درآمدہ بود و در سلک خدمت گاران پرورش یافتہ بعد از چند سال برائے دیدن والدہ بہ مقام لکھنوتی کہ الآن بہ گور مشہور است رفت و باز بہ خدمت می رسید۔ در وقت عطاے خلافت او را شیخ فرمود کہ اول درجہ

(بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ)

سنگ سرخ کا ہی اونا جا سے کے اوپر سنگ مرمر۔ ستونوں اور محرابوں وغیرہ پر جا بجا آیات قرآنی بخط نسخ وکوفی کندہ ہیں۔ چبوترا۔ دروازے کی بغلیاں۔ دیواریں اور برجیاں سب چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں۔ دروازے پر پہنچنے کی سیڑھیاں دوہری ہیں۔ پہلے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر تو چبوترے پر پونہچتے ہیں۔ اور پھر چودہ سیڑھیاں اور چڑھ کر ایک کمرے میں پونہچتے ہیں جو زمین سے چودہ فٹ اونچا ہی اور اسی میں سے گنبد کے صحن میں جا پونہچتے ہیں۔ صدر دروازے کی دونوں طرف صدر دیواریں دو محراب دار کھڑکیاں بھی ہیں او احاطے کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک برجی ہی اس میں بھی دو دو کھڑکیاں ہیں لیکن پتھروں سے چن دی گئی ہیں۔ اس طرف کا گنبد کا ضلع سو فیٹ لمبا ہی۔ احاطے کی شمالی دیوار بھی پختہ ہی اس کے دونوں سروں پر برجیاں ہیں اور تیسری دیواریں اس کے علاوہ اور چھ کھڑکیاں تین تین ملی ہوئی ہیں۔ احاطے کی غربی دیوار شمالی رخ کے طرح کی ہی لیکن چوں کہ اسی کے وسط میں مسجد بھی ہی لہذا یہ دیوار کچھ آگے بڑھی ہوئی ہی۔ احاطے کے جنوب رخ کی دیوار جا بجا سے گر گئی ہی اور اس کی بعض کھڑکیاں بھی بند کر دی گئی ہیں باقی حالت شمالی دیوار کی سی ہی۔ گنبد اندر سے بہت پر رونق اور آراستہ ہی۔ اندرونی دروازے کی دہلیز پر بہت کچھ نقش و نگار ہیں اور یہ ہیں یہ کتبہ ہی:۔

امر ببناے ھذہ البقعة المبارکة السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم ظل اللہ فی العالم ذو الامان ... سلطان السلاطین شمس

(بحکم نوٹ صفحہ گزشتہ)

الدین بکار علم است اورا چنداں نصیبے از علم نیست مولانا فخر الدین زرادی عرض کرد کہ اورا در شمس ماہ عالم می کنم بعد ازاں مولانا فخر الدین زرادی تعلیم کرد۔ مولانا برائے او تصریفے تصنیفے کرد اورا عثمانی نام نہاد بعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ ومفصل وقدوری و مجمع البحرین تحقیق کرد بعد از انتقال شیخ سہ سال دیگر تعلیم کرد وبعضے کتب از کتاب خانۂ شیخ وقف بود جا بجا و خلافت نامہ کہ از حضرت شیخ یافتہ بود با خود برد وآں دیار را بجمال ولایت خود بیاراست۔

در باب او نفس شیخ چنیں رفتہ بکلاہ آئینہ ہندوستان ہست۔ ۱۲

الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر التمش السلطان
ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ ابی الفتح محمود نعمہ اللہ یغفر انہ بجوبۃ
جنانہ فی شہور سنہ تسع وعشرین وستمائۃ ۔

اس دروازے میں داخل ہو کر ہم ایک کمرے میں پونہچ جاتے ہیں جس میں سے
صحن کا رستہ نکلتا ہی۔ اس کمرے کی چھت سنگ سرخ کی ہی مگر دیواریں سنگ مرمر
کی ہیں۔ باہر وارے بغلیوں کے دروازے کا جو حصہ نظر آتا ہی وہ درحقیقت
دو چھوٹی چھوٹی کوٹھڑیوں کی مشرقی دیوار ہی جو بڑے کمرے کے ادھر اُدھر ہیں
ان دونوں کوٹھڑیوں کی دیواریں اور چھت سب سنگ مرمر کی ہیں جس میں چار چار
ستون ہیں ۔صحن میں پونہچ جانے کے بعد ایک پٹا ہوا حصہ ہی جس میں چھ
دیوار دوز ستون ہیں اور چھ ستون چھ چھ فیٹ کے فاصلے سے ہیں یہ دالان
دیوار کی ساری لمبائی کی برابر نہیں ہی بلکہ صرف ۴۲ فٹ لمبا ہی۔ اس کے مقابل
میں احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک اور دالان ہی جو شمال سے جنوب کی طرف
جاکر احاطے کی دیوار سے جا ملا ہی۔ ان دونوں دالانوں کے ستونوں میں نگین
ہیں۔ مغرب رخ کے دالان میں چودہ دیوار دوز ستون ہیں جس کی شکل ایک
پست گنبد کی سی ہی جس میں آگے نکلے ہوے نقشین پتھر ہندوانی وضع کے
لگے ہوے ہیں۔ اسی دیوار کے بیچوں بیچ ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہی۔
اس مسجد کے دونوں طرف سنگ مرمر لگا ہوا ہی باقی لال پتھر ہی۔ مسجد کی دونوں
جانب دو دالان سنگ مرمر کے ہیں جن میں بارہ ستون ہیں۔ ان کا جو حصہ مسجد
کے محاذی ہی سنگ مرمر کا ہی باقی سنگ سرخ کا ۔ ان دو دالانوں کے سوا سنگ مرمر
کے چار ستون بطور مسجد کے مکبر کے ہیں ۔ اس طرح مسجد میں سنگ مرمر کے سات
ستون ہوے تین تو دروں کے سامنے اور دو دو ادھر اُدھر ۔مسجد دس فیٹ مربع
ہی۔ چھت مثمن شکل کی سنگ سرخ کی قبہ نما ہی ۔ چبوترا چھوڑ کر گنبد ۱۴ فٹ اونچا چونے گچ
کا بنا ہوا ہی ۔ مسجد کی دیواروں اور محرابوں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہی اور مختلف اقسام
کے طغرے آیات قرآنی کے منقوش ہیں ۔ مغربی جانب کے احاطے کی دیوار کی
کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں ۔ جنوبی رخ کی دیوار کے اندرونی رخ پر بیچ میں محراب

ہلاسے ۔ نے کے طاق بنے ہوئے ہیں ۔ شمالی دیوار میں کوئی خاص بات نہیں ۔ احاطے کے چاروں کونوں پر جو نوک دار برجیاں ہیں وہ ہندوانی وضع کی ہیں ۔ ناصر الدین کی قبر ایک پست ہشت پہلو غار میں ہی ۔ اس غار میں ستون کھڑے کر کے بڑی مضبوطی سے پاٹ کر چھت پر ہشت پہلو چبوترہ ۷ ½ فٹ × ۴ فٹ اونچا بنا دیا ہی ۔ یہاں کوئی روشن دان نہیں ہی اور تہ خانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہی ۔ اس تہ خانے میں تیرہ سیڑھیاں اُتر کر جانا پڑتا ہی جو چھبیس فیٹ عمیق اور اٹھارہ فیٹ چوڑا ہی جس میں سنگ خارا لگا ہوا ہی ۔ اس چھت کی سنبھال کو چودہ ستون لگائے ہیں جن میں سے آٹھ ٹھہرے ستون تو دیواروں سے لگے کھڑے ہیں اور چار اکہرے ذرا دیوار سے الگ ہیں ۔ یہ ستون سلطان التمش کے زمانے کے ہیں ۔ اس تہ خانے کے ہشت پہلو اضلاع میں سے ہر ضلع میں دو دو طاق ہیں ۔ تہ خانے کا عمق ۱۶ فٹ ہی جو بلحاظ طول و عرض ۲۵ فٹ ۹ انچ مربع ہی مگر ساخت اس کی ہشت پہل ہی ۔ داخلی دروازہ جس کو کھڑکی کہنا چاہیئے جنوب کی طرف ۲ فٹ ۹ ۔ انچ اونچا اور صرف دو فیٹ چوڑا ہی ۔ اوپر چبوترا ہشت پہل ہی جس کا ہر ضلع ۱۰ فٹ ۔ ۴ ۔ انچ ہی ۔ اندر چار قبریں ہیں چونے گچی کی جن پر عرس کے موقع پر جو ۱۷ ۔ ۱۸ ۔ ذی قعدہ کو ہوتا ہی سفیدی کر دی جاتی ہی ۔

(۱) ۹ فٹ ۔ ۷ انچ × ۶ ½ فٹ طول و عرض ۔ ۵ فٹ ۔ ۴ ۔ انچ بلندی یہ سلطان غاری کی قبر ہی جو سب سے بڑی اور تہ خانے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہی ۔

(۲) ۸ فٹ چار انچ × ۵ ۔ بلندی ۴ فٹ ۔ اسی کے بائیں ہیں ۔

(۳) ایک چھوٹی سی قبر سیڑھیوں سے ملی ہوئی کسی بچے کی ۳ فٹ ۔ ۹ انچ × ۲ فٹ ۱ فٹ ۔ ۷ ۔ انچ بلند ہی ۔

(۴) ۷ ½ فٹ × ۷ فٹ ۔ ۲ ۔ انچ ۔ بلندی ۳ فٹ ۔ ۸ ۔ ۱ انچ ۔

مسجد کا ذکر اوپر آ چکا ہی صرف اس کا پیش طاق رہ گیا ہی ۔ سلطان غاری کی قبر گویا اسی مسجد کے صحن میں ہی ۔ یہ سارا پیش طاق سنگ مرمر کا ہی جس پر پہلے کلمہ ادھر اُدھر الله الله پھر وَاَنَّ المساجد لله فلاتدعوا مع الله احدا اُس کے نیچے الله ۔ اس کے گرد خط کوفی میں آیات ہیں جو پڑھی نہیں جاتیں پھر

(۱) اِنَّ اَوَّلَ بَیتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ تا فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(۲) خط کوفی ۔ سوائے بسم اللہ کے کچھ پڑھا نہیں جاتا ۔

(۳) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا تا وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللّٰہِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔

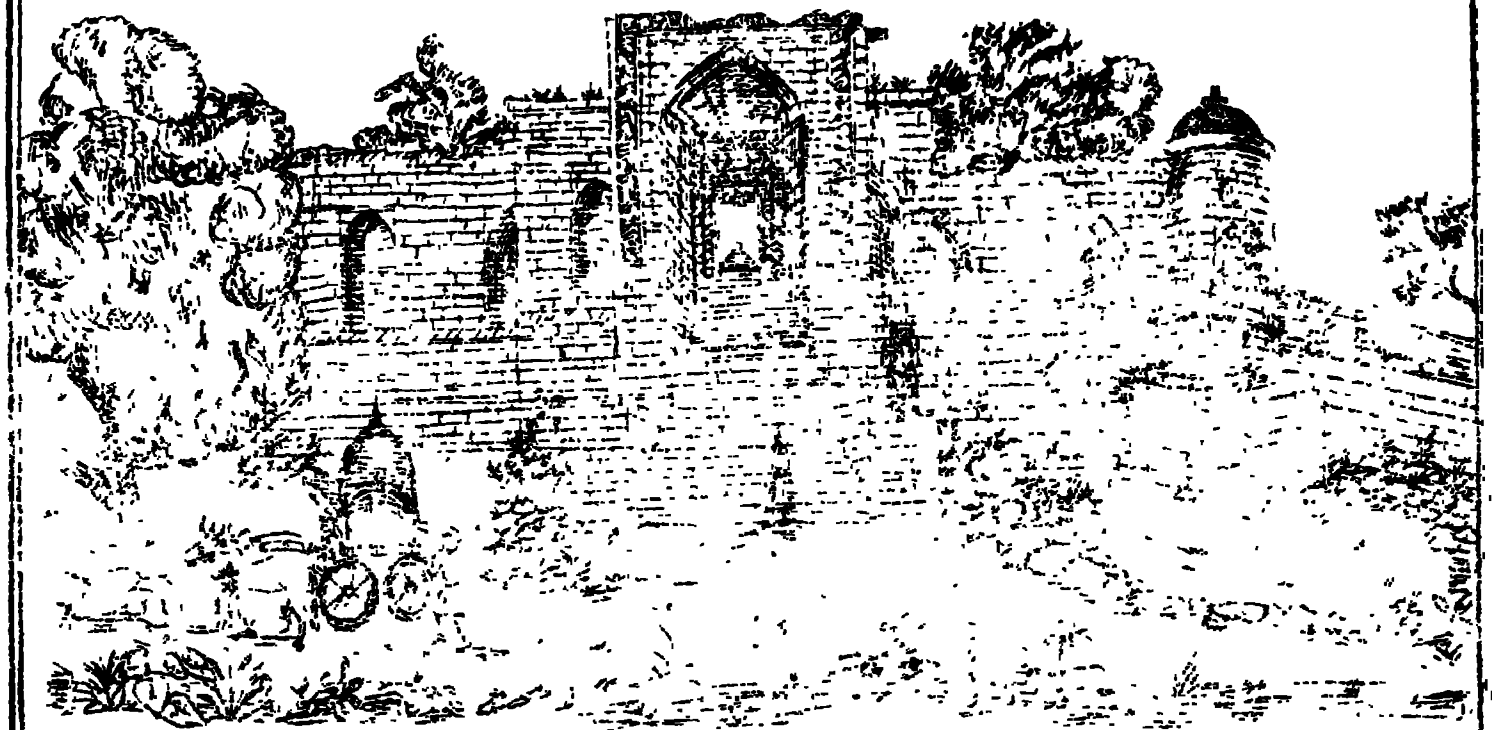
ستون سنگ مرمر کے ہیں ۔ فرش گچ کا ہی پہلے سنگ مرمر کا تھا جس کی سلیں کہیں کہیں باقی ہیں ۔ پیش طاق کا قطعہ ۱۵ فٹ ۔ ۷ انچ × ۱۲ فٹ × ۲ ۔ انچ ہی ۔ حصہ مسجد کے چھوڑا دھر چھ اُدھر بیچ میں پیش طاق ہی ۔ صحن مسجد ۹۶ × ۹۶ ہی ۔ دالان کا مسقف حصہ ۲۶ × ۲۶ ½ ۔ پیش طاق کے آگے سنگ مرمر کے چار ستونوں کا برآمدہ ہی ۔ کمپونڈ وال دس فیٹ اونچی ہی جس میں طاق طاق ہیں اس پر چڑھنے کا بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہی ۔ اس احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں ۔ مسجد کے صحن کے سامنے مشرق رویہ ایک بیچ درہ ہی جس میں صدر دروازہ ہی اور جس کے اِدھر اُدھر دو دو در ہیں ۔ سات سیڑھیاں اُتر کے صدر دروازے میں پہونچتے ہیں ۔ ان سیڑھیوں میں ایک سنگ سرخ کی ہی ایک سنگ مرمر کی ۔ صدر دروازہ شرقی پٹ چونی ہیں مگر بعد کے ۔ صدر دروازے کے ہر دو جانب بغلی ہیں ایک ایک درہ ۶ فٹ ۔ ۱۰ انچ مربع ہی ۔ صدر دروازے کی سیڑھیاں بیس ہیں ۔ دروازے کی محراب کی بلندی ۲۲ فٹ ۔ کنگورا دو فیٹ ۔ چبوترا ۴ فٹ ۔ ۹ انچ ۔ جملہ ارتفاع ۲۸ فٹ ۔ ۹ ۔ انچ ۔ چوڑائی دروازے کے بیرونی حصے کی ۱۰ فٹ ۔ ۵ انچ ۔ اندر سے چوڑائی ۵ فٹ ۔ ۸ انچ ۔ بلندی اندر سے ۸ ½ فٹ ۔ صدر دروازے کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہی جس کے چاروں طرف کتبے ہی کتبے ہیں ایک کتبہ تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں باقی یہ ہیں :۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اِنَّمَا یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر تا اَنْ یکونوا مِنَ المہتدین ۔

(۲) خط کوفی کا وہی کتبہ جو اوپر لکھا گیا ۔

(۳) بسم اللہ اور آیۃ الکرسی تا ہم فیہا خالدون ۔

ہشت درہ | سلطان غاری کی درگاہ سے جنوب رخ سے ملا ہوا سنگ غار کا



نقشه دروازه سلطان محمود غوری غازی

ایک کھلا ہوا ہشت درہ ۱۷ فٹ قطر کا ہے۔ فرش باقی نہیں رہا قبر کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ دروں کے سردل بوجہ سے سب تڑخ گئے اس سبب سے ہر ہر در میں ایک ایک فیل پایہ کھڑا کر کے چھت کو اڑواڑ لگا دی ہے جس سے چھت تھم گئی ورنہ کبھی کی گر جاتی۔ آٹھ اصلی در سنگ خارا کے نو فیل پائے نو احداث اب اس طرح سترہ در ہوئے۔ ہشت درہ ہشت پہلو عمارت ہے جس کے گرد سلتوان کا چوڑا چھجہ تھا جو جابجا سے گر گیا ایک آدھ سل رہ گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کا مقبرہ ہے۔

منہدمہ مکانات سلطان غاری کا مقبرہ ویرانہ میں نہ تھا جیسا کہ اب ہو گیا ہے آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا یا یہ کہ اس گنبد کی وجہ سے آبادی ہو گئی ہو بہر حال اس کے چو طرف دو۔ دو رعمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں۔ گنبد کے پاس ہی دو بڑے بڑے احاطوں میں مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں کی صرف چار دیواریاں رہ گئی ہیں۔ ایک چھوٹی مسجد بھی تھی جس کی صرف غربی دیوار رہ گئی ہے باقی گر گئی۔

بڑی مسجد اور ایک بہت بڑی مسجد غار کے مشرق میں ہے جس کی پشت غار کی جانب ہے۔ یہ مسجد پنج دری تہرے دالانوں کی ہے۔ باہر والے دالان کا شمالی رخ کا ڈیڑھ گنبد گر گیا ہے۔ مسجد کا طول ۶۰ فٹ اور تینوں دالان ملا کر چوڑان ۲۹ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۱۰ فٹ ۳ انچ ہے۔ تینوں دالانوں کے کل در پچیس ہیں۔ فرش اور منبر باقی نہیں رہا۔ یہ مسجد سنگِ خارا اور چونے کی ہے۔

دو محلوں کے کھنڈر اوپر والی مسجد کے سامنے ایک بڑے عالیشان اور وسیع محل کی چار دیواری کھڑی ہے جس کے اندر دالانوں کمروں کوٹھڑیوں کی دیواریں کھڑی مکان کی پوری حیثیت

شان اور وسعت بتلاتی ہیں صرف چھت نہیں ہے۔ صحن بھی وسیع ہے جس کے چاروں طرف دالان اور پیش دالان تھے۔ اس سے ملا ہوا شمال کی جانب ایک اور محل ہے جو سارے کا سارا گر گیا اب صرف ٹلے چھت کا ایک دالان رہ گیا ہے جس کے تین در کھڑے ہیں اور ادھر ادھر بغلی حجروں کی دیواریں۔ یہ دونوں محل بھی سنگ خارا اور چونے کے ہیں۔ باقی چھوٹے موٹے گرے پڑے مکانوں کا کچھ شمار نہیں۔

غرض یہ کہ سلطان غاری کا مزار جس طرح اب ویرانے میں ہے کہ انسان کا نام نہیں اکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے پہلے اس کی یہ حالت نہ تھی بلکہ گنجان آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا۔

رکن الدین فیروز شاہ اور معز الدین بہرام شاہ کے مقبرے ۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء

بس نامور بزیر زمین دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمین یک نشان نماند
واں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

رکن الدین فیروز شاہ سلطان شمس الدین التمش کا بیٹا تھا جو باپ کی جگہ شعبان ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء میں تخت پر بیٹھا۔ وہ تو ملک اعزاز الدین حاکم ملتان کی تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے امرا و ارکان سلطنت نے سازش کر کے بہن سلطان رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر عجالۃً دلی واپس آیا۔ یہاں آکر دیکھا بساط الٹ گئی تھی۔ کلوکھری کے میدان میں لڑائی ہوئی گرفتار ہوا اور قید میں ہی ۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء میں مر گیا۔ اس نے صرف ۶ ماہ ۲۸ یوم سلطنت کی۔ مرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے مقبرے کے قریب ہی موضع ملک پور میں ایک دوسرے گنبد میں دفن کیا گیا۔ رضیہ بیگم کے بعد ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ / ۱۲۴۰ء میں بروز شنبہ معز الدین بہرام شاہ سلطان التمش کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا۔ وہ سوا دو سال ایک مہینے دو دن ہی سلطنت کرنے پایا تھا کہ نظام الملک مہذب الدین اور دوسرے امرا نے بادشاہ کو

دلّی میں محصور کر لیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخر کار بادشاہ کو پکڑ کر ۸ ذی قعدہ ۶۳۹ھ؁ میں مار ڈالا اور وہ بھی یہیں ایک گنبد میں دفن کیا گیا۔

شربت سلطنت و جانِ جہاں شیرین است
کہ شہان از پیٔ او خونِ برادر ریزند
خونِ آزادہ دلاں راز پیٔ ملک مریز
کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

رکن الدین کا مقبرہ معزالدین بہرام شاہ نے ۶۳۹ھ؁ میں بنوایا اور معزالدین بہرام شاہ کا مقبرہ علاءالدین مسعود شاہ پسر رکن الدین فیروز شاہ نے ۶۴۴ھ؁ میں بنوایا۔ سرسید دونوں مقبروں کی تعمیر میں ایک سال کا آگا پیچھا بتلاتے ہیں لیکن یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکتا کہ رکن الدین کا مقبرہ کون سا ہے اور بہرام شاہ کا کون سا۔ اسی واسطے دونوں کا ذکر یکجائی طور پر کیا گیا ہے۔ دونوں گنبد ساخت میں بالکل ایک ہی وضع قطع کے ہیں۔ ان کے گنبدوں میں پتھر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن کے اوپر استرکاری ہے۔ گنبدوں میں آٹھ در ہیں۔ ہر گنبد کے گرد ایک چھوٹی سی سنگ بست پست چار دیواری ہے جس کے مشرقی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ گنبدوں کے اندر اب کوئی قبر باقی نہیں ہے نہ کوئی کتبہ ہے۔ اگرچہ مہرولی کے گائیڈ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں کا مقبرہ ہے وہ فلاں کا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہم کسی گنبد کو کسی ایک شخص سے مخصوص کر سکیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ دونوں گنبد التمش کے بیٹوں اور دونوں بھائیوں کے ہیں۔ ان گنبدوں کے ستون تو کسی قدیم عمارت کے معلوم دیتے ہیں اور گنبد اس کے بعد کے بنے ہوئے نظر آتے ہیں مسٹر ڈرلیٹ ان گنبدوں کو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے کہتے ہیں کیوں کہ ان گنبدوں کی وضع قطع اہل ہنود کے قدیم زمانے کے گنبدوں سے مختلف ہے چنانچہ انھیں کے بھائی سلطان غاری کے گنبد کو ہی دیکھ لیجیے

جو یہیں پاس کے پاس کھڑا ہی اور جس کی وضع ان سے بالکل الگ ہی دور
صاف طور پر یہ گنبد زمانہ مابعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اوپن
پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جو خاص کر فیروز شاہی طرز تھا البتہ پتھر کی نئی نئی
سلیں جو ستونوں کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُس زمانے کی نہیں معلوم دیتیں
مسٹر بگلر ان گنبدوں کو مسلمانوں کی ایک معمولی طرز کی عمارت بتلاتے ہیں
کیونکہ سلطان التمش کے زمانے سے مسلمان اس طرز سے واقف ہو چکے تھے
مسٹر بگلر نے ان مقبروں کی مرمت جو فیروز شاہ نے کرائی تھی اُس کا کچھ ذکر ہی
نہیں کیا۔ خود فیروز شاہ نے تاریخ میں لکھا ہی کہ "مقبرہ سلطان معزالدین پسر
سلطان شمس الدین جو ملک پور میں ہی بالکل گر پڑا تھا حتیٰ کہ قبر کا نشان تک باقی
نہ رہا تھا۔ میں نے گنبد چبوترے اور احاطے کی تعمیر از سر نو کرائی سلطان
رکن الدین پسر شمس الدین کے مقبرے واقع ملک پور کے احاطے کو میں نے
بنوایا۔ نیا گنبد طیار کرایا اور ایک خانقاہ بنوائی"

تیسرا باب قطب صاحب سے تغلق آباد

پانچ میل کا فصل ہی۔ سیدھی سڑک ہی۔ رستے میں لاٹ سے نکلتے ہی لاڈو سرائے ملتی ہی پھر داہنی طرف دو میل چھ فرلانگ پر سیدالعجائب کی بستی ذرا سڑک سے ہٹی ہوئی۔ ساڑھے تین میل پر خانپور چوتھے میل پر تگلری یہ دونوں گاؤں بھی سڑک کی سیدھی طرف ہیں اس کے بعد قلعہ تغلق آباد بائیں طرف تغلق شاہ کا مقبرہ داہنی طرف آگے تغلق آباد کی بستی۔ قلعہ سے تین میل آگے بدرپور ہی اور یہیں تغلق آباد نام کا ریلوے سٹیشن ہی جو قلعہ سے چار میل اور دلی سے براہ ریل بارہ میل ہی۔

حضرت قطب صاحب کا چلہ

لاٹ سے چلتے ہی پہلے حضرت قطب صاحب کے چلے کا متبرک مکان ملتا ہی جو بالکل سڑک کے کنارے داہنی طرف ہی

اور لاڈو سرا سے بائیں طرف - یہ ایک لداوی چھتے نما مکان ہے تین در کا ۵×۲۲×۸ فٹ بلندی محراب ۶ فٹ - تینوں حجرے الگ الگ ہیں پہلا حضرت باباصاحب فریدالدین گنج شکر کا چلہ ہے دوسرا حضرت قطب صاحب کا اور تیسرا خالی - چلۂ شریف کے سامنے کا صحن ۲۰×۴۰ فٹ مربع ہے - شمال کی جانب مسجد کا ایک چبوترہ ہے - تین درخت نیم کے ہیں - حضرت قطب صاحب کے چلے کے در میں آہنی سلاخیں لگادی گئی ہیں - اس احاطے کے دو دروازے ہیں شمال میں ایک دوسرا جنوب میں دونوں کو لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں - احاطے کی دیوار گیارہ فیٹ بلند ہے -

لاڈو سرائے عرف چنڈال پور

چلۂ شریف سے دو سو قدم پر بائیں طرف لاڈو سرا کی بستی ہے لوگ اسے خدا جانے کیوں چنڈال پور بھی کہتے ہیں - اس نواح میں سرائے کے نام پر بہت سی بستیاں ہیں مگر سرائے کسی میں بھی نہیں

شیخ شہاب الدین کی مسجد

یہ ایک بہت بڑی سہ دری قناتی مسجد ایک وسیع احاطے کے اندر ہے - دیوار پر برجیاں اور کنگورے بنے ہوئے ہیں - خواجہ شہاب الدین کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے - مسجد کے بڑے احاطے کے اندر ایک چھوٹی سی چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں - پیلو کے درخت کے نیچے دو قبریں ہیں جن پر زمانہ حال میں کتبے نصب کیے گئے تھے جو کسی وجہ سے اکھاڑ دیئے گئے - اسی احاطے میں ذیل کی قبوریں :-

(۱) مولانا شہاب الدین امام اول سلطان المشائخ - آپ شیخ فریدالدین قدس سرہ کے فرزند تھے علوم وفنون وفضائل سے آراستہ -

(۲) رکن الدین[1] امام دوم ایضاً

(۳) شیخ مشو ویک (۴) فریدالدین[2] چاک پراں -

---

[1] شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤ الدین صاحب (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

(تتمہ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

سجادہ نشین بہاؤالدین است - در مقالات صوفیہ کہ یکے از مریدان ایشاں تصنیف کردہ است ذکر او بسیار می کند و در مجمع الاخبار می نویسد من ملفوظاتہ فی بعض رسائلہ الی بعض المریدین معزآب عزیز باد کہ مجموع آدمی عبارت است از دو چیز صورت و صفت و حکم مر صفت راست نہ صورت را اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِن یَّنظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُمْ (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو) اما ظہور حکم صفت بر سبیل تحقیق جز در دار آخرت صورت نہ بندد و چوں آنجا حقائق اشیا ظاہر گردد و ایں صورت متلاشی شود و ہر کس را در صورتیکہ ملائم صفت او باشد حشر کنند چنانچہ بلعم باعورا با چنداں طاعت در صورت سگے برانگیزند فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الْکَلْبِ (اس کی مثال کتے کی سی ہے) و ہمچنیں صاحب ظلم و تعدی خویشتن را در صورت گرگے بیند و صاحب کبر در صورت پلنگے و صاحب بخل و حرص در صورت خوکے فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ (جو پردہ تیری آنکھوں پر تھا اب ہم نے تیرے (اس) پردے کو تجھ سے ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز (معلوم ہوتی) ہے- و ایں باشد و تا آں گاہ کہ مردم ازیں اوصاف ذمیمہ تزکیہ نیابد ہنوز در اعداد بہائم و سباع است اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ہُمْ اَضَلُّ (یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہوئے) و تزکیہ نفس حاصل نشود مگر بالتجا و استعانت حضرت عزت وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور یوسف (علیہ السلام) نے کہا میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا کیونکہ نفس تو برائی ہی سکھاتا ہے بجز اس کے جس پر میرا پروردگار رحم کرے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے) تا فضل و رحمت او دست گیری نکند تزکیہ حاصل نشود لَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا[1] – علامت ظہور آں فضل و رحمت آنست کہ او را عیوب نفس خود بینا کند و پرتوے از انوار معرفت الٰہی کہ ہمہ ملوثات و زیب آں متلاشی است بر درونش او بتابد تا ہمہ دنیا و بزرگی ہائے آں در نظر او خاک بود و اہل آں را در دل وے ہیچ شکوہ نماند چوں ایں حالت بر درونہ مستولی گشت ہر آئینہ از اوصاف ذمیمہ کہ ارباب دنیا بداں گرفتار اند او را نفرت آید و خواہد کہ بجائے آں اوصاف اخلاق ملکی روے نماید چنانچہ بجائے ظلم و غضب و کبر و بخل و حرص ہمہ عفو و حلم و تواضع و سخاوت و ایثار پدید آید و ہنوز ایں معاملت طلاب عقبیٰ راست کار طالبان حق بالاتر ازیں است تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کے سے اخلاق اختیار کرو) ایشاں را مسلم است نہ ہر کس بداں رسد

عہدیست مرا مرا کہ نگیرم بجز تو دوست
شرطیست مرا مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

و نیز در مجمع الاخبار می گوید کہ شیخ رکن الدین در بعضے رسائل خود کہ بہ بعضے مریداں فرستادہ نوشتہ است

[1] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (و صاف) نہ ہوتا۔ بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ

وقتے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می فرمود کہ ہرگز من با کسے نیکوئی و بر کسے بدی نکردہ ام حاضران آن مقام ازاں کلام تعجب تمام نمودند و گفتند یا امیر المومنین شاید کہ بدی بر کسے از شما در وجود نیامدہ باشد فاما در نیکی چہ می فرمایند فرمود حق جل و علا می فرماید[1] مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا پس ہر نیکی و بدی کہ از من صادر و حادث شدہ باشد در حقیقت برائے خود و بر خود بودہ بر دیگرے - من وصایا الشیخ متابعت بر اعمال آنست کہ جوارح را از مناہی و منکارہ شرعی قولاً و فعلاً بند کند و از مجلس نالیعنی پرہیزد و ہر چہ طالب را از حق مشغول کند مالایعنی وقت اوست و از صحبت بطالاں احتراز کند و ہر کہ طالب حق نیست بحقیقت بطال است - در مجمع الاخبار می نویسد کہ روزے سلطان شہید غیاث الدین الغو شاہ را مولنا ظہیر الدین لنگ پیچ کہ وقتے از کرامات شیخ معائنہ کردہ مولنا گفت دیدہ ہمہ خلق را دیدم کہ براسے عالم بوس جمع کردہ ام در خاطر من گزشت مگر خواست شیخ تغیر وارد من ہیز دانشمندم ہیچ کس بمن توجہ نمی کند باید از خدمت شیخ بروم ایں مسئلہ از خدمت ایشاں بپرسم کہ حکمت در سنت مضمضہ و استنشاق چیست چوں شب بخفتم در واقعہ دیدم حضرت شیخ حلوا و حلق من می کند چنانچہ تا روز شیرینی آں را واجد بودم فکر کردم کرامت بچنیں است شیطان ہمچنیں عوام را از راہ می برد پگاہ تر می باید رفت و مسئلہ باید پرسید چوں پگاہ بخدمت شیخ آمدم فرمود منتظر شما بودم بعدہ سخن آغاز کرد کہ جنابت بر دو نوع است جنابت اول و جنابت تن - جنابت تن از صحبت با زن حاصل شود و جنابت دل از صحبت ناہموار - جنابت تن پاک بآب شود اما جنابت دل بآب دیدہ محو گردد و بعدہ فرمود کہ آب را سہ صفت باید تا مطہر افتد و مزیل جنابت باشد و آں سہ صفت لون و طعم و ریح است لہذا شرع شریف مضمضہ و استنشاق و وضو مقدم فرمود تا طعم بمضمضہ تحقیق شود و بو بر استنشاق باز فرمود کہ شیطان حیلہ گر صورت بمی نتواند شد بصفت شیخ حقیقی ہم نتواند شد زیرا کہ او را متابعت کامل نیست حاصل می شود و بعدہ فرمود مولنا ظہیر الدین از علوم قالی مالی است اما از علوم حالی خالی است - شیخ در زمان سلطان قطب الدین بن علاء الدین بدہلی تشریف آوردہ بود - شیخ نظام الدین دراں زمان بر مسند ارشاد و تربیت جا داشت برائے استقبال او از مقام خود تا حوض علائی رفت چوں مجلس سلطان قطب الدین را بحضور شریف خود مشرف ساخت پرسید کہ کدام کس از اہل شہر شما را اول استقبال کرد فرمود کسیکہ بہترین اہل شہر است و سلطان را با شیخ نظام الدین نقارے درمیاں بود بعضے گویند کہ مقصود او از طلبیدن شیخ رکن الدین رغم و کسر شیخ نظام الدین بود و

[1] جو نیک عمل کرتا ہے تو اس کا پھل دیکھے گا اپنے اور جو بدی کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ۱۲ (ترجمہ ذات برحضور ... بندہ)

شیخ مخدوم حیدر کا مقبرہ لاڈو سراے کے پاس ہی سڑک کی داہنی طرف ایک معمولی سا گنبد ۱۹ فٹ مربع شیخ مخدوم حیدر کسی بزرگ کا ہے جن کو حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک ہی چھوٹا سا دروازہ اور اندر ایک ہی قبر ہے۔ آپ کا عرس دلی کے صابن گر لوگ کرتے ہیں آپ کے پچھواڑے زیر سما حضرت شاہ طیفور شامی کا مزار ہے۔

سید العجائب یا سید الحجاب اب سید العجائب نام کا گاؤں ہے۔ بعض پڑھے لکھے لوگ صحیح نام سید الحجاب کہتے ہیں حاجب کے معنے تو دربان کے ہیں لیکن حاجیوں کے میر قافلہ ہونے سے اس بزرگ کا یہ نام پڑا ہے۔

(تتمۂ نوٹ بر صفحۂ گزشتہ)
شیخ رکن الدین باین کلمہ رفع توہم او کرد و او را ازیں توقع نا امید ساخت۔ یک بار شیخ رکن الدین در مرض بجہت عیادت شیخ نظام الدین آمد فرمود کہ عشرۂ ذی الحجہ است ہر کس بجہت دریافت سعادت حج سعی می کند من سعی کردم تا سعادت زیارت شیخ المشائخ دریابم۔ بعد ازاں شیخ نظام الدین رحلت فرمود نماز جنازہ را شیخ رکن الدین حاضر شد و گفت کہ ظاہرا حکمت آں کہ مارا سہ سال در دہلی داشتند حصول ایں نعمت بود و در ادنی مدت رجوع بوطن اصلی فرمود۔

سے **شیخ مسعود بک** از اقربائے سلطان فیروز است نام اصلی او شیر خان است مدتے در لباس اغنیا و اہل دولت بود ناگاہ جذبۂ از جذبات حق گریبان گیر حال او شد و بخدمت درویشاں و حلقۂ صحبت ایشاں آمدہ مرید شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام شد۔ بغایت حالت سکر داشت و ہی زمستان بادۂ وحدت و خم شکنان خمخانۂ تمیقت است سخن مستانہ ہی گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت را فاشش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کرد بگویند کہ اشک او بحدے گرم بود کہ اگر بر دست کسے می افتادمی سوخت۔ در علم تصوف و توحید تصنیفات بسیار دارد و دیوان و اشعار دارد و قصائد و غزل و باقی اقسام سخن در کتاب او موسوم بہ تمہیدات ہست اکثر قصائد و اشعار امیر خسرو را جواب گفتہ اگرچہ در بعضے مواضع طریقۂ شاعری نامری ماندہ اما بعضے سخنان متین شاعرانہ نیز آمدہ۔ مراۃ العارفین نیز از تصنیف اوست (از اخبار الاخیار)

سلہ **فرید الدین چاک پراں**۔ آپ کا حال کسی کتاب میں نہیں ملا لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر حالت بہت شدت سے طاری ہوتی تھی اس واسطے آپ کے گلے میں کمہار کا چاک ڈال دیتے تھے مگر اس کو بھی لیکر آپ اڑ جاتے تھے واللہ اعلم بالصواب

کسی کتاب میں آپ کا حال احقر کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس گاؤں میں سوائے ہندوؤں کے مسلمان کا نام نہیں ہے۔ موضع سے بجانب شمال کوئی ایک میل پر ایک اونچے ٹیلے پر ایک پختہ چبوترہ ۱۲۰ فٹ × ۸۰ فٹ کا بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں پانچ قبریں سنگ خارا کی ہیں اور تین چونے کی۔ دو قبروں کے بیچ میں جو ایک قبر ہے اُسے سید العجائب کی بتلاتے ہیں لیکن کوئی کتبہ نہیں۔ چبوترے کے مغربی رخ پر ۹۰ فٹ دیوار ہے جس میں جالیاں بنی ہوئی ہیں جو شکل ایک قناتی مسجد کی ہے۔

آپ گاؤں میں چلیئے تین چھوٹے چھوٹے گنبد برابر برابر ایک ہی لین میں ہیں جن میں گاؤں کے لوگ رہتے ہیں باقی گری پڑی عمارتوں کے کھنڈر ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔ گاؤں کے پچھواڑے ایک دوہری پختہ سہ دری سنگ خارا کی مسجد ۳۱ فٹ × ۱۰ فٹ ۳ انچ ہے جس کے اندروار کو چہ برج ہیں سب کھنڈر ہوئے ہیں سنگ خارا کا ایک بارہ کھمبا مدور بنا ہوا ہے بینڈ سٹینڈ کی طرح کا جس کے اندر تین قبریں ہیں۔ مسجد کے سامنے ایک وسیع صحن قبرستان کا ہے جس میں سنگ سرخ کی تعویذ کی متعدد قبریں ایک ہی کینڈے کی ہیں اور بہت پرانی ہیں جن پر کلمہ طیبہ اور سورۂ اخلاص کندہ ہے اور جن پر خاص کتبے ہیں وہ ہم نقل کر دیتے ہیں:-

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنْ عَبْدِکَ الْمُشْفِقِ عَلٰی نَفْسِہٖ
(۲) بِخَطِیْئَتِہٖ الْمَعْرُوْفِ بِحُرْمَۃِ اَبُوْبَکْرِ بْنِ مَعْرُوْفِ بْنِ وَحِیْدِ الْقُرَیْشِیْ۔
(۱) یَا کَرِیْمَ الْمَعْرُوْفِ یَا قَدِیْمَ الْاِحْسَانِ۔
(۲) اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ۔
(۱) اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اَلدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ... فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ پارہ (۳) سورۂ آل عمران ع
(۲) آیۃ الکرسی پوری۔
(۱) شهد الله انه لا اله الا هو والملائكة واولوا العلم قائما بالقسط تا و هو العزیز الحکیم
(۲) رَبَّنَا رَبَّنَا رَبَّنَا اَنْبِتْهُ فِی الْاِسْلَامِ نَبَاتًا حَسَنًا وَاسْکِنْهُ جَنَّۃً حَسَنًا یَا مُحْسِنَ الْخَلْقِ اَحْسِنْ اِلَیْهِ وَاجْعَلْهُ بَعْدَ مَوْتِهٖ حَسَنًا۔

نام کے لحاظ سے یہ قبریں عربوں کی معلوم دیتی ہیں اور وضع قطع بہت پرانی ہے چنانچہ موضع خوجہ لوہر کے دو میول اُن کے مقبرے کے سامنے جو مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے بجنسہ اسی طرح کی ایک قبر ہے۔

قلعہ اور شہر تغلق آباد
از ۷۲۱ھ (۱۳۲۱) تا ۷۲۳ھ (۱۳۲۳)

از بلندیش فرق نتواں کرد
آتش دیدباں ز نور زحل

یہ قلعہ اور شہر دہلی کے جنوب رخ پر چھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ اسی نام کا جی۔ آئی۔ پی ریلوے کا اسٹیشن ہے مگر وہاں سے بھی چار میل کا فصل ہے اور رستہ خراب لہٰذا جانے والے زیادہ تر قطب صاحب ہو کر جاتے ہیں۔ یہ مقام پہلے بلب گڑھ کے راجہ کے علاقے میں تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں راجہ کی بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کر لیا۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس قلعے اور شہر کی بنیاد ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں پڑی اور تکمیل ۷۲۳ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوئی۔ دار السلطنت دہلی کا یکے بعد دیگرے یہ چوتھا شہر تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "پہلا شہر پرانی دلی یہ رائے پتھورا کا قلعہ تھا۔ دوسرا کلوکھڑی یا نیا شہر۔ تیسری سیری اور چوتھا تغلق آباد۔ فرگسن صاحب نہایت واجبی طور پر اس کو "افغان حکمرانوں کا ایک عظیم الشان قلعہ" لکھتے ہیں۔ اس قلعے کی شکل غیر قاعدہ مثمن کی ہے۔ جس کے تین چھوٹے ضلعے مشرق مغرب اور جنوب میں ہیں۔ جن میں کا ہر ایک ضلع تین چوتھائی میل سے کچھ بڑا ہے۔ جانب جنوب اس شکل کا قاعدہ ڈیڑھ میل لمبا ہے جس کے برابر برابر خندق دوڑی ہوئی ہے جو ایک بڑا تختہ آب ہے جس کے جنوب و مشرق کے کونے میں ایک عالی شان کنڈ (بند) باندھ کر پانی کو روک دیا ہے۔ تغلق آباد کا سارا دور چار میل سے صرف ایک ہی فرلانگ کم ہے۔ قلعہ ایک مرتفع پہاڑی ٹیلے پر واقع ہے جو چاروں طرف سے پہاڑی دروں سے گھرا ہوا ہے۔ صرف ایک ہی طرف نشیب ہے جو غالباً خشک شدہ تالاب کا شکم ہے۔ قلعے کی فصیل بڑے بڑے بھاری پتھروں کی ہے جو غیر معمولی جسامت کے ہیں۔ فصیلوں میں

ہیں دو منزلہ برج اور حجرے بنے ہوئے ہیں - اس فصیل میں سب سے بڑا بھاری پتھر جو جنرل صاحب نے دیکھا وہ ۱۴ × ۲ × ۲½ لمبا اور ۲ فٹ × ۱ فٹ – ۱۰ انچ چوڑان میں تھا - جس کا وزن چھ ٹن یعنی ۱۶۸ من سے زیادہ ہوگا - جس پہاڑی پر قلعہ بنا ہوا ہے اُس کا جنوبی رُخ ڈھلوان ہے اس مقام کی فصیل ۴۰ فٹ اونچی ہے - جس میں جابجا بندوق مارنے کی جھانجیاں بنی ہوئی ہیں - جن پر سات فیٹ اونچا کنگرہ رہا ہے - اس اونچی فصیل کے قریب میں ایک اور ۱۵ فٹ اونچی فصیل ہے اور جہاں نشیب آگیا ہے بلندی یکساں کرنے کو فصیل کی بلندی ۹۰ فٹ تک پہنچ گئی ہے - جنوب و مغرب کے کونے میں بالا حصار سارے قلعے کے چھٹے حصے میں ہے اور اسی میں ایک بہت بڑے عالی شان محل کے کھنڈر بھی نظر آتے ہیں - فصیل کے اندرونی رُخ پر لداؤ کے متعدد حجرے ہیں جو بقول جنرل کننگھم قلعے کی فوج کے رہنے کے کوارٹر تھے - فصیل کے بعض بعض برج اب بھی بالکل درست حالت میں ہیں - فصیل کا رُخ اندروار کو مصری عمارتوں کی طرح گاؤدم ہے - قلعے کی وسعت - اس کی نئے انتہا مضبوطی اور جس چیز کو دیکھو نئے انتہا مستحکم اور پائدار - تغلق آباد کی عمارت کی نسبت ایک تعجب خیز عظمت شان و شوکت کا خیال پیدا کرتا ہے (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۱۳) - کیپٹن آرچر لکھتے ہیں کہ "تغلق آباد کو دیکھتے ہی اس کی حالت ظاہری شان و شوکت و عظمت کا ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہوتا ہے کہ میں نے اس سے بڑھ کر اور کہیں نہیں دیکھا - مجھے تعجب ہے کہ پتھروں کے اتنے بڑے بڑے لنڈ (ڈھیم) کیونکر گھڑے گئے ہوں گے اور کس طرح (اوپر چڑھا کر) اپنے اپنے موقع سے لگائے گئے ہوں گے - تھارنٹن گزیٹر میں لکھا ہے کہ "قلعے کی فصیل ایسی عظیم الشان ہے کہ اس کو اگر کبھی کچھ زوال آسکتا ہے تو بجز زلزلے کے اور کوئی حادثہ نقصان نہیں پہنچا سکتا" - فرینکلین صاحب لکھتے ہیں کہ "قلعے کی حفاظت نہایت مضبوطی سے مورچوں اور برجوں سے کی گئی ہے - قلعے کے اندر ہی شاہی محل بھی تھا - خطرے کے وقت شاہنشاہ یہاں ہر طرح محفوظ و مصئون تھا کیوں کہ اس قلعے کی چڑھائی اب تک بھی بہت موڑ توڑ کی اور مشکل ہے - چٹانوں کی ڈھلان کی

وجہ سے وہاں تک پہنچنا ہی متعذر ہے۔ قلعے کے پائیں میں ایک بڑا وسیع اور عمیق تالاب ہے۔ جس سے ساری فوج کو پانی میسر آتا تھا"۔ قلعے کے کھنڈروں پر سے جو اندازہ اس وقت کی عمارت کا کیا جا سکتا ہے اس کی نسبت مسٹر بگلر لکھتے ہیں کہ "صحن کی تین طرف اور بعض جگہ چاروں طرف مکانات ہی مکانات تھے۔ ہر مکان کی چار دیواری کے اندر جانے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ عموماً دروازے کے سامنے ایک دالان ۲۲ فٹ × ۱۲ فٹ ہوتا تھا اور دالان کی دونوں طرف دو دو کوٹھریاں ہوتی تھیں جن کا رستہ دالان اور صحن میں نکلتا تھا۔ بعض جگہ دالانوں کے پیچھے اور بھی متعدد چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں ہوتی تھیں۔ ہر کمرے میں کئی کئی طاق رہتے ہیں لیکن باہر کھلتی ہوئی کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ قلعے کے صدر دروازے کی چڑھائی بڑی سخت اونچی اور پتھریلی ہے۔ چوں کہ قلعے کے اندر کی اکثر عمارتیں منہدم ہو گئی ہیں تو ان کے ملبے سے رستہ اور بھی اٹ گیا ہے۔ یہ چڑھائی ایسی بے ڈھب ہے کہ چڑھتے چڑھتے دم چڑھ جاتا ہے۔ صدر دروازے بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیروں سے پٹے ہوئے ہیں جو پاس کے پاس اسی پہاڑ میں سے تراش لیے ہیں۔ قلعے کے کل تیرہ دروازے ہیں اور بالا حصار کے تین اس کے سوا۔ سر سید جو روایتوں کی بنا پر بیشتر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہر اور قلعے کے ملا کر (۵۶) کوٹ (برج) اور (۵۲) دروازے تھے لیکن جنرل کننگھم کا قول اس کے خلاف ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تغلق آباد میں سات تالاب ہیں اور بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈروں کا تو کوئی شمار نہیں مثلاً جامع مسجد اور برج منڈر[1]۔ جنرل کننگھم صاحب تغلق آباد میں برج منڈر کا ہونا تسلیم نہیں کرتے اور سر سید بھی اس نام کا مندر جہاں پناہ میں ہونا کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے جس کی صراحت اپنے موقعے پر آئے گی۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "یہاں تین بڑی بڑی باؤلیاں بھی ہیں جو اب بھی درست حالت میں ہیں۔ یہاں بڑے بڑے پختہ تہ خانے بھی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس فٹ

---

[1] قلعہ کے ایک برج کا نام شیر منڈل ہے ورنہ تغلق آباد کہاں اور بیجہ منڈل کہاں۔ بیجہ منڈل تو جہاں پناہ کے پاس۔ ۱۲

سطح زمین سے گہرے ہیں۔ شاہی تہ خانے میں چھ مدور کمرے ہیں جنکی چھت محرابوں پر تھمی ہوئی ہے اور چھت میں دو فیٹ قطر کا روشن دان بھی ہے۔ یہ کمرے بیس بیس فٹ قطر کے ہیں جو گرمی میں سرد تہ خانے کا کام دیتے تھے۔ ان کمروں کے ساتھ ۴۰×۲۰ فٹ کے پختہ سنگ بستہ حوض بھی ہیں۔ علاوہ دو باولیوں کے تیسری باولی بالاحصار کے پاس ہے"۔ بالاحصار تو بالکل تباہ اور نرا کھنڈر ہی کھنڈر رہ گیا ہے۔ بالاحصار کے نیچے کا حصہ تو شاید کبھی آباد رہا ہو تو رہا ہو۔ قلعہ جس قدر دور سے بھاری بھرکم اور شاندار عظیم الشان معلوم دیتا ہے اندر جا کر اتنی ہی مایوسی ہوتی ہے کہ بجز ٹوٹی پھوٹی عمارتوں۔ کھنڈروں اور مٹی پتھر کے ڈھیروں۔ ویرانی اور تباہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سیاح جب اس ہیبت ناک نظارے کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے تو پھر عالی شان فصیل سر بفلک مورچوں کو دیکھتا ہے اور اس کی نظروں کے سامنے وہی سماں پھر جاتا ہے کہ اللہ اکبر جس قلعے اور شہر کی بیرونی حالت ایسی پر شوکت و شان ہو اس کے اندر کیا کچھ نہ رہا ہوگا۔ کبھی تو قلعہ تھا اور یہ ایک بڑا بھاری شہر یا ایسی بساط الٹی کہ آج صرف گوجروں کا ایک کم حیثیت گاؤں رہ گیا۔ جس کا نام صرف ان اجڑے پجڑے مکانوں اور کھنڈروں کی بدولت چاردانگ عالم میں مشہور ہے اور دور دور سے لوگ زمانۂ گزشتہ کی شان و شوکت عزت و جبروت کی اس بچی کھچی گری پڑی باقی ماندہ یادگار کو دیکھنے کے لیئے برابر چلے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اور حسرت و افسوس کرتے ہیں کہ فنا کے زبردست ہاتھوں کے سامنے سب خاک ہے۔

؎ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا　　بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

جو بیان قلعۂ تغلق آباد کا اوپر لکھا گیا وہ اس ویرانے کی بہت عمدہ تصویر ہے لیکن بطور فنیشنگ ٹچ (کیفیت مختتم) کے اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ گو قلعے کے متعدد دروازے ہیں مگر سڑک کی جانب جو دروازہ ہے وہ تو بالکل معمولی سنگ خارا کا ہے اور اتنا بلند بھی نہیں کہ اس میں سے ہاتھی جا سکے سیڑھیاں ساری ٹوٹ پھوٹ گئیں قلعہ تک پہنچنا بھی دقت طلب ہے۔ دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد بائیں طرف ایک بڑا عمیق و وسیع گڑھا ملتا ہے جس میں اب زراعت ہوتی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی تالاب تھا جو خشک ہو گیا لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں پہاڑ تھا

اُسی کو کاٹ کاٹ کر قلعے کے لیئے پتھر لیئے ہیں اس وجہ سے یہ گڑھا ہو گیا ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو مگر یہ گڑھا قدرتی طور پر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور ایک بنا بنایا مضبوط اور قدرتی بند کا تالاب ہے - اس کے بعد پھر ایک بڑا دروازہ ملتا ہے اُس کے اندر سے قلعے کی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہیں ایک قلمدان کی چھت کی چھوٹی سی شکستہ مسجد ہے لیکن قلعے کی وسعت اور مکانات کی کثرت کے لحاظ سے بڑی مسجد اور کوئی رہی ہوگی جو ہم کو نہیں ملی - پہلے ہم سب سے اونچے برج پر چڑھے جو شیر منڈل کہلاتا ہے اور اچھی حالت میں ہے اس پر سے سارے قلعے کی عمارتوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں اور دور دور کا نظارہ ہوتا ہے - تعجب ہے کہ قلعے کے اندر کی ساری عمارتیں کیا چھوٹی کیا بڑی سب کی چھتیں گر گئی ہیں چار دیواریاں کھڑی ہیں - دالان پیش دالان کوٹھریاں غسل خانے پاخانے - اندر کے چھوٹے دروازے اور باہر کے بڑے پھاٹک سب موجود ہیں مگر چھت کسی کی نہیں خدا جانے چھتوں پر کیا آفت آئی تھی - مکان چھوٹے معمولی حیثیت کے اور بڑے بڑے محل یکمنزلہ دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ سب قسم کے ہیں بعض جگہ بہت بڑے بڑے محل ہیں بعض جگہ خالی محرابیں کھڑی ہیں - جا بجا تہ خانے بھی ہیں - معمولی حیثیت کے لوگوں کے مکانات بھی ہیں اور امرا کے عالی شان محل بھی - ساری عمارتیں سنگ خارا کی چونے سے بنی ہوئی ہیں اور مکانوں کی وہ کثرت اور پیچ پیچ ہے کہ تل دھرنے کو خالی جگہ نہیں - پہلے ضرور سڑکیں اور رستے ہوں گے مگر اب تو ساری جگہ کو جھاڑیوں اور کانٹوں نے گھیر لیا ہے - مکانات جو گر گئے ہیں اُن کے ملبے اور پتھروں نے رہا سہا رستہ بھی بند کر دیا اور ایسی چپقلش ہو گئی ہے کہ قدم دھرنا محال ہے - فصیل کے بڑے بڑے برج بعض قائم ہیں بعض گر گئے کچھ گر رہے ہیں - فصیل بھی جا بجا سے گر گئی ہے مگر پھر بھی بہت بڑا حصہ قائم و برقرار ہے اسی میں مقررہ فصل سے برج بنے ہوئے ہیں عمارتوں کی موجودہ حیثیت سے نزاکت اور نفاست نہیں معلوم ہوتی - صدر دروازہ بھی بھدا ہے جس میں بڑی بڑی لمبی لمبی کڑیاں لگی ہوئی ہیں اور انہیں کڑیوں کا پاٹاؤ بھی ہے - شیر منڈل کے برج پر سے دیکھو تو دہلی کا سارا شہر اور عمارتیں صاف نظر آتی ہیں - شمال مشرق کی طرف ریل دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے پیچھے اوکھلا

شمال کی طرف کالکاجی کا مندر - درگاہ حضرت نظام الدین کا گنبد - کھوکھری کی ہیلو ستیشن ہمایوں کے مقبرے کا انڈے کی طرح کا سفید سفید خوش نما گنبد - پرانے قلعے کی فصیل کا کچھ حصہ - جامع مسجد کے مینار - لال قلعے کے وائرلس ٹیلیگراف کے اونچے اونچے کھمبے - صفدر جنگ کا مقبرہ - راے سینا کی عمارتیں وغیرہ وغیرہ - اب کم سے کم اتنا چاہیئے کہ قلعے کے اندر کے بکھرے ہوے پتھر ایک طرف کر دیئے جائیں کچھ جھاڑی کٹوا دی جائے کہ ذرا چلنے کا رستہ نکل آئے اب تو بے ٹھوکر کھائے اور ہاتھ پاؤں زخمی کیئے کے دو قدم چلنا مشکل ہی - شیر منڈل کے پاس ایک بہت بڑی منہدمہ باؤلی ہی ۱۱۱ × ۷۰ فٹ - اور ستر فیٹ گہری جو ڈھ گئی ہی اور شکم جھاڑ جھنکاڑ سے اَٹ گیا ہی - یہ باولی سنگ خارا کے بڑے بڑے ڈھیموں سے بنائی گئی ہی اور سنگ خارا کی بندش چوطرف ہی - پہلے سیڑھیاں بھی ہوں گی جن کا اب صرف نشان رہ گیا ہی - باؤلی مستطیل ہی - شمال اور جنوب کے دو طرف کی بندش کی دیواریں کچھ باقی ہیں اور یہی اُس کا طول ہی مشرق مغرب عرض کی دیواریں ڈھ گئی ہیں - یہیں ایک بڑی بھاری لمبی اور گہری سرنگ ہی جو ایک طرف بدر پور روڈ کی جانب قلعہ کے باہر نکل گئی ہی اور دوسرا رخ اُس کا خدا جانے کہاں تک گیا ہی - سرنگ کا ایک دروازہ ہی تھوڑی دور تک دو طرفہ طاق نما حجرے بنے ہوے ہیں مگر تاریکی کے سبب سے اندر جاتے ڈر لگتا ہی - آگے چل کر حجروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہی نری سرنگ چلی گئی ہی جو تھوڑی دور آگے بڑھ کر بیٹھ گئی ہی - سرنگ میں بالکل اندھیرا ہی لالٹین ساتھ ہونا ضرور ہی ہم دیا سلائیاں کھینچ کھینچ کر ٹٹول ٹٹول کر قدم بڑھاتے تھے پچاس سیڑھیاں اُتر کر ہم کھڑکی میں پونہچے - شروع شروع میں تو کچھ اُجالا ہی پھر اندھیر گھپ سیڑھیاں کچھ درست ہیں کچھ شکستہ جو درست ہیں اُن پر بھی روڑے گر کر پاؤں نہیں جمتا - پہلے تو ہم سیدھے چلے آئے اندھیرے کے ساتھ سر پر چٹان بھی آگئی بیٹھ کر گھسٹنا پڑا اب کھڑکی آئی جان میں جان آئی تاریکی سے روشنی کی نعمت پائی - کھڑکی کا پٹ پتھر کی سلوں کا ہی اُس کے پیچھے مٹی اَٹ جانے سے برابر نہیں کھلتا کچھ بھڑا رہتا ہی دبلا پتلا آدمی تو خیر معمولی جسامت کا آدمی آڑا ترچھا ہو کر دب دبا کر نکل جا سکتا ہی مگر موٹے آدمی کا گزر نہیں اب ہم قلعے کے دامن

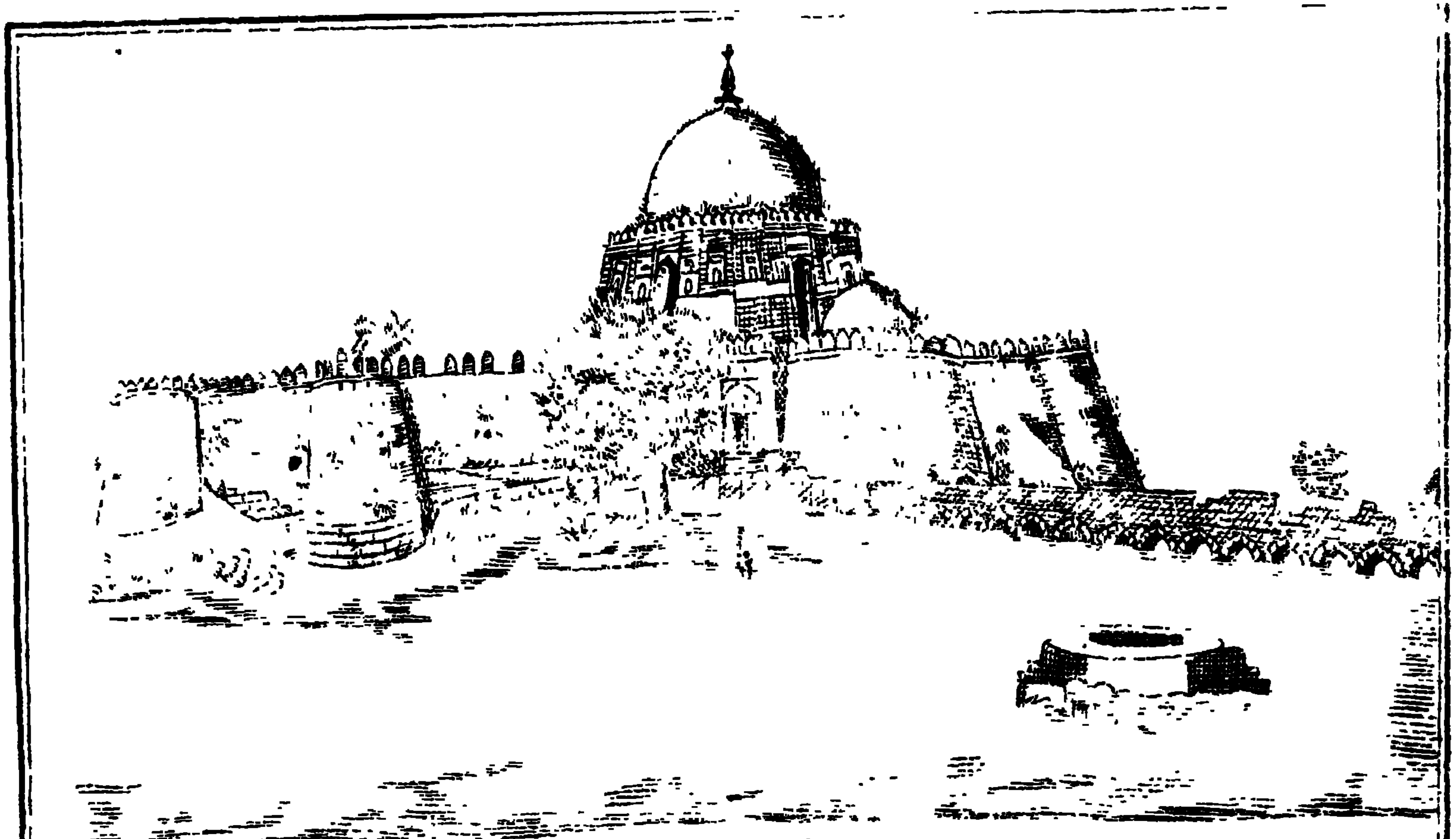
میں آ گئے پھر یہاں سیڑھیاں ہیں جو ٹوٹ پھوٹ گئیں غرض پھسلتے پھسلاتے سڑک پر پہنچے کیونکہ قلعہ بالکل سڑک سے ملا ہوا ہے۔ قلعے کے دروازے اس وقت جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔ چکلا خانہ دروازہ۔ دھوبن دھوبنی دروازہ۔ نیم والا دروازہ۔ علی دروازہ کھڑکی دروازہ۔ ہاتھی دروازہ۔ اندھیری دروازہ۔ بنڈاولی دروازہ۔ راول دروازہ بھسوئی دروازہ۔ کھجور والا دروازہ۔ چوک دروازہ۔ ہوڑی دروازہ۔ لال گھنٹی دروازہ گھنڈ دروازہ۔ طلائی دروازہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ

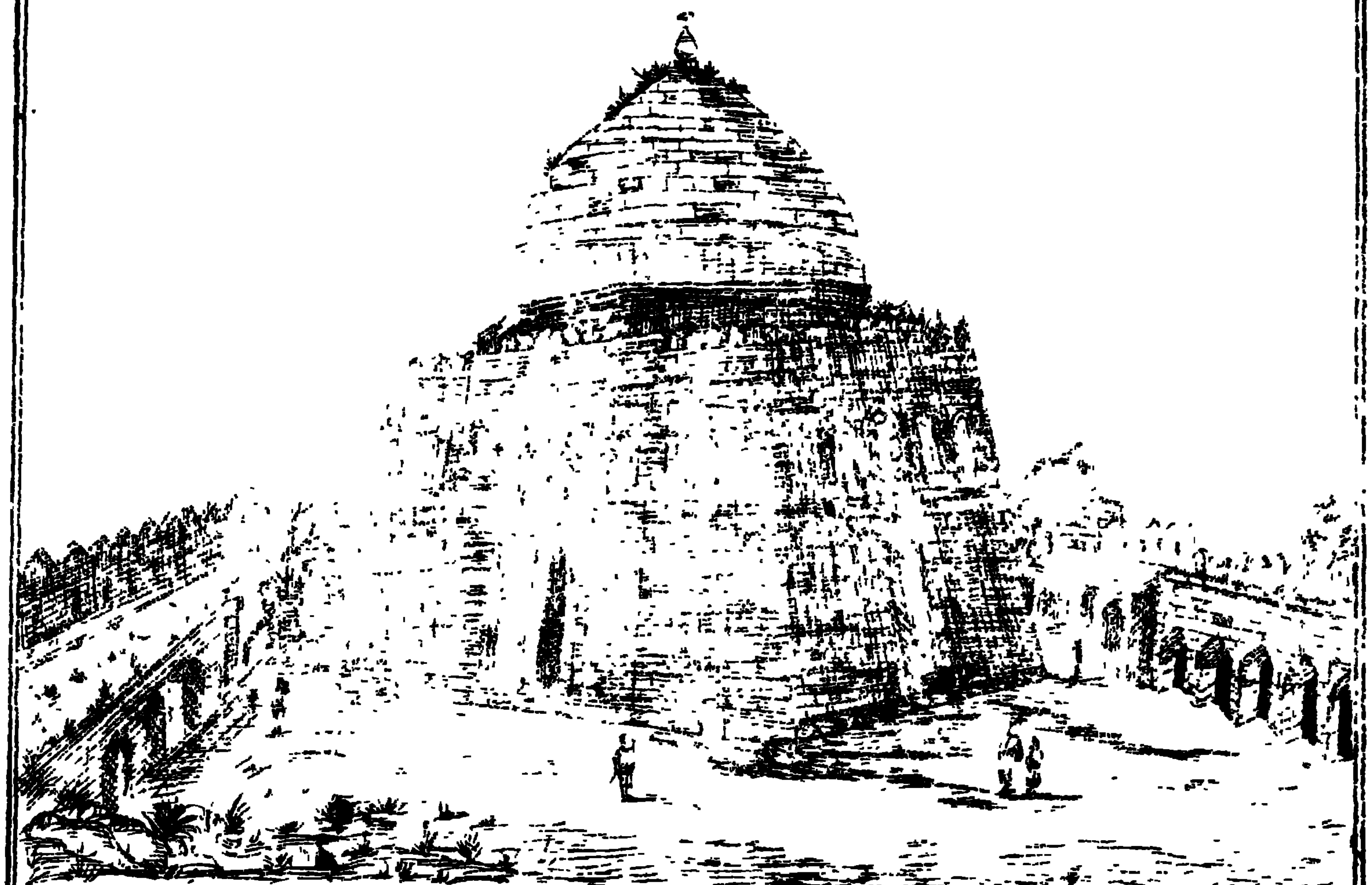
سنہ ۷۲۱-۲۵ ہجری
۱۳۲۰-۲۵ء

این دہر کہ بود مدتے منزل ما
نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نگشت یک مشکل ما
رفتیم و ہزار حسرت اندر دل ما

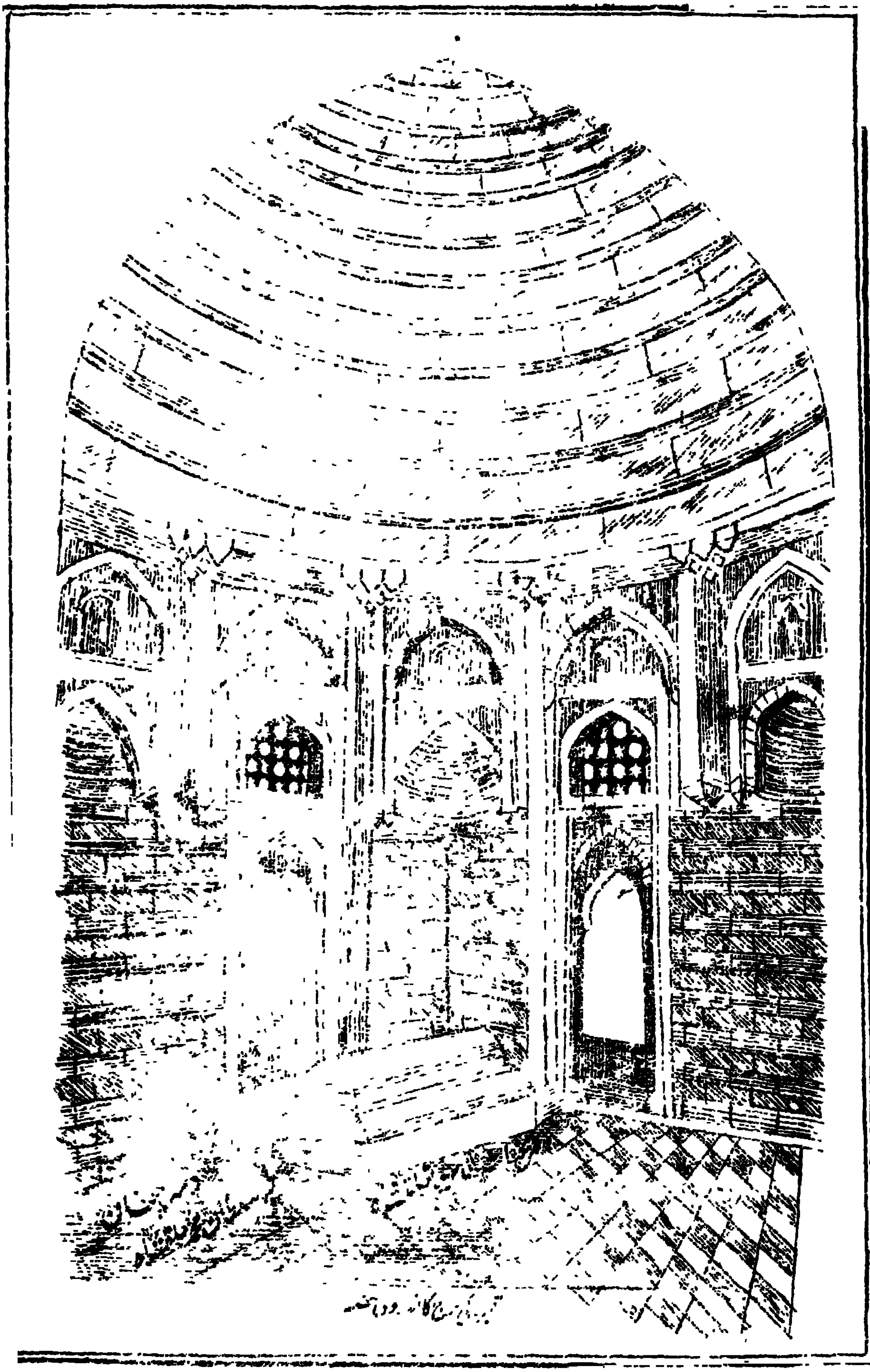
اس بادشاہ کا مزاج عجیب و غریب اور انوکھا تھا۔ لیکن بڑا جفاکش اور جری تھا اس نے مغلوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور پیاپے چار حملوں کا سنہ اس زور و شور اور قتل عام سے پھیرا کہ مغلوں کے پرخچے اُڑ گئے اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ پھر اس بادشاہ کی زندگی تک تو مغلوں نے ہندوستان کا رخ بھی نہ کیا۔ اس بادشاہ کی غایت درجے کی جرأت۔ ہمت اور استقلال کے ڈنکے دنیا میں بج گئے ۷۲۰ھ۔ ۱۳۲۰ء میں بنگالہ پہنچ کر وہاں کے صوبہ دار کی سرکوبی کی اور اس کے گلے میں رسی بندھوا کر گھسیٹتا ہوا دلی بھجوایا اور خود بھی بعد فتح و نصرت دلی کو واپس ہوا وہیں خبر لگ گئی تھی کہ بادشاہ کے غیاب میں چند بڑے بڑے لوگ کہہ رہے ہیں کہ بس اب بادشاہ دلی آ چکا اور نجومی بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں لیکن اس اولوالعزم نے ذرا بھی ان مہملات کی پروا نہ کی اس کان سنا اور اُس کان اُڑا دیا ان بادہوائی باتوں سے ذرا بھی اُس کی ہمت اور استقلال میں فرق نہ آیا حضرت نظام الدین اولیاء بھی بادشاہ سے کچھ بدظن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا رجحان خاطر شاہزادے محمد شاہ تغلق کی طرف زیادہ تھا اور وہی آپ کا مورد عنایات و الطاف تھا۔ بادشاہ کو حضرت کا شاہزادے کی طرف ضرورت سے زیادہ متوجہ ہونا



نقشه مقبره غیاث الدین تغلق شاه



برج مقبرهٔ غیاث الدین تغلق شاه



اور اپنے سے شکاوت ناگوار تھی حکم دیا کہ اُن سے کہدو کہ دلی سے چلے جائیں
اور یہ بھی کہا کہ خیر جس کے دل میں جو آئے کہ لینے دو۔ ذرا مجھے دلی پونچ لینے
پھر دیکھنا کیسی ان سب کی خبر لیتا ہوں۔ آخرالامر بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا
اور یہی معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری دلی کے قریب تک آن پونچی ہے اور اب کوئی دن جاتا ہے کہ
دلی میں داخل ہوگی۔ حضرت کے حلقے کے لوگ بادشاہ کی آمد آمد سن کر گھبرائے
کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور آپ کو ملتان تشریف لے چلنے کی صلاح
دی۔ لیکن آپ کا بھروسہ خدا کی ذات پر تھا اور بڑے کوہ وقار و متانت شعار
تھے اور لم نخشع الا اللہ (ہم سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے) پر
پورا عمل رکھتے تھے۔ ذرا بھی آپ کو ہراس نہ ہوا اور جب آپ نے سنا یہی فرمایا
"ہنوز دلی دور است"۔ آخرکار بادشاہ افغان پور تک آن پونچا جو دلی سے
صرف چھ میل ہے۔ افغان پور ہی میں بادشاہ کے نزول اجلال کے لیئے ولی عہد
نے ایک چوبی محل طیار کرایا تھا جو صرف تین دن میں بنا کر کھڑا کر دیا تھا ۔
ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ "یہ مکان صرف بادشاہ
کی شبا شب استراحت کے لیئے بنوایا گیا تھا تاکہ اس میں شب باش ہو کر صبح کو
جلوس کے ساتھ شاہی سواری دار السلطنت میں داخل ہو۔ بادشاہ کی سواری دوپہر
ڈھلے رونق افروز ہوئی اور اسی محل کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف
بخشا۔ بادشاہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوا۔ امراء و ارکین سلطنت ہاتھ دھونے
کو باہر نکلے کہ اسی اثناء میں بجلی گری اور چھت دھڑام سے آن پڑی۔ بادشاہ اور
اُس کے ساتھ اور پانچ چھ شخص دب کر مر گئے"۔ ابن بطوطہ نے ایک اور ہی روایت
لکھی ہے اور بجلی گرنے کے مقابل میں وہ زیادہ قرین قیاس معلوم دیتی ہے۔ ابن بطوطہ
نے پہلے تو اس عارضی عمارت کا حال لکھا ہے بعد یہ بھی لکھی ہے کہ وہ موقع کا محل
تاک کر ہی ایسی حکمت سے بنایا گیا تھا کہ ذرا سی ٹھیس کے ساتھ دھڑام سے
آن پڑے۔ غرض یہ کہ بادشاہ اسی محل میں اُترا اور لوگوں کی دعوت کی اور لوگ
کھا پی کر جدھر کے اُدھر چلے گئے۔ ولی عہد نے معروضہ پیش کیا کہ ہاتھیوں کا جلوس
نظر انور سے گزرے جو مقرونِ اجابت ہوا۔ بادشاہ کا چہیتا بیٹا محمود بھی ہم رکاب ہی تھا

القصہ جب ہاتھی اُس طرف سے گزر رہے تھے (تو خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا) کہ ایک دم سے محل بیٹھ گیا۔ بادشاہ اور شاہزادہ محمود دونوں اُس میں دب گئے۔ محمد شاہ گھبرایا اور فوراً کدال پھاوڑے وغیرہ لانے کا غل مچایا مگر دربردہ آنکھ مار دی اور شاموں شام تک کسی نے خبر نہ لی۔ شام ہونے کے بعد کہیں کھدائی کی نوبت آئی تو بادشاہ کی نعش اس حیثیت سے نکلی کہ بادشاہ تو اوپر تھا اور شاہزادہ نیچے۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ شاہزادے کو بچانے کے لیئے اوپر پڑ گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا دم نکل گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں زندہ تھا لیکن اُسنے مار ڈالا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ۷۲۵ھ (فروری ۱۳۲۵ء) کو ہوا۔ نعش کو راتوں رات لیجا کر اُس مقبرے میں دفن کیا جو خود بادشاہ نے تغلق آباد میں بنوایا تھا۔ یہ سب چال بازی خواجہ جہاں وزیر کی تھی کیوں کہ وہ محمد شاہ کا طرف دار تھا اور اُسی کی سفارش سے مرتبۂ وزارت کو پہنچا تھا اور اُسی کا کلمہ پڑھتا تھا"۔ ابن بطوطہ نے تو ساری بلا محمد شاہ تغلق کے سر دھر دی اور باپ کے قتل کا مجرم اُسے ٹھیرا دیا اور پہلے سے بھی باپ بیٹوں میں کشیدگی تھی۔ باپ حضرت نظام الدین اولیاء سے صاف نہ تھا اور بیٹا اُن کا حد درجے معتقد اور ہمیشہ اُن کی مجالس میں آیا جایا کرتا چنانچہ حضرت نے بحالت وجد میں تخت وتاج کی اُسے بشارت دیدی تھی۔ ابوالفضل وزیر اعظم اکبر شاہ بالکل اس بات کو بے اصل لکھتا ہی اور وہ لکھتا ہی کہ "محمد شاہ تغلق پر ذرا بھی اشتباہ نہیں۔ چوں کہ محل جلدی میں بنوایا گیا تھا اُس کا گر جانا محض ایک اتفاقی حادثہ تھا"۔ الغرض جب محمد شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو سب سے پہلے وہ حضرت کا قدم بوس ہوا اور جب حضرت کا وصال ہوا تو آپ کے جنازے کو کندھا بھی دیا۔ بقول ابن بطوطہ کے "غیاث الدین تغلق کا مقبرہ خود اُسی کا بنوایا ہوا ہی اور ایسا ہی ایک مقبرہ اُس نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں ملتان میں بھی بنوایا تھا"۔ لیکن قول مرجح ومعتبر یہ ہی کہ یہ مقبرہ محمد شاہ تغلق نے اپنے باپ کی وفات کے بعد برس کے اندر ہی اندر بنوا دیا۔ دارالامان کا ذکر اوپر آچکا ہی۔ یہ وہ محل ہی جہاں بلبن بادشاہ کی قبر ہی لیکن غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی اسی نام سے مشہور ہی۔ فیروز شاہ تغلق جو غیاث الدین تغلق کا پوتا تھا یہ لکھتا ہی کہ "یہ مقام مدفن اصحاب کبار

کا ہے۔ میں نے اس میں صندل کی لکڑی کے دروازوں کی نئی جوڑیاں چڑھوائیں اور بزرگوں کے مزاروں پر شامیانے تنوائے اور پردے ڈلوائے"۔

اس مقبرے کی حالت جو جنرل کننگھم صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھی ہے وہ یہ ہے:- "یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے پیٹے میں بنا ہوا ہے۔ جس میں حوض شمسی کی چادر اور قلعے کے اطراف کے قدرتی نالوں کا پانی جمع ہوتا ہے اور کسی زمانے میں یہ قلعے کی خندق کا کام دیتا تھا جس سے ایک گونہ محافظت بھی تھی۔ جھیل کی بیرونی شکل پانچ ضلعوں کی ہے۔ جو قلعے سے بذریعہ ایک چھ سو فیٹ لمبے محراب دار پست پل سے ملا دی گئی ہے۔ پل کے ستائیس در ہیں۔ مقبرہ مربع شکل کا ہے۔ جو اندر سے ۳۸½ فٹ اور باہر سے ۶۱½ فٹ ہے۔ بیرونی دیواریں کنگورے تک ۳۸½ فٹ اونچان میں ہیں۔ جن میں فی فٹ ۲٫۳۳ انچ کا ڈھلان ہے۔ اس حساب سے ۳۸½ فٹ میں کل ڈھلاؤ ۷½ فٹ کا ہے۔ دیوار کا آثار پائے میں ۱۱½ فٹ ہے جو اوپر جاکر صرف چار فیٹ رہ گیا ہے۔ اتنی بلندی پر صحیح پیمایش کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا مگر جہاں سے گنبد شروع ہوتا ہے وہاں سے آثار چھ یا سات فیٹ کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ گنبد کا قطر اندر سے ۳۴ فٹ اور باہر سے ۴۴ فٹ اور بلندی ۲۰ فٹ ہے۔ گنبد تمام سنگ مرمر کا ہے۔ کل مقبرے کی بلندی (۷۰) فٹ ہے اور کلس جو سنگ سرخ کا ہے ملالیں تو اونچان اسّی فیٹ کے قریب ہو جاتی ہے۔ گنبد کی چاروں طرف چار بڑے بڑے محراب دار چوبیس چوبیس فیٹ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کا داخلی دروازہ جو بڑے دروازے کے اندر ایک اور چھوٹا دروازہ ہے صرف ۵ فٹ دس انچ چوڑا ہے جس کی محراب میں سنگ مرمر کی موٹی جالی لگی ہوئی ہے۔ مقبرہ باہر وار سے مختلف رنگ کے پتھروں سے آراستہ ہے۔ جا بجا سرخ پتھر کے ساتھ سنگ مرمر کے پتلے حاشیے اور کارنس لگانے سے دوبالا رونق ہو گئی ہے۔ محرابیں سب سنگ مرمر کی ہیں اور ایک چوڑا پٹکہ سنگ مرمر کا جہاں سے محرابیں شروع ہوتی ہیں عمارت کے چاروں طرف دوڑا ہوا ہے۔ ایک اور سنگ مرمر کا چوڑا اور گہرا پٹکہ چار فیٹ بلند سیدھی سلوں کا جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہے گرداگرد ہے۔ موجودہ حالت اس مقبرے کی عمدہ اور نفیس رنگ کے پتھروں کی وجہ سے بہت دل خوش کن اور نظر فریب ہے لیکن

زمانے کے امتداد نے کچھ اور نکھار اور روپ اور حسن پیدا کر دیا ہی۔ سنگِ سرخ کا پھیکا اتنا شوخ رنگ جا کر ہلکا پیازی ہو گیا ہی اُدھر سنگِ مرمر کی شفافی اور چمک دمک اوس جلا سے بھی خیرگی دور ہو کر اعتدال آگیا ہی۔ غرض سرخی اور سفیدی کے رنگ میں جو پہلے تباین کلی تھا اب ایک جان و دو قالب ہو کر ایسے مکمل مل گئے کہ اُس میں ایک نئی لطافت اور توافق پیدا ہو گیا ہی۔ مقبرہ مجموعی حیثیت سے فی الجملہ اچھی حالت میں ہی" (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۱۲۶)

جب کہ مستقل مزاج تجربہ کار سورما تغلق شاہ نے (سنہ ۱۳۲۱ع) میں نئی دلی کی جو اُس کے نام سے مشہور ہی بنا ڈالی تو اُسی کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنا مقبرہ بھی بنوایا جیسا کہ عموماً دستور ہی (کہ بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنوا لیتے ہیں)۔ یہ مقبرہ کسی باغ میں نہیں بنایا گیا بلکہ ایک نہایت مضبوط اور محصور قلعے میں ایک مصنوعی جھیل کے اندر بنایا ہی گاؤ دم دیواریں اور مصر کی عمارتوں کے طرز کا مستحکم مقبرہ جو عظیم الشان حصار اور شاندار برجوں کے بیچوں بیچ ہی اس شجیع بادشاہ کے لاثانی مقبرے کی تصویر نظر میں جما دیتا ہی جو بمقابلہ اُس کے مابعد کے ٹھنڈے دل والے امن پسند خاندان کے مقبروں سے جو نفیس اور ہرے بھرے باغوں میں ہیں بالکل ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہی (از ہسٹری آف آرکیٹیکچر فرگسن صاحب جلد دوم صفحہ ۲۰۲)۔ مقبرے کا باہر کا دروازہ بڑا عالی شان سرخ پتھر کا بنا ہوا ہی جس پر تیتیس سیڑھیاں چڑھ کے پہنچتے ہیں۔ احاطے کی دیواروں میں بہت سے حجرے ہیں جو غریب غربا کے آرام کے لیئے بنائے گئے ہیں۔ گنبد میں تین قبریں ہیں۔ بیچ والی قبر سلطان غیاث الدین تغلق کی ہی اور اس کے ادھر اُدھر جو ایک ایک قبر ہی اُس کی نسبت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی ہیں۔ اس پر جو سنگ مرمر کا حظیرہ بنا ہوا تھا وہ خدا جانے اُکھاڑ لیا گیا یا ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ان دو قبروں میں سے ایک تغلق شاہ کے حرم محترم مخدومۂ جہاں کی کہی جاتی ہی اور دوسری محمد شاہ تغلق فرزندِ غیاث الدین تغلق شاہ کی جس نے بخار سے سندھ میں سنہ ۱۳۵۱ع میں انتقال کیا۔

یہ امر واقعاتِ تاریخی سے پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہی کہ ہندوستانی شاہزادوں کی تعلیم کبھی ایسے عمدہ اصول پر نہیں دی جاتی جن سے اُن کے اوصاف اخلاقی راسخ

اور مستحکم ہو جائیں چنانچہ اس کی ایک کھلی ہوئی مثال محمد شاہ تغلق کے حالات میں۔ یہ شخص تمام سلاطین ماضیہ دہلی سے قابلیت اور لیاقت میں بدرجہا بڑھا ہوا تھا۔ اس کی وسیع معلومات علوم و فنون و ریاضی کی اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اُس وقت کے علماء اور فضلا جنھوں نے اپنی ساری زندگی اکتساب علوم میں صرف کر دی تھی وہ بھی اس کی اعلیٰ درجے کی قابلیت کے معترف تھے۔ لیکن افسوس ہی کہ محمد شاہ تغلق ایک بیباک اَبجراھولی جابر تھا۔ بدقسمتی سے وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھتا تھا اور اُس کی چھبیس سالہ سلطنت مصائب و آلام کے واسطے مشہور رہی۔ ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ "اس میں صفات متضاد اور فوق العادت خصائل تھے۔ اُس کی داد و دہش ایسی تھی کہ گویا ہاتھ میں بڑی نہ تھی مع ہذا خون کے ندی نالے بہا دینا بھی اُس کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ ملکی پیچیدگیوں اور بیماری نے ٹھٹے کے مقام پر اُس کا خاتمہ کر دیا۔ سلطنت کی حالت اس وقت بہت متزلزل تھی۔ اُس کا بھانجا اور جانشین فیروز شاہ تغلق ایک ہر دل عزیز بادشاہ تھا اور ساتھ ہی اس کے بہت نرم دل بھی تھا۔ وہ ہمیشہ محمد بن تغلق کی سختیوں کو سخت تاسف کی نگاہ سے دیکھتا رہتا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے تلافی مافات اور مرحوم کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذۂ عقبیٰ سے بچانے کی کوشش کی۔ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد بدون شخص متضرر کے معاف کیئے کے ساقط نہیں ہوتے۔ فیروز شاہ کی نیک دلی نے بہت کچھ اشک شوئی کی اور لوگوں کے زخمی دلوں کو چنگا کیا۔ جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کٹوائی تھیں یا آنکھیں نکلوا ڈالی تھیں سب کو بہت کچھ دے دلا کر استمالت اور دلجوئی کی اور اُن کے تحریری معافی نامے ایک صندوق میں رکھ کر بادشاہ کے سرہانے دفن کرا دیئے تاکہ ارحم الراحمین اپنی رحمت سے اُس کی خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے۔ ع۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری — لطف و کرم و عطا ہی عادت تیری
قطرہ قطرہ ہیں گو کہ عصیاں میرے — دریا دریا مگر ہی رحمت تیری

دلّی میں سنگ سرخ کی عمارتیں کثرت سے ہیں لال قلعہ اور جامع مسجد میں زیادہ تر

سنگ سرخ ہی ہی مگر تغلق شاہ کے مقبرے کا سنگ سرخ ایسے چہچہاتے شوخ رنگ
کا ہی کہ آج بھی نظر میں کھبا جاتا ہی - ایک تو پتھر چنندہ اُس پہ پالش ایسی کہ نظر پھسلی
پھر وصل ایسا کیا ہی کہ باوجود صدہا برس گزر جانے کے اب تک ایک درز بھی نہ کھلی ایسا
معلوم دیتا ہی کہ آج بنا ہی - قلعہ کے پاس مغرب کی طرف یہ مقبرہ ہی - گنبد کا طرز مصری
وضع کی عمارتوں کا ہی دیواریں اوپر سے سکڑی نیچے سے چوڑی - اسی طرز کا دتی
میں قاضی کے حوض کا پولیس سٹیشن بنا ہی - دیواروں میں اجارے تک
سنگ مرمر لگا ہوا ہی - فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہی - اندر تین قبریں دو ایک ہی
وضع کی ۹ × ۵ × ۵ فٹ - مشرق کی طرف کی قبر ۹ × ۴ × ۴ فٹ ہی - یہ قبریں مشرق کی
ہٹا کر بنائی گئی ہیں مقبرے کے وسط میں نہیں ہیں - معلوم ہوتا ہی کہ اور قبروں کے
لیئے عمداً جگہ چھوڑی گئی ہی - تینوں طرف کے دروازوں کے اوپر سنگ مرمر کی جالیاں
ہیں - مغرب میں پیش طاق اور دروازہ بند ہی - دروازوں کی چوکلاں چھ فیٹ کی ہی
مقبرہ اندر سے ۲۸ فٹ - ۹ - انچ مربع ہی - مقبرہ باہر سے مثمن ہی جس کا ہر ایک ضلع ۸۰ فٹ
ہی - جنوب کی طرف ایک سہ گیبے دالان کے باہر وار ایک کنواں ہی جو پردے کا کنواں
کہلاتا ہی - اس طرف تہ خانے کا دروازہ ہی جو اندر ہی اندر چلا گیا ہی -

گرد مقبرے کے ایک وسیع کنگورے دار فصیل نما کمپونڈ ہی جسکی دیوار ۱۲ فیٹ اونچی
ہی جس میں (۴۶) کوٹھریاں ہیں - کمپونڈ کے چاروں کونوں میں سہ دریاں بنائی ہیں
مقبرے اور کمپونڈ وال کے درمیان ۲۹ ½ فٹ کا فصل ہی - کمپونڈ وال کیا ہی قلعے کی
فصیل ہی کہ بہت بلند کرسی دے کر مقبرہ بنایا ہی - کمپونڈ کے چاروں کونوں پر برج نما
فیل پایے دمس کی طرح کے بنائے ہیں - مقبرے کے مشرق میں ایک دالان
میں قبر کا ایک تعویذ سنگ خارا کا ۲ ½ فٹ × ۱ فٹ - ۳ انچ - ۱ فٹ - ۷ انچ اونچا ہی - لوگ کہتے ہیں
کہ یہ کتے کی قبر ہی مگر مجھے اس میں شک ہی - مجھے تو وہ کسی قبر کا اکھڑا ہوا تعویذ معلوم
دیتا ہی جو اس دالان میں یونہیں لاکر ڈال دیا ہی - مسلمانوں کے ہاں تو کتا ناپاک ہی
پھر اُس کی قبر کیسی - مجھے تو یہ لوگوں کی من گھڑت معلوم دیتی ہی - مقبرے کا سنگ سرخ
کا صدر دروازہ گو بڑی کرسی دے کر بنایا ہی مگر مقبرے اور کمپونڈ کے لحاظ چھوٹا ہی
۲۸ فٹ ۹ کی اونچان اور چھ فیٹ کی چوڑان کا دروازہ بالکل غیر موزوں ہی پٹ چولی ہیں

گر زمانۂ حال کے پہلے کے اصلی کواڑ نہیں رہے - کلس سنگ سرخ کا ہی اوپر کا نوکدار حصہ ٹوٹ گیا حصۂ زیرین باقی ہی - اس گنبد میں اوپر چڑھنے کا کوئی زینہ نہیں دکھا گیا

مقبرے کے دروازے کے پاس کا نامعلوم مقبرہ

سلطان محمد تغلق کے مقبرے کے کمپونڈ کے نار مشرقی کے کونے میں اور صدر دروازے کے باہر کونے میں خدا جانے کس کی قبریں ہیں جو فیروز شاہ کی ترمیم کے وقت بھی موجود تھیں بس اتنا ہی سیٹیفن صاحب لکھ کر چپ ہو گئے اور سید نے تو اس برج کا ذکر ہی نہیں کیا مقامی لوگ ان قبور کو محمد تغلق کے وزیر اور اُن کی بی بی کی قبریں بتلاتے ہیں مگر نام کسی کا نہیں لیتے - مقبرے کے داخلی دروازے پر ایک لمبا چوڑا کتبہ ہی جو باوجود غور کے مجھ سے پورا نہیں پڑھا گیا لیکن بادشاہ کا نام علاء الدولہ والدین صاف ہی جس کا زمانہ ۱۲۹۰-۱۲۹۱ء ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اس بادشاہ کے عہد میں یہ مقبرہ بنا اور طرز عمارت اور کتبوں کے خط کی روش بھی علائی دروازے کی سی ہی - کتبہ میں سے صرف اس قدر عبارت نکلی ہی :- "باب عمارت خیر در عهد همایون مجلس اعلی ...... عالم علاء الدوله والدین المظفر ......"

یہ مقبرہ ہی تو چھوٹا سا جس کا قطر ۱۹½ فٹ ہی مگر بہت خوب صورت ہشت پہل نہایت پالش کیے ہوئے سنگ ابسی اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہی جس کا ایک ضلع ۱۱ فٹ ہی - اندر تو مقدور ہیں مگر دروازے دو ہی ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں جو تنگ اور پست ہیں اس سبب سے مقبرے کے اندر تاریکی رہتی ہی - گیلری ۸ فٹ ۷ انچ چوڑی ہی مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں ایک سنگ مرمر کی ۶'۴" × ۲'۶" - ۱'۸" - ۱'۶" اونچی - دوسری گچ کی ۵'۸" × ۲'۶" - ۱'۶" - ۱'۸" اونچی - ہر ہر در کی محراب پر کلام مجید کی آیتیں کثرت سے لکھی ہوئی ہیں -

جنوب کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ - قل ھو اللہ - دوسری - شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور آیۃ الکرسی - تیسری - بسم اللہ - قل ھو اللہ - چوتھی - پانچویں - چھٹی آیۃ الکرسی - ساتویں بسم اللہ - قل ھو اللہ

آٹھویں شھد اللہ اور آیۃ الکرسی۔

مشرق کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ قل اللھم مالک الملک تو تی الملک من تشاء و تنزع - دوسری الملک ممن تشاء تا انک علی کل شیٔ قدیر - تیسری تولج اللیل فی النہار تا وترزق تشاءُ بغیر حساب -

چوتھی - بسم اللہ اِنّا فتحنا لک فتحاً مبیناً تا ما تقدم من ذنبک - پانچویں ویتمّ تا و ینصرک اللہ نصراً عزیزاً - چھٹی - ھو الذی انزل السکینۃ تا وللہ جنودُ السموات والارض - ساتویں تا فوزاً عظیماً - آٹھویں - ویعذب المنفقین والمنفقت تا عزیزاً حکیماً -

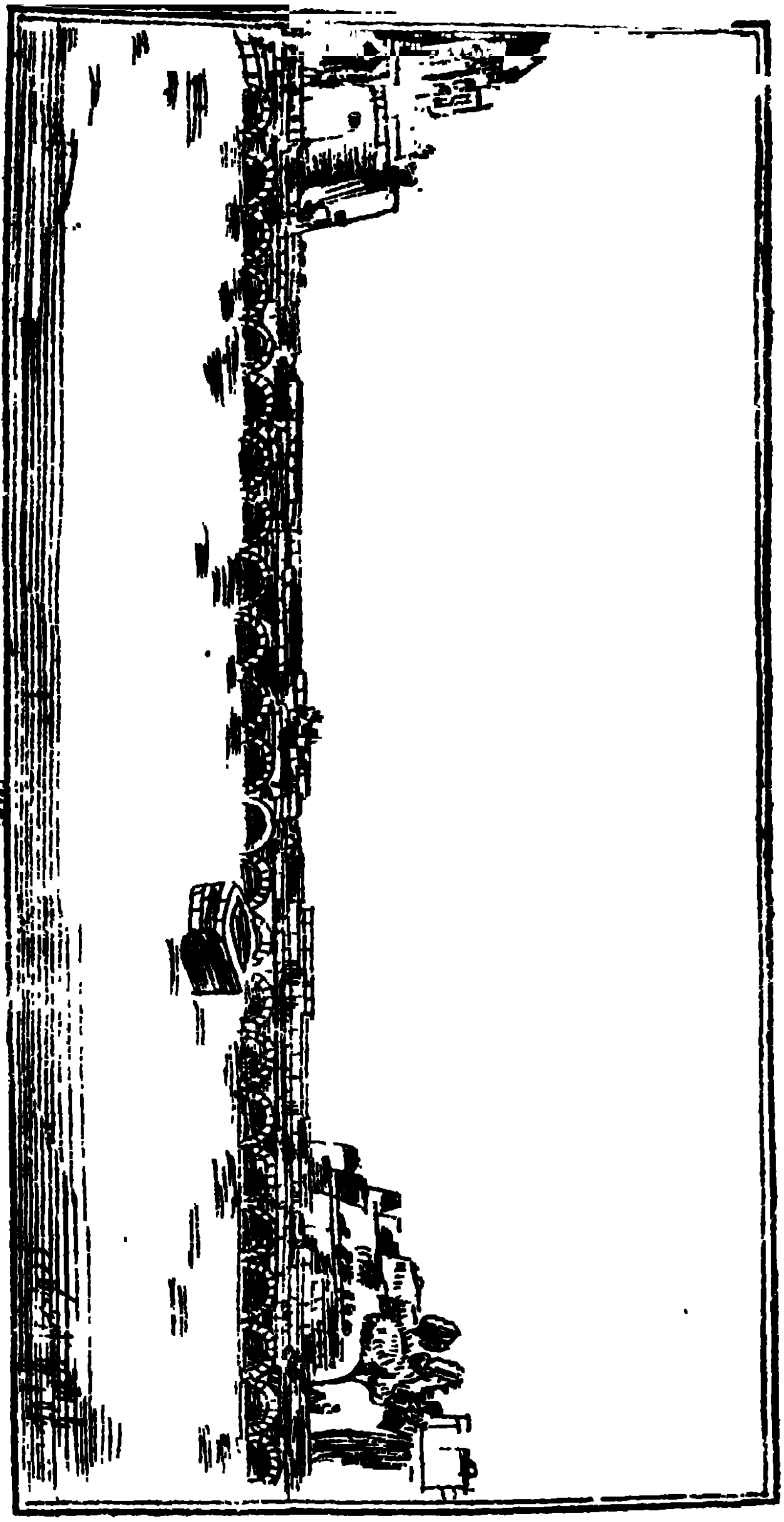
بالائی محرابوں پر - (۱ و ۲) بسم اللہ سورۂ والفجر -

(۳) بسم اللہ - سورۂ قل (اور آیۃ الکرسی تا لہ ما فی السموات -

(۴) وما فی الارض تا اِلّا بما شاءَ - (۵) وسع کرسیہ السموات تا وھو العلی العظیم - (۶) لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم - ربّ قد اٰتیتنی من الملک وعلمتنی تا والحقنی بالصلحین - (۷) یسئلونک عن الخمر و المیسر تا لعلکم تتفکرون -

اب صرف ایک کتبہ رہ گیا اور وہی بڑا اہم ہی جس میں بانی وغیرہ کا نام ہی یہ جنوب رخ پر دروازے کی دہلیز میں اندر وار لگا ہوا ہی - کچھ بہت اونچے پر بھی نہیں ہی لیکن اول تو اندھیرا ہی دوسرے یہ کہ لوگوں نے چربے اُتارنے کی غرض سے روشنائی لگا لگا کر بالکل غارت کر دیا ہی صرف داؤ خاں مرحوم ھمدار پڑھا جاتا ہی باقی حصہ نہیں نکلتا اگر یہ کتبہ پڑھا جا سکے تو اس مقبرے میں کون دفن ہی صحیح طور پر اُس کا پتہ معلوم ہو جائے -

فصیل مقبرہ اُس مقبرے کی فصیل اور دروازہ بھی نہایت شان دار اور نہایت خوب صورت ہی - دروازہ تمام سنگ سرخ کا ہی اور اُس میں ایک دالان ہی - تیئیس سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے صحن پر پونہچتے ہیں - فصیل اُس کی نہایت عجیب ہی - سمجھ میں نہیں آتا کہ



بنانے والے نے اُس کی فصیل ایسی ٹیڑھی میڑھی کیوں بنائی شاید
جس طرح کا پہاڑ ہوگا اُسی لحاظ سے فصیل کو پیچ و خم دیئے ہوں گے۔
اگرچہ یہ مقبرہ تکونیہ کوٹ کرکے مشہور ہی یعنی مثلث پر یہ بھی غلط ہی
اس واسطے کہ دونوں ساقیں اُس کی مستقیم نہیں ہیں اُن کے بیچ میں بھی ایک ایک
زاویہ منفرجہ پیدا ہوگیا ہی۔ فصیل میں قلعہ کی طور پر برج و بارہ بنے ہوئے
ہیں۔ ایک برج تو اس مثلث پر جانب جنوب ہی اور دوسرا مثلث کے
شرقی ضلع پر اور تیسرا اور چوتھا قاعدہ مثلث پر جانب شمال اور غرب بنا ہوا
ہی۔ تیسرے برج پر ایک اور برج ہی اور اُس میں بھی کچھ نامعلوم قبریں
ہیں اور ضلع غربی میں مقابل بیچ ضلع شرقی کے ایک کنواں ہی کہ اُس کا پانی
مقبرے کے رہنے والوں کے خرچ میں آتا تھا۔ فصیل کے اندر کے
رخ حجرے فقرا اور مساکین کے رہنے کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد اس
مقبرے کے سلطان فیروزشاہ نے پانی کا بند بنایا تھا اور مقبرے
اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں پُل باندھا تھا کہ اس سبب سے اس
مقبرے اور قلعے کو عجیب رونق ہوگئی تھی۔

مقبرے کا پُل یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پُل کس نے
بنایا ہی لیکن قرینہ اس بات پر دال ہی کہ یہ پُل
فیروزشاہ بن سالار رجب کا بنوایا ہوا ہی جو سلطان محمد تغلق شاہ کے
بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ فیروزشاہ نے اپنے عہد میں بہت سے پُل اور بند
بنائے ہیں عجب نہیں کہ یہ بھی اُسی نے بنایا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہی تو سنہ ۷۵۲ھ
کے بعد یہ پُل بنا ہوگا۔ اس پُل اور پانی کے بند بندھنے کے سبب حقیقت
میں اس قلعے اور مقبرے میں جان پڑ گئی ہی۔ مشرق کی طرف تو تغلق آباد
کا قلعہ ہی اور مغرب کی طرف پہاڑ اور جنوب کی طرف عمارت ہزار ستون
شمال کی طرف سے پانی آکر قلعے کے نیچے کوسوں تک بھرا رہتا تھا اور
اس مقبرے کے گرد پانی بھر کر عجیب عالم دکھاتا تھا اور یہ مقبرہ کٹورہ سا

معلوم دیتا تھا - پانی کا بہیں کھانا اور ٹھنڈی ہوا کا چلنا اور پہاڑوں پر سے سبزے کا دکھائی دینا جنت کی یاد دلاتا تھا - مقبرے کے چاروں طرف اس قدر پانی بھرا رہتا تھا کہ مقبرے میں جانے کو رستہ نہ ملتا تھا اس واسطے یہ پل مقبرے کے دروازے سے قلعے کے دروازے تک بنایا گیا تھا سرسید نے جب ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں آثار الصنادید لکھی ہو اُس وقت تک بھی مقبرے کے گرد پانی بھرا ہوا تھا مگر اب تو ایک قطرہ بھی نہیں زراعت ہوتی ہو - یہ بند پہلے بلبھ گڑھ کے راجہ نا ہر سنگھ کی عملداری میں تھا جب ہی وہ شکستہ تھا اب سرکار نے اُس کی مرمت کرادی ہو - مقبرے سے سڑک تک پل برقرار ہو اور سڑک کی دوسری طرف سے قلعے تک کا حصہ ٹوٹ گیا - اب یہ پل صرف ۸ فٹ چوڑا ہو جس پر ۳ فیٹ اونچی منڈیر ہو اور گہراں ۱۹ فیٹ ہو - پہلی حالت قایم نہیں اب تو صرف رستے کے طور بنا دیا گیا ہو - در بھی بہت بھر جانے سے اَٹ گئے ہیں - اگلے وقتوں میں بڑے بڑے نالے جو اس نواح میں جاری تھے اس بند میں کاٹ کر ڈالے گئے تھے اور قطب صاحب کے شمسی تالاب سے اس میں بارہ مہینے پانی آتا تھا چنانچہ جھرنے میں اب تک بند سو جو د ہو - اب وہ تالاب بھی ٹوٹ پھوٹ گیا اور اُس کے شکم میں بھی زراعت ہونے لگی - غرض یہ کہ ذرائع آمدنی مسدود ہو گئے اب پل صرف برائے نام باقی ہو -

عادل آباد - یا محمد آباد
یا عمارت ہزار ستون ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء

غضب ہو کہ دو دن بھی فصل بہار
چڑھے گا چمن پر خزاں کا بخار
یہی ہستی چند روزہ بھی ہو
کہ دو دن میں ہو دفتر عیش طے

اسی زندگانی پہ سب مست ہیں
کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں
اسی نقش موہوم پر ناز ہو
جہاں اک طلسم خدا ساز ہو
کوئی ملک گیری میں بے تاب ہو
کوئی عیش و عشرت میں بے خواب ہو

تغلق آباد کے جنوب میں اسی قلعے کے ساتھ دو قلعے اور بھی ہیں جنوب مشرق کے کونے میں جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہی اُس پر کا قلعہ محمد شاہ تغلق کے نام پر سے محمد آباد کہلاتا ہی اور چوں کہ بادشاہ کا پورا نام محمد عادل تغلق شاہ عرف فخر الدین جونا تھا اسی کو بعض لوگ عادل آباد بھی کہتے ہیں اور ہزار ستون سنگ مرمر کے اس میں لگائے تھے اس سبب سے "عمارت ہزار ستون" بھی کہتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ مکان صرف بطور سیرگاہ کے پہاڑوں کے بیچ میں کہ میدان ہی جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہی اُس پہاڑی پر جو بالکل اب آب ہی یہ قلعہ بنایا اور شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعے کے دروازے تک ایک پل بنایا اور اُسی میدان کے غرب میں اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا اور مقبرے اور اس قلعے کے دروازوں کے پاس بھی پل بنوایا اور قلعے کی شمالی دیوار کے آگے پانی کے کنارے عمارت ہزار ستون بنائی۔ اب تو اس قلعے میں کچھ باقی نہیں تمام ساری عمارتیں گر گرا گئی ہیں اور عمارت ہزار ستون کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں لیکن وضع و قطع مکانات کے لحاظ سے قرینہ مقتضی اس امر کا ہی کہ ہزار ستون کی عمارت بارہ دری کی وضع کی تھی اور دو منزلہ تھی بلکہ عجب نہیں کہ سہ منزلہ بھی رہی ہو۔ اس قلعے کے تعمیر کی تاریخ فَادْخُلُوْهَا ہی۔ بعض لوگوں کو شبہ پڑا ہی کہ یہ وہی محل تھا کہ جس کے تلے غیاث الدین تغلق شاہ دب کے مرا تھا حالاں کہ یہ بات بالکل غلط ہی وہ چھوٹا سا محل افغان پور کے پاس تین دن میں ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء میں بنا تھا جو بجلی کے صدمے سے گر پڑا اور وہ محمد تغلق نے زمان ولی عہدی میں بنوایا تھا اور یہ اپنی تخت نشینی کے بعد بنوایا۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ ۔ ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کی شان میں بہت کچھ زہر اگلا ہی اور بہت کچھ برا بھلا کہا ہی مگر اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی اُس کے منہ سے بھی یہ نکلا کہ "یہ بادشاہ سب سے زیادہ عدالت کرنے والا تھا"۔ شہر تغلق آباد کے جنوب و مشرق میں جو قلعہ ہی اُس کے کئی نام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہی کہ بادشاہوں کے رد و بدل کے ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل رہتے ہیں۔ کوئی تو اسے "قلعۂ شاہنشاہی" کہتا ہی کوئی "دھوبی کا قلعہ" کوئی "داہنا قلعہ" دونوں قلعے بالکل چھوٹے سکیل پر قلعۂ تغلق آباد کی نقل ہیں۔ ان کی فصیل بھی پیچھے

پھیلی ہوئی اور اوپر سے سکڑی ہے جو بڑے بڑے پتھر کے ڈھیموں سے بنی ہوئی ہے اور حصار کے اندر قلعے کے علاوہ بستی بھی تھی۔ عادل آباد کا دور کوئی نصف میل کا ہے اور دوسرے قلعے کا اس سے بھی کم دونوں قلعوں کے اندر بالا حصار مرتفع مقام پر بنا ہوا ہے جو خود فصیل سے محصور ہے۔ عادل آباد کا صدر دروازہ بالا حصار کا بھی داخلی دروازہ ہے۔ باہر کی فصیل قلعے کے جنوب میں بستی کی طرف ہے مشرق کی جانب تغلق آباد کے سلسلے کے شمول سے فصیل دُہری ہو گئی ہے اور پل کے برابر دور تک چلی گئی ہے جو نشیب میں بنا ہوا ہے۔ اس قلعے میں ہزار ستون نامی ایک مشہور محل تھا جو علاء الدین خلجی کے اسی نام کے محل سے بالکل جدا تھا اور جو بعد میں جہاں پناہ کے حصار میں آگیا تھا۔ سرسید نے اس محل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور یہ محل سہ منزلہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ اس کے خلاف اسے ایک بڑا ہال لکھتا ہے کہ جس کے ستون چوبی وارنش کیے ہوئے تھے اور چھت بھی چوبی تھی جس پر نہایت عمدہ اور نفیس رنگ کیا ہوا تھا۔ دوسرا قلعہ گو چھوٹا ہے مگر وضع قطع میں پہلے قلعے کی طرح کا ہے۔ اس قلعے کے چاروں طرف مکانات اور عمارات کے کھنڈر پڑے ہیں اور جا بجا کھڑے کھڑے اور نقش و نگار کیے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔

ستیوں کے مٹھ

تغلق آباد کے پاس ہی ایک پہاڑ پر چار برج ہندوانی وضع کے بنے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہندوانی عورتوں کے ہیں جو اپنے شوہروں کی وفات کی وجہ سے ستی ہو گئیں اور ان کی کوئی تفصیل معلوم نہیں۔



ستیوں کے مٹھ (تغلق آباد)

ضمیمہ (١) فرامین شاہی وغیرہ

دلی کے عجائب خانۂ آثار قدیمہ واقع قلعہ میں بہت سے فرمانوں اور مراسلوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سجایا ہے۔ یہ ایک نادر مجموعہ ہے جس کی نقل ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ عجائب خانے کے فرامین کے علاوہ بھی کچھ دستیاب ہوئے تھے وہ بھی اس میں درج کیئے گئے۔ فرمانوں کی خطاطی اور عبارت آرائی دونوں قابل قدر ہیں۔ اب اس زمانے میں نہ یہ خط باقی ہیں نہ یہ سیاہی میسر آ سکتی ہے جو صدہا سال کے بعد بھی ایسی منجلی ہے کہ گویا آج کا لکھا ہوا ہے۔ ان فرامین کے ملاحظہ سے پرانے زمانے کی شاہی مراسلت اور احکام کا طرز اس زمانے کے محصولات مقامی کے نام ایسے نظر سے گزریں گے جن سے ہمارے کان آشنا نہیں۔ فرامین کے نقل کرنے میں تا بہ امکان اصلی فرامین کی طرز کتابت کا تتبع کیا گیا ہے زمانۂ حال کی املا نویسی کے طریقے کی پابندی نہیں کی گئی اور جہاں سطر ختم ہوئی ہے وہاں ایک چلیپہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تمام فرامین اس قابل ہیں کہ ان کے فوٹو دیئے جاتے مگر اس صرف خطیر کے بار کا تحمل ناممکن تھا پھر بھی آپ کو صحیح نمونہ دکھلانے کے لیئے دو فرمانوں کے فوٹو دیئے ہیں اسی پر سے ان کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(١) فرمان سلطان علاء الدین خلجی بنام راجہ رتن سین راجہ چتوڑ مع جواب راجہ بصورت

بسمع[1] اقدس وہمایون ما رسیده که آن زبدهٔ راجگان عقیدت نشان کنیز خوش جمال فرخنده خصال از جزیرهٔ سراندیپ آورده است ؛ باید که آں تحفهٔ صنعت الٰہی و نمونهٔ قدرت ایزدی را بزودی روانهٔ درگاه فلک اشتباه ما سازد ہر آئینه بظهور ایں خدمت شایسته مورد تفضلات شاہی وملحوظ نظر الطاف خسروی تواند بود و در صورت انحراف ونافرمانی بپاداش کردار خواهد رسید۔

عرضی جوابی راجہ رتن سین	بر ضمیر آفتاب نظیر آں خدیو کشور گیر مخفی نخواہد بود

[1] بمطابق سنہ ۷۰۲ ہجری ۔ ۱۲

پیشایان دین دار و خواقین معدلت شعار حرمات محترمات و مخدرات محصنات فدویان خاص و جان نثاران با اختصاص را ننگ و ناموس خود تصور می فرمایند و ذات قدسی صفات پیش از ظل الحق دانسته مخلوق الهی را بزیر سایهٔ حفاظت و امنیت خود نگاه می دارند خدا نخواسته نقصان و ترغیب شهوانی از حد حق پرستی و دائره خداشناسی بیرون شتافته راه ناواجب طی می نماید حیف است که مسیحا کار اجل نماید و خضر طریقه گمرهی نماید پاسبان را دزد شدن نشاید و راعی را گرگ بودن نباید و اگر نیت حق طویت همین اقتضا می کند بسم الله این گوی و این میدان۔ ؎

بیا و نوش کن پیمانهٔ چند فدای مقدمت پیمانهٔ چند

لیکن معلوم است که در عالم غیرت و ناموس ذره با خورشید همچشمی می کند و مور با سلیمان مقابل میشود۔ اینک رخش همت و مردانگی ما در صف و سر شجاعت و شیر دلی بر کف ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز دست بگیرد سر شمشیر تیز

(۲) عرضداشت خان اعظم مرزا کوکلتاش در جواب فرمان اکبر بادشاه که از مکه معظمه فرستاده بود منقول از دربار اکبری

کمینهٔ فراشان آستان کیوان مکان ملایک آشیان خاقان جمشید نشان فریدون شان کیخسرو دستگاه کیومرث بارگاه سکندر جاه عالم پناه انجم سپاه آسمان خرگاه ظل سبحانی عزیز کوکه بعرض میرساند که رای انور بر طلب این غلام که خایف و صفاور گشته بود جان و دل را که خلاصهٔ آب و گل است با جمعی کثیر از رؤسای اخلاص و ابتهال بخدمت حجاب درگاه گیهان پناه که مبدای سخا و منشا عظمت و کبر فرستادن چون مفتی عقل و فتوی قاضی گمان بلکه بیقین سجل هجران مهجوری که در دو سه فرمان نوشته داده بود بر نا قابلی فرسوده دست ملالت در گردن کرده ماند چون دانست به یقین که احادیث تحریک اعدا موثر و کارا افتاده مزاج اشرف را بعینیت گوشه گو بمسامع جاه و جلال رسانیده از کمینهٔ درگاه منحرف ساخته اند و مادی رای عالم آرای

بساط بوسان آن درگاه به قتل و قمع این سلسله گناه راهنمون گشته بخاطر رسید که چشم
خاکسار سنے مقدار ر اکه در خدمت قابلان آن درگاه آسمان نشان پرورش یافته منصب اعظم خانی
و عزیز کوکگی و حکومت گجرات سرافراز شده هم بواسطهٔ این تشریفات بخاک مکرمهٔ معظمه
مقدسه منوره رسانیده که با کافران هندوستان جمعی را که پرورده خوان الوان انعام
و احسان بادشاه جهان پناه باشد در یک خاک و در یک محل مدفون سازد بحض گستاخی
و غایت سنے ادبی است و لاجرم گجرات را که آنکه معمورهٔ دار السلطنه بود به معتمدان سپرده
غبار ملال و اختلال خویش را از گوشهٔ خاطر خاکروبان آن آستان ملائک آشیان شسته
دست از مطالبات آشنا و پاسے ادب را کوتاه ساخته موسقی که محض سعی جانسپاری
موجها از مبارک کفار جمع ساخته بود بدست عدل بیرون آورده از حلال ترین چیزها
دانسته سفر گزیده آن قدر جمعیت از مکاسبات مذکور بدست آورد که اگر خواهند منصب
اعظم خانی را در بارگاه پادشاه روم کی اشرف مکان ربع مسکون بتصرف ایشانست
میتواند خرید - اما خلاصهٔ همت مصروف آنست که وظیفه بر دوام سمتی مصالح پاک دین آن
ملک مقرر سازد - مدرسه بنام نامی حجاب بارگاه بنده پرور حضرت خاقانی باتمام رساند
که تا انقراض عالم مدد زبان مورخان جهان باشد و خوردان بدرس بحث علوم دینی و فکر شعره
عبارت از توحید و نعت و منقبت اصحاب بوده باشد و دعاے دولت روز افزون دولت
اشتغال میداشته باشد - امید آنست که از رفتن این کمترین غلامان بندهٔ مخلص ضمیر
خاکروبان آستان غبارے نخواهد نشست بلکه مطلب سخن چینان و عیب کنندگان که
عدم بود این معدوم است بحصول خواهد پیوست که منصب اعظم خانی و حکومت گجرات
بحضرت عزیز کوکگی را باین محروم سنے شمرند بنا بر جمع مذکورات را پیشکش عیان
نموده که ایشان را میسر نیست چون بنده و تمکن که این کمینه را میسر باشد بدولت
ایشان چون آخر الامر نسیم لطف شامل حال بوستان مطالب و مقاصد دیگران
شده و نهال امید و حقوق خدمت بنده بسموم محرومی خشک سالی بخشیدند - بنده
از فدوی که نهاد و عاقبت اندیشی بارگاه آن آستان چند کلمهٔ گستاخی نموده بعرض
می رساند که جمعی خاطر اشرف را از دین محمد صلی الله علیه وسلم بیگانه و متجنب می سازند
حاشا که دوست باشند و کمینه که نیک نامی دنیا و عقبی می طلبد دشمن و واجب الاخراج

باشم والاکار دنیا بازیچہ ایست ناپائدار بر حرف دو سہ خوش آمد گوئی آخرت بدنیا فروش اعتماد نباید کرد - ہمہ عالم را گوش ہوش است - پیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہمہ صاحب تمکین بودند ہیچ بادشاہی را دغدغہ نشد کہ دعویٰ پیغمبری و نسخ دین محمدی نماید - بل ما و لسے کہ چوں صحف اعجازی چوں چہار ربا ، چند بالپسندیدہ باشد وشق قمر باشال این چیزہا واقع نبود مردم میکند یارب دغدغہ چہار یار بودن کہ ایہام رامی شدہ باشد - قلیچ خاں کہ صفائی ظاہر و باطن و عصمت جبلی دارد یا صادق خاں کہ شرف رکابداری از بیرام خاں یافتہ یا ابوالفضل کہ شجاعت و سیاست ہجای علی و عثمان می تواند بود - بخداوند بخاکپاے بادشاہ قسم جز عزیز کسی کہ نیکنامی طلب باشد نیست و ہمہ مدار بر خوش آمد و روز گذرانیدن دارند و آنکہ نیکنامی طلبد بندہ است کہ تا بود جز حرف نیکنامی بر زباں نہ آید الحال ہم در مکۂ معظمہ منورہ کاری نخواہد کرد کہ خلاف نیکنامی باشد - ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فرقے کہ میان اکابر مجلس بہشت آئیں و بندۂ کمترین است ہمین است کہ ابوالفازی در فرمان بندہ اضافہ کردہ و دیگران کافران را بر مسلمانان ترجیح دادند کہ بر صحف لیل و نہار خواہد ماند - آنچہ بر بندہ واجب است دراں تقصیر نرفت والدعا -

(۳۴) فرمان مہری شاہنشاہ جہانگیر - جس کی رو سے پچاس بیگہ اراضی پرگنہ سکیت میں فیروز خاتون زوجۂ سید محمود کو بطور مدد معاش عطا ہوئی مورخہ ۱۶ سنہ جلوس مطابق ۱۰۳۰ھ - پشت فرمان پر مہر غیاث الدین کی ہے جو زیادہ تر اپنے خطاب اعتماد الدولہ سے مشہور ہیں اور مشہور نور جہاں بیگم کے والد تھے جو شاہنشاہ جہانگیر کی چہیتی بیگم تھیں - مہر میں یہ کندہ ہے (مرید شاہ جہانگیر شد غیاث الدین)

درینوقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف اصدار وغ ....

یافت موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت بار آبِ ہے از پرگنہ سکیت سرکار ... ازابتدائے خریف توشقان ییل در وجہ مدد معاش مسماۃ فیروز خاتون کہ ج محمود وغیرہ با فرزندان بموجب ضمن مقرر و مسلم شد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل

در وجہ معیشت خود خرج و صرف نمودہ بدعا گوئی بدوام دولت ابد قرین اشتغال نمودہ باشد
می باید کہ حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال واستمرار واستقرار این حکم
اقدس اعلیٰ کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ وچک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ
اصلاً تغییر وتبدیل بدان راہ ندہند وبعلت مالوجہات واخراجات مثل قلغہ وپیشکش وجہات
وضابطانہ ومحصلانہ ومہرانہ وبیگار وشکار و دہ نیمہ مقدمی وصدروئی قانون گوئی
وضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات
سلطانی مزاحمت نرسانیدہ دریں باب × ہر سال فرمان وپروانہ مجدد نطلبند واگر
محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از فرمودہ درنگذرند تحریرا فی التاریخ
۱۳ ر خورداد ماہ الٰہی سنہ -

(۴) فرمان مہری شاہنشاہ شاہ جہاں جس کی رو سے عہدۂ صدارت
سرکار سنبھل اور بدایوں مع یومیہ دو روپیہ جس کی ادائی خزانۂ اکبرآباد سے کی جائے گی
بنام شیخ فتح محمد جو داماد تھے ملا عبداللطیف کے مورخہ ۱۴ ر رمضان سنہ جلوس
شاہجہانی (۱۸) مطابق ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء

اللہ اکبر

دریں وقت عالیشان سعادت نشان شرف اصدار داراد دریافت کہ × خدمت
صدارت سرکار سنبھل وسرکار بدایوں بفضیلتماب شیخ فتح محمد خویش × ملا عبداللطیف
سلطانپوری وبمبلغ دو عدد روپیہ روزینہ بلا قصور از خزانۂ دارالخلافۂ اکبر آباد
بشرط مذکور در وجہ مدد معاش مشار الیہ حسب الضمن مقرر ومفوض باشد کہ بما یشغفی
بلوازم و × مراسم آنخدمت قیام واقدام نمودہ در تحقیق فوتی و فراری ارباب مدد معاش
ووظائف وبازیافت تغلب ولباس آنہا ساعی موفورہ بتقدیم رسانیدہ موافق
دستور وقانونی کہ دریں ولا مقرر شدہ × بہ عمل آوردہ ہر سال نسخۂ منقح دراں باب
درست داشتہ بدیوان الصدارہ میرسانیدہ باشد می باید کہ حکام وعمال مستصدیان
مہمات وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال دراستمرار واستقرار الحکم الشرف الاقدس
اعلیٰ کوشیدہ دست تصدی موصی الیہ را در امور متعلقہ آں امر قوی ومطلق داشتہ

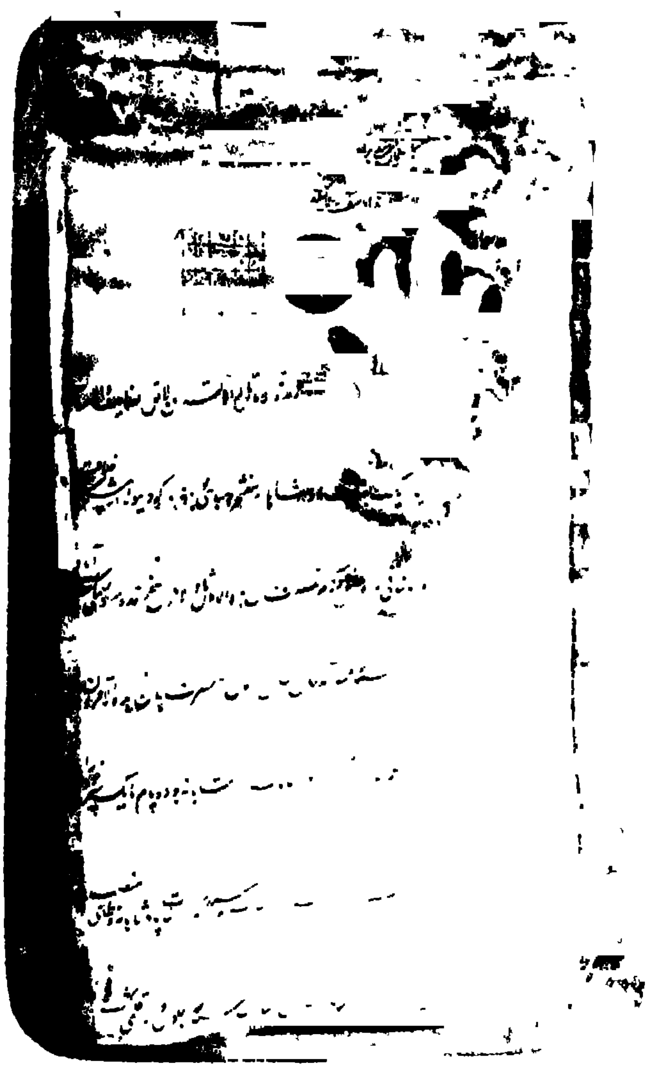
تمامی اصحاب مدد معاش و وظایف را با اسناد آنہا بدو رجوع نمودہ × بموجب تصحیح او
منظورہ معتبر شناسیدہ اراضے و وظیفہ جمعی را کہ باز یافت نماید بخالصۂ شریفہ ضبط نماید
و متصدیان مہمات دیوانے دار الخلافہ مذکورہ مبلغ مزبور را سامان و سرانجام نمودہ
بموے الیہ میرسانیدہ × باشند و چیزی از انجملہ قاصر و منکسر نگرداتند و اگر و محالے دیگر
چیزی داشتہ باشند از ان اعتبار نکنند سبیل جمیع اہل مدد معاش و وظایف آں
سرکار ہا آنکہ مشار الیہ را صدر مستقل خود ہا دانستہ تمامے اسناد خود را × بدو نمودہ
اراضے جمعی را بتصحیح رسانند قابض و متصرف بودہ بدعاے دوام دولت ابد پی
الاتصال اشتغال مینمودہ باشند از فرمودہ تخلف و انحراف نورزند تحریراً فی التاریخ
۱۴ رشہر رمضان المبارک سنہ ۸ جلوس میمنت مانوس سنہ ۱۰۵۴ ہجری۔

(۵) فرمان مہری شہزادہ داراشکوہ موسومہ راجہ ٹوڈرمل مرقومہ

۲۰ رمحرم سنہ ۱۰۶۰ ھ
۲۳ رجنوری ۱۶۵۰ء

لایق العنایۃ والاحسان قابل الرحمۃ والامتنان راجہ ٹوڈرمل بعنایات ×
سلطانے مفتخر و مباہی گشتہ بداند کہ چوں در ینولا شیخ اللہ داد نواسہ ملا عبد اللطیف
مرحوم بعرض عالے کہ آنمرحوم بموجب فرمان خجستہ عنوان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی
یکقطعہ باغ و کٹرہ و دکاکین چند در قصبہ سلطان پور داشت و در حالت حت...[1]
س و ثبات عقل ہمہ املاک خود را مع حویلی مسماۃ اللہ ستے کہ والدہ رافع باشد
بطوع و رغبت خود × تملیک نمودہ و تملیک نامہ را بدستخط و مہر خود درست کردہ باو
دادہ چنانچہ رافع فرمان عالیشان و خط تملیک مزبور بدست ...[2] لہذا حکم والا ×
شرف صدور یافت کہ آں شجاعت شعار بر طبق فرمان و تملیک نامہ مسطور عمل نمودہ

[1و2] دونوں جگہ کے حروف کاغذ پھٹ جانے سے ضائع ہو گئے ہیں۔ پہلی جگہ باقی ماندہ
س و سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوش و حواس ہوگا۔ حت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ۱۲



[illegible]

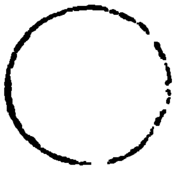
املاک مذکور را برافع مقرر ومسلم دارد وقدغن نماید کہ احدے بیوجہ حساب وبخلاف حکم مزاحم ومتعرض احوال او نشود ودران املاک مداخلت ننماید درین باب تاکید شناختہ تخلف نوانند ـ ۱۰ محرم سنہ ۱۰۶۰ ہجری ـ

(۶) پہلا فرمان عالمگیری

۱۰۶۸ سنہ ۱۶۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد والشکر اگر مسلمان می شد برادر



دین ما شدے محفوظ می ماند واز بلاے سنے وطنی وخمنہا بعید ومحفوظ می اندا ما حیف مسلمان نشد



زبدة الاماثل والاقران لایق العنایت والاحسان

پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر ومباہی بودہ بداند کہ درین ولا از پیشگاہ خلافت و جہانبانی از راہ فضل وکرم تقصیرات آن زبدة الاماثل والاقران عفو شدہ سر ولیسکی نعمت آباد

ف یہ فرمان ۱۰۶۹ھ سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجہ شورا پو ضلع گلبرگہ کے نام کا ہے اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو بالکل مٹی ہوئی ہے اور دوسری مربع ہے جس میں طغراے عربی ہے لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجہ شوراپور کے نام ہیں ان پر بھی ایسی ہی مہریں ہیں جن کی عبارت ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھی ہے ـ

بخط نستعلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشان عالی متعالی
پادشاہ ۲
جہان شاہ ۲
محمد اعظم شاہ ۲

بفرمان ابوالمظفر
محی الدین اورنگ زیب عالمگیر
پادشاہ ۲ غازی



[illegible]

بسم الله الرحمن الرحیم

سیادت غایت نجابت شرافت منقبت دودمان ارشاد و هدایت ... شاه و
شاه ... قادری

... جهانتاب سیادت انتساب ... اوج ولایت الحق بموطن الباطنی والظاهری بفیض ایزدی

بهره ور باشند بعد ه اظهار آنکه ... رسیدن ... موضع ... و نیکو کار

نموده مبارکت تمامه فرزند دولت شکوه احتشام ... عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خان به حضور

آوردن نگاشته شده بود اما حال از مکان ... و ... کردند و احوال اینجا اینست که لشکر مغل در پی

تخریب پرگنه ملکندی و غیره ... ملک ... شده ... شیرزه خان را که حکم

نموده بودیم معز الیه ... بدار الخلافه ... تاریخ ششم است بمجرد اطلاع ... ما

رسیده و مغل در پی پشاور ... میرسد یقین تصور نموده در حالتی که حقیقت مرقومه بمطالعه درآید

مع فرزند دولت شکوه احتشام خان معز الیه را بدار السلطنه پیش ... بیایند و الا رسیدن به آن

... سیادت پناه ممکن و میسر نخواهد ... است کار امروز بفردا مگذارند

چون شود روز دگر نوبت کار دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر متصور نیست زیاده آفتاب سیادت ... باد

(۸) منشور مہری شاہنشاہ اورنگ زیب بعطائے دہ بیگہ اراضی واقع پتی ہیبت پور صوبۂ لاہور بہ سماۃ عایشہ مورخہ ۱۲ رجب ۱۰۶۹ھ - یہ فرمان بحالت شہزادگی نافذ ہوا ہی کیونکہ اورنگ زیب گو ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا لیکن باقاعدہ طور پر تخت نشینی کا اعلان ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ کو ہوا یعنی اس فرمان کی اجرائی کے دو مہینے بعد۔

اللہ اکبر

درینوقت منشور لامع النور شرف صدور و عز ظہور یافت کہ ×

پتی ہیبت پور من مضافات صوبۂ دار السلطنت لاہور از ابتداے ربیع تنکوزئیل در وجہ مدد معاش سماۃ عایشہ حسب الضمن مقرر شد × کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال صرف یحتاج خود نمودہ بدعای دوام دولت ابد طراز اشتغال مینمودہ باشد می باید کہ × حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار اینحکم والا کوشیدہ اراضی مذکورہ را پیمودہ و حک بستہ × بتصرف او بازگذاشتہ اصلا و مطلقا تغیر و تبدیل بداہ راہ ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قلبہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ × و محصلانہ و مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و دہیمی و مقدمی و صدردوی و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص حک و تکرار زراعت و کل × تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و درین باب ہر سالہ سند مجدد نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزی دیگر داشتہ باشد از ان اعتبار نکنند از فرمودہ درنگذرند بتاریخ ۱۲ شہر رجب ۱۰۶۹ہجری ست تحریر پذیرفت ۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

موجود ہی جس سے اندازہ اس فرمان کے سنہ کتابت کا لگایا جاسکتا ہی۔ قدیم زمانے میں ایسے فرامین طبلق اور کمربند لگ کر آتے تھے اور کمربند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیان حصے پر نام مکتوب الیہ اور پشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھے تک نواب مختار الملک بہادر سر سالار جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا۔ اب انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے ازاد کر دیا۔ المصنف

(۹) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے اراضی یکصد بیگہ در پرگنہ بہت سرکار سہارنپور صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد بنام سماۃ صاحب دولت وغیرہ بطور مدد معاش مورخہ ۴ ربیع الاول سنہ ۶ جلوس م ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء

دریں وقت فرمان عالیشان فرخندہ عنوان شرف صدور یافت کہ موازی یکصد بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع از پرگنہ بہت متعلق بسرکار سہارنپور من مضافات صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد × از خریف پارس ییل در وجہ مدد معاش سماۃ صاحب دولت وغیرہا حسب الضمن مقرر و مفوض باشد کہ حاصلات × آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف مایحتاج خود نمودہ بدعای بقای دولت ابد مدت اشتغال نمودہ باشند × می باید کہ حکام عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار این حکم والا × کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا باز گذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغییر و تبدیل × بدان راہ ندہند و بعلت مالوجہات و اخراجات مثل قنلغہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و × مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و دہ نیمی و مقدمی و صد دوی قانون گوی × و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و دریں باب ہر سالہ سند مجدد × نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند تاریخ چہارم شہر ربیع الاول سنہ پنج از جلوس والا نوشتہ شد۔

(۱۰) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے یومیہ عمہ از خزانہ لاہور بنام محمد باقر نبیرۂ عبد اللطیف مورخۂ ۱۹ شعبان سنہ ۶ جلوس م ۱۰۷۴ھ ۱۶۶۴ء

دریں وقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ مبلغ یکروپیہ بلا قصور یومیہ از خزانہ دارالسلطنت لاہور در وجہ مدد معاش محمد باقر نواسۂ ملا عبد اللطیف سلطانپوری کہ طالب علم کثیر العیال است حسب الضمن

...ر وعوض باشد از اصرف × ما یحتاج خود نموده بدعا ر بقاء دولت ابد مدت
...ستغال بینموده باشد می باید که حکام وعمال × متصدیان مہمات و متکفلان معاملات
...روغگان و شرفان حال و استقبال آنجا دو استمرار × و استقرار این حکم
...شرف اقدس اعلے کوشیده مبلغ مذکور را از خزانۂ مزبور بمشار الیه میرسانیده
...شند و از انجمله چیزی قاصر و منکسر نگردانند و دریں باب بهر ساله حکم و سند مجدد
...بند واگر در محلی دیگر چیزے داشته باشد آنرا اعتبار نکنند بتاریخ نوزدهم شهر
شعبان سنه شش از جلوس والا نوشته شد۔

۱) سند مطلا و مہری محمد شاه بادشاه بخط شفیعه مشعر سرفرازی بر عہدۂ
...ارت پرگنۂ جلیسر صوبۂ اکبرآباد بنام شیخ محمد رضا سنه جلوس (۱)

علیین آشیاں

گماشتہای جاگیرداران وکروریان وجمهور سکنۂ پرگنۂ جلیسر وغیره سرکار
...و به اکبرآباد را اعلام آنکه × وکیل شیخ محمد رضا ولد شیخ محمد عوض التماس نموده که
...ن بموجب پروانه عہد مرقوم بست ہفت رجب سنه الیه × منصب
...ای پرگنه مذکور و غیره سرفرازی دارد امیدوار ہست که پروانه مطابق عہد
...ت شود حسب الحکم اعلے قلمی میگردد که مشار الیه را بدستور سابق حسب الضمن
...سته وست لقدس موی الیه در امور متعلقه انخدمت مستقل دانند × ودیگرا
...ہیم و شریک او ندانند دریں باب قدغن دانسته حسب المسطور بعمل آید بتجم
شهر ربیع الثانی لسه ...

---

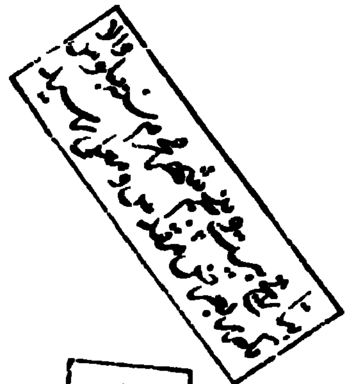
۱ فرامین و احکام میں بہ پاس ادب سطر میں جگہ چھوڑ کر نام بادشاہ کا پیشانی پر لکھ دیتے ہیں۔
۲ بجنسہ ایساہی لکھا ہوا ہی۔
۳ فرامین پر بجائے دستخط کے صاد بنادیتے تھے یا بیض کر دیتے تھے۔

(۱۲) فرمان مُہری محمد شاہ بادشاہ متضمن عطاے خدمت قلعہ داری ارگ بندر مبارک سورت اور خطاب بیگلر خاں ۱۴ر جمادی الاولی سنہ ۳ جلوس م ۱۱۶۱ھ سنہ ۱۷۴۸ء

لایق العنایت وفادارخاں بنوازش بادشاہی امیدوار بوده بداند که درین زمان × میمنت اقتران لفضل وکرم خسروانه ازراه بنده پروری اوراً بجهت خدمت × حراست قلعهٔ ارگ بندر مبارک سورت وعطاے خطاب بیگلرخان از انتقال بگلرخاں حارس متوفی سرمایه مفاخرت ومباہات بخشید × باید شکر وسپاس عنایت مقدس ومعلی بجای آورده درمحافظت قلعه وتوزوک واحتشام وموجود داشتن ذخیره مطابق ظابطه مستمره × جد وجهد فراوان بکمال ہوشیاری وخبرداری بتقدیم رساند درین امور ازحضور ساطع النور تاکید موفور داند چهارم جمادی الاولی سال سیم از جلوس والا نوشته شد۔

(۱۳) سند مطلّا بنام نجیب الدولہ جن کو منصب سہ ہزاری اور غیاث الدین حیدر کا خطاب ملا۔ مورخہ ۳ر محرم ۱۱۸۲ھ سنہ ۱۷۶۸ء

بتاریخ چہارشنبہ سوم شہر محرم الحرام سنہ جلوس میمنت مانوس موافق ۱۱۸۲ ہجری مطابق ماہ برساله امارت ونجابت ومرتبت وشہامت وایالت منزلت × دانای مدارج دین ودولت شناسای مراتب ملک وملت فرازندهٔ لوای شوکت وحشمت طرازندهٔ بساط ابہت وعظمت اعتضاد خلافت وفرماں روائے × اعتماد سلطنت کشورکشائی ظفر پیرای معارک جہان ستانی عیش آرائی محافل کامرانی ماهج مناهج ملک





سلہ اصل فرمان میں اسی طرح ہے۔ در اصل یہ ضابطہ ہے۔ ۱۲

[illegible]

ومال بانی مبانی دولت و اقبال دقیقه یاب
سرائر سلطانی رمزشناس × عالم مزاجدانی
جوهر مرات حقیقت و ودا فروغ شمع یکرنگی و صفا
همدم دلکشای مجلس خاص محرم خلوت سرای
صدق و اخلاص کارفرمای سیف و قلم مدبر امور
عالم × قدوه خوانین بلندمکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید مرشد پرست بی ریو رنگ ثناوه فدویان با فرهنگ استظهار
مجاهدان با عظم افتخار دلیران معرکهٔ ارم × امیر صیانت تدبیر ممالک مدار مشیر روشن ضمیر
عالی مقدار لازم الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام والامتیاز رکن السلطنة
پادشاه سلیمان اقتدار محتشم الممالک × امیر الامرا ناصر الملک نجیب الدوله نجیب خان
بهادر ثابت جنگ سپه سردار نوبت واقعه نگاری کمترین خانه زادان درگاه آسمان جاه
عقیدت التیام × اندرام قلمی میگردد و حکم جهان مطاع آفتاب شعاع شرف نفاذ
یافت که غاز (ی) الدین حیدر به منصب سه هزاری ذات و دو هزار سوار و خطاب
خانی و بهادری × سرفراز باشد واقعه بتاریخ دوم محرم الحرام سنه ۱ موجب
تصدیق یادداشت قلمی شد

شرح و دستخط ×
امارت و نجابت مرتبت ×
شجاعت و ایالت منزلت و اتالیق مدارج ×
دین و دولت شناس مراتب ملک و ملت فرزانه
والا × شوکت و حشمت طراز ابهت و سلطنت و عظمت سپه آرای
اعتضاد و خلافت و × فرمان روای اعتضاد سلطنت آرای × محافل کامرانی
بهضه پیرای معارب جهان بانی عیش و اقبال
تاج مساح ملک و مال بانی مبانی دولت و اقبال
دقیقه یاب سرائر سلطانی رمزشناس ×
عالم مزاجدانی جوهر مرات
حقیقت

ووفا فروغ شمع
یکرنگی ووفا همدم دل کشای مجلس
خاص محرم خلوت سرای صدق واخلاص کارفرمای
سبقت وقلم مدار امور عالم قدوهٔ خوانین بلند مکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید ارشد پرست بی ریو رنگ نقاوهٔ فدویان بافرهنگ
بستظهار جانبازان با عزم اقتدار دلیران معرکه رزم امیر میان تدبیر ممالک
مدار شیر روشن ضمیر عالی فطرت نظام الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام
والا معیار + رکن السلطنة پادشاه سلیمان لقا فتی الممالک امیر الامرا
ناصر الملک نجیب الدوله نجیب خان بهادر ثابت جنگ سپه سالار
سردار آنکه داخل واقعه نمایند +

نقل خط انوار صاد[ر]

فرد مزین صاد خاص بدفتر رسید که غازی الدین حیدر را
پیشگاه خلافت وجهانبانی امیدوار تفضلات خاقانیست
که بمنصب سه هزار ذات و دو هزار و خطاب خانی وبهادری
سرافراز شود شرح دستخط
بخشی الممالک آنکه مطابق صاد خاص بعمل آرند

۳ سه هزار ذات
۲ دو هزار سوار

تحریر فی تاریخ   شهر   صد   ره   سنه الیه

(۱۴) فرمان شاہ عالم ثانی متضمن عطاے جاگیر مالیتی تا حین حیات و دوام جس کی آمدنی نوسو روپیہ تھی مورخہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۲۲ جلوس معلی سنہ ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء

در ینوقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ مبلغ یک لک و ہفتاد و پنج ہزار ہشتصد و شصت و پنجدام موضع کولیسر وغیرہ عملہ پرگنہ شکرپور وغیرہ سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد کہ مبلغ نہصد روپیہ حاصل آنست بابت محال جاگیر محمد تقی خان عرف بہچو خواص بوجہ انعام التمغائی حسین بخش وغیرہ متعلقان خان مشار الیہ با فرزندان تصدیق و یادداشت و توفیر آنچہ از حسن تردد بر جمع آن بیفزاید از ابتدای ربیع او ذیل حسب الضمن مقرر شد باید کہ فرزندان نامدار کامگار و الاتبار و وزراے ذوی الاقتدار و امرای عالی مقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و مؤبداً در استقرار و استمرار این حکم مقدس معلی کوشیدہ داہھای مرقومہ را نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن خالداً و مخلداً بتصرف آنہا واگزارند و از صوادم تغییر و تبدیل مصئون و محروس دانستہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل قتلغہ و محصلانہ و داروغانہ و ضابطانہ و شکار و بیکار و دہ نیمی مقدمہ و صدوہی و قانون گوئی مزاحم و متعرض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند و دریں باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند مجدد نطلبند و از ریلغ کرامت تبلیغ والا تخلف و انحراف نورزند بتاریخ ہفدہم شہر ربیع الاول سال بیست و دوم از جلوس ابد مانوس معلی زیب تحریر یافت

---

(۱۵) نکاح نامہ مرزا شہاب الدین و مداری بیگم مورخہ شب ۲ شوال سنہ ۱۲۳۱ھ مہری قاضی مرزا خلیل الرحمن جو نہایت مطلا اور مذہب ہے - یہ نکاح نامہ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۸۵۷ء کو قلعہ معلی میں بوقت قبضۂ انگریزی ملا اور مسٹر امری شونگیر سے

(Mr Imre Schweiger) عجائب خانہ واقعہ قلعہ کو عطا ہوا

اطلعت بھذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل النکاح سنۃ سنیۃ للانام وفصلا قاطعاً متمیزاً بین × الحلال والحرام حصنا حصینا عن التفاحش والاثام وتمتعاً فی اللیام والایام × والصلوٰۃ والسلام علی من جاء بامر فانکحوا ما طاب لکم من النساء وقال تزوجوا وتناسلوا × وتکاثروا فانی متکاثر بکم الامم یوم العرض واللقاء وعلی آلہ المعصومین واصحابہ اجمعین × اما بعد این وثیقہ صحیحہ شرعیہ نبویہ بزیور صدق آراستہ مشعر ومبنی است براینکہ × بتاریخ شب ہفتم شوال المکرم سنہ ۱۲۴۱ ہجریہ مقدسہ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء در محفل عقد حاضر آمدہ حافظ نظام علی بن نور محمد کہ وکیل ثابت الوکالت بالنکاح است از قبل تتوق نشین عصمت سماۃ × مداری بیگم بنت مرزا مولنگا بشہادت شاہدین العادلین الحرین البالغین احدہما مرزا حسین بخش ابن مرزا جمعہ وثانیہما مرزا علیم الدین بن مرزا شجاع الدین وکیل مذکور بنفس نفیسہ سماۃ مذکورہ بعوض کابین مبلغ پنجلاکھ روپیہ سکہ رائج الوقت کہ ثلث از ان معجل وثلثان منہ موجل الی بقاء النکاح بزنی وزوجیت ووجہ دودمان سلاطین نامدار × مرزا شہاب الدین بن مرزا الکھو داد وناکح مذکور بنفس نفیسہ سماۃ ممدوحہ را بعوض کابین المذکورین × خواست وقبول کرد ودر عقد نکاح صحیح شرعی خود درآورد وبینہما ایجاب وقبول شرعی واقع شد × وعقد نکاح منعقد گشت نکاحاً صحیحاً شرعیاً جائزاً نافذاً علی سبیل الشہرۃ والاعلان ولا علی الطریق الخفیۃ والکتمان قد وقع ذلک فی التاریخ شہر صدر وسنہ الیہ **ببیص**

اس نکاح نامے کے حاشیے پر شاہزادوں کی گواہیاں حسب ذیل ہیں:—
مرزا شہاب الدین (ناکح) مرزا الکھو صاحب — مرزا ملتو صاحب — مرزا مجھو — محمود

مرزا سر بلند بخت ۔ مرزا خداداد ۔ مرزا ببو ۔

(۱۶) خط فارسی من جانب لارڈ منٹو موسومہ مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب مورخہ ۱۳ راکتوبر ۱۸۰۸ء مع لفافہ طلائی ٹکلیاں اور افشاں کیا ہوا بخط شکستہ جس کی پشت پر مہر گورنر جنرل بہادر کے دفتر کی ہے ۔

مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان باستظہار مخلصان سلامت

بعد اشتیاق دریافت مہلت موفور المسرت کہ مستغنی از التحریر × والتقریر است مشہود خاطر مہربانی مظاہر میدارد سوال و جواب × مطارحاتیکہ از وقت ورود شہامت و عوالی مرتبت × ابہت و معالے منزلت مٹکاف صاحب بہادر بدربار آنمشفق × بعمل آمدہ کیفیت آن مفصل از ارقام صاحب موصوف بدریافت مخلص رسید بعض مراتبیکہ در اثنائے این گفتگو × بظہور آوردہ موجب تحیر و تاسف خاطر اتحاد مآثر شد × مقتضے برین گشت کہ مخلص بذریعہ قطعہ محبت نامہ کیفیت × مافی الضمیر و مکنونات خاطر خود بحیطہ بیان درآرد × مشفقا مقصود از تعینانی صاحب موصوف بدربار آنمشفق × ہمین بودہ کہ معزی الیہ از کماہی خطراتیکہ عاید شدن آن × بمرور ایام نسبت بملک آنمشفق متصور است بخدمت اطلاع دادہ × جہت اندفاع آن طرح انداز مصلحت و موافقت ہر دو سرکار شود × چنانچہ صاحب موصوف تفصیل این اجمال را تصریحانہ × در خدمت آن شفیق بمعرض اظہار در آوردہ اند واگرچہ در حقیقت تقرر اینچنین سر رشتہ موافقت خالی از انتفاع × این سرکار ہم نیست زیرا کہ گروہ خدلان پژوہیکہ متبع زیان رسانے نسبت بممالک سرکار آنمشفق است × از معاندان این سرکار نیز متصور لیکن در صورت پیشقدمی × آن گروہ محفوظ و مصئون بودن ملک آنمشفق از آسیب و تعدی آنہا × بلا اعانت و امداد اہالی سرکار کہ بفضل الہی نظر بر مراتب قدرت و فرط استعداد و اقتدار خود ہا × اسباب حفاظت و حراست ممالک محروسہ بجمیع وجوہ × حاصل و واصل وارد امر محال است از انجا کہ بظاہر اسباب × صداقت این مقال بروجہ احسن و روشن

مستحسن منقوش (حاشیه پر آڑی سطروں سے) خاطر آنمشفق گردید
درینصورت بالفعل دریافت استمضے که × آنمشفق اقبال سوال مزبور اکه کمال
منفعت × بل قیام سرکار آنمشفق دران متضمن است منحصر و مشروط برین
داشته بودند × که سرداران سکهان اینطرف رود ستلج که از متوسلان و زیر
سایه × بحفاظت این سرکار هستند اهالی این سرکار روادار دست درازی
آنمشفق زیر تعلقات اینها نشود موجب × استعجاب خاطر اتحاد مآثر گردیده معهذا
هرگاه اینهم بظهور پیوست × که آنمشفق باوجود معقول و مسطور داشتن استمضے که در
مقدمه × سرداران مزبور از مخلص استصواب و استصلاح بعمل آید × خود مع فوج
رود ستلج را عبور ساخته در ممالک آنها × در آمده بتسخیر قلعه جات اقدام نموده
بودند مکان استعجاب × زیاده از سابق لاحق خاطر مودت ذخائر گردید مشفقا
مدارج وفاپرستے و اعتدال پژوهے اہالے سرکار × انگریزیہا در بر آنمشفق
و جمیع رؤسا و سرداران اینددیار × بخوبی واضح و لائح است × چنانچه قوم مرہٹه
در ایام تسلط خود × بممالک سمت شمال هندوستان از سرداران سکهان ×
پیشکش و خراج میگرفتند و دست اختیار از سر اینها × دراز و آنها را از زیر اطاعت
خودها میداشتند × بعد از ان وقتیکه اهالی این سرکار محض جهت صیانت × ممالک
محروسه از دست پیش قدمی و زبردستی قوم مزبور × مجبوراً از تکاب محاربه پرداخته
بر ممالک هندوستان × مسلط شدند × ایتلاف و انجذاب قلوب سرداران
سکهان بذریعه تمشیت سررشته فلاح و بهبود اینها پیشنهاد خاطر خواطر داشته
از اخذ پیشکش و خراج مال از هرگونه مطالبه و × مزاحمت اجتناب ورزیده سرداران
مذکورین را بلاقید × و حصر درمیان تعلقات اینها مختار گردانیده پس هرگاه × اہالی
موصوف محض نظر بر رفاه احوال و استقرار اختیار × سرداران مذکور درمیان تعلقات
مفوضه اینها × از اجرای حکومت واجبی نسبت باینها دست بردار شدند هیچ جای
امکان باشد که اهالی موصوف روادار تحکم × سرکاری و گریز سر سرداران
سکهان مذکورین تواند گردید × از انجا که همعنی بر رای زرین آنمشفق نیکو ظاهر خواهد بود
درینصورت مخلص را یقین حاصل که آنمشفق از تقدیم اراده خود نسبت سرداران

خورین معطوف العنان خواہند گشت - مشفقا بزودی صحف مراتب [1]

(منٹو) Minto

نقل لفافہ - بمطالعہ ساطعہ مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان استظہار مخلصان مہاراجہ رنجیت سنگھ بہادر سلمہ اللہ تعالٰے موصول باد۔

لفافے کے عرض پر - مرقومہ سی ویکم ماہ اکتوبر ۱۸۰۸ عیسوی مطابق دہم رمضان ۱۲۲۳ ہجری

(۱۷) لارڈ آکلینڈ کا خط موسومہ ابو نصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۳۷ء جس میں لاٹ صاحب موصوف نے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات اور حضور ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تخت نشینی کی اطلاع دی ہے۔

To His Majesty,

Abu Nusur Moyeen-ooddeen Mohummad Akber Shah Badshah Ghazi

My royal and illustrious friend,

I have learned by Dispatches recently received overland from England the mournful intelligence of the death of His most gracious Majesty King William the Fourth, whom after a happy and prosperous reign of seven years it pleased the Almighty to call to his Mercy on the 20th of June in the year of our Lord One thousand Eight Hundred and thirty seven.

The late Sovereign by his many excellent

[1] عبارت نا مکمل ہونے سے یہ خط نا تمام معلوم ہوتا ہے مگر اختتام عبارت پر علامت ختم کا نشان ہے متفقات کی بابت یہ بھی ممکن ہے کہ اور کچھ عبارت رہی ہو ۱۲

qualities, had greatly endeared himself to his subjects who deeply and unanimously lament his loss.

By the demise of His late Majesty the Imperial Crown of the United Kingdom of Great Britain and Ireland has solely and rightfully come to the High and Mighty Princess Alexanderina Victoria, niece of the late Sovereign, who has been duly proclaimed, by the Grace of God, Queen of the United Kingdom of Great Britain and Ireland and Defender of the Faith. May her reign be prosperous.

Considering your Majesty as a sincere friend of the British Government I have deemed it necessary to communicate the above circumstances for your information.

In conclusion I beg to express the high consideration I entertain of your Majesty and subscribe myself—

Your Majesty's sincere friend

Fort William Auckland

11th September 1837

(ترجمہ) بحضور ابو النصر معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی —

میرے شاہی اور والا قدر دوست — اُن مراسلوں سے جو حال میں انگلستان

سے موصول ہوئے ہیں کہ مجھے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات کی افسوسناک خبر ملی ہے جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی مرضی سے سات سال کی خوش اور با اقبال سلطنت کے بعد ۲۰ ؍ جون ۱۸۳۷ء میں اپنی جوار رحمت میں طلب فرمالیا۔

مرحوم بادشاہ کو اپنی بہت سی صفات حسنہ کی وجہ سے رعایا بہت عزیز رکھتی تھی جو گہری طور پر متفقاً اُن کی وفات کا ماتم کرتی ہے۔ حضور مرحوم کی وفات سے سلطنت متحدہ برطانیہ اعظم و آیرلینڈ کا شاہی تاج بالکلیہ استحقاقاً علیا حضرت شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا شاہ متوفی کی بھتیجی کے قبض و تصرف میں آیا ہے جن کے بفضل خدا ملکہ سلطنت متحدہ برطانیہ اعظم و آیرلینڈ و حامی دین ہونے کا اعلان باقاعدہ طور پر کیا جاچکا ہے۔

بخیال اس امر کے کہ حضور سرکار برطانیہ کے مخلص دوست ہیں میں نے واقعات بالا کی اطلاع دینا ضروری خیال کیا۔ خاتمہ پر میں اُس واجب التعظیم خیال کا اظہار کرتا ہوں جو مجھے حضور کی ذات سے ہے۔

میں ہوں حضور کا مخلص دوست۔ آکلینڈ

---

(۱۸) فرمان مطلا اکبر شاہ ثانی موسومہ کرنل اسکنر سنہ جلوس (۳۰)

جس پر دو طغرے طلائی اور شاہی مہر ہے اور مہر پر چہرہ شاہی کی شکل بھی بنی ہوئی ہے

قولقرار استمرار پٹہ باسم ناصر الدولہ کرنیل جیمس اسکنر بہادر عالیجنگ۔

آنعقیدت نہاد خانزاد قدیم الخاندان والا عرضی بامضمون گذرانیده که ٹھیکہ پتہ ربوپوره از ابتدای ۱۲۳۰ فصلی لغایتہ ۱۲۴۵ واجب شانزده ساله بنام فدوی زاده از حضور مقرر است ازانمیان ہفت سال منقضی گردیده ونہ سال باقیست ازانجا کہ رعایا ستقیم و ویران بود کاشتکاران از جا بجا طلبیده قریب چہل ہزار روپیہ در وجہ تقاوی مزارعان ستقیم داده آباد نمود از قلت پیداواری یکحبہ از تقاوی بوصول نامده و در شخصهٔ حضور والا سال بسال و فصل بفصل بلا توقف و بلا عذر از قرضوام ادا نموده زیر باری کثیر برداشته ام و آینده بتصرف سی چہل ہزار روپیہ در آبادی و تعمیر چاه ہای بصورت فواید و محاصل و گذاره انیفدوی غیر ممکن باستحقاق خانه زادگی قدیم

امیدوارم کہ پتہ مذکور بجمع زر مشخصہ شانزدہ ہزار روپیہ سالیانہ بطور مدد معاش استمرار
نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام اینفدوی مقرر گردد کہ باطمینان خاطر بصرف قدری
از قرضوام پرداختہ این فدوی و فرزندان اینفدوی جمیع زر مشخصہ حضور انور سال بسال
و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ کردہ باشد لہذا بملاحظہ اینکہ آن عقیدت کیش
خانہ زاد این خاندان علیا است و درادای زر مشخصہ و صرف نمودن زر خطیر و جاگیر
و خانہ آبادی مقروض و زیر بار گردیدہ مورد تفضلات و پرورش قدریانہ پتہ مذکور بطریق
تیول خاص از ابتدای ۱۲۲۲ بجمع شانزدہ ہزار روپیہ سکہ کلدار سالیانہ مساوی ان
نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام ایشان مقرر کردہ شد باید کہ آن فدوی با فرزندان
پتہ مذکور را استمراراً نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بہ تحکیم محکم و مستقل برای علی الدوام
بذمہ خود دانستہ بخاطر جمع تمام بصرف زر دیگر پتہ مذکور را آباد ساختہ جمع استمرار
سال بسال و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ حضور والا کردہ باشند کمی و بیشی پیداوار
ذمہ خود شناسند و اگر خدا نخواستہ تصرف و پایمال زبردست رو دہد موجب تحقیقات
درین حضور انور مجرائی خواہد یافت باید کہ فرزندان نامدار کامگار عالی نسب والا تبار و
وزرای ذوالاقتدار و امرای عالیمقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان
مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال
ابداً و مؤبداً در استقرار این حکم مقدس معلی بکوشند و بوجہی من الوجوہ سوائی از زر مشخصہ
طلب ننمایند و لوازمہ عہدہ داران و زمینداران و مقدمان پتہ مذکور آنچنان کہ ہر آئینہ
در اطاعت و فرمانبرداری اہلکاران آن عقیدت کیش پرداختہ پیداوار محال سال بسال
و فصل بفصل ادا میکردہ باشند نوعی تخلف و انحراف نورزند بتاریخ بست و ہفتم شہر
شوال میمنت اشتمال سنہ ام از جلوس معلی زیب تحریر یافت ×

(۱۹) تصدیق نامہ متضمن اس امر کے کہ سرفراز خاں کو اکبر شاہ ثانی نے
پرورش فرما کر خطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامرا شمشیر جنگ مرحمت فرمایا تھا
اور سلاح خانے میں ایک اعلیٰ عہدے قورخانے اور حبیب خاص پر مقرر فرمایا تھا
یہ کاغذ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بوقت فتح قلعہ انگریزوں کے ہاتھ لگا اور مسٹر لوری مجسٹریٹ نے

عجائب خانے کو تحفہ دیا۔ یہ تصدیق نامہ مطلا و مذہب ہے جس پر دو بڑی شاہی مہریں اور چودہ مہریں اور صاحبوں کی ہیں۔

حضرت محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ و مرقدہ

ولا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہ فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعلمون علیم

از انجا کہ بمقتضای آیہ کریمہ ادای شہادت ونیل سعادت و کتمانش موجب شقاوت است ÷ لہذا از حضرت سلاطین والا تبار عالی وقار علماء تقوی وصداقت التیام ومہذب امور اسلام وفقراء ہدایت وصفا شعار کرامت ÷ وضیاء و ثنا . ورؤسا ء شوکت وحشمت مآب وامراء امارت وابہت نصاب این خاکسار ذرہ بے مقدار المخاطب بسرفراز خان ÷ سوال میکند واستشہاد حق خود میخواہد براینمعنی کہ حضرت عرش آرامگاہ این سائل را از عمر شیر خوارگی بظل عاطفت وسایۂ ملاطفت مثل فرزندان پرورش فرمودہ بتقرر معلم وادیب بہ تعلیم وتادیب ÷ مشرف نمودہ بسن تمیز بتعین خدمت شائستہ وعہدۂ بایستہ اعلی خدمت قورخانہ وجیب خاص وبخطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامراء محمد سرفراز خان بہادر شمشیر جنگ در اقران وامثال معزز وممتاز فرمودہ سند فرمان ÷ والاشان مزین ومنجلی بمہر تزک وطغرا اشعر بمضمون مرقوم الصدور مصدرہ ششم رمضان المبارک سنہ سی ویکم جلوس معلی بنام خاکسار صادر وعطا فرمودند چنانچہ سائل فرمان کرامت ترجمان را فخراً وسنداً بدست ÷ میدارد ونیز تا زمان رحلت فرمودن حضرت عرش سلطانی ÷ حاضر باشی دربار خاقانی بمفخر وسرفراز ماند حضرتی را از حضرات ممدوحین بر صحت اینحال ÷ وصدق ہذا المقال اطلاعی وآگاہی باشد حسبۃً للہ مہر گواہی خود برین قرطاس ثبت فرمایند کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور شوند ÷

(۴۰) سر جان لارنس مٹکاف کا خط تعزیت مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۸۳۷ء موسومہ ابو المظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی بحضرت ممدوح کے والد کی وفات پر لکھا گیا۔

To,

His Majesty
Abool Mozaffar Surajooddeen Mohummud
Buhadur Shah Badshah Ghazi,

May it please your Majesty,

I have received with the deepest sorrow the mournful intelligence communicated to me by Mr Metcalfe of the demise of His Majesty on this melancholy occasion with sentiments of sincere and respectful condolence. I fervently pray that your Majesty may be supported and comforted by the reflection that all things proceed from the Will of the Creator; and that it has pleased Almighty Providence to take unto himself your Majesty's venerable Father after a long and happy reign.

When time shall have mellowed recollections of a dear Parent, your Majesty will call up with pleasure to the remembrance of the amiable qualities which distinguished His late Majesty, and by which he will ever live in the memory of those who had the honor of approaching him.

I now beg leave respectfully to offer my sincere and heartfelt congratulations on your Majesty's succession

to the Throne of your ancestors.

May you be blessed with a long life, Health, Happiness and Prosperity.

Your Majesty's
Faithful Servant
Agra
The 4th October 1837. C. T. Metcalfe

(ترجمہ) بحضور ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ

بادشاہ غازی

التماس آنکہ۔ میں نے اس اندوہ ناک خبر کو جو مسٹر مٹکاف نے حضور کی رحلت کے متعلق دی ہے نہایت افسوس اور اس الم ناک واقعہ کو مخلصانہ و مؤدبانہ خیالات تعزیت کے ساتھ سنا۔ میں گرمجوشی سے دعا کرتا ہوں کہ حضور کو اس امر کے تصور سے سہارا اور تسلی ہو کہ تمامی امور خلاق عالم کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ قادر مطلق کی اسی میں خوشی تھی کہ حضور کے والد ماجد کو ایک طویل اور خوش گوار مدت سلطنت کے اپنے نزدیک بلا لے۔ جب وقت حضور کے غم (و الم) کے اشتداد کو اپنے پیارے والد کی مقدس یاد سے نرم کر دے گا تو حضور کو حضور مرحوم کی ان صفات پسندیدہ کی یادگاری سے جس کے سبب سے وہ ممتاز تھے مسرت ہوگی اور یہی صفات ایسی ہیں جن کی یاد ہمیشہ کے لیئے ان لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی جن کو (حضور ممدوح) کی خدمت میں باریابی کی عزت حاصل تھی۔ اب میں ادب سے اپنی مخلصانہ اور دلی مبارک باد حضور کی اپنے آباواجداد کے تخت پر جلوس فرمانے کی پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ

آپ کو عمر کی درازی - تن درستی اور اقبال مندی نصیب فرمائے - حضور کا
وفادار خادم - سی - ٹی - مٹکاف - مقام آگرہ - ۴ر اکتوبر [illegible]

(۲۱) خط مطلّا بعبارت فارسی بخط شکستہ لارڈ الن برا موسومہ بہادر شاہ ثانی بادشاہ مشعر اطلاع اخذ جائزہ عہدہ جلیلہ گورنر جنرلی در ۱۸۴۲ء

درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاری زیب افزائے اورنگ خلافت و جہانداری
خدیو مملکت عدل و رافت شہریار کشور داد و نصفت خلد اللہ ملکہ و سلطانہ -
بر روح ضمیر منیر مہر تنویر مبرہن و منکشف میگرداند خبر معین و ماموری شدن ارادتمند ×
در عہد ریاست ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر متعلقہ کشور ہند بے شبہہ
بذریعہ × و واسطۂ معمولی واضح خاطر عاطر شدہ باشد بالفعل بپاس اطلاع
بخامۂ اخلاص نگار × می در آرد کہ عقیدت اشتمال بتاریخ بست و ہشتم ماہ فروری
۱۸۴۲ء مطابق × شانزدہم شہر محرم الحرام ۱۲۵۸ھ ہجری بدار الامارۃ کلکتہ داخل گردیدہ
انجام و × اہتمام امور متعلقہ عہدہ مزبورہ بر خود لازم گرفتہ و یقین خاطر خطیر شفقت نظیر
باشد کہ مدار رج کمال اکرام و احترام نسبت مرتبہ خلافت منزلت و مراتب خلوص عقیدت
نسبت بذات ستودہ صفات آں خدیو مملکت عدل و رافت و آں خاندان × سلطنت نشان
و تمنائے ابراز آں ہموارہ بپاس لوازم آسایش و × آرامش منتسبان آں دودمان
قسمیکہ از طرف گورنر جنرل بہادر × سابق سمت وضوح یافتہ از تہ دل عقیدت منزل
منتقش و منطبع خاطر ارادت مظاہر است و خواہد بود حق سبحانہ و تعالیٰ تا دوام ×
ماہ و مہر و قیام سپہر آں درۃ التاج افسر سلطنت و شہریاران را بتائیدات غیب الغیب
موید و مشید دارد -

Ellenborough (النبرا)

لہ یہ خط غور اور توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل بہادر سلاطین مغلیہ کو کس طرح مخاطب کرتے تھے - اس خط کے نیچے صرف لاٹ صاحب کے دستخط انگریزی ہیں اور [illegible]

(۳۲۷) یہ خط جو ایک بہت بڑے مطلّا و مذہب کاغذ پر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے بہادر شاہ ثانی بادشاہ کا ہے جو ۹ شوال سنہ ۱۰ جلوس (۱۸۴۶ء) کو ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کے نام لکھا گیا۔[1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواہر زواہر ہزاران ستایش و ثنا نثار پایۂ عرش عظمت و اجلال و قدیمی کہ اوراق متفرق افراد عالم بہ حدوث رالشیرازہ بندی جہان آرائی شاہنشاہان والا اقتدار و خواقین نصفت شعار مجلد و مجموع ساختہ و مظلومان کائنات و مہوفان موجودات را بداد رسی و حق پژوہی بہ فرمانروایان نصفت پرور و خسروان معدلت گستر از نعمای

[1] یہ طول اور مفصل خط بلحاظ عبارت آرائی کے بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ چونکہ بہت بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہے قلعہ کے عجائب خانے میں تین حصے کرکے آئینہ دار چوکھٹوں میں جڑا گیا ہے۔ لفافہ ایک علیحدہ فریم میں ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کس خیال کے تھے کہ ولی عہد کی چند روزہ جدائی کی تصویر بیاسے پیچھے ہٹ گئے برخلاف اس کے ملکہ معظمہ کو دیکھیے کہ اُن کے تینوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے ملک ہند میں تشریف لائے اور نہ صرف بیٹے بلکہ بہویں اور پوتے تک آئے اور خود بادشاہ سلامت مع ملکہ معظمہ کے رونق افروز ہوئے اور اب پھر پرنس آف ویلز ولی عہد بہادر کی تشریف آوری کی خبر مسرت اثر گرم ہے۔ یہ فرق ہے عزم و استقلال اور آزادی کا ہمارے اور انگریزوں کے۔ ہمارے شاہزادے بہو بیٹوں کے پلے بھلا کیسے وطن چھوڑ کر باہر نکلتے اس خط میں بات تو صرف اتنی ہی ہے کہ میں شہزادے کو آپ کی خدمت میں بھیجتا مگر اُس کی جدائی اور دوری گوارا نہ ہوئی۔ یہ بھی صرف کہنے کی بات ہے اور نری سخن سازی ہے ورنہ وہ اصل بادشاہ کو ایسا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ پہلے پندار میں ملکہ سے اظہار خلوص و عقیدت کا یہ ایک ذریعہ تعبیر کیا ہے جسے بے انتہا لمبی چوڑی تمہید اور عبارت آرائی کے علاوہ گہرے سنہری کام سے لیپ دیا ہے۔ اس عملی انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قدر لندن میں کس طرح کی ہوئی اور اس کی نفیس نقش اور مسجع عبارت کی داد کس طرح دی ہوگی اور جب اصل مطلب کی طرف غور کیا ہوگا تو بادشاہ کی اولوالعزمی استقلال ہمت و جرات ملک داری کی نسبت دانایان فرنگ کا کیا خیال ہوا ہوگا ظاہر و باہر ہے۔ اگر اسی مطلب کو سیدھی سادی انگریزی میں لکھوا دیتے تو شاید اس تمام بکھیڑے اور لکھنے لکھانے سے زیادہ موثر اور مفید ہوتا اس میں کلام نہیں کہ

وضع الشیء فی غیر محلہ فرود شاگر ہر کہ مصلحت خویش نکو می داند

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش رموز مصلحت خویش خسرواں دانند (من المصنف)

کامیابی حقوق واجب نواخته والآلی سلالی فراوان بیایش واعتنا ایثار جناب تقدس نصابت
از اتحاد وایتلاف سلاطین دادگر و بادشاهان والاگهر بتشیده ترصیص اساس آسایش
وآرامش خلایق پرداخته وبارتباط وروابط محبت وانضباط ضوابط مودت سروادان عظام
وخواقین عالیمقام طرح انفتاح امن وامان زمان وزمانیان انداخته پاسداری عهود ومعهد
مواثیق موثق بمقتضای آیه کریمه اوفوا بالعهود وخمیرمایه ذات بابرکات ملوک ملکی صفات
از تایید حکمت بالغه وست تا گروه تابعین ولاحقین بفحوای الناس علی دین ملوکهم این طریقه
انیقه را پیش گیرند وامتناع نقض عهد وارتکاب خلاف بمؤدی عظیمه الذین ینقضون العهد
من بعد میثاقه از تهدید قدرت کامله او تا عموم عوام مرتکب اینحرکت ومیشوم وبادی این فعل
وخیم نشوند وور رغرورودنامعدود ونقود محمود صلوة غیرمحدود هدیه بارگاه ملایک پناه
حضرت احمد مجتبی محمد مصطفی سلطان العرب والعجم فخرالانام کهف الامم آفتاب جهانتاب
سپهر نبوت سپهر آفتاب علو وعظمت گوهر آبدار رفعت وهدایت حصه دوم صدف
گوهر شهوار شفاعت سید الثقلین سرور خافقین مسند آرای مقام قاب قوسین
شهسوار مضمار لیلة الاسری عارج معارج اقصی صلواة الله علی نبینا وعموما علی سایر الانبیاء
خصوصا علی مسیح ابن مریم وعلی آله الاطهار واصحاب الکبار اجمعین اما بعد تحمید حامد حضرت
کردگار واهدای هدایای سرور روزگار بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت کیوان منزلت
سپهر جناب رخشنده کوکب آسمان سلطنت جهانداری دری سمار خلافت وشهریاری
محمود اکاسره ورشک افزای قیاصره شاه جمجاه فلک بارگاه خورشید کلاه
ستاره سپاه محی مراسم سیحیه مکرم مکارم انگلشیه آنکه آوازه کمال معدلتش تمام
آفاق فراگرفته وصیت عنایت مکرمتش باطراف واکناف عالم وارسیده از هیبت
داور عدلش فلک کجرفتار سرنگون واز خوف شحنه سیاستش برق اشرار بار
تفته درون ودر مصاف معرکه شجاعتش رستم دوران ترسان ودر میدان نبرد شهامتش
مریخ فلک برخود لرزان باتباع احکام مطاعش سروران نامدار غاشیه اطاعت
بردوش وبه امتثال فرمان واجب الاذعانش ملوک عالیمقدار حلقه فرمانبرداران
انگلستان خلدالله ملکها وسلطانها وافاض علی العالمین برها واحسانها منطبع ومنقش
می گرداند که نظر بسوابق اتحاد این دودمان از زمان حضرت خاقان گیتی ستان امیر تیمور

گورگان صاحبقران و مہدوتا اندمان حضرت جلال الدین عرش آشیان انار اللہ برہانہ آن
خاندان عالیشان و ابقاے آن یگانگت و اتحاد تا این زمان و ظہور اتحاد و عنایت و
امداد از ان دولت ابد بنیاد نسبت باین خاندان عظمت نشان کرشمہ از کیفیت این ستان
در سابق آوان بذریعہ مکتوب و سفیر بمسامع و مجامع آن سروفرشاہان فی شان
رسیدہ است و احتمال اضاعت اوقات معدلت گستری و رعایا پروری آن نہعت
امن و امان × از تکرار تذکاران بالغ است از سالہا اراده ارسال نور حدقہ
سلطنت و نور حدیقہ حشمت برخوردار کامگار سعادت اطوار رسد و تار فرزند ارجمند
مرزا محمد جوانبخت بہادر کہ با وجود صغر سن آثار بزرگی از ناصیہ اش پیداست و آثار رات
بختیاری از چہرہ اش × ہویدا در عمر یکہ شعور کامل نمیباشد اکثر اوقاتش بطلب
مرضیات خالق و رضا جوی خلق و خدمت والدین و رحم بر اہل قرابت و احقاق حق
و ابطال باطل و شوق کسب کمال و اجتناب از خصائل اراذل بدرجہ کمال مصروف
اندو × دویدن ہمین خصال با شرافت جوہر ذاتی خاطر ما بدولت را درکر و محبت آن
نونہال و ہمیشہ جویای ترقی مدارجش در حال و مآل میدارد و بخدمت سراپا معدلت
مکنون بود تا ملاحظۂ حال آن ستودہ خصال باعث وفور توجہ معدلت × پژوہ برحالش
شود و نسبت فرزندی کہ سبب برادر زادگی ہست و عمہ را بر برادر زادہ بپاس خاطر
برادر شفقتہا بیشتر از مادر می باشد افزایش یابد و در زمرۂ فرزندان دست گرفتہ
کہ شاہان باشکوہ را پاسداری این بیشتر می شود منسلک گردد ۔ حصہ سوم ۔ و
بیمن حفظ و حمایت آن معدن جود و عدالت از شر حسودان مصئون و مامون ماند
لاکن وفور محبت و عدم تحمل کلفت مفارقت ازین ارادہ مانع آمد درینحال ہمین مناسب
متصور شد کہ نقش مقصود را بارقام مختصری از احوال این نونہال و ارسال[1]
نقش دست این خوشخصال ارتسام یابد یقین است کہ ہرگاہ این نقش بدست
آن شاہ قوی بازو رسید بپاس دست گرفتگی بر ذمت ہمت والانہمت متحتم و واجب
خواہد گردید و شاہد مقصود از جلباب خفا سر بعرصۂ ظہور خواہد کشید × توقع از ان

[1] ہرکس عقل خود بکمال و فرزند خود بجمال ۔۱۲

سر گروہ سلاطین والا شکوہ اینست کہ بعد ورود نامہ نامی حاوی منظوری قبول این ماموں آگاہ فرمودہ دریں عالم ناتوانی و پیرانہ سالی از دست رنج این گلہ طمانیت افزائی خاطر قاتر و ممنون ہزاران ہزار شاد کامی خواہند گردانید × او سبحانہ تعالیٰ شانہ کہ ثمرات حسنات بر کافۂ روزگار فواید داد و پروری و نتائج عدل گستری مخصوص بملوک عدالت شعار منتظم و مرتسم ساختہ از زور بازوی اقبال آن انجم سپاہ سینۂ دشمنان پر غم و آرزو مندان استعانت راخوش و × خورم و شاداب داشتہ ہموارہ با بیاری افضال لایزال گلستان دولت و سلطنت روز افزوں سر سبز و ریان چمنستان عدل و معدلت شگفتہ و خندان دارا دوالی یوم التناد — لفافہ — .... لت سپہر جناب ثریا قباب رخشندہ کوکب آسمان جہانداری و دری سمار خلافت و شہریاری محو و اکاسرہ رشک افزاے قیاصرو شاہ ہمجاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ محی مراسم سیحہ کرم مکارم انگلشیہ جمشید حشمت فریدون شوکت نوشیروان عدالت حاتم ہمت معدن مروت بیکران منبع الطاف بی پایان ہمشیرہ صاحبہ مشفقہ لبیا مہربان ملکہ معظمہ وکٹوریا صاحبہ خلد اللہ ملکہا و سلطانہا مشرف باد ×

(۲۳) لارڈ کالون کا خط موسومہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۵۲ء متعلق بہ انسداد گاؤ کشی

To,

His Majesty Aboo Zaffur Surajooddeen Bahadur Shah Badshah Ghazi

---

۵ے در اصل یہ خط مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی منظوری کے متعلق ہے — خدا جانے جواب بھی کچھ ملا یا نہیں اور ملا تو کیا ملا — ع — ای بسا آرزو کہ خاک شدہ — وہ لب ماہی الٹ گئی بادشاہت ہی نہ رہی تو ولی عہدی کیسی اور کس کی؟ — یہ بھی عجیب بات سوجھی کہ شاہزادے کے بھیجنے کی عوض پنجہ کا چربہ اُتروا کر بھیج کر دستگیری کی درخواست کی — وقت ہی ایسا ٹیڑھا آن پڑا تھا یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے؟ ۵ے

آں کہ شیراں را کند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج

منہ المصنف

My most esteemed and Royal Friend,

I have received and attentively perused, Your Majesty's Waseeqa and its enclosures, regarding the restriction which has been placed upon the practice of Killing cows in the city of Delhi.

My Royal Friend, the restriction I objected to have been imposed by the local authorities for the paramount object of the preservation of the peace of the City and reference should be made by the parties, desirous of offer-ing a representation on such a point, to those authorities, as having full power to enquire and decide regarding it.

With sincere wishes of Your Majesty's prosperity

Your Majesty's Sincere Friend

Head Quarters
22nd August 1854

S. R. Colvin

(ترجمہ) بہ حضور ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی۔
میرے محترم اور شاہی دوست حضور کا وثیقہ مشعر اُن قیود کے جو شہر دہلی میں
گاؤکشی کے عمل درآمد کے متعلق عائد کی گئی ہیں مع ملفوفات کے پہنچا جسے
میں نے بغور ملاحظہ کیا ۔ میرے شاہی دوست ۔ جس شرط پر میں نے اعتراض

کیا تھا جو مقامی عہدہ داروں نے عائد کی تھی اور جس کی بڑی غرض سرحد کا امن قایم رکھنے کی تھی - فریقین جو اس معاملے کو پیش کرنا چاہیں - اُن کو چاہیے کہ اس معاملے کو اُن عہدہ داروں کے سامنے پیش کریں جن کو اس کی تحقیقات اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہو -

مقام مستقر
۲۲ راگست ۱۸۸۸ء

اس - آر - کالون

(ضمیمہ اول ختم ہوا)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب مولوی محمد عبدالحکیم صاحب سوم تعلقہ دار ضلع ایچپور

فتح ممالک دہلی مبارک باد
۱۳۳۷ھ

(۱) بشیر الدین احمد منبع علم
پے تاریخ چوں رفتم بہ فکرش
نہ نشست از طبع خود تاریخ دہلی
شدہ جا دو بیاں تاریخ دہلی
۱۳۳۷ھ

(۲) بشیر الدین احمد دہلوی نے
لکھی تاریخ نادر چشم بد دور
ہوئی جب فکر مجکو بہر تاریخ
جہالت سے ہوا میں سخت مجبور
تو ہاتف نے مجھے مژدہ سنایا
ذرا سی فکر میں کیوں تو ہے رنجور
سر انصاف سے تو کہہ دے تاریخ
وقایع سلطنت دہلی مشہور
۱۳۳۶ +۱

(۳) تاریخ لاجواب لکھی ہے بشیر نے
سیرت میں ہے مثال ہے صورت میں ہے جمیل
ہر کلمہ اس کا جامع و مانع ہے اس طرح
فضل و کمال اور ہنر کی ہے دلیل
تصنیف میں بہت سی کتب آپ نے لکھیں
یہ فضل اور کمال ہے از رحمت جلیل
عبدالحکیم عرض کر از حضرت بشیر
تصنیف لاجواب کی تاریخ بے عدیل
۱۳۳۷

ضمیمہ دوم

قیصر ہند ملکہ معظمہ وکٹوریا کی گذشتہ زندگانی کے مختصر حالات

گو صفحۂ دنیا سے کوئین وکٹوریا کی جیتی جاگتی تصویر مٹ گئی مگر ان ہندی کی قلم سے لوگوں کے دلوں پر ایسا گہرا نقش ہو گیا کہ نسلاً بعد نسل بھی محو نہیں ہو سکتی۔ ملکہ کی بے نظیر حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ حکومت کا دارو مدار صرف مردوں ہی پر نہیں ہے بلکہ جو مرد کر سکتے ہیں وہ عورت ذات بھی کر سکتی ہے اور ملکہ نے تو اس سے بھی بڑھ کر دکھایا کہ جو مردوں سے نہ ہو سکا وہ اس نیک ذات عورت نے کیا۔ ابھی ملکہ لڑکی ہی تھیں کم سن کہ خداوند تعالیٰ نے ان کے دست قدرت میں ایسی بڑی وسیع سلطنت دی۔ چونسٹھ برس کی طول طویل مدت ان کے ظل عاطفت و حمایت میں ایسی گزری کہ دن عید رات شب برات۔ ان کے عہد معدلت مہد میں علاوہ توسیع سلطنت کے ملک اور رعایا نے ہر اعتبار سے بے انتہا ترقی کی اور ملکہ نے اپنی خوش خصالی اور جبلی نیک دلی کے سبب سے رعایا کے دلوں میں وہ جگہ پائی کہ ایسی ہر دل عزیزی کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ جو بادشاہ ہوتا ہے اس کا اثر ملک و رعایا پر پڑتا ایک معمولی بات ہے لیکن یہ بات البتہ عجیب و غریب ہے کہ جس بادشاہ نے اس ملک میں قدم تک نہ رکھا اور کالے کوسوں سمندر دل پا یہم سے دور اور نظروں سے اوجھل ہو یہاں کے حالات سے آنکھ چشم دید واقفیت نہ ہو وہ کیسی بیدار مغز ہوگی کہ ہزاروں کوس سے اتنے بڑے ہندوستان پر حکومت کرتی رہی۔ ملکہ معظمہ کو اس پیرانہ سالی میں بھی اپنی رعایا برایا کی بہبودی اور بہتری حالت کے مقابلے میں اپنے آرام و آسایش کا مطلق خیال نہ تھا یہ بات خالی از تعجب نہیں کہ باوجود اس کثرت مشاغل و انہماک امور اہم و سترگ سلطنت کے انھوں نے کچھ کچھ اردو بھی سیکھ لی اور خاص اسی غرض سے مولوی محمد عبد الکریم خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای متوطن آگرے کو اپنا ہندوستانی سکرٹری مقرر فرمایا اور ہندوستانیوں کی خاطر اپنا سدا رہی

یہاں تک مرکوز خاطر اقدس تھی کہ آخری وقت میں بھی آپ کے جنازے کے پاس وہ ہندوستانی مسلمان ملازمہ نگہبان رہیں جشن جوبلی میں بھی ہندوستانی فوج ہی کا باڈی گارڈ آپ کے جلوس کے ہمراہ تھا۔

اگر اس مبارک سلطنت کے زمانے کے مختصر اور ضروری حالات بھی لکھے جائیں تو ایک بہت بڑی کتاب بن جائے بھلا اس مختصر ضمیمے میں سوائے چند ضروری اور اہم مطالب کے اور کیا لکھا جا سکتا ہی پھر بھی اس تاریخ کی تکمیل کی غرض سے چیدہ چیدہ حالات و واقعات لکھے گئے ہیں۔ دراصل یہ بیان اس کتاب کے پہلے حصے میں آنا چاہیے تھا مگر دربار کا نقشہ دکھانے سے بہت جگہ گھر گئی اور ضخامت بہت بڑھ گئی اس مجبوری سے حصۂ سوم میں ملکہ معظمہ اور اُن کے بعد کے دو اور بادشاہوں اُن کے صاحب زادے اور پوتے کے حالات لکھنے پڑے۔

پیدائش

ملکہ معظمہ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو چار بجے صبح پیدا ہوئیں اس حساب سے آپ نے بیاسی سال کی عمر میں چونسٹھ برس کی طول طویل سلطنت کے بعد رحلت فرمائی۔ آپ محل کنسنگٹن واقع لندن میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی **ڈیوک آف کنٹ** تھا جو آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد قضا کر گئے اور والدہ آپ کی لوئیسا وکٹوریا **ڈچس آف کنٹ** تھیں۔ پیدائش کے ایک مہینے بعد آپ کے اصطباغ کی رسم ادا ہوئی اور آپ کا اسم مبارک **الگزینڈرینا وکٹوریا** رکھا گیا۔ اس مبارک رسم میں شہنشاہ روس **الگزینڈر** اور دوسرے عزیز و قریب موجود تھے۔ شہزادی وکٹوریا کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ اُن کی بیوہ والدہ ماجدہ نے بڑے اہتمام اور عمدگی سے انجام دیا **سر والٹر سکاٹ** مشہور فسانہ نگار نے آپ کو پانچ برس کے سن میں دیکھا تھا اور تب ہی کہہ دیا تھا کہ وہ اس صغر سن لیڈی کی تعلیم نہایت حزم و احتیاط سے ہو رہی ہے اور ایسی سخت نگرانی کی جاتی ہے کہ کسی کو اتنا کہنے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ وہ تخت انگلستان کی وارث ہیں ہاں جوں جوں ملکہ کی عمر بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے نگرانی کی ضرورت گھٹتی گئی۔ جب آپ نے بفضل خدا اٹھارویں سال میں قدم دھرا تو آپ کی سالگرہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

تخت نشینی

اس سالگرہ کے چند ہی روز بعد آپ مالک تخت و تاج انگلینڈ ہوئیں۔ جارج ثالث بادشاہ انگلینڈ کے چار بیٹے تھے اور ملکہ کے والد ڈیوک آف کنٹ سب سے چھوٹے تھے۔ بظاہر کوئی اُمید جناب ممدوحہ کے مالک تخت ہونے کی نہ تھی مگر جناب ممدوحہ کا ستارۂ اقبال چمک رہا تھا۔ ولیم چہارم بادشاہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف کنٹ کی اکلوتی صاحبزادی شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا کے فرقِ مبارک سے تاج انگلینڈ نے زینت پائی۔ ان دونوں ولیم چہارم کی عمر بہتر سال کی تھی اور اُن کو شش کی شکایت تھی۔ سات برس سلطنت کرنے کے بعد ولیم چہارم نے ۲۰ رجون ۱۸۳۷ء کو دو بجے شب کے انتقال فرمایا۔ آرچ بشپ اور کنٹیربری اور لارڈ چیمبرلین دونو پانچ بجے صبح کے کنسنگٹن کے محل میں پہنچے۔ دربان کے بیدار کرنے میں بہت دشکلیں دینا پڑیں گھنٹی کو کھینچا اور دروازے کو کھٹکھٹایا تب کہیں دروازہ کھلا تب صحن میں داخل ہوئے۔ دربان نے خبر نہ لی اور تھوڑی دیر ان کو انتظار کرنا پڑا پھر اُنھوں نے گھنٹی بجائی اور کہا کہ ہم شہزادی کو ایک اہم خبر سے فوراً مطلع کرنا چاہتے ہیں۔ تھوڑی دیر پھر سناٹا رہا اور کسی نے آکر جواب نہ دیا۔ پھر تیسری مرتبہ گھنٹی بجائی تو شہزادی کی خادمہ آئی اور اُس نے کہا کہ "شہزادی ایسی میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں کہ میں اُن کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی"۔ اس پر لارڈ چیمبرلین نے کہا کہ "ہم انتظام ملک کی غرض سے اپنی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور وہ انتظام ایسا ضروری ہے کہ وہ اگر خواب استراحت سے بیدار بھی کی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ اس پر جناب ممدوحہ بیدار کی گئیں اور چند ہی منٹ میں شب خوابی کی سفید گون پہنے سر کے بال کھلے شانوں پر بکھرے شال اوڑھے نری سلیپر پہنے برآمد ہوئیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ دیر لگی وہ خود بدولت کی طرف سے نہ تھی۔ جب آپ کو ولیم چہارم کی وفات اور اپنے ملکہ انگلستان ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہ ایسی ذمہ داری کے بوجھ کو یہ کم زور کندھے کیسے سنبھال سکیں گے۔ غرض یہ کہ سوئی تھیں شہزادی اور آنکھ جو کھولی تو انگلینڈ کی ملکہ تھیں! جب آپ نے

بادشاہ کے انتقال کی خبر سنی تو یوں گوہر فشاں ہوئیں کہ "میری طرف سے آپ نماز ادا کیجئے" جس وقت آپ تخت نشین ہوئیں آپ کی عمر کیا تھی صرف اٹھارہ برس لیکن وہ اس صغر سنی میں بھی اپنی بھاری ذمہ داریوں سے بخوبی واقف تھیں چنانچہ آپ نے بر سر دربار ارشاد فرمایا "یہ بھاری ذمہ داری مجھ پر اس قدر دفعتہً کم عمری میں آن پڑی ہے کہ اگر مجھ کو اس باری تعالیٰ پر جس نے مجھ کو یہ کام سپرد فرمایا ہے پورا بھروسہ نہ ہوتا کہ وہ میرے ادائے فرائض منصبی میں طاقت بخشے گا اور اپنے پاک و صاف خیالات اور رفاہ عام کی بابت اپنی سرگرمی پر مجھ کو اطمینان نہ ہوتا جیسا کہ پختہ اور تجربہ کار لوگوں کو ہوتا ہے تو میں ایسی بھاری ذمہ داری سے بالکل پریشان ہو جاتی" جناب ممدوحہ نے اسی وقت پیشین گوئی فرمائی تھی کہ حتی المقدور اپنی سرورے کی رعایا کو آسائش اور راحت پہنچانے میں کوشش کروں گی اور ان کے حقوق کی حفاظت استحکام کے ساتھ کروں گی ... ہر ایک عہدہ دار آپ کے سامنے دو زانو ہو کر دست مبارک کو بوسہ دیتا تھا۔ ڈیوک آف سسکس ملکہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور بسبب کبر سنی کے اس ریل پیل میں جناب ممدوحہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہ دیکھ کر حضور ممدوحہ نے اپنا دست شفقت خود ان کی طرف بڑھایا۔ حضور ممدوحہ نے باوجود حداثت سن اپنے پہلے درباری فرائض کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ ارکان و اعیان سلطنت متحیر رہ گئے۔

شادی میمنت آبادی

تخت نشینی کے دو سال بعد ملکہ معظمہ کی زندگی میں سب سے ضروری اور اہم واقعہ آپ کی شادی خانہ آبادی تھی جو ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو پرنس البرٹ کے ساتھ ہوئی جن کو شادی کے بعد پرنس کنسرٹ کا لقب ملا اور جو آپ کے چچیرے بھائی تھے یہ شادی پولیٹیکل یا خارجی اسباب سے نہیں ہوئی بلکہ صرف باہمی محبت کی وجہ سے ۱۶ جنوری ۱۸۴۰ء کو ملکہ معظمہ نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بہ نفس نفیس اس شادی کا ارادہ ظاہر فرمایا ملکہ اپنے شوہر سے تین مہینے عمر میں بڑی تھیں ۱۸۳۶ء میں پہلے پہل آپ کا تعارف شہزادے سے ہوا۔ تب ہی ملکہ کے دل میں ان کی خوب صورتی اور دل فریب اوضاع و اطوار نے اپنا نقش جما لیا تھا حضور ممدوحہ

نے اس شادی کو نہ صرف اپنی خانگی مسرت بلکہ رعایا ئے ملک کی بہبودی کے لیئے بھی ضروری خیال کیا تھا۔ تین سال کے بعد پھر شاہزادے انگلستان تشریف لائے ملکہ نے انھیں دونوں شہزادے کے حسن و جمال اور اوصاف کا ایک پر جوش خط اپنے چچا شاہ بیلجیم کو لکھا اور اس کے بعد اپنے وفادار مشیر بیرن سٹاک مار کو تحریر فرمایا کہ "پرنس البرٹ نے میرا دل چھین لیا ہے اور آج صبح سے ہم دونوں نے تمام باتوں کا تصفیہ ہو گیا ہے" چنانچہ جب آرچ بشپ آف کینٹربری نے خانگی مشورے کے وقت آپ سے یہ دریافت کیا کہ بلحاظ اعزاز شاہی کے اگر شادی کے خطبے میں لفظ تابع خارج کر دیا جاے تو مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا "مائی لارڈ شادی کی رسموں میں سے کوئی چیز ترک نہ ہونے پاے۔ میں بہ حیثیت ایک زوجہ کے شادی کرنی چاہتی ہوں نہ بہ حیثیت ملکہ کے" شادی کے بعد اکیس برس تک اس شاہی جوڑے کے باہمی اتحاد۔ پاکبازانہ زندگی اور سادگی وغیرہ سے انگلستان کی رعایا کے دلوں پر جو عمدہ اثر ہوا اُس سے ملک کو بے انتہا فائدہ پہونچا۔ بادشاہان سلف کے زمانے میں محلات شاہی اور درباروں میں جو جو خرابیاں تھیں سب رفع ہو گئیں۔ ان ہر دو نیک زادوں کے عمدہ رویّہ نے ایسا بیش بہا فائدہ ملک کو پہونچایا کہ جس کا حد و حصر نہیں۔ ۲۱ نومبر ۱۸۴۰ء کو پہلی شہزادی پرنسس رائل تولد ہوئیں۔

پرنس کنسرٹ کا انتقال

شاہ ہو یا گدا سب کو مرنا برحق۔ جھوپڑی ہو یا محل ہادم اللذات سب جگہ موجود۔ دنیا میں آنا جانے کی خبر دیتا ہے۔ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ قبر کا گڑھا ضرور دیکھے گا پر دیکھے گا دنیا میں موت جیسی متیقن اور کوئی چیز نہیں۔ ۱۶ مارچ ۱۸۶۱ء کو ملکہ معظمہ کی والدہ ماجدہ نے سفر آخرت اختیار کیا ابھی آنسو نہ تھمے تھے ۱۴ دسمبر ۱۸۶۱ء کو شوہر کا داغ کا بیٹھا۔ یہ جوانی اور رنڈاپا۔ اللہ اکبر۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی کچھ نہیں چلتی اُس شاہنشاہ کے سامنے سب کے سر تسلیم خم ہیں جس کی بادشاہت ابدی اور ازلی ہے پرنس کنسرٹ کے متعلق اُس وقت پارلیمنٹ میں لارڈ ڈزریلی نے جو تقریر کی تھی اُس کا ماحصل یہ تھا۔ "پرنس البرٹ کی وفات سے ہم نے اپنے ملک کا بادشاہ

کھو بیٹھی ملکہ کے وہ مشقل خانگی معتمد اور مستقل وزیر اعظم تھے۔ ہمارے ملک کے بڑے لوگ اور اس وقت جو جوان لارڈ اس کیبنیٹ میں موجود ہیں وہ بالاتفاق تسلیم کریں کہ اس جرمن شہزادے نے جس عقل مندی اور مصلحت کے ساتھ ملکۂ انگلستان کی اکیس سال خدمت ادا کی ہے ویسی ہمارے کسی بادشاہ میں نظر نہیں آتی۔" انگریزوں میں شادی اپنی پسند کی ہوتی ہے اسی طرح ملکہ نے بھی اپنے شوہر کو پسند فرمایا تھا۔ اس انمول جوڑے میں بے انتہا محبت تھی۔ حیف صد حیف کہ چند ماہ کے فصل سے ماں کا سایہ سر پر سے اٹھ گیا اور پھر جوڑا بچھڑ گیا۔ یہ دوسرا صدمہ ماں اور شوہر کے انتقال کا جناب ممدوحہ پر ایسا پڑا کہ تمام ملک میں غم والم کی گھٹا چھا گئی میاں بیوی نے ہل مل کر صرف اکیس ہی سال مسرت وانبساط سے کاٹے کہ ملکہ عین عالم جوانی میں بیوہ ہوگئیں۔ جس قیامت کی رات ملکہ کے شوہر نے انتقال کیا جناب ممدوحہ نے زمانۂ غم والم سے فرمایا۔ "آج میری نظروں میں دنیا اندھیری ہے۔ میرے حساب سے سب چیزیں مرگئیں۔" لیکن اسی وقت دل کڑا کر کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "میں اپنے فرائض کی ادائی میں تو کبھی کوتاہی کرنے والی نہیں"۔ سبحان اللہ کیا استقلال ہے اور کیسی ہمت ہے! شوہر کی وفات کے بعد کئی برس تک ملکہ غم والم میں ایسی ڈوبی رہیں کہ گویا یہ وہ ملکہ نہ تھیں جو کہ پہلے تھیں لیکن زمانہ بڑا مصلح اور غم غلط کن ہے۔ جب صاحب زادے اور صاحب زادیاں بڑے ہوئے۔ پروان چڑھے۔ پوتوں اور نواسوں نے گھر کی چہل پہل اور رونق بڑھائی تو لامحالہ غم کے اشتداد میں کمی ہوئی اور ملکہ معظمہ تھوڑی بہت دلچسپی کاروبار دنیا میں لینے لگیں۔

ولی عہد کی خطرناک علالت اور دیگر حوادث

ہندوستان کے غدر کے بعد ۱۸۷۱ء میں پرنس آف ویلز کی خطرناک علالت نے ملکہ کے دل پر سخت صدمہ پونہچایا۔ شہزادے کی زیست کی امید بہت کم تھی لیکن وہ کریم وکارساز جس نے ملکہ کو ہمارے سروں پر (۸۲) سال قایم وبرقرار رکھا اور (۶۴) برس ان کی سلطنت کی برکات سے مستفید کیا

اُس سے اِن کے بعد ایک لائق و فائق شہنشاہ مینے کے لیے جو اپنی والدہ ماجدہ کے قدم بقدم چلے پرنس آف ویلز کو حیات تازہ بخشی کہ وہ آگے چل کر بہ لقب ایڈورڈ ہفتم ایک لائق۔ تجربہ کار اور سبر دل عزیز بادشاہ بنے۔ ۱۸۷۲ء میں ملکہ کی ہمشیرہ[۱] عزیزہ کا انتقال ہوا اور ۱۸۷۸ء میں شہزادی ایلس کے انتقال سے آپ کے دل پر سخت صدمہ ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں زولو کی لڑائی کے وقت ملکہ کو کچھ کم بے چینی نہیں رہی اس پر طرّہ یہ ہوا کہ کابل میں رزیڈنٹ اور اُن کے تمام لوگوں کو کابلیوں نے قتل کیا اور اس کے بعد ایک بھاری جنگ ہوئی۔ ۲۸ مارچ ۱۸۸۴ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند کہیں ڈیوک آف البنی نے عین عالم شباب اکتیس سال کی عمر میں دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کیا۔ دنیا دار المحن ہے فکر اور غم سے کوئی خالی نہیں۔ ملکہ کی عمر جوں جوں بڑھتی گئی افسوس ناک واقعات کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ شہنشاہ جرمن فریڈرک ایمینوئل آپ کے داماد نے انتقال کیا یہ دونوں جانکاہ صدمے ہنوز جناب محتشمہ کو تازہ ہی تھے کہ ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو ملکہ کے بڑے پوتے ڈیوک آف کلیرنس نے عین عالم شباب یعنی (۲۸ سال) کی اُٹھتی جوانی میں افسوس وقت میں جب کہ اُن کی تقریبِ شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں سخت بخار سے انتقال کیا۔ شادی کے گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ بڑھیا دادی کے غم زدہ دل پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ؎

گر پیر نود سالہ بمیرد عجبے نیست　　　این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ملکہ معظمہ کو بڑھاپے میں جوان بیٹے اور ہونہار پوتے نے بڑا داغ دیا۔ یہ دوسرا دوسرا صدمہ ایسا نہ تھا کہ سارے ملک میں سنسنی نہ پھیل نہ جائے تمامی سلطنت میں ان حوادث کا سخت ماتم ہوا اور رعایا و برایا نے اپنی ملکہ کی مصیبت میں پوری ہمدردی کی جس کا اُن کے قلب صافی پر بڑا گہرا اثر ہوا اور قلعہ آسبرن سے ۲۶ جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک نہایت پر درد و اثر فرمان اپنی جان نثار رعایا کے نام بقلم خاص تحریر فرمایا۔ جو یہ ہے:۔

"وہ میری سلطنت کے ہر خطّے کی رعایا نے اس غمگین اور جانکاہ سانحے پر جو صرف

---

[۱] حقیقی بہن تو آپ کی کوئی تھیں نہیں یہ کوئی رشتے کی بہن ہوں گی ۱۲

ایک حادثے کے سوا (شوہر کی وفات) سب سے زیادہ رنج دہ تھا جو اور ساری قوم پر پڑا ہے مجھے پھر اس نہایت گہری خیر خواہانہ شفقت آمیز ہمدردی کا اظہار کرنا چاہیے۔ یہ مصیبت ناک سانحہ جب کہ دفعتہً میرے پیارے پوتے کی زندگی کا پھول عنفوان شباب میں مرجھا گیا جو آیندہ بہت ہونہار تھا اور پسندیدہ اور حلیم اور ہمیشہ سب کا پیارا تھا۔ مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے اس کے غم زدہ والدین۔ اس کی پیاری نوجوان دلہن اور اس کی شیدا دادی کے لیے اور زیادہ مصیبت ناک ہے۔ ایسے وقت میں لاکھوں اشخاص کی موثر ہمدردی نہایت تسلی دہ ہے۔ میں خود اور اپنے بچوں کی طرف سے نہایت گرم جوشی سے سب کے احسان مندی کا اظہار کرتی ہوں۔ ہمارے ساتھ اس قسم کی ہمدردی کی شہادت اور میرے پوتے کی پسندیدگی کا اظہار جس کو میں بیٹے کی طرح چاہتی تھی اور جو خود بھی مجھ سے بیٹوں کی سی عقیدت مندی رکھتا تھا۔ ہمارے واسطے اس مصیبت میں امداد اور تسلی ہوگی۔ میرے حوادث میری سلطنت کے پچھلے تیس سالوں میں بے شک بہت بھاری ہوئے ہیں۔ اگرچہ وہ محنت۔ ترددات اور ذمہ داریاں جو میرے مرتبے سے جدا نہیں ہوسکتیں بہت بڑی ہیں تاہم میری دلی دعا ہے کہ خداوند کریم مجھے صحت و توانائی عطا فرمائے تاکہ اپنے پیارے ملک اور سلطنت کی بہتری اور خوشنودی کے لیے جب تک زندگی باقی ہے کام کرتی رہوں۔ دستخط وکٹوریہ۔

اس کے بعد اگست ۱۹۰۰ء میں آپ کے صاحبزادے ڈیوک آف کوبرگ نے جن کو لوگ زیادہ تر ڈیوک آف اڈنبرا کے نام سے جانتے ہیں۔ انتقال فرمایا ان پیہم صدمات سے جو جناب محتشمہ کے دل پر پہنچے ان کے غم و الم کا اندازہ بہت مشکل ہے۔

اتفاقی حوادث

کہتے ہیں کہ بادشاہ کی جان کا محافظ اللہ ہوتا ہے ورنہ ہزار دشمن ہزار دوست۔ ملکہ کی زندگی بھی ایک قدرت الہی کا نمونہ ہے کئی موقعوں پر آپ کی جان کو دیوانوں اور مجنونوں سے بے انتہا خطرے پہنچے ہیں۔ شادی کے بعد ہی ۱۰ جون ۱۸۴۰ء کو ایک نوجوان شخص نے جس کا نام ایڈورڈ آکسفورڈ تھا آپ پر تفنگچہ سر کیا جب کہ

آپ مع اپنے شوہر کے ایک گاڑی میں سوار تھیں۔ اس نے ایک چھوڑ دو فیر
ہیں لیکن دونوں نشانوں نے خطا کی اور ملزم گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی پھانسی کا حکم
ہوا تھا مگر پھر وہ المجانین میں حبس دوام کیا گیا اور آخر کار ۱۸۶۷ء میں اس کی جان بخشی ہو کر
جلاوطن کر دیا۔ اس سانحے پر ولایت میں بڑی ہلچل پڑ گئی۔ ہزاروں تار مبارک باد کے
آئے۔ بہت سے سپاس نامے پیش ہوئے۔ اس کے دو سال بعد جب جناب
ممدوحہ گرجے سے واپس تشریف لا رہی تھیں تو ایک بدمعاش نے طمنچہ چلایا مگر گولی
نے خطا کی اور ملزم بھاگ گیا دوسرے دن پھر اسی شخص نے ملکہ پر جبکہ وہ گاڑی میں
سوار تھیں وار کیا یہ بھی خالی گیا اب کی دفعہ وہ نابکار پکڑا گیا اور پھانسی کا حکم ہوا لیکن
شاہی مرضی کے مطابق اس کی جان بخشی ہوئی اور عمر قید پر اکتفا کیا گیا جس دن یہ فرمان
عطوفت نشان صادر ہوا اسی روز ایک کبڑے چھوکرے نے ملکہ معظمہ پر حملہ کیا لیکن شکر خدا
کا کہ کچھ ہوا ہوایا نہیں غرض اسی طرح جناب ممدوحہ پر اسی قسم کے مخبوط[1] الحواس لوگوں سے
کئی حملے کئے۔ اگر جناب ممدوحہ مستقل مزاج۔ جری۔ اور مضبوط القوی نہ ہوتیں یا اور
کوئی آپ کی جگہ ہوتا تو ضرور گھبرا جاتا۔ چند سال بخیر و خوبی گزرے پھر ۱۸۴۹ء میں
ایک آئیرش نے آپ پر خالی کارتوس چلایا اور اس کے دوسرے برس ایک فوجی کپتان
نے آپ کے چہرۂ مبارک پر ایک بید مارا۔ ۱۸۷۲ء میں ایک آئیرش دیوانہ چھو کرا
آپ کے پاس جا گھسا جس کے ایک ہاتھ میں عرضی اور دوسرے میں پستول تھا۔
دس سال بعد جب کہ آپ ونڈزر کے سٹیشن پر گاڑی میں سوار ہوتی تھیں ایک دیوانے
شخص نے گولی چلائی۔ آپ پر صرف یہی حوادث پیش نہیں آئے بلکہ بچپنے میں بھی ایک
دفعہ آپ بندوق کی زد سے بال بال بچ گئیں۔ ایک لڑکا کسی چڑیا پر نشانہ لگا رہا
تھا کہ کھڑکی توڑ کر چھرے آپ کے سر پر سے نکل گئے۔ جب آپ کی عمر چار سال کی
تھی تو آپ کی گاڑی اُلٹ گئی تھی۔ ایک آئیرش سپاہی نے گاڑی کو آپ کے
جسم مبارک پر گرنے سے تھام لیا۔ آپ کی عمر چودہ برس کی تھی کہ آپ ایک کشتی پر
سوار تھیں تھمار اکشتی کا مستول ہوا کے صدمے سے ٹوٹ گیا ممکن تھا کہ وہ آپ پر

---

[1] اکثر دیکھا گیا ہے کہ بادشاہوں یا کسی اور بڑے آدمی پر حملہ کرنے والے اپنے آپ کو پاگل بنا لیتے ہیں۔ ۱۲

کرتا اور خدانخواستہ کچھ آپ کے دشمنوں کو نقصان پونہچاتا مگر آپ کو کوئی گزند نہیں پونہچا۔ اسی وقت ایک دوسری کشتی اتفاق سے آگئی اور آپ اس میں سوار ہو گئیں۔ ایک دوسرا حادثہ کشتی کا اس سے بڑھ کر ہوا کہ آپ جس کشتی میں رونق افروز تھیں اس کی ٹکر کسی دوسری کشتی سے ہوگئی وہ کشتی آپ کے دیکھتے دیکھتے مع اُن آدمیوں کے جو اس پر سوار تھے ڈوب گئی جس کا آپ کو بڑا افسوس ہوا مگر قدرت خدا کی کہ آپ کی کشتی بالکل محفوظ رہی۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ اور آپ کی والدہ بگھی میں سوار تھیں گھوڑے بھڑکے اور لے بھاگے بڑی خیر گزری کہ ایک راہ چلتے نے جھپٹ کر گھوڑوں کو تھام لیا۔ اس کے سوا اور بھی ایسے کئی واقعے پیش آئے ہیں مگر ہر حال میں خدا حافظ و نگہبان رہا۔

اولاد ملکہ معظمہ جہاں ہر اعتبار سے خوش نصیب تھیں وہاں اولاد کی طرف سے بھی اُن کی گود پیٹ بھری پڑی تھی۔ آپ کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں وغیرہ ملا کر خدا رکھے بھرا پُرا کنبہ تھا لیکن ساتھ ہی اس کے آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کے بڑے بڑے صدمے بھی اٹھائے۔ اول ہی آپ اپنے شوہر کے انتقال سے عمر بھر رنجیدہ اور ملول رہیں اور سوائے اکیس سال کے ساری عمر رنڈاپے میں تیر کی اور جوان جوان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور پوتوں کے مرنے کے صدمات عظیم کو بھی نہایت تحمل و استقلال اور صبر و شکر سے برداشت کیا۔ مگر بڑھاپے میں اولاد کا داغ خدا نہ دکھائے اواخر عمر میں آپ کو بہت بڑے بڑے صدمے اٹھانے پڑے۔ ایک نوجوان بیٹے ڈیوک آف البنی کا انتقال پھر جان جوان پوتے ڈیوک آف کلیرنس کا صدمہ اور تیسرے سب سے اخیر ڈیوک آف اڈنبرا کا سنہ ۱۹۰۰ء کا اس دار فانی سے کوچ۔ ان صدمات کا حال اس ماں کے دل سے پوچھنا چاہئیے جس پر یہ گزرے۔ ملکہ معظمہ کو نو بچے ہوئے (۱) سب سے بڑی آپ کی وہ صاحبزادی تھیں جو بادشاہ جرمن کی خاتون محترم تھیں اور حال شہنشاہ جرمن کی والدہ۔ (۲) پرنس آف ویلز جو شہزادی ڈنمارک سے منسوب تھے اور جن کے پانچ بچے تھے۔ جن میں کے چار زندہ ہیں۔ پرنس آف ویلز کے بڑے صاحبزادے ڈیوک آف یارک (حال ملک معظم بادشاہ

کے چار بیٹے ایک صاحب زادی کے دو بچے۔ ایک نا کتخدا اور ایک ادا [illegible] ہیں۔ (۴) شہزادی ایلس ڈچیز [illegible] جو سات بچے چھوڑ کر ۱۴ دسمبر ۱۸۷۸ء کو فوت ہوئیں۔ (۵) ڈیوک آف اڈنبرا جن کی خاتون شہنشاہ روس کی شہزادی ہیں۔ ان کے پانچ بچے ہیں ڈیوک نے ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ (۵) شہزادی ہلنا۔ پانچ بچے۔ (۶) شہزادی لوئی (۷) ڈیوک آف کناٹ جو پروشیا کی شہزادی سے منسوب ہیں تین بچے۔ جناب [illegible] عرصے تک ہندوستان میں کمانڈران چیف رہے ہیں اور پھر ۱۹۰۳ء کے کارونیشن دربار میں بھی تشریف لائے تھے (۸) ڈیوک آف البنی جنھوں نے دو بچے چھوڑ کر ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا۔ (۹) شہزادی بیاٹرس (چار بچے)

آپ چھ بچے چھوڑ کر مریں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں اور ان کی اولاد ملائی جائے تو جو مرگئے ان کو چھوڑ کر بھی (۷۰) ملکہ کی زندگی تک موجود تھے۔

ڈیوک آف یارک کی شادی

پرنسس میری ڈیوک آف کلیرنس کی [illegible] تھیں وہ اچانک عالم جوانی میں عالم بقا کو سدھارے انھیں سے ۶ جولائی ۱۸۹۳ء کو اُن کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف یارک (ملک معظم جارج پنجم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی جن کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو اب پرنس آف ویلز ہیں اور جو ملکہ مرحومہ کے پڑ پوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ کی ایک مبسوط سوانح عمری میں ہم نے ایک تصویر دیکھی ہے جس کا عنوان چار پشت یا چار پیڑھی ہے اس تصویر میں ملکہ معظمہ اپنے اس چھوٹے سے پڑ پوتے کو آغوش محبت میں لیے ہوئے ہیں اُن کے چہرے سے مسکراہٹ اور آثار مسرت ظاہر ہیں۔ دائیں اور بائیں پرنس آف ویلز [illegible] اور ڈیوک آف یارک (جارج پنجم) باپ بیٹے کھڑے ہیں۔ اس حساب سے جناب ممدوحہ نے چوتھی پشت دیکھ لی جو اس زندگی ناپائدار میں سوائے ایسے خوش نصیبوں کے دوسروں کو کم نصیب ہوتی ہے۔

کچھ بچپنے کی چٹپٹی باتیں

ملکہ معظمہ کے متعلق بے شمار حکایتیں مشہور ہیں۔ جن میں خاص کر بچپنے کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات پوت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم

[illegible] بعد یہ ان کی بھی شادی ہوگئی [illegible]

دیتے ہیں انھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ شروع ہی سے بڑی خلیق ملنسار تھیں۔ آپ اکثر ایک خچر پر سوار ہو کر نکلا کرتی تھیں جس پر ایک مکلف زین کے علاوہ خچر کے گلے میں نیلے گنڈے بھی پڑے رہتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ راہ چلتوں سے اکثر پوچھ لیا کرتی تھیں ”تم اچھے ہو؟“ اور سلام میں بھی خود تقدیم کرتی تھیں۔ جو لوگ آپ کو سبزے کے اندر ہری گھاس کے تختوں پر کھیلتے دیکھ لیتے تھے اکثر آپ کے ہاتھ چوم لیتے تھے۔ آپ نے بچپنے میں بھی کبھی فضول خرچی نہیں کی حالاں کہ گھر میں اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا اور پھر ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی شاہی گھرانے کی بیٹی جس کو کمی کس چیز کی تھی مگر یہ رکھ رکھاؤ اور تعلیم کی خوبی تھی جو کفایت شعاری خمیر میں داخل ہو گئی۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ ۱۸۲۷ء میں آپ کسی میلے میں چلی گئیں تشریف لے گئیں تھیں۔ بہت سے عزیز و اقارب دوست احباب کے لیے تحفے تحائف خریدنے میں آپ کو جو کچھ روپیہ میوہ خوری کے لیے ملا تھا صرف ہو گیا اُس وقت آپ کو خیال آیا کہ او ہو فلاں بھانجے کے لیے کچھ نہیں لیا۔ آپ نے اس کے لیے ایک بکس پسند کیا جس کی قیمت کچھ زیادہ نہ تھی صرف نصف کراؤن۔ دکان دار نے چاہا کہ آپ کی اور چیزوں کے ساتھ اس بکس کو بھی رکھ دے دام کوئی بھاگے جاتے تھے آجائیں گے۔ لیکن آپ کی گورنس نے کہا نہیں۔ اس وقت دام نہیں ہیں اس وجہ سے شہزادی خرید نہیں سکتیں۔ پھر دیکھا جائے گا آپ اس بکس کو نکال کر الگ رکھ دیجیے“۔ شہزادی اس بات سے خوش ہوئیں اور جب حسب معمول آپ کو جیب خرچ ملا تب آپ خچر پر سوار ہو کر آئیں اور اس بکس کو خرید لے گئیں۔ اس سے ہر شخص کو ایک عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک پیسہ ہاتھ میں نہ ہو ادھار کبھی بھول کر نہ کرے جو لوگ قرض سودا خریدتے ہیں وہ بے دھڑک جو دل میں آیا لے لیتے ہیں کیوں کہ دام تو اُس وقت دینے ہی نہیں پڑتے جو بوجھ معلوم دے۔

آپ کی اکثر عادت تھی کہ اپنے گورنس کے ساتھ بازار تشریف لے جایا کرتی تھیں ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ایک جوہری کی دکان پر کچھ خریدنے آئیں دیکھا کہ دکان دار کسی ایک اور نوجوان گاہک لیڈی کی طرف متوجہ ہے جو گھڑی کی ایک زنجیر کا سودا کر رہی تھی۔ زنجیر پسند کی۔ دام پوچھے تو بہت تھے۔ دام سن کر وہ لیڈی کا دل بیٹھ

[redacted] ہے۔ اور مجھ میں اتنی سکت نہیں۔" یہ کہہ کر چلی گئی کہ "میرے دام ہوں کی لے لوں گی۔" شہزادی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ اس کے چلے جانے کے بعد آپ نے دکان دار سے پوچھا کہ "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لیڈی تھیں؟" دکان دار "ہاں میں جانتا ہوں۔" آپ نے فرمایا کہ "جو زنجیر انھوں نے پسند کی ہے وہ تم ان کو بھیج دو اور یہ بھی کہلا بھیجو کہ وکٹوریہ چاہتی ہے کہ تم اس کو اس عمدہ صفت کے عوض قبول کرو کہ تم نے جس چیز کو تم نہ لے سکتی تھیں نہیں خریدی اور اپنی خواہش نفسانی کو روکا۔"

کئی برس کے بعد آپ کی ایک تصویر سرتاپا معمولی لباس میں کھینچی گئی اور آپ کے جسم پر کوئی زیور نہ تھا۔ لوگوں نے التماس کیا کہ تصویر کھنچوانی ہے آپ کچھ تو زیور زیب تن فرمالیں۔ آپ نے فرمایا "نہیں۔ یہ تصویر تو میرے لوگوں میں جائے گی۔ جہاں تک میرے بس میں ہے میں یہ چاہتی ہوں کہ فضول خرچی کا سدباب ہو۔"

ملکہ کو اس طرح اٹھایا گیا کہ غریب اور امیر سب کے ساتھ یکساں اخلاق اور پسندیدہ اطوار کا برتاؤ کریں۔ ایک دن جب کہ شہزادی طبرن میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم تھیں اپنے چھوٹے سے کتے کو لیے ہوئے اپنی ماں اور اتالیقہ کے آگے آگے دوڑ رہی تھیں کہ رستے میں ان کو اپنی ایک ہم عمر لڑکی ملی جو تھی تو دیہاتی مگر لباس صاف ستھرا تھا۔ بوجہ ہم سنی شہزادی کا دل چاہا کہ اس سے کچھ باتیں کریں تو انھوں نے یوں بات چھیڑی کہ "میرا کتا بہت تھک گیا ہے کیا تم مہربانی کر کے اسے اٹھا لو گی؟" اس خوش مزاج لڑکی نے جسے خبر نہ تھی کہ یہ لڑکی شہزادی ہے کہا "ہاں کیا مضائقہ ہے" اور جھٹ کتے کو گود میں اٹھالیا اور دونوں برابر ہنسی خوشی باتیں کرتی چلی جا رہی تھیں تھوڑی دور جا کر اس لڑکی نے کہا کہ "میں تو تھک گئی اور آپ کے کتے کو زیادہ دیر تک نہیں اٹھا سکتی۔" شہزادی۔ "کیا واقعی؟ ناممکن۔ تم تو ابھی تھوڑی ہی دور لائی ہو۔" لڑکی۔ "میں تو خاصی دور لے آئی اور مجھے اپنی خالہ کے ہاں جانا ہے۔ اگر آپ کو کتے کو اٹھوانا ہی ہے تو آپ خود کیوں نہیں اٹھا لیتیں؟" شہزادی۔ "تمھاری خالہ کون ہیں؟" لڑکی۔ "مسز جانسن۔" شہزادی۔ "کہاں رہتی ہیں؟" لڑکی۔ "وہ سامنے والے چھوٹے سے گھر میں جو پہاڑ کے دامن میں نظر آتا ہے۔" یہ باتیں دونوں لڑکیاں کھڑی آپس میں کر رہی تھیں کہ اتنے میں شہزادی کی والدہ اور گورنس

بھی آگئیں۔ شہزادی۔ میرا دل تمھاری خالہ سے ملنے کو چاہتا ہے میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ ہم تم دونوں دوڑ چلیں ۔ گودنس۔ (ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر) تم شہزادی نہیں نہیں۔ آپ اس لڑکی سے بہت دیر باتیں کر چکیں۔ آپ کی اماں جان غرماتی ہیں کہ گھر چلیئے ۔ شہزادی کے لفظ کو سن کر بے چاری غریب لڑکی سٹپٹا گئی اور شرمانے لگی۔ لیکن ملکہ کی والدہ نے اسی وقت نہایت لطف آمیز مہربانی سے اس لڑکی کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا اور ایک اشرفی اسے انعام دی۔ وہ لڑکی بہت خوش ہوئی اور شکریہ ادا کیا اور دوڑی دوڑی اپنی خالہ پاس جاکر سب ماجرا بیان کیا۔ وہ اشرفی ایک چوکھٹے میں جڑ کر اب تک ملکہ کی ملاقات کی یادگار میں اُن کے مکان میں لگی ہوئی ہے۔

ملکہ کی ہمدردی اور نیک مزاجی کی بہت سی حکایتیں آپ کی تخت نشینی کے بعد کی بھی ہیں۔ ایک دن آپ کے ملاحظہ اور پسند کے لئے کچھ کنگھن پیش کئے گئے تھے۔ اُن میں سے آپ نے پچیس پونڈ کی ایک جوڑی پسند فرمائی۔ اسی اثنا میں کسی لیڈی نے ایک قدیم عہدہ دار کی بیوہ عورت کی عرضی پیش کی۔ ملکہ نے عرضی پڑھی اور متاثر ہو کر وہ کنگھن تو دیئے رکھ اور اُس کی قیمت پچیس پونڈ اس بیوہ کو بھیج دی۔

برسوں سے ایک بڈھا کنسنگٹن کے محل کے سامنے والی سڑک جھاڑا کرتا تھا۔ ملکہ شہزادگی کے زمانے سے جب کبھی گاڑی میں نکلتی تھیں اس بڈھے پر ترس کھا کر کچھ نقدی سکے پھینک دیا کرتی تھیں۔ جب آپ خود ملکہ ہوئیں تو تو اُس بڈھے کی آٹھ شلنگ ہفتہ وار پنشن مقرر کر دی لیکن افسوس ہے کہ وہ بڈھا صرف چھ ہی مہینے جیا۔

ملکہ معظمہ نے اپنے والد کا قرضہ جو پچاس ہزار پونڈ تھا ادا کر دیا۔ آپ کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اُن کی والدہ بھی کچھ قرض دار ہیں۔ اُن کی راست باز صاحبزادی نے ایک دن ناشتہ کے وقت میز پر اُن کی رکابی کے پاس ایک لفافہ پر اُن کا نام لکھ کر رکھ دیا۔ انھوں نے جو لفافے کو کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ تمام قرضے کی ادائی کی رسیدیں اُس میں موجود تھیں۔

ملکہ کی محنت

ملکہ معظمہ کبھی کام کرنے سے ہچکچاتی نہ تھیں۔ اوائل زمان سلطنت میں سویرے آٹھ بجے سے کاغذات ملاحظہ فرمانے لگتی تھیں۔ لارڈ ملبرن نے ایک مرتبہ کاروبار کی فضیحت و کثیر التعداد غور طلب کاغذات کے پیش کرنے کی معذرت بھی کی۔ آپ نے فرمایا "یہ تو صرف ایک تبدیل شغلہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی آرام طلبی کی زندگی بسر نہیں کی۔ مجھے اپنے روزانہ سبقوں کو چھوڑ کر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔" لارڈ پامرسٹن لکھتے ہیں کہ صرف ایک سال ۱۸۴۸ء میں اڑتیس ہزار مراسلات ملاحظۂ شرف سے گزرے۔ ایسے اہم دسترگ کاغذات کو اُن کے منسلکات کے ساتھ دیکھنا اور غور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ذیل کے واقعے سے حضرت ممدوحہ کی غایت درجے کی انسانیت، نرم دلی اور پابندی اوقات کا حال معلوم ہوگا۔ آپ کے سٹاف میں ایک عہدہ دار بڑا جلد باز اور گڑبڑیا تھا۔ ایک دفعہ وہ ملکہ کی حضوری میں سلطنت کی ایک بڑی بھاری تقریب کے متعلق کچھ احکام اور ہدایات لینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ ملکہ معظمہ نے ساری تفصیل اُسے سمجھا دی۔ خدا جانے گھبراہٹ میں اُس نے پوری طور سے سنا نہیں یا سنا اور باتیں ذہن سے اُتر گئیں۔ بہر حال وہ اُن ہدایات کو بھول گیا اور اب بہت سٹپٹایا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ملکہ معظمہ کی سمع مبارک تک بھی اُڑتی پڑتی یہ خبر پہنچی۔ آپ خود بدولت کمرے میں تشریف لے گئیں اور میز پر سے ایک تختہ پروگرام جو دست خاص سے ارقام فرمایا تھا وہ ایک عہدہ دار کو دیا اور کہا کہ فلاں صاحب کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہدو کہ وہ خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ میں نے جو کچھ اُن سے زبانی کہا تھا وہ سب اس کاغذ میں لکھا ہوا ہے اس سے اُن کو اُن امور کی تفصیل بخوبی معلوم ہو جائے گی۔ حضرت ممدوحہ بڑی پابندی سے اپنا روزنامچہ بھی قلم بند فرماتی تھیں جو مشہور اور ضروری واقعات تھے سب اس میں لکھتی تھیں۔ امور سلطنت کی نسبت اخباروں میں جو مخالفت سے آتی تھیں ان کو بہت غور سے دیکھتی تھیں۔

اتوار کا دن

اتوار کا دن بالکل چھٹی اور عبادت کے لئے مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہفتے کی شام کو آخیر وقت ایک وزیر در دولت پر کچھ ضروری اور اہم کاغذات لے کر حاضر ہوا اور معروضہ کیا کہ کاغذات ضروری اور

غور طلب ہیں شب کے وقت حضور کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صبح سویرے حاضر ہوں گا" ملکہ۔ "کل صبح ؟" پھر مکرر فرمایا۔ "کل تو اتوار ہے" وزیر "پیر و مرشد بجا ارشاد ہوا لیکن کام ایسا ضروری ہے کہ اس میں تاخیر کا محل نہیں" ملکہ "ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ اگر کاغذات ایسے ہی سخت ضروری ہیں تو خیر کل صبح دیکھ لوں گی۔"
صبح کو ملکہ مع اپنے درباریوں اور حوالی موالی کے گرجا تشریف لے گئیں۔ گرجا میں اُس روز اتوار کے دن کی عظمت اور احترام پر ہی وعظ تھا۔ نماز کے بعد ملکہ اُس وزیر کی طرف مخاطب ہوئیں اور استفسار فرمایا "آپ نے سنا۔ وعظ کیسا تھا کچھ پسند آیا؟"
وزیر۔ "یور میجسٹی۔ سبحان اللہ! وعظ کا کیا کہنا فی الواقع بہت ہی عمدہ تھا"
ملکہ "تو مجھے آپ سے اس امر کے پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس وعظ کا مسودہ کل رات کو میں نے ہی پادری صاحب کے پاس بھیج دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس وعظ سے آپ صاحبوں کو فائدہ پہنچے گا"
اتوار کے سارے دن ان کاغذات کا کچھ ذکر نہیں آیا۔ رات کے وقت جب ملکہ وزیر کو سلام کر کے رخصت ہونے لگیں تو فرمایا۔ "مائی لارڈ! کل صبح آپ جس وقت چاہیں اگر آپ کو پسند ہو تو سویرے سات ہی بجے میں اُن کاغذات کو دیکھوں گی" وزیر۔ "اتنے سویرے حضور کو تکلیف دینا میں مناسب نہیں خیال کرتا۔ جلدی سے جلدی نو بجے بھی کافی ہے" حضرت اپنے ملازمین سے بھی اتوار کے دن غیر ضروری کام نہیں لیتی تھیں۔ نوکروں کے ساتھ آپ کا سلوک بڑی مہربانی اور شفقت کا تھا ایک بڑی دعوت درپیش تھی۔ بینڈ والوں کو درست کرنا تھا۔ وہ عین وقت پر غیر حاضر ہو گئے اور اسی قصور میں خدمت سے موقوف کر دیئے گئے۔ آپ نے جب سنا تو فوراً بحال کر دیا اور فرمایا کہ "میں اپنے ملازموں کو سزا دینا نہیں چاہتی۔ آیندہ خیال رہے کہ اتوار کو ان سے کام نہ لیا جائے"

قصاص کا حکم

ملکہ کی تخت نشینی کو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ جناب ممدوحہ کو شاہی اقتدار زندگی یا موت کے برتنے کا اتفاق پیش آیا۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے ایک فوجی حکم نامہ ایک سپاہی

پھانسی کا آپ کی منظوری کے لیے پیش کیا۔ اُس زمانے میں پھانسی کے لیے بادشاہ وقت کی منظوری مشروط تھی۔ آپ اُس کاغذ کو ملاحظہ فرما کر دستخط کرنے سے رُکیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا: "کیا آپ اس شخص کی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتے؟" آیرن ڈیوک (مردِ آہن ڈیوک) "جی کچھ نہیں۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے کہ یہ شخص فرار ہو چکا ہے" ملکہ۔ "ٹھیک! ذرا پھر خیال کیجیے"۔ ڈیوک۔ "بہت خوب حضور سپاہی کی حیثیت سے تو یقیناً یہ شخص بد ہے لیکن میں نے سنا ہے کہ اس کا رویہ اچھا ہے شاید وہ اپنی خانگی طرزِ معاشرت میں اچھا ہو" ملکہ: "تب تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور **معاف** لکھ کر اپنے خوب صورت دستخط فرما دیے۔ ملکہ معظمہ کو اس تکلیف دہ فریضے سے سبکدوش کرنے کے لیے آخر کار پارلیمنٹ سے قانون پاس ہو گیا کہ ایسے احکام رائل (شاہی) کمیشن سے جاری ہوا کریں۔

زخمیوں سے ہمدردی

اوّل تو عورت کی ذات یوں بھی نرم دل ہوتی ہے پھر ملکہ جیسی رقیق القلب۔ رحم دل۔ جنگ کریمیا کے بعد آپ نے خواہش کی کہ میں کچھ زخمیوں کو دیکھنا چاہتی ہوں جو چنگے ہو گئے ہوں اور قصر منتظم تک آ سکتے ہوں۔ چنانچہ بہ اتباعِ ارشاد خداوندی چند لوگ حاضر کیے گئے وہ سب ایک قطار باندھ کر ایک کمرے میں کھڑے کیے گئے۔ ملکہ نے سب کو بغور ملاحظہ فرمایا ایک شخص سے مخاطب ہو کر یوں گوہر افشاں ہوئیں: ملکہ۔ "میں دیکھتی ہوں کہ تمہارا سیدھا بازو ضائع ہو گیا ہے۔ تم کہاں زخمی ہوئے تھے؟" سپاہی۔ "حضور خندق میں" ملکہ۔ "میرا خیال کرتی ہوں کہ اب بھی جب موسم بدلتا ہے تو تمہارے درد ہوتا ہوگا؟" سپاہی: "حضور بے شک مجھے درد کی کسک معلوم ہوتی ہے" سپاہی جب عرض کر رہا تھا تو اُس نے اپنی انگلیاں اپنے دل پر رکھ لی تھیں مگر انگوٹھا وہ بائیں شانے کی طرف تھا کیوں کہ صرف بایاں ہی ہاتھ رہ گیا تھا۔ ملکہ معظمہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: "میں نے اکثر سنا ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں؟ اگر ایک جانب کا بازو ضائع ہو جائے تو دوسری طرف بھی درد ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟" سپاہی۔ "اگر غلام کو معافی دی جائے تو غلام عرض کرے؟" ملکہ: "میں پسند کرتی ہوں کہ اس کی وجہ اسی شخص سے سنوں جس پر بیتی ہو بہ نسبت اُس شخص کے کہ جس پر یہ ماجرا گزرا نہیں" سپاہی: "حضور والا! ایک وقت وہ تھا کہ میرا ہاتھ صحیح سلامت تھا جس سے میں اپنی ملکہ کی خدمت گزاری میں ہتھیار چلاتا تھا۔ اگر میرے ایسے ایسے پچاس ہاتھ بھی ہوتے تو بھی

[illegible] کی خدمت کے لئے مخصوص کرتا۔ لیکن کیا کروں کہ اب وہ [illegible]
اس بات کا رنج مجھے یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کر کے) ملکہ نے بھی دیکھا کہ وہ دل کی
طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آپ متاثر ہوئیں اور نہایت متاثر لہجے میں فرمایا۔ "میں اس بات کے
تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں" اور پھر مکرر یہی کلمات زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ اس کے
بعد چار شخصوں کو کچھ عرض معروض کرنا تھا اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔ پھر جناب ممدوحہ نے
جنگ کی خوف ناک حالت۔ لوگوں کے مصائب۔ کنبوں اور ملک کے متعدد نقصانات کا
ذکر فرمایا۔ آخر کار جناب ممدوحہ ایک اور سپاہی کے پاس تشریف لائیں جو بیساکھیوں کے
سہارے کھڑا تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ "تم کہاں زخمی ہوئے؟" سپاہی نے ایک
بھدی آواز اور اکھڑے لہجے میں کہا۔ "گولی دن کر کے میری ٹانگ میں لگی"۔ ملکہ معظمہ نے
فرمایا "یہ تو یہ بھی اسی مرتبے کا (یعنی کہ جیسا کہ پہلا سپاہی تھا) لیکن پہلے میں خلقی ادب تھا
یہ اُس کے برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک پیدائشی دربار دار تھا اور یہ نہیں"۔ پہلے شخص نے
کس خوبی اور شاہی آداب ملحوظ رکھ ملکہ کو جواب دیا اور دوسرے نے کیا اجڈ پنا دکھلایا۔

کچھ خوشی کی باتیں

ملکہ معظمہ کی زندگی میں جو جو افکار و حوادث پیش آئے اُن کا
ذکر اوپر آچکا اب کچھ دل خوش کن باتیں بھی سنیئے کہ ۔

رنج و راحت جہاں میں توام ہے
کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے

قیصر ہند کا خطاب

۱۸۷۷ء میں ملکہ ممدوحہ نے قیصر ہند کا خطاب
لیا جس کا عظیم الشان جلسہ بعہد لارڈ لٹن گورنر جنرل
دہلی میں ہوا جہاں تمام رجواڑے اور رئیس مع اپنی افواج و لوازمہ و تزک و احتشام کامل
جلوس سے موجود تھے۔ ایسا عظیم الشان جشن اس سے پہلے ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔

جوبلی

۲۱ر جون ۱۸۸۷ء کو ملکہ معظمہ کے پچاس سالہ دور حکومت کی شکر گذاری
میں ایک بڑا جلسہ تمام ملک میں ہوا جو گولڈن جوبلی یعنی جشن طلائی
کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء کو شصت سالہ سلطنت کی خوشی میں اس سے بھی بڑھ کر
دھوم دھام ہوئی جو ڈایامنڈ جوبلی جشن الماسی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان
میں اس سرے سے اُس سرے تک بڑی خوشیاں منائی گئیں اور ہر ہر مقام پر بڑے بڑے
جشن ہوئے لیکن لندن کا منظر عجیب و غریب اور قابل دید تھا۔ ملکہ معظمہ کی سواری

جشن معظم اور جلوس سے بڑا مدح ہوئی تھی۔ اس وقت دوہری خوشی تھی۔ ایک یہ کہ جناب ممدوحہ کی حکمرانی پر ساٹھ سال گزرنے اور دوسرے یہ کہ آپ کا زمان سلطنت یورپ کے کل بادشاہوں سے بڑھ گیا کسی بادشاہ کو اتنے دنوں سلطنت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اس بے نظیر تقریب کے دیکھنے کو چار دانگ عالم سے لوگ جمع ہوئے کیوں کہ ایسا نظارہ کاہے کو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی ساٹھ برس سلطنت کرے گا نہ کوئی بادشاہ اپنی قوم کا ایسا پیارا ہوگا۔ نہ یہ جوش و خروش ہوگا۔ ہر ہر خطۂ ملک سے جہاں جہاں وکٹوریہ کا جھنڈا لہراتا ہے سفیر اور ایلچی تہنیت اور مبارک باد کو حاضر ہوئے۔ لندن میں آسمان ابر آلود رہتا ہے اور کہر سے دھندلا رہتا ہے مگر اس دن افضال الٰہی سے مطلع بالکل صاف تھا گویا آفتاب عالم تاب نے بھی اس سین کے دیکھنے کے شوق میں افق مشرق سے گردن نکالی تھی۔ لندن میں ملکہ کی تاج پوشی سے لے کر اب تک جب ساٹھ سال کی طویل مدت گزر چکی تھی ایسا عظیم الشان جشن جس میں ہر شخص مگن تھا اور مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ نہیں ہوا تھا۔ صبح سویرے ہی سے تمام لوگ راستوں اور ریل پر سے ٹڈی دل کی طرح امنڈ پڑے جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ دوسری سلطنتوں کے بادشاہ بھی مہمان تھے۔ اس تقریب میں پچاس ہزار فوج سڑک کے دو طرفہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستانی فوج کو یہ اعزاز خاص دیا گیا تھا وہ بطور باڈی گارڈ کے تھی۔ اس تقریب پر پیشگاہ خسروی سے ہندوستان اور کل ممالک کو ایک مختصر تار دیا جس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی ہے اور وہ یہ ہے:-

"میں تہ دل سے اپنی پیاری رعایا کا شکریہ ادا کرتی ہوں خدا اُن کو برکت دے۔" سینٹ پال کے مشہور گرجا میں جو شکرانے کی نماز ادا ہوئی اُس کا کیا پوچھنا ہے۔ قوم کا ایک ایک شیدا دل و جان سے اپنی ملکہ کی سلامتی کی دعا کرتا تھا جناب معظمہ اپنی رعایا کے اس اظہار عقیدت اور جوش خروش سے نہایت متاثر ہوئیں اور بڑی مشکل سے تحمل فرمایا ورنہ بڑے بڑے کڑے دل والے اس وقت آب دیدہ تھے۔ ہر شہر۔ ہر گاؤں حتیٰ کہ ہر مکان میں اس شب مبارک کو روشنی کی گئی۔ لندن کا تمام شہر اور بازار بقعۂ نور بن گیا تھا غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور بہت سے سیر تماشے ہوئے۔ اس کے سوا جوبلی کی دوامی یادگاریں دواخانے۔ مسافر خانے۔ آرام گاہیں گھنٹے گھر وغیرہ بنائے گئے۔ شب میں بحری قوت

ملاحظہ ہوا۔ (۱۹۶) جہاز آراستہ و پیراستہ کھڑے تھے۔ ملکہ معظمہ بنفس نفیس حملہ جشن کی تقاریب کی تکان اور نقاہت کی وجہ سے اس سین کو ملاحظہ نہ فرما سکیں اور اپنی طرف سے اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر صرف شاہی مہمانوں کی اس قدر کثرت تھی کہ دو سپیشل ٹرینیں بھر بھر کر گئیں۔ دن کو جو کچھ بہار تھی وہ تو تھی ہی رات کا سماں کچھ اور ہی تھا کہ ایک دم سارے جہازوں پر بجلی کی روشنی جگمگانے لگی جو اندھیری گھپ رات میں نظر دوز ہیں کھنچی جاتی تھی۔ تیس ہزار اشخاص سے اوپر ہی اوپر ان جہازوں پر مامور تھے۔ تیس ہزار گلوں نے جب آن واحد میں چیئرز کا پُرجوش نعرہ لگایا ہوگا تو کرہ سماوی میں اُس کی گونج کا محض تصور سے کام نہیں چلتا جس کے کانوں نے سنا ہوگا وہی اس کا لطف جانے۔

دوسرے سلاطین ہم عصر سے طرز مراسلت

ملکہ معظمہ کی سلجھی ہوئی سمجھ۔ بلند نظری اور دوربینی سے نہایت تعجب ہوتا ہے وہ زود فہم اور معاملات کی تہ کو اس قدر جلد پہنچتی تھیں اور مآل اندیشی اس درجے تھی کہ بڑے بڑے امراء و وزراء اور شیران مملکت آپ کی فراست سے دنگ رہ جاتے تھے جس کی بیشتر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کو جب کبھی مراسلت کی ضرورت داعی ہوتی تھی تو آپ ہمیشہ طرفین کی عظمت اور وقار ملحوظ رکھتی تھیں آپ نے کبھی دب کر تحریر نہیں کی یہ بات سب لوگوں کو یاد ہے کہ جناب ممدوحہ نے اپنے نواسے شہنشاہ ولیم کو کس طرح ڈانٹ کر لکھا تھا اور لوئیس فلپ بادشاہ کو تو ایسی برجستہ تحریر کی کہ کسی بادشاہ نے شاید آج تک کسی بادشاہ کو نہ کی ہوگی۔ ملکہ کے طرز عمل سے یہ بات کبھی ظاہر نہیں ہوئی کہ ان کے سینے میں ایک عورت کا دل ہے۔ دوسرے بادشاہوں سے اُن کے تعلقات دوستانہ تھے۔ رعایا کے ساتھ اُن کی مصیبت میں بڑی ہمدردی فرماتی تھیں خصوصاً ایسے واقعات اتفاقی میں جیسے جہاز کی تباہی۔ ریل کا ٹکرا جانا۔ معدنوں کا بیٹھ جانا اور کسی قسم کی خطرناک ناگہانی آفت۔ ایسی مصائب کے وقت سب سے پہلے آپ کا دست شفقت اور تسلی دراز ہوتا تھا خواہ کوئی تسلی آمیز فرمان جاری فرمائیں یا نقدی امداد فرمائیں۔ جناب ممدوحہ ایسی رقیق القلب تھیں کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتی تھیں اور رونے کے ساتھ خود بھی بے اختیار رونے لگتی تھیں۔

ہندوستان پر مہربانی

ملکۂ معظمہ یوں تو اپنی ساری وسیع سلطنت کی رعایا پر دل و جان سے فدا تھیں مگر اہلِ ہند کی خاص جگہ آپ کے دل میں تھی جب کبھی ہندوستانیوں کو کوئی تکلیف پہنچی معاً آپ نے تشفی اور تسلی فرمائی اور آپ نے بعض اوقات اپنے وزراء کے خلاف یورپین رعایا پر ہندوستان والوں کو ترجیح دی جس کی کھلی مثال غدر کے حالات ہیں۔ جب کہ ولایت کے سارے اخبار شور و شغب مچا رہے تھے۔ گورے کالے پر مطاعن اور مظالم کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ غرض ہر شخص جوشِ انتقام میں بھرا ہوا اور پُر دل تھا۔ لارڈ کیننگ نے جو اس زمانے میں گورنر جنرل تھے جناب معزی کی خدمت میں اظہارِ واقعات کیا جس کے جواب میں بالاتفاق رائے گورنر جنرل ارشاد ہوا کہ "جناب ممدوحہ یہاں کی عامۂ خلائق کی اُس عام نکتہ چینی پر جو بلا امتیاز احدے اور خلاف شان مذہب عیسوی کی گئی ہے۔ افسوس کا اظہار فرماتی ہیں لیکن توقع کی جاتی ہے کہ یہ خیالات دیرپا نہیں ہیں۔ یہ صرف ایک اُبال ہے اُن خوف ناک مظالم کا جو بے گناہ عورتوں اور بچوں پر توڑے گئے جن کے سُننے سے (جسم میں) خون جم جاتا ہے اور دل خون آلود ہو جاتا ہے۔ ایسے خوف ناک افعال کے مرتکبین کے لیے کوئی سی بھی سزا سخت نہیں گو یہ امر بہت افسوس ناک ہے مگر سب خطاکاروں کے ساتھ پورا پورا انصاف ہونا چاہیئے لیکن عموماً ہندوستانی قوم وہاں کے ضلع جو باشندوں۔ بہت سے مہربان ہندوستانی دوستوں جنھوں نے ہم کو مدد دی ہے اور ہمارے سچے وفادار خیر خواہ ہیں بہت بڑی مہربانی کرنی چاہیئے اُن کو معلوم کرانا چاہیئے کہ کالے چمڑے سے کوئی نفرت نہیں ہے اُن کی ملکہ کی کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ اُن کو خوش و خرم۔ راضی اور پھولتا پھلتا دیکھیں۔"

غدر کے بعد جب ملکہ معظمہ نے زمامِ سلطنت اپنے دستِ مبارک میں لی تو جو مسودہ شاہی اعلانات کا ملاحظۂ اقدس میں پیش ہوا تھا اُس میں کچھ زیادہ سختی تھی جس میں ناجائز الفاظ سلطنت کی قوت اور دباؤ کے تھے جو مذاہب پر ناجائز اور خلاف مصلحت ریمارک تھے۔ جناب ممدوحہ نے نہایت سختی سے اس کی مخالفت کی اور تحریر فرمایا کہ "ملکہ معظمہ اس جملے کو ناپسند فرماتی ہیں کہ" اُن کو ہندوستانی مذاہب کی بیخ کنی کرنے کی قوت حاصل ہے" ملکہ معظمہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ اس مضمون کو اس طرز پر ظاہر کیا جائے کہ وہ ملکہ معظمہ جو اپنے مذہب سے محبت کا خاص تعلق رکھتی ہیں اور جس سے تسلی اور آرام پاتی ہیں وہ مانع ہے کہ وہ دوسرے ہندوستانی مذاہب میں مداخلت فرمائیں

اور یہ کہ ہمارے ملازمین کو ایما کیا جائے کہ ہماری ان ہدایات کے موافق وہ معہ تعمیل کریں

جناب ممدوحہ اس اعلان کو پھر از سر نو لکھا گیا اور جناب ممدوحہ نے لارڈ ڈاربی کو اپنی قلم سے تحریر فرمایا کہ مجھ بدولت کو مسرت ہوگی کہ اگر اس تحریر کو لارڈ ڈاربی خود اپنی عمدہ انگریزی میں لکھیں اور لکھتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھیں کہ ایک عورت ذات بادشاہ براہ راست انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت اپنی دس کروڑ سے زیادہ رعایا سے خطاب کرتی ہے اور ایک خونخوار جنگ (غدر) کے بعد آن سے وہ وعدے کر رہی ہے کہ اس کی آئندہ سلطنت کیا کرے گی۔ آن کو میری گورنمنٹ کے اصول بتلائے جائیں۔ ایسے فرمان میں فیاضی اور مراعات اور مذہبی آزادی کے خیالات کی خوشبو آنی چاہیئے اور وہ رعایتیں بتلائی جائیں جو ہندوستانیوں کے ساتھ آن کو رعایائے برطانیہ کے برابری کے مرتبے میں رکھنے کی وجہ سے کی جائیں گی اور جس سے تہذیب کے ساتھ ملک کی شادابی ہوگی۔ چنانچہ حضور عالی کے منشا کے مطابق پرنس کنسرٹ کے مشورے سے وہ اعلان شائع کیا گیا جو آج سارے ہندوستان میں امن و آسائش اور فخر کا باعث ہو رہا ہے۔ اسی کی بدولت اہل ہند اپنے مذہبی عقائد اور افعال میں پورے پورے آزاد ہیں۔ اس اعلان کو حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔

زندگی کے آخری دن

اگرچہ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی صحت اچھی نہ تھی مگر آپ کی مستعدی میں کچھ بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ شہر نیس کو تشریف فرما ہوئیں اور ۹۔ مئی کو گوینز کالج ملاحظہ فرمایا۔ چودھویں کو نٹلی ہاسپٹل میں جس میں جنگ کے (۵۳) زخمی زیر علاج تھے تشریف لے جا کر ملاحظہ کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے دو شخصوں کو تمغہ بھی مرحمت فرمایا۔ اس کے دو دن بعد پھر جنگ کریمیا اور غدر کے سو بہادروں کو ملاحظہ کیا اور ایلڈر شاٹ میں افواج کو نشان مرحمت فرمائے۔ دوسرے دن بارہ ہزار فوج ملاحظہ سے گزری۔ اس عرصہ میں ملکۂ آسٹریا کے قتل کی خبر آئی جس سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور نیز ویسٹ انڈیز میں طوفان سے چالیس ہزار آدمی خانماں برباد ہو گیا جن میں سے تین سو جان سے گئے۔ اس سانحے سے خاطر عاطر بہت ملول رہی۔ آپ نے پھر فوج کو نشانات سے سرفراز کئے تیسری مئی کو آپ پھر اسپتال میں تشریف لے گئیں اور جنگ سوڈان کے زخمیوں کو ملاحظہ فرمایا۔ ۱۸۹۹ء میں آپ کی ہشتاد سالہ سالگرہ بڑی دھوم سے رچائی گئی۔ نومبر میں آپ نے

بیرسل میں ایک شفاخانے کا افتتاح فرمایا جو آپ کی جوبلی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ ۲۶ دسمبر کو آپ نے قلعۂ ونڈزر میں عہدہ داران جنگ سوڈان کی بیبیوں اور بچوں کو چائے نوشی کی دعوت دی سنہ ۱۹۰۰ء میں آپ آیرلینڈ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ کی تشریف آوری پر بے انتہا خوشی منائی گئی اور اسی طرح کئی دفعہ آپ نے فوج کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کی اس توجہ گرانمایہ اور محبت سے ساری فوج آپ کی جان نثار تھی۔ اسی سال کے اوائل میں یہ افواہ اُٹھی کہ جناب ممدوحہ کی صحت اطمینان بخش حالت میں نہیں ہے مگر آپ حسب معمول ہوا خوری کے لیئے برآمد ہوا کرتی تھیں۔ سب سے آخری شاہی کام جو آپ نے فرمایا وہ لارڈ رابرٹس سے ملاقات تھی جب کہ وہ جنگ جنوبی افریقہ سے واپس آئے تھے اُسی وقت آپ نے اُن کو ارل کا خطاب دیا۔

آخری حالت اور وفات حسرت آیات

ملکہ معظمہ کچھ بہت دن علیل نہ رہیں اُن کی موت کی خبر بالکل اچانک آئی۔ مدراس میل راوی ہے کہ چندر روز پیشتر حضور عالیہ کی ممالک میں ہر شخص اس خیال سے خوش تھا کہ ابھی ملکہ میں اس قدر جسمانی اور دماغی توانائی باقی ہے کہ ملک رانی کا کام برابر چلانے پر قادر ہیں چنانچہ حال کا ذکر ہے کہ جب جنوبی افریقہ سے آپ کی فاتح افواج انگلینڈ کو واپس ہوئیں تو آپ نے اُن کو بچشم خود ملاحظہ فرما کر اُن کے بعض افسروں کو طلائی تمغے بھی مرحمت فرمائے۔ ۲ جنوری کو آپ نے لارڈ رابرٹس سے ملاقات کی اور فوج کی شجاعت اور دلیری کا شکریہ ادا فرمایا۔ ایک ماہ قبل حضور عالیہ قلعۂ ونڈزر سے آسبرن تشریف فرما ہوئیں اور آپ کا قصد تھا کہ وسط فروری میں واپس تشریف لاکر اقلیم ولایت کی بعض ممالک کا سفر تفریحاً فرمائیں۔ کرسمس کا جشن آسبرن میں ہوا۔ اُس وقت تک کسی قسم کی شکایت نہ تھی اور مزاج و دماغ بالکل اچھا تھا مگر اس کے بعد ہی دفعتہً طبیعت میں ایک قسم کا تغیر واقع ہوا۔ ضعف دماغ کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ قلت اشتہا اور بدخوابی کی شکایت مزید براں۔ اگرچہ باسباب ظاہر آپ کی حالت صحت تشفی بخش تھی مگر جنوبی افریقہ کی لڑائی میں تباہی خلق اللہ سے آپ کے نازک اور پُر رحم دل پر کچھ ایسا صدمہ تھا کہ اُس کا اثر دماغ سے متعلق تک جا پہنچا چونکہ حضور عالیہ نہایت مستقل مزاج تھیں جنگ کے مصائب اللہ صابر تھیں کہ منہ سے کچھ نہ کہا جزع فزع کا بخار دل ہی دل میں گھٹتی تھی۔

اس لڑائی میں جو عزیز جانیں ضائع ہوئیں اُن کا قلق غم و الم اس قدر آپ پر طاری رہا کہ جو شخص آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھتا تھا وہ اس بات کو بخوبی دریافت کر لیتا تھا کہ حضور عالیہ سخت ملول ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ غم نہانی اثر کرتا رہا جس کے باعث دماغ ضعیف ہو گیا اور آپ کی عمر بھی زیادہ تھی ان صدمات گراں کی متحمل نہ ہو سکیں۔ جب برداشت کی طاقت تھی تو آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کو تحمل و استقلال سے برداشت کیا اور صحت میں خلل نہیں آیا۔ بلکہ (سچ بات یہ ہے کہ) آپ نے اپنے بچوں کی موت کا اس قدر غم نہیں کیا جو آپ نے اپنے اُن فوجی افسروں اور سپاہیوں اور رعایا کی موت کا اپنے دل پر لیا جو کہ جنگ افریقہ میں ہلاک ہوئے۔ وہ اپنے جاں نثار افسروں اور اپنی ہر دلعزیز رعایا کی عاشق تھیں۔ آپ کی موت کی بڑی وجہ یہی صدمہ جانکاہ تھا۔ ۱۸ر جنوری سے علالت کے تاروں کی بھرمار شروع ہوئی۔ ۱۹ر کو معلوم ہوا کہ حالت نہایت خطرناک ہے۔ بیسویں کو تو یقین ہو گیا کہ آخری حالت ہے اور چند گھنٹوں میں یہ چراغ گل ہوا چاہتا ہے۔ ۲۱ر کی صبح کو ذرا سکون ہوا (جسے سنبھالا کہتے ہیں) مگر پھر کرب شروع ہو گیا اور شب میں سخت بے چینی رہی۔ سوائے ڈاکٹروں اور تیمار داروں کے کسی کو آپ کے پاس اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۲۲ر کو تین مرتبہ شاہی خاندان کے لوگ آپ کے بستر کے پاس طلب کیئے گئے آخری دفعہ ساڑھے تین بجے دن کے اور پھر تو سب وہیں رہے۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتی تھیں لیکن اُسی دن ساڑھے چھ بجے شام کے بیہوشی کی سی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ آپ کی نعش سلطنتی طور پر نہیں رکھی جائے گی لیکن خانگی ملازموں کو آپ کا دیدار دیکھنے کی اجازت ہے۔ چہرہ آپ کا بالکل آسودہ اور مستقل تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں۔ سینے پر دونوں ہاتھ آڑے رکھے ہوئے تھے اور ایک طلائی صلیب سینۂ مبارک پر دھری تھی۔ دو ہندی اور ایک یورپین لیڈی میت کی نگہبانی کر رہی تھیں۔ تاروں سے معلوم ہوا کہ دولت انگلینڈ کے سارے ممالک میں خواہ اندرون انگلینڈ ہو یا بیرون درد و الم ایسا ہی محیط ہے جیسا کہ خاص لندن میں۔ دنیا کے سارے حصوں میں مستحکم علامات ہمدردی کی پائی جاتی ہیں جو اُس نقش کے عمق پر دلالت کرتی ہیں جو ملکہ معظمہ نے سارے جہان کی خلایق کے دلوں پر جما رکھا تھا۔

حضور عالیہ کے جانشین

انتقال پر ملال کے دوسرے حضور عالیہ کے ولی عہد پرنس آف ویلز تخت نشین ہوئے تخت نشینی کے بعد

حضرت ادوڈ ہفتم کے آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ کیوں کہ فرط غم سے آپ کو
تاب تقریر نہ تھا مگر با ایں ہمہ اداے رسم کے لیے ذیل کی مختصر سی اسپیچ دی۔ جناب
ممدوح کے آنسو جاری تھے اور جب اپنی مادر مہربان کا نام نامی آپ کی زبان مبارک
پر آیا تو زبان قابو میں نہ تھی :-

یور رایل ہائینس مائی لارڈز اینڈ جنٹلمن۔ آپ سے خطاب کرنے کا میرے لیے
اس سے زیادہ دردناک موقع کبھی نہ ہوگا۔ میرا مقدم اور رنج آمیز فرض یہ ہے کہ
میں آپ کو اپنی والدہ ماجدہ ملکہ معظمہ کے انتقال کی اطلاع دوں۔ میں جانتا ہوں
کہ آپ کو اور تمام قوم کو بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ تمام عالم کو اس ناقابل تلافی صدمے میں جو ہم
سب کو ہوا ہے میرے ساتھ کیسی دلی ہمدردی ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار کی ضرورت
نہیں ہے کہ میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ اس بار عظیم کے اٹھانے میں جو مجھ پر
اب عائد ہوا ہے عالیہ حضرت موصوفہ کی اتباع کروں۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں کانسٹیٹیوشن
کو پورے طور پر ملحوظ رکھوں اور جب تک میرے دم میں دم رہے اپنی رعایا کی بہبودی
اور ترقی کے لیے کوشش کروں۔ میں نے ایڈورڈ کا نام اختیار کیا ہے جس نام
سے میرے اجداد میں سے چھ موسوم رہ چکے ہیں۔ اس نام کے اختیار کرنے میں میں
ایلبرٹ کے نام کی وقعت کم نہیں کرتا ہوں جو نام مجھے اپنے عظیم الشان عالیشان مند
والد سے جن کی وفات کا رنج ہمیشہ باقی رہے گا وراثتاً پہنچا ہے اور جو میرے خیال
میں بالاتفاق تمام ایلبرٹ دی گڈ کے نام سے استحقاقاً ملقب ہیں میری خواہش
ہے کہ یہ نام انھیں کے لیے مخصوص رہے۔ خاتمے پر مجھے پارلیمنٹ اور قوم سے یہ توقع
ہے کہ جو فرض عظیم مجھ پر وراثتاً عائد ہوا ہے اس کی انجام دہی میں وہ میری امداد کرے گی
اور میرا مصمم عزم ہے کہ اپنی بقیہ زندگی میں اپنی تمام قوت کو اس فرض کے پورا کرنے
میں صرف کروں۔

ہندوستان میں ماتم

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

معظمہ کی جانکاہ وفات پر ہندوستان کے کل مقامات پر خواہ وہ چھوٹے ہوں یا
بڑے ہر قوم و ہر مذہب کے لوگوں نے بے انتہا دلی رنج کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے

اس خبر کے سنتے ہی سارے شہروں اور گاؤں میں بازار اور دکانیں بند ہو گئیں شہروں میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ تمام خلقت بحر غم و الم میں غرق ہو گئی سوگواری کی گہری گھٹا چھا گئی۔ بیاہ برات موقوف کر دیئے گئے۔ مختصر یہ کہ اہل ہند نے اپنی ملکہ کی وفات حسرت آیات پر ایسے حسرت و ملال کے اشک برسائے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی عالمگیر غم آج تک نہیں ہوا اور یہ بڑی دلیل اس کی ہے کہ ملکہ معظمہ کو ہر شخص دل و جان سے ممدوحہ کی نیک صفات اور رعایا سے سچی ہمدردی کے لحاظ سے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا کسی بادشاہ نے پبلک کے دلوں کو اس طرح مسخر نہیں کیا اور جب تک دلی محبت۔ عقیدت مندی اور جوش جاں نثاری نہ ہو ایسا سچا غم کبھی حکومت کے دباؤ سے ممکن نہیں۔ ہم اس مقام پر وائسرائے بہادر کے اس تار کی نقل کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے سکرٹری آف سٹیٹ کے نام روانہ کیا اور اس کا جو جواب آیا وہ بھی اسی کے ساتھ ہے

وائسرائے کا تار

من جانب وائسرائے بنام سکرٹری آف سٹیٹ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۰۱ء۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے میں مؤدبانہ پیام ذیل روانہ کرتا ہوں تاکہ ہز مجسٹی قیصر ہند کے حضور میں پیش کیا جائے۔

"گورنمنٹ ہند نے کمال غم و درد کے ساتھ عالی جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات کی خبر سنی۔ ہر حصۂ ہندوستان سے ہر قوم و ہر فرقہ و ملت کی جانب سے بے ساختہ و بے ریا غم و الم کی خبریں آ رہی ہیں۔ گورنمنٹ۔ شاہزادے اور رعایا بالاتفاق ملکہ قیصرہ کی وفات پر عزاداری کرتے ہیں۔ جن کا یہاں اس قدر اعزاز و اکرام کیا جاتا تھا کہ کسی بادشاہ سابق کا نہ ہوا تھا اور جس کی نسبت وفاداری محبت میں غرق ہو گئی تھی۔ ملی خیال تو یہ ہے کہ ہند کا صدمہ ملکہ کا نہیں بلکہ ماں کے انتقال کا ہے سب اقوام کی جانب سے ہم آپ کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ ہز مجسٹی بادشاہ قیصر ہند کے حضور میں ہمارے درد و غم اور ہمدردی کے خیالات کا یقین دلا دیں اور سلطنت برٹش کی تخت نشینی پر جناب ممدوح کے حضور میں ہماری عاجزانہ بندگی پیش فرمائیں"

جوابی تار

من جانب سکرٹری آف سٹیٹ بخدمت وائسرائے و گورنر جنرل ہند۔ ۲۹ جنوری ۱۹۰۱ء "پیش گاہ بادشاہ قیصر ہند سے مجھے فرمان صادر ہوا ہے کہ مرقوم الذیل جواب آپ کی خدمت میں جو حضور ممدوح [illegible]

ایڈریس کے جواب میں جس کو آپ نے گورنمنٹ اور شہزادگان و رعایائے ہند کی جانب سے میرے پاس بھیجا تھا تاکہ میں اس کو بحضور شاہنشاہ قیصر کے حضور میں پیش کروں نہایت خوشی سے ارشاد فرمایا ہے۔ "میں آپ کے پیام تعزیت میں وہ محبت اور خلوص پاتا ہوں جس کا نقش ملکہ قیصرہ نے اپنی طویل سلطنت کی عقل مندی اور انصاف پسندی اور اپنی سرگرم ہمدردی فلاح خواہی تمامی حقوق سے اپنی رعایا کے دلوں پر بٹھایا تھا اور یہ کہ جناب ممدوحہ کے انتقال کے عالم گیر تاسف والم کے اظہار کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری تخت نشینی پر جو رسوخیت و اطاعت بجا لائی گئی ہے اس کے تسلیم کرنے سے والیان و رعایائے ہند کو اطلاع دی جائے۔ جن کا ملک میں نے دیکھا ہے اور میں اُن کی محبت اور گرویدگی پر جو میرے تخت کے ساتھ ہے اعتماد کامل رکھتا ہوں۔ اُن کی خوش حالی اور سرسبزی میں میری کمال دلچسپی اور دل بستگی رہے گی۔"

ملک معظم کا ایک دوسرا تار ۱۲ فروری ۱۹۰۱ء کا والیان ریاست اور رعایائے ہند کے نام کا جو کلکتہ سے ۵ رمنہ کو گورنمنٹ کی جانب سے شائع ہوا حصۂ اول کتاب ہذا میں درج کیا جا چکا ہے۔

تجہیز و تکفین

غضب کا سامنا ہے آج وہ گھر سے نکلتا ہے
دل مضطر تڑپتا ہے کلیجہ کوئی ملتا ہے

ملکہ معظمہ کے جنازے کے ساتھ فوج کی تعداد (۳۰۷۵) تھی۔ جن میں بلوجیکٹ اور ہر قسم کی فوج اور نوآبادملکوں کے (۱۲۵) اور ہندوستانی فوج کے بھی بیس سپاہی شامل تھے۔ جس راستے سے جنازہ گزرا (۳۲۳۴۵) سپاہیوں کی قطار بندی کی گئی تھی۔ جنازے کی گزرگاہ پر بے حساب استادگاہیں باندھی گئی تھیں۔ تمام مکانوں پر ماتمی پوشش کی گئی تھی۔ جنازے کے دیکھنے کے لیے نشستگاہوں کی اس قدر کثرت سے خواہش تھی کہ فی بے سایہ نشست گاہ چھ سے سات پونڈ تک اور ہر کھڑکی کا ایک سو پونڈ سے بھی زیادہ کرایہ دینا پڑا۔ مکانوں کے سامنے بے شمار ہار آویزاں کیے گئے تھے ملکہ معظمہ کا جنازہ جس پر خلعت جلوس کا غلاف تھا اور جس پر تاج۔ کرہ اور شاہی عصا رکھا ہوا تھا جس کی جواہر کاری اور چمک دمک دھوپ میں جگمگا رہی تھی ایک خاکی رنگ

کی توپ کی گاڑی پر جس میں آٹھ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گویا نماتک
تھے) یکم فروری کو دن کے ایک بج کر (۴۰) منٹ پر آسبرن کے قلعے سے جنازہ
جنازے کے صندوق پر لاٹین میں یہ تحریر ثبت تھی۔ «کمال تسلیم الطف خداوند
ملکہ وکٹوریا اول حامی دین عیسوی ملکہ گریٹ برٹن و آئرلینڈ و قیصرہ ہند کی نعش
یہاں آرام پاتی ہے» جنازے کے پیچھے ملکہ کے بڑے صاحب زادے یعنی ملک معظم
ایڈورڈ ہفتم اور شہنشاہ جرمن بہ لباس امیر البحر۔ ڈیوک آف کناٹ بہ لباس
جنرل پا پیادہ ہمراہ تھے۔ ان کے بعد دوسرے اور چھ شہزادے تھے بعدہ بہ سرکردگی
ملکہ یعنی خاتون محترم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور خواتین خاندان شاہی ماتمی لباس میں
چہروں پر نقاب پڑی ہوئی تین تین کی صفوں میں پا پیادہ تھیں۔ خلاصیوں نے جنازے
کے بار گرانمایہ کو دوش بدوش لے کر ایلبرٹا نامی جہاز پر ایک یاقوتی رنگ کے شامیانے کے تلے
ایک گنبد نما بلند چبوترے پر آسودہ کیا۔ شامیانہ چوطرفے سے کھلا ہوا تھا تاکہ لوگ
جنازے کو دیکھ سکیں۔ ایلبرٹا کے آگے آگے آٹھ تارپیڈو جہاز تھے۔ جنازہ دول خارجہ
کے سات جہازوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا گیسپورٹ میں شاموں شام
پانچ بجے پونہچا۔ جب ایلبرٹا جہاز قریب آتا تو ہر ایک جہاز کی سپاہ نے صف بندی
کرکے ماتمی باجا بجایا۔ منٹ منٹ کے وقفے سے توپیں اس کثرت سے سر ہوئیں کہ
رستے بھر سمندر میں توپوں کی غمگین گرج اور باجوں کی دردمند آواز برابر سنائی دیتی
رہی۔ اس شب بھر جنازہ جنگی جہازوں کی حفاظت میں رہا۔ آسبرن سے جنازہ نکلتے
وقت کچھ عجیب عبرت ناک منظر تھا۔ ملکہ کے شہنائی نواز کوئی آدھی میل تک جگر پر
چوٹ لگنے والا غمناک اور دل سوزی کا راگ بجاتے رہے۔ سولنٹ کے شمالی
ساحل پر پانچ لاکھ آدمیوں کا ازدحام تھا۔ یہ مجمع ڈایامنڈ جوبلی سے بھی زیادہ تھا۔
دوسری فروری کو آدھی رات سے ہی خلقت کے بے شمار ہجوم کے اہتمام کے لئے پولیس
جمع ہو گیا تھا کیونکہ رات سے ہی بھیڑ بھاڑ شروع ہو گئی تھی صبح کی ساری ٹرینیں
ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں لوگ ہیڈ پارک کی طرف جوق جوق چلے جا رہے
تھے۔ تمام شب فوجوں کی آمد کا تانتا لگا رہا۔ جس مکان کو دیکھو ماتمی کپڑے نکلے
تھے۔ خود لندن میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور پھر باہر کے لوگ کہاں ...

تھے۔ جنازے کو گشت کرا کے سینٹ جارج گرجا میں نماز جنازہ پڑھا نے کے بعد جنازے کو البرٹ میموریل گرجا میں لے گئے جہاں دو شنبہ تک رکھا رہا لندن کا مجمع کمال درجے خاموش اور با وقار تھا۔ ہر قسم کی فوج صف بہ صف آراستہ وپیراستہ تھی۔ ارل رابرٹس فیلڈ مارشل کا عصا لیے ہوئے اپنے سارے سٹاف کے ساتھ تھے۔ اُن کے بعد جنازے کا مجمع تھا۔ جنازے کے تابوت پر وازمہ شاہی رکھا ہوا تھا اور اوپر سفید ریشم کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ جنازہ ایک توپ کی گاڑی پر تھا جس میں آٹھ سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گھڑ چڑھے سوار ہانک رہے تھے۔ جنازے کے پیچھے ایک نہایت عظیم الشان مجمع برٹش اور فارن شہزادوں کا بسر کردگی شاہ انگلینڈ و شہنشاہ جرمن تھا۔ ہر دو بادشاہ فیلڈ مارشل کے لباس میں تھے۔ بادشاہ جرمن ایک سفید جنگی گھوڑے پر سوار تھے۔ بادشاہ بلجیم مع اپنی ملکہ اور شہزادیوں کے شاہی گاڑیوں کی ایک بڑی لمبی قطار کے آگے آگے تھے۔ سب سے آخر کلونیل اور ہندوستانی اور لئیف گارڈ فوجوں کی جماعتیں تھیں۔ بہت سے والیان ملک نیابتہً موجود تھے۔ انگلینڈ کے کل معززین و عمائدین سینٹ جارج گرجا میں جمع ہو رہے تھے جہاں جنازہ ایک گنبد نما چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ تابوت پھولوں کے ہاروں سے لدا ہوا تھا۔ ملکہ کی میت ایک پتھر کے صندوق میں اپنے پیارے شوہر پرنس البرٹ کے پہلو میں ۴ فروری ۱۹۰۱ء کو تین بجے شام کے آخری منزل پر پہنچائی گئی اور اس طرح ایک نام آور۔ نیک نہاد۔ نیک دل۔ ہمہ تن خیر مجسم ملکہ کا خاتمہ ہوا۔ گو اُن کا جسم خاک تہ خاک ہو گیا مگر اُن کے بے حد و بے شمار احسانات ایسے ہیں کہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتے فقط

(ضمیمۂ دوم ختم ہوا)

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب حافظ اسعد حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع میرٹھ

اگر ہو شوق تاریخ و سیر عرشی ۔۔۔ تو پڑھیے بے خلل تاریخ دہلی کی

بڑی تصنیف لا تا بشیر الدین ۔۔۔ نہ ہو کیوں بے بدل تاریخ دہلی کی

۱۳۳۵ھ

ضمیمۂ سوم

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم (ایڈورڈ دی پیس میکر)[1] کے حالات

ولادت ۹ر نومبر ۱۸۴۱ء - تخت نشینی ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء وفات ۷ر مئی ۱۹۱۰ء

مدت سلطنت (۹) سال ۳½ ماہ

بقومے کہ نیکی پسندد خدا — دہد خسرو عادل ونیک رائے

آپ ۹ر نومبر ۱۸۴۱ء بمقام قصر بکنگھم پیدا ہوے - آپ بہت خوش رو اور باجمال تھے آپ کے والد ماجد پرنس البرٹ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ انگلینڈ کا آیندہ ہونے والا بادشاہ نہایت شکیل اور پیارا بچہ ہے - جب آپ خیر سے تین مہینے کے ہوئے تو ۵ر جنوری ۱۸۴۲ء کو سینٹ جارج چیپل ونڈزر میں آپ کی رسم اصطباغ ہوئی - شہنشاہ فریڈرک ولیم متوفی قیصر جرمن آپ کے دینی باپ قرار دیئے گئے یہ تقریب بہت بڑے پیمانے پر کی گئی اور زر کثیر صرف ہوا -

ملک انگلینڈ کا وارث تخت وتاج پیدا ہونے کی بڑی خوشیاں منائی گئیں اور جان نثار رعایا آپ کے دیدار مسرت آثار کی از حد مشتاق تھی اس لیئے گو کہ آپ کی عمر اس وقت صرف دس ہفتے کی تھی مگر رعایا برایا کو ولی عہد کا جمال مبارک دیکھنے کی جائز آرزو کو پورا کرنا ازبس ضرور تھا - اس موقع پر ونڈزر پارک میں تمام افواج صف بندی کے ساتھ آراستہ وپیراستہ کی گئیں اور شاہزادہ والاشان کا عالی شان محل کے ایک دریچے میں مشتاقین دیدار پربہار کو جمال مبارک دکھلایا گیا -

[1] جس طرح ہمارے ہاں بادشاہوں کی وفات کے بعد تعظیماً جنت آشیانی عرش مکانی خلد مکاں غفران مکاں وغیرہ لقب قرار دیتے ہیں اسی طرح وکٹوریا دی گڈ یعنی نیک نہاد یا خیر مجسم اور ایڈورڈ دی پیس میکر یعنی صلح کل ہے کہ آپ کے عہد سلطنت میں سوائے امن وامان کے کسی قسم کی جنگ نہیں ہوئی ۱۲

تعلیم و تربیت

آپ کی والدہ ماجدہ اور والد ماجد کو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ ان مختلف اصحاب کی نگرانی میں تعلیم شروع ہوئی اور بسم اللہ مذہبی تعلیم سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کی انتہائی تعلیم آکسفورڈ، کیمبرج اور اڈنبرا کی نامی گرامی یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ آپ کو ہر شعبے اور صیغے کی تعلیم دی گئی مگر آپ کو تاریخ، زباندانی اور قانون کا خاص شوق تھا چنانچہ آپ نے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس فرمایا تھا۔ آپ نے کئی جنگی امتحان پاس کیے۔ آپ اعزازی امیر البحر اور رائل نیوی رزرو کے اعزازی کپتان اور جرمن آرمی کے فیلڈ مارشل اور بہت سی انگریزی افواج کے کرنل ان چیف قرار دیئے گئے۔ ولایت میں دستور ہے کہ سن رشد کو پہنچنے سے پہلے ولی عہد مذہبی اور اخلاقی جذبات کا امتحان آرچ بشپ آف کنٹربری لیتا ہے اس میں بھی آپ تعریف کے ساتھ پاس ہوئے تب آپ اٹھارہ سال کی عمر پوری ہونے پر ماہ نومبر ۱۸۵۹ء کو ولی عہد گزٹ کیے جانے کے علاوہ آرڈر آف دی گارٹر کا اعزازی تمغہ بھی آپ کو دیا گیا۔ ملکہ معظمہ نے آپ کو بلوغت پر اپنی نگرانی سے آزاد کرتے ہوئے ایک نہایت موثر تحریر بطور پند نامے کے کی جس کی بیش بہا اور مشفقانہ ہدایت کا اثر آپ پر مدۃ العمر رہا۔ ۲۰ نومبر ۱۸۵۹ء کو حضور والا کرنل بروس وغیرہ کے ہمراہ دارالسلطنت جرمن کو تشریف فرما ہوئے جہاں آپ کے والدین محترمین پہلے سے مقیم تھے۔

۱۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو آپ اٹلی کی سیاحت کو روانہ ہوئے اور پوپ آف روم سے ملاقات کی۔ وہاں سے واپس آکر آپ اڈنبرا گئے اور ہالی رُوڈ میں قیام فرما کر پھر مشغلہ حصول علم میں لگ گئے۔ آپ کو علم کمسٹری کا بڑا شوق تھا۔ ڈاکٹر لین پلے فیئر کمسٹری پر جو لکچر دیا کرتے تھے ان میں آپ خاص کر جایا کرتے تھے۔ یہ مشہور بات ہے کہ پرنس البرٹ اپنے بچوں کی تعلیم میں بڑے سخت آدمی تھے۔ جب آپ نے سنا کہ شہزادے اکثر ناول پڑھا کرتے ہیں تو آپ نے بلا کر فرمایا کہ مجھے یہ سن کر بے حد ملال ہوا کہ تم ناول خوانی آئندہ شاہ انگلستان کی تعلیم کے لیے موزوں سمجھتے ہو۔ شہزادے نے عرض کیا کہ میں تو سر والٹر سکاٹ[1] کے ناول پڑھتا ہوں "

[1] ناول بالعموم عشقیہ اور مخرب اخلاق ہوتے ہیں جیسے رینالڈز کے ناول۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

انھیں دونوں میں آپ نے اطالی جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھنی شروع کر دیں۔
اس کے بعد آکسفورڈ میں آپ کا زمانۂ تعلیم باقاعدہ اور منضبط گزرا جہاں آپ نے
اپنے والد کی سخت نگرانی میں اپنی عادات کو بالکل باقاعدہ کر لیا۔ آپ ہمیشہ سات
بجے صبح سے پہلے اُٹھا کرتے تھے اور حاضری سے پہلے کم از کم ایک گھنٹہ مطالعۂ
کتب میں منہمک رہتے۔ جنگ کریمیا میں ملکہ معظمہ وکٹوریا نے اہل کینیڈا کی وفاداری
کا ثبوت پاکر ان سے دریا دلی سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی امریکن مقبوضات کی سیر کو
آئیں گے مگر سلطنت کے امور عظام نے آپ کو فرصت نہ دی۔ حضور ممدوحہ نے
اہالی کینیڈا کو لکھا کہ "ہم خود تو آ نہیں سکتے البتہ اپنے فرزند کو بطور نائب کے
بھیجیں گے۔" امریکن اخباروں نے ہر چہار جانب یہ مژدہ پہونچا دیا۔ پریذیڈنٹ
اضلاع متحدہ امریکہ نے اس مژدۂ جاں بخش کی خبر سنتے ہی ملکہ معظمہ کی خدمت میں
لکھا کہ "اگر آپ کے فرزند بہ حیثیت نیابت اس ملک میں تشریف لائیں گے تو
اُن کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا جائے گا اور جس حصۂ ملک میں قدم رنجہ
فرمائیں گے ہر جگہ یہی سلوک ہوگا۔" ملکہ معظمہ نے جواب میں لکھا کہ "ہمارا فرزند آپ کا
مہمان ہونا پسند کرتا ہے اور جب وہ وہاں سے واپس آ کر ہم سے آپ کی عنایات اور
شریفانہ سلوک کا ذکر کرے گا تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔" ۹ رجولائی ۱۸۶۰ء
کو شہزادۂ والا جاہ بندرگاہ آسبورن سے اپنے والد ماجد کی معیت میں امریکہ کے
عظیم الشان سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ کی ہمرکاب ڈیوک آف نیوکیسل۔ جنرل بروس
کپتان گرے۔ ڈاکٹر ایکنڈ وغیرہ سات ارکین اعظم تھے۔ یہ معزز و محترم پارٹی ۲۵ رجولائی
کو سن جون واقع نیو فونڈ لینڈ میں وارد ہوئی۔ آپ کا استقبال بڑی دھوم دھام سے
ہوا۔ گاڑی کے گھوڑے کھول کر جوشیلی رعایا نے خود کھینچا۔ الغرض کیپٹن ملّا
پہونچ کر یکم ستمبر کو وہ کام تکمیل کو پہونچایا جس کی اہمیت کے باعث آپ نے
یہاں تک تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی تھی۔ یعنی بہ حیثیت نائب ملکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اس میں شک نہیں کہ طرز ادا اور خوبی عبارت کے لحاظ سے جیسے
بے نظیر ہیں ویسے ہی اخلاقی نقطۂ خیال سے ردی ہیں۔ مگر سکاٹ کے ناولوں میں یہ بات نہیں
عبارت اور مضمون ہر دو اعتبار سے لاجواب اور لاثانی ہیں۔ ۱۲

انگلستان پارلیمنٹ کے دونوں ہوسوں کا سنگ بنیادی نصب فرمایا اور وکٹوریہ بالنشٹریل سکے ریلوے کے پل کا افتتاح فرمایا۔ پھر کینیڈا کے مختلف صوبہ جات اور مشہور مقامات کی سیاحت فرماتے رہے۔ اس کے بعد اٹھارویں تاریخ بجانب ہیملٹن جہضت فرما ہوئے جہاں آپنے آخری دربار منعقد فرمایا اور زراعتی انجمن کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا۔ "وہ حضور ملکہ معظمہ انگلستان کے ارشاد سے میں اُن کا نایب ہو کر برٹش شمالی امریکہ کی سیاحت کو آیا تھا۔ یہ کام اب ختم ہو گیا اور آج سے اُن تمام فرائض کا بار میرے کندھوں پر نہیں رہا جو بحیثیت ملکۂ انگلستان کے نایب ہونے کے مجھ پر واجب تھا۔ اب میں انگلستان جانے سے پیشتر پرایوٹ طریقے پر اس مشہور ملک کی سیر کرنی بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کے بزرگ باشندے اور ہمارے بزرگ ایک تھے اور جن کی غیر معمولی ترقی کو ہر ایک باشندۂ انگلستان باہمی دلچسپی سے ملاحظہ کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس انگریزی ساحل سے آگے قدم بڑھاؤں میں آپ تمام صاحبوں کو محبت سے بھری الوداع کہنی چاہتا ہوں۔ خداوند کریم اس صادق اور قابل عزت قوم کو اپنی منتخب نعمتیں عطا فرمائے۔" اس کے بعد حضور معز اضلاع متحدہ امریکہ کی سیاحت میں مشغول ہوئے اور ۲۰ اکتوبر تک فراغ حاصل فرما کے ۱۵ نومبر کو پلائی متھ پونہچے۔ یہاں ونڈزر کیسل میں آپ کے والدین نے بڑی محبت سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کی اقامت گاہ کے لیئے باضابطہ طور پر مارلبرا ہوس تجویز کیا گیا۔

سپاہیانہ زندگی

بادشاہ کی ذات میں ضرور ہے کہ سب قسم کی صفات ہوں ملک داری کے نظم و نسق کے علاوہ اُس میں ملٹری سپرٹ (فوجی ولولے) کا ہونا بھی لازم و متحتم ہے کہ اُس کی ذات اہل قلم اور سیف دونوں کا ملجا و ماویٰ ہے۔ جون ۱۸۶۲ء میں حضور والا کراہ آف الگزنڈرا کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ گرینیڈیر گارڈز کی اول پلٹن کے ساتھ قواعد وغیرہ میں شامل ہوتے تھے اور عام سپاہیوں کی طرح کیمپ کی ایک کاٹج میں رہتے تھے اور

بیلہ آپ کی تعلیم میں شروع سے اس بات کا خیال تھا کہ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے آپ کا ذاتی مرتبہ شاہی اُس میں مخل و مانع نہ ہو اور اسی لیئے سادگی کا بڑا خیال تھا جس کا بہترین نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

ہر قسم کی فوجی ذمہ دا[redacted]تی کے ساتھ کاربند تھے۔ آپ عملی طور پر فوجی لائف بسر کر چکے تھے اس لئے [redacted]ی لوگوں کی خوشنودی اور دل جوئی کا بڑا خیال تھا
ازراہ شفقت فرما ہونے سے پیشتر آپ نے چھتیسویں پلٹن کو بطور اعزاز ایک جھنڈا عطا فرمایا۔ ملاحظہ افواج کی غرض کے علاوہ حضور کے جرمنی تشریف لے جانے کی ایک اور بھی وجہ خاص تھی اور وہ ایسی وجہ تھی جس پر حضور ممدوح کی آئندہ مسرت اور آرام کا دارومدار تھا یعنی ڈنمارک کی شہزادی **الگزینڈرا** ان دنوں جرمنی میں تھیں۔ آپ نے ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا شہرہ پہلے ہی سے سنا تھا اس لئے مناسب خیال کیا گیا کہ باہمی ملاقات سے تعلقات زن و شو کا فیصلہ کر لیا جائے چنانچہ شہزادے اور شہزادی صاحبہ کی اس اثناء میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر دو ایک دوسرے سے مل کر نہایت مسرور ہوئے۔ یہاں سے مراجعت فرمانے کے بعد آپ قصر ونڈزر میں ۱۴ نومبر کو تشریف لے گئے۔ سر ہنری بالینڈ کے ذریعے سے آپ کو اطلاع پہنچی کہ آپ کے والد ماجد **پرنس کنسرٹ** نے انتقال فرمایا۔ یہ خبر وحشت اثر سن کر آپ کو بڑا بھاری صدمہ ہوا اور ۲۳ دسمبر کو **سینٹ جارج چیپل** میں پہنچ کر شریک تجہیز و تکفین ہوئے۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ملکہ معظمہ کی ایما سے **یوروشلم** کا سفر کیا اور اسی کے ساتھ **اسکندریہ** (مصر) **قاہرہ** وغیرہ کی سیر کی۔

شادی

یہ خبر عام طور پر مشہور تھی کہ آپ کی شادی ڈنمارک کی شہزادی الگزینڈرا سے ہونے والی ہے مگر سرکاری طور پر اس کی تصدیق نہیں ہوئی تھی لیکن جب ملکہ معظمہ خود ڈنمارک کو تشریف لے چلیں تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی چنانچہ فروری ۱۸۶۳ء کے اخباروں میں بھی یہ خبر علی التواتر شائع ہو گئی اور سرکاری طور پر بھی اس کی تصدیق کی گئی۔ شہزادی پہلے ہی انگلستان کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھیں اور بڑی ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی اس لئے آپ شادی سے پہلے ہی ۷ مارچ ۱۸۶۳ء کو لندن تشریف لے آئیں ۱۰ مارچ کا دن انگلینڈ کی تاریخ میں ایک

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سادگی آپ کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ [۵] اے ذوق تکلف میں ہے … سراسر آرام سے وہی ہیں کہ تکلف نہیں کرتے۔ الغرض ہی اعزاز و احترام کی … آپ … مادہ …

بڑا مبارک دن تھا۔ اس دن تمام تعطیل تھی۔ سینٹ جارج کے مشہور گرجا واقع ونڈسر کیسل میں ساڑھے گیارہ بجے دن کے بموجودگی ممبران خاندان شاہی آرچ بشپ آف کنیٹربری سمیت آرچ بشپ آف ایبرڈین رسوم شادی ادا کیں۔ حضور ملکہ معظمہ بنفس نفیس اس مبارک موقع پر تشریف فرما تھیں مگر اپنے شوہر کے غم میں ماتمی لباس میں تھیں۔ اس تقریب پر شب میں سارے شہر میں علاوہ آرائش کے آتش بازی چھوڑی گئی۔ صرف شہر کی آرائشی کے لیئے تین لاکھ پونڈ کی رقم منظور ہوئی تھی۔ صرف شاہی دعوت میں دس لاکھ پونڈ کے برتن استعمال ہوئے تھے اور مصارف کا کیا کہنا۔ تحائف کا کچھ شمار نہ تھا جن کی مالیت ۱۰ لاکھ پونڈ کی کہی جاتی ہے۔ شہزادی کو جو کچھ بیش بہا زیورات اور پارچہ جات ملکہ معظمہ کی طرف دیئے گئے تھے اُس کے علاوہ لندن کمیٹی نے ایک جڑاؤ گنٹھا دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا نذر دیا۔ پارلیمنٹ نے شاہزادہ ویلز کے لیئے چالیس ہزار اور شہزادی کے لیئے دس ہزار پونڈ سالانہ کی جاگیر منظور کی۔ اب چوں کہ آپ متاہل ہو گئے بجز قصر ونڈزر میں رہنے لگے اور عارضی طور پر بود و باش کے لیئے آپ نے ٹرانکچور کو منتخب فرمایا ہیں ۱۸۔ جولائی ۱۸۶۴ء کو فرزند نرینہ پیدا ہوا جن کا نام البرٹ وکٹر کرسچین ایڈورڈ رکھا گیا۔ ۱۷ نومبر کو حضور والا مع اپنی خاتون محترمہ کے براعظم یورپ کی سیاحت کو تشریف لے گئے۔ فرانس۔ ڈنمارک۔ سٹاک ہوم وغیرہ مشہور مقامات ملاحظہ فرماتے ہوئے ۵ فروری ۱۸۶۵ء کو اسکندریہ (مصر) پونہچے۔ وہاں سے چند دنوں بعد شاہی جہاز حدود ترکی میں پونہچا۔ بڑے بڑے ترکی افسر آپ کے استقبال کے لیئے حاضر تھے سلطانی محل واقع شلچ بازار آپ کے قیام کے لیئے آراستہ کیا گیا جہاں خود سلطان المعظم بذات خاص چشم براہ تھے اور سیڑھیوں تک اپنے معزز مہمان کے استقبال کو تشریف لائے۔ سلطانی حکم سے آپ کے لیئے ہر قسم کا سامان آسایش اعلیٰ درجے کا مہیا کیا گیا سلطان کا کمرہ خاص جس میں آپ کو اتارا تھا بڑے بیش بہا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ رات کو بینڈ بجتا رہتا تھا اور صبح کو سلطان المعظم آپ کی خدمت میں تازہ بتازہ گلدستے اور نادر میوہ جات کی کشتیاں بھیجا کرتے تھے

[illegible] سلطان المعظم نے ایک ہی میز پر کھانے میں شامل فرمایا۔ آپ شاہانہ [illegible]

تزک و احتشام اور ظاہری ٹیم ٹام سے بہت گھبراتے تھے۔ اور سادی سوشل طرز زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ مزاج میں حد درجے کی سادگی تھی اور تکلفات سے کوسوں دور تھے بہت سے سفر آپ نے incognito اس طرح کہ کوئی شناخت نہ کیے۔ آپ کو بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل کر ان کے اصلی حالات زندگی دیکھنے اور دریافت کرنے کا بہت شوق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بادشاہوں کے لئے تفحص حالات کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں بھی آپ بھیس بدل کر دکانوں پر جاکر سامان خریدتے قہوہ خانوں میں جاتے لوگوں سے ملتے جلتے اور بے تکلف بات چیت کرتے اور گلی کوچوں میں مثل ایک عام شخص کے بے کھٹکے پھرتے تھے ۱۱ر اپریل ۱۸۶۹ء کو قسطنطنیہ سے واپس ہوکر راہ میں جنگ کریمیا کے مشہور مقامات دیکھتے بھالتے مع الخیر والعافیۃ اپنے وطن مالوف کو تشریف لے آئے۔

زندگی اور موت کے بیچ میں

یورپ کی سیاحت سے واپسی کے کچھ دنوں بعد آپ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کسن کن اور سکالس کوہ بارے ڈبلن اور کوہ وکلو وغیرہ دلچسپ مقامات کی سیر کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے تشریف لانے کے بعد نصیب اعدا مزاج وہاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو سکاٹ لینڈ جانے کا مشورہ دیا لیکن تبدیل مقام سے بجائے فائدے کے نقصان ہوا۔ سکاربارو پہنچ کر تو طبیعت اس قدر بگڑی اور ایسی خطرناک بیماری لاحق ہوئی کہ جس سے بڑے بڑے تجربہ کار اور حاذق شاہی ڈاکٹروں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ ہر چند بہتر سے بہتر علاج کیا گیا مگر بے سود روز بروز خطرہ زیادہ بڑھتا گیا آخرکار ۲۲ر نومبر ۱۸۶۹ء کو ملکہ معظمہ کو اس خطرناک علالت کا تار دیا گیا کہ "شہزادے صاحب تپ محرقہ میں مبتلا ہیں"۔ شہزادی الگزینڈرا شبانہ روز اپنے معزز شوہر کی تیمارداری میں حاضر باش تھیں مگر اب مریض کی حالت اور بھی نازک ہوگئی۔ تمام انگلستان میں تلاطم پڑ گیا۔ ہر شخص قصر سینڈرنگھم کی تازہ ترین خبر معلوم کرنے کے لئے مضطر تھا مگر حضور کی حالت ساعت بساعت دگرگوں ہوتی جاتی تھی۔ ہر کہ دمہ کو حضور کی جان کے لالے پڑ گئے۔ دسمبر کے اول ہفتہ میں صحت کی

کی امید منقطع ہو گئی۔ پادریوں نے کہا جب علاج مفید نہیں تو اب دوا کا وقت باقی نہیں ہاں دعا کا دروازہ کھلا ہوا ہے جب تک سانس ہے آس بھی ہے۔ ملکہ معظمہ مع خاندان شاہی کے سینڈرنگھم پہنچ گئیں۔ ملکہ معظمہ نے جب اپنے نور نظر اور لخت جگر کی حالت دیکھی تو غشی کا عالم تھا آپ کسی کو پہچان نہ سکے۔ ولی عہد کی ایسی مایوسانہ حالت سے سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہندوستان۔ کینیڈا۔ اضلاع متحدہ امریکہ سب جگہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کے موافق مسجدوں۔ مندروں۔ گرجاؤں میں شہزادے کی صحت کے لئے نمازیں پڑھیں خلوص دل سے گڑگڑا گڑگڑا کر بارگاہ شافی مطلق میں دعائیں کیں۔ اب ۱۴ دسمبر کا وہ دن آگیا جو آپ کے والد کی برسی کا تھا لوگوں کو وہم آنے لگا طرح طرح کے توہمات دل میں آتے تھے کہ کہیں باپ کی طرح یہ بھی نہ چل بسیں۔ گو اتوار سے منگل تک آپ کی حالت معرض خطر میں تھی مگر اسی دن سے آثار افاقے کے نظر آئے اور بدخوابی اور کرب دونوں میں افاقہ ہوا۔ روز بروز طبیعت سنبھلتی گئی۔ ماں کی جان میں جان آئی بیوی کی باچھیں کھل گئیں۔ نیند اور غذا دو ہی چیزیں ضامن صحت ہیں۔ گہری نیند اور غذا کی طرف میلان ہو گیا اب صرف خفیف حرارت رہ گئی تھی تاہم صحت کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔ جنوری ۱۸۷۲ء کے پہلے ہفتے میں آپ کو اس قدر توانائی آگئی کہ آپ بستر علالت سے اٹھ کر چند قدم چلنے لگے اور اسی دن آپ کا کمرہ بدلا گیا۔ اب کیا تھا اگلا دن پچھلے سے بہتر ہوتا گیا۔ اب تبدیل آب و ہوا ضرور تھی ڈاکٹروں کی رائے سے آپ جزیرہ وھیٹ تشریف لے گئے اور خدا نے وہ دن دکھایا کہ آپ تندرست و توانا لندن تشریف لائے۔ پبلک نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اس دن عام تعطیل رہی شاندار جلوس نکالا گیا اور اظہار مسرت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چوں کہ آپ کو اتنی بڑی علالت کے بعد جیسی چاہیئے ویسی توانائی نہیں آئی تھی نہ آپ پوری طرح چاق چوبند تھے لہذا ڈاکٹروں کی رائے سے بغرض تبدیل آب و ہوا پھر آپ سفر پر تشریف فرما ہوئے۔ چنانچہ آپ اٹلی تشریف لے گئے۔ چوں کہ آپ میں فطرتاً موجودہ ضروریات تحقیق کا مادہ زیادہ تھا اس لئے جہاں جہاں گزر ہوا عجائبات روزگار کو نگاہ تحقیق

وسیں پہلے دیکھا۔ آثار قدیمہ کے دیکھنے میں گھنٹوں مصروف رہے اور جون کے
مہینے میں اس سفر سے انگلینڈ واپس تشریف لے آئے۔

سفر و سیاحت

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می کنم تا می روی

دنیا میں جو آیا اگر اُس نے سفر و سیاحت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا جیسا کورا آیا تھا ویسا ہی چلا گیا حصول واقفیت عامہ کے لئے سفر سے بہتر کوئی چیز نہیں جس سے ہم جیسے چھوٹے موٹے آدمیوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تجربہ بڑھتا ہے۔ عقل پختہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ بادشاہ جس کو سلطنت چلانی پڑتی ہے وہ اگر بھونرے میں پلے اور اپنی سلطنت کی مقامی حالت وہاں کے لوگوں کی سوشل لائیف نہ دیکھے دوسرے ملکوں سے اپنے ملک کی حالت کا مقابلہ نہ کرے تو بادشاہ نہ ہوا شیر قالین ہوا۔ شہزادہ معظم ایک بہت بڑے سیاح تھے آپ نے سوئیزرلینڈ۔ جرمنی۔ بحیرۂ روم۔ اٹلی (روما) جبرالٹر۔ ہسپانیہ۔ پرتگال۔ کوہ بیں۔ سیکڈونی۔ سکاٹ لینڈ۔ آئرلینڈ۔ گلاسکو۔ کینیڈا۔ ڈیون پورٹ۔ امریکہ۔ برگ رایل۔ کوبرگ۔ ہیلٹن۔ واشنگٹن۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ پولینڈ۔ یروشلم (بیت المقدس) مصر (قاہرہ) اسکندریہ۔ قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بحیرۂ بالٹک۔ بیروت۔ سڈار ڈنلز۔ مارسلیز۔ بحر اعظم یورپ۔ ڈنمارک۔ سوئیڈن۔ برلن۔ دایانا۔ فرانس۔ سینٹ پیٹرزبرگ۔ بلجیم۔ ہندوستان وغیرہ وغیرہ مقامات کو سرسری اور اچٹتی نظر سے محض سیر تماشے کی غرض سے ملاحظہ نہیں فرمایا بلکہ خرما و ہم ثواب اکثر اوقات لباس بدل بدل کر لوگوں کے اصلی حالات طرز حکومت۔ وغیرہ سب باتوں پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں آپ گئے شاہانہ اعزاز سے آپ کا خیر مقدم کیا گیا جس سے دوسری سلطنتوں کے تعلقات میں زیادہ پائداری اور استحکام ہوا۔ ہندوستان کے سفر کے حالات جداگانہ لکھے گئے ہیں۔ اس سفر وسیلۃ الظفر کے جو پولیٹیکل فوائد ہوں گے وہ وہ جانیں جن کے دست قدرت میں ملک کا رتق و فتق ہے ہم جیسے موٹی سمجھ والے لوگ اتنا سمجھتے ہیں کہ جب سے سلطنت کا خاتمہ ہوا ہم نے سنا کہ برٹش راج قائم ہوا بادشاہ رہا انگلینڈ میں اور ہم ہند میں۔ ہزاروں کوس کا فاصلہ بیچ میں آتی تھی منہ ہم جانتے

وہاں تک خیال کی رسائی بھی نہ تھی ہندوستان کے لوگ بادشاہ کے وجود کے دیکھنے کے عادی اب اُن کو بادشاہ ملا خیالی خدا جانے کالا ہے یا گورا آدم خاکی ہے یا کوئی پتلا۔ انسان ہے یا فرشتہ۔ پرنس آف ویلز نے آکر اپنا جمال مبارک دکھایا تو ہمیں یقین ہوا کہ او ہو یہی ملکہ کے بیٹے اور ولی عہد ہیں اور یہی آگے چل کر ہمارے بادشاہ ہونے والے ہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہوگی۔ آہا یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں ہمارے جیسے ان کے بھی ناک کان ہیں۔ خدا کے بندے ہم بھی اور یہ بھی فرق صرف اتنا ہے کہ وہ بادشاہ ہم رعایا وہ حاکم ہم محکوم۔ اب جا کر ہماری کند عقل سمجھ میں آیا کہ جس طرح اکبر۔ جہانگیر۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب بادشاہ تھے یہ بھی بڑے پایہ کے بادشاہ ہیں بلکہ اُن سے بھی کسی کسی باتوں میں بڑھ چڑھ کر ہیں وہ اسی ملک میں رہ کر حکمرانی کرتے تھے اور ان کا حسن انتظام ایسا ہے کہ کالے کوسوں ہماری نظروں سے غایب پھر بھی ہمارے حال سے باخبر اور ہم پر اس طرح سے حکومت کر رہے ہیں گویا کہ ہم ہی میں بیٹھے ہیں۔

۱۸۹۱ء میں آپ کی پچاسویں سالگرہ خاص طور پر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور تمام انگلستان میں جشن منایا گیا مگر ۱۸۹۲ء آپ کے لئے بڑا رنج وہ ثابت ہوا یعنی آپ کے بڑے صاحبزادے ڈیوک آف کلیرنس نے جن کی شادی کی تیاریاں بالکل مکمل ہو چکی تھیں عین عالم شباب میں چند روز کی علالت سے انتقال کیا بڑھیا دادی کی کمر توڑ دی اور باپ کے کلیجہ پر وہ داغ دیا کہ ؎

من چوں نریم کہ سینۂ من پاک کردہ اند — لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

ضمیمۂ اول میں اس سانحۂ ہوش ربا کا ذکر ذرا تفصیل سے آچکا ہے۔

آپ کی اولادیں

آپ کے چھ بچے ہوئے:۔ (۱) پرنس البرٹ وکٹر ۸ ار جولائی ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ولی عہد سلطنت قرار پائے۔ ہندوستان کا سفر بھی کر گئے۔ تعلیم اور سیاحت ہر اعتبار سے وارث تخت و تاج قرار پائے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۴ر جنوری ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا (۲) پرنس فریڈرک ارنسٹ۔ پیدائش ۳ر جون ۱۸۶۵ء جو اپنے بڑے بھائی کے انتقال پر ولی عہد قرار پائے اور انھیں کی منگیتر سے آپ کی شادی ہو

خدا اب جس کو خدا ہی ہمارے بادشاہ جارج پنجم ہیں۔

"خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے!"

(۴) پرنسس لوئی وکٹوریا الگزینڈرا۔ پیدائش ۲۰ فروری ۱۸۶۷ء جن کی شادی ڈیوک آف فیف سے ہوئی۔ (۵) پرنسس وکٹوریا آسکا میری۔ ولادت ۶ جولائی ۱۸۶۸ء (۶) پرنسس ماڈ شارلٹ ملکہ ناروے۔ ولادت ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء (۷) پرنسس الیگزینڈرا (جو پیدائش کے چند ہی دنوں بعد انتقال کر گئیں)۔

جس طرح اکثر ہندوستانی امرا و روسا اپنے بچوں کا لاڈ پیار میں ستیاناس کرتے ہیں یہ حال یورپ میں نہیں بلکہ جس گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو اسی حیثیت سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے اور ہمیشہ اس کو اس پوزیشن کے قابل بنایا جاتا ہے جو نیچرلی اسے ملنے والی ہے۔ اسی اصول پر ایڈورڈ ہفتم نے اپنی اولاد کو بڑے اہتمام سے پوری طرح تربیت کی اور اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوائی اور پھر سیاحت کرا کے دنیا کے نشیب و فراز کا پورا تجربہ کرا دیا۔

اشغال و عادات

آپ کو کتب بینی اور اخباروں کا بڑا شوق تھا۔ گھوڑ دوڑ اور سائیکل کی سواری سے بھی خاص رغبت تھی۔ آپ کی رحم دلی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک دن آپ گاڑی پر جا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک نابینا پر جا پڑی جو بے چارہ بازار کے اس سرے سے اس سرے تک گزرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن لندن کا ٹرافک رستہ نہ ملتا تھا اس کو دھکے لگ رہے تھے اور بے طور ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اس کی درماندگی کی حالت دیکھ کر آپ کا دل نہ مانا آپ جھٹ گاڑی پر سے اتر پڑے اور اس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس بھیڑ بھڑکے سے پار کر دیا اور چپکے سے اسے کچھ دیا بھی۔ چند دنوں بعد آپ کے نام ڈاک سے ایک قلمدان پہنچا جس پر یہ عبارت کندہ تھی "یہ ناچیز تحفہ پرنس آف ویلز کی خدمت میں ایک ایسے شخص کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جنھیں اس نے سچے مسیحیوں کی طرح اپنے مرتبوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک اندھے کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔"

پابندی ضابطہ

ایک دن آپ چند دوستوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ایک شخص کے کھیت میں سے گزرے۔ کھیت والا اتفاقاً اس طرف آ نکلا۔ وہ یہ دیکھ کر آگ بگولا ہوگیا کہ آپ لوگ بلا میری اجازت میرے کھیت میں کیوں گھسے ایک شلنگ جرمانہ سید ہے ہاتھ سے دھر دیجئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے چاہا کہ آپ کا مرتبہ اُسے بتلا کر دھتکار دیں لیکن آپ نے منع کیا اور اُس سے معذرت خواہ ہوئے اور فوراً ایک شلنگ اُسے دے دی۔

مدرسہ کا ایک چھوکرا اور پرنس آف ویلز

برآوردن کار اُمیدوار
بہ از قید بندی شکستن ہزار

آپ نے بہت سے کام بے ریائی کے کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن آپ ذرا دیر سے باہر سے تشریف لائے دیکھا تو پھاٹک پر ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا رو رہا ہے۔ آپ نے پہرے والے سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے اور کیوں رو رہا ہے۔ سپاہی نے کہا حضور یہ چھوکرا ملکہ معظمہ کو دیکھنا چاہتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے میں نے اُس سے کہہ دیا۔ لاکھ سمجھایا مانتا ہی نہیں جب سے کھڑا رو رہا ہے شہزادے نے جھٹ اُس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے کہا۔ "میاں! تم میرے ساتھ آؤ یہ پہرے والے تو میرے تابعدار ہیں ملکہ کو تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تم کو ضرور دکھلاؤں گا"۔ شہزادے نے اپنا وعدہ پورا کیا لڑکے کو لے جا ملکہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے اس نیک نہاد ملکہ کو دیکھا کیسی پیاری مگر غمگین صورت تھی۔ آپ نے بہت سے شفقت آمیز کلمات فرمائے لڑکے کا نام اور اُس کی عمر پوچھی اور چلتے وقت اُسے ایک اشرفی بھی دی۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یہ لڑکا اب بڈھا پھونس ہوگیا سارے بال سفید گالا ہوگئے مگر ملکہ کے کریمانہ اور محبت بھرے الفاظ اُس کے دل پر نقش ہیں اور اس کے نزدیک سب سے عزیز چیز وہی اشرفی ہے جسے اُس نے اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ وکٹوریا اور ایڈورڈ دونوں کا وجود صفحۂ دنیا سے مٹ گیا لیکن نیکی کے کام نہ کبھی مٹے ہیں نہ مٹیں گے۔ اُن کے

نام ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہیں گے۔

نئی پرانی چھتریوں کا لطیفہ

ایک مرتبہ آپ کسی دوست کے ساتھ پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا نکلے۔ یکایک زور کا مینہ آگیا تھوڑی دیر کے لیئے آپ نے ایک نان بائی کی دکان میں آسرا لیا لیکن مینہ کے کھلنے کے آثار نہ تھے۔ آپ کے دوست نے دکاندار سے پوچھا کہ تمھارے پاس کوئی چھتری بھی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پاس ایک چھوڑ دو دو چھتریاں ہیں ایک نئی اور ایک پُرانی۔ نئی چھتری تو میں کسی دفعتہً کو بھی نہ دوں خواہ وہ پرنس آف ویلز ہی کیوں نہ ہو ہاں پرانی چھتری حاضر ہے وہ بھی اس شرط سے کہ آپ واپسی کا ذمہ لیں۔ اُس کا مطلب کسی بڑے آدمی سے تھا پرنس کا نام آخر نکل گیا۔ کیونکہ اُن سے بڑا اور تھا کون اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ پرنس آف ویلز تو یہی ہیں۔ ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ غرض وہ پرانی چھتری بھی اس وقت مغتنمات سے ہوگئی۔ پرنس نے محل میں پہنچتے ہی اُس کی غریبانہ چھتری شکریئے کے ساتھ واپس کی اور اسی کے ساتھ ایک عمدہ نئی نہایت دیدہ زیب چھتری اور بھیج دی جس کو دیکھ کر نان بائی کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھنے میں تو یہ ذراسی بات ہے مگر ایک بادشاہ ذی جاہ کو ایسی جزئیات کا خیال رہنا کیا نعمت الٰہی سے کم ہے۔

تاج پوشی

اگرچہ بالعموم تخت نشینی سے سال بھر بعد تاج پوشی کی رسومات ادا ہوتی ہیں مگر ۵ اگست ۱۹۰۱ء کو آپ کی ہمشیرہ یعنی پرنسس فریڈرک شاہ جرمن کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور ٹرینسوال میں جنگ چھڑ گئی لہذا کچھ تاخیر ناگزیر ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد اعلان کردیا گیا کہ انگلستان میں ۲۶ جون ۱۹۰۲ء اور ہندوستان میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو جشن تاج پوشی منایا جائے گا۔ آپ کا تاج نہایت خوشنما۔ شاندار اور بیندرہ لاکھ روپئے کی قیمت کا نہایت مرصع تھا۔ ملکہ کے لیئے ہلکا اور سبک جڑاؤ تاج کیرنگٹن ریجنٹ سٹریٹ کے جوہری نے بڑی نزاکت اور نفاست سے تیار کیا تھا

جو بیش قیمت جواہرات سے لیا ہوا تھا اور اسی میں کوہ نور نامی مشہور ہیرا بھی دمک رہا تھا اس میں سب ملا کر (۶۰۸۰) ہیرے تھے یعنی کوئین وکٹوریا آنجہانی کے تاج سے بھی (۶۸۸) زیادہ۔ تاجپوشی کے اخراجات کے لئے سوا لاکھ پونڈ کی منظوری ہوئی تھی چنانچہ زرین لیسوں اور درباری تلواروں اور موٹروں پر (۵۳) لاکھ اور آرائش اور جلسوں پر پونے دو کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ علاوہ بہت سے ہندوستانی رؤسا و امرا وغیرہ کے ہندوستانی فوج کے ایک ہزار جوان اور سو جوان امپیریل سروس ٹروپس کے بھی مدعو کیے گئے تھے ہندوستانی شاہی مہمانوں کو بڑی بڑی بھاری بھاری پُر تکلف دعوتیں دی گئیں جن کی تفصیل طول طویل ہے۔

حضور کی ناگہانی علالت اور عین وقت پر جشن کا التوا

لندن میں جشن کی تیاریاں بڑے اہتمام اور زور شور سے اسلی پیمانے پر ہو رہی تھیں اور مختلف دیار و امصار اور ممالک سے معزز و محترم مہمانوں کی تعداد کثیر آن پہنچی تھی اور بظاہر اسباب اس تقریب کے بروقت انجام پانے میں کوئی کسر نہ تھی مگر مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی کہ عین وقت پر بادشاہ سلامت کی طبیعت ناساز ہو گئی ۱۳ جون کو مزاج کچھ کسل مند رہا پھر اگلے دن کمر میں درد ہوا جو باوجود علاج معالجے کے روبہ ترقی تھا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام لینے کے لئے کہا مگر ایسے موقع پر آرام کہاں۔ ۱۸ جون کو تپ بھی آ گئی اور دائیں پسلی میں آماس معلوم ہوا۔ ۲۴ جون کو اس میں پیپ پڑ گئی جس کے لئے آپریشن ناگزیر تھا۔ آپ کو بہ مقابلے اپنی رعایا اور مہمانوں کی مایوسی کے اپنی بیماری کا مطلق خیال نہ تھا ڈاکٹروں سے کہا کہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ یہ تقریب نہ رکے ورنہ لوگوں کو بڑی ناامیدی تکلیف اور حرج ہو گا اگر میں کھڑے ہو کر رسوم تاجپوشی ادا نہ کر سکوں تو خیر بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے ہی سہی ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن کے بعد نقل و حرکت سراسر خلاف احتیاط ہے اور آپریشن کی تاخیر میں بھی مرض کے بڑ پکڑ جانے کا سخت خطرہ ہے۔ جب بادشاہ

کی جان کے ہی لالے پڑے تھے کیسی تاجپوشی اور کہاں کا دربار۔ جان ہے تو جہان ہے۔ ارل آف مارشل نے اس شدید مجبوری سے جشن کے التوا کا اعلان کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک عام افسردگی چھاگئی اور مجمع کا تمام رُخ شاہی محل کی طرف ہوگیا اور مجمع جب تک کہ آپریشن کامیابی سے ختم نہیں ہوا اور لوگوں کی جان میں جان نہ آئی وہاں سے نہ پلٹا۔ ٹھیک بارہ بجے دن کے سر فریڈرک ٹریوس نے عمل جراحی نہایت کامیابی سے کیا۔ ۵½ انچ گہرا نشتر دے کر گیارہ چھٹانک پیپ نکالی۔[۱] اس کے بعد وقتاً فوقتاً ملک معظم کی حالت صحت کے بلیٹن[۲] شائع ہونے لگے۔ عمل جراحی کے بعد جب آپ نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے آپ نے شہزادے ویلز سے کہا "کیا میری رعایا میری اس مجبوری کی وجہ سے مجھے معاف کرے گی؟" جس سے آپ کے اُس بے حد اُنس اور پیار کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا۔ آپ کی صحت یابی کے لئے انگلینڈ تو انگلینڈ تمامی ممالک اور ہندوستان میں دعائیں کی گئیں خدا جانے کس کی دعا لگی کہ آپ کو صحت ہوگئی زخم کے اندمال اور پوری صحت کا اندازہ مشکل تھا لہٰذا سفرائے دول خارجہ اور جنگی جہازوں کو رخصت کرنا پڑا۔ لیکن ہندوستانی فوج کے لوگوں کو گو کہ اجازت مل گئی تھی مگر وہ اپنی خوشی سے بادشاہ کی صحت عاجل کے لیئے دعا کرتے ہوئے دیدہ دوست پر پڑے رہے۔ بعض تقریبیں۔ فہرست خطابات کا شائع ہونا۔ فوجی ریویو۔ روشنی۔ دربار لیوی بہ نیابت پرنس آف ویلز۔ غرباکی دعوت وغیرہ پوری کردی گئیں۔ ۳۰ جون کو بادشاہ کی صحت یابی کا اعلان کیا گیا اور اُسی دن روشنی کے الاؤ جلائے گئے ۱ر جولائی کو فوجی ریویو اور لارڈ لینسڈون کی طرف سے ایک پر تکلف دعوت دی گئی ۴ر جولائی انڈیا آفس میں دربار لیوی ۵ر جولائی غربا کی شاہی دعوت جس کے انتظام علاوہ آراکین سلطنت کے حضور پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف کناٹ آپ کے چچا نے بھی خود جاکر ملاحظہ فرمایا اور حضور ملک معظم نے بھی لارڈ میئر کو اس دعوت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کو لکھا کہیں غریبوں کی دعوت سمجھ کر دعوت کو بھی

[۱] آپ کو اپنڈی سائٹس ہینگنگ Appendix کی خطرناک بیماری تھی جو ایک قسم کا ورم امعا ہوتا ہے۔ [۲] وہ تحریری نوٹس جو کسی امر اہم کے متعلق بطور سرکاری شائع کیا جاتا ہے۔ ۱۲

غریب نہ سمجھ لیجیئے گا۔ دعوت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ فی کس للعہ کا صرفہ بیٹھا۔ دعوت میں (۲۵) لاکھ رکابیاں۔ دو لاکھ چھری کانٹے۔ دس لاکھ چمچے استعمال ہوئے تھے۔ اتنی بڑی دعوت ایک جگہ کیسے ہوسکتی تھی اس لئے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مختلف مقامات پر ہوئی اور ہر جگہ شہزادہ ویلز بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ غربا نے نہ صرف پیٹ بھر کر لذیذ کھانے کھائے بلکہ شہزادے کو دیکھ کر دل بھی خوش کیا۔ ؎

فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسنداست آخر ایں دیدۂ دیدار طلب را چہ علاج

۱۱؍ جولائی کو حضور پرنس آف ویلز نے اپنے عالی شان ایوان میں ہندوستان کے معزز مہمانوں کو شرف باریابی بخشا۔ اسی شام کو گلڈ ہال میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر چھ سو معزز مہمانوں کی دعوت ہوئی جس کے صدر لارڈ آنسلو تھے۔ اس دعوت میں مہاراجہ صاحب بہادر کوٹھاپور نے بھی تقریر فرمائی۔ سلطان معظم کی طبیعت اب روز بروز چاق ہوتی جاتی تھی ۲۶ جولائی کو آپ نے اپنے پریوی کونسلرز کو جہاز پر طلب فرما کر جشن تاجپوشی کے لیئے ۹؍ اگست کی تاریخ مقرر فرمادی اور بوجہ نقاہت کے بہت سی رسموں کی کاٹ چھانٹ فرمادی۔ اس خبر مسرت اثر سے پھر پبلک میں جان آگئی بالخصوص ہندوستانی مہمانوں کو کہ وہ اسی دن کے انتظار میں پڑے ہوئے تھے۔ تاج پوشی کی تقریب اپنی جگہ کیا کم مسرت بخش تھی چہ جائیکہ جب اس کے ساتھ بادشاہ سلامت کی صحت وعافیت کا مژدہ جاں بخش بھی منضم ہو غرض دہری خوشی ہوئی ۸؍ اگست کو انڈیا آفس میں لارڈ جارج ہیملٹن نے تمام والیان ریاست۔ ہندی رؤسا و افسران فوج کو مدعو فرما کر مراسم تاج پوشی کی تعلیم فرمائی۔

تاج پوشی کا مبارک دن

آج صبح سویرے سے توپوں کی گرج شروع ہوگئی ویسٹ منسٹر ایبی کا گرجا دلہن بنا ہوا تھا جس شارع عام سے جلوس گزرنے والا تھا صبح سویرے ہی سے لوگ آن ڈٹے تھے۔ جہاں جلوس تین بجے پونہچتا تھا وہاں بھی لوگ صبح ہی سے چشم براہ تھے۔ رستے میں آٹھ جگہ بینڈ باجے کی ٹکڑیاں تھیں۔ اگرچہ عام طور پر درباریوں کی آمد آٹھ بجے ہی سے شروع ہوگئی تھی مگر ممبران

خاندان شاہی ۱۰½ بجے اور حضور شاہزادہ ویلز مع اسٹاف اور ہندوستانی ایڈی کانگوں۔ مہاراجگان کوٹھاپور۔ ایڈر اور گوالیار کے جو گھوڑوں پر سوار ہو کر گیارہ بجے دربار میں پہنچے۔ حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ کے ٹھیک قصر بکنگھم سے برآمد ہوئے۔ چنانچہ جس وقت محل شاہی سے گھوڑوں نے پہلا [illegible] دونوں [illegible] توپوں کو [illegible] حضور ملک معظم اور ملکہ معظمہ دونوں ہشاش بشاش دو طرفہ بڑے تپاک سے لوگوں کا سلام لیتے ہوئے گیارہ بج کر (۲۵) منٹ پر گرجا میں داخل ہوئے۔ دربار میں بادشاہ سے دو منٹ پہلے ملکہ معظمہ داخل ہوئیں جس پر ابیی سکول کے طلباء نے "خدا ملکہ الگزینڈرا کو سلامت رکھے" کا ترانہ گایا اور دو منٹ بعد ملک معظم تشریف لائے جن کی ٹرین (دامن) کو کئی معززین اٹھائے ہوئے تھے۔ بادشاہ کی تشریف آوری پر لڑکوں نے "خدا ایڈورڈ ہفتم کو ابدالآباد تک زندہ رکھے" کا گیت گایا۔ چوں کہ آپ کو اتنی ہی نقل و حرکت سے قدرے تکان ہو گئی تھی اس لیئے آپ کو ایک کمرے میں جو آپ کے آرام کے لیئے بنایا گیا تھا لے گئے۔

مراسم تاج پوشی

ساڑھے گیارہ بجے لارڈ سالسبری اور ڈیوک آف ڈیون شائر لمبے لمبے چغے پہنے دربار حال میں آئے۔ ٹھیک گیارہ بج کر (۵۵) منٹ پر بادشاہ سلامت دربار ہال میں رونق افروز ہوئے اور رسوم مقررہ شروع ہوئیں جن کی تفصیل کے لیئے جگہ درکار ہے۔ بڑی رسم یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کو تاج پہنایا گیا تخت پر آپ نے قدم دھرا اور خیر و برکت کی دعا ہوئی اور تمام ممبران خاندان شاہی اور حاضرین دربار نے اظہار اطاعت کیا اور پھر توپوں کی سلامی پر اس مبارک رسم کا اختتام ہوا۔ واپسی کے وقت جلوس کی وہی شان تھی جو آمد کے وقت تھی۔ سب کا سلام لیتے ہوئے بادشاہ محل شاہی میں داخل ہوئے لیکن شتاقین دیدار شاہی کا جم غفیر محل کو گھیرے ہوئے تھا لہذا آپ دوبارہ پھر رعایا کی خاطر درشن دینے کو دریچے میں برآمد ہوئے۔

اسی دن مہاراج کمار ٹیگور نے ہندی مہمانان کی طرف سے ایک ایڈریس مبارک باد کا ملک معظم کے حضور میں پیش کیا۔ اسی طرح خواتین ہند کی طرف سے نواب بیگم صاحبہ مرشد آباد نے تہنیتی ایڈریس گزرانا۔

بادشاہ سلامت کا پیام رعایا کے نام

اسی دن ملک معظم کا یہ فرمان شائع ہوا:-
"تاج پوشی کی تقریب سعید کے متعلق جو ہماری زندگی کا اہم اور سنجیدہ واقعہ ہے ہماری خواہش ہے کہ اپنی تمام رعایا کی نسبت جو خاص ہمارے وطن اور نوآبادیوں اور ہندوستان میں آباد ہے اور جس نے اپنی گہری ہمدردی مابدولت کی خطرناک بیماری کے دنوں میں ظاہر کی ہے اپنا دلی شکر یہ ظاہر کریں کیوں کہ ہمارا خیال ہے کہ ہماری بیماری کے دنوں میں جو ناگہانی طور پر ظاہر ہوئی تھی ان سب کو سخت تکلیف اور رنج کا مقابلہ کرنا پڑا ہے کیوں کہ وہ اس تقریب کو تاریخ مقررہ پر نہایت فرحت و شادمانی سے منانا چاہتے تھے اور پھر اس کے ناگزیر طور پر ٹل جانے سے انھوں نے قابل تعریف صبر و اعتدال کا لحاظ رکھ کر دلی خلوص سے ہماری صحت اور سلامتی کی دعاؤں میں مصروفیت دکھائی پس ان سب کو خوشی ہوگی کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرما کر ہماری زندگی کو تمام خطرات سے بچایا اور ہم کو صحت و طاقت عطا فرمائی جس کا سچا شکریہ یہ ہے کہ ہم ان فرائض کو بوجہ احسن انجام دیں جو بلحاظ ایسی وسیع سلطنت کی فرماں روائی کے ہم پر عائد ہوتے ہیں"

قصر آسبورن کا قوم کو عطا کیا جانا

حضور ملک معظم نے کمال مہربانی سے محل آسبورن کو سوائے چند خاص شاہی کمروں کے حضور ملکہ معظمہ آنجہانی کی یادگار میں قوم کو عطا فرما دیا

قوم کی طرف سے چوبیس لاکھ کا پیشکش

۱۲ اگست کو لارڈ میئر آف لندن نے پیشگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر قوم کی طرف سے غسل صحت اور تاج پوشی کی مسرت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا ایک چک پیش کیا جس کو آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرما کر شفا خانوں میں دے دیا اور خود بھی امداد کا وعدہ فرمایا۔

ہندوستانی رؤسا کی باریابی

اسی دن ہندوستانی والیان ریاست کو شرف باریابی بخشا اور اُن کی دلی مسرت و وفاداری پر اظہار تشکر فرمایا۔

ہندی فوج کا سلام

۱۴ اگست کی سہ پہر کو ہندوستانی فوج کے افسروں کو حضور ملک معظم نے اپنے دست مبارک سے تمغے سرفراز فرمائے اور ہندوستانی فوج کے متعلق ہمت افزا کلمات بھی فرمائے۔

بحری ریویو

۱۶ اگست کو بحری ریویو ہوا جس میں (۱۰۸) جہاز تھے اور رات کو روشنی بھی ہوئی۔

پرنس آف ویلز کا ہندوستان بھیجنا

آخر ۱۹۰۶ء میں حضور ملک معظم نے حضور پرنس آف ویلز کو مع اُن کی بیگم صاحبہ کے سیاحت ہند کے لیئے روانہ فرمایا تاکہ وہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح ملک ہندوستان کی مقامی حالت اور والیان ملک سے ذاتی واقفیت پیدا کریں۔

پیام شاہی ۱۹۰۸ء

ملکہ معظمہ کے اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو جو یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس برس ہوچکے اس لیئے ملک معظم نے اس اعلان کی تجدید یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو فرمائی۔ یکم نومبر کو اتوار آن پڑی لہذا ۲ر نومبر کو حضور والیسرائے لارڈ منٹو نے جو بتقریب دورہ جودھپور میں تھے وہیں ذیل کا شاہی اعلان دربار میں پڑھا اور شائع فرمایا:-

اعلان شاہی موسومہ شہزادگان و اشخاص ہندوستان مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۰۸ء

"آج سے پچاس سال پیشتر ما بدولت کی مادر مشفقہ اور محترمہ پیش رو ملکہ معظمہ وکٹوریا نے جو اُس وقت تخت سلطنت پر متمکن تھیں مختلف اہم وجوہ کی بنا پر اور پارلیمنٹ کے مشورے اور رضامندی سے اس ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی جو اُس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھا۔ وہ عظیم الشان کام جو اُس وقت نہایت استحکام سے عمل میں لایا گیا تھا اُس کی یادگار میں ما بدولت مناسب سمجھتے ہیں کہ اس اہم سالگرہ کے موقع پر والیان ریاست و رعایاے ہند کو مخاطب

کریں۔ آپ کی طویل تاریخ میں پچاس سال کی مدت نہایت قلیل ہے پھر بھی یہ نصف صدی جو آج ختم ہوتی ہے آپ کے تاریخی سیلابوں کے درمیان نہایت نمایاں اور ممتاز نشان کا کام دے گی۔ ملک براہ راست تخت کے ماتحت ہونے کے اعلان نے حکومت ہند کے اتحاد پر گویا مہر کر دی تھی اور اس سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ سفر چوں کہ نہایت دشوار تھا اس لئے ممکن ہے کہ بعض وقت رفتار سست معلوم ہو۔ مگر برٹش ہدایات و اقتدارات کی بہت سی نہایت مختلف الخیال جماعتوں اور تقریباً تیس کروڑ نوع انسان کے اتحاد نے ثابت قدمی کے ساتھ مسلسل ترقی کی ہے۔ ہم اپنی گزشتہ صدی کی محنتوں کو صفائی نظر اور اطمینان قلب کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

جس قسم کی مشکلات ہر زمانے اور ہر مقام پر تمام انسانی حکومتوں کو پیش آتی رہتی ہیں وہ یوماً فیوماً اس ملک پر بھی پڑی ہیں لیکن تاج برطانیہ کے خدام نے ان مشکلات کا مقابلہ ایسی جفاکشی اور ہمت و صبر کے ساتھ اور ایسی دانش مندی اور استقلال کے ساتھ کیا ہے جس میں کبھی نقص یا لغزش واقع نہیں ہوئی۔ اگر کبھی غلطی واقع ہوئی تو مابدولت کی گورنمنٹ کے کارپردازوں نے اس کی اصلاح میں تکلیف اور ایثار نفسی کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ اگر کہیں نقائص ثابت ہو گئے تو ان کے رفع کرنے کے لئے فوراً طاقت ور ہاتھ بڑھے ہیں۔

سلطنت کا کوئی ہاتھ قحط اور وبا کی مصیبت کو ٹال نہیں سکتا مگر تجربہ کار منتظموں نے تمام وہ تجاویز عمل میں لائیں جو قابلیت اور سرگرمی کے امکان میں ہیں اور قدرت کی یہ ہیبت ناک مصیبتیں ایسی جلد رفع ہو گئیں کہ آپ کے ملک کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے آپ اپنی حدود کے اندر ہولناک جنگوں سے مامون و مصئون ہو گئے ہیں۔ قومی صلح کا سلسلہ [illegible]۔

۱۸۵۸ء کے اعلان شاہی میں ملکہ معظمہ نے آپ کو واثق یقین دلایا تھا کہ ہر مجسٹی کی یہ دلی آرزو ہے کہ ہندوستان کی حرفت زندہ ہو، رفاہ عام کے کاموں میں ترقی ہو اور ملک کی حکومت تمام باشندگان کے فائدے کے لئے کی جائے۔ اس اعلان میں وہ تجاویز ہیں جو آپ ہی کی آسائش اور ترقی کی خاطر وضع کی گئی اور عمل میں لائی گئی ہیں یہ وہ تجاویز ہیں جو اپنی وسعت اور طاقت میں بے مثل ہیں

اور جو دنیا کے روبرو شہادت پیش کرتی ہیں کہ کس فیاضی اور ہمدردی کے ساتھ ان معروں کا ایفا کیا گیا ہے۔
ماتحت اور خود مختار والیان ریاست کے حقوق و مراعات کا لحاظ کیا گیا ہے انھیں قایم رکھا گیا ہے اور ان کی حفاظت کی گئی ہے اور اُن کی وفادارانہ خیر خواہی بھی مستحکم رہی ہے۔ مابدولت کی رعایا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو بوجہ اُس کے مذہب یا عقیدے یا طریقۂ عبادت کے تکلیف دی گئی ہو یا آزار پونہچایا گیا ہو یا اُس کے ساتھ رعایت برتی گئی ہو۔ کل رعایا نے قانون کی حفاظت سے نفع اُٹھایا ہے خود قوانین اس طور پر وضع کیئے گئے ہیں کہ اُن میں آپ کے مذہب و قومیت اور آپ کی مراسم و روایات کا لحاظ رکھا گیا ہے جو آپ کی تہذیب میں جڑ پکڑے ہوتے ہیں۔ قوانین کو سادہ رکھا گیا ہے اور اُس کے کل پیروں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ ان قدیم جماعتوں کی ضرورتوں کے مطابق ہو سکے جو آہستگی کے ساتھ نئی دنیا میں داخل ہو رہی ہیں۔
مابدولت کی گورنمنٹ کے ساتھ بے شمار بنی نوع انسان کی قسمتیں زمانۂ حال و زمانہ مستقبل کے لیئے وابستہ ہیں پس یہ اہم ترین فرض ہے کہ ان مفسدانہ سازشوں کا جن کے لیئے کوئی معقول وجہ یا جن کا کوئی مناسب مقصد نہیں ہے قوت بازو کے ساتھ استیصال کیا جائے۔ ایں جانب واقف ہیں کہ یہ سازشیں ہماری ہندوستانی رعایا کے کثیر التعداد وفا شعار حصے کے لیئے سخت جان گسل ہیں پس ایں جانب ان کو ہرگز اجازت نہ دیں گے کہ وہ ایں جانب کو اپنے امن و عافیت کی تعمیر کرنے سے باز رکھیں۔
چونکہ مابدولت کو یہ منظور نہیں ہے کہ یہ قابل یادگار سالگرہ الطاف مراحم خسروانہ کے نمایاں آثار کے بغیر رہے اس لیئے مابدولت نے حکم دیا ہے جیسا کہ سنہ ۱۹۰۳ء کے دربار تاج پوشی کے قابل یادگار موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگ جن کو مابدولت کی عدالتوں نے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دی ہو اُن کی سزائیں معاف یا مختلف درجوں میں کم کر دی جائیں اور مابدولت کی یہ خواہش ہے کہ ایسے غلط کار لوگ اس شاہی ترحم کو یاد رکھیں اس کے بعد اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں۔

اس قسم کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اعلیٰ سرکاری عہدوں کے حاصل کرنے کے لیے قومیت کا امتیاز محو کر دیا جائے۔ مابدولت کو یقین کامل ہے کہ جوں جوں تعلیم پھیلتی جائے گی تجربہ پختہ ہوتا جائے گا اور ہندوستان کے ذہین و قابل لوگوں کو ذمہ داری کے سبق ازبر ہوتے جائیں گے اور اس جانب ترقی کی رفتار مضبوط اور یقینی ہوتی جائے گی۔

ابتدا ہی سے قائم مقامی کا اصول نظر رکھا گیا تھا اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل اور دوسرے مشیر اس اصول کو ترقی دیں۔ آپ کے درمیان جو قابل لحاظ طبقے ہیں اور جو ان خیالات کے قائم مقام ہیں جو برٹش حکومت نے قائم کیے ہیں اور جن کو برٹش حکومت نے ترقی دی ہے ان کو شہریت کی مساوات اور قانون سازی و حکومت میں زیادہ حصہ دیا جائے گا۔ ان [illegible] کے پورے ہونے سے موجودہ حکومت اور اقتدار کو ضعف نہیں پہنچے گا بلکہ اس کو تقویت ہوگی۔ نظم و نسق اور زیادہ مکمل ہو جائے گا۔ وہ عہدہ دار جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے ان لوگوں کو جن پر وہ موثر ہیں باقاعدہ ملنے جلنے کے زیادہ مواقع دیں اور نیز ان لوگوں کو جو جیسے ایوانوں میں عام رائے پر پورا اور اثر ڈالتے ہیں۔ میں ان تدابیر کا ذکر نہیں کروں گا جو اب بڑی تن دہی سے ان اغراض کے لیے مرتب کی جا رہی ہیں جو بہت جلد آپ کو معلوم کرائی جائیں گی اور مابدولت کو یقین ہے کہ آپ کے معاملات کی مفید ترقی کا ایک ممتاز دور شروع ہو جائے گا۔

میں اپنی ہندوستانی افواج کی شجاعت اور وفاداری کو تسلیم کرتا ہوں اور آغاز سال ہی میں حکم دے چکا ہوں کہ ان کی جنگی دانشمندی ان کی پرشکوہ تعلیم و تربیت (آراستگی) اور [illegible] کی وفادارانہ مستعدی خدمت کی نسبت میری اعلیٰ درجے کی قدردانی کو ایک مستقل شکل میں اظہار کا موقع دیا جائے۔

ہندوستانیوں کی بہبودی ملکہ وکٹوریا کو سب سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے کہ ۱۸۷۵ء میں میں گیا ہوں ہندوستان اس کے شہزادگان اور لوگوں کی بہبودی کو میں ایسا محبانہ آرزومندی سے دیکھتا رہا ہوں جو امتداد زمانہ سے کم نہیں ہو سکتی۔ مابدولت کے فرزند پرنس آف ویلز اور شہزادی ویلز آپ کے درمیان سیاحت کر کے واپس آتے وقت آپ کے ملک کے ساتھ گہری وابستگی اور

اُس کی بہبودی اور فلاح کا حقیقی اور دلی شغف اپنے سامنے لاسے ہیں ہندوستان کے ساتھ ایسے مخلصانہ عملی ہمدردی اور توقعات کے جذبات جو ایدورڈ کے شاہی خاندان اور نسل کو ہیں یہ صرف ایک اظہار ہے جو درحقیقت ایک واقعی اظہار ہے اُس گہرے اور متحدہ ارادے اور مقصد کا جو اِس سلطنت کے لوگوں کو ہے

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حفاظت اور مہربانی دانائی اور باہمی خیرسگالی کو تقویت بخشے جو ایک ایسے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے جو کبھی کسی علاقے یا سلطنت کے تاریخی زمانے میں حکمراں یا محکوموں کو پیش نہیں آیا تھا

آپ کا عہد گو بہت مختصر تھا مگر کام بہت بڑے بڑے ہوئے مثلاً پرانی عمارات کی نگہداشت کے لئے ایک جداگانہ محکمہ آثار قدیمہ کا قایم ہوا جس نے بہت سی نادر الوجود تاریخی عمارتوں کو جو کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں اچھی طرح سنبھال لیا جو بلحاظ بقائے نام سلاطین ماضیہ ایک بڑا اہم کام تھا۔ لارڈ کرزن وائسرائے کی جدت پسند طبیعت نے ڈھاکے اور مشرقی بنگال کو ملا کر ایک نیا صوبہ ایک جدید لفٹنٹ گورنر کے ماتحت قایم کیا۔ آپ کا زمانہ پُرامن ہونے کے سوا ملکی سود و بہبود کے لئے بھی بہت اچھا گزرا کیوں کہ آپ ہی کے زمانے میں شاہان یورپ نے آئے دن کی خوں ریز جنگوں کی موقوفی اور عالم گیر امن کے سوال پر توجہ کی اسی لئے آپ کو پیس میکر (امن پسند) کہتے تھے۔ آپ اپنی رعایا کو جائز حقوق دینے میں ہمیشہ فیاض طبیعت ثابت ہوئے۔ آپ کی تخت نشینی کے وقت انگلستان و ٹرینسوال کے بوئروں میں جنگ جاری تھی مگر جب انگریزوں نے ٹرینسوال فتح کر لیا اور بوئروں کے جنرل حضور ممدوح کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے اُن کی درخواست پر نہایت فیاضی سے جداگانہ پارلیمنٹ اور حکومت خود اختیاری منظور فرمائی۔

ہندوستان میں جب آپ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمت میں حصہ لینے اور انتظامی معاملات میں دخل دینے کے لئے جدوجہد کرتے دیکھا تو لارڈ منٹو جیسے مشہور مدبر نے پراونشل کونسلوں کے علاوہ امپیریل کونسل میں بھی ہندوستانیوں کے زیادہ لئے جانے کی سکیم کو منظور فرمایا۔ انڈیا کونسل میں بھی ہندوستانی ممبر لیا جانا منظور ہوا۔ حضور وائسرائے کی اگزیکیٹو کونسل کے ممبر [illegible]

کے منات ممبر ہوتے ہیں جو پہلے ساتوں کے ساتوں یورپین ہوا کرتے تھے لیکن اب ہندوستانی بھی ہونے لگے۔

انتقال پُر ملال

یکم مئی ۱۹۱۰ء کو آپ پیرس سے بعض پولیٹیکل گتھیوں کو سلجھا کر تشریف لائے تو ۲ مئی کو آپ کے گلے میں خراش شروع ہوئی جس نے خناق کی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ پہلے بھی دو دفعہ آپ کو یہی شکایت ہوئی تھی مگر چوں کہ زندگی کے دن باقی تھے صحت ہو گئی اور اس دفعہ آناً فاناً میں مرض ترقی کر گیا باوجودیکہ ایک چھوڑ سات ڈاکٹر جان توڑ کوشش کر رہے تھے مگر موت کے آگے کس کی چلتی ہے مرض کسی کے قابو میں نہ آیا حلق کی نالیاں ماؤف ہو گئیں اور سخت کھانسی کے ساتھ غشی طاری ہونے لگی۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ کا سارا خیال اپنی عزیز رعایا کی طرف بٹا ہوا تھا۔ جب آپ ہوش میں آتے تو تیمارداروں کی تشفی یوں فرماتے "کچھ فکر نہیں جس طرح پہلے آرام ہو گیا تھا اگر خدا نے چاہا تو اب بھی ہو جائے گا۔ ذرا افاقہ ہو جائے تو میرا منشا یہ ہے کہ دم واپسیں تک ملک و اہل ملک کی خدمت کروں"۔ جس وقت لوگوں کو بادشاہ کی علالت کی خبر ملی تو سارے کاروبار بند ہو گئے اور لوگ سراسیمہ قصر شاہی کی طرف آپ کے لیئے دعائے صحت مانگتے ہوئے دوڑے اور انٹرنس ہال میں لوگوں کا ایک ٹھٹ لگ گیا کہ آرچ بشپ آف کنٹربری کی باریابی بھی دیر تک نہ ہو سکی۔ بادشاہ کے بستر کے گرد سارا خاندان شاہی جمع تھا۔ ابھی لوگ امید و بیم ہی میں تھے کہ یکایک حالت میں تغیر ہوا اور دم زدن میں روح پرواز کر گئی اور معاً شاہی جھنڈا سرنگوں کر دیا گیا۔ آپ نے ۶۹ برس کی عمر میں ۶ مئی ۱۹۱۰ء کو صرف سوا نو سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ آپ کی امن پسندی۔ نیک مزاجی اور ہر دل عزیزی کی وجہ سے آپ کی وفات کا بہت رنج ہوا اور چوں کہ ہندوستان فطرتاً بادشاہ پرست واقع ہوا ہے اس لیئے اس ملک میں بھی بہت کچھ رنج و غم کا اظہار کیا گیا چنانچہ ہندوستان میں بے شمار جلسہ ہائے تعزیت ہونے کے علاوہ جابجا شہنشاہ کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ لاہور میں پندرہ لاکھ روپیئے کے صرف سے آپ کی یادگار میں میو ہسپتال کی توسیع منظور کی گئی جس میں والیان ملک اور پبلک

کی طرف سے بھی معتد بہ چندہ وصول ہوا اور ایک آل انڈیا میموریل ہال تعمیر ہونا
قرار پایا جس کا سنگ بنیاد ۸ دسمبر ۱۹۱۱ء کو ملک معظم جارج پنجم نے اپنے
دست مبارک سے رکھا۔

۹ مئی کو سینٹ جیمس پیلس میں دوپہر کو ارکان و عمائدین سلطنت جمع ہوئے
اور جارج پنجم کی تخت نشینی کا اعلان فرمایا اس دربار میں حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ میری
کے تشریف فرما ہوئے اور تخت نشین ہوئے۔ بعد مراسم تخت نشینی کے ذیل کی
تقریر ایک ۔ ۔ ۔ درد لہجے میں فرمائی ہے۔

"میرا دل اس وقت رنج و محن کا مخزن بنا ہوا ہے۔ بولنے کا یارا نہیں مگر کیا کروں اس
وقت کا فرض مجبور کرتا ہے کہ کچھ کہوں اور جو کہوں تو یہ کہ والد محترم کی وفات کی خبر وحشت اثر
کا اعلان عام ہو۔ اس سانحہ جانکاہ سے جو غم کا پہاڑ ہم پر اور کل ماتحت قلمرو پر
آ پڑا ہے اس کا اندمال ہماری ہونے والی رعایا کا اظہار ہمدردی ہے جو ہمارے غم میں
شریک ہو کر اپنے اس فرمان روا کے ماتم میں حصہ لے رہی ہے جس نے ان کی خوشی
اور ترقی کو اپنی خوشی اور ترقی سمجھ رکھا تھا۔ کیا کہوں ان کے انتقال سے ہمارے
سر پر سے نہ صرف پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا بلکہ ہمارا اعلیٰ درجے کا اتالیق اور
جلیل القدر مشیر بھی کھو یا گیا ہے۔ والدہ مکرمہ کے ساتھ رعایا کی طرف سے جو ہمدردی
ہوئی ہے اس نے میرا دل اور بھی بڑھا دیا ہے۔ والد بزرگوار نے عنان حکومت
اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا تھا کہ دم واپسین تک رعایا کے سود و بہبود کا خیال
رکھوں گا چنانچہ جس خوش اسلوبی سے انھوں نے اس کو پورا کیا ہے وہ اظہر من الشمس
ہے۔ بس میں بھی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا اصول یہی ہوگا اور انھیں کے نقش قدم
پر چل کر ممالک غیر کے تعلقات کو اپنی رعایا کی بہبودی کی غرض سے اور بھی مستحکم
کروں گا۔ ۔ ۔ بادولت کو ان بھاری ذمہ داریوں کا بڑا ہی خیال ہے جن کا بوجھ دفعۃً
ہمارے سر پر آ پڑا ہے اور ہم کو پوری توقع ہے کہ پارلیمنٹ جزائر برطانیہ کے رہنے
والوں اور سمندر پار کی رعایا ہمارے فرض حکومت کی سرانجام دہی میں خاص مدد سے
دریغ نہ کریں گے اور ہمیں امید واثق ہے کہ پروردگار عالم عالمیان رعایا کی دعاؤں
کے اثر سے میری ذات میں ایسی طاقت و ہدایت نمایاں فرمائے گا جس سے

تمام تمنیاں پوری ہوں گی ہماری تسکین خاطر کے لیے یہ بات کچھ کم نہیں ہے کہ ہماری ملکہ نے بھی ہماری رعایا کے سود و بہبود کے ان جملہ امور میں ہماری مدد کا خاص اظہار کیا ہے۔"

ملکہ معظمہ الگزینڈرا کا قوم سے درد بھرا خطاب[۱]

May 10th 1910

Buckingham Palace

From the depth of my poor x broken heart I wish to express to x the whole nation & our Kind x People we love so well. my deep — x felt — thanks for all their x touching sympathy in my over — x whelming sorrow and unspeakable x anguish — not alone have I lost x every thing in him, my beloved x husband but the nation too x has suffered irreperable loss x in their best friend, father & x Sovereign thus suddenly called x away — may God give us all His devine help to bear this Keenest x of losses. Which he has seen x fit to lay upon us — "His will be x done." Give me a thought in

---

۱ یہ خط ملکہ معظمہ الگزینڈرا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے جس کا فوٹو چھاپ کر تقسیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے اس خط کا ترجمہ تا بہ امکان بہتر سے بہتر کیا ہے لیکن پھر بھی کلام الملوک ملوک الکلام اس لیے اصل خط بھی نقل کر دیا ہے کہ انگریزی داں اصحاب اس سے متمتع ہوں۔ آپ کی ولادت یکم دسمبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی اس حساب سے آپ کا سن شریف (۶۶) سال کا ہے اور بہ افضال الٰہی صحیح و سلامت ہیں (من المصنف) ۱۲

your prayers which will sustain & comfort me, in all I have to go through —

Let me take this opportunity of expressing my heartfelt thanks for all the touching letters & tokens of sympathy I have received from all classes high & low, rich & poor, which are so numerous that I fear it will be impossible for me ever to thank every body individually. I confide my dear Son into your care who I know will follow in his dear Father's footsteps, begging you to show him the true loyalty & devotion you showed his dear Father — I know that both my dear Son and daughter-in-law will do their utmost to merit & keep it —

Alexandra

ترجمہ

۱۰ مئی ۱۹۱۰ء

بکنگھم پیلس

اپنے بیکس و مغموم دل کی تہ سے اپنی تمام قوم و رعایا سے مہربان جن سے ہم کو خاص محبت ہے اُن کی دل پر اثر کرنے والی ہمدردی کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے میرے صدمۂ ہوش ربا و ناقابل اظہار حادثے میں ظاہر کی ہے میری تو دنیا ہی

شوہر محبوب کے ساتھ ختم ہوگئی قوم کو بھی ایک سچے دوست اور باپ اور بادشاہ کے دفعتہً چلے جانے سے ایسا نقصان پونہچا ہے کہ اُس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس صدمۂ عظیم کی برداشت کی قوت ہم سب کو عطا فرمائے جو اُس نے ہمارے مناسب حال تصور فرمایا ہے۔ مشیت ایزدی میں چارہ نہیں ہے۔ آپ لوگ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں جس سے میرے ہر حال میں تقویت اور تسلی ہو۔ مجھے اس بات کا موقع دیجئے کہ میرے پاس جن لوگوں کے جاں گداز خطوط تعزیت آئے ہیں اور جنھوں نے اظہار ہمدردی کیا ہے میں اُن کا دلی شکریہ ادا کروں۔ ان میں سب ہی درجے کے آدمی ہیں عالی خاندان بھی ہیں معمولی اشخاص بھی۔ امیر بھی ہیں غریب بھی۔ جو اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر ایک کا شکریہ فرداً فرداً ادا کرنا ناممکن ہے۔ میں اپنے فرزند دلبند کو آپ صاحبوں کے سپرد کرتی ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے والد کے قدم بقدم چلے گا اور آپ لوگوں سے استدعا کرتی ہوں کہ جیسی سچی وفاداری اور اطاعت اُس کے پیارے باپ کے ساتھ کی ہے ایسی ہی اس لڑکے کے ساتھ بھی کریں گے مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند دلبند اور میری بہو دونوں حتی الامکان اپنے آپ کو مستحق و اہل ثابت کریں گے۔

الگزینڈرا۔

تجہیز و تدفین

جب تک آپ کا دفن ہو آپ کا جسد مبارک فیلڈ مارشل کے لباس میں رکھا رہا اور ہر روز ایک خاص وقت پر دعا کے بعد حسرت نصیب اہل خاندان کو چہرۂ مبارک کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ اعلان شاہی کی رو سے تدفین کی تاریخ ۲۰ مئی ۱۹۱۰ء یوم جمعہ مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس عالم گیر ماتم کے روز ٹھیک ایک بجے دن کے ہر جگہ دعائے مغفرت مانگی جائے۔ چنانچہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ توپ گاڑی پر جنازہ رکھکر فوجی جلوس کے ساتھ سینٹ جارج کے گرجا کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا جس کے ساتھ خود مختار فرماں روا۔ سفیر۔ نمایندے قیصر جرمن وولی عہد دولت عثمانیہ کے علاوہ ہر قسم کے بے تعداد لوگ شامل تھے۔ قبرستان میں پونہچ کر آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلے انجیل کا کچھ

حضور بادشاہ مرحوم کے کچھ حالات اس طرح بیان کیے گئے کہ سننے والوں کے دل بل گئے۔ چنانچہ ایک طرف آنکھیں اور دوسری طرف رومال تر بتر تھے مغموم و مصیبت زدہ ملکہ الگزینڈرا گھٹنے ٹیک کر دعائے مغفرت میں مصروف تھیں۔ جب جنازے کو پیوند خاک کرنے کا موقع آیا تو صندوق جنازے پر سے لوازم شہنشاہی الگ کر لیئے گئے اور گارٹر کنگ ایٹ آرمز نے دستور کے مطابق شہنشاہ متوفی کی تدفین کے بعد شہنشاہ موجودہ کا نام نامی علی رؤس الاشہاد سنایا۔ اس کے بعد قصر بکنگھم میں ایک بڑی بھاری شاہانہ دعوت دی گئی جس میں قیصر جرمن کے علاوہ سات آٹھ بادشاہ اور ڈیڑھ سو کے قریب امرا و ارکان سلطنت شریک تھے۔ ملک معظم جارج پنجم نے ...ل بری و بحری فوج کی نسبت اپنی ذاتی خصوصیات کا موزوں الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے نوآبادیوں کے ایڈریس کے جواب میں اتحاد و یک جہتی کے بے نظیر اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا جس سے ان کے خلوص و محبت میں ترقی ہو اور ہندوستانی رؤسا و رعایا کے اظہار عقیدت کی نسبت ارشاد فرمایا۔

پیام ملک معظم جارج پنجم

اور والد مکرم کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سن کر والیان ریاست و رعایائے ہند نے جو پیام بھیجا ہے اس میں

جس خاص ہمدردی و خیر خواہی کا ذکر کیا گیا ہے ہم اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس عالمگیر ماتم کا جس طریق پر اظہار کیا گیا ہے اس سے ہمارے دل پر خاص اثر ہوا ہے۔ ہم اپنی سیاحت ہندوستان کے زمانے کو دلچسپی سے یاد کرتے ہیں اور ہندوستان کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ ہم بدولت کو اپنے ذاتی تجربے سے بخوبی معلوم ہے کہ والیان ریاست اور رعایائے ہند کو ہمارے تاج کی خیر خواہی کا کیسا بھاری خیال ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ جس اطاعت کا اظہار ہماری جانشینی کے موقع پر کیا گیا ہے اس کا اعتراف خاص طور پر ہو کیونکہ علیحدہ کو بھی اپنی ہندوستانی رعایا کی بہبودی کا اسی طرح خیال ہے جس طرح جدہ مکرمہ اور والد مکرم کو تھا۔"

ایام ماتم

قرار پایا کہ چھ مہینے تک یعنی نومبر ۱۹۱۰ء تک بادشاہ آں جہانی کا ماتم رکھا جائے اور اس کے بعد جشن تاج پوشی کی باضابطہ تاریخ مقرر ہو۔

پارلیمنٹ میں سب سے پہلی تقریر

"اے اراکین و عمائد سلطنت و معزز اصحاب!

تا بدولت نے عہد کی اس سب سے پہلی پارلیمنٹ کے افتتاح کرنے سے پہلے اس بھاری نقصان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو تمام مملکت کو والد مکرم کے انتقال پر ملال سے ہوا۔ ابھی کوئی ایسا ہوا سال بھی نہیں گزرا ہوگا کہ آپ نے مقبولیت سے اپنے تخت کی ترجیح دی تھی اور کسی کو بھی یہ خیال بھی نہ تھا کہ آپ کی زندگی وفا نہ کرے گی اور جس مستعدی سے آپ اپنی رعایا کی خدمت کرتے تھے اس قدر سریع الزوال ہوگی۔ رضا بقضا اب شہنشاہ عالم و عالمیان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے میں آنجہانی کی مثال کو نمونہ قرار دے کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف مجھ پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا ہر طرف سے وفادار اور جاں نثار رعایا کے ہمدردی سے بھرے ہوئے تعزیت ناموں نے میری ہمت بڑھائی۔ اب میرے محترم چچا ڈیوک آف کناٹ بھی جنوبی افریقہ والے مشن سے تشریف لے آئے ہیں جہاں کے مختلف شہروں اور قصبوں سے جب ان کا گزر ہوا تو بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہر ایک جماعت نے آپ کا خاطر خواہ استقبال کیا۔ واضح رہے کہ ہمارا تعلق تمام ممالک غیر سے دوستانہ رہے گا۔ ہم ابھی سے بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کانفرنس کا انتظار کرتے ہیں جس میں ہمارے وزرائے سلطنت خاص مع وزیران خاص انتظامیہ آئندہ ماہ مئی میں اس غرض سے اجلاس کریں گے کہ وہ اہم امور جو سلطنت کی طرف سے ان کی تحویل میں دیئے جائیں ان پر غور کریں۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ یہاں کی تاج پوشی کے بعد ایک دفعہ پھر ہندوستان جائیں اور جلسہ تاج پوشی وہاں بھی خود بہ نفس نفیس جا کے کریں۔ عنقریب آپ کے سامنے ایسی تجاویز بھی پیش ہوں گی جن کی رو سے دارالعوام و دارالامراء کے باہمی تعلقات کی ایسی صورت پیدا کی جا سکے کہ عملی کارروائی بطور احسن ظہور پذیر ہو جن مقاصد کے حصول کے لئے ابھی ارشاد

ہو چکا ہے آپ کے روبرو ایسے وسائل سے پیش کئے جائیں گے جو پارلیمنٹوں کے اجلاس میں اس سے پہلے اسی غرض سے پیش ہو چکے ہیں کہ جن کمبختوں کو باوجود از کار رفتہ اور کبر سنی کے غریب رلیف فنڈ سے امداد حاصل کرنے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اور جو خاص مستحق پیشہ ور اور از کار رفتہ تاجروں کے روزینہ کے متعلق ہے میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہماری محنتوں میں برکت دے گا۔

ضمیمہ چہارم

ملک معظم جارج پنجم دام سلطنتہم کے مختصر حالات

آپ کی ولادت شب درمیانی ۲ و ۳ جون ۱۸۶۵ء کی شب درمیانی میں ایک بج کر اٹھارہ منٹ کو مارلبرو ہاؤس کے قلعہ بالمورل میں ہوئی۔ آپ ایک ہی مہینے کے تھے کہ جس کمرے میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش میں آرام فرما رہے تھے چھت کو آگ لگ گئی لیکن فوراً خبر ہو گئی۔ آپ کو اور آپ کی والدہ کو معاً دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا اور چھت اُدھڑوا دینے سے آگ فرو ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو بال بال بچایا۔ آپ کے اصطباغ کی رسم ۷۔ جولائی ۱۸۶۵ء کو ونڈزر کیسل کے سینٹ جمیس گرجا میں بڑی کر و فر سے ہوئی۔ آپ کی دادی صاحبہ نے نرس کی گود سے آپ کو لے کر آرچ بسپ آف کنیٹربری کے سامنے اصطباغ کے لئے پیش کیا۔ آپ کے دینی باپ ڈیوک آف کیمبرج اور دینی ماں اُن کی ڈچس تھیں۔ آپ کے بڑے بھائی پرنس البرٹ کی اور آپ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ حرف شناسی کے بعد آپ کی تعلیم پادری ڈبلیو۔ بک آنسلو کے سپرد کی گئی اور اُنہیں جتلا دیا گیا کہ تعلیم میں شہزادگی کی خصوصیت کا لحاظ نہ رہے بلکہ جس طرح دنیا جہان کے بچے پڑھتے ہیں یہ بھی پڑھائے جائیں چنانچہ پادری صاحب علاوہ تعلیم

دنیوی کے دینی تعلیم پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ اخلاقی تعلیم والدین نے اپنے ذمے رکھی اور واقعی بات بھی یہی ہے۔ ماں باپ جیسی دل سوزی اور کون کر سکتا ہے۔ دونوں شہزادگان والا تبار البرٹ اور جارج ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ پڑھتے ایک جان دو قالب تھے بکشپ و مبر فورنس نے بچپنے ہی میں یہ حکم لگا دیا تھا کہ "بڑا اپنے باپ کی طرح کسی قدر ملول رہتا ہے چھوٹا خوش مزاج تیز اور زندہ دل ہے" ایک اور مستند شخص نے لکھا ہے کہ "پرنس البرٹ کا وقار زیادہ تھا۔ مخلوق اُن کو خاص نظر سے دیکھتی تھی (خاص کر اس وجہ سے کہ آگے چل کر بادشاہ ہونے والے تھے) دونوں کی تعلیم ایک ہی طریقے پر تھی۔ گو دونوں کی عمر میں تھوڑی سی چھٹائی بڑائی تھی مگر چھوٹے صاحب قوی الجثہ تن درست اور تنومند ہونے سے بڑے بھائی کے برابر ہی سر ابر معلوم دیتے تھے بلکہ وہ اپنی حاضر جوابی۔ باریک بینی اور جرأت کے سبب تمام اُن مشاغل میں جن میں زیادہ سرگرمی اور آمادگی درکار تھی زیادہ نمودار اور ممتاز رہا کرتے تھے" ایک تیسرے صاحب کہتے ہیں۔ دونوں بھائیوں کو اس بات کا موقع دیا جاتا تھا کہ تا بہ امکان ہنسی خوشی سے رہیں چنانچہ جس طرح ان کے والد ولی عہدی کے زمانے میں سینڈرنگھم میں رہا کرتے تھے ان کو بھی وہیں رکھا گیا تھا۔ ان دونوں میں استقلال۔ گرم جوشی۔ فراخ دلی۔ راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی چنانچہ کسی قصور کے اعتراف یا اصول کی پابندی میں وہ کبھی مستقل مزاجی اور دیانت داری کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ ایک اور مورخ نے بچپنے کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ پرنس جارج کی شوخی طبع اور تیزی عام طور پر مشہور ہے۔ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا کے ساتھ ناشتے میں جارج بھی تھے اور کچھ شرارت کر رہے تھے۔ آپ کو بچوں کی بے موقع شرارت پسند نہ تھی۔ پہلے تو آپ نے دو ایک دفعہ منع کیا لیکن جب نہ مانا تو کہا میز کے نیچے چلے جاؤ اور جب تک تم اچھے بچے نہ بنو خبردار میز کے نیچے سے نہ نکلنا۔ نیچے تو گئے ہی آپ نے کیا کیا کہ میز کے نیچے گھس سارے کپڑے اتار ننگے چم ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دادی صاحبہ نے فرمایا۔ اچھا اب باہر نکل آؤ۔ باہر نکلے تو اس حیثیت سے۔ ملکہ معظمہ دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیں اور کہا کہ کپڑے پہنو۔ جب آپ کپڑے پہن چکے تو پیار کر کے اپنے برابر بٹھا لیا اور

کہا کہ وہ صاحب زادے! جو پہلے خود دوسروں کا حکم ماننا سیکھتے ہیں وہی آگے
چل کر حکم کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ ڈچز آف کیمبرج اپنے روزنامچے میں لکھتی ہیں ملکہ
وکٹوریا اپنے بچوں کو ہمیشہ علیحدہ رکھتی تھیں اس لیے بچوں کو اہل دربار سے اختلاط
کا بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم میں پیار اور محبت سے کام لیا جاتا
ہے۔ انھیں ان کی والدہ تقریباً ہر موقع پر اپنے ساتھ رکھتی تھیں جس سے ان کا میل
جول اہل دربار سے بہ آسانی ہو گیا تھا۔ بچوں کو اپنے والدین سے بے حد محبت
ہوتی ہے ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا تشریف فرما تھیں اور ڈچز آف کیمبرج بھی پاس بیٹھی
تھیں اور ایک لیڈی بھی تھیں کہ اتنے میں پرنس جارج کھیلتے کھیلتے ان تک آ گئے تیسری
لیڈی صاحبہ نے شہزادے کو اپنے پاس بلایا اور باتوں باتوں میں پوچھا بھلا یہ
بتاؤ کہ مردوں میں تمھیں کون سا نام بھلا معلوم ہوتا ہے؟ شہزادے نے کہا۔ ایڈورڈ۔
لیڈی۔ اور بھلا عورتوں میں؟ جارج۔ الگزینڈرا۔ اور جب کتابوں میں سے
عمدہ کتاب کا نام پوچھا تو کہا "میری ات" جس میں سمندروں کے عجائبات ہیں اسی
سے قیافہ شناسوں نے تاڑ لیا کہ ان کا نام بحری قابلیتوں میں خوب چمکے گا۔
قبل اس کے کہ ان کو بحری کالج میں داخل کیا جائے اس اصول پر کہ امیر و غریب
سب کو اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیے ان دونوں نونہالوں کو باغ
باغیچے کھیتی باڑی۔ مویشیوں کا رکھ رکھاؤ اور پرورش یہ ساری باتیں سکھائی گئیں سا
سینڈرنگھم تو آپ کے والدین کا گھر ہی تھا مگر یہ دونوں شہزادے کوپن ہیگن
(دار الخلافہ ڈنمارک) اپنی ننھیال کو بھی جایا کرتے تھے جہاں سیر و شکار کا مشغلہ
رہتا تھا۔ گرما کی تعطیلیں اپنے خلیرے بھائیوں قیصر جرمن اور زار روس کے ساتھ
بسر کرتے تھے پھر لندن کے مارلبرو ہوس میں آ جاتے اور برسات کا موسم اپنی دادی کے ساتھ
ہالینڈ کے مشہور قلعے ایبر ہال ہدائی میں بسر کرتے کچھ عرصے بعد پادری جان نیل ڈالٹن آپ کے
اتالیق مقرر ہوئے جنھوں نے پرنس کی تعلیم ایسی خوش اسلوبی سے انجام دی کہ آپ کے والد ماجد بہت خوش ہوئے
جب خدا رکھے آپ ہوشیار ہوئے اور آپ کی باقاعدہ تعلیم کا وقت آیا تو عام خیال یہ تھا
کہ دوسرے شہزادوں کی طرح آپ ایٹن کالج میں داخل کیے جائیں گے مگر آپ
کے والد ماجد نے عہدہ امیرہ کے صلاح اور مشورے سے ونڈزر کے کپتان

پادری ڈالٹن کی نگرانی میں دونوں بھائیوں کو جون ۱۸۷۷ء کو بحری جنگی تجربہ حاصل کرنے کے لیئے برطانیہ نامی جہاز پر بھیج دیا جو سو برس سے بحری سکول کا کام دیتا ہے جس میں دو تین سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اس بات کی تاکید کر دی گئی تھی کہ ان کی تعلیم میں کوئی خاص امتیاز شہزادگی کا نہ کیا جائے بلکہ سب طلباء میں ساتھ ملیں۔ ہاں صرف سونے بیٹھنے کا کمرہ الگ دیا جائے جب پرنس تعلیمی کورس سے فارغ ہوئے تو ۸۲-۱۸۷۹ء میں بیکانٹی نامی جہاز پر دنیا کی سیاحت کی اور جون ۱۸۸۰ء کو لندن واپس تشریف لائے۔ ابھی آن کر دو ہی ہفتے ہوئے تھے کہ پھر جولائی ۱۸۸۰ء کو پھر اسی جہاز پر بحری قواعد میں شرکت کی غرض سے چلے گئے وہاں سے ۹ اگست کو واپس آئے۔ ۱۰ ستمبر کو اسی جہاز پر جنوبی امریکہ جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ چین۔ جاپان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ پرنسوں کو آسٹریلیا بہت پسند آیا چنانچہ انھوں نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ "وطن کے بعد ہمیں آسٹریلیا بڑا پسند آیا"۔ ایڈیلیڈ میں آپ سیر کو جا رہے تھے۔ شہر کے باہر کوئی ایک بزرگ صورت ایک بڑا سا جھنڈا لیئے ہوئے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ گھوڑا بدکا۔ بڈھا بیچارہ بے طور گرا۔ آپ فوراً گاڑی سے اترے اور اس شخص کو اٹھا کر کمال مہربانی سے پوچھا "کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟" اور اپنی گاڑی میں اسے بٹھلا کر سرائے تک پونہچا دیا۔ (۴۲ = ۲۴۲) میل کا سفر طے کر کے آپ ۲۱ اکتوبر کو یوکوہامہ (جاپان) پونہچے۔ جہاں جاپان کے بادشاہ میکاڈو نے آپ کے نزول اجلال کے لیئے ایک شاہانہ محل آراستہ کر رکھا تھا۔ آپ کو شاہانہ جلوس کے ساتھ اس محل میں پونہچایا گیا۔ باہمی ملاقاتوں کے علاوہ بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ شہر میں روشنی کی گئی۔ رعایا نے بھی آپ کا شاہی اعزاز کیا۔ آپ نے مشہور مقامات کی سیر فرمائی اور مختلف کھیل تماشے ملاحظہ فرمائے۔ آسٹریلیا سے جو عجیب و غریب جانور ہمراہ لائے تھے وہ شاہ میکاڈو کو بطور تحفہ دیئے۔ شاہ میکاڈو کو مع جاپانی افسروں کے جہاز پر دعوت دی گئی۔ جاپان میں ہاتھ گدوانے کا بہت رواج ہے آپ نے بھی ہاتھ گدوایا۔ یہاں پروں کے پھول بڑی نفاست سے بنتے ہیں آپ نے

بھی ایک گلدستہ ہوا کر اپنی والدہ ماجدہ کے لیئے بھجوایا۔ آخری نومبر میں آپ بیکانٹی جہاز چھوڑ کر فلائی نامی جہاز پر سوار ہو کر چین کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں آپ کے واسطے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں شینگھائی میں آپ نے شکار کھیلا۔ ہانگ کانگ میں کرسمس ہوا۔ نوروز کو سنگاپور روانہ ہوئے۔ یہاں آپ کی مدارات میں چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ جب سیام پونہچے تو بادشاہ کی دختر لورہ خود مختار شاہزادے اور دالیان ریاست استقبال کو آئے۔ بادشاہ سیام نے ملکہ معظمہ کے نام خط دیا اور طلائی طشت نذر بھجوایا اور شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے خوب صورت طلائی پیالے دیئے۔ سلطان جہور نے آپ کو بڑے اہتمام سے اپنا مہمان کیا جہاں بودھ مذہب کے مندروں اور قدیم عمارتوں کا آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ سفر بیت المقدس یکم مارچ ۱۸۸۲ء کو پرنس سوئیز پونہچے جہاں ایم۔ ڈی۔ لیسپس جو اسماعیلیہ میں آپ کا منتظر تھا۔ نہر سوئیز کا راستہ صاف کرا رکھا تھا۔ دو روز بعد اسماعیلیہ پونہچے اور جب تک بیکانٹی جہاز اسکندریہ میں واپس نہیں پونہچا خدیو مصر کے مہمان رہے جنہوں نے آپ کے استقبال اور مہمان داری کی بڑی تیاریاں کیں تھیں۔ اہرام مصر کی سیر فرمائی۔ بڑے مینار پر جب شہزادوں نے ۱۸۶۲ء کی سیاحت کے زمانے کے اپنے والد کے دستخط دیکھے تو وہیں دونوں بھائیوں نے اپنے دستخط بھی کر دیئے اور اس سنگین پختہ عمارت کو ملاحظہ فرمایا جہاں بڑے بڑے بادشاہوں اور نامور لوگوں کی نعشیں ہزاروں برس سے ایسا مسالا لگا کر محفوظ کی گئی ہیں جو اب تک صحیح وسالم معلوم دیتی ہیں اس سیاحت میں برگش بے ہمراہ رکاب تھے جو مقامی حالات سے آپ کو واقف کرتے جاتے تھے۔ خدیو کی کشتی میں آبشار کا ملاحظہ فرمایا۔ پھر قاہرہ میں خاص طور پر ملاقات ہوئی جس میں آپ نے خدیو کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا فرمایا۔ یہاں سے بیت المقدس تشریف لے گئے میجر کانڈی جو ۱۸۶۲ء میں آپ کے والد کے ساتھ اس سفر میں تھے وہی شہزادوں کی معیت میں بھی تھے۔ سب سے پہلے جافہ میں اترے۔ آخر مارچ میں برٹش کانسل کے ساتھ علاقہ شام کا سفر کیا

مسٹر مور جو آپ کے والد کے ساتھ بھی رہے یہاں کی سیر کرائی۔ آپ کی
سیاحت کے متعلق ملکہ معظمہ نے سلطان المعظم کو ایک اشفاق نامہ لکھا کہ
"ان شہزادوں کو وہ تمام مقامات متبرکہ دکھلانے کی اجازت دیجیئے کا جو ۱۸۶۲ء
میں ان کے والد ایلبرٹ ایڈورڈ کو دکھلائے گئے تھے۔ چنانچہ سلطان المعظم
کی جانب سے بلحاظ روابط و اتحاد خاص ہر ایک موقع پر پرنسوں کے شایان شان
خاطر و مدارات کی گئی۔ رؤف پاشا مع ایک دستہ فوج یروشلم سے حیران
پر استقبال کے لیئے موجود تھے جنھوں نے نہایت عمدگی سے مقابر و معابد
کی سیر کرائی۔ حیران میں آپ نے تارپین کا وہ درخت دیکھا جو حضرت ابراہیمؑ
کے نام سے مشہور ہے جس پر پرنس جارج چڑھے بھی چنانچہ اس درخت پر چڑھنے
کے ساتھ ہی وہ تمام قدیم واقعات جو انجیل مقدس میں درج تھے آنکھوں
کے سامنے پھر گئے۔ وہاں سے بیروت واپس ہوئے اور سلطان ٹرکی
کے علاقے سے رخصت ہونے سے پہلے بذریعہ تار سلطان معظم کی مدارات
کا شکریہ کرتے ہوئے رؤف پاشا اور احمد علی بیگ مصاحبین کی خدمات
کا اعتراف بھی فرمایا اور مصاحبین کو تمغے اور تحائف بھی عطا فرمائے۔ ایتھنز
دارالخلافۂ یونان جاتے ہوئے سفر کی تکان کے سبب دردِ سر اور تپ کی
شکایت سے پرنس جارج کا مزاج وہاج کچھ ناساز ہو گیا اور اسی حالت میں ۱۱ مئی کو
جہاز ایتھنز پہنچا۔ شاہ یونان مع ملکہ جہاز پر استقبال کو تشریف لائے اور
فوراً شاہی ڈاکٹر کو مقرر کیا چل کہ مزاج عالی بے حظ تھا پرنس ایلبرٹ وکٹر
کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ ماموں ممانی سے ملے اور ایتھنز کے علاوہ الیکا
کے مناظر بھی دیکھے۔ ۲۱ مئی کو کریٹ ہو کر بحر الکاہل کی کشتیوں کی دوڑ
دیکھی۔ امتحان سر پر آ پہنچا تھا صرف دو مہینے رہ گئے تھے ۲ جون کو کرفیو
روانہ ہوئے ولنا اور جبرالٹر کی سیر فرماتے ہوئے بندرگاہ لنزیل پہنچے
آسبورن پر آپ کے والد و والدہ اور چند ممبران خاندان شاہی لینے آئے
تھے۔ جہاز سے اتر سب کے سب ملکہ معظمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۸ اگست
کو آرچ بشپ آف سٹیٹ نے دینیات میں آپ کا امتحان لیا اور آپ کی

اصلی قابلیت سے سرفراز ہوئے اور اسی دن سہ پہر کو ونڈسر کے گرجا میں دونوں شہزادوں کی کنفرمیشن کی رسم ادا ہوئی جس کے خاتمہ پر آرچ بشپ نے ایک جامع اور مانع اور موثر تقریر کے خاتمے پر ارشاد فرمایا :- "اے شہزادو! خدا کرے تمہارے ہاتھوں وہ باتیں ظاہر ہوں جو سچی شہزادوں کے سزاوار ہو سکتی ہیں۔ کام کرنے کے لئے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہے اور بہت کچھ بھلائی کر سکتے ہو"

ایکٹو لیف یعنی کاروباری زندگی

پرنس جارج جب اپنے بھائی پرنس وکٹر کے ساتھ جہازی تجربہ اور دنیا کے بہت سے حصے کی سیر فرما چکے تو بڑے بھائی تو ولی عہد تھے ہی آپ نے اپنے لئے بحری ملازمت کو پسند فرمایا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو آپ کینیڈا جہاز کے لفٹننٹ ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں ٹارپیڈو نمبر (۷۹) کے کمانڈر ہوئے۔ ۲ جون ۱۸۹۱ء کو تھرسل کے کمانڈر ہوئے۔ حسب اتفاق ایک دن آپ کا جہاز سالونیکا میں کوئلہ لینے کے لئے لنگر انداز ہوا تو وہاں کے ایک مقامی ترکی پاشا نے یہ سن کر کہ ملکہ معظمہ کا پوتا اس جہاز پر ہے وکیپٹن سے مل کر پرنس سے ملنے کی خواہش کی۔ کپتان نے آپ کو بلوا بھیجا آپ کوئلا بھروا رہے تھے بے کپڑے بدلے ویسے ہی فوراً چلے آئے۔ ترکی افسر نے آپ کے سیاہی آلود لباس کی وجہ سے آپ کو نہیں پہچانا اور متعجب ہو کر کہا کہ یہ کون ہیں؟ میں تو شہزادے سے ملنا چاہتا ہوں۔ کپتان نے کہا یہی پرنس جارج ہیں۔ ترکی افسر۔ اللہ اکبر بادشاہ کا پوتا اور یہ کام! کپتان۔ خدمت سے عظمت ہے اور ادائے فرائض میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔

ترکی افسر۔ سچ ہے۔ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

بے شک یہ ایک عمدہ مثال ہے مبارک ہے وہ ملک جہاں کے فرماں رواؤں کی یہ حالت ہو اور یہ دنیا میں نام آوری پیدا نہ کریں گے اور ترقی نہ کریں گے تو کون کرے گا۔ تھرلسٹل جہاز کی کپتانی کے زمانے میں کسی ایک دوسرے جہاز پر ایک شخص ملازم تھا جو اپنی نافرمانی اور بدچلنی کے سبب سے کئی دفعہ جرمانے دینے کے علاوہ قید بھی بھگت چکا تھا چنانچہ اس کے اعمال نامے میں ان امور کا اندراج تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر اس کو اپنے جہاز پر بدلوا لیا اور اس کا اعمالنامہ دیکھ کر کہا دیکھو یہ بانیوں

ایک بہادر سپاہی کے لیے کیسی نازیبا ہیں اگر تم مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اب سے ایسے کام نہ کرو گے تو تمھارے اعمال نامے کی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ آپ کی ہمدردی کا اُس پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ اُس نے اپنی ساری حرکات ناشائستہ سے توبہ کر لی آپ نے اُسی وقت اُس کا اعمال نامہ اُس کے روبرو ہی چاک فرما دیا۔ حسب معمول ہر شام سیر سپاٹے کو لوگ شہر گئے یہ بے چارہ بھٹکتا پراگندہ روزی پراگندہ دل جہاز پر ہی پڑا رہا۔ جب آپ کو اس کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا تو اُسے بلا کر ایک پونڈ دیا اور کہا کہ تم بھی سیر کر آؤ۔ بالآخر آپ کے اس سلوک کا ایسا عمدہ اثر ہوا کہ وہ سچ مچ کا ایک نیک اور محنتی شخص بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ترقی کرتے کرتے میجری کے عہدے پر جا پہنچا۔

۱۸۹۱ء میں شہزادہ جارج جہاز کے مستقل کمانڈر ہو گئے۔

شہزادہ ایلبرٹ وکٹر کا انتقال اور پرنس جارج کی ولی عہدی

جھک گیا اے فورٹ ونسر آج کیوں جھنڈا ترا
بیکسی چھائی ہوئی ہے تجھ پہ کیوں اے انڈیا
کہہ تو اے انگلینڈ و یورپ تجھ پہ کیا صدمہ پڑا
کس لیے غمگیں ہے افریقہ و اے ایشیا
کیوں گلی کوچوں میں اے لندن ترے ماتم ہے آج
مر گیا ہے کون عالی جاہ کس کا غم ہے آج

قیصرِ انگلینڈ و ہندوستاں کے دل پہ الم — ہے یہ پرنس آف ویلز روتے آہ بھر کر دم بدم
ہے پرنسس آف ویلز کے دل پہ ہوا کوئی ستم — سارا شاہی خانداں ہے مبتلائے درد و غم
پھول سے چہرے سبھوں کے یک بیک کمھلا گئے — کون سی آئی ہوا دل جس سے یوں مرجھا گئے
آج ہیں غمگیں گورنر جنرل ہندوستاں — اور چھوٹے لاٹ سارے رنج میں ہیں بے گماں
صاحبانِ ملک کے بازو پہ ہے غم کا نشاں — افسرانِ ملکی و فوجی ہیں مصروفِ فغاں
کس کے مرنے نے زمانے کو تہ و بالا کیا؟ — رنج میں ہے کل رعیت موت تو نے کیا کیا؟
یہ جنازہ کس کا اٹھا ہے بصد عز و وقار؟ — ہے یہ پرنس آف ویلز روتے ساتھ جس کے زار زار
ہیں پرنسس آف ویلز جس کو دیکھ کر یوں بے قرار — سن کے جس کا حال ہے ساری رعایا دل فگار
یہ جنازہ حضرت شہزادہ وکٹر کا ہے — جو بیٹا پوتا ہماری ہند کی قیصر کا ہے

اٹھ گیا شہزادہ وکٹر جہاں سے ہائے ہائے
کیا سخت افسوس ہے ایسے جواں کو موت آئے

سلطنت کی آنکھ کے تارے پہ یاں اندھیر چھائے
عیش و عشرت کا پلا یوں قبر کے کونے میں جائے

کیسا ہیبت ناک ہے ہر کام تیرا اے اجل
کس قدر بدنام دیکھا نام تیرا اے اجل

اس کی وہ صورت وہ حسن اور وہ جوانی ہائے ہائے
اس کی وہ یاد اور ساری زندگانی ہائے ہائے

کر دیا اے موت تو نے کس کو فانی ہائے ہائے
وہ نہیں ہے اس کا غم اس کی نشانی ہائے ہائے

بولتی تصویر ہے افسوس یوں خاموش ہے
یوں اجل بے ہوش کر دے اس کو جو ذی ہوش ہو

یاد ہے کچھ تجھ کو سن چوراسی کی ماہ جنوری
تیرے آنے کی ہوئی تھی کیسی دنیا میں خوشی

آٹھویں تاریخ شہزادے کی پیدائش کی تھی
آج اس سن بانوے کچھ اپنے دل میں سوچ بھی

یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے
یورپ تا ہند جس کا گھر ہے گھر افسوس ہے

اے جہاں پورے نہیں گزرے ابھی تک تین سال
آئے تھے ہندوستان میں وکٹر فرخندہ فال

دیکھ کر شہزادۂ مرحوم کا خلق و جمال
ہند کی ساری رعایا ہو گئی تھی بس نہال

کل جو تھا موجود سب میں آج وہ معدوم ہے
کل جو تھا زندہ سلامت آج وہ مرحوم ہے

تھا ابھی لاہور میں جو اک شفا خانہ کھلا
آپ کے ہی نام سے اس کی ہوئی تھی ابتدا

واں سے ملتی تھی مریضوں اور غریبوں کو دوا
ان میں واں آن کر ہر دکھ سے پاتے تھے شفا

یہ شفا خانہ تھا جس کے سبب وہ مر گیا
داغ مرگ نوجوانی سب کے دل پر دھر گیا

سارے رائل فیملی میں یہ ہی پہلے شخص تھے
خاندان میں اپنے جو شادی کو راضی ہو گئے

تھیں پرنسس لیڈی آف ٹک ان کی لیڈی ہونے کو
تھوڑے ہی سے دن بس اب باقی رہے تھے بیاہ کے

پھول کھلنے بھی نہ پائے پھول خود کملا گیا
بیاہ سے پہلے ہی پہلے موت کا دن آ گیا

یہ وہ کم صدمہ نہیں ہے جس کی ہم سب تاب لائیں
یہ وہ صدمہ ہی نہیں ہے جس کو جلدی بھول جائیں

کیوں نہ ماریں غم سے چیخیں کیوں نہ ہم آنسو بہائیں
پر خدا کے حکم سے مجبور ارشد سر جھکائیں

جو خدا چاہے کرے کچھ بس نہیں انسان کا
میہماں دنیا میں ہے یہ آدمی کچھ آن کا

یا خدا اے حضرت قیصر کو روز افزوں حیات
اور پرنس آف ویلز کی بے غم رہے دنیا میں ذات

دے پرنس ویلز کو بیٹے کے صدمے سے نجات
بخش دے شہزادہ وکٹر کی روح پر مغفرت

لطف عیسیٰ آسماں پر حامی و غم خوار ہو
مرنے والا ہم اکیلا تو ہی اس کا یار ہو

پرنس ایلبرٹ وکٹر ولی عہد ہونے سے ڈیوک آف کلیرنس کہلاتے تھے ان کی نسبت ڈیوک آف ٹیک کی صاحب زادی پرنسس وکٹوریا میری سے ہو چکی تھی۔ ۱۸۹۱ء میں کرسمس کے تہوار کے وقت آپ کو کچھ انفلوانزا کی شکایت تھی اور مزاج بشاش نہ تھا۔ بعد میں شکایت بڑھ گئی اور ۱۴؍ جنوری ۱۸۹۲ء کو موذی مرض جان لے کر ہی ٹلا۔ پرنس وکٹر کی جواں مرگی سے سارا خاندان نہیں سارا انگلستان اور ہندوستان ماتم کدہ بن گیا یہ تہرا صدمہ تھا ایک نوجواں مرگی۔ دوسرے ولی عہد کا اٹھ جانا تیسرے شادی میں خانہ بربادی ہو جانا۔ تسلی ہے تو محض اس بات سے کہ یہ مرحلہ ہر کسی کو درپیش ہے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے سب کو یہ سفر ناگزیر ہے۔ پرنس جارج کو بڑے بھائی اپنے قوت بازو کے دفعتہً اٹھ جانے کا بڑا قلق ہوا۔ آپ کو بصیغہ ضروری جہاز کی خدمت پر سے طلب کر لیا گیا۔ ۲۵؍ مئی ۱۸۹۲ء کو پرنس کو حضور ملکہ معظمہ نے ایڈورڈ ہفتم کا ولی عہد تسلیم فرما کر ڈیوک آف یارک۔ ارل آف انورنیس سکاٹ لینڈ اور بیرن آف کلارنی آئرلینڈ کے خطابات دیئے۔ ۱۷؍ جون ۱۸۹۲ء کو آپ نے ولی عہدی کا حلف لیا اور ۱۸۹۳ء میں ہوس آف لارڈز میں آپ بطور ڈیوک آف یارک کے شریک ہوئے۔

شادی

چوں کہ آپ کا سن شریف تیس کے لگ بھگ تھا آپ کی شادی کی نسبت چو طرف خیال دوڑایا گیا مگر بہتر سے بہتر یہی بات قرار پائی کہ پرنس وکٹر کی منگیتر سے بہتر اور کون ہے۔ پرنسس مے وکٹر سے سب قرار داد ہو کر ان کی موت نے جو کھنڈت ڈال دی اشک شوئی بھی ہو جائے ۳؍ مئی ۱۸۹۳ء کو اس انعقاد کا شاہی اعلان بھی نافذ ہو گیا اور ۶؍ جولائی کی صبح ٹھہری قرار پائی۔ اس شادی کی بہار کا بیان صفحۂ قرطاس پر خارج از امکان ہے۔ بڑی دھوم دھام سے جلوس نکلا۔ ساری سڑکیں اور راستے پٹے پڑے تھے۔ شاہ ڈنمارک۔ زار روس۔ پرنس جرمن اور دیگر سلطنتوں کے سفیر۔ ہز ہائینس مہاراجہ کپورتھلہ۔ ٹھاکر صاحب گونڈل۔ ہز ہائینس سر آغا خاں اور سارے ممبران دودمان شاہی اس مبارک تقریب میں شریک تھے۔ بکنگھم پیلس میں شاہانہ

خلوت ہوئی۔

اس شادی سے لوگ نہال نہال تھے۔ دولہا دلہن کے دیدار کے واسطے بے قرار۔ ملکہ معظمہ آنجہانی کو اپنی عزیز رعایا کی دل جوئی فرض اولین تھا چنانچہ حضور ممدوحہ محل کی چھت پر مع دولہا دلہن کے برآمد ہوئیں اور رعایا کو خوب دل بھر کر دولہا دلہن اور عروسی جوڑے کے دیکھنے کا موقع دیا۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم نے ملکہ معظمہ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ "دو پرنس جارج کو ابھی کم سن ہیں مگر چشم بد دور اپنی صفات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سبب رعایا کے دلوں کو مسخر کر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر ملک کی اس خاص بحری خدمت کی انجام دہی میں صرف کی ہے جس پر ان کے اہل وطن کو بجا ناز ہے"

حضور ملکہ معظمہ کا اعلان

چوں کہ ملکہ معظمہ نے اپنے پیارے پوتے کی شادی خانہ آبادی پر رعایا برایا کا سچا جوشش اور خوش عقیدتی کو بہت بڑھا ہوا پایا آپ نے مراحم خسروانہ سے یہ فرمان عطوفت نشان صادر فرمایا:۔

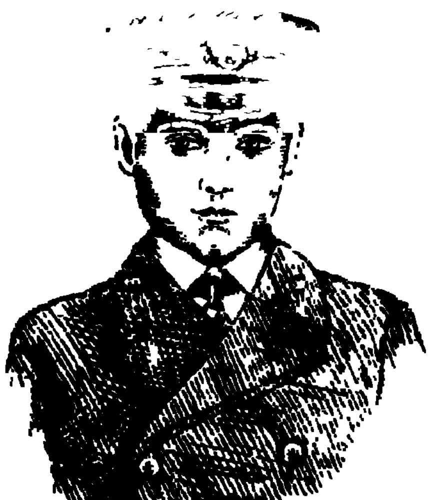
"مابدولت اپنی رعایا کے اس جوش مسرت کے اظہار پر ازحد خوش ہیں جو انھوں نے ہمارے پوتے کی شادی کے موقع پر ظاہر کی ہے۔ واقعی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیوں کہ ہماری رعایا ہماری شادی وغم میں سچی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مابدولت اپنی رعایا کی ہمدردی سے بخوبی آگاہ ہیں کیوں کہ ایسا رشتۂ اتحاد جو رعایا اور شاہ کے مابین ہوتا ہے استحکام سلطنت کا باعث ہوتا ہے۔ حضور مابدولت اپنی رعایا کی اس دعا میں تہ دل سے شریک ہیں کہ جو ہمارے پیارے شہزادوں کی خوشی اور سلامتی کے لیئے وہ منا رہے ہیں"

پانچ بجے شام کے قریب ایک چواسپہ گاڑی میں دولہا اور دلہن سوار ہو کر سینڈرنگھم کو روانہ ہوئے اور سارے رستے ان پر پھولوں کی بچھاور ہوتی رہی۔ کیمبرج میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کیا گیا۔ آپ کو جس قدر خطاب ملے ان کے ساتھ کوئی نقدی عطیات نہ تھے سوا ئے ڈیوک آف کارنوال کے کہ اس کی نو لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی۔

آپ کی بیگم صاحبہ کا بھی نو لاکھ وظیفہ مقرر کیا گیا۔

اولاد

(۱) پرنس ایڈورڈ البرٹ کرسچن جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ
پرنس آف ویلز ولادت
۲۳ جون ۱۸۹۴ء (۲) البرٹ
فریڈرک آرتھر جارج پیدائش ۱۴ دسمبر ۱۸۹۵ء
(۳) وکٹوریا الگزینڈرا ایلس میری پرنسس میری
ولادت ۲۵ اپریل ۱۸۹۷ء (۴)
ہنری ولیم فریڈرک البرٹ پیدائش
۳۱ مارچ ۱۹۰۰ء (۵) جارج ایڈورڈ
الگزینڈر ایڈمنڈ۔ ولادت ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء
(۶) جان چارلس فرینسس ولادت
۱۲ جولائی ۱۹۰۵ء وفات ۱۹۱۹ء



شہزادۂ ویلز

شادی سے ولی عہدی تک

۱۸۹۷ء میں آپ مع اپنی بیگم صاحبہ کے سرکاری طور پر آئرلینڈ تشریف لے گئے

گورنمنٹ ہوس میں جہاں آپ ٹھیرے تھے آئرلینڈ والوں نے ایڈریس پیش کیا بڑی شاندار دعوت ہوئی۔ آپ کوئی ایک ہفتے تک ڈبلن دارالخلافہ آئرلینڈ میں تشریف فرما رہے اور مختلف مقامات کی سیر فرمائی اور مناسب تقریریں کیں۔ پھر ۱۸۹۹ء اور ۱۹۱۱ء میں پرایوٹ طور پر آئرلینڈ کی سیر کو تشریف لے گئے بیسویں صدی کے شروع میں بحر ہند وغیرہ کی نوآبادیوں میں سلطنت کے اعلیٰ تعلقات کے متعلق بالکل نئی تحریکیں شروع ہوئیں دور دور کے علاقوں سے جنرل گارڈن کی مدد اور خرطوم کی واپسی کے لیئے فوجیں آئیں جن میں نہ صرف آئرلینڈ اور کینیڈین ہی شامل تھے بلکہ نیوزیلینڈ۔ لنکا۔ طسمانیہ اور سنگاپور کی پلٹنیں بھی شریک تھیں چنانچہ ان نوآبادیوں کے لوگوں نے اپنی وفاداری اور نمک حلالی کے صلے میں پارلیمنٹ ملنے کی

خواہش کی یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو کوئین وکٹوریا نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور اعلان فرمادیا کہ جزائر نیو ساؤتھ ویلز وکٹوریا جنوبی و غربی آسٹریلیا۔ کوئینز لینڈ اور طسمانیہ کو حکومت متحدہ آسٹریلین کامن ویلتھ کے نام سے عطا کی جائے جس کے افتتاح کے لیئے پرنس جارج ڈیوک آف یارک مقرر ہوئے لیکن اسی اثناء میں کوئین وکٹوریا کی وفات کا سانحہ پیش آیا اور خیال ہوا کہ اب شاید پرنس نہ جاسکیں لیکن آخر کار یہی بات ٹھیری کہ ملکۂ آنجہانی کے فرمان کی تعمیل ہونی چاہیئے اور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے عنان حکومت اپنے دست قدرت میں لیتے ہی ارشاد فرمایا کہ "مابدولت کو اگرچہ اس زمانے میں اپنے لخت جگر کی جدائی شاق ہوگی مگر اس خیال سے کہ والدۂ مکرمہ کی خواہشات کی تکمیل ہونی چاہیئے اور چونکہ انھیں اور ان کے ساتھ مابدولت کو بھی اپنی رعایائے آنروے بحور سے خاص دل آویزی ہے اس لیئے ہم نے قرار دیا ہے کہ آسٹریلیا کا دورہ موقوف نہ ہو بلکہ اس میں نیوزیلینڈ کا دورہ بھی شامل ہو" پرنس کی روانگی کے لیئے اوفر نامی جہاز آراستہ و پیراستہ کیا گیا جس میں چھاپے خانہ۔ لائبریری اور شفا خانہ بھی تھا چھوٹے بڑے افسر ملا کر سوا پانسو ہمراہی تھے۔ ۱۶ مارچ سنہ ۱۹۰۱ء کو پرنس مع اپنی بیگم صاحبہ کے روانہ ہوئے۔ ۲۰ مارچ کو جبرالٹر میں پہنچے وہاں کے گورنر نے بڑا اہتمام کیا جبرالٹر سے مالٹا اور مالٹا سے عدن پہنچے جہاں پانچ میل تک سڑک کے دورویہ آرائش کی گئی تھی مختلف مقامات کے عرب سردار سومالی لینڈ کے حکام اور افواج استقبال کے لیئے موجود تھے مختلف سلطنتوں کے جہازوں سٹیمروں پر ویلکم (خوش آمدید) کے پھریرے اڑ رہے تھے۔ اوفر کے پہنچتے ہی (۳۱) توپوں کی سلامی ہوئی۔ عدن میں آپ نے آتش خیز پہاڑی چشموں اور تالابوں کی سیر کے بعد شہر کے مشہور مقامات ملاحظہ کیئے جس کے بعد سر اے جے سی ولسن نے ایڈریس پیش کیا اور پرنس کی طرف سے اکابر اور حکام کو دعوت دی گئی یہاں سے سیلون روانہ ہوئے۔ کولمبو پہنچتے پر سنگھالیوں نے ایڈریس پیش کیا مختلف مقامات کے ملاحظہ کے

منعقد دربار عام ہوا جس میں والیان ریاستہائے سیلون نے اطاعت و فرماں برداری
کا اظہار کیا عرابی پاشا جو بطور اسیر سلطانی یہاں تھے وہ بھی باریاب ہوئے جن کو
معاف فرما کر اپنے وطن مالوف بھجوا دیا سنگاپور میں سلاطین ملایا سے ملاقات
ہوئی سنگاپور کے گرد کے جزائر کی بھی سیر فرمائی ۔ ۶ مئی کو آپ کا جہاز ملبورن
کے بندر پر لنگر انداز ہوا جہاں آسٹریلیا کے چار جہازوں نے سلامی دی اور (۲۵)
ہزار لڑکوں نے جو سمندر کے کنارے جمع تھے ہپ ہپ ہرا کے نعرے لگائے
اس موقع پر بے حد مجمع تھا اور گرد و نواح سے پونے چار لاکھ آدمی سمٹ آئے
تھے ۔ شاہی سواری کا بڑا بھاری جلوس نکلا ایک بڑا سلسلہ فوج اور نفیس گاڑیوں کا
تھا شہزادے مع خاتون محترمہ کے ایک پر تکلف گاڑی میں سوار تھے آپ کے پیچھے
بہت سی گاڑیاں تھیں ۔ جلوس کے دوسرے دن نمائش گاہ والے مکان میں دربار
لیوی ہوا لارڈ ہوپ ٹون گورنر جنرل نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں
شہزادے نے فرمایا ۔ " اگرچہ جدہ ماجدہ کی زندگی میں ہی میرا یہاں آکر پارلیمنٹ کا افتتاح
کرنا قرار پا چکا تھا مگر ان کے فوری انتقال پرملال سے سب کو یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید
میرا یہاں آنا ملتوی رہے لیکن والد مکرم نے اس فرمان کو پورا کرنے کا اعلان اپنی پہلی سپیچ
میں فرمایا ۔ جنگ ٹرنسوال میں جس قدر امداد آسٹریلیا کے بہادروں نے دی وہ
ابدالآباد تک بھولنے والی نہیں ۔ آسٹریلیا تاج برطانیہ کا ایک درخشندہ جواہر ہے ۔ اس
کی سرسبزی میں گورنمنٹ انگریزی کی سرسبزی ہے اور اس کی بہتری و خوشی ہمیشہ فرماں
روائے تخت برطانیہ کو ملحوظ خاطر ہے ۔ اب میں والد مکرم کی طرف سے اس امر کا اظہار ضروری
سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو جنگ ٹرنسوال میں ہمدردی کی وجہ سے میں آپ کو
متحدہ کامن ویلتھ دینے کا اعلان کرتا ہوں تاکہ جو اختیارات اس پارلیمنٹ کو حاصل ہوں انہیں
عمل میں لانے میں تاج برطانیہ کی خیر خواہی اور ارادت مندی کو ترقی ہو اور آخیر میں ہم
احکم الحاکمین خداوند عالم و عالمیاں سے دعا کرتے ہیں کہ یہ اتحاد جو آسٹریلیا اور گورنمنٹ
انگلشیہ کے مابین قائم ہوا ہے ۔ رعایائے آسٹریلیا کی ترقی اور بہبودی کے حق میں اور بھی
مفید ثابت ہو اور اس گورنمنٹ عالیہ کو اور بھی قوت اور استحکام حاصل ہو ۔" پھر
کوئینز لینڈ ۔ نیو ساؤتھ ویلز کے صدر مقامات کے دورے کے بعد جزائر

ماریشس۔ جاوا۔ نیوزیلینڈ۔ کیوبک۔ طسمانیہ وغیرہ دیکھے جنوبی ... سے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے راستے میں جزیرہ ماریشس میں ... روز مقام رہا۔ ۱۳ر اگست کو ڈربن پہونچ کر سرکاری فوج کا ملاحظہ کیا جس میں لارڈ ... بھی شریک تھے۔ زولو قوم کے پچپن سرداروں نے سلامی دی چوں کہ بوئر ... سے جنگ چھڑے تھوڑے ہی دن گزرے تھے اس لیئے درباری تقریر میں آپ نے فرمایا۔ "خدا کرے زمانہ جو بڑے بڑے غموں کو بھلا دینے والا ہے یہاں کے باشندوں کو بھی کامل صبر عطا فرمائے اور یہ ملک جلد ان مصائب سے نجات پائے۔ سرداران حبش کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا۔ "ہماری دادی صاحبہ اں جہانی کو محبت اپنی رعایا سے تھی والد مکرم بھی اُسے بوجہ احسن قایم رکھیں گے اُنھوں نے اپنی والدہ محترمہ کا برتاؤ رعایا سے دیکھا ہے ان شاء اللہ اُن کے قدم بقدم چلیں گے اور اُنھیں کی مثال کا نمونہ بنا کر حبش کی رعایا پر خاص توجہ مبذول فرمائیں گے۔ کیپ ٹون کے لڑکوں کی دعوت ہوئی اُنھوں نے بڑے خلوص سے ایک فوٹو آپ کو نذر دیا "یہ ناچیز تحفہ اپنے شہزادے پرنس ایڈی (موجودہ ولی عہد ملک معظم جارج پنجم) کر لئے قبول فرمایئے" یہاں کی یونیورسٹی نے آپ کو چانسلر مقرر کیا۔ یہاں آپ کینیڈا گئے جہاں لارڈ منٹو گورنر جنرل تھے (جو ہندوستان میں بھی سنہ ۱۹۰۵ء تک گورنر جنرل رہے) اس نوآبادی کے دار الصدر کیوبک نے بھی ایڈریس دیا اور یہاں کی مشہور یونیورسٹی نے آپ کو ایل ایل ڈی کی ڈگری دی۔ مشہور تاریخی مقامات کی سیاحت کے بعد اٹاوہ یونیورسٹی اور دیگر درس گاہوں کو ملاحظہ فرمایا پھر ونکوور اور وکٹوریا دیکھنے کے بعد اس لمبے سفر کا خاتمہ ہوا۔ واپسی کے وقت آپ ٹارنٹو۔ آبشار نیاگرا دیکھ کر ہنگٹن ہو کر سینٹ لارنس پونہچے۔ ۱۹ اکتوبر کو ہیلی فیکس اور ۲۱ر کو نیو فونڈلینڈ ہوتے ہوئے مع الخیر والعافیت وطن میں داخل ہوئے۔ چوں کہ ۹ر نومبر سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ کی عدم موجودگی میں آپ کو باقاعدہ طور پر ولی عہد اور ارل آف چیسٹر مقرر کیا گیا تھا اس لیئے لندن کی تشریف آوری پر آپ کا جلوس شاہی حیثیت سے بڑی دھوم دھام سے نکلا۔ سفر سے واپسی پر گلڈ ہال میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا اسپیچ فرمائی جس میں سفر کے تجربات بتا کر فرمایا

... آپ ... ۱۹۰۱ء ... اور ... جاپان ... جب ...
... کی قاعدہ ... کیفیت مفصل بیان فرمانے کے بعد آخر میں یہ فرمایا کہ " اگر ... انگلستان کے کاریگران لوگوں کی ضرورت کے مطابق مال تیار کریں اور ... ہندیوں کو ہاتھ میں رکھیں تو معقول فائدے اٹھا سکتے ہیں " اس کے بعد آپ چند سال وطن میں رہے۔ اگرچہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ سلطنت کے ان حصوں کو دیکھیں جو باقی رہ گئے ہیں لیکن ملک معظم کی ناگہانی علالت کی وجہ سے جشن تاج پوشی رک گیا تو ایسی نازک حالت میں آپ کیسے جا سکتے تھے۔

ولی عہد کی حیثیت سے ہندوستان کی سیاحت

جب آپ تاج پوشی کے دربار پر باضابطہ ولی عہد مقرر ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے خواہش ظاہر فرمائی کہ آپ ہندوستان جا کر دیکھیں چنانچہ لارڈ کرزن وائسرائے نے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کی دربار تاجپوشی کی سپیچ میں اس بات کا اعلان فرما دیا تھا۔ ملک معظم نے اواخر ۱۹۰۵ء آپ کی سیاحت کا وقت مقرر فرمایا اور یہ بھی مژدہ اہل ہند کو سنایا کہ آپ کی لیڈی صاحبہ بھی ساتھ ہوں گی۔ رینئون نامی جہاز جس میں ڈیوک آف کناٹ ہندوستان تشریف لائے تھے وہی آپ کے لیے آراستہ کیا گیا جس میں کھانے، سونے، نشست، ناچ، ہسپتال، لیبرری اور دیگر ضروریات کے کمرے جدا جدا سجائے گئے۔ آپ کے مصاحبین میں سر والٹر لارنس اور کئی نامور اصحاب تھے اور اسی طرح لیڈی صاحبہ کے ساتھ چند نامور لیڈیاں تھیں۔ ملک معظم نے آپ کی سیاحت کا تفصیلی پروگرام اپنی ذاتی نگرانی میں مرتب فرما دیا تھا اور یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ کوئی تحفہ قبول نہ کریں گے البتہ میونسپلٹیوں اور دیگر جماعتوں کے ایڈریس مع کاسکٹ (صندوقچی) کے منظور فرمائیں گے۔
۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا جہاز مع خدم و حشم کے سہ پہر کے وقت بندرگاہ بمبئی میں پہنچا۔ لارڈ اور لیڈی کرزن استقبال کے لیے موجود تھے۔ آنریبل سر فیروز شاہ مہتہ نے کارپوریشن کی طرف سے مبارک باد کا ایڈریس پڑھا جس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ شہنشاہ بیگم شاہی خاندان کی پہلی لیڈی ہیں جنھوں نے سرزمین ہند ...

ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا۔ ولی عہد بہادر نے جواب میں کوئی بیس برس ہوئے ہوں گے جب کہ والد مکرم نے اس جگہ تقریر فرمائی تھی۔ اگرچہ اُن کی سیاحت کا زمانہ مثل خواب ہی مگر وہ اس کو فراموش نہیں کر سکے وہی اشتیاق مجھے بھی کشاں کشاں لایا ہی اور میں تہِ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہی۔ والد مکرم کے قدم بقدم چلنے سے اس بارے میں ہم پرانی روایات کو مستحکم کر دیا ہی اور مجھے اُمید ہی کہ ہماری آیندہ نسلیں بھی اس کی تقلید کریں گی۔ میں نے پدر بزرگوار اور جدۂ ماجدہ سے ہندوستان اور ہندوستان والوں سے محبت ترکہ میں پائی ہی اور ایام طفولیت سے ہندوستان کے ساتھ مہربانی شفقت خوش اخلاقی اور بہادری کو منسوب کرتے آئے ہیں اور ہم بوثوق کہتے ہیں کہ یہ ابتدائی خیالات آیندہ چند ماہ کے تجربے سے اور مضبوط ہو جائیں گے۔"

بمبئی میں شاندار جلوس کے علاوہ پبلک نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ والیان ریاست ہندو مسلمان پارسی جنٹلمینوں سے ملاقاتیں کیں۔ کئی ملوں (بتیلی گھر) اور خاص خاص حرفتی کارخانوں کو ملاحظہ فرمایا ایک عالی شان دربار میں شرکت فرمائی اور چھ روز کے قیام کے بعد اندور تشریف لے گئے یہاں سرکار عالیہ بیگم صاحبہ بھوپال مہاراجہ صاحبان ریوال۔ اور چھا۔ دیتا۔ چرکھاری سے ملاقات فرمائی اور ایک شاندار دربار میں ان والیان کو تمغے پہنائے جو ملک معظم نے بھجوائے تھے۔ رزیڈنسی میں ایک گارڈن پارٹی ہوئی جس میں مہاراجہ دیتا کے ایک ہاتھی نے خوب خوب کرتب دکھائے۔ شام کو غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ ملکر کے رسالے اور بھوپال کے لانسرز کی قواعد بہت پسند آئی۔ ملک معظم کی یادگار میں کنگ ایڈورڈ ہال کو افتتاح فرمایا۔ اودی پور میں آپ نے زرہ بکتر والے بہادر سپاہی اور قیس گھوڑوں سانڈنیوں اور ہاتھیوں پر سوار ملاحظہ فرمائے ہز ہائنس کی صرف ایک ہی رانی سن کر اور نیز اُن کی قادر نشانہ بازی پر تحسین و آفرین کی۔ یہیں خورد سال ٹھاکر صاحب بیدلا بھی باریاب ہوئے جو وہی تلوار لگائے ہوئے تھے جو اُن کے والد کو غدر کی وفاداری خدمات کے صلے میں ملی تھی۔ اودے پور کی جھیل کا نظارہ بہت پسند آیا جے پور تشریف فرمائیں مہاراجہ صاحب بہادر کو ولایت میں شرف باریابی حاصل ہو چکا تھا یہاں شاہی دعوت

کے علاوہ شیر کا شکار بھی ہوا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں انڈین ومن ریلیف فنڈ میں عطیہ سابقہ کے علاوہ تین لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔ مہاراجہ نے اپنی تلوار نکال کر آپ کے قدموں پر رکھ دی۔ بیکانیر یہاں کے مہاراجہ صاحب کو بھی ولایت سے نیاز حاصل تھا۔ پُرجوش استقبال ہوا۔ جنگلی کبوتروں اور سور کا شکار رہا۔ آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنی فوج کا بقیہ نصف حصہ بھی امپیریل سروس میں دے دیا۔ شاہزادے صاحب نے بیکانیر کیمل کور کی تعریف فرمائی۔ لاہور یہاں لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور دیگر حکام کے علاوہ والیان ریاست ہائے کشمیر۔ پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ نابھہ۔ کپورتھلہ۔ منڈی۔ سرمور۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ۔ چمبہ۔ سکیت وغیرہ استقبال میں شریک تھے۔ سارا شہر آراستہ تھا۔ میونسپلٹی اور پنجاب ایسوسی ایشن کی طرف سے ایڈریس پیش ہوئے۔ شہر میں بھی جلوس نکلا۔ والیان ریاست اور بعض معززین کو شرف باریابی دیا گیا۔ چھاؤنی میاں میر میں فوجی قواعد ملاحظہ فرمائی جس میں ریاستوں کی فوجیں شامل تھیں۔ لاہور سے چار روزہ قیام کے بعد پشاور کا نمبر آیا۔ یہاں تمام سرحدی رؤسا و قبائل حاضر تھے۔ آپ نے درۂ خیبر۔ لنڈی کوتل۔ علی مسجد وغیرہ سرحدی مقامات کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ آفریدی جرگوں نے نہایت خلوص و عقیدت سے عرض کیا کہ ہمارے سر اور ہماری جائدادیں حضور پر نثار ہیں اور اپنے دستور کے موافق شہد کے چھتے اور بھیڑیں نذر دیں۔ راولپنڈی میں لارڈ کچنر کمانڈر انچیف نے آپ کو (۲۵) ہزار فوج کی مشقی جنگ دکھلائی۔ جموں میں بڑی دھوم دھام رہی دعوت اور روشنی بڑی پُر لطف تھی۔ آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں پرنس آف ویلز کالج قائم ہوا۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ آپ نے چار ہزار امپیریل سروس ٹروپس کا ملاحظہ فرمایا۔ امرتسر میں دربار صاحب کا مشہور سنہری مندر اور خالصہ کالج ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس قبول فرمایا جس کیسکٹ میں ایڈریس تھا اُس پر دربار صاحب کا نہایت خوبصورت نقشہ کندہ تھا۔ دہلی۔ تاریخی مقام ہے۔ قلعہ۔ قطب صاحب کی لاٹ۔ ہمایوں اور

صفدر جنگ کے مقبرے، جامع مسجد وغیرہ کی یادگاریں بھی دیکھیں [illegible]
ہندو راؤ کا مکان سب جنھیں ملاحظہ ایڈریس سے گزر کر مقامی تحفے بھی
بار یاب ہوئے۔ آگرہ۔ بڑی چیز تاج گنج اور دوسری مشہور عمارتیں مثل قلعہ
و مقبرہ اعتماد الدولہ سکندرہ وغیرہ ملاحظہ ہوئیں اور ملکہ وکٹوریا کے سنگی مجسمہ کا
افتتاح فرمایا۔ ۲۰ دسمبر گوالیار۔ یہاں کے مہاراجہ سے بھی آپ کی پہلی ملاقات تھی
آپ نے ایک بہت بڑا نادر جلوس ہاتھیوں کا نکالا۔ ہاتھیوں کے ہودے پہلی سنہری
ہودے اور عماریاں اور اُن کی سجاوٹ اور جھلمل جھلمل کرتی ہوئی جھولیں نے کچھ
عجیب کروفر اور ایک نادر نظارہ تھا۔ دوسرے دن دربار میں ہز ہائینس تعظیماً
اپنی مسند سے نیچے اتر آئے۔ فوجی قواعد دکھلائی اور اس حسن خوبی سے کام کیا کہ
لوگ دنگ رہ گئے۔ ریاست کے دو عمدہ کالج دکھلائے پھر شکار ہوا جس میں
آپ نے ایک شیر مارا۔ بڑا دن بھی یہیں ہوا۔ شب میں بڑی بھاری دعوت ہوئی
لکھنؤ میں سر جیمیس لاٹوش لفٹنٹ گورنر نے مع تعلقہ دار صاحبان اودھ
استقبال کیا۔ بڑا بھاری جلوس نکالا گیا جس کے بعد ریذیڈنسی اور دیگر مشہور عمارات
کا ملاحظہ ہوا اور تعلقہ دار صاحبوں کا ایڈریس قبول فرمایا۔ یہاں آپ نے شاہ مینا
کے میدان میں میڈیکل کالج کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا
جو تعلقہ داران اودھ نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں قایم کرنا تجویز کیا
تھا اور جس کے لیے سر ہارکورٹ بٹلر جیوڈیشل سکریٹری موجودہ لفٹنٹ گورنر
بہادر نے بڑی سعی فرمائی اور تعلقہ دار صاحبان اودھ کی دریا دلی سے بارہ لاکھ
روپیے کی خطیر رقم ایک قلیل عرصے میں جمع ہو گئی۔ اس چندے میں بڑی بھاری
بھاری رقمیں راجہ سر تصدق رسول خاں۔ راجہ سر علی محمد خاں محمود آباد اور مہاراجہ
صاحب بلرام پور کی تھیں۔ ۲۹ دسمبر سے ۶ جنوری تک کلکتہ مقام رہا۔ لارڈ منٹو
گورنر جنرل نے مراسم استقبال کے ساتھ ایک ایڈریس پیش کیا۔ امپیریل
کیڈٹ کور کے ممبروں کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ گورنمنٹ ہوس میں
ایک دربار لیوی بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا جس میں بڑے بڑے مقامی لوگ حاضر
تھے حضور نے کنگز اون رجمنٹ کو جھنڈے تقسیم فرمائے۔ گھوڑ دوڑ

ملاحظہ فرمائی۔ یکم جنوری ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میدان میں بڑی بھاری پریڈ ہوئی اور دوسرے
اسی میدان میں ہندوستانیوں کے کھیل تماشے اور جلسے ہوئے۔ کلکتہ کے صوبہ
کے رؤسا کے علاوہ تبت کے تاشی لامہ۔ بھوٹان اور سکم کے رؤسا
بھی موجود تھے۔ وکٹوریا میموریل ہال کا سنگ بنیادی رکھتے وقت
حضور نے ارشاد فرمایا "ہم یہاں آج ایک بہت بڑے رنج و محنت کی یادگار قایم کرنے کے لیئے جمع ہوئے ہیں۔ اس وسیع
اور دلفریب ملک میں مجھکو اور میری بیگم کو قریباً ہر روز اس بات کا ثبوت ملتا رہا کہ ہندوستان نے کس وسیع طریق پر اپنی
اول ملکہ قیصرہ کی محبت کا جواب دیا ہے۔ اس عجیب و غریب طریقہ اظہار شکر گزاری نے
ہمارے لیئے ایک لازمی طور کے فخر اور گرم جوشانہ امیدوں کو پیدا کر دیا ہے۔ تاج محل
جس نے ہم کو مسرور و مفتون کر دیا اپنی خوبیوں میں آپ ہی نظیر ہے لیکن آیندہ نسلوں
کے زمانے میں ایک بہت بڑی ملکہ کی یادگار جس کی ہمدردی نے فاصلے اور وسعت
کی دیواریں توڑ دیں ایک مورخ کے دل میں ویسے ہی خیالات پیدا کر دے گی جو تاج محل
کو دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں"
مہاراجہ سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ نے شہزادہ والا جاہ کے حضور
میں ایک لاکھ روپیہ کی گراں قدر رقم اس غرض سے پیش کی تھی کہ حضور جس کار خیر
میں پسند فرمائیں اسے لگا دیں۔ اس میں سے نوے ہزار روپیئے آپ نے میڈیکل کالج
کو مرحمت فرمائے۔ کلکتہ سے دارجلنگ دیکھ کر ۹ جنوری کو آپ بارک پور میں رہے
اور برمھا جاتے جاتے دو دن رنگون میں اقامت فرمائی۔ مانڈلے میں آپ نے
ہاتھیوں کے جنگل سے بڑی بڑی شہتیریں لالے ان کے اٹھا لے اور چڑھانے کے
عجیب و غریب کام دیکھے کہ حضرت انسان بھی حیوانات کو کس طرح سدھا کر اپنے قابو
میں کر لیتے اور کس خوبی سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ مانڈلے جو ہزار مندروں کے لیئے
مشہور ہے یہاں کے مشہور شوے ڈیگن اور ارکان کے مندر حضور نے ملاحظہ
فرمائے۔ یہاں کی جھیلوں اور دلدلوں میں لبلون کا شکار ہوا۔ مدراس۔ یہاں کے
گورنر لارڈ امپتھل نے مع والیان ریاست کے استقبال فرمایا۔ گونڈز (ایک جنگلی قوم)
لوگوں کا عجیب و غریب ناچ آپ کو ملاحظہ کرایا گیا۔ شاہی دعوت۔ جلوس اور روشنی
سب قابل دید تھی۔ میسور۔ دعوت ہوئی ٹکنیکل کالج سرنگاپٹن میں حیدر علی خاں

اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ ملاحظہ فرمایا اور ہاتھیوں کی گرفتاری کا تماشہ جو کھیدا کہلاتا
ہے اور بڑی بہار کا تماشہ ہے دیکھا۔ ۸ فروری کو حیدرآباد دکن ہندوستان کی سب
سے بڑی ریاست میں قدم رنجہ فرمایا۔ ریلوے سٹیشن پر حضور پر نور اعلیٰ حضرت
بندگان عالی متعالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور نے بہ نفس
نفیس استقبال فرمایا۔ جلوس سے سواری آئی دوسرے دن صبح سویرے
سکندرآباد میں جو بڑی فوجی چھاؤنی ہے پریڈ ہوئی جس میں کوئینز اون رجمنٹ
کو جھنڈے تقسیم کیئے گئے۔ حضور پر نور باوجود اپنی صاحبزادی کی سخت علالت کے
نہایت استقلال سے شریک رہے اور وہیں آپ کو خبر انتقال کی بھی پہنچی مگر آپ نے
ایسا ضبط کیا کہ ذرا بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ شاہزادے کی مہمان داری کا انتظام بڑے اعلیٰ
پیمانے پر تھا گو حضور پر نور کو اپنی بڑی صاحبزادی کی جواں مرگی کا سخت صدمہ تھا مگر آپ نے
فرمایا کہ سارے لوازمہ مہمان داری کے پوری طرح ادا کیئے جائیں۔ گو ساری تقاریب
حسب پروگرام ہوئیں مگر اداسی چھا گئی تھی۔ جب شاہزادے کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے
بڑا افسوس کیا اور گہری ہمدردی کا اظہار فرمایا اور شہزادی صاحبہ محل میں تعزیت کو تشریف
لے گئیں۔ چوں کہ راقم بھی ان تقاریب میں حاضر تھا مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہزادہ
والاجاہ نے رزیڈنٹ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے ہم کو صاحبزادی صاحبہ
کی ایسی شدید علالت کی اطلاع نہیں دی ورنہ ہم اس موقع پر اپنا آنا ملتوی کر دیتے۔
شکار بھی ہوا جس میں آپ نے ایک شیرنی۔ دو چیتے اور ایک تیندوا مارا۔ وکٹوریا
زنانہ ہاسپٹل کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا۔ ۱۷ فروری کو سواری بادبہاری
الور آئی یہاں بھی پورا پورا انتظام تھا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے اور دعوت ہوئی۔
بنارس میں شاندار جلوس نکلا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے۔ گنگا میں روشنی کی
بڑی بہار رہی۔ جن بہادر گورکھوں نے کانگڑے کے زلزلے میں نمایاں خدمات کی تھیں
اُن کو تمغے مرحمت ہوئے۔ ہندو کالج کا ملاحظہ ہوا۔ مسز اینی بسنٹ
کے ہال میں چائے نوشی فرمائی۔ بنارس کے بعد نیپال کا قصد کیا مگر وہاں ہیضہ
پھوٹ پڑنے سے ملتوی رہا اور بجائے اس کے دوبارہ گوالیار میں دو ہفتے تک آپ
مصروف سیر و شکار رہے جہاں راجہ صاحب بہادر نے جنگلات میں کافی انتظام فرمایا۔

۸ مارچ کو آپ محمڈن کالج علی گڑھ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ میں تشریف لے گئے ہز ہائنس سر آغا خاں اور نواب محسن الملک بہادر مع ٹرسٹیوں اور معززین کے استقبال کیا۔ آپ نے کالج کو بڑے شوق سے ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس بھی قبول کیا اور سر سید علیہ الرحمہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بعد میں تمام ٹرسٹیان کالج کے ساتھ لنچ تناول فرما کر عزت افزائی کی۔ شملہ کی سیر فرمائی۔ ۱۲ مارچ کو کوئٹہ تشریف لے گئے جہاں سرحدی سرداروں نے آپ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ خان قلات اور جام لسبیلا سے بھی ملاقات کی۔

سیاحت ہند بخیر و خوبی ختم فرما کر ۱۸ مارچ کو آپ کراچی میں داخل ہوئے یہاں آپ نے کوئین وکٹوریا کے سنگ مرمر کے مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ بلوچی رجمنٹ نمبر (۱۳۰) کا ملاحظہ فرمایا جس کے کرنل خود بدولت ہی ہیں اور حسب حکم شاہی کے مطابق خطابات اور تمغے مرحمت فرمائے اس تمام سفر میں مہاراجہ کرنیل سر پرتاب سنگھ بہادر مہاراجہ ایدر آپ کے ہمراہ تھے جو یہاں سے رخصت ہوئے۔ علی گڑھ ہندو اور خالصہ کالجوں میں آپ نے اپنی تصاویر کو اپنے دستخط سے مزین فرما کر بطور یادگار دیں اور ہر جگہ کے معابد گاہوں میں معقول چندے بھی چڑھائے۔ ۱۹ مارچ کو آپ کراچی سے اسی جہاز میں جس میں کہ تشریف لائے تھے روانہ ہوئے۔ کراچی سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی۔

"جو لوگ میدانی ملکوں کی سخت تکلیف رساں آب و ہوا میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ہم نے اُن کی حالتوں کو فراموش نہیں کیا۔ ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ قحط کے دنوں میں صابر اور محنتی کاشتکاروں پر کیا کیا گزرتی ہے۔" راستے میں مصر دیکھتے ہوئے پورٹسمتھ کی بندرگاہ پر رونق افروز ہوئے وہاں آپ کے صاحبزادے اپنے والدین سے ملنے کے لیے موجود تھے۔ لندن پہنچے تو بڑا بھاری استقبال ہوا وزیر ہند، وزیر اعظم لارڈ کرزن کے علاوہ حضور ملک معظم مع ملکہ الگزینڈرا موجود تھے۔ بخیر و خوبی سفر ختم ہونے پر ویسٹ منسٹر ایبی میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ آپ کی مع الخیر واپسی پر گلڈ ہال میں ایک بڑی پر تکلف دعوت دی گئی جس میں بڑے بڑے امرائے انگلستان کے علاوہ چیدہ ہندوستانی معززین بھی موجود تھے۔ آپ نے ایک بہت بڑی اسپیچ اس سفر کے متعلق دی جس کا اقتباس یہ ہے۔

وہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس ہندوستان کے سفر کا میرے دل پر کیا اثر ہوا تو میں فوراً یہ جواب دوں گا کہ ہندوستان کی سیر کو جب ہم لوگ جاتے ہیں تو اس کی وسعت کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ اس کا رقبہ روس کو چھوڑ کر کل یورپ کے برابر ہے جس میں تیس کروڑ مختلف قوموں فرقوں اور نسلوں کے لوگ بستے ہیں جن کی شائستگی کا معیار جدا اور خیالات مختلف ہیں۔ ہندوستان کی وسعت۔ اس کی عظمت۔ اس کی مختلف آب وہوا۔ سر بفلک برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ لامتناہی ریگستان۔ بڑے بڑے دریا عظیم الشان عمارات اور قدیم روایات نے ہم کو محو حیرت بنا دیا۔ ہندوستانیوں کا صبر و استقلال۔ سیدھی سادی زندگی۔ اطاعت شعار عقیدت مندی مذہبی جوش کا خاص خاصہ ہے۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں رہی کہ ہمارے انصاف اور ایمانداری پر ہندوستانیوں کو کافی بھروسہ ہے۔ جہاں تک ہم نے ہندوستانیوں کو دیکھا اور اُن کی نسبت سُنا ہے ہم اس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر طرز حکومت میں ہمدردی کا عنصر اور بڑھا دیا جائے تو ہندوستان کی حکومت بہت ہی آسان ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی بطور پیشین گوئی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو جو معاوضہ ہندوستانیوں کی طرف سے پیش کیا جائے وہ تماصہ ہوگا۔ وہ انگریز جو ہندوستان میں حکومت کرنے کے لیئے جاتے ہیں انھیں چاہیے کہ ہندوستان جا کر خود اہل ہند کی ضروریات کو دریافت کریں اور حاکم و محکوم میں ایسا رشتۂ اتحاد قایم کریں جس سے انگلستان اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں"۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر نہ رہے اس کے بعد ہی ۲ر نومبر ۱۹۰۸ء کو پنجاہ سالہ زمان سلطنت کا اعلان شایع فرمایا (جو دوسری جگہ درج ہوا ہے) جس میں حضور ملکہ معظمہ کا مشہور فرمان ۱۸۵۷ء کا دہرایا گیا ۱۹۰۹ء میں توسیع کونسل کا قانون پاس کر کے وایسرئیگل لیجسلیٹیو کونسل میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد بڑھادی اور وایسرائے کی اگزیکیوٹو کونسل میں بھی ایک ہندوستانی کا تقرر منظور ہوا۔ سکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں بھی دو ہندوستانیوں کا شمول ہوا پریوی کونسل میں رئیٹ آنریبل سید امیر علی کو لیا گیا۔ آپ نے چلتے چلاتے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ہمیشہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو گوشۂ خاطر میں جگہ دیں گے

بادشاہوں کا قول قول ہوتا ہے آپ نے اس وعدے کو خوب نباہا حیدرآباد دکن میں جب رود موسی کی طغیانی کی بلائے بے درمان آئی تو آپ ہی نے سب سے پہلے حضور نظام کو ہمدردی کا پیام بھیجا جو معزز ہندوستانی اس کے بعد انگلستان پہنچے ان کو محل شاہی میں مدعو فرماکر اعزاز باریابی بخشا چنانچہ والیان ریاست اور رؤسا کے علاوہ قابل ترین آدمیوں میں سے بھی آنریبل مسٹر گوکھلے کو بھی اپنے محل خاص میں کھانے پر مدعو فرماکر سرفراز فرمایا۔

سیاحت ہند کے بعد کچھ عرصے تک آپ وطن میں رہے۔ ۱۹۰۶ء میں آپ اپنی چچیری بہن یوجین وکٹوریا آف بیٹن برگ کی شادی کی تقریب میں سپین تشریف لے گئے۔ جب دولہا دلہن گرجا سے واپس آرہے تھے اور ان کے بعد کی گاڑی میں آپ تھے کسی نے دونوں گاڑیوں کے بیچوں بیچ تاک کر بم پھینکا مگر فضل خدا شامل حال تھا کسی کو صدمہ نہ پہنچا البتہ چند ادھر ادھر کے آدمی قربان ہوگئے ہوگئے۔ پھر آپ اپنے بہنوئی پرنس چارلس آف ڈنمارک کے ناروے کے بادشاہ ہونے پر تاجپوشی کی تقریب میں مع بیگم صاحبہ کے تشریف لے گئے تھے کچھ عرصہ بعد بطور نایب ملک معظم کیوبک اور کینیڈا کے ٹرمینٹری تہوار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک عظیم الشان فوج کا ایبرہام کی بلندیوں سے ملاحظہ فرمایا۔ ۱۹۰۹ء میں اپنی ذات جاگیر کارنوال کا موٹر پر پانچ دن میں دورہ کرکے کاشتکاروں سے نہایت رحم و انصاف کا برتاؤ کیا اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ میں اس کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے آرام و خوشی کا بندوبست کروں تاکہ میرے کاشتکار پہلے مجھ کو اپنا دوست سمجھیں اور بعد کو آقا مجھ کو یقین ہے کہ ان کا آرام اور خوشی میری بھی خوشی کا باعث ہوگا۔"

ذاتی حالات

بالکل بے تکلفانہ اور سادی سودی گزران کرتے ہیں کسی پر شاہی دباؤ ڈالنے کے روادار نہیں۔ امیر غریب سب سے ملتے ہیں بڑی کشادہ پیشانی اور کریمانہ اخلاق سے۔ ع۔ نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین کے پورے مصداق ہیں۔ گفتگو میں اگرچہ محتاط ہیں مگر جب تقریر کرنے لگتے ہیں تو ہو بہو نقشہ سامنے کھڑا کردیتے ہیں۔ آپ کا کلام بالکل صاف و سلیس چھوٹے چھوٹے

جلوں کا عام فہم اور بڑا پر اثر ہوتا ہے۔ ہر معاملے پر نہایت فراخ دلی اور صفائی قلب سے اظہار رائے فرماتے ہیں جس سے الجھا ہوا معاملہ بھی سلجھ جاتا ہے۔ ہمدردی اور فیاضی دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ مصائب اور حوادث میں سب سے پہلے آپ کا دست کرم بڑھتا ہے۔ ۱۸۹۷ء کے ہندوستان کے قحط اور ۱۹۰۴ء کے کانگڑے کے زلزلے میں آپ نے ہمدردی کا تار دیا اور مصیبت زدوں کے لیئے ولایت میں چندہ کھولا۔ اسی طرح ہسپتالوں محتاج خانوں اور غربا کے ہر قسم کے کاموں میں امداد دیا کرتے ہیں۔ تعلیم کے کاموں سے بھی آپ کو بڑی دلچسپی ہے چنانچہ آپ نے اپنی تاجپوشی کی یادگار میں پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی بیش قرار امداد منظور فرمائی۔ کتب تواریخ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے بھی جب کبھی آپ کو کوئی پرانا رفیق یا بحری فوج کا ملازم مل جاتا ہے تو آپ اس سے بڑے تپاک سے ملتے ہیں اور جن رئیسوں سے بزمان ولیعہدی تعارف ہو گیا تھا بادشاہ ہونے پر بڑے خلوص سے ملے چنانچہ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر بیکانیر کو پہنا اے ڈی کانگ مقرر فرمایا۔ اور منشی عبدالکریم صاحب سی آئی ای انڈین سکرٹری حضور ملکہ معظمہ کے پوتے کو خاص شرف باریابی بخشنے کے واقعات آپ کی قدما پروری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ کھیلوں میں کرکٹ۔ بلیرڈ۔ گھوڑ دوڑ۔ باکسنگ اور شکار کی طرف میلان طبع ہے پرانے ٹکٹ جمع کرنے کا آپ کو بڑا انداق ہے۔

اعلان شاہی دربارہ تقرر تاریخ تاجپوشی

جارج آر۔ آئی

جیسا کہ ہم اعلان شاہی مطبوعہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۰ء میں مع اور امور کے اپنے شاہی ارادے کا اظہار شہنشاہی دربار تاجپوشی منعقد کرنے کے متعلق کر چکے ہیں جس کے مطابق ہماری پیاری ملکہ آیندہ جون میں ویسٹ منسٹر کے گرجا میں کو میری تسلیم کی جائیں گی۔ ہم نے اس مبارک تقریب کو خداوند تعالیٰ کی برکات حضا سے منعقد کرنے کے لیئے ۲۲ جون ۱۹۱۱ء یوم پنجشنبہ قرار دیا ہے

نہیں ہم اس اعلان شاہی کے ذریعہ نہ صرف اطلاع دیتے بلکہ اس تقریب سعید پر فرائض مقرر کرتے ہوئے اپنی پیاری رعایا کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فرائض جس جس عہدے اور منزلت اور جس جس قسم کے یا جن جن لوگوں خواہ افسران ماتحتوں اور مہمانوں کے متعلق ہوں ہمارے دربار کار ونشین میں خدمات انجام دینے اور اس تقریب کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

اس موقع پر کل تین تقریبیں ہوں گی جن کے جواب وہ ڈیٹی ہوں گے اور ہر ایک شخص جس کے متعلق کسی فرض کی ادائی عائد کی گئی ہو وہ خود یا اس کے ماتحت اسے بحسن وخوبی انجام دیں ورنہ اگر بغیر عذر ور ہماری اجازت کے کسی نے کوتاہی کی تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کی بابت ہم بعد میں سوچیں گے۔

جیسا کہ ہم نے اس اعلان شاہی میں اظہار کیا ہے اور اس سے پہلے ۱۹ر جولائی کے اعلان میں ظاہر کر چکے ہیں کسی طرح بھی ہمارا ارادہ تبدیل نہ ہوگا کیوں کہ ہم اس خیال کو شاہی مرضی خیال کرکے دربار تاجپوشی کو جو وسٹ منسٹر ہال میں منعقد ہوگا ایک مسرت آمیز تقریب خیال کرتے ہیں۔ ماہدولت کی پیشگاہ سینٹ جیمس سے آج ۷ر نومبر ۱۹۱۰ء کو ماہدولت کے جلوس کے سال اول میں صادر ہوا۔ خداوند تعالیٰ حضور ملک معظم کو سلامت رکھے۔

چوں کہ جون کا مہینا موسم خوش گوار ہونے سے برس کی رانی کہلاتا ہے اس لیئے عموماً رسم تاجپوشی اسی مبارک مہینے میں کی جاتی ہے۔ جلوس کی گزرگاہوں پر آرائش اور زیبائش کا انتظام بڑے بھاری پیمانے پر کیا گیا۔ ویسٹ منسٹر ایبی میں سات ہزار مہمان جلیل القدر کی نشست کا بندوبست کیا گیا۔ تمام یورپ کے سلاطین اور سفراء کو دعوت دی گئی جن میں سے بہت سے شریک ہوئے۔ ملکہ وکٹوریا کی تاجپوشی پر ساڑھے دس لاکھ اور ایڈورڈ ہفتم کے وقت میں پونے انیس لاکھ صرف ہوئے لیکن اس دفعہ بہت بڑا اہتمام تھا اور (۲۵) لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دربار کا وقت ساڑھے نو بجے مقرر تھا مگر آٹھ بجے تک اکثر صاحبان نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے سواری مبارک تھی رونق افروز ہوئی اور ایبی کا مغربی دروازہ آپ کی آمد کے لیئے کھول دیا گیا۔ سب کا اعلیٰ ولی عہد جرمنی اور شہزادیاں آئیں جب وہ بیٹھ لیں تو بگل بجا جس کے ساتھ ہی شاہی اعلان کئے

مہمانوں کی آمد شروع ہوئی جن میں سب سے پہلے حضور ولی عہد بہادر تشریف لاکر صف اول میں متمکن ہوئے آپ کے ایک طرف ڈیوک آف کناٹ اور پرنس آرتھر اور دوسری طرف پرنسس اور پرنسس جلوہ فرما تھیں پھر آرکیسٹرا بجا اور حضور ملک معظم رونق افروز ہوتے ہی سب حاضرین سروقد مؤدب کھڑے ہوگئے بعد میں ملکہ معظمہ بڑی شان و شوکت سے تشریف لائیں۔ اس کے بعد ملک معظم اور ملکہ معظمہ منصتے پر تشریف فرما ہوئے اور مراسم تاجپوشی اصول مقررہ کے موافق ادا ہوئے جو بہت طول طویل ہیں شائقین خواہان تفصیل انگریزی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعد اختتام مراسم پھر اسی جلوس اور شان و شوکت سے جیسے کہ سواری باد بہاری رونق افروز ہوئی تھی شاہی گاڑیوں پر سوار ہو کر رعایائے مشتاق کے جم غفیر کے سلاموں کا جواب دیتے ہوئے محل بکنگھم کو تشریف لے گئے۔ شب میں بڑی بھاری دعوت محل شاہی میں ہوئی غربا کی ایک بڑی تعداد کو بھی کھانا کھلایا گیا۔ شہر میں روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ دربار سے فراغت کے بعد ہندوستانی رؤسا کی باریابی ہوئی جن میں مہاراجہ صاحب بہادر اندور، مہاراجہ صاحب بہادر بڑودہ، ٹھاکر صاحب بہادر گونڈل ٹھاکر صاحب بہادر شاہ پورہ، سر آغا خاں تھے۔ لندن کی تاجپوشی کا وہ جشن جس میں پنیا لیس لاکھ صرف ہوئے ہوں اس کا بیان پنتالیس سطروں میں کیسے سما سکتا ہے لہذا جو کچھ لکھا گیا اس کو محض ایک جھلک سمجھنا چاہیئے اس قابل دید اور پر تکلف جشن کی جس کا انصرام بڑے کروفر سے لندن میں ہوا۔ چوں کہ ملک معظم نے ملک ہندوستان میں بمقام شہر دہلی بنفس نفیس رونق افروز ہو کر اپنی تاجپوشی کی تقریب ہمایوں کا انعقاد فرمایا لہذا اس کی کیفیت حصۂ اول میں درج کی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ایسی ہولناک لڑائی میں جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ایک دوسرے کو تکا بوٹی کر رہی تھیں اس معرکۂ عظیم میں غنیم نے ہندوستان کی قابل قدر ولی وفاداری کو خوب دیکھ لیا۔ کتنی سپاہیوں کو ورغلایا مگر اس ملی۔ ہندوستانی فوج کے ہر طبقے نے یورپ۔ ایشیا اور افریقہ میں بلا تفریق ملت و مذہب خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ یورپینوں کے ساتھ ساتھ ایک جان و دو قالب ہو کر اس طرح مل مل کر حقیقی اور برادرانہ امداد کی ہے کہ بھروسا اور اعتماد کا بیمہ ہو گیا ہے

اور حضور ملک معظم کا ارشاد بہت بجا ہے کہ ہندوستانی رعایا کے خانگی اور پبلک تعلقات میں آیندہ روز بروز اتحاد اور موافقت کا عنصر غالب رہے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ جو بمشاورت اپنے دانشمند وزرا اور ارکان سلطنت کے وقتاً فوقتاً اصلاحات فرما رہے ہیں وہ ملک اور رعایا برایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گی اور ہر آنے والا ویسرائے جو سلطنت کے نظم و نسق کے بار گراں کو اپنے دوش پہ لے خداوند کریم اسے ایسی عقل سلیم اور وہ دانشمندی بخشے جس کی ضرورت ایسی ایک سلطنت کے لئے نہایت ضروری ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور نیز یہ کہ ہندوستان کی تمام مختلف قومیں اپنے بادشاہ اور حکام کو پوری وفادارانہ امداد دیں جس کے بدون کسی سلطنت کی ترقی ناممکن ہے۔ جنگ کے آغاز میں جو اعلان شاہی ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے وہ اور ۱۹۱۹ء کا وہ اعلان عطوفت نشان جو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ والیسرائے کی تجویزوں پر صادر ہوا ہے نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے:—

۱۹۱۴ء کا پیغام شاہی من جانب ملک معظم جارج پنجم

حضرت ممدوح کی بالذات حکمراں گورنمنٹوں اور رعایا کے نام

گزشتہ چند ہفتوں سے ما بدولت کی سلطنت کے کل لوگ خواہ وہ ہوم سلطنت کے ہوں یا ماوراء البحر کے یک دل اور یک جہت ہو کر اس حملے کی مقاومت اور انسداد کے لئے جو قیام سولیزیشن اور امن انسانی پر کیا گیا ہے ایسے آمادہ ہو گئے ہیں کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ یہ مصیبت ناک معرکہ میرا برپا کیا ہوا نہیں ہے۔ میری ساری پکار امن کی طرف تھی۔ میرے وزرا نے ایسے جھگڑے کو جس کو میری سلطنت سے تعلق نہ تھا ٹھنڈا کرنے اور اختلاف مٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ اگر میں ان معاہدات کے علی الرغم علیحدہ کھڑا ہو جاتا جس کی ایک فریق میری سلطنت تھی، سرزمین بلجیم ویران ہو جاتی اور اس کے شہر اجڑ جاتے۔ جب کہ فرنچ قوم کا وجود خود عین معرض خطر میں تھا تو میں گویا اپنی وقعت کو بٹہ لگاتا اور اپنی سلطنت اور نسل انسانی کی آزادی کو تباہ کرتا۔ میں خوش ہوں کہ

میری سلطنت کا جو حصہ اس فیصلے میں میرے ہم خیال ہے ہمارا شکی اہمیت۔ حکم رانوں اور لوگوں کے مواثیق کا سب سے مقدم خیال رکھنا برطانیہ عظمیٰ اور اس کی سلطنت کی ہمیشہ سے میراث رہی ہے۔ میری خود حکم ران سلطنتوں کی رعایا نے بلا شائبۂ شک ظاہر کر دیا ہے کہ وہ دل وجان سے اس اہم فیصلے سے ہم زبان ہیں جس کے اختیار کرنے کی ضرورت داعی تھی۔ ماوراالبحر کی سلطنتوں کی وفاداری اور جاں نثاری کے متعلق میرے ذاتی علم نے مجھے اس امید پر آمادہ کر دیا ہے کہ وہ بطیب خاطر بڑی کوششیں کریں گے اور بڑے نقصانات برداشت کریں گے جو معرکۂ حالیہ کے ساتھ مستلزم ہیں۔ جس طرح پورے طور پر انھوں نے اپنی خدمات اور ذرائع آمدنی مابدولت کے اختیار میں دے دیئے ہیں اس نے مجھے احسان مندی سے مملو کر دیا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں دنیا پر اس امر کے اظہار کے قابل ہوا ہوں کہ میرے ماوراالبحر کے لوگ بھی اس حق بہ جانب معاملے کو کام یاب انجام پر پہنچانے کے لیے ایسے ہی تلے ہوئے ہیں جیسے کہ ممالک متحدہ کے لوگ۔

کینیڈا کی سلطنت۔ آسٹریلیا کی جمہوری سلطنت اور نیوزیلینڈ کی سلطنت نے اپنی بحری افواج مابدولت کے اختیار میں تفویض کر دی ہیں جو سلطنت کے لیے اب تک بھی اچھی خدمات کرتے رہے ہیں۔

کینیڈا۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں زبردست حملہ آور لشکر محاذ کی خدمات کے لیے تیار کیے جا رہے ہیں اور جنوبی افریقہ کی یونین نے تمام انگریزی افواج کو سبک دوش کر کے تمام اہم فوجی ذمہ داریاں اپنے ذمے لے لی ہیں جن کا انصرام سلطنت کے لیے بے انتہا قیمتی ہوگا۔

نیوفونڈلینڈ نے اپنی بحری شاہی رزرو فوج کی شاخ کی تعداد کو المضاعف کر دیا ہے اور محاذ کی عملی کارروائی میں حصہ لینے کے لیے ایک (معقول) تعداد سپاہیوں کی بھیج رہے ہیں۔

کینیڈا کی سلطنت اور پراونشل گورنمنٹوں کی جانب سے سامان رسد کے کثیر التعداد اور قابل قدر تحائف میرے بحری اور فوجی دونوں لشکروں اور ممالک متحدہ کی مصیبت کی تخفیف کے لیے روانہ ہو چکے ہیں جن کا لڑائی کی مجلس میں ہونا لازمی ہے۔

اس طریقے سے میری سلطنت کے اور اس کے تمام حصص نے باوجودیکہ اُن کے حالات اور مواقع مختلف ہیں اصول اتحاد سلطنت کو یقینی طور پر ثابت کر دیا ہے۔

ہندوستانی رؤساء اور رعایا کے نام

ان بہت سے واقعات میں سے جن کے سبب سے ما بدولت کی سلطنت کے باشندے ایک دم اتحاد اور راست بازی کی محافظت کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں کسی چیز نے میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں کیا ہے جتنا کہ اُس ولولۂ جاں نثاری نے جو میرے تخت کے ساتھ رعایا اور باج گزار رؤساء والیان ہند دونوں نے ظاہر کیا ہے اور نیز اُن کے جان و مال کے فیاضانہ پیشکش نے جو انھوں نے سلطنت کے معرکے میں کیا ہے۔
اس معرکے میں پیش قدمی کے لیئے اُن کے ہم آہنگ مطالبے نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہے اور اس محبت اور خلوص کو اعلیٰ ترین درجے پر پہنچا دیا ہے جس سے میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمیشہ سے ہندوستانی رعایا کو اور ما بدولت کو وابستہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کا وہ قابل قدر پیغام خیر سگالی اور یگانگت جو انگریزی قوم کو فروری ۱۹۱۲ء میں میری واپسی کے وقت دہلی میں میرے دربار تاجپوشی کے سنجیدہ مراسم کے بعد پیش کیا تھا مجھے یاد ہے اور اس آزمائش کی گھڑی میں میں ایک بھرپور ثمرہ اور ایک شریفانہ ایفاء اُس اطمینان کا جو آپ نے دلایا تھا کہ برطانیۂ اعظم اور ہندوستان کا سنجوگ ناقابل انفکاک طور پر جوڑا گیا ہے پاتا ہوں۔

اعلان شاہی

جارج پنجم بفضل ایزدی تاجدار دولتہائے متحدہ برطانیہ عظمیٰ و آئرلینڈ و مقبوضات برطانوی ماوراے بحر شاہ۔ دین پناہ شہنشاہ ہند کی طرف سے ما بدولت کے فرماں روا ئے اور گورنر جنرل ہندوستانی والیانِ ریاست اور ما بدولت کی تمام رعایائے ہند بلا امتیاز نسل و مذہب کو بعد از سلام واضح ہو۔ کہ
(۱) ہندوستان کی قوانین میں آج سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ما بدولت

ایک ایسے قانون کی شاہی منظوری عطا کی ہے۔ جو اُن عظیم الشان تاریخی تدابیر میں شامل ہوگا جو اس سلطنت کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے نظام حکومت کی بہتری اور اس کے باشندگان کے اطمینان کی افزونی کے لیے وقتاً فوقتاً منظور کی ہیں۔ ۱۷۷۳ء کے ایکٹ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے زیر تحت باقاعدہ نظم و نسق اور عدل و انصاف کے انتظام کی غرض سے وضع کیئے گئے تھے۔ ۱۸۳۳ء کے ایکٹ نے ہندوستانیوں کے لئے سرکاری عہدوں اور ملازمت کے دروازے کھول دئے تھے۔ ۱۸۵۸ء کے ایکٹ کی رو سے عنانِ حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھ سے نکلکر تاج برطانیہ کی طرف منتقل کر دی گئی۔ اور ہندوستان کی موجودہ پبلک زندگی کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۶۱ء کے ایکٹ نے ہندوستان میں نیابتی مجالس کا بیج بویا اور اُس بیج نے ۱۹۰۹ء کے ایکٹ سے نشو و نما حاصل کی۔ جو ایکٹ اب قانون کی صورت میں منظور کیا گیا ہے اُس کے زیر اثر باشندگان کے منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت میں مخصوص حصہ تفویض کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایکٹ بعد میں مکمل ذمہ دارانہ حکومت کا راستہ بتاتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک امید کو کامل امید ہے۔ وہ پالیسی جو اس ایکٹ کی رو سے اختیار کی جاتی ہے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی تو اُس کے نتائج انسانی ترقی کی تاریخ میں نہایت اہم ہوں گے اور اس وقت مناسب اور برمحل ہے کہ مابدولت تمھیں آج اس امر کی دعوت دیں کہ اس پر غور کرو۔ اور ہمارے ساتھ آیندہ کی امیدوں میں شریک ہو۔

(۲) جب ہندوستان کی خیر و فلاح ہمیں تفویض کی گئی ہے ہمارے شہنشاہی گھرانے اور ہمارے خاندان نے اس کو ایک مقدس امانت تصور کیا ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے باضابطہ طور پر اپنے آپ کو اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ انھیں فرائض کے احساسات سے وابستہ کیا جن سے وہ اپنی دوسری رعایا سے وابستہ تھیں۔ اور ان کی مذہبی آزادی اور قانون کی مساوی اور غیر جانبدار حفاظت کا یقین دلایا۔ اسی پیغام میں جو ہمارے پیارے والد معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم نے ۱۹۰۳ء میں ہندوستانیوں کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اعلان کیا تھا کہ ان کا مصمم ارادہ ہے کہ اپنی ہمدردانہ و منصفانہ نظام حکومت کے اصولوں کو غیر متغیر انداز سے برقرار رکھا جائے۔ ۱۹۰۸ء کے اعلان میں اعلیحضرت آنجہانی نے گذشتہ پچاس سال کے وعدوں کی تجدید کی۔ اور اس

ایک نظر بازگشت ڈالی جوان کی وجہ سے ظہور میں آئی تھی۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں تخت نشین ہونے پر خود ماہدولت نے ہندوستان کے والیان ریاست اور باشندگان کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس میں ماہدولت نے ان کی وفاداری اور اطاعت کا اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان کی خوشحالی اور شادمانی ہمارے لئے ہمیشہ انتہائی دلچسپی اور وابستگی کا موجب ہوگی۔ ایک سال بعد ماہدولت نے علیا حضرت شہنشاہ بیگم کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اور اپنی اس ہمدردی کا جو ماہدولت کو اس کے باشندوں کے ساتھ ہے اور اپنی اس آرزو کا جو ماہدولت کے دل میں ان کی بہتری کے لئے ہے ثبوت دیا۔

(۳) یہ وہ جذبات محبت و شفقت ہیں جن سے ماہدولت اور ہمارے پیشرو متاثر ہوتے رہے ہیں۔ ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اس قلمرو کے باشندگان اور ہمارے جو عہدہ دار ہندوستان میں ہیں۔ ہندوستان کی اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے یکساں سرگرمی سے مستعد رہے ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے لوگوں کو ان کثیر التعداد برکات سے مستفیض کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو خدائے تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں۔ لیکن ابھی تک ایک عطیہ باقی ہے جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس عطیہ سے ملک کے باشندگان کا اپنے معاملات کا انتظام اور اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کا حق مراد ہے۔ بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستانی مدافعت کا کام تو امپیریل مفاد اور افتخار کا مشترکہ فرض ہے۔ مگر اس کے اندرونی معاملات کا انصرام ایک ایسا بوجھ ہے جو ہندوستان جائز طور پر اپنے کندھوں پر اٹھانے کی تمنا کر سکتا ہے یہ بار گراں تمام و کمال حیثیت سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جا سکتا جب تک کہ وقت کے گذرنے اور تجربہ کے حاصل ہونے سے لوگوں میں اس کے اٹھانے کی طاقت پیدا نہ ہو جائے لیکن اب ان کو تجربہ کی ترقی اور انجام دہی کی قابلیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی زیادتی کا موقع دیا جائے گا۔

(۴) ماہدولت کی نیابتی مجالس کے حصول کے واسطے اپنے باشندگان ہند کی روز افزوں تمنا کو سمجھتے ہیں۔ اور اسے ہمدردی سے ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ یہ تمنا قلیل ابتدا سے شروع ہو کر ملک کے سمجھدار طبقہ میں اپنے اثر کو رفتہ رفتہ مضبوط کرتی گئی ہے۔ تحریک ہذا آئینی حدود کے اندر رہ کر اخلاص اور جرأت سے ترقی کرتی گئی ہے اور اس بدنامی کو مٹا کر زندہ رہی ہے جو مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر نافرمان لوگوں کے رویہ سے جو محب الوطنی کے

جس میں سرکشانہ افعال کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ اس خواہش پر جو ہمیشہ سے ہماری آرزو
کو اسی نصب العین سے جن کے لیے برطانوی اقوام کی دولت مشترکہ جنگ عظیم میں لڑتی رہی
ہے اور زیادہ تقویت پہنچی ہے۔ اور اس حصے سے جو ہندوستان نے ہماری مشترکہ جدوجہد
اندیشیوں اور فتوحات میں لیا ہے۔ اسے اپنے دعوے میں تائید حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت میں
سیاسی ذمہ داری کی خواہش کا سرچشمہ ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلق کی بنیاد میں
موجود ہے۔ انسانی تواریخ اور خیالات کے زیادہ گہرے اور زیادہ صحیح مطالعے جس کا موقع اس تعلق
سے ہندوستانی لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ لازمی طور پر اس آرزو کو پیدا کر دیا ہے۔ اس کے بغیر ہندوستان
میں اہل برطانیہ کا کام نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس لیے وہ تدابیر دانشمندانہ تھیں جن سے کئی
سال پہلے نیابتی مجالس کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ ان کے حلقۂ اثر کو منزل بمنزل وسیع کیا گیا۔ تا اینکہ
اب ہمیں نظر آ رہا ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت کی راہ میں ایک اور قدم بڑھایا گیا ہے۔

(۵) اسی ہمدردی اور بیش از بیش دلچسپی کے ساتھ ما بدولت اس راہ پر ترقی کے متمنی ہوں گے۔ یہ راستہ
آسان نہیں اور منزل مقصود کی جانب قدم زن ہونے میں ما بدولت کی رعایائے ہند کے
تمام طبقوں اور قوموں کو اس میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ ما بدولت کو
اعتماد ہے کہ یہ اعلیٰ صفات یقینی طور پر پیدا ہو جائیں گی۔ ہم نئی مجالس عامہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کہ
وہ ان لوگوں کی خواہشات کی دانشمندی سے ترجمانی کریں گی جن کے وہ نمائندے ہیں اور ان
عوام کے مفاد کو بھول نہ جائیں گی جنھیں ابھی حقوق انتخاب نہیں دئیے جا سکتے۔ ما بدولت لوگوں کے
لیڈروں یعنی آئندہ کے وزراء پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کے لیے تیار ہوں گے
غلط فہمیوں کو برداشت کریں گے اور سلطنت کے مشترکہ مفاد کی خاطر بہت ایثار سے کام لیں گے
اور اس امر کو یاد رکھیں گے۔ کہ صحیح حب الوطنی فرقہ بندی اور جماعت وار حدود کی پابندیوں سے
بالاتر ہے۔ اور مجلس قانونی کا اعتماد قائم رکھ کر غیر ضروری اختلاف کو دور کرنے اور عادل اور مہربان
حکومت کے ضروری معیار کو قائم رکھنے کے لئے ما بدولت کے عہدہ داروں کے ساتھ
مشترکہ بہبودی کی خاطر شریک کار ہوں گے اس کے ساتھ ہی ما بدولت اپنے عہدہ داروں
سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے نئے شرکائے کار کا احترام کریں گے۔ اور ان کے ساتھ مل کر مروت
اور ہم آہنگی سے کام کریں گے۔ باشندوں اور ان کے نمائندوں کو آزادانہ مجالس کی جانب
پر اس پیش قدمی میں امداد دیں گے۔ اور ان نئے کاموں میں زمانہ ماضی کی طرح ما بدولت کی

مقابلے میں اپنا مخلصانہ خدمت کے اعلیٰ ترین مقصد پورا کرنے کا تازہ موقع پائیں گے۔

(۶) اس موقع پر ہماری یہ صادق آرزو ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہماری رعایا اور اُن لوگوں کے درمیان جو ہماری طرف سے حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ رنجش کے تمام نشانات محو کر دیئے جائیں جو لوگ زمانہ ماضی میں سیاسی ترقی کی سرگرمی میں قانون کی خلاف ورزی کر چکے ہیں ان کو چاہیئے۔ کہ مستقبل میں قانون کا احترام کریں۔ اور جو با امن اور باقاعدہ حکومت رکھنے کے لیئے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیئے یہ ممکن ہونا چاہیئے کہ ان ناجائز سرگرمیوں کو فراموش کر سکیں جن کا انہیں انسداد کرنا پڑا تھا۔ ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ لازم ہے کہ اس کا ایک مشترکہ مقصد کے لیئے ہماری رعایا اور حکام کی باہمی شرکت کے عزم سے آغاز ہو۔ اس لیئے ہم اپنے وائسرائے کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ ہماری طرف سے اور ہمارے نام پر سیاسی مجرموں پر انتہائی وسعت تک مراحم خسروانہ کا استعمال کریں جو وائسرائے کی رائے میں امن عامہ کے متناقص نہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اس شرط پر اس رعایت کو ان اشخاص تک وسیع کر دیا جائے جو گورنمنٹ کے خلاف جرائم کے پاداش میں یا خاص فوری قوانین کے ۔ تحت مقید ہیں۔ یا جن کی آزادی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو جو اس سے مستفیض ہوں۔ آئندہ روش اس ترحم کی موزونیت کو ثابت کر دے گی اور ہماری تمام رعایا اس قسم کی روش اختیار کرے گی جس سے آئندہ اس قسم کے جرائم کے لیئے قوانین کا نفاذ غیر ضروری ہو جائے۔

(۷) برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہی ماہدولت نے بخوشی والیان ریاست کی ایوان مشاورت کی قیام کے لیئے منظوری عطا فرمائی ہے۔ ماہدولت کو اعتماد ہے کہ ان کے مشورے ریاستوں اور ان کے والیان کے لیئے دائمی طور پر مفید ہوں گے۔ ان مفاد کو ترقی دیں گے۔ جو ان کے علاقوں اور برٹش انڈیا میں مشترکہ ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی سلطنت کے لیئے فائدہ مند ہوں گے۔ ماہدولت اس موقع پر دوبارہ پھر ہندوستان کے والیان ریاست کو اپنے عزم صمیم کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کے استحقاقات حقوق اور مرتب کو بدستور سابق برقرار رکھا جائیگا

(۸) ماہدولت کا ارادہ ہے کہ اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو آئندہ موسم سرما میں ہندوستان بھیجیں تا کہ وہ ماہدولت کی طرف سے والیان ریاست کے نئے ایوان مشاورت اور برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ ماہدولت کی دعا ہے کہ ان کو ان لوگوں میں یک جہتی اور اعتماد نظر آئے جن پر ملک کی آئندہ خدمت گذاری منحصر ہے تا کہ اُن کی محنتیں باعث

ہوں اور اُن کا انتظام حکومت تدریجی ترقی سے وابستہ ہو۔ ما بدولت اپنی تمام رعایا کے ساتھ ہم آواز ہو کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اس کی مشیت اور ہدایت سے ہندوستان آگے سے زیادہ خوش حالی اور فارغ البالی حاصل کرے اور اُسے سیاسی آزادی کی انتہائی وسعت نصیب ہو۔ ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۹ء

(ضمیمہ چہارم تمام ہوا)

خاتمہ

درشمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
شکر کیں محنت بے حد وحساب آخر شد

نَحْمَدُكَ اَللّٰهُمَّ اَنْ مَنَنْتَ عَلَيْنَا بِنَيْلِ الْاَوْطَارِ وَنَشْكُرُكَ اَنْ اَحْسَنْتَ اِلَيْنَا بِمَا اَشْحَذَ الْاَذْهَانَ مِنْ جَلِيْلِ الْاَسْفَارِ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ بِمَا هُوَ اَبْهٰى مِنْ نَيِّرَاتِ الدَّرَارِيْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهِمُ الْمُسْتَعِيْنِيْنَ عَلَى اغْتِنَامِ الْمَفَاخِرِ بِعَوْنِ الْبَارِيْ۔ [1]

اَنْتُمْ لِلْوَرٰى كَوَاكِبُ عِلْمٍ ... فِي اقْتِدَاءٍ اِنْ غَابَتِ الْاَقْمَارُ
يَا مُحِبًّا لِلّٰهِ دَوْلَةٌ قَدْ حَوَتْكُمْ ... كُلَّ عِزٍّ وَزَادَ فِيْهِ الْفَخَارُ

دو برس کی لگاتار محنت کے بعد خدا خدا کر کے آج میں اس کہنے کے قابل ہوا کہ ع ایں بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد یعنی میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوا۔ اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ کتاب

---

[1] اے اللہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہیں اُس احسان کے لئے کہ تو ہمارے مقاصد بر لایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تو نے ہم پر احسان کیا کہ جس سے لوگوں کے ذہن تیز ہو جائیں گے جیسا کہ بڑی کتابوں کے مطالعے سے ہوتا تھا اور صلوٰۃ اور سلام تیرے بھیجے ہوئے نبی پر جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ منور ہیں ستاروں اور شمس وقمر سے اور اُن کی آل واصحاب پر اور تابعین پر۔ ہم تجھ ہی سے استمداد کرتے ہیں اُن فخروں پر جو تیری مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم دنیا میں علم کے ستارے ہو اگر چاند سورج غائب ہو جائیں تو تمہاری روشنی سے پیروی کی جا سکتی ہے۔ سنو جی اللہ کی محبت بھی کیسی دولت ہے جو تمام عزتوں پر فخر مزید کے ساتھ حاوی ہے۔ ۱۲

پوری ہوئے جب چھپے تو شاید میری زندگی وفا نہ کرتی ع تا سالِ دگر کہ خورد زندہ کہ ماند ؟ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ تصنیف اور چھپائی دونوں کام ساتھ ساتھ چلتے رہے جس سے اُمید بندھتی ہے کہ دیر سویر کتاب شائع ہو جائے گی۔ جلدی کے مارے کہ کسی طرح یہ کام سلٹ جائے کتاب یہ تفاریق چار جگہ چھپ رہی ہے اور چار ہی کاتب لکھ رہے ہیں لیکن لکھائی اور چھپائی نہ میرے ہاتھ کا کام ہے نہ میرے بس میں ہے۔ تقاضا اور تقاضائے شدید اور مصارف کی برداشت میرا کام ہے اُس میں فروگذاشت نہیں اب جن کے ہاتھ میں کام ہے خدا اُنھیں توفیق دے کہ تندہی سے اُسے انجام کو پہنچائیں اور خاکسار کو زحمت مزید کے انتظار سے بچائیں۔ انواع و اقسام کی جو جو دقتیں کاتبوں کی بے جا ناز برداری اور اہل مطابع کی خلاف توقع سہل انگاری کی جو مجھے پیش آئیں اور پیش آ رہی ہیں نہایت دل آزار اور دل شکن ہیں۔ مگر ؎

چہ تواں کرد مرد ماں اینند با ہمیں مرد ماں بباید ساخت

میں حصہ اول میں منشی اشتیاق احمد صاحب چشتی نظامی کا شکریہ ادا کر چکا ہوں مگر کچھ اور صاحبوں نے بھی میرا ہاتھ بٹایا ہے اُن کی مشارکت کا اعتراف بھی من لم یشکر الناس فلم یشکر اللہ تقاضائے انصاف ہے۔ منشی حافظ محمد یوسف صاحب اور عزیزی اختر حسن صاحب اور میری عزیز مخدرات عصمت حامدہ بیگم اور اشرف جہاں بیگم صاحبان بھی میرے دلی شکریہ اور امتنان کی مستحق ہیں کہ اُنھوں نے کاپیوں اور پروف کے مقابلے اور تصحیح میں کافی مدد دی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اتنی بڑی کتاب کا لکھنا جس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ سینکڑوں کتابوں کی اُلٹ پلٹ۔ مقامات اور عمارات کی دیکھ بھال کے لیے دوا دوش پر جب نظر کرتا ہوں تو خواہ کوئی داد دے یا نہ دے میں خود کہتا ہوں ع از ایں تن ضعیف مرا ایں گماں نبود۔ مگر فضل خدا شامل حال تھا یہ مشکل آسان ہو گئی۔ ؎

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدا کرے کہ کتاب لوگوں کی پسند آئے تو میری محنت ٹھکانے لگے اور مراد بر آئے والسلام

دہلی مارچ ۱۹۲۰ء بشیر الفقیر الی اللہ عز شانہٗ

(بقلم ناظم رقم رفعت شیر خان)

انگریزی سلطنت کے بعض اہم تاریخی واقعات

سنہ	خلاصہ
۱	۲
	(ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد)
۳۱ دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء	ملکہ الزبتھ کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۶۰۰ء	چارلس دوم کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۷۰۸ء	ہم سر کمپنیوں کا انضمام۔
سنہ ۱۷۷۳ء	رگیولیٹنگ ایکٹ (گورنر جنرل بنگال)
سنہ ۱۷۸۴ء	پٹ کا انڈیا ایکٹ (بورڈ آف کنٹرول)
سنہ ۱۷۹۳ء	تجدید چارٹر
سنہ ۱۸۱۳ء	" (ہند کی تجارت کھول دی گئی)
سنہ ۱۸۳۳ء	" (کمپنی کے تجارتی حقوق کی تنسیخ۔ چین کی تجارت کا اجراء)
سنہ ۱۸۵۳ء	سول سروس کا امتحان مقابلہ
سنہ ۱۸۷۴ء	باقاعدہ طور پر کمپنی کا توڑا جانا۔
سنہ ۱۸۵۷ء	غدر۔ (ہندوستان براہ راست تاج شاہی کے تحت میں)
سنہ ۱۸۵۹ء	رنٹ ایکٹ۔
سنہ ۱۸۶۰ء	تعزیرات ہند۔
سنہ ۱۸۶۱ء	قانون کونسل۔ سول سروس ہند کا قانون۔ ہائی کورٹوں کا چارٹر۔
سنہ ۱۸۶۳ء	امیر دوست محمد خاں کا انتقال اور امیر شیر علی خاں کی جانشینی
سنہ ۱۸۶۶ء	اوڑیسہ کا قحط
سنہ ۱۸۶۹	نہر سوئیز کا افتتاح۔
سنہ ۱۸۷۵-۷۶ء	ہز رائل ہائینس شاہزادہ ویلز کی سیاحت ہند
سنہ ۱۸۷۶ء	کوئٹہ پر قبضہ
یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ء	دربار قیصری۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
سنہ ۱۸۷۷-۷۸ء	جنوبی اور مغربی ہندوستان میں قحط
سنہ ۱۸۷۸-۸۰ء	دوسری جنگ افغانستان۔
سنہ ۱۸۸۵ء	معاملات پنجدہ۔ تیسری جنگ برہما۔
یکم جنوری سنہ ۱۸۸۶ء	برہما کے بالائی حصّے کا شمول۔
سنہ ۱۸۹۰ء	پرنس البرٹ وکٹر کی تشریف آوری ہندوستان میں۔
۱۴ جنوری سنہ ۱۸۹۲ء	" " " کا انتقال پُر ملال۔
سنہ ۱۸۹۵ء	مہم چترال۔
سنہ ۱۸۹۶ء	بمبئی میں طاعون کا شیوع۔
سنہ ۱۸۹۸ء	مہم تیراہ۔
سنہ ۱۸۹۹ء	ترویج سکۂ طلائی۔
سنہ ۱۹۰۰ء	قحط
سنہ ۱۹۰۱ء	ملکہ معظمہ وکٹوریا کا انتقال اور شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی امیر عبدالرحمن خاں کی وفات اور امیر حبیب اللہ خاں کی جانشینی
یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء	دربار تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم۔
سنہ ۱۹۰۴ء	مہم تبت۔ یونیورسٹیوں کا قانون۔
سنہ ۱۹۰۵ء	بنگال کی تجزی۔
۹ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء	پرنس جارج کی سیاحت ہند بطور ولی عہد۔
۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۷ء	دہلی میں ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کی تشریف آوری۔
سنہ ۱۹۰۹ء	خیالات باغیانہ۔ انڈیا کونسل ایکٹ۔
سنہ ۱۹۱۰ء	شاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال اور ملک معظم جارج پنجم کی تخت نشینی۔
۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء	ملک معظم و ملکہ معظمہ کی ہندوستان میں رونق افروزی۔ دربار تاجپوشی۔
سنہ ۱۹۱۲ء	لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل پر بم اندازی سے قاتلانہ حملہ۔

خلاصہ	سنہ
۲	۱
یورپ کی عظیم الشان جنگ۔ جرمن وار کا آغاز۔	۴ اگست ۱۹۱۴ء
اختتام جنگ یورپ۔	۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء
ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کا قتل اور ہز مجسٹی امیر امان اللہ خاں کی جانشینی۔ کابل وار کا آغاز اور مصالحت پر اختتام۔ شاہی اعلان مزید مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء	۱۹۱۹ء

گورنر جنرل صاحبان کی فہرست

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
		(۱) بنگال کے فورٹ ولیم کے گورنر جنرل حسب ریگولیشن ایکٹ بابتہ ۱۷۷۳ء
۱	اکتوبر ۱۷۷۴ء	رائٹ آنریبل وارن ہیسٹنگز سکوائر۔ یکم فروری ۱۷۸۵ء سر جان میکفرسن
۲	ستمبر ۱۷۸۶ء	ارل (مارکوئیس) کارنوالس
۳	اگست ۱۷۹۳ء	سر جان شور (لارڈ ٹین متھ)۔ (مارچ ۱۷۹۸ء سر ایلیو رڈ کلارک)
۴	مئی ۱۷۹۸ء	ارل آف مارننگٹن (مارکوئیس ولزلی)
	۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء	مارکوئیس کارنوالس (دوبارہ)۔ (۵ اکتوبر ۱۸۰۵ء سر جارج بارلو)
۵	۱۸۰۷ء	بیرن (ارل آف) منٹو اول۔
۶	۴ اکتوبر ۱۸۱۳ء	ارل آف مائیٹرا (مارکوئیس آف ہیسٹنگز۔ یکم جنوری ۱۸۲۳ء جان ایڈم سکوائر)
۷	یکم اگست ۱۸۲۳ء	بیرن (ارل) ایمہرسٹ۔ ۱۳ مارچ ۱۸۲۸ء ولیم بٹروورتھ بیلی سکوائر

۱	سنہ ۲	نام گورنر جنرل بہادر ۳
۸	جولائی ۱۸۲۸ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک۔
		(۲) گورنر جنرل ہند حسب چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء
	۱۸۳۳ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء سر چارلس (لارڈ) مٹکاف
۹	یکم مارچ ۱۸۳۶ء	بیرن (ارل آف) آکلینڈ۔
۱۰	۱۸۴۲ء	بیرن (ارل آف) النبرو۔
۱۱	۱۸۴۴ء	سر ہنری (وائی کونٹ) ہارڈنگ۔
۱۲	۱۸۴۸ء	ارل (مارکوئیس) آف ڈلہوزی۔
۱۳	۱۸۵۶ء	وائی کونٹ (ارل) کیننگ۔
		(۳) گورنر جنرل و وائیسرائے حسب اعلان ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا
	یکم نومبر ۱۸۵۸ء	ارل کیننگ۔
۱۴	۱۸۶۲ء	ارل آف الجن اول۔ (۱۸۶۳ء سر رابرٹ نیپیر (لارڈ نیپیر آف میگڈالا) ۱۸۶۳ء سر ولیم ڈینزن۔
۱۵	۱۸۶۴ء	سر جان (لارڈ) لارنس۔
۱۶	۱۸۶۹ء	ارل آف میو۔ (۱۸۷۲ء سر جان سٹریچی ۱۸۷۲ء لارڈ نیپیر آف مرچسٹون)
۱۷	۱۸۷۲ء	بیرن (ارل آف) نارتھ بروک۔
۱۸	۱۸۷۶ء	بیرن (ارل آف) لٹن
۱۹	۱۸۸۰ء	مارکوئیس آف رپن
۲۰	۱۸۸۴ء	ارل آف ڈفرن (مارکوئیس آف ڈفرن اینڈ آوا)
۲۱	۱۸۸۸ء	مارکوئیس آف لینسڈون۔
۲۲	۱۸۹۴ء	ارل آف الجن دوم۔
۲۳	۶ جنوری ۱۸۹۹ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن۔ (۱۹۰۴ء لارڈ ایمپتھل)
	۱۹۰۴ء	بیرن (ارل) کرزن آف کڈلسٹن دوبارہ

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۲۴	سنہ ۱۹۰۵ء	ارل آف منٹو (ثانی)۔
۲۵	سنہ ۱۹۱۰ء	بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ۔
۲۶	اپریل سنہ ۱۹۱۶ء	لارڈ چیمسفورڈ (موجودہ وائسرائے و گورنر جنرل)

نوٹ:- جن ناموں کے نیچے خط کھنچا ہوا ہے وہ عارضی اور قایم مقام تھے۔

نوٹ ا:- جو صاحب قانون بدلنے پر بدستور قایم رہے اُن پر جداگانہ نمبر نہیں ڈالا گیا اتنے وائسرایوں میں صرف ایک لارڈ کرزن ہی ایسے تھے جو ولایت تشریف لے گئے اور دوبارہ گورنر جنرلی پر آئے۔ ۱۲-

انگلستان کے بادشاہوں کی فہرست

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	ولیم اول	۱۰۶۶ء - ۸۷	۱۲	رچرڈ دوم	۱۳۷۷ء - ۹۹
۲	ولیم دوم	۱۰۸۷ء - ۱۱۰۰	۱۳	ہنری چہارم	۱۳۹۹ - ۱۴۱۳
۳	ہنری اول	۱۱۰۰ء - ۳۵	۱۴	ہنری پنجم	۱۴۱۳ء - ۲۲
۴	سٹیفن (آف بلائ)	۱۱۳۵ء - ۵۴	۱۵	ہنری ششم	۱۴۲۲ء - ۶۱
۵	ہنری دوم	۱۱۵۴ء - ۸۹	۱۶	ایڈورڈ چہارم	۱۴۶۱ء - ۸۳
۶	رچرڈ اول	۱۱۸۹ء - ۹۹	۱۷	ایڈورڈ پنجم	۱۴۸۳
۷	جان (لیکلینڈ)	۱۱۹۹ء - ۱۲۱۶	۱۸	رچرڈ سوم	۱۴۸۳ء - ۸۵
۸	ہنری سوم	۱۲۱۶ء - ۷۲	۱۹	ہنری ہفتم	۱۴۸۵ - ۱۵۰۹
۹	ایڈورڈ اول	۱۲۷۲ء - ۱۳۰۷	۲۰	ہنری ہشتم	۱۵۰۹ء - ۴۷
۱۰	ایڈورڈ دوم	۱۳۰۷ء - ۲۷	۲۱	ایڈورڈ ششم	۱۵۴۷ء - ۵۳
۱۱	ایڈورڈ سوم	۱۳۲۷ء - ۷۷	۲۲	میری اول	۱۵۵۳ء - ۵۸

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳
۲۳	الزبتھ	۱۶۰۳ – ۱۵۵۸ء
۲۴	جیمس اول	۲۵ – ۱۶۰۳ء
۲۵	چارلس اول	۴۹ – ۱۶۲۵ء
۲۶	چارلس دوم	۸۵ – ۱۶۴۹ء
۲۷	جیمس دوم	۸۸ – ۱۶۸۵ء
۲۸	ولیم سوم اور میری دوم	مختصر وقفہ بعد ۱۶۸۹ – ۱۷۰۲
۲۹	اینی	۱۴ – ۱۷۰۲ء
۳۰	جارج اول	۲۷ – ۱۷۱۴ء
۳۱	جارج دوم	۶۰ – ۱۷۲۷ء
۳۲	جارج سوم	۱۸۲۰ – ۱۷۶۰
۳۳	جارج چہارم	۳۰ – ۱۸۲۰
۳۴	ولیم چہارم	۳۷ – ۱۸۳۰ء
۳۵	وکٹوریا	۱۹۰۱ – ۱۸۳۷ء
۳۶	ایڈورڈ ہفتم	۱۹۱۰ – ۱۹۰۱ء
۳۷	جارج پنجم	۱۹۱۰ء

شاہا بقائے عمر تو باشد ہزار سال — لیکن باین حساب بصد حشمت و جلال
سالے ہزار ماہ و ماہے ہزار سال — یوم ہزار سال و ساعت ہزار سال

نظم

اے سرزمین دہلی چمکا ترا ستارہ — پھر پایۂ تخت شاہی سلطان نے سنوارا
گیتی فروز اب ہے وہ خسرو معظم — یورپ کے دل سے نکلا ارمان اک ہمارا
دنیا ترے گرے کو جس نے کیا منور — خورشید بن کے چمکا مغرب سے وہ ستارا
تعلیم اس نے دی ہے انگریزی نگہ سے — علمی ترقیوں کا بڑھتا چلا ہے پارا
موجودہ سلطنت کے دیکھو آ کے کارنامے — اب خواب ہو گئے ہیں افسانہائے دارا
گزرے ہوئے سلاطیں ہیں پردۂ عدم میں — کرتی ہیں ان کی روحیں اس جشن کا نظارا
برطانیہ حکومت کرتی ہے ناز جس پر — وہ آفتاب اب ہے دہلی میں جلوہ آرا
وہ کون عدل گستر ہے سلطان جارج پنجم — دنیا ہے ایک پیکر اور جان جارج پنجم
گر نفس سلطنت کی توقیر ہے تو یہ ہے — انصاف کی مجسم تصویر ہے تو یہ ہے
دیکھو سیاست اس کی دیکھو حکومت اس کی — تدبیر ہے تو یہ ہے تقدیر ہے تو یہ ہے
دنیا کو جگمگا دے تیرا فروغ سطوت — بس خواب سلطنت کی تعبیر ہے تو یہ ہے

بن دیکھنے کے قابل ہے سر نوشت اس کی — قدرت کے قلم کی تحریر ہے تو یہ ہے
شایاں ہے اُس کی شاہی دنیا ہے سب اسی کی — اجمال ہے تو یہ ہے تفسیر ہے تو یہ ہے
اُس کی نگہ کی ہیبت ہے دشمنوں پہ غالب — ترکش میں تیرے دنیا گر تیر ہے تو یہ ہے
دنیا کی ساری قوم اُس پر فدا ہو دل سے — حق میں تمھارے کوئی اکسیر ہے تو یہ ہے
یہ نغمہائے رحمت ہوں کے مجھے مبارک — سلطان کی پابوسی دہلی کو یہ مبارک

(محمد ہادی عزیز لکھنوی)

فہرست ان اردو اور فارسی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی

۱	نام کتاب ۲	مصنف ۳
۱	آثار الصنادید سنہ ۱۸۴۷ء	سر سید احمد خاں
۲	اخبار الاخیار سنہ ۱۲۸۰	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
۳	اخبار الاخیار	ظہیر الدین احمد عرف محمد اشرف علی لکھنوی
۴	یادگار دہلی سنہ ۱۹۰۵ء	سید احمد دہلوی
۵	دہلی گائیڈ	سید حسن نظامی
۶	روضۃ الاقطاب	صاحبزادہ مرزا بلاقی
	سوانح عمری حضرت نظام الدین اولیا	
۷	فوائد الفوائد	
۸	سیر الاولیاء	
۹	سیر المحتشم	
۱۰	دربار اکبری سنہ ۱۸۹۸ء	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۱۱	تذکرۃ العابدین و امداد العارفین	حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی
۱۲	استشفاع و التوسل بآثار الصالحین و سید الرسول	پیر جی محمد عمر صاحب
۱۳	دیوان ذوق	مرتبہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۱۴	آب حیات سنہ ۱۸۷۹ء	؍؍
۱۵	مخبر الواصلین سنہ ۱۲۶۵ھ	ابو عبد اللہ فاضل اکبرآبادی
۱۶	دیوان غالب	نظامی پریس بدایوں
۱۷	یادگار غالب	شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی
۱۸	مراۃ الحقائق	منشی برکت علی
۱۹	تاریخ دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱	شمس العلماء مولوی نذیر احمد
۲۰	یادگار دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱	منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور
۲۱	سوانح دہلی سنہ ۱۸۹۴ء	شہزادہ مرزا احمد اختر گورگانی خلف اکبر [illegible] ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۲۲	عجائب الاسفار شیخ ابن بطوطہ کا سفرنامہ سنہ ۱۸۹۸ء	خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے
۲۳	خواتین سنہ ۱۹۱۴ء	حافظ محمد اسلم جیراجپوری
۲۴	مخدرات حصہ اول ودوم سنہ ۱۹۱۵ء	سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی
۲۵	تاریخ دربار دہلی سنہ ۱۹۱۲ء	”
۲۶	تاریخ بیجانگر سنہ ۱۹۱۰ء	خاکسار بشیر الدین احمد
۲۷	واقعات مملکت بیجاپور سنہ ۱۹۱۵ء	”
۲۸	حیات قیصرہ سنہ ۱۹۰۱ء	”
۲۹	ذکر شہنشاہ جارج پنجم	خان بہادر قاضی عزیز الدین
۳۰	مفتاح التواریخ سنہ ۱۸۶۲ء	ٹامس ولیم بیل صاحب
۳۱	سیاحت ہند سنہ ۱۹۰۹ء	حافظ عبد الرحمن امرتسری
۳۲	کلیات شیفتہ و حسرتی سنہ ۱۹۱۶ء	نواب محمد اسحٰق خاں
۳۳	آثار اکبری سنہ ۱۳۲۴ھ	محمد سعید احمد مارہروی

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۳۴	یادگار داغ	اکبر علی خاں افسوں شاہجہانپوری
۳۵	صحیفۂ زریں سنہ ۱۹۰۲ء	نولکشور پریس لکھنؤ
۳۶	آئین اکبری	
۳۷	تاریخ فرشتہ لکھنؤ سنہ ۱۹۰۵ء	
۳۸	مآثر الامراء	نواب شمس الدولہ شاہنواز خاں
۳۹	مزارات اولیائے دہلی سنہ ۱۸۸۱-۹۱ء [illegible]	محمد عالم شاہ
۴۰	منتخب اللباب	خافی خاں
۴۱	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف
۴۲	اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	شمس العلماء شبلی نعمانی
۴۳	فغان دہلی سنہ ۱۳۱۳ھ	غدر کے متعلق متفرق نظموں کا مجموعہ
۴۴	حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے مختصر حالات	مطبع [illegible] آگرہ

List of works consulted — فہرست ان انگریزی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی

1 Archaeological Survey of India Report of the year 1871-72 Delhi and Agra Vol. IV by Beglar and Carlleyle under the Superintendence of Major General A. Cunningham C.S.I. Director General of Archaeological Survey of India 1874.

2 The Archaeology and Monumental remains of Delhi by Carr Stephens. 1876

3 Life of H. M. Queen Victoria, G. Barnett Smith 1887

4 Picturesque India, W. S. Caine 1891

5 Delhi past & present. H. C. Fanshaw. 1902

6 Seven Cities of Delhi. Gordon Risley Hearn. 1906

7 Keen's Handbook of visitors to Delhi. 1906

8 Royal tour in India 1905-6, Stanley Reed. 1906

9 Storia do Mogor, 1653-1708, Niccolo Manucci 1908

10 Sketches of Rulers of India Vol: IV Babar, Akbar & Aurangzib, G. D. Oswell. 1908

11 Life of Akbar. Col: Malleson. 1908

12 Lane Poole's Life of Aurangzeb

13 Delhi the Imperial City, Renton Denning 1911

14 All about Delhi, G. A. Natesan & Co. 1911

15 Coronation Durbar. Pundit Banke Rae 1911

16 The Book of the Coronation Cassell & Co. 1911

17 Delhi Durbar Railway, Burt & Freeland 1911

18 History of India, Sri Hemlota Devi. 1911

19 Imperia [redacted] [illegible] [redacted] 1911
20 The Portrait Book of our Kings & Queens. Khosla Bros. 1066
21 The King & Queen in India, Stanely Reed. Hare & Pascoe 1911. 1912
22 A Handbook to Agra & the Taj, E. V. Havell 1912
23 Delhi Museum Catalogue. 1913
24 Indian History. E. Marsden. 1914
25 The Historical Record of the Imperial Visit to India 1911 Compiled from Official Records 1914
26 Easy Stories from Indian History. E. Marsden 1915
27 The Oxford Students History of India Vincent A. Smith. 1916
28 History of India, Ram Prasad & Man Mohan 1916
29 History of India, Thompson.
30 The King's Indian Allies, St Nihal Singh 1916
31 List of Muhammadan & Hindu Monuments Shahjahanabad Vols I & II Gordon Sanderson 1915-16
32 V. R. I. Her Life and Empire, Marquis of Lorne, His Grace the Duke of Argyll.
33 Edward VII, his Life & Times, Sir Richard Holm
34 From Cradle to Crown, J. E. Vincent.
35 King Edward VII, Thomas Nelson & Sons.
36 George V Our Sailor King, Robert Hudson.
37 Mediaeval India, S. Lane Poole.
38 Report of Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children 1918

تقاریظ اور قطعات تاریخی

میرے جن کرم فرماؤں نے ایمانًا بالغیب میری نئی کتاب کو سراہا ہے اور فرط محبت سے تقریظیں اور قطعات تعریفی لکھ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے میں ان سب صاحبوں کی اس عنایت بے غایت کا تہ دل سے شکرگزار اور ممنون ہوں ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرنے کی چھوٹے چھوٹے قطعات تاریخی اصل کتاب میں جہاں جہاں موقع ملا درج کر دیئے گئے ہیں جو ذرا بڑے تھے یا جن کی گنجایش نہ نکل سکی یہاں وہ لکھے جاتے ہیں۔ تقدم و تاخر قطعات میں کسی کو ترجیح بلا مرجح دینا مرکوز خاطر نہیں میرے گوشۂ دل میں سب کی یکساں جگہ ہے۔

تقریظ دل پذیر و پُر تاثیر از قلم چکیدہ رقم جناب خواجہ حسن صاحب نظامی دام مجدہم

"غریب دہلی کی ایک اور تصویر"

بیچاری دہلی کی بگڑی سنوری شکل کی بیسیوں تصویریں مسلمانوں اور انگریزوں نے اتاری ہیں یعنی دہلی کی تاریخی۔ عمارتی۔ تمدنی و سیاسی سرگزشت پر متعدد یورپین و مسلمان مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں مگر نئی تصویر۔ نئی تاریخ۔ نئی سرگزشت۔ ابھی حال میں تیار ہوئی ہے جو دہلی کے مشہور محقق ادیب مورخ کی قلم سے لکھی گئی ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب خلف شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایک لایق اور محنتی مصنف ہیں۔ ان کے والد ماجد نے جو سرمایہ اردو زبان میں علمی و اصلاحی کارناموں کا چھوڑا ہے مولانا بشیر الدین احمد صاحب اُس کی حفاظت ہی میں کوشش نہیں کرتے بلکہ رات دن اضافہ کی سعی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے پدر بزرگ کے اکلوتے وارث ہیں اور میں نے ان کی موجودہ علمی و ادبی خدمات اور اُن کے والد کی شہرۂ آفاق کارگزاریوں کا لحاظ کر کے اُن کو وارث الادب بالکل جائز خطاب دیا ہے جو ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب ریاست حیدر آباد میں کلکٹر تھے پنشن لے کر گھر پر آئے تو آرام طلبی اور عیش و عشرت میں وقت برباد نہ کیا جو آج کل بے فکر دولت مندوں کا ایک لازمی شعار ہو گیا ہے بلکہ رات دن تصنیف و تالیف میں مصروف رہنے لگے۔ چنانچہ چند سال کے عرصہ میں دس بارہ کتابیں اُنھوں نے تیار کر لیں جن میں زیادہ حصہ خانگی و نسوانی اصلاح کا ہے جس سے مولانا کو خاص مناسبت و دلچسپی ہے اور جو ان کے والد کا مقصود زندگی بھی تھا۔ مولانا کی ان اصلاحی اور تمدنی کتابوں کو ملک میں خاص رغبت سے پڑھا جاتا ہے اور صرف پبلک ہی ان کو پسند نہیں کرتی بلکہ سلطنت میں بھی یہ کتابیں مقبول ہیں اور ابھی حال میں گزشتہ سال صوبۂ دہلی کی گورنمنٹ نے ایک معقول انعام ان کی ایک اصلاحی کتاب پر دیا ہے۔ مولانا کو آثار قدیم اور قدامت کے تذکروں سے ایک دلی لگاؤ ہے۔ قیام دکن کے زمانہ میں اُنھوں نے تاریخ بیجاپور کے نام ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی تھی

جو اتنی وزنی ہے کہ میں اٹھا کر چلوں تو ہانپ جاؤں۔ اس میں سلاطین دکن کے تذکرے اور آثار قدیم کے حالات و تصاویر ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت و تلاش سے اس کو طیار کیا ہوگا۔ اب گورنمنٹ دہلی کی خواہش سے انھوں نے دہلی کے آثار پر ایک زبردست اور تاریخ بیجاپور کے طریقے پر مستند کتاب لکھی ہے۔ جس میں دہلی قدیم و دہلی جدید کے تمام جزو و کل حالات ہیں اور جو ایسی موزوں ترتیب سے قلم بند ہوئے ہیں کہ اس کتاب کو دہلی کی تصویر کہہ سکتے ہیں جیسا کہ بعض عنوان [illegible] انگریزوں نے جو کتابیں دہلی پر لکھیں ان کو ناپسند نہیں کیا جاتا مگر اس کتاب کو جو مولانا بشیر الدین احمد صاحب نے لکھی ہے یقیناً بہت پسند کیا جائے گا کیونکہ یہ اردو زبان میں ہے [illegible] ایسے شخص نے لکھی ہے جو انگریزوں کی نسبت دہلی اور اس کے [illegible] اور دلی تعلق سے قلم بند کر سکتے تھے جیسا کہ کیا گیا ہے۔ اگر انسان کوئی مشینیں ہیں۔ تو مولانا بشیر الدین احمد صاحب [illegible] کی مشینیں ہیں جو اتنی جلد تصنیف تیار کر دیتے ہیں [illegible] انگریزی مشینوں کی بنی ہوئی اشیاء کا یہ مشہور اشتہار ہے فقرہ صادق آتا ہے "ہاتھوں کے چھوئے بغیر تیار ہوئی" میں نہیں جانتا وہ اس کبر سنی میں اتنا زیادہ اتنا جلدی اور اتنا عمدہ کام کیونکر کر سکتے ہیں؟ مجھ کو بھی دو ہفتے میں ایک مستقل اور دو سو صفحے کی تصنیف تیار کر دینے کا ملکہ ہے مگر مولانا مذکور کی تیز نگاری کے سامنے میری سریع النویسی بھی مات ہے۔

مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ تاریخی تصنیف دہلی کی یادگاروں پر ایک مفید و دلچسپ اور مستقل یادگار ہوگی اور آئندہ نسلیں اس سے اخذ کرنے کا فائدہ اٹھائیں گی جس طرح کہ آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خاں مرحوم سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے یہی میری دعا ہے اور یہی میری آخری اور دلی خواہش ہے۔

ملہ اگر یہی مشینوں کی رفتار ہے کہ دو برس تک گئے تو مشینیں نہیں پھر کر ایسی جوں کی چال چلا ہے لیکن بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر پر کرم میرے معائب کو بھی محاسن میں ڈھال لے گئی۔ ابھی حضرت ہاتھوں کے چھوئے بغیر چھ مہینے قبل یہاں تو ہاتھوں کے علاوہ پاؤں بھی گھسیٹتے گھسیٹتے پھٹے پڑ گئے کیوں کہ عمارات کے دیکھنے کو کوسوں [illegible] نہیں پیدل چلنا پڑا اپنا جسم تکلیف اور زحمت کے بعد راحت ہوا ایسی تکلیف بھی اچھی — [illegible]

رباعی۔ خوش رہتے ہیں گھر میں کاہلوں کی طرح   بیٹھے ہیں ضعف سے لڑتے پہلو [illegible] کی طرح

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تقریظ عربی تحریر فاضل اجل و عالم بے بدل مولوی فاضل و منشی فاضل جناب مولوی نور محمد صاحب مدرس فارسی و عربی سینٹ سٹیفنز ہائی سکول دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

إِعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فَقَالَ لَهُمَا ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا فَقَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهِمَا الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَجَعَلَ الْأَرْضَ ذَاتَ قَرَارٍ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ وَتَرٰى الْأَنْهَارَ تَجْرِيْ فِيْهَا لِتَكُوْنَ مِنْ أَسْبَابِ الْمَعِيْشَةِ لِسُكَّانِ الْبَرِّ وَجَعَلَ كُلَّ شَيْءٍ مِنَ الْمَاءِ حَيًّا۔ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ وَجَعَلَهُ خَلِيْفَةً فِي الْأَرْضِ وَأَنْزَلَ مَعَهُ الْعَدْلَ وَالْمِيْزَانَ وَعَلَّمَهُ مَا لَا يَعْلَمُ وَاخْتَصَّهُ بِالسَّلْطَنَةِ وَالنُّبُوَّةِ وَسَخَّرَ لَهُ كُلَّ شَيْءٍ وَكَرَّمَهُ تَكْرِيْمًا وَأَلْهَمَهُ دِقَّةَ الصَّنَائِعِ وَاتِّخَاذَ الْمَنَازِلِ وَبِنَاءَ الْبُيُوْتِ وَتَوَالَدُوْا وَتَكَاثَرُوْا حَتّٰى مُلِئَتِ الْأَرْضُ عَنْهُمْ طُوْلًا وَعَرْضًا وَعَمَّرُوا الْأَمْصَارَ وَالْمُدُنَ الْمُشَيَّدَةَ وَجَاءَتِ الْقُرُوْنُ وَمَضَتْ ثُمَّ جَاءَتِ الْأُخْرٰى وَمَضَتْ وَسَوْطُ الْفَنَاءِ مُسَلَّطٌ عَلَيْهِمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مِنْهُ وَالْمُشْتَهٰى [illegible] ذَا الْمُلْكِ وَصَدَقَ مَا الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنْ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ [illegible]

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دل اس کے نذر ان کے ہیں جو کرتے ہیں تیر   ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

۱۶؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

۱۷؎ دیکھیے کہیں نظر نہ لگ جائے ع ۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جناب والا آپ نے سنا ہوگا کہ دور کے ڈھول سہاونے ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ۔

۱۸؎ جو کاتبوں اور مطبع والوں کی مہربانی سے باسی ہو گئی۔

۱۹؎ میں کہاں اور کہاں یہ اسے بہجت۔ تا زگزیدم لطافت نہ گذشت۔ ہاں مگر آپ جیسے بزرگوں کی دعا نے کمر بہت مضبوط کر دی۔ ؎

مابریں مقصد عالی نتوانیم رسید   ہاں مگر لطف شما پیش نہد گامے چند۔۱۲

منہ المصنف ۱۲

وينظرون الى آثار الذين سبقوهم في الفناء وحصونهم المحصنة وصروحهم المرتفعة
التي أكثرها اليوم خاوية على عروشها فيقشعر جلودهم ثم تلين قلوبهم بذكر الله
ولما كان دهلي من أعظم مناظر الأرض وأكبرها وليس لها عديل على وجه الأرض
في الآثار القديمة وأكثرها منهدمة عند تلاعب الملوك بها كشيء لا يعتد به وكم من بئر
معطلة فيها وقصر مشيد وكأين من حصن وصرح فيها لا يعلم بانيها وعماراتها القديمة
خارجة عن حد الاحصاء وواقعة مسافة طولها سبعة وعشرين ميلا وعرضها
تسعة أميال هي أم البلاد ومشهورة في أكناف العالم المتمدن لأنها مرجع الملوك
ومقر سلطنتهم وصنفت في تحرير آثارها القديمة العجيبة كتب بكثرة
أساميها ولكنها ما أحاطت بعجائبها وغرائبها ومن هذا إذا تتبع أحد عن الكتاب الذي
أحاط بجملة الآثار وجمعها رأيت الذهن لا يقول في جوابه إن الكتاب كذا وكذا
كاف لهدايتك في ذلك المقصد العلي بل يقول قولا مؤيدا بالعدم
وجود الكتاب هكذا وكنا على سبيل الانتظار لوجود الكتاب المحيط
على أخبار الذين خلوا من الصناديد في هذه البلدة الطيبة و
الملوك لتواريخ آثارهم وحصونهم وصروحهم المشيدة فالحمد لله الذي
يتبع بعض الناس على بعض في الفناء وخلق الموت والحياة للبلاء على أن
عطف قلب العلامة الحبر النحرير وصاحب الفضل العظيم المولانا المولوي
بشير الدين احمد خلف شمس العلماء المولينا المولوي
نذير احمد الدهلوي الذي اسمه السامي شائع معروف
في أكناف الهند إلى تسويد هذا الكتاب الجامع لبيان جميع الأمكنة
المقدسة من الحصون والمقابر والمساجد التي بعضها قائمة
والأخرى على سبيل الفناء والحق أن في مناظرها عبرة
للناظرين والبيان لجميع الملوك الذين تمكنوا على سرير سلطنتها
من أول يوم جعلها الله قائمة الهند ولله در المصنف إذ حرر
هذا الكتاب الجامع الذي أغنانا من كتب الأخر لمعرفة
تلك العجائب والعجب كل العجب أنه ما من رطب ولا يابس

إِلَّا هُوَ جَامِعُهُ وَمِنْ سَلَاسَةِ عِبَادَتِهِ وَصِحَّةِ بَيَانِهِ
أَجْدَرُ بِأَنْ يَكُونَ عِنْدَ كُلِّ شَائِقٍ لِأَخْبَارِ الَّذِينَ
خَلَوْا مِنَ الْأُمَمِ فِي هٰذِهِ الْبُقْعَةِ الْمُقَدَّسَةِ دِهْلِي نُسْخَةٌ لِتَتْلُوَ عَيْنُهُ بِمِثْلِهِ
إِنَّ خَيْرَ جَلِيسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ -

کلام بلاغت نظام وفصاحت التضام لسان العصر حضرت اکبر[1] الہ آبادی مدظلہم العالی

ہیں علم کی محفل کی رونق دہلی میں بشیر الدین صاحب　　عالی ہیں خیالات ان کے بہت ہے اُن کی نظر فائز بے حد
اک قوم ہے اُن کے والد کی وہ بھی ہیں سعادت مند بسیر　　تصنیف ہو جاری لکھا ہے یہ مخزن علم و فن و ہنر
ہے علم کا چرچا ظاہر ہو پیدا ہوئے لکھنے والے بھی　　مبسوط و مکمل مستند تاریخ دہلی کی کوئی تاریخ نہ تھی
جب گلشن علم مولانا سے تازہ و رنگیں گل یہ کھلا　　"دہلی کی پہلی تاریخ" اس فقرے میں سال طبع ملا
۱۳۲۷

[1] دلی میں آپ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شریف میں جناب خواجہ حسن صاحب نظامی کے پاس فروکش تھے۔ میرے والد مرحوم نے نہ صرف جناب ممدوح کو نیاز تھا بلکہ آپ کے خاندان سے تعلقات خاص اس زمانے سے تھے جب کہ میرے والد الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اس آن بان اور اس شان کے لوگ اب پیدا نہیں۔ پرانی وضع کا نبھانا انھیں بزرگوں کا کام ہے۔ بڑے شوق سے حاضر خدمت ہوا تھا اس سے زیادہ آپ کے خلوص اور شفقت بزرگانہ سے مالا مال آیا۔ باپ کو کیسے دیکھتا کہ مر چکے تھے ان کے دیکھنے اور جاننے والوں کو دیکھ کر قلب مضطر کو تسکین ہوئی۔ آپ نے جب سنا کہ نذیر احمد کا لڑکا ہے باوجودیکہ علیل اور مضمحل تھے کھڑے ہو کر گلے لگا لیا۔ مجھے باپ کی محبت یاد آئی۔ ان کی نورانی شکل دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس روز ایسی حالت تھی کہ بہتیرا کہنا چاہا مگر زبان رک گئی کچھ نہ کہا گیا۔ دوسری ملاقات میں مدعائے عریضہ الاظہار عرض کرنا چاہا پاس ادب اور ان کی بیماری نے زبان پکڑ لی۔ مگر غرض باؤلی ہوتی ہے میں بطور تبرک آپ کے قطعۂ تاریخی کا طلبگار تھا۔ جذب عالم پوری کا مادہ "دہلی کی پہلی تاریخ" ۱۳۲۷ھ جو بہترین تھا آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا کہ زحمت جستجو اور طبیعت پر تفکر کا بار نہ ہو اور نظم کر دینے کی خواہش کی۔ قصہ مختصر تیسری ملاقات میں یہ مرحلہ محض میری خاطر سے حل ہوا (بقیہ نوٹ برصفحہ آئندہ)

قطعات تاریخی نوشتۂ جناب راؤ گھوراؤ صاحب جذبؔ منصبدار عالم پوری (ضلع رائچور)

بے شک یہ جذب بشیر احمد نے — لکھی ہے دہلی کی اچھی تاریخ
اس کی تاریخ جو کوئی پوچھے — کہہ دو تم "دہلی کی بھلی تاریخ"
۱۳۳۷ھ

ولہ

کب مجھ سے ہو ثنائے جناب بشیر دین — روشن ہیں مہر کی طرح جب آپ کے صفات
محسن جہاں بھر کے ہیں اس میں نہیں ہے شک — ہاں کر چکے ہیں وقف جہاں آپ اپنی ذات
تصنیف کردہ جتنی کتب ہیں انھیں جہاں — آنکھوں سے بس لگاتا ہے مثل تبرکات
ہر نقطہ بے نظیر ہے ہر بات لاجواب — ہر فقرے میں ہے آپ کے اک کوزۂ نبات
فیض آپ کی کتب سے اٹھاتے ہیں ایکساں — مردان علم دوست ہوں یا ہوں مخدرات
خاموش کیسے بیٹھیں گے عالم میں بے نظیر — اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا ہے بے ثبات
تاریخ تین جلدوں میں لکھی ہے بے نظیر — کوزے میں بند کر دیئے دنیا کے واقعات
اس طرح سے کسی نے مفصل لکھی نہیں — اب تک قدیم دار حکومت کے واقعات
میں کیا کہ اک جہاں ہے مصنف کا مدح خواں — سچ ہے بقائے نام بھی ہے دائمی حیات
تاریخ اس کتاب کی یوں جذب نے کہی — "چھاپے گئے یہ خطۂ دہلی کے واقعات"
۱۳۳۷ھ

(بقیہ نوٹ بر صفحہ گزشتہ) ورنہ جناب معزکی ناسازی گوارائے زحمت کی متقاضی نہ تھی۔ میری ناچیز تصنیف کو چار چاند لگ گئے۔ آپ نے مجھ ناچیز کو بے دامول خرید لیا۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است — من المصنف ۱۲

سلہ گئے ہیں اکثر محققین نے دو دی لی ہیں اس حساب سے دس بڑھ جاتے ہیں لیکن بعض بعض مثالیں (۲۰) اعداد محسوب کرنے کی بھی ملیں گی اور اسی مادے میں شق آخر ہی اختیار کی گئی ہے۔۱۲

قطعات تاریخی از قلم سراپا کرم جناب ابوالکمال مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر گنگوہی

بشیر احمد دہلوی نے لکھی ہے — یہ تاریخ دہلی کی باحسن تحسین
مصنف مؤلف مورخ ہیں کامل — ہر اک میں ہے حاصل انھیں حق تدریس
یہ اپنے زمانے کے علامۂ دہر — یہ اپنے زمانے کے سحبان و قسیس
مفید زمانہ سفیر ان کی تصنیف — بنائے ادب کو ہے اک فعل تاسیس
نکالا جب اک سن کو دو طرح میں نے — لکھی اس کی تاریخ "تیرہ سو سینتیس"
۱۳۳۷ھ

(۲) (۲۰۰) رقم کی ہے بشیر الدین نے تاریخ — (۷) زمانے بھر میں یہ بہتر سے بہتر
(۲) بنایا ہے دلہن دلی کو لیکن — (۱) ابھی پردے میں ہے پردے کے اندر
(۴) در نایاب مضمون مرصع — (۲۰) لگا کر سر پہ دیباچے کا جھومر
(۴۰) مزین طبع کے زیور سے ہو کر — (۲) پری بن کر جب آئے گی باہر
(۵۰) نگاہ برق کو خیرہ کرے گی — (۲۰) گریں گی بجلیاں حاسد کے دل پر
(۹۰) صحیح ہیں واقعات اس میں تمام سب — (۳۰) کہ خود موقع پہ کی تحقیق جا کر
(۶۰) سنی بھی اور دیکھی بھی ہیں میں نے — (۴۰) تواریخی کتب دنیا کی اکثر
(۶۰۰) خدا شاہد کہ یہ تاریخ دہلی — (۴۰۰) تواریخوں میں ہے بہتر سے بہتر
(۷۰) عمارات کہن کا تازہ فوٹو — (۶۰) سلاطین سلف کی زندہ پیکر
(۹۰۰) خزینہ پر ز معلومات نادر — (۴) دفینہ پر ز گوہر ہائے خوشتر
(۵) ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھ کو — (۸) حروف اشعار سے اول کے لے کر
(۶۰) سب اعداد ان کے جب میں نے ملائے — (۵) ہوئے پیدا سن عیسی سراسر
(۶۰) سن ہجری پہ مصرع ہائے آخر — (۵۰) شروع کے حرف اول سے اٹھا کر
(۷۰) عدد ابجد کی رو سے جب نکالے — (۲۰) کیے حاصل سن ہجری سراسر
(۸) حساب ابجد کا ہے تاریخیں معلوم — (۴۰) سفیر اس قطعہ سے نکلیں برابر
۱۹۱۹ء — ۱۳۳۷ھ

(۳) یہ تاریخ دہلی کی جامع کتاب — بشیر احمد دہلوی نے لکھی
سفیر اس کی تاریخ برجستہ تم — "لکھو خوب تاریخ دہلی چھپی"

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی حسن احمد صاحب رئیس تہٹلی ضلع سارن

شہیر زماں مولوی ال ال ڈی — ہیں تصنیف و تالیف میراث جن کی
بشیر ان کے بیٹے ہیں حق دار جائز — کہ یہ دولت لازوال ان سے پائی
دکن میں رہے مدتوں یہ کلکٹر — وظیفہ ملا ان کو خواہش پر اپنی
ہوئے قوم کے کام میں آکے مصروف — دعائیں لگے لینے خلق خدا کی
شب و روز شغل تصنیف و تالیف — یہی ان کا روزہ یہی ان کی روزی
ذہانت میں یکتا متانت میں فائق — ہے پرزور ان کی طبیعت غضب کی
تمام ان کا عالم میں ہے نام روشن — کہاں ہے نہیں روشنی ان کے نام کی
نظیر و مثال ان کی عالم میں عنقا — عرب سے عجم تک نہیں کچھ یہ مخفی
مقولہ ہے لوگوں کا میرا عقیدہ — کہ ہیں اس زمانے میں یہ فخر دہلی
اٹھائے قلم سامنے ان کے آئے — کسی کو اگر کچھ ہو دعوا ہے علمی
اگر وارث الالسنہ ان کو کہیے — تو اردو زباں ان کے گھر کی ہے لونڈی
وطن کے ہیں خواہ و حامی و ہمدرد — شب و روز در فکر اصلاح قومی
تمامی قلم رو میں علم و عمل کے — رکھی اپنے والد کی آباد کرسی
ضرورت بہت رہبری کی ابھی ہے — خدا ان کو دے زندگی خضر کی سی
جو دہلی کے دل میں تھی مدت سے حسرت — اب ان کے قلم کی بدولت وہ نکلی
بعہد جہاں داری جارج پنجم — بصد کامیابی یہ تاریخ نکلی

تاریخ گوئی میں آپ کو بڑا ملکہ ہے نظم آپ کی بہت برجستہ آمد ہوتی ہے۔ نہ میں نے آپ کو کبھی دیکھا نہ آپ نے مجھے مگر سالہا سال سے دور بیٹھے دوستی کو ایسا نباہ رہے ہیں کہ جیسا اس کا حق ہے آپ کی خوش اخلاقی اور قابلیت نے میرے دل میں خاص جگہ پیدا کی ہے۔ آپ نہ صرف میری ہر کتاب پر کئی کئی تاریخیں لکھ دیتے ہیں بلکہ ہر بچے کی پیدائش اور ان کی تقاریب شادی وغیرہ پر بھی اظہار محبت فرماتے ہیں غرض خاکسار کو اس قدر زیر بار احسان کیا ہے کہ آپ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے۔ آپ نے ایک چھوڑ چار قطعے لکھے ہیں۔ ایک یہاں اور تین اور جگہ حسب موقعہ اس کتاب میں آ گئے ہیں۔ ۱۲ من المصنف۔

خدا اس کے لکھنے کا ان کو صلہ دے
یہی اب دعا ہے دلی ہے ہماری

بشیر پند اخلاق تہذیب ادب میں
لکھی ہیں انھوں نے کتابیں بہت کا

مگر اس میں شاید ہی ایسی کوئی ہو
کہ میں نے لکھی ہو نہ تاریخ جس کی

اب اس تازہ تصنیف کا ذکر سن کر
ہوئی دل میں پیدا پھر اک گدگدی سی

کسی سے نہ پوچھا نہ سوچا نہ سمجھا
نہ کچھ اس میں فکر رسا سے مدد لی

مصنف کی خوش نیتی کی بدولت
ہوئی ای لطیف اس میں تائید غیبی

کہ از بہر سال الہی فلک سے
ندا آئی "اذکار شاہان دہلی"

پھر اب عیسوی کوئی پوچھے تو کہہ دو
کہ ہے دفتہ "السلاج تاریخ دہلی"

۱۹۱۹ء

تاریخ طبع زاد جناب برکت شیر خاں صاحب ادیب میرٹھی

سابق ایڈیٹر ہمدرد و مصنف کتب متعددہ

ای بشیر الدین احمد دہلوی
آپ کے اوصاف ہوں کیوں کر بیاں

جانشین علامۂ دوراں ہیں آپ
کیوں نہ ہوں پھر نکتہ سنج و نکتہ داں

خوبیاں ہر صنف کی مرحوم سے
ورثہ والا میں آئیں بے گماں

اس زمانے میں نہیں دیکھا سنا
دلنشیں و خوش اثر نادر بیاں

وہ وہ لکھی ہیں کتابیں لاجواب
معترف خوبی کا جن کی اک جہاں

آپ کی تصنیف میں پاتے ہیں ہم
مستند دلی کی ٹکسالی زباں

فہم میں آجائے فوراً دیکھ کر
اتنا سیدھا سادہ عمدہ ہے بیاں

کچھ نہیں تعقید سے الجھن سے انتشار
نثر ہے اک چشمۂ شیریں رواں

صاف اور شستہ عبارت دیکھ کر
نقش حیرت کیوں نہ ہوں اہل زباں

خوب کی تحریر یہ تاریخ نو
دلی والوں کی ہے جس میں داستاں

ان میں ہیں نامور جتنے ہوئے
حی و قائم پائیں زیر آسماں

[1] یعنی میرے والد مرحوم - ۱۲

آن کی صنعت اُن کے فن اُن کے کمال کارنامے سب کے کرتی ہے عیاں
ہے مورخ خواں جس کا جہاں ہے آج تک کرتی ہے اُن کی بیاں یہ خوبیاں
کچھ ہیں ایسے بھی نہیں جن کا مزار نام باقی ہے نہیں لیکن نشاں
دامن صحرا میں ہیں آسودہ خواب خاک تک جن کی نہیں دامن کشاں
کون تھے کیا جانے کس کا ڈھیر ہے بے خبر ہیں مرد و زن خورد و کلاں
دیتی ہے سب کا پتہ تاریخ یہ تھے یہاں ابن فلاں ابن فلاں
کیں مصنف نے بہت جانکاہیاں اجر دے اس کا خداوند جہاں
ہاں یقیں مجموعہ خوبی ہے یہ کیوں نہ ہو منظور چشم مردماں
لکھے سن طبع کیسے مختصر لطف سے لبریز ہے گو داستاں
خوب ہے تاریخ بے مثل اے ادیب "ہے ضمیموں یادگار رفتگاں"

ھ۱۳۳۸

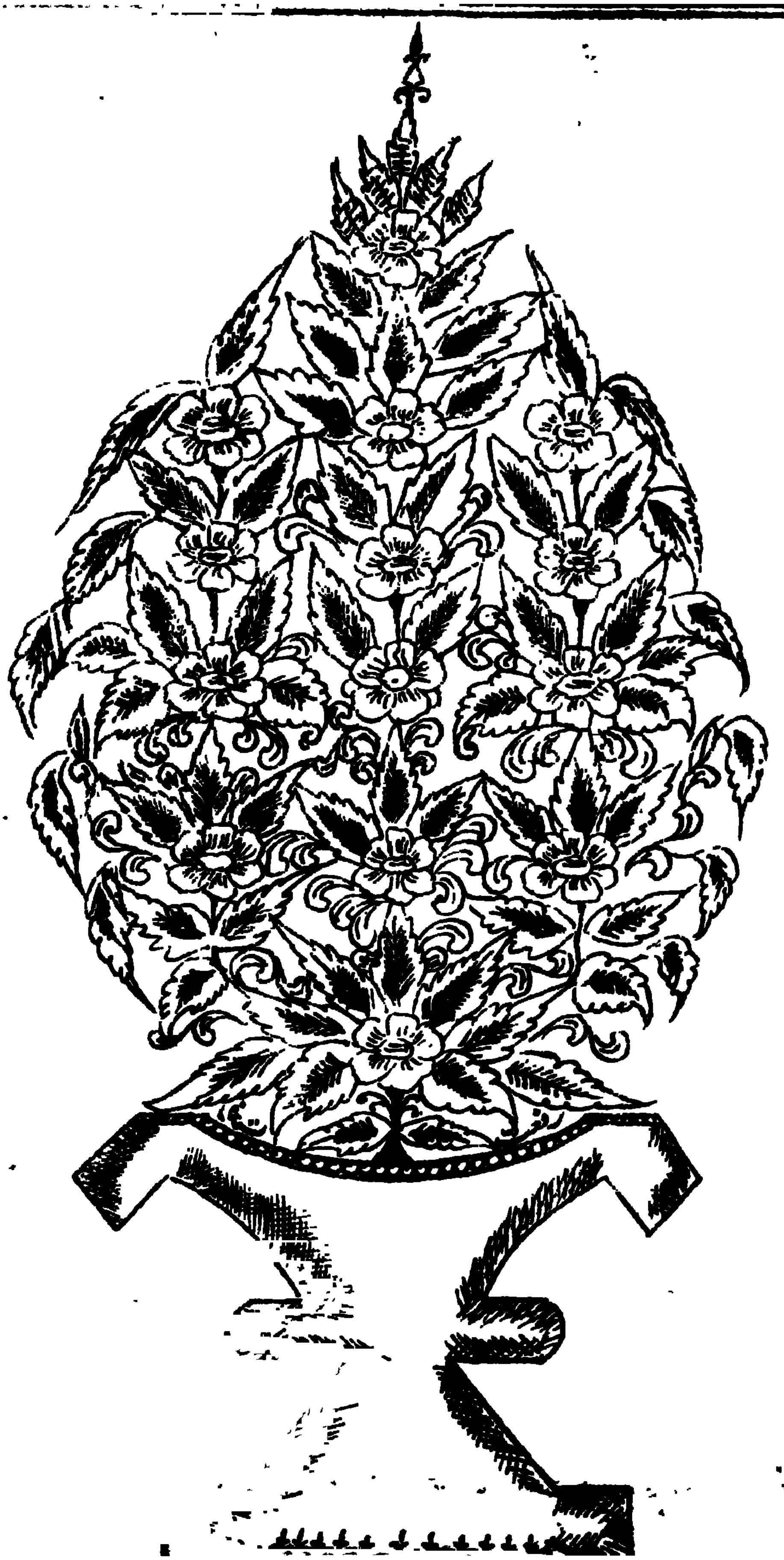
تاریخ رقم زدہ جناب رفعت شیر خاں صاحب لبیب فرزند ادیب صاحب کاتب کتاب ہذا

وہ تاریخ دہلی لکھی آپ نے مفصل لکھا جس میں دہلی کا حال
ہے تصنیف بھی آپ کی بے مثل کہ جس طرح سے آپ ہیں بے مثال
ہوئی فکر تاریخ کی جب مجھے فلک پر تجسس میں پہنچا خیال
بشارت دی ہاتف نے یہ اے لبیب کہ لکھ دیجے "تاریخ اہل کمال"

۱۳ ۴ ۳۸

الحمد للہ علی احسانہ کہ حصہ سوم واقعات دار الحکومت دہلی مع ضمیموں کے ختم ہوا

ف۔ معلوم تھا کہ یہ کتاب [illegible] میں شائع ہو جائے گی مگر خدا بھلا کرے سٹرائک کا جنھوں نے ایک سال ٹال کر دوسرا سال لگا دیا اسی سبب کچھ تاریخیں ۱۳۳۷ھ کی ہیں اور کچھ ایک سال مابعد کی۔ ۱۲



HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E. H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. III.

Archæology (*continued*)

DELHI

1919

1st Edition

1,000 Copies.

I. M. H. P., Delhi.